

کتابخانه اسلامیہ

کتب خانہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ

دہلی

شعبہ ۱۸۶۱

ن ۷۰

عدد داخلہ ۲۰۰۲

A. H. Foreign

زندگی آئینہ اور زندگی آموز ادب کا گمانہ

نقوش

مدرسہ اسلامیہ اسلامیہ دہلی

پطرس نمبر

۷۶۷۷۵

ستمبر ۱۹۵۹ء

۲۹۰۰۲

محمد طفیل

فی پربہ
سات روپے

سالانہ چندہ
بیس روپے

ادارہ فروغِ اردو — لاہور

کوئی مضمون بلا اجازت شائع نہ کیا جائے

فہرست

۱۔ طالع

۲۔ احمد بخاری

۳۔ عالمی شہری

۴۔ جیلے ماض بنو

۵۔ پروین سیر بخاری کے آئینہ لمحات

۶۔ ہر فرد جس کا جس قتلے گوش تھا

۷۔ بھانی بھائی

۸۔ آجینہ بندی صہبا سے پگھلا جائے ہے

۹۔ میرا نام بخاری ہے

۱۰۔ گورستان ادب کا فقیر کوئی دن اور

۱۱۔ کیا تیرا کچھ تا جو نہ مرنا کوئی دن اور

۱۲۔ ... کہ گوہر مقصود و گفتگو مست

۱۳۔ خستے خستے

۱۴۔ چند پرانی یادیں

۱۵۔ پطرس بخاری مرحوم

۱۶۔ اے۔ ایس۔ بی

۱۷۔ پروم رشید

۱۸۔ میٹر شہرہ آفاق استاد

۱۹۔ دیوان۔ او میں پروین سیر بخاری سے یک ملاقات

۲۰۔ ضابطہ بے ضابطہ

۲۱۔ پطرس

۲۲۔ جس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو

۲۳۔ جناب پطرس

۱۔ پطرس پر حشمت مزاج نگار

۲۔ سفاین پطرس کا مطالعہ

۳۔ پطرس کی تحریفات نگاری

۴۔ پطرس کے سفاین

۱۔ نقش گمشتگی

۲۔ ہم آواز کے گھر ہر دل از تو دارم جز خام شد

۳۔ فرمودہ پطرس

۴۔ دو ماہیہ

۵۔ ہیکل میں

۶۔ دفتر شعر

۷۔ ولی کی سیر

۱۔ طالع

۲۔ احمد بخاری

۳۔ عالمی شہری

۴۔ جیلے ماض بنو

۵۔ پروین سیر بخاری کے آئینہ لمحات

۶۔ ہر فرد جس کا جس قتلے گوش تھا

۷۔ بھانی بھائی

۸۔ آجینہ بندی صہبا سے پگھلا جائے ہے

۹۔ میرا نام بخاری ہے

۱۰۔ گورستان ادب کا فقیر کوئی دن اور

۱۱۔ کیا تیرا کچھ تا جو نہ مرنا کوئی دن اور

۱۲۔ ... کہ گوہر مقصود و گفتگو مست

۱۳۔ خستے خستے

۱۴۔ چند پرانی یادیں

۱۵۔ پطرس بخاری مرحوم

۱۶۔ اے۔ ایس۔ بی

۱۷۔ پروم رشید

۱۸۔ میٹر شہرہ آفاق استاد

۱۹۔ دیوان۔ او میں پروین سیر بخاری سے یک ملاقات

۲۰۔ ضابطہ بے ضابطہ

۲۱۔ پطرس

۲۲۔ جس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو

۲۳۔ جناب پطرس

۱۔ پطرس پر حشمت مزاج نگار

۲۔ سفاین پطرس کا مطالعہ

۳۔ پطرس کی تحریفات نگاری

۴۔ پطرس کے سفاین

۱۔ نقش گمشتگی

۲۔ ہم آواز کے گھر ہر دل از تو دارم جز خام شد

۳۔ فرمودہ پطرس

۴۔ دو ماہیہ

۵۔ ہیکل میں

۶۔ دفتر شعر

۷۔ ولی کی سیر

۱۔ پطرس پر حشمت مزاج نگار

۲۔ سفاین پطرس کا مطالعہ

۳۔ پطرس کی تحریفات نگاری

۴۔ پطرس کے سفاین

۱۔ نقش گمشتگی

۲۔ ہم آواز کے گھر ہر دل از تو دارم جز خام شد

۳۔ فرمودہ پطرس

۴۔ دو ماہیہ

۵۔ ہیکل میں

۶۔ دفتر شعر

۷۔ ولی کی سیر

افسانے، ڈرامے، ناولٹ

۱۷۱	۱- باجنا نیم
۱۸۵	۲- گونگی جورو
۱۹۱	۳- صید و ستیا
۲۰۳	۴- حلق کی خودکشی
۲۰۷	۵- تائیس
۲۲۹	۶- سب م درخت
۵۸۰	۷- ویمن صاحب اور میں

مزاحیہ مضامین

۲۹۸	۱- اخبار میں ضرورت ہے
۳۰۱	۲- دوست کے نام
۳۰۶	۳- بچے
۳۰۸	۴- آپ اور آپ

فنی مضامین

۳۱۰	۱- ملک اشک کے تعلق جد نام اصل
۳۱۶	۲- پاکستان میں تعلیم کا مستقبل
۳۲۲	۳- ایڈیٹنگ کا فن
۳۳۳	۴- انگلستان کے جدید تھئیٹر
۵۶۵	۵- قریم یونانی سما اور ان کے خیالات

تنقیدی مضامین

۳۳۳	۱- ہمارے نئے کار دو آدیب
۵۷۷	۲- اقبال
۳۵۱	۳- کچھ عصمت چستانی کے بارے میں
۵۵۱	۴- بیرونی
۳۶۱	۵- بیہوشانگ افسانے

نیا نر مندان لاہور کا سلسلہ

۳۳۱	۱- بی بی کے تنقید نگاروں کی خدمت میں
۵۲۵	۲- انارکلی مخلص صاحب اور بہ ناز مند
۵۳۳	۳- فخر و تہنم کے دیباچوں پر ایک نظر

ادب لطیف

۳۶۶	۱- وارنگلی جذبات
۳۶۸	۲- تینزل
۳۶۹	۳- آئینہ دل
۳۷۱	۴- آسمان
۳۷۲	۵- ایک رات
۶۰۲	۶- چند برسنار

دیباچے

۳۷۳	۱- ایک غیر مطلوبہ کتاب کا پتہ
۳۷۶	۲- چچا اور دوسرے افسانے
۳۷۸	۳- فخر زار
۳۷۹	۴- جھوٹے
۳۸۰	۵- ایران میں اجنبی
۳۸۷	۶- چچے چوری

سفر نامے

- ۱۔ سفر نامے ۳۶۲
۲۔ میکسیکو کے کویر و بازار ۲۰۶

بچوں اور عورتوں کے لیے

- ۱۔ روناؤ ڈانا ۶۰۰
۲۔ کاغذی روپیہ ۵۹۷
۳۔ فوج انسان کی کہانی ۲۸۰
۴۔ بچے کا پہلا سال ۲۸۴
۵۔ رہنما میں ہوائے اسکاٹ ۲۹۰

حطوط

- بنام —————
عبد المجید ساکب، ۴۰۹ غلام رسول مہر، ۴۴۳
عبد الرحمن چغتائی، ۴۴۹ غلام مصطفیٰ اختر، ۴۵۲
عظیم آمنہ جید ملک، ۴۵۶ عظیم فیض احمد فیض، ۴۵۰
انتیاز علی بیگ، ۴۶۰ عابد علی، ۴۵۹
عظیم برہنہ، ۴۶۱ عظیم ورجن، ۴۸۱
عبد القدر رشک، ۴۷۰ عابد علی، ۴۶۹

پطرس کے مضامین (مکمل کتاب)

- ۱۔ انہار حقیقت ۴۷۳
۲۔ ویسپاچ ۴۷۴
۳۔ دستقل میں رہنا ۴۷۵
۴۔ سویرے جوکل آنکھ میری کھلی ۴۸۴
۵۔ کچے ۴۹۰
۶۔ اردو کی آخری کتاب ۴۹۳
۷۔ میں ایک بیباں ہوں ۴۹۵
۸۔ مرید پور کا پیر ۵۰۱
۹۔ انجم بخیر ۵۰۸
۱۰۔ سینا کا عشق ۵۱۳
۱۱۔ سبیل اور میں ۵۱۷
۱۲۔ مرحوم کی یاد ۵۲۰
۱۳۔ لاہور کا جغرافیہ ۵۳۱

تقاریر

- ۱۔ مسئلہ تونس ۴۰۴
۲۔ ماڈل جنرل اسمبلی ۶۲۷

پریمات

خلیفہ عبدالحکیم حفیظ جالندھری خواجہ منظور حسین عابد علی عابد



اس کشمکش میں گزریں وہی زندگی کی راہیں
 کچھ سوز و ماتمِ دوری کبھی بیچ و تابِ رازیں
 لاہور ۲۰ جنوری ۱۹۵۸ء
 یحیٰ خان

AHMED BOKHARI

DAG HAMMARSKJOLD

I first met Ahmed Bokhari soon after taking over my functions as Secretary-General. He was then Head of the Pakistan Delegation to the United Nations, famous for his wit and eloquence, but also respected as an extremely effective spokesman for his country. Our first discussion added something essential but not quite unexpected to his profile as it was known to the outside world. I remember how on that occasion he demonstrated his interest in the English metaphysical poets rather than in the more worldly affairs of the United Nations.

A year or so later, when I was looking for a senior representative in the Secretariat for the Islamic world, my thoughts naturally turned to Bokhari. I was happy to see him willing to join our staff. His first strictly personal assignment was a somewhat unexpected one. In January 1955 he accompanied me to Peking, where I had to negotiate about the release of a group of United States fliers. He was, of course, a wise and subtle counsellor but, outside the professional duties, he derived great satisfaction from this first contact with East-Asian civilization with its parallels to the West-Asian culture in which he was steeped.

On later trips to the Middle East I had, a couple of times, the privilege of his guidance. It was especially on those trips that I got to appreciate how deeply the experiences of his youth, and in particular the traditions of his family, had influenced his personality. As all his friends know, he combined great natural warmth and simplicity with considerable shyness. Back of this blend of qualities was a profoundly aristocratic attitude. There was much natural pride reflected also in such an ironical statement of his, as this one which he made to me a couple of times: "I was brought up camelback".

I have stressed here his attachment to his own background. Others will undoubtedly write about his learning and his deep insight in Western traditions. He was, indeed, a master of the English language as of the languages of his own region, and he was a critic of Western literature of an unusual *esprit de finesse*.

It may be natural for me to sum up what I have said about the qualities of Ahmed Bokhari in a word about how those qualities were reflected in his work as a diplomat. I can do that by a quotation from Jacques Barzun, who says in his recent book "The House of Intellect" :

"Diplomacy . . . requires an awareness of others' minds which is one of the chief attributes of the prose writer, second only to his capacity for meeting argument with finesse and clear reason. A self-centered diplomat, an incoherent diplomat, are contradictions in terms".

Ahmed Bokhari was, indeed, a diplomat meeting the requirements which this quotation sets out.

25 June, 1959

احمد بخاری

ہیمر شولڈ (سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ)

احمد بخاری سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب مجھے سیکرٹری جنرل کا عہدہ سنبھالنے کوئی زیادہ مدت نہیں گزری تھی۔ اس وقت وہ اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے رئیس تھے اور اپنی حاضر حواشی اور شکمہ جیسی کی بدولت عظیم شہرت کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے منک کے بدرجہ غایت مہور اور باوقار ترجمان ہونے کے اعتبار سے بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ہماری پہلی گفتگو نے ان جذبات و احساسات میں کسی قدر اضافہ ضرور کیا۔ لیکن یہ اضافہ ان کی اس خیالی تصویر سے جہاں مختلف مہمیں جس کے لئے وہ باہر کی دنیا میں معروف تھے۔ مجھے یاد ہے کہ اس طرح اس موقع پر انہوں نے اقوام متحدہ کے عالمی مسائل سے زیادہ انگریزی زبان کے ماورائی سفر کے بارے میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

کم و بیش ایک سال کے بعد جب مجھے اس ادارے کے لئے عالم اسلام کے ایک اعلیٰ نمائندے کی جستجو ہوئی تو قدرتی طور پر میرا ذہن بخاری کی طرف متوجہ ہوا اور مجھے یہ معلوم کر کے مزید مسرت ہوئی کہ وہ ہمارے عملے میں شرکت کے لئے رضامند ہیں۔ یوں پہلے پہل ان کی خود سہرہ کی کسی قدر اچھے کی بات تھی۔ جنوری ۱۹۷۵ء میں وہ میرے ہمراہ بیکنگ گئے جہاں مجھے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ہوا بازوں کی ایک جماعت کو رہا کرانے کے لئے بات چیت کرنی تھی۔ کچھ شک نہیں کہ وہ بڑے ہوشمند اور زیرک مشیر تھے۔ لیکن اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے ساتھ جس بات پر انہیں زیادہ تسکین حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ انہیں مشرق ایشیا کی تہذیب سے رابطہ پیدا کرنے کا اولین موقع ہاتھ آیا تھا۔ یہ تہذیب مغربی ایشیا کی ثقافت کے متوازی اوصاف رکھتی تھی کہ جسم رنگ میں وہ خود رنگے ہوئے تھے۔

اس کے بعد مشرق وسطیٰ کے دوروں میں مجھے چند موقعیں ملیں کہ ان کی رہنمائی سے استفادہ کا سرف حاصل ہوا۔ انہی سفرؤں کے دوران، میں نے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا کر یہ محسوس کیا کہ انکی شخصیت پر اگلے عہد شباب کے تجربوں اور خاص کر انکی خاندانی روایات کی کتنی گہری چھاپ ہے۔ ان کے تمام رقا اور احباب جانتے ہیں کہ انکی قدرتی گرم جوشی اور سادگی میں حیا داری کس قدر رچی بسی ہوئی تھی۔ ان مرکب اوصاف کے پیچھے ان کے عمیق شریفانہ اطوار کارفرما تھے۔ دراصل وہ ایک احساس فخر بھی رکھتے تھے۔ جس کا اظہار انہوں نے میرے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے دو موقعوں پر کیا۔ ان میں سے ایک ان طنزیہ الفاظ سے بھی مترشح ہے کہ ”میری پرورش و تربیت اونٹ کے کوہان پر ہوئی“

میں نے اس جگہ روایات کے اس پس منظر پر خاص زور دیا ہے جس سے انہیں واقعی دل بستگی تھی۔ دوسرے اصحاب بلاشبہ انکی علمی فصاحت اور مغربی اقدار پر انکی بصیرت کا ذکر کریں گے۔ فی الواقعہ انہیں انگریزی زبان اور اپنے علاقے کی زبانوں پر زبردست قدرت حاصل تھی اور وہ غیر معمولی طور پر مغربی ادب کے بھی بلند پایہ نقاد تھے۔ قدرتی طور پر میرے لئے لازم ہے کہ احمد بخاری کے اوصاف و کمال کے بارے میں جو کچھ میں نے کہا ہے اسے چند لفظوں میں سمیٹ کر یہ بیان کروں کہ ان کی یہ خصوصیات ایک سیاسی سفیر کی حیثیت میں کس طرح ظاہر ہوتیں اور اپنا اثر ڈالتی تھیں۔ یہ کام میں جیکس برزون (Jacques Barzun) کی تازہ تصنیف دی ہاؤس آف انٹی لیکٹ کا ایک اقتباس پیش کر کے بخوبی انجام دے سکتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں۔ ”حکمت عملی (سفارت) کا تقاضہ ہے کہ دوسروں کے افکار و اذہان سے آگاہی حاصل ہو یہ انشا پر داز کا بھی ایک استنبازی وصف ہے مگر اس سے دوسرے درجے پر کہ وہ دوسروں کے دلائل کا جواب کس ہوشمندی اور واضح استدلال کے ساتھ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایک ’حاضر دماغ‘ سفیر اور ایک ’پریشان خیال‘ سفیر اصطلاح میں ایک دوسرے کی ضد ہیں“

احمد بخاری حقیقت میں ان اوصاف پر پورے اترنے والے سفیر تھے جو مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کئے گئے ہیں۔

طُلُوع

محمد طفیل

خبر آئی۔ بخاری صاحب کا انتقال ہو گیا۔ جی ڈوب سا گیا۔ ذہنی ماضی کی طرف پلٹا۔ کوئی مجھ سے مخاطب تھا۔
مشفقی و کرمی، سلام سنون!

امادہ تھا کہ چند دی کے لیے لاہور مندر آؤں گا۔ اور منظر اور احباب کے آپ سے
بھی تجدیدِ نیاز کروں گا۔ لیکن افسوس کہ موجود یہ قنات پوری نہ ہو سکی۔ آج شام واپس واپس جا رہا
ہوں۔ اور دہلی سے امریکہ، انشا اللہ!

آپ کے کم اور بخشش سے آپ کا رسالہ اکثر چلی جایا کرتا تھا۔ اور امید ہے کہ آپ کا
یہ فیض اب بھی جاری رہے گا۔ البتہ میرا پتہ اب پاکستان میں نیویارک نہیں بلکہ یونائیٹڈ نیشنز
نیویارک ہے۔ سب سے بہتر تو یہ ہو کہ آپ مجھے معرفت مرکز اطلاعات، اقوام متحدہ کراچی کے
پتے سے بھیجوا دیا کریں۔ موصول میں بھی بھجوت رہے گی۔ کراچی کا مرکز اطلاعات آگے بھیجنے کا خود ہی
انتظام کرے گا۔

آپ کی مہربانیوں کا بے حد شکریہ ادا کیا عرض کروں۔ یار زندہ صحبت باقی۔

خاکر

احمد شاہ (نوائی)

میسے نام بخاری صاحب کا یہ پہلا خط تھا۔ جو اچانک چلا آیا تھا۔

معاذہن پھر کی طرح گھومنے لگا۔ بڑے آدمی کا انتقال۔ بڑے ادیب کا انتقال۔ بڑے عالم کا انتقال۔
بڑے مفکر کا انتقال۔ بڑے شخص کا انتقال۔ بڑے جالے کا انتقال۔

شیطان نے بہکا دیا۔ اٹھو اور خراج عقیدت پیش کرو۔ پطرس نمبر نکالو۔

فوراً ذہن سے تردید کر دی۔ یہ کام نہ کرنا۔ لوگ سوسو باتیں بنائیں گے۔ جتنے ذہنی استے نیچے۔ کوئی کلمہ گا، اچھا لکھ گیا۔ کوئی

کئے گا۔ یہ تو اسی دن کے انتظار میں تھا۔

بالآخر دل دوا خانے نے یہ فیصلہ کیا — اگر تجھے بطرس سے عقیدت ہی ہے تو چلے سے روئے اور بس۔
یہ فیصلہ جواہی تھا کہ بخاری صاحب کا دوسرا خط میرے سامنے آیا۔ خط کیا خود بطرس نے مجھ سے باتیں کیں :-

مشفق و مکرہمی۔ سلام مسنون!

آپ کا گرامی نامہ۔ پڑھتا گیا فوق ہوتا گیا۔ مگر خط کی آخری تین چار سطریں میرے لیے بہت برا
سوائے نشان ہی گئیں۔ ہاں کرتا ہوں قویہ وہ ہے کہ میری تحریر کی کسی جنبش سے اگر آپ کی دکان زاری ہوئی
تو مجھے کتنے نفل کا ثواب ملے گا۔ انکار کرتا ہوں تو نہ یہ خوش مذاقی کی ذیل میں آتا ہے اور نہ شرافت
کی ذیل میں۔ اگر آپ دل کو کھلا کریں اور میں جو کچھ آپ کی کتاب پر لکھ دوں مجھے قبول کر لیں تو بیشک
پر دفت محمود۔ میں بز خوشی مقدمہ لکھ دوں گا۔

ویسے مقدمہ نویسی میرے لیے ہمیشہ آزمائش کا وقت ثابت ہوئی ہے۔ میں اس سے اس
طرح جاگتا ہوں جس طرح حوریت بچہ جھنڈے سے۔ مگر کبھی اجاب کے کام سے متاثر ہو کر مقدمہ نہ لکھا۔
کبھی اجاب کی دوستی کے ڈر سے۔ آپ کس خانے میں جاؤ گے۔ یہ کتاب پڑھنے کے بعد معلوم ہوگا
ویسے میں نے آپ کے دو تین مضامین اس سے پہلے پڑھے ہیں۔ اس لیے جرات کر کے لکھ رہا ہوں کہ شاید
آپ بد مزہ نہ ہوں۔

میرا یہاں قیام دس پندرہ روز کا ہے۔ اس لیے جتنی جلدی ممکن ہو۔ پر دفت بھیج دیتے۔ ورنہ پھر
فرصت کے دن نصیب نہ ہوں گے۔
لاہور کے اجاب کو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔

خاکہ (بخاری)

جس دن بخاری صاحب کا یہ خط ملا تھا۔ دل تلج اٹھا تھا۔ اترا اتر کے میں نے یہ خط اپنے کئی دوستوں کو سنایا تھا۔ سرتوں کی
برات کے ساتھ اجلدی جلدی صاحب کے پر دفت تیار کر ڈالے۔ رجسٹری کر کے بھجوائے۔ مگر پر دفت بھیجنے کے دوسرے دن بخاری صاحب
کا ایک اور خط ملا۔ جو بڑا مختصر تھا۔ لکھا تھا :-

مشفق و مکرہمی، سلام مسنون!

آپ کے پر دفت اب تک نہ ملے۔ مگر میرے جانے کا وقت آگیا۔ میں آج ہی ایک بے
دوسرے پر جا رہا ہوں۔ نہ جانے اور کیا کب پہنچوں۔
مجھے اس کا افسوس رہے گا کہ میں آپ کی کتاب پر کچھ نہ لکھ سکا۔

خاکہ (بخاری)

یہ تینوں خط میرے ذہن پر چھ سوار ہو گئے۔ سوار ہوتے چلے گئے۔
پطرس سے میرا کوئی کیا۔ نہ تھا۔ یہی خط دو کتابت نہ تھی۔ بہتر ایک نہ تھا۔ ایک عالم فاضل، دوسرا عالم طبع، ایک ہی اہل قومی
شہرت کا مالک، ایک کنویر کا سینڈل، کوئی غریبی، کوئی خرابی، میری کسی نہ تھی جو پطرس کے دل میں جگہ بناتی۔
نہالات اُڑتے رہے۔ کئی پٹے لٹا سنا۔ پطرس نے انہوں خط لکھنے میں پس کی تھی کیوں میری باتیں مانی تھیں۔ یہ جتنا
سوچتا، اتنی ہی پطرس کی عظمت میرے دل میں بڑھتی۔

پطرس کی عظمت کے پتھر میں لگے تھا کہ ایک بار وہیں پھر بیڑی سے اُترا۔
سنو میاں، لوگوں کی پروا نہ کرو۔ پطرس غرور و ہتھکڑیوں ڈرتے رہے۔ نو ذائقہ کی بھرپور سیٹھ کا کام نہ کر سکوئے۔
خیالات میں تنہا دم رہا۔ کبھی بول، کبھی فوج۔

بالآخر ہی کڑا کر کے، کچھ نیم دلی کے ساتھ، میں نے پطرس کے دوستوں کی خدمت بنائی۔ خدمت کتابت کی۔ اس سلسلے میں میری
جتنی مزا ملت ہوئی۔ وہ سب یہاں درج کرنا ہوں۔ سناٹے ان باتوں سے جو ذاتی ہیں، اور انفرادی ہیں۔ میرے خطوط کا معصوم یہ تھا۔ پطرس
پر لکھیے اور میں بتائیے کہ وہ برجستہ انسان کیسے تھے اور برجستہ ادیب کیسے تھے۔

بٹسے بٹسے ادیبوں کے میرے نام ہزاروں خط آئے ہوں گے جن میں سے کچھ ضائع ہو گئے۔ کچھ کو دینک پاٹ گئی۔ کچھ
ہیں۔ گھبھے ان کی اشاعت کا کبھی خیال نہ آیا۔ ان خطوط کو اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ ان سے پطرس کی شخصیت کچھ اور نکھرے گی۔
اور پھر مطوعات!

یہ خود ابھرے کے بغیر ہی ملاحظہ فرمائیں۔ میرے لیے ابھی اس نمبر کی ترتیب و تدوین کا بہت سا کام باقی ہے۔ ذرا سے محبت میں
اگر کہیں ملتے کی ضرورت پڑی تو کچھ عرض کر دوں گا۔ ورنہ ضرورت ہی کیا۔

کرمی فضل صاحب، تقسیم

آپ کے ارشاد کی تفصیل میں بخاری مرحوم کے چند خطوط اور سالی خدمت ہیں۔ میرے نام ان کے افسر
خطوط ایسے ہیں جن میں بہت زیادہ ذاتی قرار دیا جاسکتا ہے، ان میں سے متاثرہ زیادہ دلچسپ اور دلچسپ زیادہ
عزیز و خطوط ہیں جو مجھ میں ان میں کوئی کشیدگی پیدا ہو جانے کے بعد انھوں نے مجھے ملے۔ لیکن ان میں بعض
دوسرے دوستوں کا تذکرہ اور ان کے طرز عمل پر بہت غفلت، اس قسم کی رائے نہ ہے جسے کسی رسالے میں
چھپا ہوا دیکھنا شاید مایوس و غریب نہ ہو۔ اس لیے ان میں شائع کرنے کے لیے دینا مجھے قرین مصلحت معلوم
نہیں ہو تا۔ پھر کئی خطوط میں جا بجا اس قسم کے حوالے اور اشارے ہیں کہ جب تک ان کی مکمل تشریح نہ کی جائے
کسی کے پتے کچھ نہیں پڑ سکتا۔ اور ان کا ان اور اشاروں کی تشریح لکھنا آسان کام نہیں۔ اس لیے تفصیل افشاء
میں پسند ایسے خط بھیجنے کے سوا چارہ نہیں۔ جو مکمل کے مکمل یا بہت محدود سی قطع و برید کے بعد عام دلچسپی کے
قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ انہوں کو کیسے خطوط ہیں۔ زیادہ احتیاط سے نہ رکھے۔ بدھرا کو کچھ بٹسے ہوئے
ہیں۔ جو اس وقت لی گئے۔ اور سالی خدمت ہیں۔

ان خطوط کے ساتھ چند ایسے مضامین بھی بھیج رہا ہوں۔ جو ادبی رسائل پڑھنے والوں کی نظر سے شاید نگہ نہ ہوں۔ ان قوم کے کئی مضامینوں کو لکھے گئے تھے کہ بخاری صاحب حسب معمول مجھے اپنے ساتھ کہیں باہر لے جانے کے لیے آئے۔ دیکھا کہ اخبار کا کاتب انتظار میں بیٹھا ہے۔ اور میں اس کے لیے مضمون لکھنے کے تردد میں دفتر سے نہیں اٹھا۔ میری اہاد کے لیے جیسے یا بل از بل اپنے ساتھ لے چلنے کے خیال سے انھوں نے مجھے تیار ہونے کے لیے گھر میں بھیج دیا۔ اور میری جگہ سے خود مضمون لکھنے بیٹھ گئے۔ میں شیوہ مسل و غیرہ سے فارغ ہو کر اور پڑھنے بدل کر واپس آیا تو تیار مضمون میرے حوالے کر دیا۔ ایسے مضامین جو قلم ردا شتہ لکھتے تھے۔ اور ایک ایسے مضامین ہی کیا۔ جو مضمون بھی لکھنے بیٹھ جاتے۔ اُسے عموماً ایک ہی نشست میں ختم کر کے لکھتے تھے۔ جہاں تک کاٹے چھانٹے بھی نہ تھے۔ البتہ لکھنے کے بعد مضمون پڑھوا کر سننے ضرور کرتے۔ اس میں کہیں کوئی لفظ بدلنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو کبھی نہ بھولتے۔ مضمون سننے کے بعد وہ لفظ بدل دیتے۔ مگر ایسی تبدیلیاں اتنی کم ہوتی تھیں کہ مسودہ نقل کرنے کی ضرورت کبھی محسوس نہ ہوتی تھی۔

تہذیب نسوان اور پھول میں نہ جانے اُن کے کتنے مضامین ایسی طور چھپ گئے۔ بعض پطرس کے نام سے مضمون زیادہ خاطر خواہ نہ ہو سکا۔ تو کسی اور فرضی نام سے رونا رلانا۔ اسی قسم کے مضامین میں سے ایک ہے۔ نظم دلی کی سیر۔ انھوں نے پھول کے کسی ساگرہ نمبر کے لیے لکھی تھی۔ اخبار میں نقلوں کی کمی تھی انھیں اسی قسم کی کوئی انگریزی نظم یا دآئی۔ اُسے ذہن میں رکھ کر فراموشی دیر میں یہ نظم کہہ ڈالی تھی۔

کاغذی پڑے کا مضمون بچوں کے لیے اقتصادیات کی ایک کتاب کا باب ہے۔ یہ کتاب انھوں نے مجھے بتائے بغیر الاشاعت پنجاب لاہور کو عنایت فرمانے کے لیے لکھی شروع کی تھی۔ ایک روز اس کے دو تین باب لے کر میرے پاس آئے۔ اور کہنے لگے ارادہ تھا کہ کتاب ختم کر کے چھاپنے کے لیے تھیں وہ دن کا۔ مگر بعض دوسری اہم مصروفیتیں نظر آئی ہیں۔ نہ معلوم ان سے کب فراغت ہو۔ اور جب فراغت ہو تو کتاب ختم کہنے کا جوش باقی رہے یا نہ رہے۔ یہ چند باب GETTING OUR LIVING کو سامنے رکھ کر اب نہ پڑ لکھے گئے ہیں کتاب اب خود مکمل کر دی۔ یہ کتاب میں اب تک مکمل نہیں کر سکا شاید یہ کتنا زیادہ صبح ہو کہ اسے مکمل کرنے کی ضرورت اب تک محسوس نہیں ہوئی۔ اب پہلی فرصت میں اسے مکمل کر ڈالنا چاہتا ہوں۔

میرے دارالاشاعت پنجاب کے اکثر شاعری میں وہ مخلصانہ ہمدردی کے ساتھ میرے شریک رہتے تھے ایک بار مجھے تہذیب نسوان۔ پھول اور دارالاشاعت پنجاب کی مطبوعات کے پوسٹر تیار کرتے دیکھا۔ تو لگے روز خود تین پوسٹروں کا مضمون تیار کر کے آئے۔ ان کی جہات بھی ارسال خدمت ہے شاید آپ کے قارئین کے لیے دلچسپ ہو۔ مثلاً — محمد قن اور بچوں کے لیے مردوں اور عورتوں کے لیے

بوتھوں اور بچوں کے لیے

ہم ہوتے تم ہوتے کہ میں ہوتے

سب کے لیے

بھتری کتابوں کا ذخیرہ

عالم لا شاعت پنجاب و ہند

د ۱۴۔ ریاضے، دو ٹولہ پور

تسلیف و توخیر مصنف ہو کند بیان

علی ہری نقاست کے ہم وقتہ دار ہیں

اور بالی تیرا خود بخود

باقی بخاری پر مضمون لکھنے کے لیے جمعیت فی الحال کسی طبع مائل نہیں رہتی اس لیے کہ سب تعلقات شائے میں شروع
ہوئے تھے۔ اس وقت وہ نئے نئے چٹا دوسرے گورنمنٹ کالج و ہوسٹل کے قیام کے لیے اس کی شخصیت کی رضا کی بقول
بدل کر ہم کے دل کی بدترست تھی۔ حق حاکم ملک مستحق ایسے گزرتے ہوئے کہ وہ دیر میں ہوسٹل میں سوار ہونے
سہ پہر رات تک کا وقت اٹھنے نہ کر پاوا۔ اس وقت قحط کے بعد جب آل انڈیا ریڈیو میں ملی جلیے گئے تو تعلقات کی محنت کچھ
سوری گئی۔ لیکن تقریباً سترہ اٹھارہ سال کا زمانہ جلازمین اٹھا کر گرا۔ اس کی پھٹی داستان بیان کرنا کچھ آسان نہیں لکھنا
پھرنا۔ کھانا پینا۔ دلچسپیاں۔ تقریبیں۔ محافیات سب کچھ قحط مختلف مشاغل کے دورے اور زلزلے کی جنونی سرپرہ راز
ہوئے اور فرصت بکری کے وقت اور واقعات نے عجیب عجیب ملت لکھنے۔ اتنے لمبے ساہمے سے چند باتیں
میں کر لکھنا دوستی کی داستان سے بے انصافی معلوم ہوتی ہے۔ سہ جہاں بھی ہوں تو خیال ساتھ نہیں دیتا۔ کچھ مٹو جھٹکے
تو کھینچیں کھینچ کر لے جاتی ہے۔ دل ابتر یہ ضرور کہتا ہے کہ کوئی وقت ایسا نہ آئے گا کہ اپنے اور بخاری کے تعلقات پر کچھ لکھ
جیسو تو جو بڑے بڑے واقعات آپ کے آپ زندہ ہو کر سامنے آجائیں کہ اس کی مصلحتوں اور جسموں کی وحشتوں کی تصویر
کھینچ لوں گا۔ مگر کبھی کبھی بخاری تھا اور قحط کو قہر نظر آتے تھے۔ ہم نے جو ہم کی سیر کے قحط پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کا
دشوار کام اس حد تک سرانجام دے دیا کہ جو لوگ انھیں نہ جانتے تھے انھیں حمد مبالغہ کر کے یہ بہتان شخصیت کی کئی
اور رضائی اور بیانی کا تصور سامنے آئے ضرور ہو جائے گا۔

بیگ - ۱۵ جون ۱۹۲۷ء
 علی احمد علی

کرمی :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حقیقت یہ ہے کہ ہماری کافر ذہن پر دوازہ بجے جیسے "زمین کاؤل" کی نظروں سے بہت بلند تھی۔ اس موضوع پر کچھ کہنے کا ہل نہیں لیکن تعمیل ارشاد میں چند سطریں گمانش خدمت ہیں۔ مکمل ہے آپ انہیں قابل التفات پاؤں۔

مخاری کے خطِ قیمر کے نام بہت سے آئے خصوصاً اس زمانہ میں جب وہ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے نمائندہ تھے لیکن میں جواب دینے کے بعد خط تلف کر دیتا ہوں اس لیے افسوس ہے اب میرے پاس ان کا کوئی خط محفوظ نہیں۔ والسلام

خانکار
(سرگنفرشد خدای)

فقوئى ۱۰ ————— پىرىزىد

**UNITED NATIONS - NATIONS UNIES
NEW YORK**

PU 113 (4)

26 June 1954

Dear Mr. Tufail,

Thank you for your letter and for your thoughtfulness in asking me to write a few words about Ahmed Bokhari.

It was a pleasure for me to accede to your request and I send you my contribution enclosed.

Yours sincerely



**Dag Hammarskjöld
Secretary-General**

PAKISTAN MISSION TO THE UNITED NATIONS

PAKISTAN HOUSE
12 EAST 83th STREET
NEW YORK 21, N. Y.

AD 64-59

16 June 1959

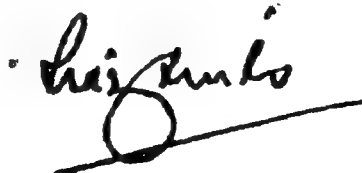
Dear Sir :

Your letter of 13th May, 1959 addressed to the Ambassador of Pakistan in Washington, D.C. has been forwarded to us for disposal.

We have sent you by separate post copies of Professor Bokhari's speeches listed below :-

- 1) The Tunisian Question
- 2) Speech on South Africa, delivered before the Ad Hoc Political Committee of the U. N. General Assembly on November 13, 1952.
- 3) Keynote address delivered to the model General Assembly held at Barnard College on April 7, 1952.

Very truly yours,



Riaz Piracha
First Secretary

براہم طفیل صاحب۔ السلام علیکم
آپ کا ۲۴ اپریل کا خط عثمان جوتا سوا نیویارک میں ملا۔ میرا کام عثمان میں ۱۵ اپریل کو ختم ہو گیا تھا۔ وہاں سے براہ لندن لڑیل کے آخر میں نیویارک اپنے مستقر پر واپس آ گیا۔ لندن آمدنی: نفس لائبریری میں اس مرتبہ متعدد کوششوں کے بعد مولانا آزاد کے سنٹرل ایڈیشن اور روس کے سفر کے حاکم مفصل مل گئے۔ اب ان کا یہ سیاسی مشن ایک مستقل متعاقب بن سکتا ہے۔ میں نے اس پر کام شروع کر دیا ہے۔ اور انٹرنیشنل اگست تک اسے مکمل کر لوں گا۔

پروفیسر بخاری کی تقریریں پاکستانی غائبہ کی حیثیت سے سلسلہ میں ختم ہو گئی تھیں اس کے بعد یہ اقوام متحدہ کے انڈسٹریل کمیٹی کے وفد کے ساتھ گئے۔ اور جو انھوں نے کہا وہ ملے کے لیے کہا۔ اب ان کی ایک تقریر جو سائی فرانسسکو میں ہوئی تھی لا جواب تھی۔ میں اس کی نقل آپ کے لیے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر صرف یہی شائع ہو جائے تو سب سے عمدہ رہے گی۔ جو تقریریں انھوں نے پاکستانی نمائندہ کی حیثیت سے کی تھیں بھی جمع کر رہا ہوں۔ مگر اس میں ذرا دیر لگے گی۔ بہر حال بطرس زبر کے لیے یہ مواد اچھا ہے۔ نیویارک ٹائمز نے ان کی وفات پر جو افتتاحیہ لکھا تھا اسے ضرور شائع کیجیے۔ اس کی نقل USIS کے ایجوکیشنل دفتر سے مل سکتی ہے۔ مرحوم کا سامان منہ ہے کہ وہ اپنی پاکستان چلا گیا۔ آپ ان کے صاحبزادے یا ان کی بیوی سے مل کر دریافت کیجیے کہ سامان میں تقریروں کے متوفیے آئے ہیں یا نہیں۔ یہ متوفیے بہت حفاظت سے رکھتے تھے۔ اور ان کی اپنی تصاویر کا اہم نہایت مکمل تھا۔ اس سے بھی آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

منہ ہے کہ یہ اپنی سوانح عمری بھی لکھ رہے تھے۔ خدا جانے اس کا مسودہ سامان کے ساتھ گیا ہے یا نہیں اس کے متعلق ضرور دریافت کیجیے۔ اور پھر مرحوم کے ذاتی خطوط بے شمار ہیں۔ ان کا آخری خط جو مرنے سے ایک ہفتہ قبل انھوں نے مجھے لکھا تھا۔ میں آپ کو بے سکتا ہوں۔ آپ نے غالباً ماہ فو کے جنوری ۱۹۵۹ء نمبر میں بطرس پرمیرا مضمون پڑھا ہوگا اس میں بھی میں نے اس خط کا ذکر کیا ہے۔

نکد
(آغا محمد اشرف)

VICE-CHANCELLOR
UNIVERSITY OF KARACHI

UNIVERSITY OF KARACHI
KARACHI

حضرت سلامت

آپ کا نام اور بعد از ان نقوش و محول ہوئے۔ شاید یہ کوئی چند روز میں سال ہوئے علم ہاتھ سے چھوٹ گیا اور پھر توفیق۔ ہوئی کہ اسے جس لوگوں پر حال انتہائی کوشش کروں گا کہ ایک ماہ بعد صفحہ نہ مت عالی میں ارسال کروں۔

کچھلے چند ماہ سے مصروفیات پیچ اور مسلسل ہیں اور یہ سلسلہ ابھی باقی ہے۔ گزارش دہی نہیں تھی ہے لیکن باوجود اس سب باتوں کے کچھ نہ کچھ ارسال کرنے کی کوشش کروں گا۔ آخری تاریخ سے ملتے رہائے کہ وہ تیر فطرہ لکھوں۔

میرے پاس خط سوتے تو کبھی کے پیش خدمت کر دیتا۔ میں خط پڑھنے کے بعد جان کر دینے کی عادت کا شکار ہوں۔ ڈاکٹر اقبال اور قائد اعظم کے خطو خطی اسی پر دہائی کے باعث ضائع کر دینے میری بے باکی۔

بسم
(محمد شیرانی)

UNITED NATIONS — NATIONS UNIES

کراچی - ۲۶ مئی ۱۹۵۹ء

محرمی۔ سلام نیاز۔ گرامی نامہ اور نقوش کے دو شمارے بھی۔ نقوش کے لیے لکھنے میں آپ کے ساتھ مراحم کی کمی محال نہیں ہے۔ بخل یہ ہے کہ صحافی قسم کی اشیا پر ادنیٰ سے ثابت ہو جائے۔ بخاری مرحوم کے بارے میں آپ کی یا کسی اور کی فرمائش پر جو کچھ لکھوں گا۔ اس کی قیمت صاف مت ملاری سے زیادہ کیا ہوگی؟ "عالمائے" مضمون لکھنے کے لیے وقت درکار ہے۔ اور عالمائے مضمون لکھنے کے قابل بھی خود کو نہیں پاتا ہوں۔ اس لیے معذرت قبول فرمائیے۔ آپ کی عالی ہمتی کا ہمیشہ قائل رہا ہوں کیونکہ نقوش جیسا رسالہ اس باقاعدگی کے ساتھ شائع کرتے رہنا، اپنے آپ پر ہزار ہر کے مترادف ہے!

دوستی
آپ کا خاص
(ن۔م۔پاشا)

طفیل صاحب، تسلیم

یہ قطعی زیادتی ہے کہ آپ مجھ سے زبردستی مضمون لکھا رہی لیتے ہیں۔ میں بطرس کو بہت سی کم جانتی تھی۔ مگر اس پر بھی آپ نے بطرس پر لکھنے کے کیا جواز نکالے۔ میرے پاس جو کچھ تھا بلا سوچے سمجھے کھ دیا ہے۔ آپ جائیں۔

شاہد عرصے سے کہہ رہے ہیں کہ آج تک نفقہ کے جتنے فریضے ہیں۔ یہ طفیل صاحب سے منگواؤ۔ مجھے یہ فرمائش کرتے، تکلف سا ہوتا ہے جس پر شاہد کو اور بھی ملن ہوتی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا شاہد کی اس مٹ دھری کے بارے میں؟

اچھا ایک مہربانی کیجئے کہ نفقہ کا ایک پرچہ مندرجہ ذیل پتہ پر مجھیدی میری جانستہ،
(عصمت چغتائی) خاک و عصمت -

کراچی

۸۔ جون ۶۵۹

عزیز طفیل صاحب

بطرس پر ابھی میں نے مضمون مکمل نہیں کیا۔ اور آپ ہیں کہ حسب معمول ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں اور اپنے تاکید کی خطوں سے اس مقل کیے دیتے ہیں۔ بھیا مضمون آپ کو ۲۵۔۳۰ جون سے پہلے نہیں مل سکتا۔ پچھلے ایک مہینے سے میری صحت ابھی نہیں ڈاکٹر نے مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ مگر مرحوم سے جو عقیدت مجھے عمر بھر رہی ہے۔ وہ مجھے مضمون لکھنے پر مجبور کر رہی ہے ورنہ ان دنوں میں کہاں اور کھٹنا کہاں، لہذا صبر کیجئے، یا پھر جی کڑا کر کے اپنی سکیم سے نکال دیجئے،

آپ کا

(غلام عباس) عبا کر

کراچی

۱۸ جولائی ۶۵۹

عمری۔ تسلیم

۱۔ مجھے افسوس ہے کہ مرزا محمد سعید صاحب سے بطرس کے متعلق مضمون حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ بہت ضعیف ہیں اور ان سے اصرار کرنا اچھا بھی نہیں لگتا۔ ان کے پاس بطرس کے خط بھی محفوظ نہیں ہیں۔ آمنہ مجید ملک کے نام یہ خط بھیج رہی ہوں۔ اگر بطرس فہر کی ترتیب

مکمل نہ ہو گئی ہو تو خال کر لیجئے۔

۲۔ بطرس نے میرے دہرے انتقال کے موقع پر انگریزی میں ایک مضمون ان کے مفتاح دہلی کے انگریزی اخبار **Statesman** میں لکھا تھا۔ وہ مضمون انگریزی میں ان کی بت پرانہ تحریر میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کوشش کر کے کہیں سے وہ حاصل کر لیں تو اس کا ترجمہ چھپا سکتے ہیں۔ اس کے لیے وہی خط لکھنا پڑے گا کہ **Statesman** ۱۷ دسمبر ۱۹۲۲ء کے نکل نکال کر اس میں سے وہ مضمون قوت کریں۔ مجھے اس کی تاریخ اشاعت ابھی علم نہیں۔ سبشمن کے نائندے جو کراچی میں رہتے ہیں، آجکل یہاں موجود نہیں ورنہ میں ان سے کہتی۔

بطرس فہرست آپ تک کل آئے گا؟ امید ہے آپ تحریر ہوں گے۔ واسطہ

نفوس
(قرۃ العین ج ۱)

کراچی

۲۶ مئی ۱۹۵۹ء

متمری، سلام منوں، حسب فرمائش بخاری مرحوم کا خط طغوف ہے جس طاقات کا انھوں نے ذکر کیا ہے وہ میری ان سے پہلی اور آخری طاقات تھی۔ جب میں نے دیا بغیر میں ان کی موت کی خبر سنی تو تڑپیں میں آگیا، ایسے دانستے رز اور زندہ دل صدیوں میں ایک دوبی پیدا ہوتے ہیں انہیں اپنے جوار رحمت میں جلد دے۔
مستحق سون کہ یہ خط مجھے واپس بھیج دیا جائے، خدا کرے آپ کا مزاج بخیر ہو۔

نفوس
(سید ہاشم رضا)

بامحہ سبھانہ

برادر محترم، تکلیف فرمائی کے لیے شکریہ، میں نے گزشتہ دس روز میں دو دفعہ آپ کے ادارہ فارغ اردو کی زیارت کی۔ آپ نے اے اے ایم ایس پھر آیا۔
بطرس کے متعلق میری معلومات زیادہ نہیں۔ اگرچہ ابتدائی سے خاص تعلق رہا۔ فی الحال وہ وہ نہیں کرتا۔ ذرا فوری کاموں سے فارغ ہو جاؤں تو سوچوں گا۔
ہاں بھائی، غالباً مولوی جواد اللہ قوشی نے ایک مرتبہ ذکر کیا تھا کہ آپ کے بچے کو کچھ تکلیف ہو گئی تھی۔ میرے جانے کا مقصد یہی تھا کہ اس کے متعلق پوچھوں۔
طاقات کو بہت دن ہو گئے۔ یہ دعوت تکلف نہیں لیکن انہی پر آرزو ہے۔

(خط مولانا)

نکاراٹھ روڈ۔ یونیورسٹی علی گڑھ

۶ جون ۱۹۵۹ء

مکرمی۔ تسلیم

فقوش کے پطرس نمبر کے لیے مضمون کا تقاضا موصول ہوا تھا۔ جو کچھ بڑا اگھڑا ہے۔ دو چار دن میں مکمل کر کے ٹائپسٹ کو دے دوں گا۔ اس میں شاید آٹھ دس دن اور لگ جائیں۔ اندازاً ہے کہ یہ مضمون کم و بیش ۸۔۱۰ صفحے آپ کے سامنے آئے گا۔

امید ہے آئندہ آپ مضمون کے لیے اس طبع اصرار نہ فرمایا کریں گے مضمون وغیرہ لکھنے کی نہیں چاہتا۔ یہی صورت حال کیا کم تکلیف وہ ہے کہ دوستوں اور عزیزوں کی فرمائش نہ پوری کرنے پر اپنے اوپر نفرت کرنے کا فرض بھی ادا کرنا پڑے۔

یہ نمبر بھی (طنز و مزاح نمبر) اپنے پیشروں کی طرح حسب توقع خاطر خواہ نہ ہوا۔ خاص نمبر شائع کرنے میں آج شاید آپ کا کوئی ہمسہ نہیں۔ آپ یقیناً اپنے ناموں پر غور کر سکتے ہیں اور ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔

(رشید احمد مدنی)

کشمیری محلہ۔ کھنڈ

۴ جون ۱۹۵۹ء

پیارے طفیل۔ تمہارے حکم کی تعمیل میں پطرس کے مضامین پر ایک مختصر تبصرہ حاضر ہے۔ ایک اور مضمون قمر برڈ اکثر عبداللہ صاحب کے جواب میں بھی آیا ہے۔ اگر تم چھاپنا گوارا کرو تو وہ بھی بھیج دوں۔ مگر طویل اور ڈاکٹر صاحب کے خیالات کے متعلق میری تردید میں ہے۔

میں بہت بیمار رہتا ہوں اور موت کا منتظر۔ خدائے کو سلامت اور شاد کام رکھے۔ والسلام

(ڈاکٹر کھنڈی) تمہارا دانشور

برادر، تسلیم وغیرہ

آپ کے خط کا جواب دینا ضروری تھا۔ آپ کے احکام کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ میں تید و انقطاع بخاری کے پاس گیا۔ ان سے وعدہ لیا۔ اور وعدے کے علاوہ ایک تصویر بھی حاصل کر لی۔

آپ غالباً میونسپلٹی کے ہونے والے اور میری اس خاموشی کو طرح طرح کے معنی پتا ہے ہوں گے، مگر میں بڑے بخاری پرانی کے شایان شاہی چیز لکھ رہا ہوں۔ جو آپ کو اردو زبان میں مل جائے گی۔

طفیل! خدا کی قسم اب اس سرد جنگ سے جی کھرا گیا ہے۔ جو میرے اور تمہارے درمیان جاری ہے

اس مغرور و غرور جگہ پر فطری قوت کا وہی جوئے کو شش زہری ہے۔ باجی یہ ناب و لوٹ اٹھنے کو لہذا غم نہ کر دو۔ یہودی اور جسے شک ہو

اور اس صاحب کا مضمون اور مضمون جلد لکھوں گا۔ اور کوئی صاحب

شرکت تھری

سولٹ

۱۔ فیصل صاحب !

جے دعویٰ۔ پتھر میں یہ مضمون حاضر ہے۔ مضمون ہے۔ پروڈکٹ۔ اور وہ آئی۔ او میں اس سے نہ رہا کہ یہ مرحوم کے ایک ذریعہ مضمون کا عنوان ہے۔ تو اس پر سنوڑوں میں ملے جائیں گے نہیں ہیں۔ مضمون میں آپ کو جلد ہی باتیں اور واقعات ملیں گے۔ قیاسی استوار جب معمول دوسرے ذریعہ میں دیکھیں۔ حسب سابق آپ فراموشی سے نہایت کریں گے۔

فقوت کا طرز و انداز بہت پسند آیا۔ کارٹون اس مضمون میں جانے جاسکتے ہیں۔ مجھے اپنی کارٹون ات پسند آیا۔ کہ ہر واقعہ اور واقعہ کو دکھانا چاہتا ہوں۔ مہری حریف سے کارٹون کو بہتر بنا دیکھے۔ اور اس کا نام اور پتھر میں تحریر فرمائیے۔ بخدا یہ شخص واقعہ میں کارٹون۔

مضمون کی بد سے مطلع دے گئے گا۔ خطوط کا جواب نہ دیا بہت دیر سے دینا میری پرانی عادت یا خواہش ہے۔ مجھے آپ کے خط مل گئے تھے۔ طویل اور مجراہ خاموشی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ آج کل وہی میں میرا ایک مضمون پطرس پر چھپا تھا۔ افسوس کہ وہ میرے پاس نہیں۔ ہجری روایا تھا۔ اگر کسی لائبریری سے (جہاں کہ آجکل کی پرائی فائل میں ہوں) پتھر کریں تو شاید مل جائے۔ ویسے عرش مسیحانی مال چیف ایڈیٹر آجکل آپ کے مضمون میں سے ہیں۔ اگر اُن میں لکھیں تو پرائی فائل میں سے یہ مضمون نقل کر دے گا کہ آپ کو بھیج سکتے ہیں مضمون بڑا نہیں تھا۔ پطرس نے اسے خود سرا لا تھا۔

(کنہیا لال کپور) کنہیا لال کپور

۶ بلاک II سی۔ ناظم آباد۔ کراچی

۲۶ مئی ۱۹۵۹ء

بھائی فیصل صاحب۔ السلام علیکم

مئی کا فقرہ ملنے کے بعد آپ کو کسی خط لکھے۔ مگر یقیناً ان میں سے کوئی بھی آپ کو نہ مل رہا ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی یہاں سے روانہ نہ ہو سکا۔

خیر وہ سب خط آپ کو ایک ساتھ بھیجے دے رہا ہوں :-

نمبر ایک موزخ بارہ مئی نقوش ۷ - برابر لکھتے مہینے کا دعوہ - لاہور آئے کا لالہ
نمبر دو سترہ مئی پطرس نمبر - اس کے لیے لکھنے کا ارادہ
نمبر تین ۲۲ مئی مضمون حسب ذیل

میں اردو کے مزاج نگاروں پر لکھ رہا ہوں۔ ایک مضمون مزاج اور مزاج نگاری لکھا۔ وہ ماہ ذی قعدہ
نہا ان کو نیک برایت دے دیکھتے دیکھتے بیٹھے ہیں۔ دوسرا مضمون غائب کا مزاج شروع تو ہو گیا مگر
ختم ہونے کو نہیں آتا۔ جسرا مضمون پطرس کا ہیومر "غائب" دے مضمون کو چھوڑ کر اسے پہلے لکھ ڈالا
ناکہ پطرس میر میں آئے۔ اب آگے آپ جانیں آپ کا کام جانے!
مضمون منسلک دستاویز ہذا ہے۔ فقط (ڈاکٹر حسن خاں دہلوی) محمد احسن خاں دہلوی
از وزیر کوٹ سرگودھا

۸ جون

محترمی فیصل صاحب

آپ کا خط مل گیا تھا - تاخیر سے جواب دے رہا ہوں جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔
در اصل اس دو ماہ میں آپ ہی کے لیے مضمون حاصل کرنے کی تگ و دو میں تھا۔ لاہور میں بڑی کوشش
کے باوجود ایڈیٹر راوی سے مطلوبہ مضمون حاصل نہ کر سکا کیونکہ وہ خود پطرس نمبر لکھنے کی تیاری میں مصروف ہیں
اب صورت یہی باقی ہے کہ کوئی تازہ مضمون لکھ دوں۔ اگر آپ مجھے دس بارہ روز کی مہلت دے
سکیں تو توقع ہے کہ سیکرٹس ہو سکیں گا۔ دوسری طرف اگر آپ کو ضروری مضمون مل گئے ہوں اور آپ کا
پرچہ اس سے قبل ہی آرہا ہو تو پھر آپ میرے مضمون کی شمولیت کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دیں۔ آخر اس سے
فرق ہی کیا پڑے گا؟

آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ والسلام
فیصل صاحب (ڈاکٹر وزیر آغا)

مکرمی!

پطرس پر مضمون آپ کو پسند آیا، غنیمت ہے میں نے بڑی تکلیف میں اس مضمون کو لکھا ہے۔ سانس کی
تکلیف الگ تھی اور غصہ کا دباؤ جدا، جواب بھی ہے۔

اصل نقطہ یہ ہے کہ جب انہم سیمٹی میرے ایک دوست تھے وہ حال میں کراچی پہنچ کر اذیت کر رہے
ہو گئے۔ انہوں نے آسکو وائلڈ کے ایک ڈرامے کو اردو میں منتقل کرنا شروع کیا جب ٹیوٹز چلا تو مجھے
بھی شریک کر لیا اور ہم دونوں نے شتم و شتم اسے ختم کر کے چھوڑ دیا، غلطیاں خاصی تھیں۔ اس پر

محمد دینی ناشر نے ایک سخت تنقید کی جو مخزن (جسے حینظہ نکالتے تھے) میں چھپی میں ہے اس کا جواب لکھا تو پنجاب کے پڑچوں نے تاتیر کے خلاف سرے کی وجہ سے شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ انھیں دونوں پڑچی سے الگ کیا پر جب نکلا تھا اس میں یہ جوابیں ملے چھپو اذیا جو اب کم اور ست و ستم زیادہ تھا اس پر محمد دین پھر سے انھیں دونوں سے مزید مضامین کا مجموعہ خنزیر و خنزیر شائع ہونے لگا تو میں نے اس مضمون کو بھی اس مجموعہ میں شریک کر دیا اور عبد الغفور سعیدی نے اس کتاب کے مقدمے میں بعض چوٹیں بعض لوگوں پر لکھیں، اتفاق سے انھیں دونوں میری خط و کتابت بطرس سے ہوئی تو انھوں نے اس قحط کو چھپر میں نے احترام کر لیا کہ غلطیاں واقعی خاصی ہیں اور اگر ان غلطیوں کی فرست دہ بنا دیں تو میں آئندہ اس میں ترجمہ کروں گا، چنانچہ بطرس نے بڑی مہربانی سے اصل ڈرامے سے اس کا مقابلہ کو کے ایک ضخیم مہربت ان غلطیوں کی بنا دی اور مشورہ دیا کہ اب اس کا دوسرا ایڈیشن نکالنے کے بجائے اسے نام اور ڈرامے کو دوبار بدل کر اردو، چنانچہ میں نے ایسی ہی کیا ہے خنزیر و خنزیر پر مقدمہ تعارف اور غیرہ نئی ایسے چیزیں تھیں انھیں دیکھ کر ڈاکٹر تاثیر نے قہر و جہد چند اجاب کو ساتھ لے کر خنزیر و خنزیر پر ایک مضمون لکھا جو اس کی مخالفت میں تھا، یہ مضمون نیزنگ خیال میں دنیا ز منداہی لاہور کے نام سے طبع ہوا۔ میرا خیال یہی تھا کہ بطرس اور ساکت بھی اس میں شریک ہیں مگر بطرس نے مجھے لکھا کہ میں اس مضمون سے واقف ضرور ہوں کہ اس کی تحریر کی اطلاع مجھے ضرور ملتی مگر ان کے لکھنے میں شریک نہیں ہوں،

یہ ایک ہی مضمون میرے اور خنزیر و خنزیر کے خلاف نیا ز منداہی لاہور کے نام سے چھپا ہے اب نہ تو یہ مضمون ہی میرے پاس ہے اور نہ اس کا سند ہی یاد ہے چونکہ اس کا جواب لکھ کر میں نے نیزنگ خیال میں چھپو انا چالا اور نیزنگ خیال سے اس کے چھاپنے سے انکار کر دیا اس لیے میں نے نیزنگ خیال میں لکھنا انتقام چھوڑ دیا۔

احمد جمال پاشا نے حال ہی میں بطرس پر ایک مضمون قومی زبان کراچی میں لکھا ہے جس میں انھوں نے خنزیر و خنزیر کے خلاف نیا ز منداہی لاہور کے نام سے مضمون کو بطرس کا بتایا ہے، چونکہ خود بطرس نے مجھے لکھا تھا کہ اس سازش میں وہ شریک نہیں ہیں اس لیے میں نے اس مضمون کو بطرس کے مضامین میں شمار نہیں کیا۔

آپ کا

بیکین کاظمی، سیکرٹری مالٹھی

مکرمی فیض صاحب 'سلام منونی'
میں سرکار کو یہ خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ فقوش برسوں سے خاص فبر نکال رہا ہے۔ اور خاص فبر
نکلے میں رٹے رٹے رساویں برصفت لے گیا ہے۔ اگر ممکن ہو سکے تو ایک فبر مری تجویز پر تریب باجائے
اور وہ نظر فبر ہوا اور اس میں ساری دنیا کی بہترین نقیلیں ہوں۔
میں بطرس فبر کا ٹائٹل ضرور بنائوں گا۔ آپ سے بھی تعلق خاطر ہے اور بطرس سے بھی زندگی بھر کا
ساقہ تھا۔ ہو سکا تو مغربی بھی کچھ دلوں کا۔ مگر ادھر مری کچھ دنوں سے طبیعت بڑی خراب ہے۔
آپ کی فوارش کا شکریہ — کہ آپ ہر موقع پر مجھے بھی یاد رکھتے ہیں اور ہمارے لیے آپ
کے رسالے ادبی سرمایہ میں جو ہم حاصل کونے ہیں۔

آپ کا صفیاء
(عبد الرحمن چغتائی)

خطوط بڑھیلے آپ نے اچھا ہوا۔ نہ چھینے سے ان کا پھینا بہتری ہوا ہو گا۔ وہ باتیں جو ان کی عدم اشاعت کے باعث
معلوم نہ ہوتیں اب آپ کو معلوم ہو گئیں۔ اگر آپ نے ان خطوط کی اشاعت سے کچھ پایا ہے تو میں سرخرو اور نہ جرم تو ہوں ہی زیر اعزاز
سے کوئی چھینی سکتا ہے۔

مرحوم کے کئی قریبی دوست لاہور میں تھے۔ ان سے خطوط کا بت نہیں ہوئی۔ باتیں ہوئی ہیں۔ ایک دو تحریریں خط کی صورت میں
ملی تھیں۔ وہ پیش کر دی گئی ہیں۔ ان حضرات سے جو جو باتیں ہوئیں۔ وہ اس فبر کی صورت میں آپ کے سامنے ہیں۔ مشوروں کی صورت
میں تحریر کی صورت میں تکمیل کی صورت میں۔

اس پرچے کی ابتدا بطرس پر شخصی نوعیت کے مضامین سے ہوتی ہے۔ ان مضامین پر الگ الگ لکھنا طوالت کا باعث
ہو گا۔ ویسے اس حصہ میں کوئی بھی مضمون ایسا نہیں۔ جو محض مضمون ہوا اور کچھ نہ ہو۔ ان میں سے ہر مضمون میں بطرس سے ملاقات ہوتی
ہے — مرحوم کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں — اور یہ بھی کہ مرحوم اجاب سے ہکلام ہیں اور اجاب مرحوم سے — اس سے زیادہ
مضمون اپنا کر شہ کیا دکھا سکتے تھے۔

اس کے بعد بطرس کے فن پر چار جگہ پھلے مضمون ہیں۔ اس حصہ کو ہم نے جان بوجھ کر بھاری بھر کم نہیں بنایا۔ اس لیے کہ مرحوم
کے فن پر اب تک بہت کچھ لکھا گیا ہے بہت کچھ لکھا جائے گا۔ اصل میں ہم چاہتے ہی نہ سکتے کہ جو کلام آئندہ ہو سکتا ہو۔ اسے بھی آج
کے اپنے کام کو اور بڑھائیں۔ ہم نے اپنے دفتر وہ کام لیا۔ جو آئندہ چل کر مشکل ہو جاتا۔ پھر بھی مرحوم کے فن حاسن پر یہ مضامین کا آمد
ہیں اور اس فبر میں ان کی اسی حد تک ضرورت تھی۔

یہاں تک تو جو کچھ پیش کیا گیا۔ وہ یا تو مرحوم کی شخصیت پر تھا یا فن پر اب مرحوم کے فن پاروں کا آغاز ہوتا ہے۔ ابتدا

لے (چغتائی صاحب اپنی حالات کی وجہ سے مضمون نہیں لکھ سکے۔ مگر انھوں نے بطرس کی شخصیت اور فن کو اپنے لازوال خطوط کے ذریعہ ظاہر
کر دیا ہے۔ فقوش کا سردار چغتائی صاحب ہی کی اعجاز کاریوں کا شاہکار ہے۔)

مجموع کی منظوم تخلیقات سے جوئی مرحوم نے اردو میں بھی شعر کہے، فارسی میں بھی، کیا بہت کچھ، مگر شاعری کو کوئی خاص اہمیت نہ دی۔
 بھی وجہ کہ کما و مضامین لکھ دیا۔ بعض شعری کارنامے صرف تفریح طبع کا سامان بنے اور میں۔ چند ایک ہی چیزیں جو محفوظ ہو گئیں۔ وہ پیش کر دی گئی
 ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ مرحوم اردو سے زیادہ اچھے فارسی میں شعر لکھتے تھے۔ بیدل شاہ جہاں پوری حیرت انگیز نے مسئلہ میں لکھا تھا۔
 ایک غیر زبان خوش ذکا کام صغیران جگہ ہونا اور اجنبی۔ لکھا جاتا اگر آئینہ حیرت ہے تو یہ نظر قطعاً
 مستحق ہے کہ معزز ادب لکھی جائے۔ سید احمد شاہ بخاری برے جذبات دوستی کی آرزو اور احترام
 قابضیت کا ایمان ہیں۔ اس لیے بجائے حقیقت نمائی کے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود ادب کی کیفیت کے ذوق
 سلیم کو دوبارہ اس شعر کے تاثر لطیف سے متوجہ کروں۔

نشانِ سجدہ کام اہل فقرا آستانِ بادشاہ

کہ زیرِ سجدہ لانے شوق میں آں آستانِ گمشدہ

منظومات کے بعد وہ تمام مضامین پیش نہ کر سکیں۔ جو مرحوم کا زندہ گی بھر کا سرمایہ ہیں۔ انھیں لکھا اور لکھا کہ نابے مدخل علم
 تھا۔ اس لیے کہ نوج کسی بھی لاہوری میں، اچھے اچھے رسالوں کی بھی جلدیں محفوظ نہ تھیں۔ ہم نے پہلے تو لاہوریوں سے مواد حاصل کیا، مگر
 وہ سلسلہ پطرس ایسا دقیقہ تھا جو اب حضرات کے سامنے پیش کر سکتے۔ چنانچہ ذاتی لاہوریوں کی خاک چھانی بھی، پھانسی بھی، لاہوری
 بھی، لاہور سے باہر بھی، اس کام کے سلسلے میں سیلاب سے بھی واسطہ پڑا۔ کہیں ٹکے، کہیں بھیکے، کہیں پیسے، کہیں تیرے، عرض جیسے
 جی بن پڑا یہ کا نامہ مرزا خاں دیا ہے۔ جو مرحوم کی اس سے بڑی کوئی خدمت نہیں کر سکتے تھے۔ ہم سفارح کے تقریباً سارے کام کو یکجا
 کر دیتے ہیں۔ وہ نہ قارئین کے ذہن میں قومِ حرم کی بس ایک چھوٹی سی کتاب تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ ساری چیزیں مرحوم کے تسلیم شدہ مباح
 لے مطابقت نہیں ہیں۔ مگر ان سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ یہ صرف مزاح نگار نہ تھے۔ بلکہ ادب کے ہر موضوع پر نہ صرف لکھ سکتے تھے بلکہ اس
 میں ڈوبے ہوئے تھے۔

بہن کتابیں ایسی بھی ہیں، جن کا ترجمہ تو مرحوم ہی نے کیا تھا۔ مگر وہ ان کے نام سے نہیں بھی تھیں۔ جی میں تعلیم خصوصاً ادبِ لفظی
 میں اور ذوقِ انسان کی گمانی اور دیہات میں روئے اسکاؤٹ کا کام ہیں۔ ایسے کاموں کا سراغ لگانا آسان کام نہ تھا۔ مگر ہم نے یہ کام بھی کیا
 یہ کتابیں بچوں کے لیے ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب نے ترجمہ کرائی تھیں۔ ان کا ایک کارڈ موجود ہے۔ اس نمبر میں ان کتابوں میں سے بھی چند نمونے
 دے دئے گئے ہیں۔

مجموع کے تنقیدی اور فنی مضامین بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ خواہ وہ دیباچوں کی صورت میں ہوں۔ خواہ مضامین کی صورت میں
 نتیجہ خیز بات کہنے میں، فنی کی باتوں میں اور اس کی توثیق پہنچنے میں جیسی نظران کی حق گوئی کا فیصلہ ہوئی۔ زیرِ نظر شمارہ میں دیکھئے تو
 کیا کچھ ہے اور کتنے پائے کا ہے۔

ڈرامے سے بھی مرحوم کا چونی دامن کا ساتھ رہا۔ اچھے ڈراموں کے ترجمے کیے۔ ڈرامے ڈائریکٹ کیے۔ ڈراموں میں کام کیا۔
 اور خوب خوب داد حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور کی ڈائریکٹ کلب کے نکاح میں ان کا بڑا ہاتھ رہا۔ چند ڈرامے اس کی فکر کی بھی زینت
 ہیں۔ یہ ڈرامے کاغذ پر بھی خوب ہیں۔ جب یہ شیج ہوتے ہوں گے اور خود بخاری صاحب اسٹیج پر موجود ہوں گے۔ نہ جاننے اس وقت

کیا قیامت برپا ہونی ہوگی۔

اس پرچہ میں ایک جھگڑے کی بات بھی ہے۔ وہ ہے نیاز مندوں کا ہمد کا مسئلہ، پہلی بات تو اس میں جھگڑے کی ہے کہ بعض حضرات اپنی تقریروں کو صرف بخاری صاحب کی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ میں ایک اور جھگڑے میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ بیشک ہے کہ صلاح مشورہ کی مدد تک مالک صاحب، تاثیر صاحب اور احتیاز صاحب شریک رہے مگر انہیں لکھا پطرس ہی نے۔ چند ایک اسی نوع کی چیزیں ڈاکٹر یڈیٹر نے بھی لکھی تھیں۔ مگر ہم نے انہیں پیش نہیں کیا۔ ہم جو تین مضمون پیش کر رہے ہیں۔ یہ یقیناً پطرس ہی کے ہیں تفصیل میں کیا جائیں۔ ایک ماہر کا تو اصل مسودہ موجود ہے۔ دوسرے حکیم یوسف حسن ایڈیٹر "نیرنگ خیال" اس کی شہادت دیتے ہیں (بجلا ایڈیٹر کو مضمون نگار کا پتہ نہیں پھر مرحوم کے قریبی دوست بھی میری ہی بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ مثلاً مالک صاحب، احتیاز صاحب، تاج صاحب، مخزن، ترم کے مصنف نے ایک بات پطرس کے حملے سے کہی ہے کہ وہ "مضمون میرا لکھا ہوا نہیں"۔ میرے نزدیک یہ حوالہ قلعی سے زیادہ حقیقت نہیں لگتا۔ اس مضمون پر ایڈیٹر کا یہ نوٹ بھی تھا :-

"جس ذریعہ سے ہمیں یہ مضمون ملا ہے۔ اس سے اور مضمون کی گمان قدری سے ہیں چار اجاب پر شک ہو سکتا ہے۔ پروفیسر بخاری سید احتیاز علی تلح، پروفیسر تاشور قبلہ مالک صاحب۔ ان چار ہاں اس لیے کہ ایسا دقیق مضمون لکھنے والے نیاز مند ہی و بعد عناصر ہو سکتے ہیں مالک، الگ شک کے وجہ یہ ہیں: (۱) تاثیر صاحب اس سے قبل ملیں کا ملی صاحب کے واکٹر کے ڈوار کے ترجمہ پر لکھ چکے ہیں جس کا آج تک جواب نہیں دیا جاسکا (۲) سلاست اور روانی تاج کی سی ہے (۳) ادبی تنقید اور زبانی حضرت مالک کی تاثیر دار ہیں (۴) شوخی کلام اور انداز بیان سید احمد شاہ بخاری کی چٹل گھا رہے ہیں۔ بلکہ کئی فقرے تو مضامین پطرس میں سے ہیں گئے معلوم ہتھے ہیں۔ مضمون کی ہم آہنگی اور نگارش کی یکسانیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ چاروں کا کام نہیں ایک ہی قلم کی تراوش ہے۔ حقیقت کچھ ہو چلتے خشوک ان چاروں کو گھیرے ہوئے ہیں۔ بخاری صاحب کو زیادہ، احتیاز، مالک اور تاثیر کو کم۔"

ایڈیٹر لفظی پینتروں کے ساتھ واضح اشارے تو کرتے ہیں کہ یہ مضمون پطرس ہی کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر بھی کسی کو شک ہو تو کیا کیا جائے۔ میں اس بحث میں چڑنا نہیں چاہتا کہ یہ مضمون لکھ کر بخاری صاحب نے اچھا کیا تھا یا برا۔ مجھے تو ان کے بارے میں یہ عرض کرنا ہے کہ کم از کم یہ تین مضمون پطرس ہی کے ہیں۔ بس! — زیادہ وضاحت میں کیا یا اپنی رائے کو دخل دیا تو گنہ گار تھا ہونے کے بڑے امکانات ہیں۔

مرحوم اعلیٰ پایکے مقرر بھی تھے۔ بلاشبہ ان کی تقریروں کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے :-

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا گویا یہ بھی مرے تل میں ہے

یہاں بخاری صاحب کی دو ایک تقریریں پیش کی جا رہی ہیں تاکہ ان کی ساقی خوبید کا بھی اندازہ ہو سکے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔ کہ یو۔ این۔ ایم میں تقریر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ ساری دنیا گوش بر آواز ہوتی ہے۔ جس کے سامنے کچھ کہنا ہوتا ہے۔ وہ سامنے پہنچے مدبر ہوتے ہیں۔ ایسے گھاگ قسم کے لوگوں کے سامنے اپنی بات کہنا اور پھر سنا نا خلد ہی کا گھر نہیں اپنی ایک تقریر کے بارے (جو ہم بھی پیش کر رہے ہیں) مرحوم ہی نے ایک خط میں لکھا تھا :-

پہرے پر آیا۔ منہ تو نس میں متفرق رہا۔ خدا نے اس بارے میں مجھے ایسا نہ خبر دی کہ ناخیزی کا کوئی بھی توحید باقی نہ رہا۔ امریکہ کے اخباروں نے وہ مجھے سر پر اٹھایا کہ شاید ہی یورپ میں کسی کو نصیبت ہو۔
 اب تک تعریفی خطوط کا آقا کا ہول ہے، وہ میرا بڑا اور قریبی دوست ہے، ہر وقت میرے تعاقب میں رہتے ہیں۔
 اس نہر میں مروجہ کی اکھوتی مگر معرکہ آرا کتاب پطرس کے مضامین بھی نقل کر دی گئی ہے۔ یہ ظاہر اس کا شوق کرنا عجیب سا لگتا ہے۔
 گرم نے اس غیر مروجہ کے تمام تر کاموں سے غریب کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس لیے اس کی جو استاعت ناکہ نہ تھی۔ دوسری دہائی کے
 کہ منشر مضامین کو بجا کرنے کے بعد ہمیں یہ خیال گذرا کہ ان مضامین سے مروجہ کی اتنی عظمت کا احساس نہیں ہوتا۔ جتنا کہ پہلے سے موجود
 (اس لیے کہ اس میں تو ہم گرم بھی کچھ موجود ہے) اسی خوف سے کہ کوئی مروجہ کے ان ہی منشر مضامین کو سامنے رکھ کر غلط رائے قائم نہ کر لے۔ اس
 کتاب کو شامل کیا گیا۔ تیسری بات یہ تھی کہ مروجہ کا بلکہ ذرا بخاری کے سلسلے میں رائج ہے منشر مضامین میں مزاحیہ انداز کی چیزیں کم تھیں۔
 پطرس کے خطوط، اتنی تعداد میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آئے ہیں۔ یہ خط لکھے ہیں، ادب میں کیا مقام رکھیں گے؟ میری ناقص رائے میں
 اس کا فیصلہ بھی اس سے مختلف نہ ہوگا۔ جو مزاح نگاروں کے وہ بار جن پطرس کے مضامین کو حاصل ہے۔ یہ خوش گفتاری کے تمام کتاب کے ساتھ
 ہوتے ہیں۔ اپنا بنیاد ہے یہ پڑھنے کا تو ادب جیسے گا۔ سرشاری کی کیفیت پائے گا۔ چربی ترکیبیں سامنے آتی ہیں، استعارے سلسلے میں
 جو مودہ مینے ہیں۔ اگر جلتے ہیں۔ ابوالکلام اور نیا زنجوری کی طبع پطرس فرضی خطوط کے اندر میں مضمون نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کا واقعی کوئی مخاطب ہوتا ہے
 اور یہ واقعی خط ہوتے ہیں جب کوئی ابوالکلام اور نیا زنجوری کے مضمون کو دیکھتا ہے کہ پائے ہی اس خط کو مجھ کے پڑھنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ غالب بھی
 بعض خطوں پر مجھ کے لکھے تھے کہ یہ چھپیں گے۔ جب کہ غالب میرا دین احمد خان نے غالب سے کہا۔ آپ سے خط چھپ رہے ہیں۔ یہ خط میرے نام بھی لکھے دیئے تاکہ
 وہ بھی چھپ جائے۔ چنانچہ غالب نے خط لکھا اور وہ چھپا۔ اس کے برعکس یہ خط خطی ہیں۔ غالب کے بعد اسے دیکھ کر خط اور کہتے اور ہوں نے
 لکھے؟ آپ سر نہیں۔ میں ایک دو سطریں اور لکھ لوں۔

میر شاہ نے کہا ————— سیاست دان ہیں جو خوبیاں ہوتی جا نہیں۔ وہ احمد شاہ بخاری میں موجود نہیں۔

بشر احمد ٹانگی نے کہا ————— بخاری صاحب محض سازی اور محض آرائی میں فروغ ہے۔

رحیم احمد صدیقی نے کہا ————— پطرس نے اردو میں سب سے کم سراپہ چھوڑا۔ مگر کتنا اور پکا مقام پایا۔

عبدالجید سالک نے کہا ————— احمد شاہ بخاری کی موت علم ادب اور علوم و محنت کی موت ہے۔

ایثار علی نے کہا ————— پطرس کی ڈرامہ برتری نظری کسی ڈرامے میں خود کام کیا تو اپنی ایکٹنگ کا بھی وہ نمونہ پایا۔

صوفی قاسم نے کہا ————— بخاری کی حیثیت صرف استاد کی نہ تھی بلکہ وہ طالب علموں کے شوق رہنما اور دوست تھے۔

محبت چشتی نے کہا ————— نہ جانتے کیوں پطرس جیسے اور ایک جان چھوڑا، ہزار جان سے ان پر عاشق ہو گئے۔

فیض احمد فیض نے کہا ————— بخاری صاحب عالم ہی تھے، ادیب بھی، استاد بھی، ہم مجلس میں بدستج بھی، خوش گفتار بھی، سخت گیر منظم بھی، بے فکر

بانگے بھی اور آخر میں مدبر اور صاحب سیاست بھی۔

لے یوں ہم پر گرم کا فیہ پیش کرنے کے سلسلے میں ادارہ نقوش مولانا محمد امجد سالک کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے فیض شراذ کے ساتھ ہمیں یک پطرس سے
 مضامین کی اشاعت کی اجازت دلا دی۔ اگر ہمیں مولانا سالک اور یک پطرس کا تعاون حاصل نہ ہوتا۔ تو یہ فہر چھپ ہی نہیں سکتا تھا۔
 ادوہ محترمہ یکم صاحبہ کا بے حد ممنون ہے۔

عالمی شہری

جب سے پبلک نے مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب کا گیت گایا ہے اسی دن سے ہر مختلف اہم مقام معاشرہ کے تعلقات کے واسطے میں زیادہ سوچ بچار کر رہے ہیں۔ جیسے ہم اس فکر میں رہتے ہیں کہ کوئی ایسا مرکز مل جائے جو ہر ایک کی بہترین خوبیوں کو محفوظ کرے۔

کبھی کبھی ہیں کسی ایسی سستی کی موجودگی کا یقین ہو جاتا ہے جو ہمارے تعلقات کو مل کی دنیا میں لے آتی ہے۔ ابھی ابھی ہیں پاکستان کے سفیر پروفیسر احمد شاہ بخاری کی بے وقت موت کی شکل میں ایسی ہی ایک شخصیت کے منیاع کا سامنا ہوا ہے جنہوں نے اقوام متحدہ میں زمین و آسمان کی تعلیمات کی حیثیت سے خدمات انجام دیں وہ صحیح معنوں میں عالمی شہری تھے۔

پروفیسر بخاری کا تعلیمی پس منظر مشرق اور مغرب — پنجاب یونیورسٹی اور کیمبرج — دونوں کو آغوش میں لے ہوئے ہے وہ دنیا کے دونوں حصوں کی زبانوں کے قادم الکلام شاعر تھے۔ انہوں نے مشرق اور مغرب دونوں کی زبانوں اور محاوروں کا داگ اٹایا۔ وہ مشرق اور مغرب دونوں کے نزدیک عالم تھے۔

لیکن مشرق اور مغرب کا یہ غاپ اس سے بھی زیادہ گہرا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک مفاد انسان تھے۔ — حاضر جواب، شائستہ دانش مند زندہ دل، اور گرم جوش۔ وہ خود پسندی کی نمائش سے پاک تھے، انہیں زندگی سے انس تھا۔ وہ اس دنیا میں اپنے فائدے کوئی سے ان کی قیمت نہ لے سکتے تھے، یا پیٹھے کا خیال کئے بغیر محبت کرتے تھے۔ ان کی مدح ان کے ذہن کی طرح تنگ سرحدوں کی قائل نہ تھی۔

ہزاروں امریکی جنہیں ان سے ذاتی شناسائی کا شرف حاصل ہے ان کی موت کو اپنا ذاتی رنج محسوس کر رہے ہیں سب سے بڑھ کر اس لئے کہ وہ درست تھے۔ لیکن یہ نقصان ذاتی نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہے۔ دنیا ایک ایسے شخص کے اٹھ جانے سے غصے تر ہو گئی ہے جو ہمیں بہتر طریقہ پر یہ دکھاتا تھا کہ آسودہ مستقبل کے لئے کون کون سی اچھی باتیں ممکن ہیں۔

(نویارک ٹائمز، مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۵۸ء کا ۱۱ تاریخ)

(ترجمہ)

پروفیسر بخاری — آخری لٹا

مارلی چھین

”وہ آخری لمبے رنگ زندہ دوسرے“ ان کے کڑا قول ہے۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ: تو امجدہ میں ان کے ایک رفیق کا کہنا ہے کہ دولہا حضرت پروفیسر احمد شاہ بخاری سے بہت قریبی تعلق رکھتے تھے ان کے ڈاکٹر ان کے دوست بن گئے تھے اور انہوں نے بخاری کے سزا زندگی کی رفتار کو حتی المقدور کم کرنا چاہا تھا۔ مگر پروفیسر صاحب (جیسا کہ لوگ کہتے تھے) یہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے معذور ہونے کا اعلان کر دیں۔ گو وہ چند سال سے اپنے فلسفے پیارہ رہتے تھے۔ ان پر دل کا پہلا دورہ ۱۹۶۱ء میں پیشہ کر پڑا۔ پروفیسر بخاری کو اس کا شدید اثر ہوا جس سے ان کی طبیعت میں طبی مشورے کے لئے گئے تو انہوں نے اپنا نام سربراؤن لکھوایا۔ اس دورے کی وجہ سے وہ کومہ ہو گئے تھے لیکن انہوں نے قدامتہ کے اندر بکری لایا۔ نام شروع کرنے سے احتراز نہ کیا۔ بلکہ چارج لینے سے قبل ہی سربراؤنک میرٹھ کے ساتھ صین کے تاریکی دو سے میں نام شروع کر دیا۔

وہ بڑی مصروف زندگی بسر کرتے تھے۔ انہیں کسی چیز کا خوف نہ تھا لیکن دن تو قحطان پر دل کا دورہ پڑتا تھا۔ وہ بے محنت جوجلتے تھے تو اس میں اکسین میں رکھا جاتا تھا۔ وہ کچھ دن آرام کے پیراٹھ کھتے ہوتے تھے۔ اور پھر اس طرح متعدد نظارتے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ گزشتہ چند سال سے ان کی صحت بری طرح گرنے لگی تھی۔ دل کے دورے جلد بھر پڑنے لگے تھے۔ ان کی صحت جلد بھر کے کئی درجہ تھے۔ دل تو زندگی سے الگ رہا نہ بھرتا تھی۔ پھر وہ نیشہ و دایاں حراں کے غلام بن گئی تھیں۔ جب کوئی تیز اور ذہین آدمی کسی میں الاؤ دیتی ہے تو اسے میں ملے جگر و اسل کر لیتا ہے تو اس کی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔

جب سربراؤنک زندگی مدت عہد کے پانچ سال ختم ہو گئے۔ اور ان کے نائبین کے استعفیٰ دینے کی بات ہوئی تو رسم کے مطابق سب کو ایک سال کی تفریح دے دی گئی۔ یہ مدت تفریح اپریل ۱۹۵۹ء میں ختم ہو رہی تھی۔ اور اس کے بعد پروفیسر بخاری کو لیبیا یونیورسٹی میں تعلیمی ذمہ داریاں سنبھالنے والے تھے۔ پہلے بیٹھے وہ بہت پریشان ہوئے۔ جب کہ اسمبلی کی ایک کمیٹی نے شعبہ اطلاعات کے بارے میں تحقیقات شروع کی۔ وہ چونکہ عہدہ سب کے حواس تھے اس لئے اس تحقیقات کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح سے ان پر تنقید کی جا رہی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اسمبلی کئی سال سے شعبہ اطلاعات کے متعلق کم کرنے کی شکر میں تھی۔ اور اس کمیٹی کی تحقیقات اس لئے کئی سال کی جلد وجہ کا آخری مرحلہ تھی۔ نومبر میں جب اس پانچویں کمیٹی کی بحث ہوئی تو ان لوگوں کو لایا جلی ہوئی جو نام بناد ماہرین کی سفارشات کی مخالفت کر رہے تھے۔ اور یہ طے پایا کہ یہ کام صمد دھڑ کے ذمہ کر دیا جیسے اس کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اڈم صمدہ کے شعبہ اطلاعات کو محض پروفیسر بخاری پر دبا دینے کی نادر نگاہوں نے سخت مخالفت کی اور خود سربراؤنک میرٹھ کو بھی اس پر شدہ یاد دہانی تھا۔

عالمی شہری

جب سے کھٹک نے "شرق مشرق ہے اور مغرب مغرب" کا گیت گایا ہے، اسی دن سے ہم مختلف اور متضاد معاشرہ کے تعلقات کے بارے میں زیادہ سوچ بچار کر رہے ہیں۔ سوشلزم اس فکر میں رہتے ہیں کہ کوئی ایسا مرکب مل جائے جو ہر ایک کی بہترین چیزوں کو محفوظ کر دے۔ کبھی کبھی ہم کسی ایسی ہستی کی موجودگی کا یقین ہو جاتا ہے جو ہمارے تخلیقات کو عمل کی دنیا میں لے آتی ہے۔ ابھی ابھی ہمیں پاکستان کے سیز پر فیروز احمد شاہ بخاری کی بے وقت موت کی شکل میں ایسی ہی ایک شخصیت کے منیاع کا سامنا کرنا ہے جنہوں نے اقوام متحدہ میں رٹیں شعلہ طالع کی حیثیت سے خدمات انجام دیں وہ صحیح معنوں میں عالمی شہری تھے۔

پروفیسر بخاری کا تعلیمی پس منظر مشرق اور مغرب — پنجاب یونیورسٹی اور کیمبرج — دونوں کو آغوش میں لئے ہوئے ہے وہ دنیا کے دونوں حصوں کی زبانوں کے تقادس کا کام شاعر تھے۔ انہوں نے مشرق اور مغرب دونوں کی زبانوں اور ماحول کا رنگ اٹایا۔ وہ مشرق اور مغرب دونوں کے نزدیک عالم تھے۔

لیکن مشرق اور مغرب کا یہ ملاپ اس سے بھی زیادہ گہرا ہے۔ سب سے بڑا کریہ کہ وہ ایک غلام انسان تھے۔ — حاضر مجاہد انسانیت انسانیت مند زندہ دل اور گرم جوش۔ وہ خود پسندی کی خائوش سے پاک تھے، انہیں زندگی سے اُنس تھا۔ وہ اس دنیا میں اپنے دل سے لوگوں سے ان کی اُمت رنگا نسل، مذہب، یا پیشے کا خیال کئے بغیر محبت کرتے تھے۔ ان کی مدح ان کے ذہن کی طرح تنگ سرحدوں کی قائل نہ تھی۔

ہزاروں امریکی جنہیں ان سے ذاتی شائستگی کا شرف حاصل ہے ان کی موت کو اپنا ذاتی رنج محسوس کر رہے ہیں سب سے بڑا کہ اس لئے کہ وہ دوست تھے۔ لیکن یہ نقصان ذاتی نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہے۔ دنیا ایک ایسے شخص کے اٹھ جانے سے غفلت تر ہو گئی ہے جو ہمیں بہتر طریقہ سے یہ دکھانا تھا کہ آسودہ مقبرہ کے لئے کون کون سی اچھی باتیں ممکن ہیں۔

(نیویارک ٹائمز، سوری، ۷ دسمبر ۱۹۵۸ء کا ۱۷ مارچ)

(ترجمہ)

پروفیسر بخاری — آخری لٹا

مارٹل پیمین

”وہ آخری لمحے تک زندہ رہے۔ ان کے ذہن کا قول ہے: ”وہ کام ہوتے ہوئے تھے۔ تو ہم مقدمہ میں ان کے ایک رفیق کا ملاکن ہے کہ دولوں حضرات پر وزیر احمد شاہ بخاری سے بہت قریبی تعلق رکھتے تھے ان کے ڈاکٹر ان کے دوست بن گئے تھے۔ اور انہوں نے بخاری کے سزا زندگی کی رفتار کو حقیقی مقدمہ کر کے کرنا چاہا تھا۔ مگر پروفیسر صاحب (میا کو لوگ انہیں محبت سے کہتے تھے) یہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے مقدمہ ہونے کا اعلان کر دیں۔ جو وہ چند سال سے اپنے غلامے میں رہتے تھے۔ ان پر دل کا پہلا دورہ ۱۹۷۱ء کی گشتِ سفر کے دوران پڑا۔ پروفیسر بخاری کو اس کا انتہائی شدید احساس تھا کہ وہ سبب پتلا میں طبی مشورے کے لئے گئے تو انہوں نے اپنا نام مشر برادون ”سکھوایا۔ اس دورے کی وجہ سے وہ کام ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس مقدمہ کے اٹل سیکڑی کا کام شروع کرنے سے احتراز کیا۔ بلکہ چارج سینے سے قبل ہی سٹریٹک میڈیٹیک کے ساتھ چین کے تاریکی دورے میں کام شروع کر دیا۔

وہ بڑی مصروف زندگی بسر کرتے رہے۔ انہیں کسی چیز کا خوف نہ تھا۔ انہیں دن دن فٹنٹاں پر دل کا دورہ دیتا تھا۔ وہ بے ہوش ہو جاتے تھے تو ہمیں اکسین میں رکھا جاتا تھا۔ وہ کچھ دن آرام کے بعد کھڑے ہوتے تھے۔ اور پھر اس طرح مسدود نظر آتے جیسے کچھ عرصے پہلے گزشتہ چند سال سے ان کی صحت بری طرح کرنے لگی تھی۔ دل کے دورے جلد بلد پڑنے لگے تھے۔ ان کی صحت جلد بزدلی کے کئی درجہ تھے۔ دل تو زندہ گی سے ان کی دالہا نہ محبت تھی۔ پھر وہ ریشہ دارانیاں جو ان کے غلام ہوتی رہیں۔ جب کوئی تیرا دو زمین آدمی کسی مین لاقوامی ادارے میں ملے جگہ و نسل کر لیتا ہے تو اس کی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔

جب مشر برادون کی مدت عہد کے پانچ سال ختم ہو گئے۔ اور ان کے نائبین کے استعفیے دینے کی بات ہوئی تو ان کے مطابق سب کو ایک سال کی توسیع دے دی گئی۔ یہ مدت توسیع اپریل ۱۹۵۹ء میں ختم ہو رہی تھی۔ اور اس کے بعد پروفیسر بخاری کو بیسایز پریزیڈنسی میں تعلیمی ذمہ داریاں سنبھالنے والے تھے۔ پہلے بیسے وہ بہت پریشان ہوئے۔ جب کہ اس کی ایک کمیٹی نے شعبہ اطلاعات کے بارے میں تحقیقات شروع کی۔ وہ چونکہ صدر ہونے کے عاقل تھے اس لئے اس تحقیقات کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح سے ان پر تنقید کی جارہی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ سب سے پہلی کمیٹی کوئی سال سے شعبہ اطلاعات کے مسائل کو کم کرنے کی منکر میں تھی۔ اور اس کمیٹی کی تحقیقات اس نے کئی سال کی جدوجہد کا آخری مرحلہ تھی۔ ذمہ میں جب اس پانچویں کمیٹی کی بحث ہوئی تو ان لوگوں کو کامیابی ہوئی جو تمام ہندوستان کی سفارشات کی مخالفت کر رہے تھے۔ اور یہ طے پایا کہ یہ کام صدر دفتر کے ذمہ کر دیا جائے۔ اس کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اقوام متحدہ کے شعبہ اطلاعات کو محض پروفیسر بخاری ہی موجود بنادینے کی نادر نگاروں نے سخت مخالفت کی اور خرد مشر ڈیک میڈیٹیک کو بھی اس پر شدید اعتراض تھا۔

موت کی باتیں

بش کا قیام تھا اس سے کہ پروین سہیلی سہیلی ہو گئے مگر اس بحث و مباحثہ کے دوران ان پر جو بار پڑا، ان صحن کی وفات کا دل سے غریب
 ترا گیا۔ اگر یہ صدمہ حال پیدا نہ ہوتی تو شاید وہ مزید چار ماہ سے دو سال تک زندہ رہ سکتے تھے لیکن جو یہ دم مقام بھی قابضانہ دن دنیا میں نہ رہتے
 وہ اپنے ڈاکٹر سے اس تلخ ترین حقیقت (موت) کے بارے میں اکثر یہ سوال کیا کرتے تھے کہ: "تو اس قدر اچھے مریض کی موت تکب کی تھی؟"
 گذشتہ اپریل میں نامہ نگاروں نے سٹریپر شولڈ کے عزاؤں میں جو پہنچا دیا تھا، اس میں پروین سہیلی تیار ہو گئے ڈاکٹر نے انہیں کچھ ٹھیک ٹھاک
 کر دیا۔ انہیں ایکشن بھیایا گیا جس سے ان کا بلڈ پریشر کم ہو گیا۔ اور وہ صاحب فرانس ہو گئے۔ انتقال سے ایک دن قبل پھر ان کو ایکشن لگایا گیا۔ انہیں مسروم
 تھا کہ چلنے پھرنے سے انہیں نقصان ہو گا مگر وہ اٹھ بیٹھے اور آخر سر جو ہوتا تھا وہ ہوا۔ وہ بے ہوش ہو گئے۔ اور انہیں سکین میں رکھ کر گھر پہنچایا گیا
 ڈاکٹر نے لے جو کہ سکتے تھے کیا، شام کو انہیں کچھ افادہ معلوم ہو۔

ڈاکٹر کو بھی بیماری کی طرح ٹھیکیز سے بڑی محبت تھی۔ اس شام کو ڈاکٹر نے اس سے پوچھا: "کیا میں صحت آپ کے ساتھ بہتر ہو سکتا ہوں؟ پروین
 بخاری نے کہا: "نہیں۔ دوسرے موجود ہیں۔ آپ زحمت نہ کریں۔ اور پھر ڈاکٹر نے جلتے ہوئے سوکھتے ہوئے کہا: "خدا حافظ، شہزادہ شہنشاہ!"

صبح ہوتے ہی ہبے دوسرے نے ڈاکٹر کو اطلاع دی کہ مریض کی حالت تشریش ناک ہے۔ سو: چوبیس بجے وہ اس دین سے سدھار چکے تھے۔ انہوں
 نے موت کا کرب تک محسوس نہ کیا۔ جمعہ کو اقوام متحدہ کی جینی کمیٹیوں کے جلسے ہوئے سب میں انہیں خارج حقیقت پیش کیا گیا۔ اور اسمبلی کے اجلاس میں بھی
 ان کا سوگ منایا گیا۔ پہلی کمیٹی میں جب انہیں خارج حقیقت پیش کیا گیا تو اچھا آواز آیا اس کا جواب دینے کے لئے ان کے زبان کی آواز لاٹ رہی تھی۔
 پرنس علی فاں نے اسمبلی کے بھرے اجلاس میں کہا: "ان کے اٹھ جانے سے اقوام متحدہ کے برآمدے سنان نظر آئیں گے۔"

اقوام متحدہ کے شعبہ اطلاعات میں جو ان کے ساتھ کام کرتے تھے وہ ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے اب یہ لوگ بہت اندر رہ نظر آتے تھے مگر
 نگاروں کو جو انہیں ایک مذہب کی حیثیت سے جانتے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پاکستان کے بہترین مذہب تھے ادبائے ان کو کمرے تک ایسا مذہب
 مشکل سے ملے گا) اب یہ احساس ہو گا کہ ان کے ہلکے پھلکے مزاحیہ جملوں میں کس قیامت کی ذہانت پوشیدہ ہوتی تھی۔

نامہ نگاروں نے انہیں شمالی افریقہ کی آزادی کے لئے نسل، قیاد کو ختم کرنے کے لئے بڑے سے بڑے سیاست دانوں سے سوال جواب
 کرتے دیکھے اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ بھی ان مباحثوں میں زیر رہے ہوتے تھے۔

مہر دم مسکراتی اور پڑھاتی شخصیت کے پس پردہ ایک بھنیہ بخاری بھی تھے۔ وہ مزاح
 کی نقاب بازی کر مہر دم کے وقت انتہائی سنجیدہ بات کر سکتے تھے اور کہتے تھے لیکن مزاح
 کی نقاب وہ محفوظ کے طور پر اکثر و بیشتر ڈالے رہتے تھے۔

بھلے مالن بنو

نیویارکر

ہم نے سن گئی پانی کے اقامتہ میں پاکستان کے مستقبل کے بارے میں بدقسمت واقعہ کی خبر ملی ہے جو عام طور پر عرب، ایشیائی ملک کے قابل ترین ترقی یافتہ ممالک میں اور وہ پاک اہل کے سرکردہ مزاح نویس بھی ہیں۔ مستقل نمائندوں اور مزاح نویسوں میں مجموعی طور پر انٹل انٹل دل چسپی، لکھنے کے باعث ہم نے بدقسمت بنیادی کی تعریف حاصل کرنی چاہی لیکن ہمیں معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی کا ترجمہ انگریزی میں نہیں ہوا۔ ہم نے یہ محال کر کہ ان کا کچھ مزید کریں گے خود بدقسمت صاحب کو ٹیلی فون کیا اور ہمیں اقامتہ کی مہلت میں بیٹھ کر حاضر ہونے کی دعوت مل گئی۔

بہر کیفیت بدقسمت صاحب ان چند خوش دل، باہر زور اور ذی علم مستقل نمائندوں یا مزاح نویسوں میں سے ایک ہیں جن سے ہم مدت کے بعد ملے ہیں۔ انہوں نے دیکھے ایٹ سے تو ہٹ کر کہنے کی مزید بات جاری مانتی ہے۔ مجھے اس گوشت اور ڈھانسی لگوایا اور کہا کہ پاکستان کی آزادی کے بعد ۱۹۴۷ء تک وہ ایک استاد مترجم اور مصنف تھے، سیاسی سفر نہ تھا۔ ۱۹۴۷ء سے وہ گورنمنٹ کا کالج لاہور کے صدر (پرنسپل) تھے۔ تیس برس وہ اس کالج میں ادب کے پروفیسر رہے۔ انہوں نے اس دس گاہ کے تجرباتی تجزیے کے دوسری چیزوں کے علاوہ ٹیکسٹ اور شل کے بہت سے اور سہارے دیے۔ ترجمہ کر کے دے جن میں "امین کا ڈرامہ گزیا کا گھر" اور "المرالس کا ڈرامہ" جمع کرنے والی مین "بھی ہیں۔ بدقسمت نے بھی بتایا کہ۔

"ہمارے ارشد کے ذہنوں کے بعد گزشتہ چالیس سال کا زمانہ اسلامی دنیا میں تاج محل کے لئے بڑا سا ڈرامہ رہا ہے۔ پہلے زمانے میں مسلمان ہراس چیر کا ترجمہ کر دیتے تھے جو فلسفہ اور سائنس میں ان کے ہاتھ بھی ملتی تھے اب ادب کے تاج محل پر زور صرف ہندو تھے۔ ٹیکسٹ اور ڈرامے کو اردو میں سننا چاہیے۔ لاہور کی مقامی بولی میں "پیندا" منہایت غلط اور فلسفہ ہے۔ ٹیکسٹ کی حیرت انگیز خوبی ہے کہ ترجمہ خواہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو اسے سے کچھ نہ کچھ لھٹ حاصل ہو ہی جاتا ہے۔"

تجزیاتی آنکھوں کے واسطے بدقسمت بنیادی نے جو ٹیڈ کاسٹ پہنچے اور نیپلنگ کی ٹائی ٹائے ہوئے تھے بھارتیہ اخبار کی ایک غیر انسانی فوٹی ٹاؤں کے ترجمے بھی کئے ہیں۔ اردو کا ایک مزاحیہ رسالہ بھی مرتب کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے انگریزی اور اردو میں ادبی تنقیدیں بھی لکھی ہیں۔ مزاح نگاری حیرت کر ان کی شہرت تین یا چار سو مختصر افسانوں پر مبنی ہوئی ہے جو انہوں نے پطرس کے قلمی نام سے لکھے تھے۔ انہوں نے مسکرتے ہوئے کہا کہ "ان افسانوں کی مقبولیت کی بعض وجہ یہ ہیں کہ وہ لفظ ہیں لہذا وہ ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ افسانے اگرچہ مزاحیہ ہیں لیکن انہیں بے دہر کہ گروں میں لے جایا سکتا ہے۔"

• چرس کو پاکستان میں شگرت ترین شخص بنا جاتا ہے۔ ان کے چند افسانوں کا ترجمہ، تحریری میں ہو چکا ہے جنہوں نے اپنی برطانیہ کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ برطانیہ والے سمجھتے ہیں کہ انہیں یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ ایک مشرقی مزاحیہ نگار ایسا بھی ہے جو "والی" انگلوں اور ناموافق حالات کو اپنی تحریروں کا مرکز نہیں بناتا۔ کہنے پر چھاؤ، آخر پطرس اپنی آجہاں کو کس چیز کو بتاتا ہے؟ "پروفیسر بھادکے جواب دیا: "میری کہانیوں کا شالی کر رہیہ، ایک معمولی آدمی جتنا ہے جس میں بہت سی کمزوریاں ہیں۔ روکوتا سیاں ہوں۔ حادثات اسے ایسے ناموافق احوال میں پھینکتے ہیں جسے وہ پسند کرتا ہے۔ یہ ہمیشہ بڑا سیاتلان اور عظیم ادیب بننے کے خواب دیکھتا ہے۔ ایک کہانی میں وہ خطرناک سرگشتہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور بالآخر نالام رہنے کے نتیجے میں ہتہ آرمی میں جاتا ہے۔ میں نے اپنی تحریروں میں اس حادثہ کو مبع شکم اور مبع شکم کا صیغہ استعمال کر لیا ہے تاکہ طنز کا نشانہ خود بیان کر کے دلا جائے۔ پاکستانی اس بات کو بہت پسند کرتے ہیں۔ میرا اصول یہ ہے کہ

"بچلے بانس بنو"

پروفیسر بھادکے ۱۹۸۹ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ اس صدمی کے ابتدائی میں انہیں برسوں کے درمیان چھ سال انہوں نے کیرج میں ا تعلیم پائی۔ دوسری عالمی جنگ کے وقت وہ آل انڈیا ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔ ان کی سفارتی زندگی کا آغاز ۱۹۴۷ء میں اس وقت ہوا جب وہ بین الاقوامی ذریعہ کوئی براڈ کاسٹنگ کانسٹریکشن منعقد کیلئے یو۔پی۔ کے ریس کی میٹیت میں شریک ہوئے۔ ۱۹۵۰ء سے وہ اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے ریس چلے آئے ہیں۔ وہ سیاتلان کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ ایک دفعہ انہوں نے کوکئی (Cockney) کے اختصاف لب و لہجہ میں مصارت حاصل کرنے کے لئے چھ مہینے فرنٹ کئے تھے۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے یہی بتایا: آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ کوکئی زبان اپنی گرامر اور حرمت علت ۲ مخصوص نظام رکھتی ہے۔ ہر امیدوار ان کو انشاء کر کے لے سکے۔ لیکن انہوں نے کہا: اب میں کوکئی لب و لہجہ کی نقل اتارنے کی جرات نہیں کر دوں گا۔ میرا خیال ہے کہ میں پھر شاہی انگریزی کی طرف لوٹ آیا ہوں۔ اور برلن کی جن سے نکل چکا ہوں۔

میں نے دریافت کیا کہ آپ سفارتی دائرہ میں دوسری طرح کی کس طرح بکھا کتے ہیں؟ پروفیسر نے جواب دیا کہ: مزاحیہ نویسی میں میری پیداوار بہت کم ہو گئی ہے ایک شعل یہ ہے کہ وقت نہیں ملتا۔ دوسری شعل یہ ہے کہ سفارتی کامدار میں آپ بعض چیزوں پر نہیں توکتے ہیں لیکن مغلطہ اڑانے کی مقدار ہدایات نے مقرر کر دی ہے۔

"مجھے نیویارک سے پیار ہے۔ میں بڑے شہر کا باشندہ ہوں تاہم ابھی مجھے علامت کی جاتی ہے کہ میں چلنے میں بہت سست ہوں۔ وہاؤن کے ذخیرے مجھے بہت دل چسپ نظر آتے ہیں۔ جب میں پہلے پہل یہاں آیا تو میں نے ایک سینڈورچ (دوسرے) کی ڈرائیو کی۔ شال واسے نے پوچھا۔ "سینڈیاری ڈرائیو گڈ می؟" اس کی بات سمجھنے میں مجھے کچھ وقت لگا۔ اور یہ ہے تمہاری زبان۔ چلک کا مطلب ہے بل۔ باقی کیا رہا؟ میں پنے شاگروں کو ہر دوں امریکی کے متعلق طویل خطا کھا کی تھا۔ تاکہ وہ مجھوں کے سامنے چہ کرنا سے جائی۔ ایک خط میں میں نے لکھا کہ یہاں کے کوئے کہنے پر ایک ڈرگ سٹور موجود ہے۔ انہوں نے جواب میں بڑے خطرے اور تعجب کا اظہار کیا۔ مجھے لگے خط میں اس کی تشریح کرتی پڑی رہی ڈرگ سٹور زہریلی اور نشہ آور چیزیں نہیں بیچتے، جب معلومات اور واقفیت بٹھ جائے گی تو ممکن ہے کہ پطرس امریکی کے بارے میں کچھ لکھ سکے۔"

(ترجمہ)

۱۰ ستمبر ۱۹۵۳ء

ہر نغمہ بس کا حسن تمنائے گوش تھا

محمد عبداللہ قریشی

پروفیسریت احمد شاہ بخاری پاکستان کے ہایت دین مہابت روشن دماغ بے حد حس مکھ خوش پوشاک خوش گفتار، مشہور ماہر تعلیم انگریزی اور دو کے صاحب طرز ادیب، منفرد مزاج نگار اور کامیاب معیشتے۔ ان کے بڑے گوشے سے بھرت کر کے آئے تھے۔ مشہور مبلغ اسلام خواجہ کمال الدین مرحوم نے جب پشاور میں وکالت شروع کی تو بخاری کے والد سید احمد شاہ ان کے غشی تھے۔ وہیں یکم اکتوبر ۱۸۹۹ء کو سید احمد شاہ بہہ ہوئے۔ سید محمد شاہ فطرت مرحوم ان کے بڑے بھائی تھے اور سید ذوالفقار شاہ بخاری سید بھائی ہیں جو حال ہی میں ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل کے عہدہ جلیلہ سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

ابتدائی تعلیم پشاور میں حاصل کرنے کے بعد سید احمد شاہ بخاری نے گورنمنٹ کالج لاہور میں علمی تعلیم پائی۔ وہ عجب ریورسری کے نہایت ہونہار طالب علموں میں شمار ہونے لگے۔ انھوں نے انگریزی کا بہار امتحان ۱۹۱۷ء کے ساتھ پاس کیا۔

طاس علمی کے زمانے ہی میں انھیں شعراء ادب سے گہری عجبیہ پیدا ہو گئی تھی۔ وہ گورنمنٹ کالج بمبئ میں "راوی کے ایڈیٹر تھے۔ انھوں نے اپنے استاد انگلش سے حقیقت کی بنا پر اپنا قلمی نام بیرو انگلش اختیار کیا اور اسی نام سے انگریزی کے روزنامہ سول اینڈ مشنری کالج لاہور میں مضامین لکھے جن میں معاوضے کے قابل سمجھا گیا۔ مختلف اردو رسائل میں بھی بہت سے مضامین لکھے جو ادب فلسفہ مذہب و مزاج اور فنون لطیفہ کے موضوعات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اردو میں وہ صرف پطرس کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں "مضامین پطرس" اسی جملہ کی نگار ہیں۔ تشکیل تعلیم کے بعد انھوں نے انگلستان کا رخ کیا جہاں امان ذیل کالج کیمبرج میں داخلہ لے کر انگریزی ادب کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ وہاں کے اساتذہ کی رائے تھی کہ بخاری کا علم اس قدر فراخ وسیع و بسیط ہے کہ ایک انگریز کے لیے بھی آسان علم اس عمر میں رکھا کم و بیش ناممکن ہے۔

وطن واپس آنے کے بعد وہ پہلے نیشنل یونیورسٹی کالج میں انگریزی ادبیات کے پروفیسر ہو گئے۔ ان کی توجہ کے گورنمنٹ کالج کی تہذیبی، ثقافتی اور ادبی سرگرمیوں کی رفتار میں بہت ترقی ہوئی۔ انھوں نے مباحثوں میں حصہ لیا، ان کے دماغ میں جان و ادب اور امن میں لگاؤ اور ہدایت کاری کے جوہر دکھائے۔ اپنے دوست سید احتیاز علی تاج کے ساتھ مل کر کئی انگریزی دوروں کے اردو ترجمے کیے جن میں بڑا مدت کا کھیل آرمس اینڈ دی ہین و ٹرنز کا کھیل، بی بی میں ہر رابطہ دی پو پو میک، چیکو سلاوی مصنف، لیرل چوبک کا ڈراما "آرپو آر" اور ایک ایکٹ کی نعل "باکس اینڈ کاس" وغیرہ شامل ہیں۔

خاص تعلیمی کاموں میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ ۱۹۲۲ء میں پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے مبلغ دس ہزار روپے کی رقم انھیں منکر کے اسکیم منظور کی کہ انگریزی کی بعض معلوماتی کتابیں جن سے لڑکوں اور لڑکیوں کو خاص دلچسپی ہو مزید جدیدی زبانوں میں ترجمہ کرائی جائیں تاکہ اردو ادب کی موصلا افزائی ہو۔ اس کے بعد کمیٹی ہر سال اس مقصد کے لیے روپیہ منظور کرتی رہی۔ ابتدا میں ڈاکٹر آر۔ ایچ۔ ڈائٹ ڈاکٹر اور پرو فیسر بخاری اس کے ایڈیٹر اور ایسوسی ایٹ ایڈیٹر مقرر کیے گئے۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر ڈائٹ ڈاکٹر اس طرح کی خدمت پر چلے گئے اور جے۔ ای۔ پارکس صاحب ان کی جگہ ایڈیٹر مقرر ہو گئے۔ ایک دفعہ پرو فیسر بخاری نے بھی خدمت کی کڑائی کی جگہ کوئی دوسرا آدمی نامزد کیا گیا۔ ذرا سی ۱۹۳۱ء میں جب پارکس صاحب بھی ولایت تشریف لے گئے تو کمیٹی نے ایک ایڈیٹر بل بوڈنار دیا جو مڑھی سی پڑھی اے۔ ہیں بخاری اور علاء نگ بہاری لال پرتھوی صاحب یہ پنجاب ایڈوائزری بورڈ فار بکس "کہلاتا تھا اور اس کا کام یہ تھا کہ ترجمے کے لیے کتابیں منتخب کر کے قابل ماساندہ سے انھیں اردو ہندی اور پنجابی میں منتقل کرے اور خود نظر ثانی کر کے انھیں شائع کرنے کا اہتمام کرے چنانچہ مختلف موضوعات پر بیسیوں مفید اور دلچسپ کتابیں شائع ہوئیں اور محکمے کی طرف سے سکولوں میں بطور پیش کش بھی گئیں۔ ظاہر ہے کہ اردو کی تمام کتابیں نظر ثانی کے لیے بخاری کے حصے میں آتی ہوں گی۔

۱۹۳۱-۳۲ء میں بخاری کو پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی کے سیکرٹری کا عہدہ پیش کیا گیا چنانچہ اپنے فرائض منصبی کے علاوہ چار پانچ سال تک اس خدمت کو بھی باحسن الوجہ انجام دیتے رہے۔ سیکرٹری کی حیثیت سے آپ نے مندرجہ ذیل سالانہ رپورٹیں مرتب کیں جن سے کمیٹی کی کارگزاریوں کا پتہ چلتا ہے:-

سال ۱۹۳۱-۳۲ء	حجم ۵۲ صفحات	تاریخ اشاعت ۱۳ جون ۱۹۳۲ء
سال ۱۹۳۲-۳۳ء	حجم ۱۱۶ صفحات	تاریخ اشاعت ۱۵ جون ۱۹۳۳ء
سال ۱۹۳۳-۳۴ء	حجم ۱۵۲ " "	" " ۱۵ جون ۱۹۳۴ء
سال ۱۹۳۴-۳۵ء	حجم ۸۵ " "	" " ۲۶ مئی ۱۹۳۵ء

پطرس بخاری نے اس عہدہ میں دو تین ضخیم انگریزی کتابیں خود بھی ترجمہ کیں۔ ان میں ایک ڈیوڈ ہارڈن کی تصنیف تھی جس کا ترجمہ "تعلیم خصوصاً اطفال طفلی میں" کے نام سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ یہ ۲۰۰ صفحات کی کتاب ہے جس میں تعلیمی نصب العین، تربیت ہیئت اور عام اصول تعلیم پر بحث کی گئی ہے۔

دوسری کتاب ہنڈرک فان لون کی سٹوری آف میں کاٹھن تھی جس کا ترجمہ "فوج انسان کی کہانی" کے نام سے ۱۹۲۹ء میں طبع ہوا۔ یہ ۲۰۰ صفحات کی کتاب ہے اور اپنے موضوع کے لحاظ سے بے حد اہم ہے۔ ترجمہ مندرجہ بالا ہے کہ پطرس کا کیا ہوا ہے۔

تیسری کتاب ایلٹ۔ ایل برین صاحب کی تھی۔ انڈین سول سروس کے اس انگریز حاکم نے "دیہات سدھار" "سنگراہ ہندوؤں کے گائقد میں" "ہندوستانی کے گائقد کی اصلاح" وغیرہ کئی مفید کتابیں انگریزی میں لکھی تھیں جو بے حد مقبول ہوئی تھیں ان کی ایک کتاب کا ترجمہ بخاری نے غلام عباس کی مدد سے کیا جو "دیہات میں بوائے سکاؤٹ کا کام" کے نام سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔ دوسری صفحات کی اس کتاب میں دیہاتی سکاؤٹوں کے تربیت نشین کرایا گیا ہے کہ وہ اپنے گھروں اور اپنے گائقد کی بہتری کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

بخاری انگریزی کی روح میں مڈوب کر دیکھ کر بلند سطح پر اچھٹے لوہاں سے لکھی تھے جو کہ تھے کہ اس کا ذکر پہلے ہی کیا تھا اور ترجمہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔

۱۹۳۷ء میں آئی انڈیا ریڈیو کا محفل تھا، ہر افریقہ میں بیٹری اور لکڑی کے بجائے بجلی کی صنعتیں سمندر، انھیں پناہ بخش کر دیا۔ وہ سات برس ریڈیو سے منسلک رہے اور ۱۹۴۰ء میں کنگز اور جیل سفر پر گئے۔ اس سفر کے دوران کویت، عراق، فلسطین، شریعت کا مروجہ سماج ہی دوسری جنگ عظیم کے بعد ان بدلتی برطانیہ کا پرکھنا اکرانے کے لیے جو سپریم کمانڈر بنی تھی اس پر بھی ان کی خدمت محسوس کی گئی، خاص کر مصر اور عراق کے غریبوں کے فائدہ اٹھاتی رہی۔ اس سلسلے میں ان کو حکومت ہند کی طرف سے اعزازات بھی دیے گئے، انھوں نے انہیں خدمت انجام دیں۔

قیام پاکستان کے بعد قبلہ گورنمنٹ لاہور کے سپرنٹنڈنٹ بن گئے، جنھیں میں انھوں نے خدمت کا حق کوشاں تک اندر سے بخود بخود دیکھ کر اپنے غیر معمولی تہیہ کا ثبوت دیا، مگر گورنمنٹ نے یہ جاب کے بعد سے حکومت کے حکام کو مستند ہوا کی بنا پر ترقی دینے میں سلاخوں کے قتل عام، شہر میں ہونے والے مظالم، راستہ سیرا سنگھ کی خودی، سرگرمیوں اور سکھوں کی سازشوں اور خاکیوں کے بلے میں چند ریپوٹیں بھی مرتب کیں، وہ انھیں کی اور رپورٹوں میں انھیں کھلم کھلا اس کی طرف اشارے تھے، یہ سب اہم فوجی وسایات ہیں کہ اس جہد کی تاریخ لکھنے والا کوئی مورخ ان سے غور و خوض نہیں کر سکتا۔

گورنمنٹ لاہور کے بعد ۱۹۴۱ء میں جیسے جیسے جہاں پاکستانی فوجیوں کی حیثیت میں انھوں نے ان کی عزت میں تصدیق کرنا شروع کر دی، ان کے ہاں ایک تقسیم سے تھا۔ ۱۹۴۸ء میں ایک کیونکر کے مقام پر ریڈیو کے بلے میں ایک میں اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی کمیٹی میں آئے، وہ پاکستان کی طرف سے شرکت کی، ۱۹۵۰ء میں جب خاں یاقوت علیا مرحوم نے وزیر اعلیٰ پاکستان کی حیثیت سے ریاستہائے قہرہ امریکہ کا دورہ کیا تو شخص نے بخاری کی لیاقت کو دیکھا، بخاری اس تاریخی دورے میں ہونے والے کے پہلے دورے، اس تمام دورہ میں اپنے روزانہ انھیں گھنٹے سبب جانفشانی سے کام کر کے پاکستان کی عزت میں اضافہ کیا، اس سے صاحب پرانا دیکھ کر ان کی محنت خراب ہونے لگی، مگر آپ کی خدمات کو اتنا سہرا لیا کہ اقوام متحدہ میں پاکستان کا مستقل مندوب نامزد کیا گیا۔ اس دورے پر ۱۹۵۴ء تک فائز رہے، اس جگہ ان کی شخصیت کا یہ پہلو سامنے آیا کہ وہ ایک باوقار، مقرر اور سچے ہونے سیاست دان بھی ہیں، ایک مرتبہ آپ نے اس کی مجلس شوریٰ کی صدارت بھی کی اور خوب نام پیدا کیا۔

حفاظتی کونسل کی مجالس میں بخاری کی شگفتہ اور متوازی تقریریں سنائی پسند کی جاتی تھیں، کوئی گوشہ راواز پر کر سکتی تھی۔ ان کی باتوں میں محفل کی خوشبو تھی، ہر لمحہ محفل کے گوشہ تھا۔ تقریروں کے بعض حصے تو شیکسپیر اور دوسرے بلند پایہ انگریزی ادیبوں کے حوالوں اور لطیف طنز و مزاح سے مزین ہونے کی وجہ سے ادب پلے جھکتے تھے۔ پاکستان کے سال کو جس خوش اسلوبی اور سیٹھے سے اپنے پیش کیا کہ وہ ہمیشہ یادگار رہے گا تو میرے پاس میں انھوں نے ایک سچے اور خالص سلمان کا کردار جس انداز میں پیش کیا اس سے تمام دنیا کے سلمان انھیں انتہائی قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۱۹۵۵ء میں بخاری کی صلاحیتوں کے پیش نظر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل ڈیوگ پیرشورڈ کی خواہش پر آپ کو اقوام متحدہ کے شعبہ اطلاعات کا ڈپٹی سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ آپ پہلے ایشیا میں جو اس دورے پر فائز ہوئے۔ وہ اس دورے سے پہلے ۱۹۵۹ء کے آخر میں سکندرشہ ہونے والے تھے، انھوں نے کوئٹہ، دیوبند، پٹیالہ اور ایبٹ آباد کی تقریریں کے پر و خیر کی حیثیت سے کام کرنے کی شینکشن قبول بھی کر لی تھی، مگر عمر نے وفات کی۔ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کی صبح کوئیو یارک میں آپ کی حرکت طلب بند ہو گئی، غرض حیات سمٹ گیا اور جی جی جی کی یاد میں یہ پرنسپل ہو گیا۔

وہیں آرام گاہ آخری ہے اس سپاہی کی ہمیشہ جو رگ سرگرم جنگ زندگانی میں ۶ پر و خیر بخاری کی زندگی ایک مجاہد کی زندگی تھی اور ان کی ہر تہذیب کی موت، انھوں نے ملک و ملت کی خاطر ہر محاذ پر جنگ کی اور اس حوزہ وطن کی خدمت میں جان دی جہاں انھوں نے پناہ بخشا، نگہیں کیا اور جوانی بچھڑی تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ سیاست کے لیے نیند نہ

کا ہر ملک خوب سے لیکر کئی جیمیاں ہوتی ہیں اور وطن اپنے وطن میں اور وطن ہوتا ہے جی میں کیونکہ "افسوس کو ہر وقت یہ فروع رہتی ہے کہ اس کے جاننے پر کچھ مصلحت ہوگا کوئی قصے کا کوئی اٹھائے گا کوئی روئے گا کوئی چٹائے گا" مگر ان کی یہ توہمات پوری نہ ہوتے۔

داس کو نہ یہ ڈال کے رو دیا نہیں کوئی دنیا سے وہ اٹھے بھی تو کس لیے کسی کے ساتھ

پروفیسر بخاری کی وفات سے نہ صرف پاکستان کو زبردست قلمی نقصان پہنچا بلکہ اقوام متحدہ کی سیاسی اور علمی شخصیات بھی سنی ہو گئیں ہیں جنہاں اسمبلی نے قرارداد تعزیت میں ان کے ساتھ ارتحال پر افسوس کا اظہار کیا اور ہر ملک کے نمائندے نے شاندار الفاظ میں ان کی علمی ادبی اور سیاسی خدمات کا اعتراف کیا ایرانی نمائندے نے کہا کہ بخاری کی ذات نہ صرف اپنے کلمے کیلئے ناز علمی بلکہ حلالہ سلام کے لیے بھی سہا ہے اختراعتی۔ وہ فارسی خوب جانتے اور لکھتے تھے۔ فارسی میں شعر کہنے اور فارسی کے قدیمہ جدید ادب سے بخاری واقف تھے۔

ایک ممتاز سرب خلیل سیلی نے غازی نازہ پڑھائی اور اپنے گھر سے جناب رنج والہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

افول وقد فاضت لعین عبوة الارض بنی والا فلاء نذہب

یعنی میری آنکھیں آنکھوں سے تر ہیں اور میں بہک رہا ہوں کہ زمین تو وہیں کی وہیں ہے لیکن اصحاب نصحت بچتے جا رہے ہیں۔ پروفیسر احمد شاہ بخاری کی ذات میں تشرق و مغرب کی جو بیاں جمع تھیں یہی ان کی شخصیت کا سب سے بڑا کمال تھا۔ مگر یہ شوق سیکرٹری جنرل مجلس اقوام متحدہ نے ان کی ولعت پر جو اعلامیہ شائع کیا اس میں آپ کی خدمات اور صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"پروفیسر بخاری تشرق و مغرب کی ہر اٹ کے مالک تھے یہی وہ نمایاں خصوصیت ہے جس کی بدولت ہم بین الاقوامی مسائل حل کرتے

ہیں کیونکہ وسعت نظر و فکر کے بغیر یہ مشکل کام حل نہیں سکتا۔ نئی دنیا میں وحدت پیدا کرنے کے لیے لازماً ہے کہ بزرگ برائت اور

روایات پر کامل نظر ہو۔ جدید نسل کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر وہی فضائل و کمالات پیدا کرے جو بخاری کی شخصیت میں آشکار تھے۔"

پروفیسر بخاری کی دنیا محدود نہ تھی۔ ان کا مزاج مشرقی، مغربی اور وسطیٰ فکر کا مرکب تھا۔ انھوں نے علمی اور ادبی یادگاریں زیادہ نہ چھوڑیں جو کہ لکھا خوب ہے مگر کہ لکھا۔ ان کی تخلیق ایک کارنامہ ہے۔ آخری زمانے میں فزیکس، سیکشنز والوں نے تالف و ترجمے کے کام میں ان کا تعاون حاصل کرنا چاہا لیکن انھوں نے سلیکٹڈ لپٹس کے ناول "ایرو سٹوٹس" کے ترجمہ کا ذمہ لے لیا مگر اپنی بے انتہا مصروفیتوں کے باعث اسے مکمل نہ کر سکے۔

اس کے بعد ان کی طرف سے بخاری کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ امریکی مصنف مرو کے سلسلہ کتب "دس آئی لی" کی طرز پر اردو میں ایک کتاب مرتب کر دیں۔ بخاری نے اس سلسلے کی کتابوں سے مجوزہ کتاب کے لیے چند ایسے مضامین انتخاب کیے جو پاکستان کے چھوٹے والوں کے لیے موزوں ہو سکتے تھے۔ ان منتخب انگریزی مضامین کا اردو ترجمہ کرایا گیا اور کچھ نئے مضامین پاکستانیوں سے کھوائے گئے کہ انھوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنا پر زندگی سے کیا سبق حاصل کیے۔ بخاری نے ترجموں نیز دیگر مضامین پر بڑے غور سے نظر ڈالا کی اور کتاب کا مختصر دیباچہ بھی لکھا۔ یہ سو وہ عین اس روز لاہور پہنچا جس کی شام کو ریڈیو پاکستان نے بخاری کی وفات کی خبر نشر کی۔

وصل اس کا حقد انصیب کرے

میر جی چاہتا ہے کیسا کیا کچھ



چار پور

۱. حاج (۲) بطرس (۳) سیم (۴) ایض



چھوٹے بھائی

بڑے بھائی

بھائی بھائی

سید ذوالفقار علی بخاری

سید ذوالفقار علی بخاری اپنے باور محرم سید احمد شاہ بخاری پطرس مرحوم کی موت کے بعد ان نام یاروں کو حواں سے وابستہ ہیں "بھائی بھائی" کے نام سے ایک کتابی صورت میں لکھا کر رہے ہیں اور اس طرح اپنے اس سراپا زندگی بھائی کو موت کے سے رحم ہاتھوں سے چھین کر اپنے لئے زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ جس کی موت کا یقین کر لینے کے بعد زندگی کا اعتبار اور عجیب طے ہو گیا۔

سید ذوالفقار علی بخاری کی اس کتاب کا ابھی پچھن ہے کہ اسی دور کے حیدر اقباس میں نے اس لئے حاصل کر لیے ہیں کہ پٹھن والوں کو یہ اندازہ ہو سکے کہ سب کا پطرس خود اپنے بھائی کے لئے کیا تھا۔

میں جناب علام عباس کامنوں ہوں کہ ان کی وساطت سے مجھ کو یہ اقباس نفوس کے لئے حاصل ہو سکے اور طفیل ماہ سے سرخوئی ہوئی۔

(شوکت صفائی)

بھائی جان سکول میں پڑھتے تھے اور میں ابھی سکول میں داخل بھی نہیں ہوا تھا۔ والد گھر سے تو بہت خوش تھے۔ میری والدہ سے کہا "تو مبارک ہو۔ کل پیر احمد شاہ کو سکول میں انعام ملے گا؟"

"بھائی گھر آئے تو میں نے کہا لاہر سکول میں مار پٹی ہے یا انعام ملتا ہے؟"

"پھر نہ تو میری دونوں بھائی جاگتے رہے۔ وہ مجھے سکول کے قہقہے سناتے رہے اور میں سناتا رہا۔ مجھ سے کہنے لگے "تم بڑے ہوتے تو میں تم کو کل سا لٹا لے جاتا؟"

میں رو پڑا۔ انہوں نے مجھے اٹھ کر پیار کیا اور کہا "اچھا دیکھو کل میں تمہاری شہداء ہیں کہ انعام لینے جا رہا تھا؟"

میں یہ سن کر بہت خوش ہوا اور منہ می خوش ہو گیا۔ اگلے دن وہ میری شہداء ہیں کہ انعام لینے کے لئے گئے تھے ان کو کچھ کتابیں انعام میں ملی تھیں۔ جی پر سرخ رنگ کا دفتر بنی بندھا ہوا تھا۔ کئی دن تک وہ غیرت میرے پاس رہا اور میں بھنے کے دلوں کو دکھاتا رہا۔

میں سکول میں داخل ہو گیا۔ بھائی جان کے ساتھ سکول جاسے نکلا۔ میرے ہاتھ پاؤں کچھ ڈھیلے ڈھیلے تھے یہی سبب تھی کہ میں سرکھانے میں بھی نہیں جاسکتا تھا۔ چنانچہ بھائی میرا ہاتھ خود اٹھا لیتے اور انکلی پکڑ کر مجھے ساتھ چلاتے۔ جب میں نے سڑک پر چم پر پاؤں رکھنا سیکھ لیا تو بھائی جان نے اپنا بوجھ جو پر ہڈا شروع کر دیا۔ اب اب بھائی جان کے ساتھ جاتا تھا۔ کبھی ان کو سکول جاتے ہوئے کچھ اور لڑکے مل جاتے تو یہ بے لگے لگے بھرتے ہوئے مجھے پچھوڑ کر آکے نکل جاتے۔ میں مدد پڑانا اور روتے روتے سکول پہنچتا۔

سکول میں سالانہ جلسہ ہوا اس وقت ہمارے صوبہ کے چیف کمشنر سر جارج روس کیل تھے اور وہی جلسے کے مدد تھے۔ شہر کے تمام روڑا اور حکام جلسے میں شریک تھے۔ ہمارے والد بھی تشریف لگے تھے۔ سکول کے کئی لڑکوں نے نقیضیں پڑھیں بھائی جان نے بھی انگریزی میں ایک نظم پڑھی ان کی خواہش تھی کہ بہت داد دی گئی۔ سر جارج روس کیل بھی بہت خوش ہوئے۔

جلسہ ختم ہو گیا اور لوگ فریو میں کھڑے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے یا ایک دوسرے کو الوداع کہہ رہے تھے بھائی جان اور میں والد کے پاس کھڑے تھے۔ لوگ والد کو مہار کبا دے رہے تھے اور بھائی جان کو پیار کر رہے تھے کہ اتنے میں بھائی جان کیلئے ڈھنڈا یا پڑی۔ ہمارے ایک ماسٹر صاحب بھاگے ہوئے آئے اور کہا میلو پیر احمد لاٹ صاحب بلا ہے۔

میں بھائی جان کو بیٹے ہوئے جلدی جلدی دیں گھٹکتے میں پہنچا جس کے بیچ میں سر جارج روس کیل کھڑے تھے۔ والد ابستہ آہستہ پیچھے پیچھے آئے گئے۔ جب سر جارج روس کیل نے بھائی جان کو دیکھا تو آگے بڑھے اور بھائی جان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انگریزی میں کہا۔ تم نے نظم بہت اچھی طرح پڑھی۔ تمہارا لہجہ بھی اچھا ہے اور تلفظ بھی۔ سٹا باس؟

اتنے میں والد بھی مجھے میں پہنچ گئے۔ سر جارج روس کیل نے میرے والد سے معاف کر لیا اور بھائی جان کے متعلق تعریفیں جملے پشتو میں کہے۔ والد نے کہا ”ما صاحب جو لفظ کہہ رہے ہو۔ یہیں لکھو وٹا کہ یہ لڑکا تمام عمر تمہارے کے کی لالچ رکھے۔“

سر جارج نے بھائی کی نفل سے انعام کی کتابوں کے بندوق میں سے ایک کتاب کی جلد کے اندر کی طرف منسل سے یہ الفاظ لکھے۔ ”اے کاش میں پشتو اتنی اچھی طرح بولنے لگوں جتنی اچھی طرح چھوٹا پیر۔ پیر احمد شاہ انگریزی بولتا ہے۔“

یہ سند بہت مدت تک والد نے سنبھال کر رکھی تھی۔ اگلے دن صوبہ سرحد کے واحد اخبار افغان میں اس سند کی کمانی شائع ہوئی۔

عنوان تھا۔

”چھوٹا پیر ————— پیر احمد شاہ“

بھائی بڑے ہوتے گئے اور ہر سال سکول میں انعام پاتے رہے۔ میں بھی پانچویں سوار کی طرح ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ ہمارے ایک بڑے بھائی تھے۔ پیر محمد شاہ اللہ اچھیں خوتی رحمت کرے بہت تیز مزاج بزرگ تھے۔ ہم دونوں کو ان سے بہت ڈر لگتا تھا۔ لیکن کئی باتوں میں ہم ان کی پیروی بھی کرتے تھے۔ مثلاً ان کو انگریزی ڈھب کے کپڑے پہننے کا بہت شوق تھا۔ ہم کو بھی یہ شوق لاحق ہوا۔ وہ شعر کہتے تھے اس لئے والد کے منظور نظر تھے۔ ہم دونوں نے بھی شعر کی طرف توجہ کی۔ جب ہماری شعر گوئی کی خبر بڑے بھائی تکسہ پہنچی تو وہ بہت ناراض ہوئے اور والد نے بھی اس بات کو نہ سراہا کہ ہم سکول کا کام

چھوڑ کر مشرقت موی میں پڑ جائیں۔ جو والد شعر لیتے تھے۔ مکس بچوں میں سے کسی اور کا شعر پڑھنا ہی کی طرف متوجہ ہو کر ماہر و معر و شعرو عین انھیں پتہ نہ آتا تھا۔ بھائی شعر کہنے کے راضی نہیں فصول مجھ کر چلا۔ جتنے میں شعر کہتا اور بھول جی کہتا تو لوگوں کو سناتا۔ جس نے بہت سے شخص کے لئے مآثر۔ ذوالفقار۔ و احسان گراماں میں۔ سے کوئی۔ لے سن آیا نہ سرے بھائی کو۔ ایک دن جب اس شخص کا جھگڑا درپیش تھا تو کہنے لگے شخص کیوں مزدور ہی ہے۔ میں نے کہا مطلق سے لئے۔ پھر کہا مطلق کیوں مزدور ہی ہے، میں نے کہا تاکہ معلوم ہو کہ خول کس کی ہے۔ اور کہا باقی شعر میں چپ ہو گیا۔ اور شخص کہنے کا خیال دل سے نکال دیا۔

الغ۔ اسے پاس کرے کے بعد بھائی جان کو پینٹ کلر و ہمد میں داخل ہو گئے اور ان کے خفا آنے لگے۔ ایک خط میں بھائی نے مجھے لکھا کہ میں نے یہاں راجا حفصہ علی خان اور پینٹ اتار ناں بقایا کو دوست بنایا ہے۔ راجا حفصہ علی خان تو بہت بڑے سُرے ہیں لیکن پینٹ اتار لائی بہت خوب کاتے ہیں اور راجا بھی بجاتے ہیں۔ میں نے بانسری بھائی سیکھ لی ہے اور ان کے باجے کے ساتھ بانسری بجاتا ہوں۔ بھائی نے مجھے تائید کی کہ اس بات کو صرف ایسے تک نہ کہوں۔

اگنیہ تندی صہبا سے بگھلا جائے ہے

سرفراز اللہ خاں

احمد شاہ بخاری سے یہی پہلی ملاقات ۱۹۱۶ء کے آخری ایام میں ہوئی جب وہ لاہور میں اکادمی کے طالب علم تھے۔ یہی ان کی رفاقت چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک جاری رہی۔ ابتدائی دور میں ان کے بگھلانے ارمان ہر اس شخص کا دل موہ لیتے تھے جسے ان کے ساتھ واسطہ پڑتا تھا۔ انگریزی زبان پر انہیں غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ ان کی یہ امتیازی خصوصیت کیمبرج اور بالائے خرام یونیورسٹی میں بھی برقرار قائم رہی۔

بخاری ہر اس صحبت یا اجتماع کی روح و دواں ہوتے تھے۔ جس میں انہیں شامل ہونے کا موقع ملتا تھا۔ وہ بڑے تیز فہم اور عاقل جواب گو ان کی شخصیت کو ناگوں صفات حسنہ کی حامل تھی۔ انگریزی زبان پر قدرت، ہر دور کے انگریزی ادب سے قریب واقفیت، ملٹن اور شکسپیئر کی تصانیف سے گہری شناسائی، یہ ایسی خصوصیات ہیں جو بخاری کی شخصیت میں متوازن طور پر جمع ہوئی تھیں۔ انسان کی گفتگو، حاضر جوابی، سلاسل اور مبالغہ کے دھان پہلے بخاری بن کر اپنے انہماک کی راہیں تلاش کر لیتی تھیں۔ اسی طرح اردو میں بے تکلف اظہار احساس کی آمد برابر کا دھن بھی جا بھتی ہے۔ یہ بات عام طور پر معلوم نہیں، لیکن بخاری بالائی پہلے میں بھی قابل تعریف مہارت رکھتے تھے۔

دعوتِ پاکستان کی قدیم ترین کمیٹی دس گاہ گورنمنٹ اکادمی لاہور میں پہلے انگریزی کے پروفیسر اور بعد میں پرنسپل مقرر کئے گئے۔ یہ بات انگریزی زبان اور ادب میں ان کے بلند مقام کی آئینہ دل ہے۔ مگر یہ ان کے ایک جو کی قدوائی تھی۔ انہوں نے سفارت کے میدان میں اس کے برابر امتیازی مراتب کے حصول کا سلسلہ جاری رکھا اور بالآخر بین الاقوامی تنظیم میں داخل ہو کر اپنی زندگی کے سفر کا سلاطین مقام پایا۔ زندگی کی دوڑ میں جو کچھ اہل قدر پر مددگار تھا وہ جہاں رُکے اور جس رستے پر نائز ہوئے وہاں ہر شخص نے انہیں صحت اقل کے لوگوں میں شمار کیا۔

بخاری زندگی کے ابتدائی دور ہی میں صحت کی تشویش ناک خرابی کا شکار ہو گئے تھے۔ اور مریض رہے۔ جب وہ آل انڈیا لیڈ میں مٹر ٹیڈن کے ساتھ کام کر رہے تھے تو بیماری لاٹا سے بہت آزدہ اور دل شکستہ رہتے تھے۔ انہیں خرابی صحت کی شدید کیفیت کا مقابلہ بھی درپیش تھا جس نے بعد ازاں کم و بیش دائمی مرض کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ان ایام میں انہیں نے اس مرض کے پے درپے تکلیف دہ حملوں کا مقابلہ بڑی ہمت اور پاموشی سے کیا۔ اور اپنی جسمانی توانیت کو اپنے فرائض کی بیکار دہی میں مائل نہ ہونے دیا۔ بعد میں جب وہ مٹر ٹیڈن کی جگہ آل انڈیا لیڈ کے ڈائریکٹر جنرل بنائے گئے۔ تو انہوں نے انہماک کا سانس لیا اس بات نے انہیں اس قابل بنادیا کہ دعائیہ تکلیف دہ بیماری کا مقابلہ کسی قدر کامیابی کے ساتھ کر سکیں۔

یہ کہنا غلط ہے کہ ۱۹۵۳ء میں ان پر بیماری کا حملہ ان کی منتقلی و جدائی سے کوئی علاقہ تھا یا نہیں تاہم یہ علل شدید تھا۔

جس کی وجہ سے نہیں گئی تھی۔ ہسپتال میں دھنسا پڑا۔ اس کے سے وہ بچ گئے تو پر بے اپنے آپ کو مبارک دعا کا سہارا لیا۔ وہ اپنی دوسری کے مختلف سیدانوں میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں گے۔ ہم پر امید ہو گئے کہ مناسب احتیاط سے وہ اپنی فیصلہ رساں اور لطیف انداز زندگی کے نئی مزید سالہ رہے۔ درمیان بر کر سکیں گے۔

جنہو نے انہوں نے اقامتہ میں پائتاں کے مستقل نمائندے کی حیثیت سے کام کیا جس میں کم دست قریب رہنے کا موقع ملتا رہا۔ انہی دنوں کے بخاری کی ذات و تدبیر کے بعض ایسے اوصاف کو بہ نظر آئے جو دیکھنے کا موقع ماحول پر چلے چلاں واضح اندرون دیکھتے۔ اس اطلاع نے کہ بخاری غن کے دباؤ سے صاحب فراموش ہو گئے تھے اچانک صدر پہنچا یا ایک جس میں نے سب کچھ پہنچا دیکھا کہ ان کی حالت بہتر ہو رہی ہے تو دل کا بوجھ ہٹا دیا گیا۔ انہیں تندرست ہونے کے لئے کئی سختے انتظار کرنا پڑا۔

تھوڑے ماہ بعد وہ اقامتہ کے اسٹنٹ ریکرڈری جنرل مقرر ہوئے۔ اس بات نے ان کے لئے موقع مہیا کیا کہ اپنی قابلیت اور استعداد اس طریقے پر پوری وسعت کے ساتھ بروئے کار لائیں۔ اقامتہ میں انہوں نے جو خدمات سر انجام دیں وہ سب کا معلوم ہیں۔ ابھی انہوں نے اقامتہ میں اپنے فرائض انجام دینے شروع نہیں کئے تھے کہ کچھ دنوں میں موجودہ منصب کے لئے منتخب کیا گیا۔ اس کے بعد کچھ بخاری سے ملنے کے مواقع بہت کم میرے لئے۔ اب جب کبھی میں بخاری کا جانا تھا تو ان سے رابطہ پیدا کرنے کی کوئی نہ کوئی صورت نکال دیتا تھا۔ میرے دل میں یہ خطہ پیدا ہونے لگا تھا کہ بخاری کے قوائے جہالتی پر جو بوجھ پڑ رہا ہے وہ بہت بھاری ہے اور انہوں نے ان کے دل پر اثر ڈال کر رہے گا۔ ایک ادبیت میں نے میرے اس حساس خط کو تیز کر کیا یہ بھی کہ بخاری تنہا کی محسوس کرنے لگے تھے اور اس حال میں ایسے چھوٹے واقعات سے مدد پر متاثر ہو کر غمناک اور غمناک ہو جاتے تھے جنہیں عام حالات میں نظر انداز کر دیتے تھے ان کی طبیعت کا یہ رخ سنبھالنا ثابت ہونے کی بجائے ان کی گنتی ہوئی صحت کی ایک علامت بن گیا۔

اچانک ان کے انتقال کی اطلاع 'جس کے لندن کے اخبار 'ٹائمز' کی وساطت سے دی۔ میرے لئے حد درجہ غمناک تھی اس صدمے کے اثر سے میں کچھ وقت گزرنے کے بعد ہی سنبھل سکا۔ کچھ دنوں کے بعد اس روز دعائے کے پرائیویٹ اجلاس میں 'میں اپنے پیڑ پچھڑ پچھڑا کر یہ میری طبیعت کے سراسر غمناک بات تھی جس نے غمناک آج کچھ میں نے کچھ تھا اسے دیکھا وہاں یہ شعر نظر آیا۔

اتھو دھو دل سے یہی گری گرا نہ تھے میں ہے

آج کی زندگی صہیل سے چھلا جائے ہے

یہ بخاری کے خیالات ذہنی و فکری اوصاف کے لئے میرا لاشعوری خلیج تھیں تھیں۔ اور اس تعلق پر احساس رنگ عالم کا اظہار ہے جسے ہم اس

لئے زیادہ محسوس کر رہے ہیں کہ انہیں ترقی برسرِ سول سے لے کر بلندیوں پر پہنچنے کے وقت سے جانتے چلے آئے ہیں۔

منا ان کی روح کو آسودگی نصیب کرے۔

(ترجمہ)

میرا نام بخاری ہے

بی۔ اے۔ ہاشمی

”میں نے دروازے پر دستک دی۔

”اچانک:“

”استلام علیکم...“ امتیاز میں؟“

”کہ وہ آپ کے سامنے ہے دیکھ لیجئے۔“

حمایاں طور پر مسکرتے ہوئے ”میرا نام بخاری ہے امتیاز نے کہا تھا وہ آپ کے پاس آئیں گے تو ابھی نہیں پہنچے۔ ناگوار غلطی ہو تو میں

یہاں بیٹھ کر ان کا انتقاد کر لوں؟“

”بسم اللہ“

یوں میری اور بخاری صاحب کی ۱۹۲۰ء میں پہلی ملاقات ہوئی۔

بخاری صاحب بیٹھ گئے۔ اوپر اداہر کی رسمی باتیں کرتے رہے پھر دہلی شہر گنگوہا موضوع بن گیا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک دہلی کے آثار و قدیمہ سے لے کر کارخانہ داروں کے طور طریق اور رہن سہن کی باتیں ہوتی رہیں۔ سورج ڈھل گیا۔ مغرب کی آوازیں ہونے لگیں۔ بخاری صاحب بولے۔ ”دیکھئے امتیاز نہیں آئے میں نے آپ کا وقت منامع کیا۔ زبان پر یہ لفظ آئے لیکن چہرے پر شادی کی اچھائی تیرا وقت منامع کیا۔ پھر بولے آپ شام کو شیلے نہیں جلتے۔ میں نے کہا۔ الزما اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں۔ جی چاہے تو چلے۔ یوں بخاری صاحب اور میں شیلے نکلے جو پھر مہینوں لیکن بے قاعدگی سے جاری رہا۔ آٹھ بجے کے لگ بھگ واپس آئے تو پھر میرے کمرے میں۔ لازم نے کہا میاں کھانا لے آؤں۔ میں نے کہا ہاں۔ اپنی کسی پراہٹیاں سے بیٹھے ہوئے فضا کو مخاطب بنا کر بخاری صاحب بولے اب چلنا چاہئے۔ میں نے عرض کیا داں روٹی یہیں کھائیجئے۔ انڈوں اور دہی کے انارنے کے بعد کھانا آیا۔ ہم دونوں نے معمولی اور مختصر کھانے کو آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت میں ختم کیا۔ ساڑھے نو کے قریب بخاری صاحب بولے۔ اچھا کھائی میں چلا۔ میں گورنمنٹ کالج کے ہوشل کو اڈریل میں رہتا ہوں۔ میں بھی ہمارے کے لئے لہن کے ساتھ ہولیا۔ اور نیلے گنبد کے چوک سے واپس آگیا۔

اس دن کے بعد کم و بیش بلاناغہ شام کی ملاقاتوں کا سلسلہ کئی مہینوں تک جاری رہا۔

ہمارے ایک مشترکہ دوست کو بخاری صاحب کا اس باقاعدگی سے میرے پاس تشریف لانا کچھ گراں گذرا۔ ایک دن وہ بولے کہ دیکھو

بخاری! بادجود و رینہ دم کے تم میرے پاس نہیں آتے اور ہاشمی کے پاس روز آتے ہو۔ بخاری صاحب نے جواب دیا ملک صاحب یہ دل بے کس نے

ہیں۔ آپ اگر چاہتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں روز و رات ہوں تو میرے لئے کی خوش آمد۔ بڑی مشکل سے گزارا کیجئے۔ سوچو یہ صبر پر روزا کھانے کے لئے مقررہ وقت پر حاضر ہونا۔ اولاً اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ان نہیں۔

بخاری صاحب بڑی ہموار طبیعت کے آدمی تھے۔ کثرت باطن کسی میں ملانے دیتے تھے۔ کمالاً دو چھوٹی چھوٹی نگاریوں کو دروں کا مذاق اڑانے کا خیرہ سمجھ کر یا کہتے تھے لیکن جب نرم ہونے تو بہت عرصہ پہلے کاٹا روز۔

بیتا۔ صاحب اس زمانہ میں تاریکی سے اپنی مسلمہ میں جیتے تھے۔ ان سے اس کی بھی نہیں تھی۔ بخاری وہ چند در دوست لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن بیدل صاحب نے ان کے شفقت و مہربانی کے لئے پروردگار کی کھانا شروع ہوا تو بیدل صاحب کو حیاں آیا کہ بخاری صاحب کو وہی سے بہت رفت ہے۔ بولے آپ لوگ وہی کھا رہے ہو۔ ایک زبان ہو کر سب سے عرض کیا کہ جی ہاں۔ بیدل صاحب نے آواز دی۔ اے لہوے ایک آنے کا وہی لے آستانہ انا تھا لیکن ایک آنے کا وہی تو اس وقت بھی ایک آنے کا تھا۔ بخاری صاحب بوسے۔ بیدل صاحب یہ دیکھ کر کیا نے کے لئے منگا یا ہے۔ بیدل صاحب نے ان کا مزاج لے کر ہم ہو گئے۔ بخاری صاحب نے بھی غلات معمول پر بھی صاحب برکی سے دیے۔ بہر حال بات اُلی گئی جو تھی لیکن لوگ مدد نہ کر سکتے۔

بخاری صاحب میرا ہی طور پر چرچہ محفل کی توجہ کا مرکز خودی رہتا ہے۔ کئی علمی علمیں علموں کی پاشی اور کئی علموں میں ضم کرنا۔ غفلت کے الٹ پھیر سے بات کی برجستگی سے ذہانت و حجاب و تہذیب معصوم روئی سے وہ ہر بات اور حرکت میں ایک ایسی بات جو دیکھتے تھے۔ محفل کی نگاہیں اور کان ان کے لئے وقت مہر جاتے تھے۔

ایک اور تخیل کار ایک محفل میں خوش نصیب ہونے میں وہ اپنی زندگی کے مطابق اپنے پاٹ کو بڑے کرتے ہیں۔ کبھی تحت شامی اور کبھی کاس گدائی کبھی ہر وقت خوش باشتی اور خوش کامی اور کبھی پیچھے معاصی و آلام۔ بین زندگی کا رنگ نکالنا۔ اس میں اپنی پسند اور اغب کو زیادہ افلا نہیں ہوتا۔ اس میں رخ اور خوشی تو عام ہیں۔ تاہم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی زندگی کو تخیل کاری بنائے۔ سفود و مرثیہ جو تہ کے رنگ کا مرثیہ دی رخ پیش کرے۔ جو اور دل کی خوشی اور اپنی بیداری کا باعث ہو۔ بخاری صاحب کی زندگی کا فلسفہ اور شیوہ یہی تھا۔ تاہم ان کے نیاز و دل میں روئیں ایسے شغل بھی تھے جن کے سامنے وہ دکھ سے رو دے ہوں یا خوشی سے ہنس پڑے ہوں۔ شاد و ناہوشی سہی لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ یہ جھپکنے والا بخاری اور ہر بات میں اہرٹ گھولنے والا بخاری اپنے کسی نیاز مند کے پاس آدھ آدھ گھنٹہ خاموش بیٹھا رہے۔ ایسے موقعوں پر اس کا دل اس کی زبان سے زیادہ طاقت اور خدات سے اپنی کہتا تھا۔ اور دوسروں کی خفا تھا۔ یہ لے اس کے نیاز مندوں کو نہیں بھول سکتے اور خود کو کتنا ہی زبان آدھ اور تلمیم کا دھنی کہے، بیان نہیں کئے جاسکتے۔

محبت کے منانے دیو و دل کی امانت ہیں

خیانت سے زبان کو محرم امر اور کر لینا

بخاری صاحب احسان فراکش نہیں تھے لیکن احسان مندی کے اعلان کے بھی قائل نہ تھے ان کی رائے میں اظہار احسان مندی محسن کو خفیہ اللہ خود کو بھکاری بنانے کے مترادف تھا۔ محکم تسلیم اللہ پھر کمال انڈیا ریڈیو کی ملازمت کے زمانے میں وہ ہیٹ جو سٹکی روئے رہے لیکن یہ کبھی خفا ہر نہیں کیا کہ وہ عمر اذید سے برابر پکارا رہیں۔ ایک بار ریڈیو کی ملازمت کے دوران میں دشمن نے زخم کیا۔ واسٹرائے کی ایجوکیشن کوئل کے ایک مسلمان مہر لے بے غلبہ و درخشاں پانہ بخاری صاحب کے حق میں پلٹ دیا۔ ادویوں بخاری صاحب نے تشویش سے نجات پائی لیکن اس کے بعد بخاری صاحب ان

صاحب کے سامنے ہنسے۔ بے نیقہ۔ میں نہ تھکے آگاہ تھیں کہ میں نے بخاری صاحب سے کہا: دیکھو نہ! نے تہا ری یہ مد کی اور تم بڑا حرج دے جاتے ہو کہ اسے جابر سلام دعا بھی نہیں سکتے۔ وہ تہا رے سحر کے حجاج نہیں لیکن تہا ری شرافت کا آپسی تعاقب ہونا پڑے کہ تم شکر گزار ہو۔ اہلے سنو حائی۔ رشتہ دہنے کے بزرگ میں۔ بے کھے انہوں نے کرم فرمایا تھا ان کے احساس خوش کاری اور شفقت مندی کو میں شکر کے چند جملے کہہ کر کیوں نہ لیجوں۔

دوران مدت میں ہر ملازم لی حرج بخاری صاحب کو بھی اگر اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے مختلف ذریعہ اختیار کرتی پڑتی تھیں۔ گورنٹ کالج میں شعبہ انگریزی کے چیرمین کی جگہ خالی ہوئی۔ بخاری صاحب کو نظر انداز کر کے الیڈ فریچر جیوین بنا دیا گیا۔ بخاری صاحب نے پرنسپل سے سحر کر کے استعفیٰ کیا۔ اس نے اپنے فیصلے کو بحال رکھتے ہوئے بخاری صاحب کی خدمات کو ازبیکہ تعینات کے پاس بھیج دی۔ ڈائریکٹر نے بھی پرنسپل کے فیصلے کو بدلنے سے اجازت دیا۔ بخاری صاحب نے ریٹائرمنٹ سے انکار کر دیا۔ گورنر نے دوبارہ کاری کو بلایا۔ "ریٹائرمنٹ گورنٹ کالج میں تو انگریزی کا چیرمین انگریزی کو مانا ہے۔ بخاری صاحب نے جواب دیا: حضور! ارشاد بجا لیکن اگر گورنٹ کالج میں شعبہ انگریزی کا چیرمین انگریزی کو چاہئے تو اس انگریز کے پاس انگریزی کی ڈسٹ کلاس ڈگری بھی ہونا چاہئے۔ بخاری صاحب کی ڈگری فرسٹ کلاس تھی اور دوسرے شخص کے پاس سیکنڈ کلاس ڈگری تھی۔ فریچر نے تالی بجا کر کہا کہ ملاقات ضرور تین کے بعد ختم کی جانی ہے اور بخاری صاحب شعبہ انگریزی کے چیرمین ہو گئے۔

ایڈیٹر کا زمانہ کے دوران میں جب وہ ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کے ایک دو سال بچے غلامے بد مزہ سے گنہگار لیکن انہوں نے کبھی اپنی پریشانی کا حال بیان نہیں کیا۔ اپنے تمام عہدے، استعوا کرتے رہے اور آخر کار تمام دشواریوں پر فتح پائی۔ ان کے ایک چھوٹے کا قصہ سنئے۔

میں لاہور سے دہلی گیا ہوا تھا۔ صرت ایک آدھ روز کے لئے۔ بغیر اطلاع بخاری صاحب سے ملنے ان کے دفتر پہنچا۔ گاڑی سے اترا: جی تھا کہ مجھے کے دوستی، افسر: غلامے سے آشناسان ہو گیا۔ ان کی اور میری بے تکلف ملاقات تھی۔ وہ سمجھے کہ میں ان سے ملنے کو آیا ہوں نہایت گرم جوشی سے ملے۔ غلامے سی گنگو کے بعد جب انہوں نے اپنے کمرے میں چلے کو کہا تو میں نے بتایا کہ میرا مقصد اس وقت بخاری صاحب میں۔ یہ بات اسے بھی لیکن صحت نو دہ کرنے کے لئے اس نے سلسلہ گفتگو دراز کر دیا۔ بچے غلامے پندہ منٹ کھڑے کھڑے اور باتیں کرتے گزرتے تو بالوں میں بہتیں بخاری کے کمرے میں پہنچا دوں۔ بخاری صاحب کے کمرے میں پہنچے۔ میرے اچانک پیچھے پرستوب اور خوش ہونے۔ فراغ غالب کا مصرع پڑھا۔

آئے خدا کسے یہاں پر زکسے خدا کیوں

مجھے بخاری صاحب کے کمرے میں پہنچا کہ فریچر رخصت ہو گیا۔ ہم دونوں باہل میں مشغول ہو گئے۔ لیکن چند منٹ ہی گزرے تھے کہ وہ صاحب پھر آگئے۔ کاروباری بات کی وجہ سے معافی مانگتے ہوئے بخاری صاحب سے مخاطب ہوئے کہ ایک فرد کی دور سے پردہ لگے سہتہ خود مداس جائیں گے اور اس نے بخاری صاحب کے پیش نظر جو بھی پروگرام ہو وہ نسخہ کر دیا جائے۔ چونکہ بخاری صاحب کو دفتر میں موجود رہنا ہوا۔ نہایت خوش ہو کر بخاری صاحب بولے۔ آپ مزد مداس جائیے شکر کا مقام ہے کہ میں گرمی کے دلنے میں دہلی میں بیٹھ کر ریگن کی فاک پھاٹنے سے بچ گیا۔ دہلی کا خوش گوار موسم، دفتر کا مل پندہ گرو، میں نہایت خوشی سے دفتر میں رہوں گا۔

وہ فریچر افسر بخاری صاحب کو میرے آگے ملا نا لے آیا تھا لیکن خود سب کو کہہ کر واپس ہو گیا کہ غرض یہ نہایت قصہ خسراش۔

دس منٹ کے بعد پھر آیا اور کاجاری صاحبہ کے کاندھ پر دیکھتے ہوئے نیا کیا کہ جیسے یہ وہ محلات کے میری رات میں سوتا کی ضروری ہوگی۔ اس کے اب تم ہی دے دے پر صاحبہ نے باز، بخاری صاحبہ چھل پڑے۔ کیا یہاں کجاستے؟ اللہ وہ اس کے پتے سے بھرتے ہوئے دخت ہو گیا۔ وہ فاسل سمندر، وہ فاسل نفاہیں، وہ فاسل سے فاسل، یقیناً نہ صرف وہ لکھی یا نہ ہے گی۔ اس شخص نے بھونچکا ہو کر میری صاحبہ کا منہ دکھا اور کچھ کہنے پر لکھی لڑنے لگا۔

میں اس طرح کا توشاں تھا بخاری صاحب بڑے بھائی اریہ سال بھر دروہ گیا۔ یہاں سے واپس مٹے جانے گا۔
تقدیر سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں لیکن ان ایڑیوں کو نہ تکی چند۔ کے بعد ملازمت سے سبکدست ہو کر منہ وستان سے راجست
جی گیا۔ اور بخاری صاحب آل انڈیا ریڈیو کے فرائض ادا ہوئے

ناری صاحب آکل انڈیا ریڈیو کے کوارڈیٹر مہرے نیکن وچو ویر نہا نہا جی صاحب کے دوستوں اور بخاری صاحب کے لئے
خود ایک آڈیو کاسٹ لارود تھا۔ آکل انڈیا ریڈیو ایک بیا۔ دس لے پیسے اور بڑے والا حکمران روزنی نئی نوکریاں لے لیتی تھیں اور ہر نوجوان اس محکمہ
میں نوکری کا خواہش مند تھا۔

جوری صاحب کے دوستوں کے ہندو اعتقادات میں سفارشی خطرات سمجھنے شروع کئے اور اپنے اپنے امیر، کی نامی پر ایسا ہی خفیت کا
 غلطی اور بعد ازاں رنجش کا اظہار شروع کر دیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں نے کبھی کسی کی سفارش بخاری صاحب سے نہ کی، لیکن ایک بار غلطی سے
 میں نے ان سے عرض کیا کہ مرود خدا نال اور دستے جو سہارا تو تم اور محسن بنے اپنے بیٹے کے سے تمہیں تھا اور تم میں باطنی سائنس کی کجگئی۔ یہ کیا
 طوطے صاف لکھ دیتے کہ اس کو ملازمت دینا ممکن نہیں لیکن دیت دین میں ڈال دینا قطعی غلط ہے۔ بخاری صاحب نے جواب کی کہ میں سرکاری
 قسم کی قومیہات پیش نہیں کر رہا ہوں۔ پھر کہہ کر کھانچا کہ ہر ایک خوش منہ کو کوڑی کہہ سکتا ہے۔ البتہ میں اس کی ذرہ
 کوتاہی کو وہ ذرا شیخ سے پورا کر دیتا ہوں۔ مثلاً کوئی نال صاحب کا خطا لکھے تو میں کمرہ دوں گا۔ ختم میں خدا لا ہے۔ وہ ملاں صاحب کا خطا جو تو کھول کر
 پڑھتے ہیں براہے میں اگر عرض کر دینے سے ملاقات کر دوں گا۔ غرض یہ کہ اسی طرح کسی سے دفتر کے نمے میں اور کسی سے ڈرائنگ روم میں ملا ہوں بہت
 تو تم اور عزیز دوستوں کے سفارشیوں کو گھر پر کھڑا بھی لیتا ہوں۔ موٹریں صفہ جنگ اور جہازوں کے منہ کے کی سیر بھی کر دیتا ہوں۔ نہایت لذیذ شگوائے
 بعد ہلے کر کھائی سفارشی خطرات کی پیدائش اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہوں۔

ہماری صاحب نے تفر و تشریں بہت ہی کم نکلا ہے شعر میں ایک نظم جس کا عنوان میں بھول رہا ہوں اور جو شاید کبھی بھی نہیں دیتیں
 غزلیں اور چند متفرق شعر۔ نثر میں پلاس کے مضامین کے علاوہ ایک لمبائی عشق کی خودکشی و چند متفرق مضامین جو بکثرت میں چھپے اور گارڈ دی کا
 ایک ترجمہ سب کا درخت۔ مجھے یاد نہیں کہ انگریزی میں ایک دو مضمون کے علاوہ جو پاکستان ٹائمز میں چھپے اور کوئی چیز ہماری صاحب نے بھی ہم اس
 سرمایہ ادب کی سب سے بڑی غنی اور خصوصیت اس کا انوکھا پن ہے۔ وہ ہمیں تیس بلکہ چالیس پچاس شعر کہتے۔ دو ایک دوستوں کو
 ایک ایک کر کے کبھی ایک کبھی دوسرا شعر ملتا۔ تنقید سے متصف نہ ہوتے جو شعر میاں پر ہر اتر آتا ہے رچتے ادبانی اس طرح بھول جاتے، جیسے کبھی
 ٹکھی نہ دیتے۔

میرا مقصد یہ نہیں کہ بخاری صاحب پر کھیت ادیب یا نقاد کچھ عرض کروں۔ مجھ سے بہتر بہت سے حضرات ہیں جو مسودا مضامین کو زیرِ فرمائش لے۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ بخاری صاحب کو قدرت نے یہ دولت فراوانی سے عطا فرمائی تھی کہ وہ چھپے ہوئے کڑوں میں اپنی ذہانت کی

روشنی دے دیں۔ اوسان گوشوں کو سوز کر دیں کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں فرو ہو جائیں۔

بخاری صاحب سلف سازی اور مصلحت آزمائی میں فرو گئے۔ اعلان آزادی کے بعد گورنمنٹ لاکھ میں پرنسپل مقرر ہوئے تو پھر طالب علمی کے زمانے سے متعلق مضمین لکھ کر کونسل کی سوجھی۔ میں اس زمانے میں زیر ملک لاکھ میں تھا اور اس سے پہلے شروع ان کے بہت قریب سال ڈیڑھ سال ایسا گدرازا میں داخلہ دل داندہ داندہ دل میں ہم دونوں کو بہت سی کامیائیاں میسر تھیں اس لئے بڑا فائدہ وقت یا قید لباس تب جی میں آیا ایک دوسرے کے پاس پہنچ گئے۔ نام کے بعد اوقات گئے ملک کی مصیبتوں میں میں شریک نہ ہو سکتا تھا۔ میں ہر شے سے اس معاملے میں گچھا ہوں اس لئے اس وقت بخاری صاحب مولوی میں گورنمنٹ پرنسپل کی کرسی پر تھے جبکہ صلاحاتوں کو یقینی بنانے کے لئے انہوں نے ہر دس پندرہ دن کے بعد اپنے محرمات کے لئے کئی دعوتوں کا سلسلہ شروع کیا جو کئی مہینے چلتا رہا۔ دعوتوں میں ان کے پانچ چھ نیاز مند شریک ہوتے تھے ان دعوتوں پر وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے زہیرے دوستوں کا خون سفید ہے۔ کہنے کو بلاؤ تو بلاؤ آج ملے ہیں دیسے ادھر کا کبھی مسخ بھی نہیں کہتے۔ دس بارہ برس گزرتے گئے

بگلی سے

کے کہ محرم باد صبا است میدان

کہ باوجود خزاں بسے یا سمن باقی است

یقینے کہاں تک کچھ جاؤں اگر اس زمانے میں تنہائی عظیم الفرقتی نہ ہوتی تو کبھی یہ داستان تخیل سے کہ اس کا بھٹا میرے بس کی

بات نہیں

ایک بار میں نے بخاری صاحب سے کہا کہ میرے نزدیک کلچر ڈیڑھ آدمی کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ وہ تنہائی سے ڈگھرتے اور آپا پنا معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی سے خوف زدہ رہتے ہیں معنی یہ ہے کہ نزدیک آپ کلچر ڈیڑھ آدمی نہیں ہیں یا میری کلچر ڈیڑھ ہونے کی تعریف غلط ہے۔ باوجود میرے کچھ کہنے کے کوئی جواب نہ دیا۔ چہرے پر افسردگی نمایاں ہو گئی۔ میرا گمان ہے کہ بخاری صاحب کے تحت اشعار میں ان کی زندگی کے کم از کم آخری دس پندرہ سالوں میں جان لیوا مرض کا دہر کا مار تھانہ تھا۔ جنہوں نے کبھی انہیں اجازت نہ دی کہ وہ اس کو ظاہر کریں۔ لیکن وہ سبھی انجام مرض سے خائف رہے۔

اس دن کے بعد میں نے اس قسم کی کوئی بات بخاری صاحب سے نہ کی۔

گورستانِ ادب کا فیر

عبدالمجید سالک

سلم مارڈن لاہور

سزئی، اسلام علیکم

آپ نے دو تین خطے کین میں کسی ایک کا بھی جواب نہ سکھ سکا۔ حالانکہ یہ کتاب میری وضع
کے خلاف ہے۔ بخاری کا مابنا میری معنی، حجاب کا قطعی طور پر، جو بالکل بے زندگی باطل ہے۔
دلے رنگ ہو کر رہ گئی۔

آپ کو نابالغ معلوم نہیں، میں کوئی سال بھر سے عوارضِ قلب میں مبتلا ہوں لیکن پڑھتے پڑھتے
چکا ہے۔ مرکبِ ذرا ایک آدھ نشری قدریت میں سکھتا ہوں ادب۔ آتے ہیں بلڈریش میں
ملا ہوں، ڈاکٹر محمد یوسف مہینوں سے علاج کر رہے ہیں۔ آپ مجھ سے مضمون کی فرمائش کرتے
ہیں تو بے حد شرمندہ ہوتا ہوں۔ کچھ کہہ نہیں سکتا کہ تمہیں حکم کو سکھوں گا۔ اگر ممکن ہے شاید کچھ لکھوں
نہ ہوا تو مسطور جان کر صاحبِ ذرا دیکھ لے گا۔

عبدالمجید سالک

مولانا عبدالمجید سالک کا یہ خط مجھے ۱۲ دسمبر ۱۹۵۷ء کو ملا تھا۔ مجھ سے میں مولانا موصوف کی صحت اور بیماری، اتنی بڑی کرم وگ دم
سادہ کے رہ گئے، مضمون سکھانا تو دیکھنا کہ ہیں اپنی زندگی ان کے صاحب میں جمع کرانا پڑی۔ تب کہیں انہیں دوبارہ زندگی نصیب ہوئی۔
ابھی دو چار روز کی بات ہے کہ میں پیران کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ خیال تھا کہ اگر ان کی صحت اچھی ہوئی تو پھر پھر اس پر سکھنے کے لئے کچھ
عمن کرن گے۔ انہیں دیکھا تو کچھ کہا نہ گیا۔ دل کی دل ہی میں سے کے واپس آ گیا۔
بخاری صاحب کے تجزیہ گہرے تعلقات مولانا عبدالمجید سالک سے تھے۔ اتنے اور کسی سے نہ تھے۔ دین تھے تویر، دنیا تھے تویر، دولت
تھے تویر، بھائی تھے تویر، شیر تھے تویر، استاد تھے تویر، گریباں کچھ بخاری صاحب کے لئے سالک صاحب ہی تھے۔
بیماری نے انہیں اس حد تک نفع حال کر دیا ہے کہ باوجود اتنی کوشش کے وہ پھر اس کے لئے کچھ نہیں سکھ سکے حالانکہ اتنا کچھ لکھنا چاہتے
ہیں کہ آپ پڑھ پڑھ کر خوش ہوں ادب یہ کچھ لکھ کر۔

مجموعی کے عالم میں مولانا مصروف کی دو چوٹی چھوٹی تحریریں پیش کر رہے ہیں ایک تو بخاری کی وفات پر یڈیو پران کا پیغام ہے دوسرا ایک ادب مطبوعہ تحریر جس میں پوس بھی ہے اور جی بھی

(محدثین)

①

امیر شاہ بخاری کی محبت پاکستان میں علم و ادب اور فنون و محبت کی موت ہے اس کے دوست اشکار میں ادب اور ملک ناقابل تلافی نقصان پر تشدد و مہموت ہو رہے۔ اس بے نظیر قابلیت کے افراد ہمارے ملک میں نایاب ہیں جو زندگی کی ہر مصروفیت میں اپنے اپنے ہم معروں سے دنیاوی طور پر ممتاز نظر آئیں بخاری گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسر کی حیثیت سے ان کی یادیں یو ایس ڈی آر یونیورسٹی کی حیثیت سے پھر اپنے کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے اس کے بعد اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے رئیس کی حیثیت سے جہاں کہیں بھی رہے سرحد و ممتاز ادنیائیں رہے۔ وہ ادب و دانش، طنز و مزاح اور تنقید عالیہ میں دور دور ملک اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ محبت پاکستان ہی میں نہیں بلکہ پورے برصغیر میں بخاری کے پیروں شاگرد اپنی اپنی علموں کے اعلیٰ عمودوں پر ممتاز ہیں۔ اور بہترین خدمات بجالا کر اپنے عالی قدر استاد کا نام روشن کر رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بخاری نے ادب و دانش میں بہت قلیل سرمایہ چھوڑا ہے۔ لیکن اس کے قدم سے جو چند تنیدی سفاین اور جواہر دوکان میں نکلیں وہ ہمیشہ ہمارے ادیبوں اور نقادوں کو صحیح الخیالی ادب باطنی نظری کا سبق دیتی رہیں گی۔ ادب پاکستان ہمیشہ اپنے اس عظیم الشان ادب عالی راغ فرزند پر ناز کرتا رہے گا۔

②

جن دنوں میں کراچی میں مقیم تھا۔ بخاری مرحوم پاکستان آئے تو چند روز کراچی میں فرودش رہے۔ ایک دن مجھ سے پرچھنے لگے کہ کبھی کوئی نیا دوست بھی بنایا۔ میں نے کہا ایسی باتیں کرتے ہو کبھی درست بھی بنائے جاتے ہیں اور خصوصاً اس عمر میں جو درست تو جوانی میں میرا کرتے ہیں۔ اور خود بخود بن جاتے ہیں۔ البتہ بعض مخلص نوجوان زندگی کے ہر حصے میں ملتے ہیں جن کے خلوص پر جان قربان کر دینے کو جی چاہتا ہے۔ مثلاً تم نے مجید لاہوری کا نام ناہم گاہ کراچی میں یہ شخص میرا اتنا ہادفت اور دوست ہے۔ اسے عالم ادب و ادب ہونے کا دعویٰ نہیں لیکن طبیعت کی جدوت کی دہر سے اچھے اچھے عالم اور ادیب اس کی قدر کرتے ہیں۔ کہنے لگے تو پھر ہم سے اس کی ملاقات ضرور کر دیجئے۔

ایک دن میں مجید کو لے کر برٹش ہوٹل کے پاس بخاری کے پاس گیا۔ جنگ کا خوف و حکایت تو بڑھتے ہی سکتے۔ اب اس کے مصنف کو دیکھا تو بے حد نہال ہوئے اور جب باتیں سنیں تو اور بھی زیادہ فریفتہ ہوئے۔ مجید کی بھولی جہالی صورت اس کے بے مزہ گفتگو اور خلصانہ سادگی کی دہر سے پہلی ہی ملاقات میں اس سے یوں پیار کرنے لگے۔ جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ مجید کی نغمیں سنیں تو ابھی ٹوٹے۔ اس کے بعد قرآن یا اگر ہر روزات کے وقت کھانے کے بعد سالک کے مکان پر غفلت اُس پر پڑا ہوا کہ جس میں بخاری اور مجید کے سوا کوئی نہ ہو۔ چنانچہ عقب ریڈیو سیشن ملے مکان میں یہ نشست باقاعدہ منعقد ہونے لگی۔ خشک پھل کی پیلیں تپانوں پر پڑی جوتیں۔ چلوں کا ناہار موجود ہوتا۔ ادب گین اور گارگم کشمیری چائے کے بھرے ہوئے قہر میں تیار رہتے۔ بخاری، مجید اور میں چائے کی چکیاں لیتے چلوں کے کھانے اور غولیں پڑھتے۔ یہ محبت بعض اوقات دو دو بجے رات کو ختم ہوتی۔ ان مجلسوں میں مجید کراچی کی سیاسیات، پاکستان کے بعض ابارک خصوصیات اور بعض اعلیٰ مجلسی اور اقتصادی (یعنی تجارتی) شخصیتوں

کے بیٹے اپنے مخصوص اغراض بنانا بھاری بے حد شغف کرتے۔ اور انہیں مذہب اور دینی کے معاملات کی بھائی کہتے۔ اور یہی باتوں سے اپنے دماغ پر
وہ زندگی کی دیوانہ کو لالہ زار بناتے اور ہر جب رات بڑھی ہوئے محنت و بھاری عید، اپنی سوز گامیں بھائی اس کے گھر پہنچتے۔ اپنے گھر جاتے۔
جب تک عید نہ ہوئے بھاری پرواز و شیف سے اور بھائی ہی بویار سے جب کوئی خاص کچھ تھے۔ عید کا حال مزید پڑھتے۔ اور
سلطان، جسے لائق قرار دیتے چنانچہ ہم تک بان کے پرے سے لے کر ذات فہم کے ذریعے، کیونکہ ایک میں بھاری کو ارسال کر دیتے۔

عید کے انتقال پر بھاری اس قدر غمزدہ ہوئے۔ کہ ان کا فہمی صلاح میرے تمام کیا خود روتا ہوا معلوم ہوا تھا
ابھی حیرت و عید کا ماتم ختم نہ ہونے پایا تھا کہ ہم لوگوں کو بھاری جیسے عظیم نشان دست اور عظیم نشان انسان کے تقدیر پر سزاؤں کوئی
پڑی۔ میں تو محسوس کرتا ہوں کہ لویا گوستان ادب کا فقر میں جنازے اور ہوا آ رہے ہیں یہاں تک کہ نہیں من کرتے کرتے ٹٹ گیا ہوں چاروں
طرت انہیں ڈالتا ہوں تو تنہائی کاٹنے کو، کوئی ہے۔

زندگی کی مشاہدہ موت کے آفتاب کی سہارت سے پتہ چل رہی ہے۔ آہ! اسے موت کی یاد
سرزمین، لو کہہاں ہے؟ کہ راہ حیات کے سفر تری مشن کی چھاؤں میں آرام پا لگیں۔ اور ان
لئے گذروں سے جا میں جو اپنی خوش نصیبی کی وجہ سے سیر و فائدہ سے نجات پا کر جا
چکے ہیں۔

یارانِ موافق ہم اندوشت شدہ اندوشتِ بلبلانِ یگانہ پت شدہ
بودنِ تنگ شرابِ زرخیزِ مسر یک حوڑا پشیرِ کُست شدہ

”کیا تیرا بگڑتا جو نہ مٹا کوئی دن اور“

رشید احمد صدیقی

پروفیسر محمد شاہ بخاری (پطرس) دفعۃً ہم سے ہیٹھ کسے جدا ہو گئے۔ ان کی باتوں اور تحریروں سے بے شمار لوگوں کے دل خوش ہوئے۔ اور مہلتے رہیں گے اللہ تعالیٰ نے ان سے اتنی بڑی خدمت لی تو یقیناً ان کو اپنی بے کمان نداشتوں سے سرزد بھی فرمایا ہو گا۔

مگر ہم ذہن میں کسی ایسی محفل کا نقشہ جانیں جہاں تمام ملکوں کے شاہیر اپنے اپنے شعر و ادب کا تار تار کرنے کے لئے جمع ہیں تو اردو کی طرف سے ہم بہ اتفاق اراکس کو اپنا سناؤندہ انتخاب کریں گے یقیناً بخاری کو بخاری نے اس قسم کے انتخاب کے معیار کو آٹا اور چاکر دیا ہے کہ خاندنوں کا طبقہ متعمر ہوتے ہوئے معدوم ہونے لگا ہے۔ یہ بات کس و کون سے ایسے شخص کے بارے میں کہہ رہا ہوں جس نے اردو میں سب سے کم سرمایہ چھوڑا ہے لیکن کتنا بچا مقام پایا۔

تاریخ اللہ تعالیٰ میں کون پڑے آنا ابتداء ہے کہ سب سے پہلے مادی میں پطرس کا مضمون ”کتے“ پڑھا تو ایسا محسوس ہوا جیسے کتے والے نے اس مضمون سے جو درد حاصل کر لیا وہ بہتوں کو تمام عمر نصیب نہ ہو گا۔ ظرافت نگاری میں پطرس کا ہر ان کے ہم عصر میں کوئی نہیں۔ طنز و غزاف آسانی سے ہاتھ آ جاتے والے لیکن پڑچ اور خطرناک لگے ہیں۔ سنس، دل بچی، بھن تیشہ کے نہیں آتی۔ لیکن بہت کم رنگ یہ جانتے ہیں کہ کب ہننا چاہئے کس پر ہننا چاہئے کتنا ہننا چاہئے اور سب سے مشکل یہ کہ کیسے ہننا چاہئے۔ انسان ہنسنے والا جائز کہہ جاتا ہے اور یہ صحیح معلوم ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ اس طرح ہنستے ہیں ممکن ہے اسی سبب سے بغیر جانوروں نے ہننا چھوڑ دیا ہو، بخاری ان دامن سے واقف تھے۔

جرات ظرافت کے بارے میں کہی گئی ہے وہی طنز پر بھی صادق آتی ہے دونوں کی بدھیمی یہ رہی ہے کہ سہل الحصول ہونے کے سبب سے ہم ان ذمہ داریوں کا خیال نہیں کرتے جہاں کی طرف سے ہم پر عالم ہوتی ہیں اور اس بات کو قبول جلتے ہیں کہ سبکی طنز و غزاف بہت سبکی پڑتی ہے یعنی اھیما سے کام نہ لیا جلتے تو طنز و غزاف سے کام لینے والا خود طنز و غزاف کا شکار ہو جاتا ہے ہم میں سے اکثر اس کا شکار ہیں۔ مرث محسوس نہیں کرتے۔

طنز کی محرک برہمی یا بیزاری ہوتی ہے۔ ظرافت کی تفریح و تفتن۔ ان کا رشتہ نفس و واقعہ سے بھی ہے اور دن کا رے کے رد عمل سے بھی۔ ایک ہی واقعہ ایک شخص کو ایک طرح سے متاثر کرتا ہے اور دوسرے کو دوسری طرح۔ ایک اس سے برہمی یا بیزاری کا اظہار کرے گا دوسرا اس کے مضحک یا تفریحی پہلو کو اظہار کرے گا۔ اس کے بعد یہ دیکھتے ہیں کہ جس فن کار کا مبادیہ عمل ہوا ہے اس کا اظہار اس نے کس طرح کیا ہے یعنی فن کار کی شخصیت کس پایہ کی ہے اور فن پر اس کی گرفت کیسی ہے۔ نادانانہ طور پر یہ بحث اس منزل پر آگئی جہاں شخصیت اور فن کے رشتے سے بحث کرنا ضروری ہو جاتا

ہے۔ لیکن یہاں صحت آتا ہے پراکتا کرد کار فن شخصیت سے توانائی، مدد نہیں ملتی ہے۔ دفن کی غلامی شہیت کی ناکم کی دہلیس سے نئی ٹھیک اور ۔
مکمل جملہ ہے وہ شخصیت علیہ الہی ہے جو ریاضت اور انتظار سے جلا پاتی ہے۔

آج کل فنز نظافت میں جس چیز کی کمی غاص طور پر محسوس ہوتی ہے وہ شخصیت ہے۔ سبب یہ ہے سادہ سبب شہر کے دہلے بندھے کے
موضوعات کے ایسے ہوتے ہیں جن پر فنز نظافت کامل کوشش کے بغیر بھی کارآمد ہوتا ہے مثلاً بوی، تبا، سولوی، دلدین، قرمن، منگائی، چوہا زار
نفع خوری، اقربا پروری، ان کے دانیوں کی بے، اہر دی، دیر، ان سبب طبع آزمائی کی تھوڑی بہت داد بھی مل جاتی ہے جیسے کسی شخص کے لئے شام
کاس سے زیادہ مٹکے، اسے شرابی طرح کے حاضرین داد دیتے ہیں۔ مصنف کو مضحک دکھانے جانے کا کوئی تجربہ نہیں۔ ریست اور نغین کا دوبارہ ہے۔
شخصیت کا کارنامہ یہ ہے کہ وہ معمولی کو غیر معمولی بنا دے یعنی فنز نظافت کے پسو دہاں دیکھ لے جہاں کسی دوسرے کا ذہن آسانی سے نہ پہنچ سکتا ہو۔
فنز نظافت کے یہی نمونے فن کار کی شخصیت کی کٹھن ہوتے ہیں۔ ادب سے اب اور لچھے ذہنوں میں جگہ پاتے ہیں۔

بخاری کی نظافت بندھے کے تقریبی موضوعات، روایتی کرداروں اور بغلی برہنہ سے بے نیاز ہونے ہے ہر جگہ ہر بات میں انہوں
نے خوش طبعی، اندازہ دہی کا پسو نکال لیا ہے جیسے صحران کو مسک کے گلستان بنادیا۔ ہر۔ بخاری کی نظافت عام طور سے مفرد ہوتی ہے مرکب نہیں۔ بعض
ادباں ہلے سے ہلے امراض کا بھی علاج جڑی بوٹیوں سے کرتے ہیں۔ بعض دوسرے معمولی امراض کے لئے بھی مرکب، روایتی شفا سمون، گریبان
کشتہات بخیر کرتے ہیں علاج، دونوں مستند ہیں لیکن اول اندک زیادہ مصلح اس لئے زیادہ قابل تعریف ہے۔ بخاری نظافت کو نظافت ہی کے سہلے
قائم رکھتے ہیں۔ اور اس سے ہر متعده حاصل اور ہر شکل مل کر لیتے ہیں ان کی نظافت کی تعبیر آتش کے اس شمع سے کی جاتی ہے۔

آیا تھا طلبوں کی تدبیر میں گلوں نے

ہنس ہنس کے ارٹا لالہ صبا کو چمن میں

ہنس ہنس کے ارٹا لالے کا گھر، بخاری کو خوب آتا تھا نظافت اور نظافت نگاری کی یہ معراج ہے۔

بخاری کی نظافت نگاری کی مثال، دماغ کی خزاں اور ناشون کی شوی سے سے لگتی ہیں جس طرح ان بے نظیر فن کاروں نے ماہر نے
من و مشن کو تغیر زمین بر سر زمین ہی دکھایا ہے مزرع آفت بننے کی کوشش نہیں کی اس طرح بخاری نے نظافت کو زمینی و ذاتی ہی دکھا دیا۔ د
لا مکانی بنانے کی فکر میں نہیں پڑے۔ مرنے کی باتیں مرنے سے لگتی ہیں۔ اور جگہ دیتے ہیں۔ انتظار کرنے اور سوچ میں پڑنے کی رحمت میں کسی کو تبا
نہیں کہتے۔ یہی سبب ہے کہ وہ پڑھنے والوں کا اعتماد بہت جلد حاصل کر لیتے ہیں۔ ترشے ہوئے فقروں اور لسانی انداز سے عامی اور عالم دونوں کو سرور
کرتے اور سفر لگنے کا سلیقہ جتنا بخاری کو تھا کسی اور کے ہاں کم نظر آتا ہے۔

بعض شاہرہ کو کبھی کبھی اس شون میں بھی مبتلا دیکھا گیا ہے کہ وہ بد سیر گو، بد سنج اور داستان طراز بھی لکھ جائیں اس کی آسان ترکیب یہ
نکالی ہے کہ بے شمار لطیفہ از بر کر لے جائیں جن کو موقع بہ موقع دیکھی ایسے بھونڈے طریقے سے جیسے معن شعراء و پانچام سالے کے لئے کسی شریف آدمی
کو وقتا گیر لیتے ہیں۔ اس لئے رہیں گے۔ وہ یہ نہیں جانتے نظافت کا مدار ذوق پر ہے حافظ پر نہیں۔

بخاری فقروں اور لطیفوں کی تجارت نہیں کرتے تھے۔ وہ خود ہر طرح کی متاع ہر چہ پیدا کر یا کرتے تھے تجارت کے لئے نہیں تو متاع کی
لئے۔ وہ اپنی تحریر و تقریر میں لطیفوں اور چٹکوں کے پوند نہیں لگاتے تھے بلکہ طبعی اور ذہنی ان کی رگ دہلے میں ساری تھی۔ اور ہر طرح سے
جیسے دکھائی تھی۔ وہ لطیفہ خواں نہ تھے۔ لطیفہ طراز تھے مگر بخاری سے کبھی کسی کو تکلیف بھی پہنچی ہو لیکن آتا یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ان سے

ایک ہی عظیم دوسری باریکی بارہنے کو کف شاید ہی کسی شخص کو سونے ہو

قائما ۱۳۶۵ء میں پی۔ ای۔ این کا سالانہ اجلاس جے پور میں منعقد ہوا تھا۔ ای۔ ایم۔ فاسٹر، سرورجی نیلا، جواہر لال نہرو، مادام گاندھی، صوفیا دانیال، ابراہیمیل، ملک راجہ کاندہ، بخاری، اے۔ کھنہ، اور شاہر علی، علم، دیب منہ، داستان، ورنہ، داستان سے باہر کے شریک جلسہ تھے۔ موسم غنیمت کا ہے چونکہ تاریکی غریب صورت اور سستہ شہر ریاست کی روایتی مہمان نوازی، امرنا اسٹیل کا انتظام جواہر لال نہرو کی ریاست کے ذریعہ منظم تھا۔ پی۔ ای۔ این کا ایسا شاندار اجلاس نہ دستان میں شاید ہی اس سے پہلے یا اس کے بعد منعقد ہو اور تین دن تک کسی کسی کا مارا تقریریں ہوئیں۔ جنہ پاپہ منگلے پڑھے گئے۔ علمی مذاکرے رہے۔ نئے نئے مذاکرات اور پرستش گفتگو ہوئیں۔

بھاری کی غمی شہرت ہے، اختیار متوجہ کرنے والی شخصیت، حسین و ذہن مددِ فعال، سبیل، اور سترِ اباس، بے تفسخ خرام و قیام، ہر شخص سے اس کے مناسب حال شعور سے کی بھی پتے کی بھی، ہر شخص کی نگاہ میں پڑتی تھیں، لیکن ان کا اپنا اندازہ تھا کہ شاہیہ صحنوں میں یونہی کبھی گھسنے پھرتے نظر آتے جیسے ان پر کرم کرنے لگے ہوں وہ بیستہ تمام رتوں اور اپنے ساتھیوں کے حلقے میں سٹکن رہتے تھے۔ بھاری جیسے رستہ ختہ جو کبھی بے کارواں نہیں رہتا، متلاطم تھا تو ہر دم پُرجش لگتی، اور اور نہ وہستان کی دیگر زبانوں کے، ادیبوں کے ایک بنیادی سلسلہ کو پہلی بار نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا تھا۔ بحثِ تفصیل سے یاد نہیں، انہوں نے ہمارے مذہبی ادیب داری زبان اور انگریزی کے درمیان معلق ہو کر رکھے ہیں یہ دوسالی "کشمکش" ان کے فکر و نظر کو فکری رنگ میں جلوہ گرہنے نہیں دیتی۔ وہ اپنی زبان کی پرہیزگاری اور اس کے حسن کے عین احساس سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف انگریزی ادیب کے اصلی مددِ فعال اور جامع کو اپنا بے گئے جس ریاضت و بصیرت کی مزارت ہے اس کے نہ خرخر میں اس سے پاسے طور پر آشنا، قیصر تھا ہر ہے وہ کلاسیکی ادب کی اساسی قدروں کا صحیح عرفان نہیں رکھتے، اس لئے جدید ادیب کے افکار کو پرکھنے کی صلاحیت سے بے گناہ ہیں، ان کا پورا ذرا فاضلی کو کبے بغیر اس سے دشتِ قزوین اور اجڑے پرکھے جدید سے دشتِ جوڑنے پر صرنا ہو رہا ہے۔ بھاری کے ان خیالات کو کافرٹس میں بڑی اہمیت دی گئی۔ ادیب کو اس کا احساس ہمارے کتنے اہم موضوع پر لگتی فکر انگریز بات، کس وضاحت سے، کتنے بڑے مبعصرے لگتی۔

آں انڈیا ریڈ کا حکم دہلی میں قائم ہوا تھا جس کے عملے کا تقرر ایک بورڈ نے کیا جس میں مسٹر فیملٹن، ٹائر بیگز، جرنل، بنوری، ڈاکٹر کریم حید، لودکا اور کچہ اور لوگ تھے جن میں ایک میں بھی تھا۔ فیملٹن تھے اس بورڈ کی سناریش پر ذوق تھا بنوری، آغا اشرف، مجاہد رحیم اور بعض دوسرے لوگوں کا خلعت آسامیوں پر تقرر ہوا تھا۔ فیملٹن بڑے ذی استعداد، جری اور آزاد خیال تھے۔ ریڈیو کا کاروبار سنبھالنے ولایت سے نئے نئے آئے تھے۔ حکومت ہند کے اعلیٰ انجیر صوبہ دار نے ملک کی پروا کرتے تھے لیکن بنوری کا لڑ پڑھتے تھے۔ ارادان کے اشاروں تک کا احترام کرتے تھے۔

جیسا کہ قاعدہ ہے امیدواروں سے ہر ممبر اپنے اپنے معامین کے بارے میں بخوشی بہت گفتگو کر کے دماغ کے تمام کڑا کا۔ ڈاکٹر کریم حیدر چیلک سردس کیشن کی طرف سے آئے تھے ان کے سلامات کبھی کبھی سہم ہوتے اور مشکل تھی۔ اس پر ان کا تعبیری بھر کر کہ جیہ۔ اسی ہی آواز، کشتہ تیرہ امیدوار پر ہیئت سی ہادی جو جاتی۔ بخوشی بہت ان امیدواروں پر بھی جو بعض امیدواروں کی موافقت پر مائل ہوتے۔

ڈاکٹر امجد کے بعد میری نشست تھی۔ فریج کے بعد بدو ڈکے نمبر کھٹا ہوئے تو انٹرویو کا کام شروع کئے سے پہلے فیضان نے ان امیڈاٹ پر تبادلہ خیال کیا جو بورڈ کے سامنے آچکے تھے۔ منظور غنیمت ہوئے۔ پائی تو فیضان نے ڈاکٹر سعید کو مخاطب کر کے کہہ ڈاکٹر سعید دیکھو اگر تم نے آئندہ امیڈاٹ کو ڈولنے دھلائے گا اور وہ کیا کرے گا تو میں بے تائی تم کو کوئی مار دوں گا۔

ڈاکٹر حمید نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بڑے دور کا تقہر ۱۹۵۱ء۔ دونوں پاؤں اٹھا کر کسی پرپیچے کی طرٹ لیٹ سے گئے پھر معافی کے لئے

فیضان کی دولت اپنا حق جھٹا کر عید کے راد میں نے لایا ہی انداز تھا۔ اتنے میں بخاری سے باز رہی۔ صلیبی صاحب! وہ پرمیٹو نیٹن کے نشانے پر
 لکھ نہیں کیا جاسکتا۔ اسپینٹن کا ہی حال تھا جو پرمیٹر عید کا تھا۔

بشم سے بڑے ذہنوں سے لکھنے اور محفل پر چھاپنے میں بخاری صاحب نے خواہ وہ محفل علم و دانش کے بھاری ہو، خواہ
 بے تعلقت احباب اور بے فکروں کی، خواہ سیاسی ستاروں کی، بات کوئی ہو، موقع کیا ہی ہو، بخاری دشمیل ہوتے تھے نہ یگوس نہ منظر اور راج
 اور تفتن کی مشابہت قائم رکھتے تھے، کبھی بڑے دھڑوں سے، کبھی اپنے مخصوص طبقوں سے، لیکن ان دوران میں متعلقہ ذات سے کبھی فاصلہ نہ ہوتے
 اور جہاں جہاں ایسے تھے پیدا کرتے، سبے کرین و قایل ہونا پڑتا کہ بخاری سے غرض نہیں، سلازیر کوٹ کتابی لادک اور عید و لکوں نہ ہو بخاری، اپنی
 بات بہت گھر سوایتے تھے کبھی ایک زیرک وکیل کی طرح، کبھی ایک کا آزد و جزل کی مانند، جیوں کو پھرتے ہی دیکھا، اکثر صاحب ہمارے، کبھی ہنس
 خوشی اور کہیں بے سوچے کھے ہی۔

یہ سوال ایک بار ان، نئی ریڈیو دی میں دیکھا جب بخاری، جس کے ڈائریکٹر جزل اور... فرسٹ پھانچ تھے، جن کے بارے
 میں سب کو معلوم تھا کہ بخاری نے عاشق زار نہ تھے، اور بخاری کا جھگڑا بہت بڑھ گیا تھا اسے دن و نیت سے عتاب نہ اسے اور ملک کے گوشے گوشے
 سے طرح طرح کے دفنا ڈال ہوتے، بچہ بخاری کو ان دلوں سے پٹا پڑتا مگر وہ مطلق فکر نہ نہیں ہوتے تھے، وزارت کے عتاب ناموں کو تو
 ممانعت سے گھاگتے تھے، اور وہ دوسلے بارے میں ان کی رائے تھی کہ ان کی نسیات دی تھی جس کا ذکر غالب نے اپنے ہی سفرے میں کیا ہے۔

پھر کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گت اور

ایسے رفت و کاخیر مقدم وہ اس طرح کرتے جیسے اپنے بے تعلقت دوستوں یا عزیز غائب ملوں کو چاہے پر مڑ گیا ہو، ایک مرتبہ ایسا ہی ایک وفد باریاب ہوا
 بخاری نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ موقع کی اہمیت کا احساس کرتے اور دلالتے ہوئے ایک مختصر لیکن لا جواب انگریزی تقریر میں جہاں کاخیر مقدم کیا
 اور تقریر کو ختم کیا چند خوشام آرمینی فقرہوں پر جس کے مقابل وہ جھگڑے دل میں گئی اراکین تھے، جن کو متعلق ہوتے وقت، انہوں نے اپنی بیٹیا
 نہایت سے کھانپ لیا تھا، بخاری کی شیرازیائی سے وفد اٹھا اٹھل ہو گیا، اور ممبروں کے وہ کلمے اور کلمے سے تو راضی ہو گئے، جن کے ساتھ وہ مقابل
 کے پر نہ اسے، اور اسے آگے تھے، جو بخاری بہت کسر ہو گئی تھی، اس کا ان سوراؤں نے پورا کر دیا جن پر بخاری کا جا اور پہلے سے چل چکا تھا، اور باجے کے
 دوران میں بخاری کی کتابی بیان کا کمال گرفت شراک جس کے وہ امام وقت تھے اپنے ساتھیوں ہی سے کہنے اور وہ قدر کرنے لگے تھے۔

یہاں پہنچ کر بخاری نے میراجیل دیا اور ہم تن ان ممبروں کی تحریک و توجہ پر اہل ہو گئے، جو یقیناً قابل کاٹھ تھے لیکن اب تک ان کو
 نظر انداز کر کے تھا ان سے لے کر اب بات کر کے کا انداز باطل تعلقت کتاب، بڑے عالمانہ اور ماہرانہ سلا سے گفتگو شروع کی، اور بخاری کے سطر پرستی
 کتابی، اخباری، و دوسری معلومات اور طرح طرح کے شواہد اور اس سے اقتد ہوئے حکم بخاری کے حافظے میں اصدیان پر لگے، ان کے نصرت محاف
 ملک بھی دھکے ممبروں کی رسائی نہ تھی، پھر ان کا سر بیچ اانتقال، اگر شکر کا اور مقابل تیغ و زین میں اب بات منسلک طرح طرح کے انداز، بخاری کو کوئی
 رنج نہیں دیکھا سکتا تھا، ٹینگ میں ہر طرح کے کیل کاٹھے سے پس، ہر کہنے میں بخاری کے ہر گھر ہی لوگ دیکھتے۔

تجربہ ہر گھر یا کہین بھی مزید نام، آگے اور بخاری نے، علی قدر محاب، کسی سے ہر کار، کس کسے ٹھاکر، کسی کی شان میں ہر
 نہایت مہافتہ نیز فقرے کہ ہر جوتے ہی متاعل انگریز بھی ہوتے، وہ کہیں خوشی و نصرت کی بلا علی قدر محاب کا ان کا اصل اور دوسرے کا اظہر
 یہ تھا کہ جس کو جانتی مفر جگہ آتا ہی دیا وہ اس سے، سوگن اصفات، ہوتے اس سے محاب دیا جاسکتا ہے کہ جس سے انہوں نے ممانعت کیا ہوا

اس کا ان کے ہاں کیا وجود ہو گا۔

اس سب سے بخاری ہی کام لے سکتے تھے۔ ان سے ذرا بھی کم دسجے کا آدمی اس حربے کا خود شکار ہو جلتے گا۔ یہ اس لئے کہتا ہوں کہ بھنگا کے مرکب میں جتنے ادب جس طرح کے تیرے موقع آجائے پر انتخاب میں تیزی اور متین سے کرتے ادب جس خالی سے چھانے وہ کسی ادب کے جس کی بات نہ تھی۔ ویسے تیر ہر ترکش میں نہیں ہستے۔

اس انڈیا ڈیڑی کی ڈائریکل جزل شپ کے نالے میں ایک ہندوستانی ڈکٹری کی تائیت میں معروف ہو گئے تھے جس میں ملک کے بعض ضلعی ادب مستند اہل قلم ان کے شریک ملے تھے۔ یہ کام ان ہی کی ترقی میں ہوتا تھا اس میں ان انگریزی اصطلاحات کے ہندوستانی فروقات دئے گئے تھے۔ جو ریڈیو ادب اعادرات وغیرہ میں ملے تھے یہ کام اس زمانے میں جتنا قدرتی تھا اتنا ہی نازک اور مشکل تھا اس لئے ہندوستانی کا لفظ یا تصور (جیسے ہندی ادب کا سنگم کہتے تھے) اردو اور ہندی دونوں کے علمبرداروں کے یہاں نامقبول تھا۔ ڈکٹری کی کوئی ضخیم جلدی تھیں جنہاں میں چھاپا لی گئی تھیں۔ ادب منظر ثانی کے لئے مختلف اصحاب کے پاس بھیجی جایا کرتی تھیں۔ تمام مترجمات اس ترتیب انداز سے عہدہ عہدہ خانوں میں دی گئی تھیں کہ سلاشی کو انتخاب میں وقت کا سامنا نہیں ہوتا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد معلوم نہیں اس منت کا کیا حشر ہوا۔ مکمل ہو جاتی تو ہندوستان اور پاکستان دونوں کے محکمہ نشر و اشاعت کے لئے بہت بہتر آمد آمد بچے انہوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں بہت مفید ہوتی۔

انگریزی شعراء و ادب پر ان کو جتنا غیر معمولی عبور تھا۔ بوجہ جاننے میں لیکن ان کے ذوق و ذہانت کا پورا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم ان کے اردو مضامین میں انگریزی کی وہ جاندار، گوارا، ٹھہری ہوئی اور خوش آئند فصاحت محسوس کرتے ہیں۔ جو کسی ادب کے یہاں نہیں ملتی۔ ان کے توسل سے انگریزی کی جھلک اردو میں دیکھ کر ان کی اردو شاعری اور انگریزی ادبیاتی کی داد دے بغیر نہیں رہ سکتے۔ میں خود اس کا کچھ زیادہ قائل نہیں ہوں کہ غیر ملکی کاررو میں ترجماس طہر کیا جائے کہ غیر زبان کی جنس کا پتہ نہ ملے۔

انگریزی موضوعات، فاسیم ادب اسالیب کو اردو میں منتقل کرنے کا کام اردو نے بھی کیا ہے ادب کہتے ہیں لیکن اس فرق کے ساتھ کہ دوسرے ایسا کرنے میں اکثر ترجمے، تفسیر یا مقبول ادا کر دینے پر اکتفا کر لیتے ہیں کبھی کبھی ادب کچھ طے سے یا انگریزی کے مطالب کو اردو کے مدائی شاعر آفاقیانہ انداز میں اس درجہ شراور کے پیش کر دیں گے کہ انگریزی ذہن کا صحیح طہر پانہ اندازہ ہو گا۔ انگریزی زبان کا انگریزی اسالیب کا ادب نہ انگریزی نظر کا۔ بخاری کی اردو کو میں ٹھائی نہیں کہتا لیکن انگریزی کے پر تو سے ان کی اردو اس طرح جھجکتی ہے جیسے پر تو سے آفتاب کے دھسے میں جان ہے۔

ادبی اصطلاحی کتابوں کا ترجمہ سب سے مشکل ہوتا ہے اس کے بعد میرے نزدیک اردو میں زبانوں کے ڈراموں کا ترجمہ مشکل ہے جہاں فن، بیان و زبان اور نفسیاتی کیفیات کی بڑی نازک اور ناقابل گرفت وارداتوں کا سامنا ہوتا ہے جس طرح سیسہ و گرات (ڈراپا) زمین کے پھولے بڑے ارتعاش مرتسم کرتا ہے اسی طرح اچھا ڈراما سوسائٹی اور زندگی کے ارتعاشات کی نشان دہی کرتا ہے۔ ہماری نے انگریزی کے بعض مشہور ڈراموں کا جس خوبی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی زبان اور انگریزی سوسائٹی کے مزاج ادب ڈرامے کی فنی نزاکتوں سے پرے طہر برقاقت ہونے کے علاوہ اردو کرنے، رنگ و آہنگ سے آشنا کرنے کی کتنی غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے۔ اردو کا کوئی معمولی حافظ کا اس غیر معمولی فہم سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کی عزافت نظاری ادب انگریزی ڈراموں کے تراجم دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے بخاری نے اردو کی ایک نئی جنس ادب ایک نئی قرآنی کائنات کیا ہو۔

جہاں تک بے علم ہے بخاری نے تنقیدی معائنہ کم ملے ہی لیکن اردو کے اپنی تنقید نگاروں میں ان کا پایہ مسلم ہے۔ اسی اس حقیقت کا جدید ثبوت ہے کہ بخاری نے بہت کم ادبی سرمایہ چھوڑا ہے لیکن بہتوں سے ادبی مقام پایا ہے۔ محدثہ ۲۰-۲۵ سال میں اردو تنقید پر کافی توجہ کی گئی اور اسے ادبی ذخائر میں با محادوں میں اس کا نام سرفہرست آتا ہے۔ غزل کے بعد تنقید کے فن شریف پر ہمارے قبیلہ شعر و ادب کے سب سے زیادہ مہم آرائی کی ہے لیکن بحیثیت مجموعی پھر اس طرح کا احساس ہوتا ہے جیسے تنقید نگار تنقید کے مقاصد کو نظر انداز کر کے اپنے مقاصد پیش نظر رکھتے ہیں اور تنقید نہیں تبلیغ کرتے ہیں۔

اردو میں جدید تنقید کا بیشتر سرمایہ مغربی ہے لیکن اسے جس شکل میں پیش کیا گیا ہے اس میں مغربی تنقید کی اتنی توضیح نہیں ملتی جتنا اس کا ترجمہ ہمارے بعض تنقید نگاروں کو یہ بھی معلوم کرنے کی فکر نہیں ہوتی کہ مغربی تنقید کے کس اصول سے اردو کے کس صنف ادب کو پرکھیں۔ نیز مغرب میں جن اصناف ادب پر تنقید ملتی ہے ادب کی وہ صنفیں اردو میں ہیں بھی یا نہیں یا اردو میں جو صنف ادب ملتی ہے اس کے لئے مغرب کے کوئی اصول تنقید وضع بھی کیا ہے یا نہیں، ادب کس کا ہو کسی طرح کا ہو، تنقید مغربی ہوگی۔ کیا کہا جائے سوائے اس کے کہ: تحقّے تحقّے تھیں گے انسو۔

یہ بحث فرسودہ محلی ہے، تلخ بھی، شاید بے نتیجہ بھی۔ مگر آتا کہنے پر اتفاق ہوتا ہے کہ بخاری اس مضمون میں شامل نہیں ہیں۔ ان کی تنقید وسیع ترین مضمون میں فاضل ادبی ہوتی تھیں۔ انہوں نے جن مسئلوں پر یا شخص پر لکھا ہے اس کو اپنے نقطہ نظر کا تابع نہیں کیا ہے بلکہ اس کے تمام پہلوؤں کا گہرا مطالعہ کر کے وہ نقطہ نظر دریافت کرنے کی کوشش کی ہے جو اس کے شخص میں خوابیدہ یا بنیاد موجود ہے۔ ادبی پارکھ کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ کسی ادبی تحقیق یا تحقیق پر قلم اٹھائے تو اس کا انا اس طور پر کہے درجہ اول دونوں گرفت میں آجائیں نہ یہ کہ جو دوسرے کی نشان دہی کرے اور کبھی کل سے جزو کو درشتاں کر کے تصوف میں یہ دوسرے تنقید میں نہیں۔ اسی تنقید یا پارکھ کے لئے اس کی وسیع معلومات اور تنقید کے فنی اصول سے گہری واقفیت کے علاوہ ایک بڑی شرط یہ ہے کہ تنقید نگار کی نظر میں دست اور دل میں کشادگی ہو۔

بخاری کی تنقید کا اثر اچھا نہ ان کا مضمون - کچھ عصمت چغتائی کے بارے میں - بے عصمت چغتائی کی تحریروں میں نظر عام پڑا ہے تو ادبی اور غیر ادبی دونوں مضمون میں - ایک شور و طمان خیز - اٹھا اور ان تحریروں کی ادبی قدر و قیمت کے بارے میں سخت اختلافات آسا صواب یہ خصلت شدت پر تھا۔ ترجمہ بخاری کا یہ مضمون شائع ہوا۔ بخاری نے اب بے لاک تجزیہ اتنی گہری بصیرت کے ساتھ اس سنجیدگی سے کیا تھا کہ موافق اور مخالفت دونوں دھم پکے ابدیہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ عصمت چغتائی کے نقطہ نظر پر اس کا کیا اثر پڑا۔

بخاری کا مزاج مغربی نہ تھا۔ ذہن تھا۔ ان میں اردو ان کے بیشتر مضمون میں اردو شعر و ادب کا ذوق، مشرقی تہذیب کا کھڑکھاؤ اور لطائف کے اختلافات کے باوجود اپنی قدروں کی بڑی پاسداری ملتی ہے۔ جب تک پلاس لاہور میں انگریزی کے پروفیسر رہے۔ ان کا اردو ان کے وقار کا اردو شعر و ادب کی سمیت وقار پر بار بار اچھا اثر پڑا۔ اس زمانے میں - نیاز مندان لاہور کی - اور اسی نہ تھی جس کو نظر انداز کرنا آسان ہوتا۔ یہ زمانہ ان کے جلسے میں بخاری کا انماز قدرے ثلاث پہچانا جاسکتا تھا۔ اپنی پیش بہاغ معمولی سلاحتوں کی وجہ سے بخاری لاہور کے عظیم یا تہذیبی ذہین، ہونہار نوجوان طبقہ کے سرخیل تھے۔ اس طبقہ کے ذہنوں کا اتنا اچھا اور بڑا اجتماع اس زمانے میں شاید ہی کہیں اور دیکھنے میں آیا ہو۔ بخاری نہ ہوتے تو شاید اسی مختلف النوع بے بے بے ذہنوں کا ایک مرکز پر جمع ہونا ممکن نہ ہوتا۔ کبھی کبھی یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ اگر بخاری ان ذہنوں کے ساتھ لاہور میں اسی طرح پاؤں توڑ کر بیٹھ گئے ہوتے جیسے سر سید امدان کے رفقا علی گڑھ میں، تو اردو کی نئی فتوحات کا کیا عالم ہوتا۔

یہ خیال اس لئے ذہن میں آیا کہ تقسیم ملک کے بعد بخاری انگریزی کی پروفیسری پر لاہور واپس آئے تو اردو کے حالات اور تقاضا

میں ہر جنگ کسے۔ مہتری ہوا کہ مہتری کی تعلیم ترقی کا ایک منصوبہ ان کے ذہن میں تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بھاری نقد ڈالنا اثر اور فوجی منصوبہ میں اور بعض دوسرے دفعہ ریورسٹی میں اور وہی مصلحت تسلیم کا کام پنے ہاتھ میں لینے پر آمادہ ہوئے تھے کتنی حوصلہ شکنی، دوسری اور گناہ قدیمہ سلیم علی جو بروئے کار آجاتی آتیا عجیب کے چکر لگائی تھیں مروجہ کاظم البدل ثابت ہوئی۔ لیکن انہوں نے اس بار بھاری کا دامن سیاسی کاموں کے بیرون ملک کھینچا، اور باقیوں میں شاہ کرنا یہ نہ تھا جو اس منصوبے کی مشکلات اور زحمتوں سے عہدہ باج ملے کا حوصلہ دکھاتا، اور ساقی زجران کی قیادت کرتا۔

سوال یہ ہے کہ جہاں ذہنی صلاحیتوں کے اس ثبوت سے کار موجود ہوں علمی، قومی، تہذیبی کارناموں کی روایت کی لڑائی ہوا کہ قوم ملک کی تشکیل و تعمیر کے لئے دعوت کار کا راز بھی کچھ کم نہ ہو۔ وہاں یہ جسے عملی وجہ سے ملے کیسی۔ جس جہان کے فرائض اپنے اپنے طور پر چلے جو کچھ اللہ جتنا کچھ لیا ہو اس سے انرا نہیں لیکن اسی اور اتنی غیر معمولی قابلیتوں کا کوئی عہدہ آفریں کار نامہ سامنے نہ آیا یہ بھی اپنی جگہ ایک ایسی نہیں تو مسئلہ غریب نہ ہوئے مغربہ سلطنت کے زوال پر اس فضل و کمال کا جہان اور روزگار اجتماع دہلی میں ہو گیا تھا، اس کی مثال مسلمانوں کے عہد کے ہندوستان میں نہیں آہ کھم نظر آئے گی جس کے پاس میں ماننے کہا تھا۔

تھے ہندوستان سے تھیں جسے گزشتہ پیرس نمبر
 غلامی یہ سارے ٹٹ ٹٹ کر بکھر گئے ان میں سے سر سید نے اپنے رفتار کرام کے ساتھ علی ڈاؤ میں ایک جدید شاہ جہاں آباد کی بنیاد رکھی مگر علی ٹوٹ کر
 کے ہم سے مسلمانوں کی حیات لو کی طرح ڈالی۔

اس کے بعد اور پہلی جنگ عظیم کے اس پاس کے زمانے میں عہدہ فنون کے کھتے اور کیسے کیسے جامع کمالات، ہونہار و جہان لام رہی
 نظر آتے ہیں جن میں "جہان سہولت مند" کے "پروانا" سر شیخ عبدالقادر مودنا ظفر علی خان اور ڈاکٹر سہا اقبال سب سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ اگر بعض
 درجہ کی بنا پر مودنا کے دو کو علیحدہ کر دیں تو سر شیخ عبدالقادر یقیناً ان لوگوں میں تھے جو پنجاب کے سر سید ہو سکتے تھے۔ جہاں تک ان کی بزرگی، شفقت اللہ
 سرپرستی کا تعلق ہے انہوں نے لاہور کے ہونہار و جہانوں کے لئے کم سے کم اتنا ضرور کیا جو ہاں کے کسی اور سے نہ ہو سکا۔

شیخ صاحب کے بعد سب سے زیادہ اس کی توقع بھاری سے تھی دہلی مرکز ایز اعلیٰ صلاحیتوں کو اپنے گریج رکھ سکتے تھے ایک
 ملک انہوں نے رکھا بھی لیکن یہ شخصی تعلقات کی بنا پر تھا کسی عظیم مقصد یا منظم اسکیم کے تحت جیسی کہ شاعری علی گڑھ تحریک تھی، دہلی میں کے بیڑ دھس
 اللہ دیا نتائج نہیں پیدا ہو سکتے۔ آج بھاری کی یاد میں یہ بات ذہن میں آئی لیکن بے وقت نہیں آئی اب بھی اس کا امکان ہے کہ لاہور کے بچے کچھ
 احباب ہونہار و جہانوں کو اپنے سارے شفقت میں لے کر اس کام کو آگے بڑھائیں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک نئے "صوت مند" علمی، ادبی اور
 تہذیبی جماعت کی پاکستان کو بڑی ضرورت ہے۔

ہر سوانحی میں زحمان بڑا فریقین۔ بڑا خطرناک لیکن اتنا ہی قیمتی عنصر ہوتا ہے پاکستان کے زحمان کو مناسب اور بد وقت رہبری نہ ملی
 قریہ زیادہ دنوں تک بے کار نہیں رہ سکتا کسی اللہ سے ناتہ جڑے مایقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ زحمان کا نکلنا یا نکلنا مذہب ہے۔ اصل وہ
 اپنے شباب کی لادہاتوں (حاملہ اموس) کا شکار ہو گیا۔ مذہب تو اس کو صحیح اور صحیح راستے پر لگانے والے دیتے ہیں۔

اسی طے دینا مذہب لاہور، یا نامان لاہور) سے اس زمانے میں ایک بحث یا بحثی لگتی۔ کہ پنجاب میں جو "میں لے ہاں ہے" یا
 اس طرح کے اللہ فقرے لے لے جاتے ہیں ان کو غلط کیوں قرار دیا جائے۔ پنجاب کے لوگ اللہ سے کچھ کم طاقت نہیں ہیں۔ اللہ کی خدمت میں کسی سے
 کچھ نہیں ہے۔ مگر اللہ غم کی محفل میں ان کا وہ کسی سے کم تر نہیں رہا۔ اور وہ مستقبل بھی پنجاب ہی میں زیادہ روشن نظر آتا ہے غریب عربی کے ہاتھ منتر

کچھ باتیں اور خضر افغان سے بھی انہوں نے دھرم دلی طرح ستھادہ کیلئے دیوہ۔ اس سے ان کی زبان پر یہ فقرہ جس شکل میں آتا ہے اس کو صحیح کیوں نہ مانا جائے۔

کچھ دھل یہ مکلف زبردستی، لیکن جلد ہی ختم ہو گیا۔ امر بات جیسے آئی گئی ہوئی۔ اس موضوع پر ان سے اکثر گفتگو آئی۔ اتنی ہی دہلی نہیں جتنی فکر کی۔ اپنی کی زبان۔ اشکاس یا شاعروں پر بخاری کر بیج آزادی کا شوق جتنا تہہ تکلف دے سن میری طوت کر دیتے۔ ایک بار بڑے مزے سے اور بہت زور دے کر کہنے لگے۔ پنجاب اس طرح کے فقرے اسی طرح بولے گا آپ کے۔ (نام طوت کرتا ہوں) جو چاہیں یا میں۔ یہ جملہ طوت کیوں ہو؟ میں نے کہا۔ ہاں کیوں ہو؟ کچھ مسکاتے۔ کچھ زم پر سے ملین انماذکی برہی قائم رکھتے ہوئے بولے۔ تالیے نا۔ آپ کو مرگ تو میں کاہ بتا رہے ہوں گے۔ اس میں قیامت کیا ہے؟ میں نے کہا۔ میں مرگ تو کسے قطعاً معصوم ہوں۔ آپ بھی ہوں تو ایسا کوئی سا کھڑا نہ ہوگا۔ لیکن محمد علیے ان باتوں کو، میں تو چاہوں گا کہ یہ فقرہ اسی طرح بولے جائیں۔ اس میں ہر ارمب ہوں ایک خوبی بے شے ہے۔ بولے۔ یسین چہ؟ عرض کیا۔ اس سے آدمی بچان لیا جاتا ہے۔ بولے اختیار تہہ نگار کر کھڑے ہو گئے بولے۔ مدینتی صاحب میرے ساتھ چلتے ہیں۔ اس فقرے پر آپ کے عوازیں، کھڑے کھڑے، پنجاب میں فرسٹ کلاس لیا کر سکتا ہوں۔

بخاری غلط رہا ہے اچھے سمجھتے تھے۔ ان کے کتے اور کیسے دل آویز خدا و خاں ان خطوں میں جلوہ گر تھے ہیں۔ اچھے خطہ دہلی لکھ سکتا ہے جس کو کھتب ایر سے افغانی اور اپنے پر اعتماد و ہر محبت کی سب سے معتبر علامت یہ ہے کہ کاشق اپنے راز محبوب پر قہار سنے لگے اچھے خطہ دہلی لکھ سکتے تھے رشتہ آنا مرندی نہیں ہے جتنا اصول غزوہ دی ہے۔ خط لکھتے کادہ فن ہے جہاں تکلف یا تصنع تھے دے کر لے ڈوتا ہے SAFETY یا FIRST۔ یا SELF FIRST کے بندے کبھی اچھے خط لکھتے دے نہیں جہ تکتے۔ آمیزشے کجا گہر پاک اد کجا کا اطلاق خط لکھنے کے فن پر بھی ہوتا ہے۔

امریکی یا کہیں اور سے دوستوں کے نام جو خط لکھا انہوں نے وقتاً فوقتاً لکھے اور دودھ کے سالوں میں شائع ہونے ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی معلومات کتنی وسیع اور جامع، مشاہدہ کتنا تیز، ذہن کتنا زرخیز، تاثرات کتنے گہرے، تخیل کتنا کادہ کار اور بات کہنے کے انداز میں کتنی شوخی شیرینی اور تازگی تھی وہ اپنی کی تحریروں میں کبھی کبھی اپنے سے بھی زیادہ دل کش معلوم ہوتے تھے۔ یہ فن اور شخصیت دونوں کا مظہر ہے۔ بخاری کو اچھے سوٹ پہننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک زمانے میں جب آل انڈیا ریڈیو کا پہلا دفتر علی پور روڈ پر تھا اور وہ اسٹیشن ڈائریکٹر یا اس سے ایک کچھ کسی منصب پر تھے ان کا روزی کی کثیر بی دروازے کے آس پاس کہیں رہتا تھا۔ دکان اور درجہ دیکھتے ہوئے کچھ ایسا باہر فن نہیں معلوم ہوتا تھا لیکن بخاری اس کے فرزند تھے۔ اس کے پاس کبھی قلعے کے لئے، کبھی سوٹ میں ترمیم یا اصلاح کی غرض سے، اس پابندی اور سخت سے گتے تھے۔ جیسے بعض مصنفین اپنی کتاب کا مسودہ دیکھنے جاتے۔ کاتب کے گھر یا پس کا چکر لگاتے رہتے ہیں اس ہم پر ایک بار میں بھی ساتھ تھا۔ دکان پر پہنچے تو دھلائی پر روزی سے کچھ در معرفت و مصروف غرضی رہے۔ کڑے کی قطع برید، استر، سلاخی، کاج، لٹن کے باسے میں ایسے ایسے لکھے ہند کی کے ذہن نشین کرنے کے مضامیر سے بھی کر میں حیران ہو گیا کہ اچھا قلم آدمی کس جگہ میں جتا ہے۔ شاید اس بات کو کبھی لگے۔ وضاحت ہے۔ کیوں مدینتی صاحب آپ کو سوٹ سے بھی دل چسپی ہے؟ عرض کیا۔ کیوں نہیں، لیکن مردوں کے نہیں، عورتوں کے سوٹ سے :

بخاری جس پڑے لیکن فقرہ کی داود زئی سے دلوائی یہ کہہ کر صاحب کو سلام کر دے صاحب عورتوں کا سوٹ پنہ کرتے ہیں سلام تو اس نے کیا لیکن جیسے دھاس کا یقین نہ ہو کہ اس پنہ کا انہار میں نے سوٹ میں لبوس کسی قانون سے کرنے کی کبھی جرات کی ہوگی۔ عورتوں جہاں تقسیم ملک

بچے کچھ پہلے مرگے میں لا کر لیں اور مسلم لیگ کی خطہ وزارت بنی تو ایک دفعہ دفتر میں ملاقات ہوئی۔ سر سے پاؤں تک کسی مظلوم کے کندھے کے سوٹ میں جوس تھے دیکھ کر ہر دوڑوں بیک وقت مسکرائے لیکن ستم یہ تھا کہ بھاری کام کمانا میرے مسئلے پر بھاری پڑا ہوا تھا۔

ایک بار میں نے خط لکھا کچھ، وہ بچے بھیج دیجئے گا خیر کے لئے وہ ملازمین خط لکھے ہی رہے پہنچ گئے تو قح سے زائد، میں نے شکریہ کے خط میں لکھا بھاری صاحب میری طرح بچپن میں آپ نے بھی جیاتی قسم کی کتاب میں کہیں نہ کہیں ضرور پڑھا ہو گا کہ ایک مسافر کھانا کھا رہا تھا اتفاق سے کوئی گستاخوں سے مٹھا لے بیٹھ گیا مسافر نے ایک ڈبی سے کھلے پھینک دی کچھ دلوں بعد کسی نے مسافر کو غیب میں دیکھ جس نے بتایا کہ رات کے بعد قبر میں مذاب کھینچتے نازل ہوئے اور گڑھ مٹا چکے تھے لکے کو دی ہوئی ڈبی سامنے آجاتی اور فرشتے کچھ ذکر پڑھتے چنانچہ مذاب واپس لیا گیا۔ کچھ تین چار روز بعد تم اپنے اس کاخبر میں بھیجی ہے وہ آپ کے اب تک کے کتابوں کے لئے ایسی ہی ثابت ہوگی۔ بھاری نے لکھا مڑوے کا شکریہ لیکن اس کا بھی کوئی اندیشہ ہے کہ ہم آپ جب آفت میں پھنسیں تو شرح مبارک اور آغا خانہ از در ہے — تفصیل یا یقین سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن آغا خانہ اس طبقے کے افراد جتنے بھاری کے شیخی تھے بھاری ان کے نہ تھے وہ یقیناً ان کو بہت عزیز رکھتے تھے لیکن مقررہ قانون میں ان پر کسی طرح کی ارضی یا سماوی آنت نازل ہو جاتی ہوگی تو کچھ یقین ہے بھاری ان کی مدد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے ہوں گے۔ روپے پیسے سے روز مرہ چھپے سے تحریر و تقریر سے لیکن شاید وہ یہ گمانا نہیں کر سکتے تھے کہ ذمہ انت علیہ اتقار اور شہرت کے میدان میں جہاں وہ کا شریک رہتے ان لا کوئی سامتی یا کوئی اور شرک کارنگب ہو، بھاری بڑے مت شکن تھے جن میں کا تھا سماجی یہی ہے لیکن جہاں وہ فضاؤں میں مرت مسلمانوں کے فدا کے قائل تھے وہاں توں میں مرت اپنے بت کے — اقوام متحدہ کے دفتر میں بھاری شہداء روز اپنے فرائض میں جانفشانی اور قنایت سے انجام دیتے تھے ہاں کے پورے بڑے اہل کار کو جس طرح اپنا قایل اور گرویدہ رکھتے تھے ان کا ایمان باصفاٹھے ملنا ہو جاتا تھا تو جس محبت اور سبب سے پیش آتے تھے اس کا حال ملاقات سے معلوم ہوتا رہتا تھا جو ان کی زیر کی اور ذکاوت کے واقعات اس مزے سے بیان کرتے تھے جیسے کوئی افنا نہ سنا ہے ہوں۔ کچھ عرصے ان کی صحت تیزی سے گئی جاری تھی جس کے سبب سے خاموش اور دل گرفتہ رہنے لگے تھے اس کے باوجود جیسے کبھی کبھی "بادشاہ" کا گڑھ ہو جاتا اور اسرہدہ لکھاں کہنے سے لگتے کسی نہ کسی طرح وقت نکال کر دوستوں کو جمع کر کے سیر کو نکل جاتے ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور ہنس بول کر دت گزارتے جو ان کا ہمیشہ سے محبوب مشغلہ تھا۔ پی ای این کی جے پور کانفرنس کے بعد فاسٹر علی گڑھ آئے تھے فاسٹر باطنی کم سخن میں۔ چہرے سے علم کا تقار اور عادت کی گہری سوچ نمایاں رہتی ہے چائے پر ایک شام اچھا خاصا اجتماع ہو گیا۔ کہنے لگے ہندوستان آتا ہوں تو ایک بات کا اثر ہوتا ہے۔ کتنے مچھے اور زمین لوگ جن کو یونیورسٹیوں میں ہونا چاہئے یا ادب کی خدمت کرنا چاہئے کتنی غلامیوں پر پائے جاتے ہیں۔ بات کچھ آگے بڑھی تو بولے تم لوگ بھاری کو (جو اس زمانے میں ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل تھے) اپنی یونیورسٹی میں کیوں نہیں مقید کر لیتے۔ موقع ملتا تو میں ان کو کیمبرج میں گرفتار کر لیتا پھر دی زبان اور غم گین مسکاہٹ سے یہ بھی کہا کہ وہ ہاں سے دیوار پھانڈ کر نکل جاتے تو میں کیا کر لیتا۔

آج یہ گفتگو یوں یاد آ رہی ہے کہ بھاری نے اپنا آخری پروگرام یہ بنایا تھا کہ اقوام متحدہ کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر امریکہ کی کسی یونیورسٹی سے شلک ہو جائیں گے لیکن اسے کیا کہئے کسی یونیورسٹی کی دیوار میں مقید ہونے اور پھانڈ سے پہلے ہی وہ زمانہ حیات ہی کی دیوار پھانڈ لگئے۔
 "پروفیسر احمد شاہ بھاری (پیرس) ہم سے ہمیشہ کے لئے جلا ہو گئے ان کی باتوں اور تحریروں سے بے شمار لوگوں کے دل روشن ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے اتنی بڑی خدمت لی تو یقیناً ان کو اپنی بے کراں لوازشوں سے سرفراز بھی فرمایا ہو گا۔"

.... کہ گوہر مقصود گفتگوست

فیض احمد فیض

دوستی تو دبی اور مسعدی کا نام ہے بارود، محنت تو دیر میں کھنے کی بات ہے، دیکھو تو سر درد میں تم میں سے ہر باگی کو ٹیلیفون کرتا ہوں، ہر ایک کے گھر پہنچتا ہوں، اپنے گھر داتا ہوں، کھلتا ہوں، ہلاتا ہوں، اسیر کرتا ہوں، ہنسنا آتا ہوں، شہنا آتا ہوں، پھر رات گئے بارود باری سے سب کو گھر پہنچاتا ہوں، سب بیویوں کی بد و مائیں میرے حساب میں ملتی جاتی ہیں، آدمی تو وہ پڑوں میں اڑ جاتی ہے یعنی اول نقصان مایہ، مایہ نہیں مانع یعنی بیڑوں و دم شمشادیں ہمسائی، اسے یار یہ شمشادیں کیا لفظ ہے، ٹس۔ ما۔ نت کچھ پنجابی گالی معلوم ہوتا ہے نہیں؟..... تنقیر۔

کچھ تو خدا کا خوف کرو دوستو، کسی کچھ بھنت کو تو نہیں نہیں کہ کبھی خود ہی اٹھ کر جو حلا آئے، میں کوئی ٹیکسی ڈنڈا ہوں ہوں؟ مشورہ ہوں، یہ رانی ہوں، بھلے تخواہ دیتے ہیں آپ، یا آپ میری معشوقہ فانی ہیں، برس پندرہ یا نہ سولہ کا ہیں ہے آپ کا، یا آپ کے ذہن مبارک سے حکمت و موعظت کے وہ محل و گھر برستے ہیں کہ اس سے پچھواؤ کا دامن کچھ آئے گا، مایہ، اوٹے مایہ، بیڑوں والا مانع نہیں۔ درمرا عثمانی نوٹ کرو، بلکہ تیسرا پنجابی والا، نوٹ فتنہ کے ساتھ، اسٹے کچھ آئی ہے؟ عثمانی نوٹ کرو کی تھیں کسی ستر بزرگ کی جانب ہی جیسے بخاری صاحب نہ جانے کب ملے تھے، روایت یہ تھی کہ بزرگ کے فرزند اکبر عثمانی سفید ریش اور کبر سنی کی منزل میں تھے لیکن بڑے میاں، انھیں وہی طفل کھتب گردانتے اور انھیں اسی ڈھب سے خدب کرتے، چنانچہ اگر محفل میں کسی نے کہا کہ میر صاحب وہ ڈبی کلکڑ آپ کا پوچھ رہے تھے تو میر صاحب کوٹ کر بوسے، یہ کج تلفظ ڈیسیوٹی ہے، عثمانی نوٹ کرو، کچھ آئی ہے، کاتقہ میں نے انھیں سنا تھا اور مجھے خوشنود اور نے، بھائی اسلامہ ڈبی اسکول میں کوئی ماسٹر صاحب تھے جو تھوڑے سیاح پیدا مئی کا کوئی مسئلہ حل کرنے کے بعد قریب قریب ہدیہ اپنے طلباء سے پوچھتے "اے کچھ آئی ہے" اور روٹ کے ہمیشہ جواب میں کہتے "نہیں جی" اس پر ماسٹر صاحب بھنا کو ایک موٹی سی گالی دیتے اور کہتے "نہیں کچھ آئی تو جاؤ غلاں کی غلاں میں" بخاری صاحب من کو لوٹ پوٹ ہو گئے، کہنے لگے "یار اگر اُسے ہی کو کتنا تو بچھتا ہی کیوں تھا، اس کے بعد عثمانی نوٹ کے ساتھ "کچھ آئی ہے" بھی ان کی محفل کے روزمرہ میں شامل ہو گیا

ان کی منہ یاد ادا بھی جلدی تھی۔

دیکھو یاد دلا کر کل میں تم میں سے کسی کو ٹیلیفون کر دیا کہ بھائی جان مجھے ہیفر ہو گیا ہے، بلیک کی گلی لٹل آئی ہے، ڈاکٹر صاحب ہے

کھٹے ہیں، بھری پدم ہے، علمہ آکر منہ دیکھ جاؤ تو سو فیصدی یہی جواب ملے گا کہ موڑ میں آکر لے جاؤ.....؟
”ہمارے پاس موڑ جو نہیں ہے، تاثر صاحب کے آہستہ سے کہا۔

”جی ہاں، آج ہر روز کا کچ تو میری ہی موٹر پر تشریف لے جاتے ہیں، اور دن بھر جہاں جہاں بھی آپ عزت جگہ دارا کرتے ہیں۔ اس خاکہ، یہی کہے ساتھ تو جاتے ہیں، بات یہ ہے کہ تم سب نہایت بڑے دوست ہو، کاملی، سب سے قاعدہ سب سے ملحقہ، اگر مہاس شہ میں نہ ہوں تو قریبوں ایک دوسرے کی صورت بھی نہ دیکھو۔“

اور یہی ہوا بھی، ”ان کے اٹنے ہی دگرگوں رنگ غفل ہو گیا،“ اور ہجاری صاحب لندن اور میکسٹر وائز ہوئے اور صریح بھلا اُٹ گئی، ان کی غفلت شیر کا شیرازہ، ایسا کھڑا کہ یہ کہیں کجا نہ ہوں، ”سکھڑے میں وہ غنجرے سے کھٹے لاہور، روٹے تو ریاں کی صحت احوال سے بہت رنجیدہ ہوئے، کھٹے کھٹے“ بارہم لوگوں نے سب جواب دیا ہے، اب ہم بات ہیں، اور اس کے بعد ایسے کھٹے کہ اپنی مٹی بھی پردیس ہی کو سوچ دی؟

جی صاحب کی شخصیت کا ہلکا سا نقش بھی قلم کی گرفت میں کب آتا ہے، یہ کام تو انھیں کے کہنے کا تھا، ہاں، اسی یاد کرنے میں ابوں تریبون دی، استعدادی قاعدہ اور ملحقہ طرح سے یاد آتے ہیں، خوش دھنی کے لئے احباب کی غفل کا اہتمام تو شاید ایسی ہی بات نہیں۔ اگرچہ ہمیں سے بیشتر اتنا بھی نہیں کرتے، اور ہجاری صاحب ایسی ہی تھیں، تو کوئی بھی نہیں کرتا لیکن وہ تو جو کچھ کہتے تھے، ایسے ہی دُوب کر کرتے تھے، دفتر بھوپا گھر، تحریر بھوپا گھر، دقیق ملو بحث ہر یا پڑا بازی،
معنی نے غافل شرم کی۔

بھوانی دوشیت چتر بلا نشستہ

سچو تیدہ گروسیلی بھر جا بجا نشستہ

تو اسی مطلب پر سحر ہو گئی، تو اسی اس شعر پر پہنچے،

”صد چاک شدہ سیدز و صد پارہ شدہ دل

دی بے خبرانی مسامہ دریدنی گلزارند

ترکھٹوں وارنگی کا عالم دہ، کوئی شعر، کوئی مصرع، کوئی ترکیب، کسی عراب کا غم، کسی کتبے کا خط، کسی نواپنے والے کی آواز، کوئی محاورہ، کوئی کالی جہاں بھی دل کو صبر و استہزاء کا ذرا سا اشارہ ملا۔ اپنی واردات میں سبھی کو شرمک کر لیا۔

دہلی کی جلتی ہوئی دروہر میں کبھی جھپک کر کھٹا آگئی تو جگمگ عظیم، ہنگامہ موسیقی، آل انڈیا ریڈیو، دوست شہر کو انگلیشا اور ایسے سبھی و خاتریک فنت بے معنی ہو گئے۔ دوستوں کے اندرون کو ٹیلیفون ہو گئے کہ ڈاکٹر طہیزل آل انڈیا ریڈیو غلام غلام صاحب سے بہت اہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں، ہم لوگ جھاگم جھاگم پہنچے، ہجاری صاحب دفتر میں دوبارہ لٹکے بیٹھے ہیں، آغا حمید، سید رشید احمد، غلام عباس، یا ایک آدمی اور، تاثر پہنچے، حمید ملک آئے، میں گیا، ہجاری صاحب کی خصوصی طنز پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”تیسے تیسے آپ کا نفرنس کرنے آئے ہیں، تو کوئی اور سب پر اسکول سے بھاگے ہوئے بچوں کی کسی کیفیت عادی ہو گئی، دن میں قریب میں گزرا، ایشام کو جامع مسجد کی دیوار تھے کباب کھٹے، ایک قطعی غیر معزز محلہ میں پانچویں سے، آدھی رات تک انڈیا گیت کے سامنے بیٹھ کر بیت بازی دیکھ کر کٹاٹ نہیں کے جس تمہوہ خاندان کا در کھلا یا یادوں سے ملک ٹیک پایا، احمد جی کٹاٹ نہیں کے میدان میں غلام اور نظیر۔“

کوڑھائی دکان کی مدد نہ دی یہ شخص دوزخ میں مبتلا رہے۔ اپنے گھر پر ایک ختم ہو تو بخاری صاحب نے یہ سب کچھ لکھ کر دیکھا۔ چلتے ہیں دو تون میں۔

”کہاں سے صحتے ہو میرے دے دے کوڑھائی دکان۔“

”ہم میتی کرنے جا رہے ہیں منہ جاج“ GOING TO PRINT THE TOWN HALL اور اس کے ایک ایسے لاہر کے زمینداروں میں گھومتے اور سائیکلو انڈین گاڑیوں کا رقص دکھاتے تھے۔

لیکن اس سب لہروں کے باوجود ناٹک گوشت بخاری صاحب کو بہت ہی کم آواز دہرا رہا۔ وہ سمجھتے تھے اور یہ تاثر چنداں غلامی نہ تھا بلکہ ہر کی بے تکلفی کے باوجود ہمیں سے بھی کسی کا یہ حوصلہ نہ تھا کہ ان کے اذنان میں مدھنٹ کرے یا ان کی ڈانٹیں کے بیڑاں کی کسی مصروفیت میں دسی ہو بعض لوگ تو یہاں تک کہتے تھے کہ بخاری صاحب دس جیسے ہیں تو ساتھ ہی شخصیت بھی بدل بیٹھے ہیں۔ دفتر میں اور گھر میں اور ہفتوں میں یوں نہ تھا بلکہ ان کے ہر ہی نئے نئے وعدے اور سب کے کاغذ تھا۔ ایک بار ایک بہت ہی بالکل نئی کچھ غیر دلچسپ حضرت میرے گھر پر تشریف لائے۔ جو بخاری صاحب کے ہاں جانے کی ٹکڑیوں تھا۔ کہنے لگے ”ہمیں ان سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے مجھے بھی ملے چلو“ میں نے کہا چلیے بخاری صاحب کی چٹائی پر لیٹر دیکھتے ہی کبھی سی شکل نمودار ہوئی، یہ صاحب پہلے تو تم سمجھتے تھے، پھر ایک آدمی ہوئی سی بات کی، بخاری صاحب لٹھ کوٹے ہونے لگے گھصا۔ اس وقت بد قسمتی سے میں مصروف ہوں مصافحہ چاہتا ہوں۔ رشتہ دار اور کبھی ملاقات ہوگی جو چھینے لگے تو چپکے سے پوچھا ”اس کے بعد کیا پروگرام ہے؟“ میں نے کہا دفتر چاؤنگا، میں اپنے ساتھی سے شخصیت ہو کر دفتر پہنچا تو دفتر ڈی ویر میں بخاری صاحب بھی آگئے، پوچھا یہ کون تھے جس نے بتایا کہ نڈل نڈل بہت بھلے آدمی ہیں، کہنے لگے، تکلف میں تعجب اذنان تک تو خیر جا رہے ہیں لیکن تکلف میں برد ہونا کسی صورت بھی جائز نہیں، وہ اتنا شیر گل نہیں یا ہے! لیا غضب کی صورت تھی، ایک دفعہ اس کے احوال میں نہیں ٹکڑی میں ایک بہت بڑی دعوت تھی، بڑا بڑا خلیق ہمارا اور رشتے ہمارے بیٹھا تھا، امرا کے بیٹھیں آس پاس کے لوگوں سے کچھ دیر گفتگو کی اور کھانا شروع بھی نہ ہوا تھا کہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ میں برد ہو گئی، میں جاتی ہوں؟ میزبان اور مہمان دیکھتے ہی رہ گئے اور دو کھٹ کھٹ یہ جا رہا! اخلاق جو اتنا سے کہتے ہیں، مجھے آج تک اس دانتے سے رشک آتا ہے؟

یہ تو ایک ناعدہ تھا، دوسرا ناعدہ یہ تھا کہ کام کے وقت ڈٹ کر ناعدہ سے کام کرنا کہ کام کے بعد ڈٹ کر بے قاعدگی کر سکو؟ اور ناعدہ کی صورت یہ تھی کہ آل انڈیا ریڈیو کی پیادیں عمارت اور ہندوستان بھر میں بھرا ہوا چوڑیوں کا سا حملہ لیکن اور دفتری کام کے علاوہ اس عمارت کی ہر کھڑکی کے ہر شیشے، ہر دروازے کے ہر جھنڈے، ہر کمرے کے ہر کونے کی مصافحہ اس حملے کے ہر فرد کی ہر سرکاری و غیر سرکاری حرکت پر ان کی نظر رہتی تھی۔ اور یہ تو خیر ممکن ہی نہ تھا کہ مستقل سبکدوش آدائی، کوچر گردی اور تنگدستی کے باوجود ان کی گاڑی ہر صبح نو بجنے سے پانچ منٹ قبل دفتر کی عمارت میں داخل نہ ہو۔ لیکن اس ساری تعداد سے باڑی میں ساتھ ہی ساتھ ان کی خوش طبعی اور انچ بھی کسماقی۔ یہ تھی ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ گھر میں آتشزدگی کے سلسلے بہت سی ٹائپیں بیٹھیں اور نالوں میں سے کاغذات نکالی کر گیس جھونکے جا رہے ہیں۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔“

”دیکھو، اس کی انگریزی زبان میں کہتے ہیں QUICK DISPOSAL بات یہ ہے کہ ان سب نالوں میں بعض خرافات بھری ہے اور اس خرافات سے چھٹکارا پانے کی واحد صورت یہی ہے کہ اس کا نام و نشان و صفحہ و دفتر سرکار عالی مدار سے محو کر دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس نوع کی خرافات وہ خود ہی ایجاد بھی کرتے رہتے تھے۔ ہماری طالب علمی کے زمانے میں وہ گورنمنٹ کالج میں انگریزی کے استاد بھی تھے اور

کابل میں ہے۔ سینیٹر (SENIOR) افسروں سے خطاب کا یہ انداز قطعی غیر مندرج ہے۔

آپ کا نیاز مند :- اے ایس بخاری

پیر بخاری صاحب نے ناہیں اور کاغذات کیسے اور بولے ”اچھا اب تم فوراً نوچکر ہر جاؤ، مجھے بہت کام ہے۔“
لیکن یہ سب کچھ تو صرف بخاری صاحب کی باتیں ہیں بخاری تو نہیں ہیں، وہ عالم ہیں حقہ ادیب بھی، استاد بھی، مجلس بھی، انداز بھی، خوش تحریر بھی، محنت گیر منظم بھی بے فکر بانکے بھی اور آخر میں ہر بار ادب صاحب بہت بھی، لیکن یہ سب صفات گنوارہ پنے سے بھی کیا ہوتا ہے، ان کی زندگی کا بنیادی پسو تو یہ ہے کہ اس کا کوئی بھی لمحہ بے مقصد اور بے محنت نہیں گزرا اور ان میں سے بیشتر لمحات محرومات کے ہر منظر سے خوبی اور حسن اور انصاف کے اخذ و استفادہ میں گزرے اور وہ قلب و نظر کی اس دولت کو عمر بھر محفلوں، دانشکدوں، یونیورسٹیوں اور گورنمنٹوں میں یوں بکھیرتے تھے کہ اپنے نام کی یادگار کے لئے اس کا عشرِ عزیز بھی نہ بچا۔ اچھے اس دور کی کوئی ایسی شخصیت معلوم نہیں جس نے اتنے بہت سے لوگوں کے لئے اس قدر لطف و مشرت و دریافت اور تخلیق کی ہو۔ وہ سب لوگ جن کے لئے دوسرے اہل کمال کفار و کسب پر کی کسی بھی نعمتیں ہدیہ کریں۔ یہی فریاد کریں گے کہ

”عشوقہ زلال لب شیرین مشک باز میار“

ہم سے ہمارے
عزت چٹائی

شعخہ بنتہ سہ و ہریرت سے یہ چڑھ گئی۔

[illegible]

مکئی نقلیہ، جنھوں میں بدلتی جاتی رہی، یہ معلوم کرنے کا ایک اور نسخہ بھی ہے۔ تو کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جن سے وہ اپنے حوالے سے کہے۔

یہ زمانہ بھی بہت بات پرستی کی تھی۔ کئی مہل پر انہی چھوٹ علی مرتضیٰ سے تھے۔ اپنے کے غلام زادی دو مہل پرستی کے جا

انہیں قہراً کاٹنا تو ٹیڑھا اور جو کچھ کسی سہلے پر چھل گیا وہ بھی یوں سنس سی سی تو جس پر تو کسی کو نہ ہر روز پڑا۔ اور بیٹ سے جیسے تو بڑھانے

کے اندھی تیز ہو جاتا، شمع آبیہ بن کر سوار ہو جاتی، شمس نہیں کرش جڑتا ہے۔ تمہیں مجھے، خیر، تیرے سدا کے لئے

کسی صورتِ انفرادی جرتے دیکھو! ان اپنی پہلی سلیکٹا ہے۔ ایل پڑھیں۔ اور ساری شوق کے دستے نکال دیئے۔ دھمکیاں دیں۔ تب

نہ نہیں ہوتے پٹ پڑے تو تکڑے مرنے والے مخصوص مہینے میں جاڑتے اور نہ بہت بھگتے۔

عظیم کھانا لگا کر ان میں سے مسلمان پڑوسی پر کر پڑے۔ جد جب وہ یہی قسم کی جان فیروہ پشی کے کھنور میں کھینے لگے سہی

فہمی کئی کھون کھون سے۔ ہادی پر بار بار غم گین پاکا کسے سیر فرمائی ہوئے کئی دو سو پھر پر جیسے اور صاف چھین کرے نہیں۔ ٹریہ کو دیکھنے لون سی بار کسے

نہ ہوتا۔ اس جگہ کے بار بار گئے تھے جانتے نئے قلعے تھے، اس لئے جانتے تھے اور کتاہیں بچانے کی تقریباً سب جرمیں کیوں نہ آ

ہنس آتی ہے اب رہی معاینہ ریسٹی حوالہ قرائتی ہنسی نہیں آتی۔

اس وقت تک، غمزدگی نے مزاح نگاری شروع نہیں کی تھی، شاید سمجھنے ان کے مضامین نہیں پڑھے تھے۔ علامہ موسیٰ کے مضامین پر

اتنی سبکی نہیں آتی تھی جیسی کہی آ کر آتی تھی۔ کھلے کھلے سے گئے گئے تھے۔ نہ خانے کھوں میں طس خانے تھے اور ایک خانہ حمیرہ نزار خان سے ابن برقاش کو

لکھنے والے نے کہ جس شخص میں وہ سب سے زیادہ اہمیت تھی، اس شخص کے نام پر وہ سب سے زیادہ اہمیت دے گا۔

۱۔ عارض کو کونٹوں کے ماس غم کی ادنیٰ شاخوں پر شمشادہ جنون نے باندھ رکھی تھی۔

یہاں تک کہ انہیں اپنی قوم پرست فکریات سے پرہیز کرنا پڑا۔

پہرہ: یہ = ہاتھ پاؤں اور سر پر پہننے والی چیزیں۔

میں نے اس کے لئے اس کی بڑی بڑی کتب خانوں میں سے ایک کتب خانہ بنوایا ہے۔

پیر ۱۰ دسمبر ۱۹۰۸ء

میر نے شاید کئی ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے جایا کو شاہ کو بھی بتائیں میں نے بہانہ دیا کہ اس کی تعلیمی فرصت نہیں۔ یہ میر کی نیم گلی نیچے پڑے ہوئے بھٹے والی ذہنیت! یہ اور کم محنت کا ہے لاکھ۔ تجربے کے مل کر بنا دیں گے۔

مجھے ضرورت سے زیادہ ذہنی اور عبادت گزاروں سے جیت کر غلبہ ہے۔ ان کی سمیت مجھے یہ جانب لکھنیتی بھی ہے اور دوسری ممکن ہے۔ وہ پھر پیرس کا کچھ پوچھے ہی رکھ بیٹھا جاتا تھا خواہ مخواہ ان سے مل کر کہ اس کی کڑی دوا ہو جائے۔ رتی کو نت ہوئی، نہیں جاتی ہوئی تو نہ جاتی پھر کتنا پختہ پار ہے۔ جاتی ہوں تو اللہ! نہ جلتے نہیں چڑھ کر کہیں گے۔ ضرورتیں بہتر آؤں گی۔ تھی جو خیریل جاں میں نہیں جانتی تھی کہ شاہ کے سامنے میرا بولی کھل جائے۔ وہ لڑنا مٹو سے کہیں گے کہ پیرس نے عمر کو وہ پختہ دیں کہ کھلی بندہ گئی۔

ات پھر میں نے ان تمام جہلوں کے جواب سچے توہ کہیں گے اور میں سنہ نو ۱۹۰۷ء میں ان کی بدستوری سے میری ساری محنت مایوس ہو گئی۔ پیرس نے وہ سوال ہی نہ کئے۔ امت میری محنت! میں نے اپنے پرانے کچھ بار نہ مانی۔ میرے استاد میری منہ زہری سے چمکے رہتے تھے۔ میری کئی کتابیں گلاس میں اس کے پڑھ لائیں یہ میرا خاندانی دور ہے اور مجھے اس پر پڑنا تھا۔ گلاس دن اس کی کڑی بلے طرح محنت بن کر لگا رہتے تھے۔ میرے پیرس کی زندگی میں کبھی کسی سے ان احساسات کا ذکر نہ کیا۔ کوئی مجھے پتہ نہ تھا کہ یہ کتنی زکرتی کسی نے کہیں میں مجھے جہلوں کے ڈرنے کی کوشش کی۔ قومیں نے اس جوتے کی پٹائی کی بولی اتاری تھی اور بجائے ڈرنے کے ڈرنے والے کی تہنیں بن گئی تھیں۔ مگر پیرس کے ہونے سے مجھے جواؤ کرش کر دیا۔ میں نے اپنے لباس کے بارے میں کبھی غور نہیں کیا۔ گلاس دن میں نے بڑے سوچ بچار سے جیسا کہ میری ساری محنت میں کا ذہن پر کوئی دھندلا نقش بھی نہ رہ جائے تاکہ کوئی حوالہ نہ دیا جاسکے۔ ہر شے سہم ہو جائے۔ پیرس کے سامنے دل نہ لگے گی نہیں۔ عرف غائب ہو جانے والی فون پینے ہی میں عافیت ہے۔

جب ریڈیو اسٹیشن چلنے لگی تو دل سے دعا بنی کہ اس پیرس بیار پڑ گئے ہوں یا میرے ہی پیٹ میں درد نہ آئے۔ ہسپتال سے فون کروا دوں کہ آخری وقت ہے۔ نعت ہے عصمت کی کچی تھوڑی تو وہ ہر دو ہسپتال میں۔ تو کہ آؤں گے۔ شاید اب تو ملے میا میں رہتی نہیں کاہل دہنے تو وہ آہی پہنچیں گے۔ پھر میرے چچا کی خون نے لاکھا میا سے سکھو ادا لے کھڑے ہوں کا پتہ چھوڑ کر اس پر میرے کھانا منہ دل فرمایا تھا۔ اور میں ایک جگر پیرس کی رشتہ میں قدامتوں جا رہی ہوں۔ ایسا بھی کیا ہے۔ ٹانگ کھینچیں گے تو اپنی انہی زبان پر اترنا مزاج کھانے جائیں گے شاہ صاحب سے بیچے ہسم لکھ لکھ ہوئی۔ ریڈیو اسٹیشن کے دفتر میں پہنچی۔ کاغذوں پر سہ جھونے بیٹھے تھے۔

”آداب عرض!“

”گڈ مرننگ“ جواب ملا

”ات بد“ میں نے سوچا اب فلاں کی انگلیش کا رعب ڈالیں گے۔ وہ کاغذوں پر جھکے تھے۔ میں نے فور سے منہ شروع کر دیا۔ صورت

تو کچھ زیادہ تپ نہیں۔ میں نے سوچا۔ یہ میری ساری ساری سلیقہ شکل ہے مگر تصویر سے نہیں مٹی۔ تعجبی غفلت! کتنے دن قیام رہے گا۔ میں نے انہیں کاغذوں میں لوٹ پوٹ دیکھ کر پوچھا۔ سوچا میں پہلے بولنا شروع کروں تو پہلا دھیرا رہے گا۔

گڈن ٹوڈے لاکھ ہمارا نہایت کچھ بھلا۔ ضرور اس جملہ کی دیکھاں اڑیں گی۔

”جی۔“ وہ کاغذوں میں سے ابھرے۔ ”میرا تباہ لکھی کا ہو گیا ہے۔“

یہ لکھنا تھا کسی ٹینگ کے سلسلے میں کہ جس بہت جلد جیسے دانے میں یہ اگرچہ سے جھڑکوں بلکہ کوئی اس میں بھی چال ہوگی وہی
 سے قبل کوئی اور سال میں آتا، فرما دے گئے
 پہلے:

غیر ہرے، میں نے نورا ٹانگ پر چلے ہوئے پڑھا۔ یہ مدت کیوں بار بار نکلتا ہے، ہر ماہیہ نوایشن تھا کہ ایک گھرے میں مجھے جھڑ
 کو کہا۔ سنے نیز ایک، دوپٹے کا غدر دیکھ کر اس نے ایک غدر کی صورت کا گورا چٹا پٹن بیٹھا ہوا تھا۔ ٹوٹے جیسی لمبی ناک، بھاری بھاری ٹانگیں
 آئیے آئیے..... صاف ٹیٹھے گا میری ٹینگ زرا میں چلی گئی۔
 اور..... میں نے ماونے سلونے پتے کے جانے کے بعد کہا۔ میں بھی کئی آپ وہ ہیں۔

کیا..... میں وہ ہوں..... آپ میری ٹینگ کر رہی ہیں؟ وہ بالائے..... وہ کشمکش میں اور میں قطعی وہ نہیں ہوں۔ ایک مجھے
 سے سارا انصافی، باؤبک سے اٹھیا، ایک ٹینگ کرے میں ایک دم مجھے نیند کی آنے لگی۔ یا خدا ناحق میں نے اس شخص کی اپنی جان پر اتنی ہیبت سوار کر لی
 ایسا معلوم تھا میں انہیں برسوں سے جانتی ہوں یہ غدر پر قطعی ناخوش تھی۔ پھر جو باتوں کا پلاٹا ہے تو میرا سارا پیرسل بے کار ہو گیا۔ سانسے تلتے ہوئے
 مجھے ان مجھ ہو گئے، تاج محل میں جیسے جیسے دیکھتا رہتا رہتا پھر اس کی غایت میں جی کہ ان سے ملنے ہی برسوں کی دعا تھا
 کا احساس ہونے لگا تھا۔ یہ سرمہ اس کے حیرت میں ہوئی اور سر پر بھی کہ انہوں نے اس زمانے کے بٹنے اور ان کا ایک ایک لفظ بڑی، لی جیسی سے پڑھا تھا۔ اور
 یاد رکھا تھا۔ انہیں جیسے جیسے ادرتے، شرف میں نے بہت دُور کر دیا دیکھتے سلسلے کے شرف پر اس کی زبان سے اس طرح سنی۔
 میرے گھر میں چلنے پر کوئی اعتراض؟ بڑی بے تعلقی سے پوچھا۔

دیکھو؟

ٹینگ، آئیے۔

یہ اطلاع مجھے بدیشی کی کہ پورس نہایت لوفرا انسان ہیں۔ اس وقت مجھے بھی اندازہ نہیں تھا کہ میری ڈھیل کہاںوں کی رہے وہ لگ بھگ بھی
 بڑی نٹ کوٹ سمجھتے ہیں

میں نہایت بے تعلقی سے کہہ کر کسی پردہ ازیمو نہایتی رہی۔ وہ چنگ پر پیچھے ٹھنڈی ٹھنڈی بڑی جھکیاں لیے رہے اور دو ٹھنڈیاں اپنی
 ہڈی دھار سے چلتی رہیں۔ باتوں کے طوفان میں بار بار یہ محسوس کر کے سوت کوٹ جوتی رہی کہ پورس کا مطالعہ اور مشاہدہ اتنا وسیع ہے کہ برسوں کو لے کر کوئی
 پرکھ کر محبت نہ ہو سکے گی اس لئے کیوں نہ قبولیت پر آمناؤں اور اپنی خاندانی کج بحثی کام میں لائیں کہ جسے بڑے سورہوں پر آزمایا ہوا نسخہ ہے جہالت
 اور حکم ماننے کے لئے بہترین ڈھال۔

مگر بہت جلد معلوم ہو گیا کہ غنیم نہایت چوکس ہے مجھ سے کئی سال پرانا اور اکھاڑے کا کج بحث ہے تیر کی لک بڑی چابک دستی سودا میں
 لٹا دیتا ہے اس میدان میں بھی کئی بات سے بہتر ہے جسے بنگ مان کر ہتھیار ڈال دے اور شاگردین کو سکین صورت سے سوالات کر لیں اور یہ پھر بھڑ
 کہ حق ٹینگ کرے۔ موقع پاؤں تو لنگ ماروں۔ مگر توہ کیجئے پورس مجھے میں آئے والے آسامی نہ تھے۔ میرے ہر روز میں اور وقتی سال میں نہایت
 بھڑکے پن سے۔ ہٹائیے بھی یہ بنگ باتیں۔ کہہ کر میں خوب جی جھلایا۔

میں نے بھی چرچا کر ان کی ہر بات کو الٹ کر بحث شروع کر دی انہوں نے میرے ہر پیرے یہ شاہ کواد ادیب کو چال اور ان کو کہیا، میں

نے بھی کس کو حقیقت بتادیا۔ انہیں اس تہدیا میں پر دے تھامے۔ جس نے پھر چکر لگا کر ان کا ساتھ دیا تو جی یہ چاہا کہ اس کے لئے دیکھا جا
لیپ اسٹیشن کے سر پر گر پڑے اور اس نے ہستی رہی۔

اسے لکھ دیا گیا۔ گڑی دیکھ کر وہ جلدی جلدی اپنا گلاس ختم کرنے لگے پھر جی ای کھادی آنکھوں سے میری طرف ایسے دیکھا جیسے میں
باصول کوڑھ سزموں اور پھر لے اختیار ہونے لگے۔ بالکل ایسے بدذات کھادی چوکی طرح۔ ایک دفعہ اس نے چڑا لے کر میں نے اس پر ایسا پتھر مارا کہ چوکی
نکل آئی تھی۔

جلدی پتا چلا ہے وہ دکھانا نہیں ہے۔ مطلق صاف ہو گیا۔ ہم نہایت لطیفان سے ڈائیک ہال میں جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے فریخ
کافروں کے نام بچے بڑے گئے تھے ہیں۔ میں نے پھر جلائی کی کوشش کی۔ سب کھانے سار دین کی طرح بدو دار اور اس سے معلوم ہوتے ہیں۔
اس کے بعد چھپوں، گھوڑوں اور سپروں پر بحث ہونے لگی اب انہوں نے ایک دوسرے پر بات بات پر اتفاق کرنے لگے جس پر کوفت روٹی ہو گئی اور
میں اس تجربہ پر سوچنے لگا کہ اس پر اس قدر جاملے ہی ثابت ہے۔ میں نے چاروں کی تحریروں کے بارے میں بات کر دی مگر اس حوالے سے میں سب سے متعلق
تھے کئی دہائیوں کے کہ وہ بیکار گئے اور یہ کچھ بھی تھا اس وقت میں ان کی کہانیوں کی تعریف کر کے ان کے چہرے پر کئے والی چھپوں پر مسکرا کر جی بھڑکا
کر ناپا رہی تھی۔ مگر وہ فوراً ادب کی محفل سے چھٹانک مار کر کھلنے پر آ گئے۔ کہانی بد مزہ کھانا تھا۔ سنو کچا تھا جیسے چڑا چار ہے مگر اس لئے سے میرے
کو جا کر ڈری کھا جاتا ہے ہلے۔

دوست یہ بجز آرمینگ اور رہے کوئی مرا تھا جو فوراً نہیں پتا تھا۔ ان۔ پیر لے چاہا کھانا ہو کر نہ دیا۔ اور جب وہ پیش کھانے کر
چلا گیا تو ایک دم سے ہلے۔

”ہم نے کشتن کو پلاس کیوں کیا اگر گھسے کو پلاس کو کیا ہوتا ہے طبی شاییت نہ ہوتی۔“ بچے سنا آدھ لکھ کر لے کر پیرس سے پہلے جلدی سے
ہلے۔ شاید گھسے کو شاییت ہوتی۔ میں نے اتنی زور سے ٹھٹھا مارا کہ ہال میں مذہب لگ بھگ کھڑے کرتے ایک دم چونک کر دیکھنے لگے۔ پلاس نے
تاویز نظروں سے لے کر دیکھا جیسے کہ سب سے مہل

”درمیانہ درجہ کی“ چار دیواریوں میں بی بی ہوئی لڑکی تاج محل ہوئی کے آداب سے کیسے واقف ہو سکتی ہے۔ ان کا خیال ٹھیک تھا۔ اس
سے پہلے میں نے صرف ایک دفعہ تاج میں چائے پی تھی۔ اس وقت تک یہ پہلا اتنا شان مند ہوٹل جیسے مرن دیکھنے کے لئے تھی۔ تعفلات، سکاوٹ
اور صفائی کو ہمارے گھر میں نہایت تحقیر کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ ہمارے گھر میں کھانے کی میز تو تھی اور جب نہایت غیر ذل چپ قسم کے مہانے تھے
تب اس پر سے سلائی کی شیشیں، اچار کی بریاں اور بیک کاکڈوٹا اتار کر تخت کے نیچے دوسرے کاکڈوٹا کے ساتھ چھپا دیا جاتا تھا۔ خاص مہانوں کی
چاہ پکا مینی کی بیٹلی سجادہ جاتی تھیں۔ آپا بڑے چاؤ میں آکر نیکن کے پھول بنا کر گھاس میں سنوا دیتیں۔ ہم لوگ اسے محتقانہ بناوٹ اور بے لارگی
ذمت کھ کر نہایت تحقیر سے ہنستے اور انہیں چوائے کو گھاس میں سے نیکن نکلنے بغیر پانی بھر لیتے۔ آپا مہانوں کے سامنے ہمارے جنگلی پن کی دوہرے
شرمندہ موتی تو بڑا لطیف آئے۔ ہم لوگ تو بے نیاز مینی کی رباہوں میں کھانے کر بان کی چار پائی پر سینی رکھ کر بیٹھ جاتے۔ ذرا پنگ کی آواز میں دھیلی ہوئی
تو بڑھوہ آواز لڑتی مرن آدی بیٹھا جاتا تو سارا شور بے گردیں برس آئے۔ بان کی دھیلی چار پائی پر بیٹھ کر پکے شور بے لاسان کھانا بھی ایک فن ہے۔ جس میں ہمارا
گھرانا ہر تھا۔

جمع محل ہوٹل میں لانے پھر سے کھانا کھاتے وقت میرے کفہے اگلے پر چڑھ چکے تھے۔ اور حقیقت کو سمجھنا کھلیں تھی اور

بچہ خدا احساس برتری جیسے ناکم از کم اس سین میں تو بچہ ذقیت حاصل تھی۔ پیرس کو مدد دے اسی طرح طہران سا کا کا پڑا تھا۔ انہوں نے شاید یہ بھی
کاٹ پر پڑ کر آؤ گشت نہیں کیا یا ہوگا۔ خاص کر جب کہ اس میں بڑی کے بارے سے چار گنیو پوڈا گیا ہو۔ اس کے صبر پر سسے پیشوں میں نہ چلے گیا
کر رکھ دیا۔ باتوں میں خیال ہی نہ رہا۔ بسندہ ہواں دھار طریقہ پر کشتی چندر، بدی اور مٹور بحث ہونے لگی۔ ان لڑکیاں تھیں جھکٹ میں ان کی تھوڑی
کٹی ہوں تاکہ لگے براہ راول بھیجیں اور میں کشتی میں خدا کی بھی جھڑپ تھیں کہوں گی۔ ان کی کہانیاں میں نے تنقید لکھیا ایک کہانی نگر کی حیثیت
سے نہیں ایک انسان کی حیثیت سے دل بہلانے کو پڑی ہیں کچھ بڑی بھی تھیں اور کچھ نشتر بن کر دل میں قرازداد ہو گئی ہیں۔
”یہ جذبات ہے“ انہوں نے دکھائی ہے کہا۔

”منہایت کیا ہوتی ہے؟“ میں نے پوچھا تو پیرس نے کہا وہ کبھی سن رہی ہوں حالانکہ یہ سو سال پہلے کی بات ہے اور واقعی میری
کچھ بہت سی باتیں نہیں ہوتی تھیں۔ میں نے بہت سی باتوں کے نامعلوم جواب دے گئے۔ ان کی علمی بزرگی کی مثال ہونے کے لیے بھی تسلیم نہیں کیا تھا
میں نے ان سے یہ بھی نہیں کہا کہ کب سے اور کتنی ان کی فخری تحریروں کی مداح ہوں۔ میں نے بہت کم ان کی تعریف میں کہا کہ منہایت بے غی
سے سنی ان سنی کہنے۔ ان کی اپنی تخلیقات ان کے لئے اتنی اہم نہیں تھیں۔ کم سے کم بچے اسی اندازہ ہوا کہ وہ خود پرست نہیں۔
دو گئے پیرس سے کھینچے گئے

”آپ ڈراما کیوں لکھتی ہیں؟“ انہیں اچانک برگزے میں بڑا دھڑکا تھا۔
”جو نہیں“ میں نے لنگڑا سا جواب دیا۔

”میری ماں میں تو آپ ڈرامے لکھنا چھوڑ بیجئے۔ بڑے اسٹ پلاٹ ہوتے ہیں کوئی ایکٹ چھوڑا کوئی لمبا۔ سلیقہ سے کزیزت کرنے
کے بجائے آپ انہیں فالتوں سے کھینچتی ہیں۔“ ان کی بوجھل معافی آنکھوں میں ایذا رسانی کی لذت لاشا پھوٹا۔
”جی چاہو مینر کا سا لکھو اگر کثرت ان کے اوپر لوٹ دوں اور یہ پیش کے مزے کی پٹنگ ان کے شاندا سوٹ پر سڑ جائے۔ مگر میں نے طبعی
سے بھڑکنے ہوئے۔ مہارانی کا میں کبھی نہیں اور ایک گلاس ٹھنڈا پانی اتار کر منہایت زری سے کہا۔ ”اچھا..... اب نہیں لکھوں گی؟“ انہیں باعیدی
سی ہوئی کہ میں نے بحث کیوں کاٹ دی۔

”مکالموں میں آپ کے لائی جان ہوتی ہے نہ ادھر“ میں نے سوچا۔ یہ میرے مکالمے تھوڑی ہوتے ہیں مگر میں سب ایسے ہی ہوتے ہیں
میں مدد سہی زبان کہاں سے لاؤں۔

”برنارڈ شا سے متاثر ہیں؟“

”جی ہاں میں نے ایک ٹیما میں بھگوش کے یہاں سے پورا اپنا پراسین اٹا لیا ہے کہ کچھ عین بہت پسند آیا تھا۔ اس کا حال اب بھی
دیا۔ کچھ اپنی آنے والی ذمہ داریوں کا اس وقت تک اندازہ نہیں تھا یہ خبر نہ تھی کہ ایک دن جواب دہی ”کرنا ہوگی۔ اصل میں میں نے وہیں ایک فلمی
کہانی لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔“

میں نے سوچا اس سے پہلے میری ٹانگ کھینچیں خودی کیوں نہ سرحد لیں۔ ”کپ کی کہ جرم جرم مدد ملی۔ جی ہاں اس سے متاثر ہوئے
ہوں گے۔“ میں نے کہہ کر تو یائین اب سوچتی ہوں کہ موت ایک بات مشترک تھی۔ یعنی دونوں مزاح نگار تھے۔ شاید چلہ کر کہہ دیا مگر وہ منہایت پوشیدہ
سے نال گئے اور اٹھاسے سے برسرہ کر لایا۔ بڑی پریشان صحت بنا کہ پادوں طرٹ ونگا۔

”صاف نیچے۔“ بڑے ادب سے مجھ سے سخت چاہی کہ سرکشی میں برسے کچھ لگا۔ وہ بے زور سے سر ہلنے لگا۔

”صاحب! آپ ایسا ہی کہہ۔ کوئی بات نہیں۔“ برسے نے بہت اچانک۔

”نہیں اگر کوئی اعتراض ہو تو۔۔۔۔۔“ پھر سہم کر چاروں طرف دیکھی

”آپ بروسا صاحب“

”نیچر تو کچھ۔۔۔۔۔“

”نہیں صاحب نیچر تو کون بولے گا۔۔۔۔۔“ سر کو ہلوا۔۔۔۔۔

پطرس نے بڑی شکرگزار نظروں سے مدد کی کچھ پھر بائبل اس کے پاس ہونٹ لے جا کر بے

”انی“

”کافی؟“ پیرا چکرایا۔

”ہاں! اور ٹیکس بیلٹ کمی۔“ براہم سال باکشی لے۔ اور کبھی انہیں دیکھے لگا۔

”کسی کو کانٹا ان پر نہ چلے۔۔۔۔۔“ شاہکیش۔

”نہیں صاحب ایسا ہی کہہ۔“ کچھ پٹکا سا پیرا کافی لینے پٹایا۔ جاتے بہتے اس نے حیرت زدہ ہو کر پٹ کر دیکھا جیسے کھتا ہو۔ دماغ

قسطا رہے حضور کا۔ پطرس نے نہایت معنی فیزا غازی آٹکے ماری بے چارہ ٹٹیکارہنے لگا۔

اور کچھ معلوم ہوا پطرس دماغ نگاہی نہیں ان کی زندگی میں شرارت اور جیلا میں ہے۔ ان کی زبان میں جینے میں اور بتاؤ میں دکھا پھلا پن

ان کے طنز میں تھپا پن ہے۔ انہوں نے زندگی کا تنگ و تاریک رخ نہیں دیکھا۔ وہ اکھبر کا شکار نہیں تھے۔ آزاد زندگی کے قابل تھے۔ یہی وجہ تھی

کہ وہ نئے نئے نالوں کی تھی اور جیلا اسٹے سے کٹے ہوئے جاتے تھے۔

جسم فزوشی اور حرامی یوں کے سوال کو وہ کچھ زیادہ مذہب نہیں سمجھتے تھے۔ ان دنوں میں کسی سے بھی جی تھی۔ کان۔ لا ذکر پڑھا تا کا

میری چڑھ سی ہو گئی۔ پطرس نے غاف ہی نہیں اور کبھی جیسی اکھبروں پر کوئی بحث نہ کی۔

”میں اپنی کہانیوں کا انگریزی میں ترجمہ کر رہا ہوں۔“ میں نے انہیں ذرا سات کے موڑ میں پار کیا۔

”کیوں؟“ وہ بڑے کھڑے پن سے بولے۔ آپ کی کہانیاں ترجمہ نہ ہوں گی کیا انگریزی اص غریب نہ جانے گا یا شاید آپ کا خیال

ہے۔ انگریزی کا جامہ پہن کے تحریر زیادہ بلند ہو جائے گی۔

پھر جی ملا۔ ایک دم سے اس نے آنا شک کیوں ہو جائے۔ ”نہیں۔ یہ بات تو نہیں اصل میں انگریزی میں چھپنے سے پیسے زیادہ ملتے ہیں

احمد علی نے ایک کہانی کے کچھ پارا پڑھ لئے تھے۔“

پھر وہ صاحب سے ہو گئے اور مسئلہ لے لے۔ ”فرد کیجئے ایک دن کے لوگ خود ہی اس صحت زدہ ہیں گئے۔“ پھر میں نے غور کی۔

ایک ایک کو پڑھنے لگا۔ گھنٹوں بائیں کرنے کے بعد بھی ابھی نہیں میں بہت کچھ تھا وہ بکے چرچ گیت ایشن تک چھوڑ گئے۔ میں ان دنوں

لاور جی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے میرے سامنے میں ایک مضمون لکھا۔ جو میں نے نہیں پڑھا لوگوں سے نکلے تھے۔ ایک بار دہلی جا رہا تھا دعوت

میں جایا دہان نہیں لکھتے۔ گزری چپ چاپ سی میٹھی تھی جس کا میرے دماغ پر دہلا سا بھی ٹٹس میں کچھ ریاست کی باقی زمانہ ہوئی جو میرے پتے

نہیں پڑیں۔

مال بھر میں سے ڈکری سے استفادہ دیا۔ شاید کہ ڈکری بھی کچھ دخل لے سی ٹکر لے گی۔ میں نے پھر ڈکری کا امانہ کیا۔ نہ جانے کیا دل میں سٹائی پیرس کو کچھ مارا کہ ڈکری چاہے کہیں بھی ملے چار یا پنج سو سے کم میں گند نہیں ہوگی۔ ہنستے بھرتے اذہمچہ سو روپے کی ڈکری سے تفرقہ کے خط لکھی۔ اس عرصہ میں مجھے ایک لکھ ۷۷ م مل گیا تھا اور شاید کہ کبھی ڈاکٹر کشن ن گیا۔ میں نے پیرس کو پڑی خرمندگی کا خط لکھا۔ معافی مانگی۔ پھر ملک تقسیم ہو گیا۔ جاگیریں ملیں، زبان بولی، ادب بنا اور ادیبوں کا بھی جوا ہوا ہو گیا۔ آدم کتبہ یہاں؟ وہاں چلا گیا۔ پیرس ادب کی دنیا سے سیاست کے آسمان پر چوڑے ہو گئے۔

گرفتاری میں ان کا ایک خط پڑھا کہ بھلے کہیں محسوس ہوا۔ پیرس دور جا کر بھی پاس ہی کھڑے ہیں۔ آج ہی میں نے سچے پیرس خریدی ہے پڑھ رہی ہوں۔ پڑھ کر کچھ سے بچے گرنے کی نوبت تو نہیں آئی مگر میرے دل دو مارے کی تھکن سی آ رہی ہے وہ قلم جو تھکے ہوئے ہاتھوں کو ایک لمحے کے لیے بھی صہت بخش دے خاموش ہر چکا مگر وہ میرے تھیل میں دو بھاری بھاری غنائی آغیس آج بھی بے ساختہ مسکا رہی ہیں۔

اے ایس بی

شوکت تھانوی

”نیلے بی شک بڑے بھلی کو ہم لوگ سے ہیں۔ بی بی کی بات تھی۔ وہ معنی بخدی صاحب کہنے میں سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کون سے بھاری صاحب بڑے یا چھوٹے؟ اور کیا ہم نے میں ایسی احمد شاہ بخاری اور ذوالفقار علی بخاری کہنے میں کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اتنی سی قوم بے متے بڑے بڑے نام لے کر اس کی ذمہ داریاں فرجی کیوں کی جاسکتی ہیں؟ لہذا یہ دیکھنا شروع کیا کہ وہوں بھائیوں کو اے ایس بی اور نیلے بی ہی کہنے میں کفایت شعریا کے ندریں اصول پر عمل کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ میں نے پہلے ”اگر لے رہا ہو کی بات کہیں شروع کر دی۔“ یہ لے لے تو برا بھلا اس وقت پیدا ہوا ہے جب آل انڈیا ریڈیو کا کنونشن قائم کیا گیا ہے اور میں اسے ایس بی سے سمجھتا ہوں کہ اس سے پہلے ہی ل چکا تھا۔ یعنی اس وقت جب میں کنونشن سے سمجھتا تھا کہ ”تقریباً ہر ہفتہ آل انڈیا ریڈیو کی جایا کرتا تھا۔ اور تاکہ جیسا تھا کہ پورس بخاری سے ملاقات ہوتے ہی ان کو بھی اسی طرح بھائیوں کا میں طرح مولانا نیاز فقیروی، ”عظیم بیگ چغتائی، ”فرحت اللہ بیگ“ اور رشید احمد صدیقی کو کچھ اس طرح چکا ہوں۔ اپنے ایک مجموعہ مضامین پر مولانا نیاز فقیروی سے مقدمہ لکھا چکا تھا۔ اس مجھے کا نام بھر تہتم تھا۔ دوسرے مجموعہ سیلاب تبسم پر مرزا عظیم بیگ چغتائی سے مقدمہ لکھوایا تھا۔ تیسرے مجموعہ طوفان تبسم پر مرزا فرحت اللہ بیگ نے مقدمہ لکھا تھا۔ چوتھے مجموعہ دینے تبسم پر رشید احمد صدیقی کا مقدمہ تھا۔ ادب ایک اور مجموعہ پر مقدمہ لکھے کہ پورس بخاری پر رشید بانڈو چکا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جہاں تقریر نشر کرنے دئی گئی تو اس نے مجموعے سے منع ہو کر گیا اور بخاری صاحب کہ ان کے دفتر میں جایا۔ بڑے غصے سے بے جگہ کہ کچھ شبہ سامنے لگا۔ میں ان سے پہلی مرتبہ نہیں مل سکا۔ میں ان سے مرتبہ ہونا چاہتا تھا اور وہ اس کا موقع ہی نہ دیتے تھے۔ سرچند کہہ اس وقت ذہنی کمزور اور بارڈر لائن کی کسی پر بیٹھتے، مگر مجھ کو اس سے کیا میں تو ایک عظیم مزاح نگار کے سامنے ان کے ایک عقیدت مندی حیثیت سے حاضر تھا۔ اور ان کی عظمت کا احساس مجھ پر طاری تھا جس کو وہ اپنے انتہائی رنگت اور معلومات کے بتاؤں سے غیر محسوس بنائے دیتے تھے۔ آخر وہ اچھر کی باتوں کے بعد میں حوت مطلب زبان پر لایا اور بخاری صاحب سے پہلے نے مجموعہ مضامین پر مقدمہ لکھنے کی درخواست کی تو بڑی خفہ پیشانی سے بولے

”یہ کیا مقدمہ بازی سے بیٹھے آپ؟“

میں نے عرض کیا: ”جی ہاں یہ چھوٹا منہ بڑی بات تو فرمادے گا میں آپ سے وعدہ لے لیئر لکھنے والا نہیں ہوں۔“
 پھر منہ ہوتی آنکھوں سے گھورا۔ پھر سر ہلاتے پھیرا اور لکھا عاجز: ”اگر آپ اپنے مقدمہ نگاروں کی ٹیم پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو بہتر ہے کہ وہیں گامقدمہ۔“

یہ وعدہ لے کر میں بڑے وقار و اعتماد سے واپس آیا مگر اس ملاقات کے بعد ہی حالات چھٹنے لگے پھر چھوٹے۔ اس انڈیا ریڈیو نے محض میں بھی

پتا ایشین کھول دیا اور اس ایشین کے ڈائریکٹر جکی کشور مہاراجہ اور دیگر ام ٹائریکٹر ملک حبیب احمد نے اپنے ملکر کو بٹنے کیا پٹی پر لٹائی کہ اگر ابھی صفت چھوڑ کر ریڈیو سے وابستہ ہو جانا پڑا اور اس کے چند ہی دن بعد میرا وہ مسوہ جو میں بخاری صاحب کے پاس چھوڑا تھا مجھ کو ان کے اس خط کے ساتھ واپس لی گیا کہ "اب جب کہ آپ کو ریڈیو میں ایک منصب حاصل ہو چکا ہے علینت کا اتفاق کیا ہے کہ آپ مجھ سے مقدمہ لکھائیں اور میں مقدمہ لکھوں؟ بات بھی عجیب تھی لہذا یہ ارمان دل کو دل ہی میں رہ گیا اور قبول بخدی صاحب کے میرے مقدمہ کاروں کی ٹیم مکمل نہ ہوئی۔ اب بخاری صاحب ملک کے افسر تھے اور میں ملک کا ایک اعلیٰ کارپرداز۔ لہذا جب بھی وہ ملک کے ایشین کے معائنہ کے لئے تشریف لگے مائے قریب میں نے ان سے واقف کرانے کی کوشش کی مگر انہوں نے عداوت کر کے اس کوشش کو نام نہاد یا یہ ان کی عالی ظرفی تھی کہ اس قوم سے کام لیتے ہوئے کہ کو اپنے صفا کا غمانہ تھا اور میں ان صدمے کے لئے نہ بڑھتا تھا۔ کچھ دن کے تجربے بعد معلوم ہوا کہ بخاری صاحب کے جس سلوک کو میں اپنے ساتھ ضرورت سمجھتا تھا وہ ہر ایک کے لئے کام تھا اور ان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ لاری اور ٹھکانہ جاتی کام کے وقت دو نہایت بخاری جو گرم قسم کے لئے دئے افسر جلتے تھے اور کام ختم ہونے ہی کی صحبتوں میں ان ہی سب کے لئے صحت دوست بن جایا کرتے تھے جن پر ابھی بخاری دیر پہلے ان کا رعب قائم رہ چکا تھا لیکن مائے قریب میں نے اپنے طریقے سے ملنے کی فرمائش کر دی تھی۔ بات سے بات پیدا کر رہے ہیں جس سے میں اور ہنسنا ہے میں۔ ایک دن اسی قسم کی کچھ صحبت میں جس بول نہ سہلے کہ ایک بھولی بھری بات یاد کر کے ہنسنے میرے قریب آ کر گئی کے اندر میں بسے۔

"مجھ کو بری کہتے کے بعد آپ نے وہ مقدمہ کس پر دائر کیا؟"

"میں نے کہا: کسی پر نہیں۔ وہ مجھ کو بغیر مقدمہ کے چھپ گیا۔"

"گھنٹے تھے: اور میری یہ سزا کمال رہی کہ میں اسے نہ پڑھ سکوں۔"

میں کلب پیش نہ کرنے پر ابھی پوری طرح نادم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ بڑی مصروفیت کے ساتھ پوچھا: آخر لوگ مقدمے کھولنے کی کیوں ہیں۔ مجھے تو یہ حرکت کچھ ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کوئی کسی کی انکی بڑا کرشل مارا ہو بلکہ انکی بڑا کرشید و پکھنے گیا ہو۔ میں اس فقرات کیا کر: جی ہاں میں اس حماقت کو سمجھ چکا ہوں اور اب اس مقدمہ بازی کے چرم میں نہ پھنسنے لگا۔ بڑی سنجیدگی سے بولے: اللہ تعالیٰ آپ کو استطاعت دے۔

کچھ ہی دن بعد پھر کراچہ سے بخاری آٹ پچوس دالوں نے طلب کر لیا اور میں نے ریڈیو سے علیحدگی کے وقت بخاری صاحب کو ایک اعلیٰ مالی خاتمہ میں لا کر جب مجھ کو فوٹا لیا کہ۔۔۔

"امیاز سید امتیاز علی تاج (کے بعد آپ کے بھائی بخاری آٹو فیل ہی آئی۔ خداوند کریم آپ کو

صحت ملی عطا فرمائے۔ آپ جاسے میں خدا کا لقا۔ ریڈیو کے دروازے ہر وقت آپ

کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ دروازہ مروت جانے کے لئے نہیں آئے لئے بھی جوتا ہے۔"

اب جب بخاری آٹ پچوس سے گزینڈا افسر جنے کے شرق میں سڑک پہلی آفیسر ہو کر میں پھر کھنڈا گیا اور بخاری صاحب ڈی کٹر وار نہیں بلکہ کٹر وار بلڈا ہونے لگا جیٹ سے کھنڈا کے دھڑے پڑے اور مجھے خاص طور پر ملنے کے لئے بھیجا۔ میں نے اپنی تازہ کتاب شیش محل میں کی اور جب دوسرے دن ریڈیو دالوں کے ان کے ساتھ ہی مجھ کو بھی بچا کر لیا اور میری صحت دیکھنے ہی بسے۔۔۔

"میری رات عیش محل کی میری ہے لڑا ابھی تک باقی ہے کیسے کیسے بھولہ معرکہ ہے۔"

ہیں جاچکا۔ ہر بعد سلام پہ بھیجیں اس خاتون شوق کو جتنا حسن کے کہیں کی الٹک ۴۔
 حسن کی رشتہ جیات ہر تار کہار۔۔۔ وہ افسر پہلی کے لئے کیا محفل ہے کہ کہیں سے
 ان کو دیکھ رہے ہیں گلاب بھی کپ ہا سے بارہی نظر آتے ہیں معلوم نہیں یہ لوگ فرخ سر
 میں بیڑا کر کے ایک جہو قائم رکھتے ہیں یا بعدی محی ۵۰ تے ۵۱ سال اپنے ذمہ ہم پر لگاتے
 میں۔

۱۱۔ مجھ کو اس تبصرے سے زیادہ غرضی اس کتاب کی راجھٹی وصول کر کے وقت بھی نہ مہلتی تھی اتنے بڑے مہمان نگار کی یہ سند میرے لئے ہے

کھلے بہت کافی تھی۔

کے لئے بہت کانٹا ہے۔
 سرگ پٹی کے حکم میں چار پانچ سال تک گمانے جلنے کی گڑبلا افسری کر کے میں پھر اپنی اوقات پرالیا۔ اور پرتی آمدت پچیس سے پھر بارہ ہو گیا
 گز ۱۹۴۴ء کی میں جب قیام پاکستان کے بعد پرتی صاحب بھی سدھارے اور یو پاکستان کی دائر میں بڑی توریہ یو پاکستان کے لائبریری جنرل چھوٹے
 بھاری سینیٹا سید نفا احمد علی بھارلی نے کہہ کر پڑا تفریبتے ہوئے کہا کہ: یہ فیصلہ آپ خود کیجئے کیسٹیں آپ کیا کریں گے اپنے لئے کام خود کیجئے۔
 چنانچہ میں اپنے لئے کام پیدا کرنے میں اس طرح معرفت ہو گیا کہ اپنے کرکٹ کی حیثیت قاضی جی کے پیداکر شروع کر دیا۔ اسے ایس بی ڈائریکٹر جنرل آل انڈیا ریڈر
 کے عہدے سے اپنے آپ کو سکون کر کے کرکٹ لای لایہ کے پرنسپل کی حیثیت سے دہلی سے لاہور آچکے تھے اور اب ان کے بنگلہ پر شہر کی عتیس
 ہزار کی عتیس جن میں ڈاکٹر تاثیر، مولانا سلگ، مولانا قیسم مو اپنے حق کے، جی کسٹور ہوا جو شرف پاکستان مہ چلنے کے بعد شرف بہ اسلام ہونے کے
 ارادے کر رہے تھے۔ سید رشید احمد، مولانا چراغ من حسرت، اور سید تیز دھنی تاج کے جماعت رہتے تھے جنہیں آقا قاضی کو بھاری صاحب خود چاکر
 پرکھتے تھے جو آجائے تھے ان کرات تھے، جگہ بھی کہی میں نے سے قبل اپنی کار پر کھڑے ہونے تھے اور یہ نصیحت کرتے تھے کہ کرات کو کراؤ آگیا
 رہو مگر میں اپنے بڑی سے اٹھو۔ اکثر ایسا بھی ہا ہے کہ کرات کو تین بجے آس کریم کھانے لاو وہ ۱۲ اور کوشلی کی کو کچلے ہے اس کیم ہالوں کو میں طرح
 بھی چھڑی وقت جلیا جائے اور تیرت ہے کہ اس وقت میں ان کو کہیں نہیں آس کریم لی کی اور آس کریم کھانے جے جائے ڈھنڈی لے لے کہیں نہ
 کہیں سے۔

ریفریو پاکستان : ہمارے پیشین ڈائریکٹر جیگل کشور مہرا پاکستان کے ذمہ دار ہمارے بعد خود عیب مراد باوریں کرانے لگے کہ بھائی ۱۱۰۰
۱۱۰۰ ہونے کی بہت میں وہ ڈپٹی پاکستان میں لکھنے لگے کیوں ان کو پتا جیگل کشور مہرا مہرا پاکستان میں کچھ پینڈے سلاطین کو پتا جیگل کشور مہرا مہرا کے ہر قسم کے بخاری
لے ان کو کھیلنا دوسرے دوستوں نے بھی اس جیگل کی سے دیکھا کہ مہرا مہرا کی ایک دن چند مخصوص احباب کی موجودگی میں بخاری صاحب کے گرد قفس کا
دلے جیگل میں وہ مولا کا نام مرشد کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہو کر کراہت پڑنے لگا وہ مولا کا نام مرشد سے اس کا تخیل بلکہ تخیل سے بھی کچھ
زیادہ ترجمہ کئے نظر آئے اور میں اس وقت جب وہ جیگل کشور سے دیکھا ایک احمد سلاطین بن چکے تھے اسی جیگل کی ترقی کے احکام موصلی ہونے لگے وہ
ڈپٹی ڈائریکٹر جیگل ریفریو پاکستان مقرر کئے گئے۔ اس کے بعد ہی دوسرا اثری جیگل غلام احمد سلاطین صاحب کی کوئی پاس وقت مہرا جیگل کے نکاح کا
مرحلہ پیش تھا۔ اور محمد نظامی صاحب کے ذمہ تھا قاضی کو اجازت بخاری میر کے بجائیک ہم امامت اور امامت کو دیکھنے کہاں سے کچھ لکھے۔ بخاری صاحب
نے ان سلاطین کو بڑے غور سے دیکھا اور میرے کان میں کہا کہ : نکاح کے لئے قاضی اور مجھ سے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں فقہی ان دونوں چیزوں کو ظا
کر لے چاہیے۔ اس تقریب میں سید ذوالفقار علی بخاری وہاں کے ولی بنے اور میں زمین لکھی۔ ہم دونوں میر کے پیش پر کھڑے ہوئے اور کچھ اور کچھ زمین

پرومٹ

گنہیالاں کی پور

پرومٹ میرے استاد تھے۔ ان سے پہلی ملاقات تب ہوئی۔ جب گرنٹ کالج لاہور میں ایک ایسے انجمن میں داخلیتے کئے، ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے پورائیں، لیکن پریشانی تھا۔ پرومٹ نے ان سے کہا: ”اگر آپ پرومٹ کے ایسے بھائی کے لیے سے خوب تیار ہو گئے تھے تو کس بات کا جواب دے کر پرومٹ کو جواب دے کر ان کی کوشت کریں گے۔ بھاری صاحب سے بے سوں کے کہہ دیجئے۔“

”لگے جو ہو، کہے میں دلیل ہو کر آداب بجالائے، انہوں نے ناک پر ایک برسوی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا: ”آپ بہت سے ہی سے ملاتے ہیں یا آج خاص اہتمام کے آئے ہیں؟“

”آپ شاعر ہیں؟“

”جی نہیں۔“

”دیکھیں میں تو آپ مجھوں لاہوری نظر آتے ہیں۔“

پرومٹ نے من گھڑی سوال کیا: ”اگر آپ کا مطلب کرتے ہوئے فرمایا، برہنہ ان کی شعل خطرناک مدد مجھوں گر کچھوڑی سے سی ہے؟“

”پھر میری جانب متوجہ ہوئے۔“ آپ بھی مجھوں گر کچھوڑی سے ملے ہیں؟“

”جی نہیں۔“

”دوسرے ملے۔“ وہ آپ کے ہم قافیہ ہیں۔“

”پھر پوچھا۔“ یہ آپ کے سر تنگیت میں محاسبے کر آپ کتابی کیڑے ہیں۔ جانتے ہو کتابی کیڑے کہتے ہیں؟“

”جی ہاں۔ جو شخص ہر وقت مطالعہ میں شہک رہتا ہے۔“

”کتابی کیڑا وہ ہوتا ہے جو کتاب کی بجائے ساری کر کا جاتا ہے۔“

پرومٹ نے ان سے بھاری صاحب نے دریافت کیا: ”ان کے بی سے میں کتنے غیر آئے تھے؟“

”انہوں نے میرا ایک سر تنگیت پڑتے ہوئے جواب دیا۔ ۳۶۹۔ فرسٹ ڈیڑن۔“

”کو کچھ کیا خیال ہے؟“ پرومٹ نے من گھڑی سوال کیا: ”اگر آپ نے پوچھا۔“

”بھاری صاحب نے منگوئے کہے کہا: ”داخل کرنا ہی پڑے گا جہاں ہم سے عمر بھر دھو۔“ انہوں نے فرمایا۔“

پرنسپل ڈاکٹر نے چنگ کر پوچھا کہ اسامہ بخاری صاحب؟
سکریٹ اسکلنگ کے جوئے فرمایا یہی بی سے میں فرسٹ ڈویژن کے لیے تھا؟

دور سے دن کلاس روم میں گئے۔ بخاری صاحب کان دونوں عالم شباب تھا پچیس سال کے قریب عمر ہوئی۔ دوازدہ گھنٹی بھنوس، سرخ و سفید رنگت، بڑی بڑی رکوشن آنکھیں، لمبوتر چہرہ، شکل و شہادت کے اعتبار سے وہ افغان یا ایرانی دکھائی دیتے تھے۔ ریشمی گروٹن (6000) ہین کراکلاس روم میں آتے تھے۔ معمری کے عزیز پھر شروع کیا کہتے عموماً یکسو سے پہلے پہلے عزیز شاگردوں سے دواک چٹپٹیں مزہ دے دیا کہتے تھے۔ طراح ساجی (مشہور ہندوستانی اداکار) ان کا عزیز ترین شاگرد تھا۔ انٹر ایک آدھ فقرہ اس پر کہتے تھے: کیا باعث ہے ساجی، آج کچھ کہنے کھڑے نظر آتے ہو۔ جلتے ہو جب کوئی نوجوان اناس رہتے ہے کراس کی اداسی کی صورت دونوں میں ہوتی ہیں۔ یادہ عشق فرمانے کی حماقت کہہ رہے یا اس کا جو غالی ہے؟

لیکھ کر کسی کتاب یا نوٹس (NOTES) کی مدد سے بغیر میٹے تھے۔ انگریزی کا لفظ ایسا تھا کہ انگریزوں کو رشک آتا تھا۔ فرحیدہ یا رمانی
انڈیا بیان سے چڑھ کر غصے سے بھی کوئی کامیاب نغمہ نہ کر سکتا تھا۔ ڈرامہ پڑھنے میں خاص کمال حاصل تھا۔ ہیٹ (HAT) پڑھا ہے
پڑھا ہے جس کو چہرے پر ہدی کاثرات پیدا کر کے جو موقع مل کی کلاسی کہتے ہیں۔ کنگ لیر (KING LEAR) پڑھنے کے معلوم ہوتا کہ
موقعہ میں کھڑا ہوا ڈراما شاعر غرا رہے۔ بش کیر کے مشہور کرداروں کی تقریریں زبانی یا دھتیں انہیں اس خوبی سے ادا کرتے کہ سامعین کو پھریری سی اچھاتی
حافظ غضب کا پایا تھا۔ اکثر جب کوئی نئی کتاب پڑھتے تو دوسرے دن کلاس روم میں اس کا خلاصہ اتنی صحت کے ساتھ بیان کرتے کہ سلیپر
سننے کے بعد محسوس ہوتا کہ کتاب انہوں نے نہیں سمجھنے پڑی ہے۔

ایک بار فرانسیسی فلسفی برکس کی کتاب "LAUNTER" (مزاح) کی وضاحت کرتے وقت انہوں نے قہرہ مزاح سے متعلق بہت دل چسپ باتیں بتائیں فرمایا "انسان ہی موت بخشنے والا ہمارے ہے" میں نے کہا "جناب پندرہ بھی ہوتا ہے"

ہنس کر فرمایا: ”کیونکہ یہ انسان کا عبد المجد ہے۔“

بیان کجباری رکھتے ہوئے فرمایا: "بھنے کے لئے قتل کا ہونا ضروری ہے۔ سچی و جوشہ کی یقوت کو لپیٹنا خاصا نقصانکات ہے۔ اگر ایک آدمی کیلئے کے چھکے سے پہل پڑے تو دوسرے اس پر بستے ہیں لیکن اگر ایک بھینس کیلئے کے چھکے سے پہل کر کچڑ میں گر پڑے تو آبادی بھینس اس پر کبھی نہیں مہنس گی۔ کیونکہ بھینس کے پاس قتل نہیں ہوتی۔ سچ تو یہ معاملہ ایجاد ہوا۔ قتل بڑی یا بھینس..... سہو دی یا ترقم کا جذبہ بھینس کے لئے ذہر قابل کا جذبہ رکھتا ہے اگر کوئی شخص سائیکل چلائے وقت گر پڑے تو آپ اس پر مہنس گے لیکن اگر اسے سخت چوٹ آئی ہو تو آپ کبھی نہیں مہنس گے اگر ایک ریلوے گاڑو آدمی چلنے سے پہلے ہر مسافر کو سخت سست کھے۔ گاڑی میں سے باہر بھانکے حملے ہر بچے کو سڑنٹش کر دے ہر دولہے کو لہا کر شش کر دے کہ اسے ٹبے میں فدا دل ہو جائے پالے۔ اور خود چلتی گاڑی میں سوار ہونے وقت گر پڑے تو تمام مسافر تھپتھپا کر اس کی بے بسی کا مذاق ادا کریں گے کیونکہ ان میں سے کسی کو اس کے ساتھ سہو دی نہیں ہو گی۔

ایک ہی چیز لیلیا اور میر ہر سکتی ہے سال مرث ہمدردی کا ہے۔ فرض کیجئے بھر سے پہلے میں کوئی شخص یہ اعلان کرے کہ میری بیوی کا گھر گئی ہے کچھ لوگ اس پر غرور نہ نہیں گئے۔ یہ بات دوسروں کے نقطہ نگاہ سے طریقہ اندہ خود اس شخص کے نقطہ نظر سے الیہ ہے..... مزاح یا نکل اسی

درج تیار کیا جاسکتا ہے۔ جیسے مابین یا خوشبو، تیل۔ فارم کیسے کر دوں میں جو یوں میں نامہ بخت یہ کر دیکھ شاش کے طور پر یہ کچھ کی بجائے۔
ہم جن فیم میں لائب کے اندر نہیں۔ یہ کچھ سے ہم درندار میں غالب کے سخن فیم نہیں۔ مزاج پیدا جاسکتا ہے۔

بخاری صاحب: اخیر تقریر نفس کے فن میں امام زادہ جو سکتے تھے۔ یہ نہ عبد نقادہ کا وہ نہ تریہ تھا ہر ادبی مجلس میں کسی صدارت اور سر عبد نقادہ لازم و مزدوم تھے۔ یونیورسٹی ہال میں ایک دنی ساٹھ صاحب کا موضوع زیر بحث تھی *THE PROPER STUDY OF MANKIND IS WOMAN*۔ (صفت نازک ہی مطالعہ کا صحیح موضوع ہے) جب پروفیسر دیوان پنٹر، انارکھ فیض شہار، مدین، تقریر کر چکے اور عبد نقادہ نے بخاری صاحب کو ایلیج پر تقریر لانے کو کہا۔ صاحبین جو متن گوئی ہوئے، انہیں وری توقع تھی اب سبھی مذاق کے فاسدے چھوٹ گئے۔ بخاری صاحب جھوٹے جھانسنے ایلیج پر آئے۔ صاحب مد کی موت سن کر کہیں صاحبین پر کب صاحب کا جملہ ناز و دل ادا فرمایا۔ صاحب مد میں قسمی سے پروفیسر واقع سماہوں میں آج میں پڑھا جوں وہ خود تعلیم لا راج ہے۔ یہ تجربہ ہے کہ کلاس روم میں طلباء کی وجہ کار صفت نازک ہی ہوتی ہے۔ کوشش کے باوجود میں طلبہ کو اپنی موت متبر نہیں کر سکتا۔ وہ اوقات کے صفت نازک پر رشک نے غمت ہے صفت کا ہر صاحب یہ نکتہ بخاری صاحب کی صفت نازک ہی مطالعہ کا اصل موضوع ہے۔ صاحب مد صفت نازک کے مطالعہ کے بغیر۔ نفس کا مطالعہ ممکن ہے کیا آپ *MAGNETISM* (مغناطیت) کا مطالعہ صفت نازک کے بغیر ممکن سمجھتے تھے۔ جب آپ جاننے میں نہ سکتے تھے یا وہ کوشش ہوتی تھا وہ مسئلے نے پیدا نہیں کی کیا آپ *HEAT* (حرارت) کا مطالعہ کر کے میں موت کو نظر انداز کر سکتے ہیں جب آپ جانتے ہیں کہ صفتوں کی گرمی غمت کی موجودگی کی موجود مت لے کیا آپ *ELECTRICITY* (برقیات) کا مطالعہ نہ لے وقت غمت کو نظر انداز کر سکتے ہیں جب آپ کو معلوم ہے کہ حرارت کی جلیں بال کے بغیر بجلی کی لاسکتی ہیں۔ صاحب مد صفت نازک کر کے مطالعہ کر کے ناگزیر ہے۔ اگر یہ ناز و دل رائل اور ایمیل ایجنٹ نے غمت کے خط و ذل کو قریب سے نزدیک کیا ہوتا تو کیا وہ ان مغناطی تصاویر اور جسموں کی تحقیق کر سکتے جن کا شمار عجائبات عالم میں ہوتا ہے کیا کالی فاکس، ٹلنٹا، شیکسپیر، روزا (Rosaleen)، اور نانتے، بیٹریس (Beatrice) کا تصدیق بھی ان میں سے تھے۔ اگر انہوں نے صفت نازک کے مطالعے میں شب و روز گزارے ہوتے۔ صاحب مد صفت نازک نے موسیقاروں سے ٹھہریں اسلام آباد شہر میں شہر میں شہر میں اور فرہوں اور رقصوں سے کھٹک اور کھٹکائی کی تحقیق کرائی، اگر آج فنون لطیفہ ختم ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مطالعہ کے اصلی موضوع سے جھٹکتے ہیں۔ ہم ان چیزوں کا مطالعہ کر رہے ہیں جن سے کبھی کبھی سستی دہی کہیں، اور اکثر صفتوں کو صفتوں اور جو میں اسلحہ ہے لیکن "میک روٹ" "تیس" "انہی پر کھس" کی توقع کرنا ہے کہ ہے۔

مرحوم تقریر میں سحر کیا کہتے تھے۔ ان کی ساری کامیابی واقعہ کے یاد ہے۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے اپنے ایک عزیز شاگرد پروفیسر ر۔ ایل ہتھ کے اصرار پر ڈی ایس وی لایک لایوس کی فاروری کے ناول *A MAN OF PROPERTY* پر لیکچر دیا۔ پروفیسر ہتھ ان دنوں ڈی ایس وی لایک میں لازم تھے۔ لایک کا مہینہ تھا مصلح: بہاؤ تھا۔ ایلیج ہی لیکچر پر ہی تھی۔ صاحب کے ہاؤں کے سینکڑوں طلباء و طالبات کچھنے کے لئے ڈی ایس وی لایک کے سانس لیتے تھے۔ بخاری صاحب نے لیکچر کی تہیہ اس قدر سے کی۔ خاتین و حضرات! ڈی ایس وی لایک میں یہ پہلا ایسا لیکچر ہے جو یہ کہ اس لایک کے طلباء انگریزی کا تحفظ آتا عجیب واضح حال ہے کہ جب اگلے انگریزی میں ہوتے ہوئے نہیں گئے۔ تو یہ سمجھیں گے میں انگریزی کی بجائے فرانسیسی یا جرمن میں تقریر کر رہا ہوں۔ مرحوم کو انگریزی فکشن دانا تھا، پر جرحہ انگریز، عبور حاصل تھا۔ جب وہ گانڈادی کے ناول کی وضاحت کر رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا صفت اپنی تحقیق انگریز کر رہے تھے۔ طلبہ ان کے لیکچر کے *Notes* لے رہے تھے۔ بخاری صاحب

فرمایا حضرت پہلے ہم ادب آپ کو شرف بہ اسلام ہو لیں۔ اس غریب کی باری تو بعد میں تسکے گی تاخیرم اور آپ میں کرن کی سہولتی نہ ملتی ہے۔
 آل انڈیا بیورو کا تذکرہ پھر ملا کھینچے گئے۔ ایک بار میرے تعلق پارلیمینٹ میں کہا گیا کہ میں دوست پرورد ہوں۔ آل انڈیا بیورو میں چھلنے
 اپنے دوست اور شاگرد اگئے کر گئے ہیں۔ میں نے اخبارات میں ایک برین دیا جس میں کہا یہ الزام سنی صہدست ہے گلاب اس کا کیا کیا ہے
 کہ بدستحق کے میرے تمام شاگرد اسباب قابل تریں اشخاص واقعہ ہوتے ہیں۔ اور قابل دوست یا شاگرد قابل دشمن سے ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔
 بخاری صاحب سلاطین مسطورہ کی عمر میں ہیں داہن مغاورقت دے گئے۔ ان کا مقبرہ دہلی فرمیں بنا۔ ہندوستان اور پاکستان سے
 انہی دور کہ ان کے شاگرد اور عقیدت مند اس پر آنسو بہاتے یا شیخ جلائے کی سعادت بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم وہاں کی شمعیں جو وہ خود
 ملا گئے۔ ان کی زندگی ابدی ہے۔ ان کی دین صرف 'مغناہین پورس' نہیں۔ ان کی اصلی دین ان کے وہ دایہ ناز شاگرد ہیں جنہوں نے ادب
 و دین میں نئی راہیں نکالیں۔ اور جنہیں اپنے پیر و مرشد "پر جہاد کی کے آخری سانس تک فخر ہے گا۔"

پطرس بخاری مرحوم

مؤنی غلام مصطفیٰ اقبم

بخاری صاحب کی زندگی کی دل سپیر کا وارہ بہت وسیع تھا اور کیا بلکہ ان کی بعض رعایتوں کے احسے یہ میں اور وہی ان سے ٹکراتے تھے۔ قربانوں کے ان کے دل میں تنہا ایک ملک یا تھوڑی سی یاد نہیں بلکہ ایک وقت چھٹوں کے یہ دس سو فی صد ان سے کو بیٹھے لگاتے رکھتے اور کسی ایک وقت بھی دل سے الگ نہ ہونے دیتے۔ یہ ان کے دین انتہائی کی دلیل تھی۔

اس دست کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت میں ایک لپ بھی تھا وہ جہاں بھی جاتا اور اپنی طرف پر اپنے آپ کو اس جہاں میں سمجھتا یا یوں کہے کہ اس جہاں کو اپنی جگہ میں ان تمام باتوں کے باوجود ایسا جان کے دل سے بہت پسند کرتی تھی۔ اور اس کی گرفت کبھی بڑی نہ پڑتی تھی اور شہر کی یاد تھی اور اس شہر کا وہ بلند اور نمایاں ٹھکانہ جسے دینا کو نہ لے گا کی گنت بہت بکارتی ہے۔

بخاری مرحوم اس ملک کے طالب علم بھی رہے تھے۔ ان کی اصل تعلیم کا آغاز بھی نہیں سے ہوا تھا ان کی علمی اور اپنی زندگی میں پر وہ ان چڑھی تھی وہ میں استاد بھی رہے اور رئیس اور اس گاہ بھی۔

ایک وقت ایسا آیا کہ انہیں اس ادارے کو چھوڑ کر باہر جانا پڑا۔ ان کے قدم دین بھر میں گھومے ان کے فکروں نے بڑی بڑی پروا میں دکھائی لیکن اس ملک کے خیال سے کبھی غافل نہ رہے۔

دیکھو کہ ملک میں تقریباً دس سال گزارنے کے بعد ۱۹۴۷ء کے اوائل میں مدینہ منورہ میں پرنسپل کی حیثیت سے وارد ہوئے تو ان کی محسوس ہوا جیسے وہ ایک دن کے لئے بھی اس سے الگ نہیں ہوئے۔ کچھ فوب یاد ہے کہ جب ان کا سامان ٹرک سے اٹھا جا رہا تھا تو وہ میرے ساتھ لاٹک کے پیچ مسمون اور سرسبز میدانوں میں گشت لگاتے تھے۔ ان کی آنکھوں کی چمک اور لبوں کا تہنہ صاف صاف بتا رہا تھا کہ انہیں اس قدیم کی منزل میں اپنے آپ کو دیکھ کر کتنی مسرت ہو رہی ہے۔ ان کے ذہن میں لاٹک کی عظیم نشان عدت کا آواز گونجتا رہتا تھا وہ ان میں سے ہیں گذر رہے تھے جیسے کئی اپنے پالنے مگر میں پھر نہ ہو۔ وہ جہاں کوئی نئی چیز بھی دیکھتے تو انہیں اس میں اپنی پن محسوس نہ ہوتا۔ جہاں کوئی چیز اپنی اصلی جگہ سے ہل ہوئی تو کہتے ہیں یہ کیا ہوا؟ بہر حال وہ اس کو بچے کے ذمے نہ دے سے آشنا تھے۔ کچھ نوجوانوں کے لئے لگے تھے۔

ان کے لاٹک میں اپنے کے فدا جہد حالات بگڑ گئے۔ لاہور میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی تعلقات کثیدہ ہو گئے۔ فرقہ وارانہ فساد شروع ہوئے لیکن بخاری صاحب مرحوم نے لاٹک کی فضا کو بڑی خوش آہنگی سے سمجھا رکھا۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد حالات ابھی محدود تھے مقامی طلباء اور اساتذہ کی طبیعتیں اکھڑی اکھڑی تھیں۔ اور باہر سے

مرد ہونے والے صاحبِ محنت پریشانی کے عالم میں تھے۔ اس ابتری کی حالت میں انہوں نے لالچ کو سنبھالا اور اس اقتیاد اور محنت سے سنبھالا کہ اس کی رعایت اور شان میں فرق نہ آیا۔

کچھ غیب یاد ہے لالچ میں نٹ ایر کے داخلے کے دن قریب آ رہے تھے۔ اجارات میں داخلے کا اعلان ہو چکا تھا۔ داخلے کے فارم تقسیم ہو رہے تھے۔ داخل ہونے والے پکوں کی ہر طرف چہل پہل تھی۔ بخاری صاحب کے قدم فیہ سولی طور پر تیزی سے ہر طرف اٹھا رہے تھے۔ کبھی وہ نوادہ حامید بدھل کو دیکھتے۔ کبھی دفتر کے لاکروں پر نظر ڈالتے، کبھی دوسرے لاکروں میں پہنچ کر وہاں کی گفتگو کر لیتے۔ ان کے داغ میں ایک غلمان تھا۔ وہ یہ کہ گیا گورنٹ لالچ میں آنے والے طلباء اسی قدیم سیار کے محل آئے۔ کیا اس کی شانِ حب معمولِ لذت ہے گی؟ کیا اس کی رعایت میں فرق تو نہیں آئے گا؟

حبیبہ خاتون گڑبڑ سے کا آخری دن آیا تو وہ صبح سے بے چین رہے۔ ہر چند وہ میں منٹ کے بعد ہیہ لاک سے امید داروں کی تعداد اور ان کی استعداد کے بارے میں پوچھے جب شام کو پانچ بجے انہیں معلوم ہوا کہ انٹ ڈیڑن میں پاس ہونے والے حامید بدھل کی تعداد تقریباً ڈھائی سو تک پہنچ چکی ہے تو وہ خوشی سے اچھل پڑے اور بے ساختہ کہنے لگے۔ صوفی! ہمارے پکوں میں بڑی جان ہے! اس لالچ کو زندہ کریں گے۔

داخلے میں انہوں نے کیا کیا کچھ کیا؟ یہ وہی لوگ جانتے ہیں جو ان کے شریکِ کار رہے۔ انڈ جسنے انہوں نے کتنے جگے ہوئے پکوں کے ہاتھ پکچھے، کتنے نامہ ماراہ یوس انسانوں کی ڈھارس بندھائی۔ اس عالیشان محفل میں قدم رکھتے ہوئے کچھ تارکے والے قدموں کو سہارا دیا۔ ادا اس کام کے لئے انہیں محکمہ تعلیم، انڈیا، لاکھ کے آسٹون غرض میں جہاں جہاں جہاں پڑا لگے اور ادا لے کر گئے۔ ایسے مخصوص حالات میں انہوں نے لالچ کے لئے وہ کچھ کیا کر شاید کوئی دوسرا نہ کر سکتا۔

ایک دن چند بے تکلف احباب کی صحبت میں بیٹھے ہوئے کہنے لگے۔ دستو! تمہیں معلوم ہے گورنٹ لالچ کا فارغ التحصیل طالب علم جہاں کہیں بھی ہو سب میں ممتاز ہوتا ہے۔ اس کی حرکات و سکنات اس کلاب و لوج فرما جاتا ہے کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے احوال اور ہمارے معیار کی بدولت ہے۔ اب اور ایم اے کی کلاس شروع ہونے والی ہے میں سوچتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ اگر ہم نے انگریزی ایم اے کلاس کی طرح اسے بھی نہ سنبھالا تو معاملہ بگڑ جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد اس کی حیثیت ایسا فاضل اور خوشی فاضل کی سی نہ رہ جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اردو کی ایم اے کلاس کو ریورٹری سے الگ تھلک چلایا اور اس میں بڑی سرگرمی اور تندی سے کام کیا۔ اگر وہ امریکہ نہ چلے جاتے تو اس کے لئے کیا کچھ نہ کرتے۔

لالچ کے علاوہ ریورٹری میں بھی ان کی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں اور انہیں یہاں ٹھہرنے اور کام کرنے کا موقع ملتا تو یہ ادارے اللہ جلے کہاں سے کہاں پہنچ جاتے۔ لیکن حکومت ان سے اور خدمت لینا چاہتی تھی۔ انہیں بار بار باہر جانا پڑتا لیکن غیر حاضری میں بھی ان کا دل لالچ کی یاد سے خالی نہ ہوتا۔ چند مہینوں کے بعد جب وہ لوٹ کر آئے تو کچھ پوچھنے سے پہلے لالچ کے سامنے موڑ کو کھڑا کر کے (دھڑا دھڑا کر ڈالتے اور ایک خوشی کی لہر ان کے چہرے پر دوڑ جاتی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس جگہ کے ایک ایک ذرے سے لپٹ رہے ہیں۔

گورنٹ لالچ میں ان کی حیثیت محض ایک معلم، استاد یا پرنسپل کی نہیں تھی۔ وہ طالب علموں کو صرف پڑھاتے نہیں تھے، وہ زندگی میں ان کے مشفق رہتا اور دوست بھی تھے۔ طالب علموں کی ذہنی استعداد کو بڑھاتا، انہیں امیڈانا، ان کی محنتوں کو صبح راہ پر چلا دیتا، ان کی زندگی کو سوارانا، ان کا نیک اہم فریضہ حیات تھا۔ ادا ایک دل چسپ مشغلہ۔ اس کے لئے وہ نئے نئے تعلیمی، ادبی، تفریحی جیسے سہتے دیتے۔ مشغورے، ڈرامے، مناظرے

ادبی مجلسیں قائم کئے اور اس طرح طالب علموں کو بہت ہمارے کئے۔

لاہور کے شاہ ولی میں وہ زہرت سناٹ لے کر جاتا رہا۔ جس کی وجہ سے اس نے اپنی تعلیم کو ترک کر دیا۔ اس زمانہ میں ایک خاص حیدر علی خان تھا وہ خود اپنے اراکے نے جوڑتے خود لکھتے تھے ان کے اہل علموں کے ساتھ ساتھ ہدایت کار بھی ملتے انہوں سے ملائی میں ادبی سوسائٹیوں کے جلسے ہوتے ایک ایک روز مجلس قائم کی جاتے تھے اور سبھی مجلس کے مکان پر ہوتے تھے جس میں شہاب نے اپنے کچھ احباب اہل کچھ مخصوص طالب علم ہوتے تھے۔ ان مجلسوں میں علمی ادبی محاکمے یا صحافتات اور ایک نہایت بے نقابت لفظا لفظ میں ان پر بے رشتہ تنقید بھی کی جاتی تھی۔ تنقید کا مقصد تعزیر نہیں بلکہ تہذیب موتی تھی اس مجلس میں تہذیب ہونے والے اول اول صاحبان وہ نوجوان تھے جو آج اپنی علمی ادبی حیثیت سے اپنے اس کو چار چاند لٹا کے ہوتے ہیں۔ میر تقی میر اور آقا حیدر نے ان میں سے بہت سے تھے جنہوں نے بعد میں شہریتوں سے بے فوہن بھدی صاحب جہیز مولوی طور پر گرانٹ لاہور سے وابستہ تھے۔ انہوں نے اس ادارے کی یاد کو زخمی نہ کر دیا تھا اور وہاں بھی ہے اسے فراہم کیا جاتے دے جاتے ہیں کہ خود لاہور کی سر زمین میں ان کی یاد سے عالمی مذہبی راجہ جو جگہ ان کی محبت کے آثار نظر آتے ہیں وہ ان کے اہل سے ملتے ہوئے شاگردوں کے دل اس محبت کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں۔

اس لاہور کی مجلس میں جن استادوں کی یادیں ابھی آگاہ ہیں وہ بھی ان میں بھاری کی اور ان کے فرائض زمرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔
۱۹۴۰ء کی بات ہے۔ شام کا وقت تھا کہ پرغیر بھاری ادب میں بیٹے لاہور کی باتیں کر رہے تھے میں نے لاہور کی خدمی اور ادبی سرگرمیوں کے سلسلے میں کچھ تجویزیں پیش کیں جس کو بولے صوفی! یہ تو شعر ہے۔ تم نے ان سے اور میں نے سن کر داد دی۔
میں چپ ہو گیا۔

کچھ دینے کے بعد بولے: سنو! تم استاد ہو، ادب میں لاہور کا پرنسپل۔ سہرا نام اس درس گاہ کے نظم دست کو کسی طور پر آگے بڑھانا ہے میرے نزدیک وہ تجویز جو عملی صورت میں نہیں آتی خواہ وہ آسمان ہی سے کیوں نہ نازل ہوئی ہو محض ذہنی عیاشی ہے اور میں ذہنی عیاشیوں میں شعروں اور داستانوں میں غور کو ہی ترجیح دیتا ہوں۔

میں نے مرزا بیک کی ایک غزل جو اسی مذہبی مکتی سانی شروع کر دی۔
مات کچھ ہے مینی سی رہی۔ ایک مدت سے لاہور میں اردو کی تدریس شہانہ جاری کرنے کا ارادہ تھا۔ صبح ہوتے ہی میں نے ادیب فاضل بیک کی تدریس کا ایک مکمل پیش نامہ مرتب کر لیا۔ اور اس کی تین نقلیں بھی تیار کر دیں۔ شام کو یہ سب مجلس میں دے کر بھاری صاحب کے مکان پر پہنچا۔
انہوں نے پوچھا: شائع پھر کیسے آئے ہو؟
میں نے کہا: نہیں، گھر سے آئے ہیں۔
تو یہ پتہ کیسا ہے؟
میرے ذاتی کاغذات ہیں۔
ٹھیک، بیٹو۔

ان دنوں پرنسپل کے مکان میں سرکاری کاغذات کا غلط مطوع تھا: ایک کدو اور دوسرے کھاتے کرنے کے بعد میں نے گلچے گلچے اپنا لکڑی کا نام متاثر شروع کیا۔

میں نے کہا: "عام شائستگی کے لئے اردو کی اصطلاح نہیں۔ کوئی خاص حوالہ اختتام نہیں۔ ارادہ سچا لک میں ادیب فاضل کی ایک کلاس شام کو جاری کی جائے۔ اس کلاس کے جو نظم و نسق، ترتیب و تدبیریں اور اس مدرسے کا کھیل کھڑکی پر ہو۔"

مجبوراً معمول لکھنے سے یہ طرح اشعار ہیں،
میں نے کہا: "جی ہاں۔ مطلع سنا چکا ہوں۔ پوری غزل یہ اسی۔"
یہ کہہ کر میں نے کاغذات کا پلندہ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ اسے پڑھتے جاتے تھے اور ان کا چہرہ خوشی اور مسرت سے متناہا جاتا تھا۔ وہ بتاتا کہ میں نے وہ کچھ سال پہلے پوچھے جلتے تھے جواب دیتا اور کہتا: "آپ سارا سوادہ پڑھ لیں آپ کو معصوم ہمارے گا۔"

کاغذات ختم ہوئے تو بولے۔
"ہوں، گویا میں بھی پڑھاؤں گا۔"
"میں نے کہا: "آپ فقط پڑھیں ہی نہیں۔ استاد بھی ہیں۔"

کچھ دنوں میں۔
اس کے بعد انہوں نے ایک سنگٹ سنگٹا جس کا دھواں کھڑے ہی دھننے میں برآمد ہونے میں لگا ہوا تھا۔
شام کا کھانا کھانے کے بعد وہ مولہ کلام میں بیٹھ کر شہر میں گھومنے لگے جہاں جلتے اسی غزل کی قیامت ہوئی آہ پڑھنے کے ساتھ ہی اس طرح داد بھی دینے کے دوسروں کے منہ سے بے ساختہ واہ نکل جاتی۔ اہل فکر حضرات اور شوقیہ اصحاب نے اسے سراہا۔ اس تبیغی اعلان اور نثری پیرا میں آجی مات لگ رہی۔

صبح کی ریات لاہور کی گئی تھی، کچے کچے میں گشت مار رہی تھی۔ ایک ہفتے کے اندر تمام ضروری مراحل طے ہو گئے۔ حکماء، اجات، اشتہار و اطلاعات اور خواستوں کی طلبی، امیدواروں کی پیشگی، داخلہ پڑھاؤ۔
پروفیسر بھادی اپنے روزمرہ مشاغل میں خواہ وہ فرائض منجس سے تعلق رکھتے ہوں یا نجی ہوں ایسے ہی مستعدی سے کام لیتے تھے۔ زندگی میں ان کی کامیابی کا ب سے بڑا مایوسی ہے۔

قدرت نے انہیں غیر معمولی ذہانت عطا کی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی معاملہ فہمی اور جبرسی اس ذہانت کو ادب بھی چمکاتی تھی۔ وہ کسی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کے تمام امکانات پہلوؤں کو جانچ لیتے تھے اس کے حق و قبیح اور دور رس نتائج کو دیکھتے تھے بغاہر لیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوت عمل بڑی تیز تھی۔ کام کرتی تھی اور وہ کسی خیال کے کتے ہی اسے فی الفور عملی جامہ پہنا دینے کے عادی تھے لیکن فکر و بچا لیا ہے کہ وہ معمولی اقدام کے لئے بھی کئی دن تک فکر کرتے رہتے تھے۔ اس لئے بچتے جلتے پھرتے سرپتے تھے۔ دوسروں سے مشورہ بھی لیتے تھے اور اس مشورہ طلبی میں ایسے جن تذبذب سے کام لیتے تھے کہ بات بھی سمجھ جاتے اور کسی کو اصل مادہ کا چہرہ بھی نہ چھو جاتے۔ وہ اپنی جائزہ لینے کے بعد انہیں پورا اطمینان ہوجاتا تھا تب وہ قدم اٹھاتے تھے اور یہی کی سی تیزی کے ساتھ اس کام کی تکمیل کے لئے چلے جاتے تھے۔

کلاس کی تکمیل کے لئے دوسروں سے مدد لینے میں انہیں خاص فکر حاصل تھا۔ وہ اپنے عملی اقدام کا چرچا بڑی خوش اسلوبی سے کرتے تھے۔ ہستولی کی ہمدردی اور رفیقان ہمدردی امانت ہمیشہ ان کا ہاتھ بٹاتی تھی پھر ان کے کام کر کے کاروبار بھی آنا خوش آئند ہوتا تھا کہ وہ دیکھنے والوں میں بھی تکمیل کار کا ایک غیر معمولی دلدادہ پیدا ہوجاتا تھا اور وہ خود ان کے شریک کار بن جاتے تھے اور اس شرکت میں ایک راحت محسوس کرتے تھے۔

ملا لاری کے نہ نہیں ہوتی۔ لیکن جب کوئی کام کسی لاری کے بغیر معمول نام دندو سے بے نیاز ہو گیا جسے اللہ بھی دھروں کی خاطر کیا جسے اللہ پھر اس کام کو روک کر لایا جائے تو انسان کے دل کو غم و غصہ نہیں ملتی ہے۔ تاہل ہمتوں نے ہر کے کام کے لئے معلوم نہیں کہاں تک نہ چلے ہوئے کاغذوں پر پیپروں نے رسم کا کام کیا یہ بخاری صاحب کا دل ہی بتا سکتے ہیں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ ان کی چاکلہستی دونوں طرح اپنا ہر دکھا کے رہی۔

ایک مرتبہ ان کے رفیقوں میں سے ایک صاحب ریڈیو سٹی کے کسی کزن کی غلط کاریوں پر میں بہتیں مہمہ تھے۔ بخاری صاحب کچھ نئے بھائی صاحب! میری دوا میں یاد رکھو زندگی میں اکھٹا ہر تو کسی بڑے سے ملے پراکھٹا ہے۔ اللہ اپنے سے بڑے آدمی کے ساتھ اکھٹا چاہئے۔ وہ نہ انہیں آتا۔ انسان کی تو میں اللہ شیش فائغ ہو جاتی ہیں۔ وہ بڑا آدمی کو بھلنے میں کوئی شان نہیں بڑے آدمی سے تعاد ہر تو انسان کی استعداد کا ادھ بھی ملتی ہے۔ مجھے دیکھو! میں نے دیڑ لڑکی ملازمت کے دوران میں سیٹھ بڑے آدمیوں سے مل کر لی ہے۔ اور ان کے نفل و کرم سے کامیاب! ہوں؟

بظاہر ٹکڑا ایک ناگوار سی شے ہے۔ اور کاموں کی تکلیف میں ایک کاٹ سا نظر آتا ہے۔ لیکن جب اس کی بنیاد کسی بڑے کاموں پر ہو اور شکرانے والے اہل لوگ ہوں۔ تو اس سے مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ بخاری کی طبیعت کا خاصہ تھا کہ وہ سیٹھ ایسی کاموں سے خوش ہوتے تھے۔ کاموں سے ان کی طبیعت صلاہتیں اور استعدادیں ادھ بھی اکھڑتی تھیں ان کا بڑا کمال یہ تھا کہ وہ ان کاموں سے عہدہ برآمد ہوتے وقت کبھی ٹھکن یا سختی محسوس نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ خدا ان سے شکر لے دے اور ان سے شکست کھاتا تھا۔ تو اسے اپنی شکست کا اتنا احساس نہیں ہوتا جتنا ان کی عظمت اور برتری کا۔

دیڑ لڑکے ٹھکنے میں ان کا بالتدہج آگے بڑھنا اور آگے بڑھ کر ٹھکنے پر چھا جانا ایک ایسا ہی کارنامہ ہے۔ انہوں نے دس سال کے عرصے میں دیڑ لڑ کو درست اور شہرت دی وہ ان کی ذہانت اور مستعدی کی بڑی دلیل ہے۔ جنگ عظیم کے دوران میں دیڑ لڑ کو گرام ادھ بالخصوص خبروں کی نشر و اشاعت کا کام بہت ٹھکن تھا۔ اس بارے میں انگریز حکام اور ان کی پالیسی بارہا ان کے آڑے آئی۔ لیکن انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے ایک طرف ان کے تعذبات کی ردگ تمام کی۔ اور دوسری طرف اپنی پالیسی کے پیش نظر دیڑ لڑ کے وقار کو برقرار رکھا۔ خبروں کا اہتمام دیڑ لڑ کے پروگرام کا سب سے اہم کام ہے۔ اس کی اہمیت کو غالباً دیڑ لڑ کے ٹھکنے کے کارکنوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اسے موزوں بنانے بلکہ ایک نئی شکل و صورت لینے میں بخاری صاحب کا زبردست ہاتھ تھا اس میں ان کی شخصیت کا پورا پورا عکس نظر آتا ہے۔

انہیں نئی نئی تجویزیں سوچتی تھیں ایک مرتبہ جب معمول انہوں نے حکومت کو لکھا کہ دیڑ لڑ پروگرام میں بہت سی چیزیں مستقل اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر انہیں شائع کر کے صرف کر لیا جائے تو ایک ادبی خدمت بھی ہوگی جو نہ جنگ کا زمانہ تھا انہوں نے ایک دلیل یہ بھی دی کہ میں پروگرام میں جتنی پروچار کے عنصر پوشیدہ ہوتے ہیں۔ چھپ جانے کی صورت میں وہ بھی کارآمد ثابت ہوں گے۔ اس تجویز کا جواب کوئی آٹھ مہینے کے بعد معمول مہاراجہ روگن نے میں جہاں بہت سے دلائل تھے۔ وہاں ایک دلیل یہ بھی کہ جنگ اب جلد ختم ہونے والی ہے لہذا ایسے مواد کا چھپنا بے موقع ہے بخاری نے اس دلیل کو پڑھ کر لکھا کہ اہل دست، لیکن اگر بھاری حکومت اسی وقت سے کام کرتی رہی تو اس میں ۱۰ لاکھ بھی جلد ختم ہو جائے گا۔

پہلے کے معنائیں بخاری صاحب کی مزاجیہ طبیعت کے کینڈہ دار ہیں۔ مزاج بخاری بخاری بھاری ملی پھٹی ٹھٹھ ہے لیکن طنز نگاری کی طرح ایک طبیعت ہے کہ ہر کائنات کے لئے ایک بڑی شخصیت کی مزدت ہوتی ہے۔ جب تک کسی شخص میں غیر معمولی ذہانت اور فطرتی شایستگی ہوتی ہے تو

فکرت و زبان کی قوت نہ ہو وہ کامیاب مزاج نگار نہیں ہو سکتا۔ انسانی عمل میں بعض حکمت بڑی مظلوم ہوتی ہیں لیکن ہر انسانی آنکھ انہیں نہیں دیکھ سکتی۔ ایک مشاہدہ کار انسان انہیں بروئے کار لاتا ہے اور ان کا اظہار لطیف اور شگفتہ انداز میں، اس طرح کرتا ہے کہ وہ قوت شعور سے ابھر کر جاگر بھاتی ہیں اور ہم ان انسانی مغزشن کو دیکھ کر سکاہت میں بخاری کی نظر بڑی وسیع اور گہری مٹی اور پھر اسے بیان پر قدرت حاصل ہوتی۔ اس لئے وہ بے ساختہ ان حکمت کو دیکھتے سمجھتے اور چمکاتے رہتے ہیں۔

ذکرہ بالا ریاضی اس قدر اہم ہے کہ اس پر مہماندار وہ کامیاب ہوتا ہے کہ اسے دفتری سرخ نیلے کے سطح کی ایک کڑی سمجھ کر مال دیتا، لیکن بخاری کی نظر اس کے تمام پہلوؤں پر پڑتی تھی۔

شاعروں کی بے طرحی سے کون واقف نہیں اور شہروں کی گندی حالت کو کون نہیں جانتا لیکن "کتے" اور "دھور کا جھونپہ" بخاری ہی لکھ سکتے تھے۔

بخاری کا مزاج اور انداز ان کی تقریریں تک ہی محدود نہیں ان کی تقریریں بھی مزاج سے مزین ہوتی تھیں وہ بڑے سے بڑے اہم اور سنجیدہ مسائل پر بحث کرتے ہوئے اسی حربے کو کام میں لاتے تھے۔ احباب کی محبتوں اور عام موقعوں پر بھی اسے بے ساختہ استعمال کرتے تھے۔ یہی وہ ہے کہ ہر لمحے میں ان کی فکرت و نگاہ کی دو کامزائیں جاتی تھیں اور لوگ پہروں ان کے پاس بیٹھے سے نہیں اٹکتے تھے۔

لیکن اس سے یہ اعلانہ نہیں لگانا چاہیے کہ بخاری کی ذات میں جو کشش تھی وہ معنی ان کی مزاج گوئی کی وجہ سے تھی۔ بے شک ان کا مزاج غلے داروں کے دل میں ایک شگفتگی پیدا کرتا تھا لیکن انہیں قریب سے دیکھنے والے جانتے ہیں کہ ان میں خصوص بھی تھا وہ اپنے عزیزوں، دوستوں اور عام لوگوں سے بڑے رکھ رکھاؤ سے ملتے تھے۔ اس رکھ رکھاؤ میں درست دہری بھی ہوتی تھی۔ اور سلیقہ بھی عام طاقتوں میں جہاں انسانی منافقت کام کرتی ہے وہ اس آسانی سے بات کرتے تھے کہ طبیعت کو خوش نگہ معلوم ہوتی تھی وہ چیز چھڑا دے مگر تھے لیکن اس چیز پر محاورے ان کی مراد کسی کی دل آزاری نہیں بلکہ اس سے لگاؤ کا اظہار ہوتا تھا۔

بخاری صاحب کو اپنے ان کوششوں کا پورا پورا احساس ہوتا تھا بلکہ وہ دوسروں پر اکثر ایک خاص تفرق محسوس بھی کرتے تھے اور اس تفرق سے دوسروں کو اپنے مطابق چھاننے بھی بہتے تھے جہاں کہیں ان کی طاقت لسانی کارگر نہیں ہوتی تھی اپنی مزاحیہ فکرت کو چھڑو کر کوئی ایسی حرکت بھی کر سکتے تھے جو دوسروں کو چپ کر سکے یا انہیں شکست دے سکے۔ ۱۹۴۷ء کے اواخر میں جب قومی زبان کا مسئلہ پیش ہوا تو بنگال کے ایک صاحب قلم بزرگ نے بنگالی زبان کی حمایت میں بڑی پڑودہ تقریر کی۔ بخاری نے اپنی بذریعہ انہوں سے انہیں بہت کچھ مرعوب کیا تاہم لیکن غلط خواہ کامیابی نہ ہوئی دوسرے روز وہ بزرگ اپنے قلم کی تائید میں کچھ اعداد و شمار پیش کرنے والے تھے۔ بخاری صاحب کو ایسے سو سے کچھ ٹوڑ ہونے کا اندیشہ تھا کہ آپ ان کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ اچانک آپ کی نظر ایک کاغذ پر پڑی "نارنگے"، جوڑ ہوئے اعداد و شمار کا پلٹا ہے۔ انہوں نے چپکے سے وہ پلٹا نکال لیا جب وہ بزرگ پر جو سن خیالات کا اظہار کرنے کے بعد اعداد و شمار پائے۔ اور غلطی پر ہاتھ ٹٹا تو قائب تھے۔ پریشانی میں چپوں کو ٹٹولتے رہے اور یہ معصوم صحت بنائے ان سے سہمنا نہ استغناء کرتے چلے گئے۔ ان کی بدحواسی پر محض میں ایک کبرام سامعین کا رنگ مجھ گیا تو بھاری نے اچانک جبکہ کمریز کے نیچے سے وہی پلٹا اٹھا کر انہیں دکھایا اور بھولے انداز میں کہا۔

"آپ یہ تو نہیں تلاش کر رہے؟"

اس پر ایک زوردار تہقیر لگا اور ساری بات ہنسی خان کی نظر ہو گئی۔

”سداوی بخاری صاحب کا شہوہ ہی نہیں ملک بھی تھا۔ اگرچہ اس دورت مدی میں گرم جوشی اور ذرط بات کا اظہار بہت کم ہوتا تھا۔ وہ آجہن اور آنسوؤں سے زیادہ جذباتِ محبت کے اقبال اور اخلاق کے قائل تھے۔ اس بارے میں ان کا رزم جوش دلِ مغرب کی حکِ فضاؤں میں سس لیا، سنا تھا۔ دراپنی آگ کو باسے رکھتا تھا۔“

بطور دیکھو بخاری صاحب پر سہ صاحب آگ تھے۔ ان کی وضع قطع، ان کا لباس، ان کے اسٹے بچنے بچنے پہننے، کھانے پینے، باتیں کرنے سے پرہیزی، اندازِ ٹپکتے تھے وہ سترقی طرز و دو باش پر اکثر پختیاں کتے رہتے تھے۔ ان کے ساتھ بازار میں گھومنے بیٹے معلوم ہوتا تھا انہیں یہاں کی کوئی حرکت بند نہیں۔

”وہ دیکھو، ستر بند کے ساتھ انگریزی قیص۔“

”سماں اللہ چلی کے ساتھ تپون۔“

”لہائی اور شوار کیا کہنے۔“

”یہ شخص بازار میں کھڑا کباب کھا رہا ہے۔“

”یہ دیکھئے اس نے بائیسل بازار میں بغیر شاہے کے گھما دی۔“

”اور یہ چار آدمی صفت باندھے چلے جا رہے ہیں میں موڑ کہاں سے گزروں۔“

یہ فقرے مسلسل آپ کے کان میں چرس گئے، اہل آپ انہیں سنتے سنتے اپنے ایک بند اپنے آپ سے بزار ہو جائیں گے۔ آپ کو اپنی کم سداوی کا احساس مہلے گئے گا۔ جو غامی آپ میں نہیں وہ بھی نظر آئے گی۔

لیکن اس سے آپ یزہ سمجھیں کہ بخاری صاحب مغربی طریق زندگی کے قالب سے نکلے ہوئے ایک مجسمہ تھے اور ان میں کوئی طرح نہیں تھی ان کی صورت شکل مغربی اور مزاج شرقی تھا ان کی ذات مغرب و مشرق کا تضاد نہیں بلکہ ایک لطیف امتزاج پیش کرتی تھی۔

ان کی مشرق مزاجی کو دیکھنا ہرگز انہیں گھر کی چار دیواری میں دیکھنے جہاں ہر شے مغربی انداز میں جلوہ گر ہے لیکن جہاں زندگی کی حرکات کلچر مشرقی نظام میں سانس لیتی دکھائی دیتی ہیں۔ وہی بے پروا، لاابالیانہ پن، وہی بے تکلف گفتگو، وہی خلوص ہمیز میل ملاپ، یوں معلوم ہوتا تھا، جیسے لٹن یا یوگیاک کے کسی مکان میں دلی کے بلی ماروں کے محلہ والے اچانک آجے مول، اور وہ ماحول کے لئے اچھی اور ماحول ان کے لئے اچھی ہو۔

کوئی یہ اندازہ نہیں کر سکتا کہ دن بھر اتنی باقاعدگی، استعداد سے مشین کی طرح مسلسل کام کرنے و ملازمت کو کیونکر جالگام کلا لیکن بخاری صاحب کی شب بیداری کو ان کے ساتھ راتیں گزارنے والے ہی جانتے ہیں۔ رات کے دس گیارہ بجے کے بعد گھر سے گھومنے کے لئے نکلن ان کا روزمرہ کا شہوہ جو معمول تھا، کوئی مقصد، کوئی منزل مقصود نہیں معنی گھومنا اور گھومتے گھومتے کسی، زمانہ سرگ کے کٹاے کھڑے ہو کر گھٹاں گھیں ہٹنا، یہ تھی ان کی تفریح جس میں ان کے تمام ہم قدم، دوست، بابائے شریک ہوتے تھے۔ جہاں نہیں کو کوئی شب خیز اس ٹوب سے محروم نہ جائے بیل کے بقیں اشار، ٹیکسٹر کے ڈرامے، ایڈٹ کی مورد نگاری، فوٹو کے افسانے اپنی خوش گیسوں کے تحت میں آجاتے تھے۔

راتوں کی یہ بیداری ان کے روزانہ ماحول میں مغل نہیں ہوتی تھیں طرح دوستوں کو ایک ایک کر کے جمع کیا تھا اسی طرح ایک ایک کو گھر پر چھوڑنے کے بعد وہ بستر پر کھینچتے تھے اور ایک آدھ گھنٹہ آرام کرنے کے بعد صبح معمول اٹھ کر روزمرہ مشاغل میں کھو جاتے تھے اور اس معمول پر

دوستی سے لاریبند نہ ہو، اگر بی غیر بنے یہ یقین کا ہے تو وہ ان کے گھر سے بے یقین اور ان کی زبانوں سے ایک جہاں بھائی درمیان، غم و فراق
 قریح و کھتے کی طرح کہے قاعدی اور ان سے بے یقین ہے۔
 بنیاد پر انہوں نے ان کو بھروسہ کے بعد کیا ہے، یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہے جو ان کی زبان سے بھائی درمیان، غم و فراق
 کہاں ہے؟

میرے کنبہ: ریڈ فورڈ نے یہ کہنا شروع کیا؟

مکمل نہیں، یہی بوجھ تھا۔

ان کا غلبہ یہ جو خاک میں آتا تو انھیں ہوا کا راستہ دے۔ سب سے پہلے انھیں منجھنی سے نکل جائیں۔ جو ان کے لیے ایسا درستی ہے۔
فرانچین نے کہا: اے والد! کدہ بند ہے۔

یہی روئے زمانہ ہے جس کے ایسے دوست سے ملنی کو ہماری قوموں نے بڑی سختی سے مراغہ و بادستہ اندر غیر معمولی نقص پر مائل
اور اسٹیفٹے لکھ کر ان کے جواب لکھا انہوں نے جس قدر امرانہ دورے اور سفر کیا وہاں کہا بات یہ ہے آپ انہیں سے جواب
دینے کے بعد بخدی صواب سے دوست کے زمانہ پر بھیجئے، پھر جواب کے ساتھ دینے کے لئے

پروغنیہ بھارت کی دولت ایک جامع مضافات تھی کہ اس کی اوقات یہ ہیں اس سے متاثر ہے کہ بابت بہت سی شخصیات کو سے ایک مرتبہ
اس کے رجعت مرنے سے دیا ایک معاملہ فہم ہوش مند تھے سے غور ہو سکتی علم و دانش کی درس گاہوں سے ایک سینکڑن اولیٰ بس موداد اب بہ
خوش فکر خوش نگار شاہدار پٹنہ کا نام کہ رہے تھے

یہ سب کچھ ہے لیکن ان کی موت ان کے دوستوں کے لئے ایک بہت بڑا عارضہ ہے جب یہ مریض کی فطرت نہیں مریض کی روح اب مخلص شفیق دوست کو گم ہو گئی ہے۔ یہی مرگ دنیا میں کم پیدا ہوتے ہیں۔

بھاری صاحب میرے محترم استاد بھی تھے۔ رفیق کار بھی اور پیارے دوست بھی۔ میرا ان کا تعارف ۱۹۰۷ء میں ہوا اور اس کے بعد تیس سال کے عرصے میں ان کا احترام، ان کی سہرا اور رہنائی اور خلوص دوستی ایک عجیب، معجزانہ کے ساتھ ان کو مجھ کی اور گرامی رہی۔ ان کی خوشنودی، ان کی بذلہ گوئی، ان کے نتیجہ جہاں دوستوں کی محفلوں کو مقرر تھے وہاں ان کی پرسن فاموش گرم جوشی اور بہت اور شفقت کی تڑپ، احباب کے کھلی دلوں کی آبروں اور آسروں کا ساتھ بھی دیتی۔

آخری بار جب وہ امریکی سے لاہور گئے اور چند روز یہاں ٹھہرے تو ایک بار پھر یہ غمگین جاگ اٹھیں اور زندگی کی بہت سی یادیں پھر اُنہیں ہرگز نہیں ایک بات کو تقریباً ایک سال گزر چکا ہے لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابھی وہ کل ہمارے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ کتنا تازہ تھا ان کا پیارا دم گئی تیرہ مئی ان کی یاد۔ ان کی ایک نظر زندگی کے بہت سے گوشوں کو تازگی اور ایک بات کہی ایک سوئے ہوئے جذبات کو اُکائی تھی۔ ان کے پاس بیٹھے سے دل کی گم شدہ دنیا میں اُتر کر آنا، ہوجاتیں۔ اور زندگی بچے کو اُن میں سے لے کر اُنہیں ہر شے بھارتی ملی جاتی۔

ان کی کنسی بات ہے جو ردہ کہ نہیں سنا لیکن وہ جب کبھی کچھ عرصہ ملک سجاہدہ کراہہ میں آتے تو یہی کہتے۔ دوستوں غریبوں میں تہجد یا دو بہت سنا تی ہے اور اس یاد کے ساتھ ساتھ کھن کی محبت اس کا احترام طوفان جذبات بن کر لوگوں میں دوڑنے لگتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ انسان کا ہر قدم منزل دوست کی طرف اٹھ رہا ہے جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب کی طرف۔ اہل انظار میں پیک پیک کر جا رہا ہو۔ تم لوگ

یہاں میرا کراس بات کا خازن نہیں کر سکتے۔ اس کو میرا دل ہی جانتا ہے۔

مجھ سے بخاری کی بدائی کا حال نہ پوچھئے۔ ان کی محبت، ان کا مسلسل غلوں، یہ احسان احسان کا احساس بہت تیز اندازہ دیتا اور خیال ہوتا کہ زندگی تو کیا اپنی سرت بھی اسی لئے آنسوؤں کا سہارا لے گی لیکن کیا خبر مگر ان آنکھوں کو ان کے فراق میں آنسو بہا لے پڑیں گے۔

کتنی بدایوں کے کھائے ہیں زخم دل پر
کتنی محبتوں کے ماتم کئے ہیں ہم نے

ضابطہ بے ضابطہ

عشرتِ رحمانی

مت سہل ہیں جان پر تاج ہے قلبِ برسوں،
تب خاک کے رستے سے انسان نکلتے ہیں

بات ۱۹۳۴ء کی ہے۔ دہلی میں آل انڈیا ریڈیو کا قیام میں میں آچکا تھا۔ محکمہ کے کنٹرولرز زمین و طبقہ انگریز سرٹرائٹل نیلڈن، انٹیشن ڈائریکٹر
سرٹرائٹل نیلڈن اور پروگرام ڈائریکٹر ڈیڈو افکار علی بخاری (ریڈیو پاکستان کے سابق ڈائریکٹر جنرل) آتے۔ ان کے علاوہ آغا محمد اشرف (منیرہ آزاد) ندیم آباد
سرمنیازی جیسے اہل فن حضرات بھی علاقہ کے رہنے والے تھے۔ سرٹرائٹل نیلڈن خود ایک اہل علم ہونے کے ساتھ نشریات کے روزے بھی کھا تھا۔ واقعہ جہاں باب
ہنرمندوں نے جمع کئے تھے ان کے لئے ایسے سرگرمی کی تلاش تھی جو ان کی صحیح قیادت کی اہمیت رکھتا ہو۔ وہ ملک کے لئے نشریات کا مزدور نہ ہو بلکہ ملک کے
ان کو مناسب طریقہ پر چلا سکے۔ چنانچہ سرٹرائٹل نیلڈن نے برصغیر کی تمام ریڈیو سٹیشنوں کو واسطے بھیجے کہ وہ اپنے اداروں سے ایسے نافع اہل علم و سرپرستوں کو اس کام
کے لئے بھیجیں جن کے تعاون سے وہ اپنے دست و بازو مضبوط کر کے باضابطہ کام چلا سکیں۔ چنانچہ کئی اداروں کے اہباب اقتدار نے چند اہم شخصیتوں کو منتخب
کئے۔ سرٹرائٹل نیلڈن سے ملاقات کے لئے بھیج دیا۔ ان میں دو نام خاص تھے۔ ایک مسلم ریڈیو سٹیشن علی گڑھ کے پروفیسر رشید احمد صدیقی، دوسرے گورنمنٹ کالج
لاہور کے پروفیسر سید احمد شاہ بخاری پطرس۔ یہ حسن اتفاق تھا یا حسن انتخاب کہ یہ دونوں حضرات اردو کے مشہور مزاح نگار اور جہاد پادے ادیب بھی تھے اور
ادب انگریزی کے پروفیسر بھی۔

نیلڈن صاحب نے تمام منتخب حضرات کا ملاقات کے دوران میں ضابطہ بے ضابطہ جائزہ لیا اور سید احمد شاہ بخاری کو اپنا دست راست
منتخب کر لیا۔ سرٹرائٹل نیلڈن نے برصغیر کے قیام کے دوران میں آغا محمد اشرف سے اردو پر بھی ملتی لیکن یہ استعداد معمولی تھی۔ وہ بخاری صاحب کی اردو ادیب
کی حیثیت سے بہ مثال تحریروں کا اعجاز تو نہ کر سکتے تھے لیکن ابتدائی ملاقات میں ان کی شخصیت و کمال کا کوئی جائزہ لے کر اس حقیقت کے متقرن ہچکے
تھے کہ پطرس بخاری انگریزی زبان و ادب کی مہارت میں اس برصغیر میں منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔ اور اپنی طباعتی غیر معمولی ذہانت اور مہارت علوم و
فنون میں واقفیت دیکھنے کے سبب ان کی متنوع شخصیت گونا گوں کمالات کی حامل ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ باخبر حضرات اس
حقیقت سے بھی طرح آشنا تھے اور یہی کہ پطرس بخاری کی مختلف سوانحی، تہذیبی اور سماجی گہرائت و ذہانت ہر سطح اور ذہنی اہلی میں ان کی ذات کو ممتاز
بلکے رہتی اور بڑی سے بڑی مجلس میں ان کی صفات غالب دہائیاں نظر آتیں۔ بلکہ وقت ان کو متحدہ و یکپارہ اردو، انگریزی، فارسی، پشتو اور

بجاری صاحب کی بے مثال شخصیت کے رموز نکات اور ادبی کمالات سے تو ہر عام و خاص بخوبی واقف ہے اور پوس کی حیثیت جاننے والے ان کے طنز و مزاح کی بے مثال خرمیوں کے دلی ماح میں لیکن ایک باقاعدہ سرکاری اور اصطلاحی معیت سے مراد وہی لوگ ان مختصر شخصیت سے آگاہ ہیں جنہوں نے ان کے تحت مجاہد راست یا بالواسطہ حکمہ نثریات میں کام کیا ہے۔ بجاری صاحب اپنی کمزور دہری کھٹے کر میں اور جیسے اسی حکمہ میں پروگرام اسٹنٹ کی حیثیت سے داخل ہوا یہ ۱۹۳۹ء کا زمانہ تھا اور میں اس وقت دہلی کے ایک اصطلاحی ادارے سے فٹھامیر سے اڑے اور تقریریں دہلی کے ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہو کر تھیں۔ دہلی میں رہتے سات آٹھ سال گذرے تھے۔ میں اور چھوٹے بجاری و دیگر اصحاب کے قدیم رکن تھے۔ بڑے بجاری صاحب سے مجھے نیاز مندی کا شرف حاصل تھا۔ ایک مجلس میں نثریات پر بات ہو رہی تھی۔ بحث کے دوران بڑے بجاری صاحب نے بڑی شفقت سے حاضرین میں سے چند اصحاب کو مخاطب کر کے مشورہ دیا بلکہ ڈانٹا کہ آپ لوگوں کو ریڈیو کے حکمہ میں باضابطہ

پنہاری صاحب کی یہ شہداءِ نبوت اور محبوبِ گردِ دل کو سنبھالیں، لیکن دہلی کی مقلات لائیاں سارا ملک میں سننے پر کبھی وعین کیا: آپ

مسعود پڑھا۔ صحت علی کا بار نہ لیا۔ اور پھر خود مہلتے ہی سے ملاقات کے لئے شریعت سے گئے۔ کوئی گھڑا بعد بھری صاحب بیڑا، پیش رو پس آئے مہلتے ہی ان کے ہمراہ تھے۔ سجائی صاحب سارا سہتے، اور مہلتے ہی ہوش تھے۔ اسٹیشن ڈائریکٹر نے فرسے میں میری طبیعتی ہوئی۔ سامنے پہنچے ہی مہلتے ہی نے بڑی خندہ پیشانی سے اچھٹ لایا اور بولے: میری غلط فہمی بھی محنتی گمراہی کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ ہماری صاحب نے مسرت سے ہلکے جھپٹے کا اشارہ کیا اور بولے: آپ بزرگ ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی محبوبان امتیاز کی ستا معنی ہیں۔ معلوم نہیں سخی صاحب کی حکمت عملی، شگفتہ بیانی سے مہلتے ہی پر کیا جا دو کیا کہ وہ اپنی ساری شغف بھری کراسی رات مجھ کو تقریر لکھنے پر آمادہ ہو گئے، اور انہوں نے خودی اجازت کے مزید کرنے اور ہماری دوستی کا دم بھر نہ گئے

حقیقت یہ ہے کہ یہ بخاری صاحب کے علم و فضل اور حسن گفتار و کردار کی ثبوتی تھی جس نے اہل اندیاز بیڑے کے محکمہ کو ایسے مفاتیح زمانے میں فرقہ دارانہ تفرقات سے معاف کیا تھا۔ علی کے اگلے واسطے اراکین میں ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی سب فرقوں کے خاتین حضرات شامل تھے۔ نیک باشت کے چند ہر اسٹیشن پر اکٹا دو بیگمات کے رہا ہوا تھا۔ ہندو مہلتے بار بار اس شہر کی توجہ اندازی کی کوشش کی۔ خصوصاً اردو زبان کو مٹا کر ہندی رائج کرانے کی بڑی جدوجہد کی۔ مگر مہاسیجائی جوڑ توڑ بخاری سے کہنے پر حکت نے ڈھچکڑ کھ دئے۔ نام بدل گیا مہلتے کی ہوا مگر زبان کی سلامت اور چارہ بدلنے نہ پایا۔ اور جب ایک دلت آیا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے زبان "درسمان دونوں کے گلے پر پھری چلائی تو انہوں نے حکم کھلا اٹھا کہ کس اس عہدہ علیہ سے سبکدوشی اختیار کرلی۔

جب کانگریس کی حکومت برصغیر پاک و ہند میں قائم ہوئی۔ اس وقت سردار پٹیل جو کہ مہاسیجائی ذہنیت کے مالک تھے محکمہ صحت و نشریات کے وزیر مقرر ہوئے مہاسیجائی نے کسی وزارت پر تکیں ہوتے ہی محکمہ نشریات میں بند و گردی کا آغاز کر دیا۔ زبان ہندی، پروگراموں کی ترتیب ہندی اور سرکاری کے لئے احکام نافذ کئے گئے کہ تمام پیشہ ور مہاسیجائی خواتین گلے کے پروگراموں سے یک قلم خارج رہی جائیں۔ ظاہر ہے کہ شوقیہ گلے والی خاتین سے مراد صرف غیر مسلم خاتین تھیں۔ بلکہ وقت مسلم دشمنی اور ہندو فحاشی کی پالیسی رتب ہو گئی۔ اردو زبان کی جنگ حکم کھانہ ہندی کا درجہ بجا ہوا۔ ڈائریکٹر جنرل بھٹنچاری نے پہلے تو ڈیزیل کو سمجھایا بھیاکار، اس انداز سے پروگرام بے جان ہو جائیں گے۔ جس زبان اور آواز شٹ دونوں کے ملکہ مناسب اور موزوں طریقے سے مل کرنا چاہئے اور ایک متوازن و خوشگوار سب تاہم رکھنا چاہئے۔ لیکن مہاسیجائی کا منشا ہی کچھ اور تھا وہاں تناسب کی جنگ فاسخ کا مسئلہ زیر نظر تھا۔ چنانچہ بڑی ہوشیار صاحب خرد و حوصلہ مند بخاری نے اس بے بسی اور بے اختیار کی سخت اس اعلیٰ عہدے کو قبول کرنا اپنی کسر شان اور موجودہ پالیسی کو اختیار کرنا اپنی دیانت و بات کے منافی تصور کیا۔ بخاری صاحب کی سخت کالچ لاہور واپس آئے احوال انڈیا بیڈیور کے ڈائریکٹر جنرل ایک ہندو مہلتے (مجھ سے اسلم کے مطابق) مقرر ہو گئے۔ بخاری صاحب نے اپنے اصول اور ایمان ایتھن کی قرآنی گوارائی رجاء و منصب کی طلب میں تسلیم فرمایا۔

بخاری صاحب مناظرہ و دفاع کے سختی سے پابند ہونے کے باوجود ہر معاملے کو چٹکی بجاتے باطن باتوں میں لے کر دیتے تھے مشکل سے مشکل مسئلے کو نہایت خندہ پیشانی سے باہر مل کر ان کے مقابلہ کا فائدہ تھا۔ ان کی مقابلہ کی زندگی کے بے شمار واقعات و مطالبات مشہور ہیں جن کا بیان اس مختصر مضمون میں دشوار ہے۔ وہ اپنے تمام باہمت اہلکاروں سے ایک لفظ آخر سے زیادہ ایک واضح شغف کا سلوک اختیار کرتے۔ ہر شخص کی ذہنی صلاحیت اور قابلیت کو کوئی پرکھتے۔ اس کے ساتھ اسی انداز سے ہم کلام ہوتے اور اس کے عین مطابق رہتا کرتے۔ شگفتہ بیانی ان کا خاص کمال تھا۔ اور ہر شخص کے ساتھ گفتگو کے بعد ان میں اس کا دل مردہ لینا اور بڑی بے ڈی شخصیت پر چھاما جانا ان کا اہلکار شہر تھا ان کے علم و عہدہ تھا۔

میں سیاسی میڈر سرکاری افسر بن گئے۔ پرنسپل عالم خاں اور ادیب و شاعر سب ہی تھے لیکن سب ہی کو ان کی لیاقت اور حسن گفتار کا معترف پایا ان احباب میں سے اکثر ان کے منہ بول کے کاس میں منہ نشین بھی کرتے لیکن وہ تمام معاملات میں وہی فیصلہ کرتے جو حق و حیات کے مطابق ہوتا۔ لہذا یہ کہ خلافت فیصل کی صورت میں بھی کسی کوتاہیت کا موقع نہ دیتے۔ اور بڑے اطمینان و سکون سے اس طرح سمجھا کر مال دیتے کہ صاحبِ ممالک مطمئن ہوتے پر مجبور ہو جاتا۔

بھاری صاحب کا حکامہ بڑا زبانی تحت اسرار ہی کے ساتھ شفقانہ نہیں تھا بلکہ تمام درجوں کے ملازمین کے ساتھ بھی پند و چتھا ہر اہل کامان کے حسن سلوک اور اخلاقِ حمیدہ کا دیدار اور معترف تھا۔ ماتحت عوام میں جو ادیب، شاعر اور ان کے دوست احباب شامل تھے ان کے ساتھ دفتر میں نہایت با محاذ اور با کادھہ ڈائریکٹر جنرل نظر کرتے لیکن کبھی معصوموں میں اسی انداز کی بے تعصبی ہوتے جس حیثیت کے تعلقات ہوتے۔ مثلاً ایک پابندی کا یہ حال تھا کہ ایک بار اسٹوڈنٹ کے محافظ نے ان کو سببِ منال پر مٹ دیا اس کے اندر داخل ہونے سے روک دیا۔ نئی دہلی پارلیمنٹ اسٹریٹ کے براڈ کاسٹنگ اسٹیشن میں بالائی منزل پر ڈائریکٹر جنرل کے دفاتر تھے۔ اور زیریں منزل میں دہلی اسٹیشن کے دفاتر اور اسٹوڈنٹز واقع تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک دن بھاری صاحب اپنے دفتر سے الگ کمر میں مسائز اسٹوڈنٹز کی عمارت میں جانے لگے۔ اسٹوڈنٹز کے دروازے پر محافظ موجود تھا جس کا پہلا فرض یہ تھا کہ وہ اندر جانے والے ہر شخص کو روکے اور اس کے پاس پرمٹ دیکھ کر دروازہ کھولے ورنہ باہر ہی روک دے۔ بھاری صاحب کا حکم تھا کہ اس مثلاً ایک شخص سے پابندی کی جائے۔ اور وہ خود پرمٹ کارڈ اپنے لئے بھی ساتھ رکھتے تھے۔ اس وقت اتفاق سے پرمٹ ساتھ لے جانا بھول گئے۔ محافظ نے سببِ منال پر ادب سے سلام کیا۔ اور عرض کیا: حضور پرمٹ؟ ڈائریکٹر جنرل بھاری نے جیب میں اٹھ ڈالا۔ پرمٹ کارڈ نہ پایا۔ خاموشی سے مسکرائے اور واپس اپنے دفتر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر آیا اور محافظ کی طبی کا حکم سنایا۔ ڈائریکٹر جنرل کو اس طرح بے باکی سے روک دیا۔ اب غیرت نہیں۔ "محافظ بے چارہ تھر تھر کانپنے لگا۔ مثلاً بے بسی ہوئی۔ اور محافظ جو ڈرتا اپنا حاضر ہوا تھا خوش خوش اگوتا ہوا اپنی ڈیوٹی پر واپس گیا۔ ڈائریکٹر جنرل نے اس کی فرض شناسی اور مستعدی کی تعریف کر کے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ اور کئی روز تک اس محافظ کو چمچے براڈ کاسٹنگ اسٹیشن میں ہوتے رہے۔

عام طور پر حکومت انگریزی کے زمانہ میں جب انگریزوں نے اپنے ماتحت دفاتر میں مسائز کی فرض سے جانے تو عمل کی جانب سے شائد۔ حیا نہیں ہوا کرتی لیکن بھاری صاحب جب کسی شہر میں ریڈیو اسٹیشن کے مسائز کو جانے اور دستور کے مطابق ان کو اشاف کی جانب سے دعوت دی جاتی تو وہ منظور کرنے کے بعد یہ شرط کرتے کہ دعوت کے مصارف ان کے ذمے ہوں گے وہ عاتقہ پر کھڑے کہ آپ لوگوں کا مقصد مجھ سے ملنا کہ ہے مجھے آپ سب کے ساتھ مل بیٹھنے سے مسرت ہوگی لیکن آپ کو جو خوشی ہوگی اس کی قیمت آپ کی جیبوں سے ادا کرنے کے بارے میں نہیں جتنا چاہا وہ ان دفتروں میں تمام اہل کاروں سے نہایت بے تکلفی اور غصہ پیشانی سے ملے اور بعد ازاں حیران کی مشکلات کا حامل دیانت کر کے ان کے حل تلاش دیتے۔ آل انڈیا ریڈیو کی تعمیر و تنظیم بھاری صاحب کی دانش و تدبیر کی رہنمائی تھی۔ نئی دہلی کے براڈ کاسٹنگ اسٹیشن کی تعمیر پر درگاہوں کی ترتیب، برصغیر کے تمام بڑے شہروں میں نشری مرکزوں کا قیام اور ان کا استحکام انہی کے ہاتھوں انجام پایا۔ ہندوستان میں نشریات کی توسیع کا جو کام ۱۹۴۷ء اس کے بعد عمل میں آیا اس کا خاکہ بھاری صاحب نے کئی سال قبل عمل کر لیا تھا یعنی چھ چھوڑ کر نشریات کا خاکہ لکھ کر جالی پچھلے کا دستور اہل انجمن لے تیار کر دیا تھا جس پر بعد میں عمل ہوا اور اس عالی دماغ اہل علم و بصیرت نے نشری دنیا میں اپنے تدبیر و حکمت اور فنِ اصلاحیتوں کے غیر معمولی جوہر دکھائے۔ قیام پاکستان کے بعد جبکہ پاکستان کے درمیان مکرر نشریات کے مسائل کی تعمیر کے علاوہ کئی د

جانی گئی۔ اس کے صدر و وزیر اعلیٰ بخاری صاحب ہوئے۔ اس طرح ریڈیو پاکستان کی زیر دہی اسی کے ہائی ہاتھوں سے پڑی اور ان کے دستِ ہمت بارے
عزیز سید ذوالفقار علی بخاری ڈائریکٹر جنرل مقرر ہوئے (جو حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں)۔

پیرس بخاری نے اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقبل نشاۃ کی حیثیت سے اہم خدمات انجام دیں اور ملک اقوام کا چہرہ
بن گیا۔ اقوام متحدہ کے حکمران نشیات اور اطلاعات کے شعبوں کی تعلیم کی مہم بھی بخاری صاحب نے انجام دی خصوصاً اقوام متحدہ سے روز نشریات
کے سلسلے میں ان کا بڑا اہم مقام۔

بخاری صاحب کی نگرانی، بیدار مغزی، اور گفتگویابی اقوام عالم کے سربراہان وہ خاندان میں مزب اہل ہو چکی ہے اور انہوں نے
اپنے حسنِ گفتار اور دانش و حکمت کا دنیا بھر سے لہذا منوالیا۔ لیکن اس میں اقوامی شہرت اور عزت و افتخار کے ناکہ مرنے کے باوجود ان کا دل وطن
اور اصحابِ وطن کے لئے ہمیشہ چین رہا۔ انوس کہ ان کی آخری صہرت برز آئی۔ اور وہ سرزمینِ وطن دیارِ بانیانِ وطن سے دوریدہ فیر میں سہینہ سہیہ کے
کے لئے سو گئے۔ یا رانِ وطن ان کے دیدار سے محروم رہے اور انہوں نے بین الاقوامی شہرت کے دامن میں مائی آسام گاہ جانی۔ ہم ان کے نام کاہم
اور گفتار و کردار کی یادگار پر عقیدت کے پھرن چڑھاتے رہیں گے۔ ع
بغاوتِ سخنِ آفرشد و سخن باقیست

پطرس علیم یوسف حسن

جنس بننے یا کھلنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی کی پشت پر بہت سی تغنیفات لگی ہوں یا اس کے سینے پر بہت سی تعمیری ڈگریوں کے طعانی نئے جھلکار رہ ہوں۔ جنس پیدا ہوتی ہے کہ اس کی غیر معمولی ذہانت ہی اسے اس درجہ پر پہنچا دیتی ہے۔

اس رجب مری کے نامور ادیبین 'دیار' ایک نظر ڈالی جائے تو زیادہ سے زیادہ ایک درجن ناموں پر نگاہ رکھتی ہے اور اس نظریے کے ثبوت میں کئی معمولی ذہانت کا ڈگریوں سے کوئی تعلق نہیں ہے تاہم پطرس کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔

تایثر میرا درست، میرا سچی اور نیرنگ خیالی کا یہ معادن تھا اس تھا فاسے۔ تیرم حوم کے مجھ پر بہت سے حق حقوق ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب تاثیر کیمبرج میں داخلے کے لئے پہنچے تو انہوں نے بی اسے میں داخل کیا۔ اور پطرس نے بھی بی اسے ہی میں داخل کیا۔ لیکن تاثیر نے انگریزی اس کے تعلق آنا کچھ چھوڑا تھا کہ اگر میں کہوں کہ وہ کئی لاکھ ریلوڈنگ چلا تھا تو اسے مبالغہ نہ سمجھا جائے۔ کیمبرج کے پرنسپل سے تیار خیالی ہوتا رہتا تھا۔ وہ اکثر کی غلطی واقعہ سے بے حد متاثر ہوتے اور انہوں نے اسے براہ راست ایم اسے میں داخلے کی اجازت دے دی اور پھر ایک اسے میں اس کی قابلیت کو جو ہر جگہ کیمبرج کے روبرو دستور کے مقرر نہیں بی ایچ ڈی میں بیٹھے کی اجازت کیمبرج کونسل کے ایک ایشیال اجلاس میں دے دی گئی۔ تاثیر کو بی ایچ ڈی کے لئے قرن وسطی کی انگریزی نظم میں بصورت کے رجحانات پر ترقی معارف تیار کرنا تھا۔ سوانہ ہی سے اس کی تنگ لاشی ظاہر ہے مگر تاثیر نے کیمبرج سے بی ایچ ڈی نمایاں حیثیت سے حاصل کر لی۔ شاید تاثیر پہلے ہندوستانی تھے جنہیں یہ نفیلت حاصل ہوئی تھی۔ تاثیر مرحوم نے اس واقعہ کی تفصیل اپنے ایک خط میں دی ہے۔ جو نیرنگ خیالی میں مشائخ ہو چکا ہے۔

پطرس جب بی اسے (کیمبرج) بن کر آئے تو ان سے ملاقات ہوئی تاثیر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بے ساختہ کہا۔ علیم صاحب! تاثیر وہاں پڑھنے تھوڑا گیا ہے۔ مگر پرنسپل سے کہہ رہے۔

تایثر اور پطرس کی کیمبرج کی ڈگریوں میں تعلیم تفاوت ہے۔ تاثیر کا انگریزی ادب پر محدود اور عقل ہے لیکن جہاں تک نظری ذہانت و تعلق ہے پطرس کا مقام بہت آگے ہے تاثیر اور پطرس کی انگریزی ادب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پطرس میں جو رنگین، طانت اور لک پائی جاتی ہے۔ وہ تاثیر میں موجود نہیں۔

تایثر نے بھی مزاحیہ رنگ میں چند معنائیں نیرنگ خیالی میں نکھے تھے جو ادب میں اچھا مقام رکھتے ہیں لیکن ہم انہیں پطرس کے مزاحیہ معنائیں کے ساتھ نہیں دیکھ سکتے۔

جس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو

آغا بابر

میں قلمت آج یہ چند متضاد خیالات خرقِ عقیدت کے طور پر پردہ فیروز بخاری حرم کی نذر کر رہا ہوں۔ یہ قلم چلانا انہوں نے ہی سکھایا تھا۔ وہ میرے ساتھ رہتے۔ مشفق تھے۔ زندگی کی جنگ، دینے کا اقدار اور سونہ پارنے کا جذبہ سب کچھ انہیں کی تہذیب و تربیت کا جھوٹا۔ ان کی ناگہانی موت سے خیالات اس طرح پریشان ہو کر کیا سکھوں کیا نہ سکھوں کا رشتہ ترتیب قلم کے قابو سے باہر ہے۔ دماغ جس جگہ کچھ کر رہا ہے جس تربیت سے آ رہا ہے اس طرح پیش کر رہا ہوں۔

غلام سسل است پریشان چوں زلف یار

نیچم ممکن کرد شب بچوں نوشتہ ام

گزشت کا وہ دور شہرِ دوستان میں سب سے بڑی اور سب سے پرانی درس گاہ تھی۔ اس کی تعلیم کا ڈھنگ، علمی و ادبی مجلس اور پرنسپل کی قابلیت کا شہرہ دور دور تھا۔ اس کے اس دور سے گزرتے۔ انہیں بھی فخر ہوتا اور پردہ فیروز کی بھی۔ جب میں فوٹ ایڈ میں یہاں داخل ہوا تو پردہ فیروز بخاری انٹرویو بورڈ میں تھے بلکہ بورڈ میں انہیں کی ملے چلتی تھی۔ گردن میں آپریشن ہونے کی وجہ سے ایک گڑھا سا چھوٹا تھا۔ جس کی وجہ سے نہیں کھینچ رہیں۔ شکل، صورت ایسا نہیں کی سی تھی۔ ان فوٹو سنٹر پر پرنسپل تھے۔ پردہ فیروز بخاری کی وضع قطع باتیں کرنے کا ڈھنگ اب اس اور اطوار سے یورپنی انداز شکار سی پردہ فیروز کی کیا مجال کہ گریٹ کے کمرے میں سگریٹ پیتے ہوئے ٹکس جاسے۔ مگر پردہ فیروز بخاری جب پرنسپل کے کمرے میں جاتے تو ہم کی ہول (K 57) میں سے دیکھتے۔ گریٹ کے سامنے وہ کمرے سگریٹ پیتے۔ دھواں فتنوں سے نکلتا۔ کبھی کبھی بیٹے تو دھواں منہ سے نکلتا۔ فتنوں سے۔ باتیں رہے ہیں دھواں غائب۔ اتنی دیر میں دھواں فتنوں سے نکلتا پھر منہ سے۔ یہ تماشا کہیں میں دیکھتا تھا۔ گورنمنٹ کالج کے چرلے کے پردہ فیروز کا یہ انداز اپنے مذہب و قار حسن اور کشش لئے ہوئے تھا۔ پردہ فیروز بخاری بی۔ اے کو ڈرامہ پڑھاتے تھے۔ تیری بڑی خواہش تھی کہ میں ان کی باتیں سنوں۔ ان کی صحبت میں بیٹھوں۔

اردو مجلس کے وہ صدر تھے۔ اجلاس ان کے مکان پر ہوتے تھے۔ وہ ان دنوں میٹرو ڈیوٹر پر منہ پھیر دیا ملک میں رہتے تھے۔ پہلی دفعہ مجھے وہیں پردہ فیروز بخاری کی باتیں سننے کا اتفاق ہوا۔ فیٹ کے برآمدے کی آرائش اور ڈاننگ روم کی سجاوٹ ہر شے میں مغربی اندازِ حیلہ و گھما۔ اسی مغربی اصول میں اردو مجلس کی فینک پھر ٹنگو کا انداز آئینہ تکلف، سب کے ساتھ خلوص آمیز میل ملاپ۔ اس مجلس میں مسیحا قیام علی تاج اور سالک صاحب بھی تھے۔ ان سے زیادہ میٹنگو کہنے کو بات بات کے مذاق سے عجب پھلجڑیاں اور مشاعرے چھوٹتے تھے۔ تین گھنٹے کی مجلس، بی، معرکہ و کٹ گردانے کا پرستہ۔

ان کی ذات میں مشرق، مغرب کا ہر حیف مزاج سمجھتا تھا۔ پہلی بہت ہی سی آئی اس سے متاثر ہوتا تھا کہ وہ بڑے سے بڑے
 ہمراہ سجدہ کیلئے پرکھتے گئے۔ اسے کس طرح، کس ذات سے، کس سے کہہ سکتے تھے۔ ان کے ہاتھ کی اس سبلی ساری محض گورنری تھی۔ ان
 کی شخصیت میں ایک ایسی گرفت تھی کہ وہ مزاح و مسخرے کی بجائے کسی کی تہذیبی تہذیبوں کے راج و کج تھے۔ گھر پر
 محض کی گھنٹی کی سیخ رہتے تھے۔ راشہ اور فیض کو جدید شاعری کے کل بے جا پڑا، خیالوں کی میں۔ شام و شادی کے بے دی میں جو
 ایٹ دی پور پوریکس (THE MAN WHO ATE THE POPOMACK) کا ریل پر ہے۔ انگریزی مباحثوں میں حصہ لے رہے ہیں ادب
 ان فلسفہ پر سیکھتا رہے ہیں۔ پھر آستینیں چڑھی ہوں ہیں، وہ تہ گرد آلود، ماسے کی ٹینک کی ٹھنڈی مٹی کی موری سے وقت کے ایک لمحے
 محاسن کا اس طرح میں پچھڑ رہے ہیں کہ ان کی تہی نامنی یہ نام ہے۔ ان کے کام کرے وہ طریقہ اتنے خوش تہہ ہوتا کہ دیکھنے والوں میں بھی میل مار
 ایک دواور جاگ اٹھتا۔ جو لوگ اسے کاروبار میں دیکھتے تھے وہیں لے جاتے۔ وہ دیکھوں کو یونیورسٹی ڈی سیٹ کے لئے تیار رہتے تو لوگوں کا یہی
 جی پاتا تھا کہ اس ڈی بیٹ کی گورنگ کی سلسلہ بنالیں۔ یہ بخاری کا ب کے غرض کا کہہ سکتے تھے۔
 مولوی تہہ پنے ایک معنوں میں تھے ہیں کہ۔

• بخاری کا مقولہ ہے کہ کسی کام کی صحیح تکمیل کے لئے انسان میں محض شوق نہیں بلکہ چسلا
 ہونا چاہیے چنانچہ وہ جب بھی کسی کام کو کرتے ہیں تو دیکھتے ذوق و شوق سے کرتے ہیں۔ گویا
 انہیں اس کام کا چسلا ہے۔

ان کا اپنے شاگردوں سے بڑا اشتیاق نہ ہوتا تھا، کلاس میں بھی اور کلاس سے باہر بھی۔ اس نے باوجود ان سے جی ڈرتا رہا اس لئے
 کہ جہاں کوئی اصول کی بات آجاتی، وہ معاف نہ کرتے، ڈانٹ پڑ جاتی۔ میں نے بھی اسے اس سے ڈرا رہا تھا۔ شیکسپیر کے وہ عاشق تھے۔
 "ہیلٹ" ہمارے مصائب میں تھا۔ جہاں پڑھنے کی آرمیز کو تقریر کرتے ہوئے عقل و دانش کی باتیں سمجھاتا ہے جو ان کی زندگی اور زندگی
 تجربوں پر پڑھتا ہے۔ اس مقام پر شیکسپیر نے جو باتیں سمجھائی ہیں ان کے تعلق پر دیکھنا بخاری ہیں تو اس سکھانا چاہتے تھے۔ ہر نے اپنا پانچواں سہلا۔ اس صفر
 راہ کیا کہ ان کے لئے دراد پسند کی میرے دامن۔ تہہ جتنا تھا۔ اس نے مٹا سا پیسے رنگ کا قلم نکالا۔ فٹ ایک پر اس روز کی تاریخ لکھی اور میری نوٹ
 بس کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اپنے قلم سے تاریخ لکھنی چاہی تو قلم نے مجھ سے انکار کر دیا۔ میں نے اس صفر کی طرف دیکھا کہ قلم کو ننگی سے ڈھانچا ہوا
 کہ کتنی چار قلم نے نہ لکھا۔ میں نے اس صفر کو زور سے گھنٹی ماری اور کہا۔
 • ادھر مت دیکھو میرے قلم کو نظر لگ رہی ہے۔
 پر دیکھو بخاری نے مسکاکر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

ہم اگلی سبوں پر مینا کرتے تھے۔ دو سال ہوئے میں نے اپنے اخوان کا تازہ مجموعہ "ب گویا" ن۔ م۔ راشد کے ہاتھ بخاری صاحب
 کو خرید لیا۔ میں نے اس پر لکھا۔ اپنے نانا لائق شاگرد کی طرف سے یہ کتاب قبول فرمائیے جو اگلی سبوں پر اس نے مینا کا کہہ کر آپ بھی سبوں
 پر بیٹھنے والوں سے سوال پوچھا کرتے تھے۔ بخاری صاحب مسکرا کر کتاب دیکھنے لگے اور پچھلے روز نئے سال کا وارڈ لکھ کر دے دیا کہ اس
 وقت میرے سامنے موجود ہے، سب کا وہ نسخہ بھی جو پر دیکھنا بخاری ہیں پڑھایا کرتے تھے میرے پاس موجود ہے حقیقت میں تو ہمارے پاس

ان کے دہ تھے جن میں کوہنہ زندگی بھر پائے رکھے۔ یہ نکلے کاروگ جو کہ غالب علی کے زمانہ سے پال رہے ہیں انہیں کی بخشش ہے۔ نواسہ عاشق بلکہ چسکا انہیں کا دیا ہم ہے۔ جذبات کی یہ آف جس نے استخوان لک کو جلا دیسے اور ابھی آندھ سے سوختن باقی ہے۔ انہیں کار شہ ہے انہوں نے ن م۔ دانش کی مصلحت ائی کی فیض کی عمر تھوٹی۔ آغا عبدالعزیز (سی ایس پی) بشیر قریشی (سی ایس پی) علی صفی (سی ایس پی) رشید احمد (ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل ریڈیو پاکستان) اور منظر علی خان (سابق ایڈیٹر پاکستان)۔ کم پروڈیوسر بنی کے وہ شگرد ہیں جن کی علمی استعداد اور ادبی تہذیب و حریت بخاری صاحب کی شخصیت کا پرتو ہیں۔ وہ روشنی کا چراغ جس سے ہزاروں چراغ جلے، سینکڑوں نے اکتساب فر کیا۔ آج اپنی رخصتم کر چکا۔

پرانے واقعات کا جو ڈراما پر کار ہو رہے ہیں جن سے اپنے استاد کی تعظیم و تکریم میں اضافہ ہو رہا ہے اللہ اس عظیم انسان کا دنا در فضیلت دہ رہے موصوفی کی شخصیت کا ایک پیارا پسندیدہ دیا۔

اصغر حسین قلعہ گوجر چکی جھٹا تھا۔ پروڈیوسر مونی جتیم لے گیا۔ تم میلورڈ روڈ سے گزرتے ہوئے بخاری صاحب کے ہاں چلے جانا اور ان سے کہنا کہ آج شام کو چھ بجے اردو مجلس کی فینک ان کے مکان پر ہوگی۔

اصغر نے عفر حیدر گورڈنگ کے ساتھ بائیسکل رکھا۔ بیڑیاں چڑھ کر اوپر پہنچا۔ دروازہ اندر سے بند بجلی کی گھنٹی لائن دبا۔ کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے انگلی رکھ کر تین کو زیادہ زور سے دبا یا پھر کبھی کوئی جواب نہ آیا۔ اب وہ انگلی لٹکا دیتا ہی چلا گیا۔

بخاری صاحب ڈرائیگ گاؤں پہنچے جسے آئے۔ دروازہ کھول کر بولے: جو گھنٹی لے مین کے اوپر کھسکے تم نے پلاھا۔

وہاں لکھا ہوا تھا "Be brief and patient"

اصغر کچھ نہ بولا۔ انہوں نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا "No mistake in future" اور چلے گئے۔ اصغر حیدر ان کو اچھا پسند دینے آئے کرائی ڈرائیگ کھالی اور اس مرنڈھ نے پچھا کہ مین کیوں آئے کیا بات ہے؟

اصغر نے گھنٹی کو زور سے بجایا۔ بیڑیاں اترا۔ بائیسکل لیا اور بھاگ گیا۔ لگے دن پروڈیوسر بخاری کے پیر میں اصغر کا دل دھڑک رہا تھا وہ عاجزی سے کہتے تھے جب تجربہ ۵۶ بولا تو رک گئے۔ اصغر کا برا حال۔ بخاری نے رجسٹر سے نظر اٹھا لیا۔ اصغر کی طرف دیکھا۔ ذرا سا ڈرامائی وقفہ

دے کر بولے "I LIKED IT"

اور عاجزی لینے لگے

اسی زمانہ کی بات ہے۔ یونیورسٹی سے کہیں کر پروڈیوسر بخاری نے لاکھوں میں پرائکٹر کی ہسٹم ملے کر آیا۔ طلباء کو شائق کارڈ لکھنے کا حکم دیا گیا۔ نو بجے سے اور پھر اجازت نامہ کے طالب علم گھر سے باہر نہیں رہ سکتا تھا۔

میں ایک دن چڑا گیا

میں اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر عاشق حسین بناؤی کے ساتھ ایک کھانے پر مدعو تھا۔ انہوں نے مجھے گنڈیریاں لینے بھیج دیا۔ میں گولڈنڈی کے چرک میں گنڈیریاں لٹکا رہا تھا کہ ایک کار کو روکی۔ بخاری صاحب بولے۔ "اجازت نامہ؟"

میں نے کہا۔ میں تو۔۔۔

بولے۔ کل صبح۔ اور چلے گئے۔

میں نے عاشق صاحب سے اجازت نامہ دیا کہ میری اجازت سے باہر گیا تھا، مگر بخاری صاحب نے دس روپے جرمانہ کر دیا۔ بولے اس۔

وقت تباہی میں ہجرت کر گئے تھے، تم نے اصول توڑا ہے :

آج جب جو اپنے بچوں سے اصول برتتے ہیں تو انہیں کیا معلوم کہ اس میں ہمارے پروفیسر کی تربیت دل دی ہے ہم نے جو کچھ اپنے استاد سے سیکھا اگلی دو گز دی کچھ دے دیا ہے۔

گھر چندی میں وہ اعلیٰ برس کے بعد رخصت ہو کر سرحد کے پاکستان آئے۔ راولپنڈی میں اپنے بڑے بھائی کے ہاؤس میں چھان رہے۔ میں نے لکھا: اسی پرانی گھر جو جی اور زمانہ شفقت، پہنچنے لگے۔ سنا ہے کہ پٹنہ میں ڈرامے کیلئے گئے ہیں۔ میں نے کہا: آپ کی بھائی بہن اب اکیلی تک نہیں بچی۔ پرسن کر سکتے۔

میں نے کہا: بسل تم پر غور ہے آپ کو چاہئے کہ پیالہ چلنے والا، شہنشاہ ہے۔
 بولے: میں ان تعلقات (FORMALITIES) سے بڑا تنگ کیا ہوں۔ تم ملاؤ تو آجائیں گا۔ کتنی اور کاموں میں سے کسی سے کسی کی دعوت قبول نہیں کی۔

میں نے کہا: نل تھیرڈ کوئی پیغام دے دیں۔

بولے: پیغام تو بڑے آدمی دیا کرتے ہیں۔

مادہ پنڈی میں انہوں نے اپنے شاگردوں اور معاصروں کے ساتھ ایک شام بسر کی۔ مادی کے ہاں تین گھنٹے محض تھے، وہ غصے کے بادشاہ کو ہم نے پھر بندوبست کر دیا۔ دل خوشی میں ماکر کے دھوکے میں، ابھی تک اس عظیم شخصیت کا کچھ نہیں بگاڑا۔ وقت سے زندگی کا پورا رس کھانے والا یہ انسان ابھی زندہ رہے گا۔

وہ اپنے تیار کے دوران اپنے شاگردوں اور دوستوں سے پہلا سوال ہی کرتے تھے: کیا تم مطمئن ہو؟

اس سوال کو اذیت دینے کی دہر پوچھتے رہے انہوں نے بتایا کہ پاکستان کا ہر شخص شاکی نظر آتا ہے۔ میں یہاں ایک عام فرسٹین دیکھ رہا ہوں۔ بے دلی ہے، اہلیانہ اور محرومی کا احساس چاندی طوط دکھائی دے رہا ہے۔ لوگوں کی اپنی ذات میں دلچسپی انتہائی طور پر بڑھ گئی ہے سب قوموں میں نے یہ دیکھا ہے کہ ان کی قوم کا کوئی فرد امریکہ میں گئے تو وہ اس کی بے حد تعریف کرتے ہیں۔ ادا کرتے ہیں یہ ہمارے ملک کا ممتاز اور قابل ترین فرد ہے۔ وہ پاکستانی ایسا شخص ہے جسے میں نے کبھی اپنے ملک کے فرد کی تعریف کئے نہیں سنا۔ وہ تو دراصل یہ کہنا چاہتا ہے کہ سب سے ممتاز اور قابل ترین فرد تو میں ہوں: یہ تو میں ایسوں میں سے ہی ہے۔ اگر کسی کو کوئی اچھا عہد مل جائے۔ کسی منصب پر کوئی جاسینے اور کسی پاکستانی سے کہا جائے۔ کیوں بھی۔ وہ اپنے عہدے پر جا پہنچا؟ تو پتہ ہے وہ کیا جواب دیتا ہے۔ ”اوچھڑ دی۔“ یہاں پھر کرتا تھا: ”پھر میری طرف دیکھ کر بولے۔“ کوئی اگر کہے کہ بڑے بڑا اچھا فرائیڈ سچ کیا تو کہیں گے۔ ”اوچھڑ دی۔“ گے ایسے ناکام پھرنا ہی۔

اس چھڑ دی میں ہماری کرم جیتی، محرومیوں اور امتیاز کی بہت بڑی جبلت موجود ہے۔ پاکستان میں ٹاسک ہے آخر یہاں ہی کے لوگ اپنے عہدوں پر نہیں ہوں گے اس پر کوئی حیا نہیں دیتا۔ پاکستانی خود کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ دوسرا اگر کچھ کسٹڈ کے نیک نامی حاصل ہو جائے تو عام روزہ عمل ہی ہوتا ہے۔ ”اوچھڑ دی۔“

کچھ لکے اگر یہ میں ایک بین الاقوامی تقریب پر جو دہری سرگرمیوں میں کسی سے تنہا ہے لاؤ کر رہے تھے۔ کسی فریڈی نے بڑی توجہ سے اردکانی پر سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کچھ لکے۔ چلو ہماری سے پوچھیں وہ آل انڈیا ریڈیو کا ڈائریکٹر جنرل رہ چکے ہیں۔

میں نے کہا۔ آل انڈیا ریڈیو کا ٹریکیز جرنل رہنا تیرہ سو سے اور تین سو سے پر کوئی اتھارٹی نہیں ہو سکتا۔ آپ کی عمر کتنی ہوگی؟
بڑے۔ پینتیس سال۔

میں نے کہا۔ جہاں آپ نے پینتیس سال تان پوسے اور تیس سو سے کا فرق منہ منہ کے اجیر گاروئے میں دو چار سال اور کچھ گرا دیجئے۔
پروفیسر صوفی تیسہ کا نسب ہے کہ ایک مہتر پروفیسر بخاری کے رفیقان میں سے ایک یونیورسٹی کے کسی رکن کی خطا کار یوں پر میں برہمیں ہو رہے
تھے۔ بخاری کہنے لگے۔ بخاری صاحب میری دو باتیں یاد رکھو۔ زندگی میں کسی سے اکھٹا ہر کسی بڑے سے پرالجا چاہئے اور اپنے سے بڑے آدمی کے
ساتھ الجھنا چاہئے۔ وہ مرا نہیں آتا۔ انسان کی قوتیں اور کششیں مائع سرخائی ہیں۔ مگر ورا آدمی کو دہلنے میں کوئی شان نہیں۔ بڑے آدمی سے تعداد ہم
ہو تو انسان کی استعداد کار اور کچھ چلتی ہے۔ کچھ دیکھو میں نے ریڈیو کی عمارت کے دوران ہمیشہ بڑے آدمیوں سے ٹکرائے اور وہ اس کے فضل و کرم
سے کامیاب رہا ہوں۔

جب علامہ اقبال کے کلام کے سلیطے میں یوپی کے بعض اہل فکر کی طرف سے اعتراضات اٹھائے گئے تو ”زندہ دلان“ پنجاب نے ان سے ہر
جگہ لڑائی مکتی بخاری۔ اس میں پیش پیش تھے۔

ٹھکانا دیکھو استعداد کار کا حرکت میں آنا۔ یہ بات ان کے ذہن سے غایت درجہ شغف رکھنے کا ایک طبعی باعث قرار دی جا سکتی ہے
اس طرح الجھنے ہوئے میں جو کامیابی پیدا ہوئی ان سے عہدہ برہم ہونے کے لئے وہ کبھی ٹھکان محسوس نہ کرنے میں نہ آئیں ۱۹۳۵ء میں ہفتہ کا
پارٹ ادا کرتے دیکھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پروفیسر بخاری واقعی پرنس ہلٹ ہے۔ ڈرامائی محسوسات آجی و ڈاکواری رکاوٹیں بہت کامیاب
ہو کے گھڑی تھیں۔ اور وہ کس کس طرح ان سے برو آ رہا ہوتا ہے۔ ہلٹ کے کردار کی مینجنگ تصویر ہمارے سامنے آگئی تھی۔

نیویارک کے جس ڈاکٹر کے وہ زیر علاج ہے وہ بھی شیکسپیر کا بڑا لدا دہ تھا۔ مریض اور ڈاکٹر دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہتے۔
عارضہ قلب میں مبتلا ہونے کے بعد پروفیسر بخاری جب بھی ڈاکٹر سے طبی مشورہ کرتے تو مسکرا کر پرسنی انداز میں ہر دور پر پچھتے۔ کب ڈاکٹر؟ تاؤ تو سہی
کب؟

نیویارک میں ملک ملک کے چوٹی کے اخباری نمائندے مقیم ہیں۔ وہ بخاری کی صحبت میں بیٹھ کر بہت بڑا پڑوسرت اعزاز سمجھتے۔ ہر شخص
ان کا مدح تھا۔ پروفیسر بخاری نے ایک بے چین اور مضطرب طبیعت پائی تھی۔ اس سبب صفت انسان کا داغ اس کے جسم سے اور اس کا جسم اس
کے داغ سے زیادہ تیز کلام کرتا تھا۔

الکلیش میں گزرب مری زندگی کی باتیں
کبھی سونو سا ذروی کبھی پیچ و تاب بخاری

موت کا فرشتہ دلہیز پر ہاڑ دیکھ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ اگر تو مجھ تو میں حاضر ہوں۔ ذات تمہارے پاس کھڑا ہوں۔ صبح چلے جاؤں گا۔
پروفیسر بخاری نے کہا۔ نہیں، مرنس جو میرے پاس موجود ہے۔

ڈاکٹر نے مذاق سے کہا۔ اچھا سوئیٹ پرنس شب بخیر۔

مگر یہ مات اس کی آخری مات تھی۔ موت کے فرشتے نے دلہیز الاٹک لی۔

بچے پاؤں سے پرچتے ہیں کج کون مر گیا آپ اداس جو ہیں کون بتائے نئی پور کو کہ آج وہ مر گیا جس نے کہا تھا، کچھ کاسیلا نا سہل ہے

جلوں کا سہانا سہا سہا

پرو غیر بڑائی کی شخصیت کی فطرت کا منت پیدا نہیں یہ قدر کہ وہ میں کی موت ملے، وہ دیکھ کر دیکھتے دیکھتے کی اور چیز
بننے لگے، بلکہ اپنی فطرت اور فطرت سے متاثر ہو کر کچھ شے بننے لگے، کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر
کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر
کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر کچھ دیکھ کر

ہنست کی بارہوں کو کچھ اور یہ حقیقت ہے کہ انسان اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت
اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت
اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت
اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت اور انسان کی فطرت

کی۔ ہم حدیث نہ جوں رہتے

ہیں مگر نہ خواہش کوں بہت

چند پرانی یادیں

غلام رسول مہر

میں نے بخاری صاحب کو پہلی مرتبہ نومبر ۱۹۳۱ء میں دیکھا تھا۔ نرک مہلات یا دلقادون کی تحریک اوج شباب پر تھی اور اس کے اوج شباب کی کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ لفظوں میں اس کا صحیح فہم پیش کرنا مشکل ہے۔ بس اس کا مجھے کچھ کہنا تھا کہ صاف نظر آتا تھا حکومت برطانیہ کے قہر آفتہ اس میں ایک خوفناک زلزلہ آگیا ہے اور یہ قہر تو بڑی ہی دیر میں زمین بوس ہو جائے گا۔

سالک صاحب "زمیندار" کے مدیر کی حیثیت میں گرفتار ہو چکے تھے۔ مقدمہ چل رہا تھا اور اس کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ شفاعت اللہ خاں مرحوم "زمیندار" کے منبر تھے اور انتظام کے علاوہ تحریک کا زیادہ تر کام بھی وہی انجام دیتے تھے۔ انہی کی تحریک پر سید عبدالغادر شاہ مرحوم نے مجھے ادارہ تحریک کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے بلایا تھا۔ مرنسی احمد خاں میکش مرحوم بھی اس وقت زندہ ہی سے وابستہ تھے۔ جبروں اور مختلف مضمونوں کا ترجمہ ان کے ذمے تھا۔

"زمیندار" کا دفتر دہلی دروازے کے باہر اس بڑی عمارت میں تھا جو جہازی بلڈنگ کے نام سے مشہور تھی۔ ایک روز شام کے وقت دو گورے چٹے جوان نہایت عمدہ سوٹ پہنے ہوئے آئے۔ سادی انظر میں صاحب لوگ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے کھڑے کھڑے شفاعت اللہ خاں سے باتیں کیں۔ غالباً اس روز سالک کے مقدمے کی پیشی ہوئی تھی۔ اسی کی کیفیت پر پچھتے رہے اور چلے گئے۔ شفاعت اللہ خاں نے مجھے بعد میں بتایا کہ ان میں سے ایک احمد شاہ بخاری تھے اور دوسرے سید امتیاز علی تھے۔ ان دونوں سے ناواقف تھا اور محض نام سن کر میری معلومات میں کیا اضافہ ہو سکتا تھا۔ ان کے متعلق کچھ پوچھا بھی ضروری نہ سمجھا، البتہ اس بات پر تعجب ہوا کہ قومی تحریک کے نہایت اہم رچے پر بھی بعض مسلمان انگریزوں کی سی وضع قطع قائم رکھنے میں کوئی ہمت محسوس نہیں کرتے۔

چند روز بعد میں گھر واپس چلا گیا اور "زمیندار" کے ساتھ تعلق قائم نہ کر سکا اس لیے کہ میرے اقربا خصوصاً والدہ محترمہ کو یہ تعلق منظور نہ تھا۔ دو تین مہینے کے بعد شفاعت اللہ خاں اور مرنسی احمد خاں میکش نو ممبر گاہوں پہنچے جو جاندھر شہر سے چار ہائیوے میل کے فاصلے پر تھا اور اقرباً کو دہشتی کوہ کے مجھے دوبارہ "زمیندار" میں لے آئے۔ اس وقت سے مستقل طور پر سب کی اخبار نویسی کی ابتدا ہوئی۔ سالک صاحب کو ایک سال قید کی سزا ہو چکی تھی اور وہ لاہور سے میاوالی جیل میں منتقل ہو چکے تھے بخاری

اساتیا زندگی فرما ساکت صاحب کو صحت و عافیت دیاقت کرنے کی غرض سے ازبندار کے مقبرے آتے رہتے تھے تاکہ
ناتے میں ہی سے شہسائی جی اہر یہ بھی محسوس کیا کہ وہ ساکت صاحب کے نہایت حیرت دوست ہیں۔

مکمل طور کے ادا غرضی ساکت صاحب رہا ہرگز اگلے اور اسی سے وہ پروردار تعالیٰ استوار ہو جسے زندگی کا ایک عزیز
سویہ گنتا ہیں۔ ان کی وجہ سے بخاری اور اختیار کے ساتھ بھی ایک خصوصی حد نبیہا ہو گیا۔ بخاری صاحب اس دنیا سے رخصت
ہو گئے اور اس مدت میں آخری وقت تک کوئی خلل نہ آیا۔ اختیار صاحب کو خدا نادر صدمت رکھے۔ ان کے ساتھ یہ عداوت بھی
اسی طرح قائم ہے جس طرح آج سے تیسریس سال پیشہ فاضل تھے۔

بہر بخاری صاحب سے زیادہ مفصل ملاقاتیں اس زمانے میں جتنی رہی جب فتنی نعمت اللہ صاحب جو صوبائی مسلم ہٹل
چلا رہے تھے اور بخاری صاحب نے اسی ہٹل میں اپنے لیے ایک یاد کو کمرے لے لیے تھے یہ ہٹل اسی جگہ تھا جہاں اب
اس نام کا ہٹل موجود ہے لیکن اس کی عمارت بالکل بدل گئی ہے۔

بخاری صاحب کی باتیں اس زمانے میں بھی سب سے خالی جتنی تھیں۔ ہم لوگوں کے دل و دماغ کا رشتہ ریشہ فاضل اور
آزادی کے جوش سے معمور تھا۔ بخاری صاحب کو رنٹ کالج میں پروفیسر تھے ایک روز انھوں نے خاص احساس و مرداری کے
ساتھ فرمایا کہ آزادی کے لیے جو کچھ ہو سکتا ہے ضرور کرنا چاہتے تھے یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھتے کہ جس قوم کا پاس ایک نہیں جس
کے کھانے کے اوقات مقرر نہیں جس میں یکسانی اور یکجہتی کا کوئی بھی پہلو نظر نہیں آتا، وہ آزادی سے کیا فائدہ اٹھائے گی، ہر شہر کو
کہ اس سرزمین میں بسنے والے لوگ واقعی ایک ایسی قوم بن جائیں جو ایک نظام زندگی کی پابند ہو۔

اس وقت یہ سن کر احساس ہوا کہ بخاری صاحب کا دل آزادی سے جذبے سے بالکل خالی ہے لیکن جب بخاری صاحب
کے صحیح انداز سے کا شعور پیدا ہوا تو پتہ چلا کہ یہ ارشاد ان کے طبع نظر کی ایک روشن روشنی تھا۔

اسی طرح مجھ سے انھوں نے بار بار کہا کہ آپ اخبار میں ایک چوکھٹا مستقل طور پر لکھتے رہیں جس کے اندر جی حدوت
میں یہ عبارت مرقوم ہو کہ "بائیں ہاتھ چلو" روزانہ یہ چوکھٹا چھپتا رہے گا تو یقین ہے کہ ہزاروں آدمیوں کو بائیں ہاتھ چلنے کی اہمیت
کا احساس ہوتا جائے گا۔

میں خود ماضی ہر نظر باز گشت و آنا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ سیاسیات پر خدا جانے کتنے ہزار صفحے لکھ ڈالے۔ اپنے
نقطہ نگاہ کی ترویج کے لیے دلائل و شواہد کے سینکڑوں ہزاروں طوار مرتب کر دیے لیکن منظر قومی زندگی کے مبادی کو حقیر سمجھ کر نظر انداز
کیے رکھا اور آج بھی جبکہ آزادی پر بارہ سال گزر چکے ہیں قوم ان مبادی سے اسی طرح نا آشنا ہے جس طرح تیس سال پیشہ
نا آشنا تھی۔

بخاری صاحب ابتدائی دور میں بھی بعض نہایت ممتاز خصوصیتوں کے مالک تھے مثلاً :-

۱۔ جو کچھ کہتے یا پڑھتے تھے اس میں خلل بالکل نہ ہوتا تھا تاہم ان کی بر باتیں کوئی نہ کوئی تا دیر غلطی طور ہوتی تھی۔ پھر وہ

فطری صلاحیت۔ آج کل سنا پر اس میں خاص دل آویز بیانیہ کہہ دیتے تھے۔
 ۲۔ میں نے کسی کو کسی بھی مسئلے کے متعلق بحث و مناظرہ میں جھڑپنے نہ دیکھا۔ جو موضوع زیر بحث آتا اس کے متعلق ایک دوسرے کو بائیں بے انداز میں لہو دیتے جسے کوئی بے غفلت سادہ آدمی کسی جواب کا اظہار کر دیتا ہے اور دوسرے معاملے پر گفتگو شروع کر دیتے۔
 ۳۔ کسی کی کہ علمی یا روحانیت کی فروغ دہانی کا یہ انہی انھوں نے کبھی نہ آراہا۔ ساتھ ہی وہ بھی کسی بہت بڑے آدمی سے بھی مرعوب نہ ہوئے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک مشہور ریڈیو سے طوائف برقی جس نے مسکو تعلیم کے متعلق وہی حامی بنی ہیں شروع کر دیر تو ایک جلسہ میں بھی جاتی تھیں۔ بخاری صاحب دو یا تین منٹ سنے رہے پھر بولے کہ صاحب! بیوقوف چھوڑ دیجئے اور کوئی دوسری بات کیجئے۔

ایک نجب الیگز معاویہ ہے کہ کہ ان کے مجھے ان کی خدا داد صلاحیتوں کا پورا اندازہ کبھی نہ ہو سکا۔ ملکہ فضل اور شہریت کے اعتبار سے وہ تعلیمی دائرے کے ایک بلند پایہ فرد تھے۔ اسی دائرے کے ایسے اصول نے یہاں اور دنیا میں تعلیم و تہذیب پھیلانی تھی انہیں جب انھیں آل انڈیا ریڈیو میں کیا تو بہت ہی کم مدت میں ہر علاقہ آدمی کو احساس ہو گیا کہ بخاری صاحب بے شک و شبہ ایک فیز محوری شخصیت کے مالک ہیں اور ان کے کلمات کا صبر شکل ہے۔ چنانچہ ان کی ٹکرانی بی آل انڈیا ریڈیو نے جو مدارج ترقی طے کیے ان کی نظیر ان سے پیشتر یا ان سے بعد کے دور میں شاید ہی مل سکے۔

پھر قومی یا بین الاقوامی سیاسیات سے انھیں بھی سابقہ نہیں پڑا تھا تاہم جب پاکستان کی طرف سے انھیں اقوام متحدہ میں نمائندگی کا منصب انھیں سونپا گیا تو وہ تقوڑی ہی مدت میں نہ صرف اسلامی اور مشرقی ممالک کے نمائندوں کی صف میں ممتاز ترین حیثیت اختیار کر گئے بلکہ بین الاقوامی دائرے کے بھی ہر شخص کے دل میں ان کے ایسے انتہائی احترام پیدا ہو گیا۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن محض بخاری صاحب ہی تھے جنھوں نے ایک طرف بہترین قومی اور اسلامی مصلحتوں کی نگہداشت کا حق ادا کیا اور دوسری طرف اہل وطن کے سامنے انھوں نے بار بار وہ مسلک و اشکاف مرتقی پر پیش کر دیا جو بین الاقوامی دائرے میں کامیابی و فائز المرامی کا واحد ذریعہ تھا۔

اسی بالغ نظری اسی تحقیق شناسی اسی واقعیت دوستی اور فکرہ نظر میں اسی توازن کی بنا پر انھیں انھیں اقوام متحدہ میں وہ مقام حاصل ہوا جو غالباً مشرقی ممالک کے کسی فرد کو قیصر نہ آسکا۔ انھیں اقوام متحدہ کے چکر پڑی جنرل کو ان کی رائے اور صلاحیت پر جتنا اعتماد تھا اس کے متعلق کچھ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے۔

اگر بخاری صاحب کو حیات مستعار کی مزید مدت ملتی تو کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ فضائل و کمالات کی کئی بلندیوں پر پہنچتے کمال پر پہنچے کہ ان کے دل میں سب کے لیے محبت اور الفت موجزن تھی۔ عداوت کسی سے نہ تھی۔ وہ ایک نادر الوجود انسان تھے اور عمل و مگر کی کے جس حلقے میں پہنچے انھوں نے ایک سچا اور خلص مسلمان کا کردار پیش کیا۔ اسی وجہ سے سب لوگ انھیں انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ اصلاً علمی آدمی تھے۔ آل انڈیا ریڈیو میں پہنچے تو وہاں بھی اپنی علمی خصوصیات کو بہتر سے بہتر انداز میں نمایاں کیا

میرا شہرہ آفاق استاد

ڈاکٹر حمید الدین

میں کہتا ہوں کہ مجھے سینکڑوں نہیں تو مہینوں ایسے جناب سے معذرت طلب کرنی چاہئے جو مجھ سے کہیں زیادہ پروفیسر بخاری سے راتینت کا دم کھستے ہیں۔ میں پروفیسر بخاری کی روح سے ہی معذرت خواہ ہوں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے میں اپنے بیان میں بعض ایسی باتیں کہہ جاؤں جو موصوفت کی شخصیت کے بارے میں سونیصدی نہ ہوں۔

جب مجھے پروفیسر بخاری کا خیال آتا ہے۔ تو میرا ذہن دوسری دہائی کے آخری برسوں اور تیسری دہائی کے آغاز کی طوٹ لوٹ جاتا ہے۔ اُن دنوں میں گورنمنٹ کالج لاہور میں بی۔ اے کا طالب علم تھا۔ اور پروفیسر بخاری سے نازہ نازہ ملاپ آئے تھے۔ جہاں محض نئے انگریزی ادب میں وہ اختیار حاصل کیا تھا۔ جو اُن سے پہلے کسی ہندوستانی کو نصیب نہ ہوا تھا۔ پھر جرج میں کئی ہندوستانیوں نے دخل دیا۔ مگر وقین کے سوائس کو ان جیسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

درازدہ، خوبرو، عالمانہ، پیشانی، تیز دیکھیں سکھیں۔ کھنے کے باعث پروفیسر بخاری دُور گھر سے بھی دیگر پروفیسروں سے الگ پہچانے جانتے اور ممتاز نظر آتے تھے۔ پروفیسر میں کی اس جماعت میں دُبلے پیلے، ایسے ترنگے موچوں والے پروفیسر دیکھ کر دل میں گویاں گنگے جیسے غنائی اور پروفیسر مرزا جیسے سراب حرکت۔ لوگ شامل تھے۔ اس سے پہلے پروفیسر مرزا سعید شاید کسی ڈگری کالج کے پرنسپل ہو کر باہر چائے تھے۔ اور ایک دو سال بعد پروفیسر ڈکنسن بھی مل گڑھ سے پہلے آگئے تھے۔

مجھے پروفیسر بخاری سے پہلی بار بعد اس وقت پُر اجنب میں میسر ہوا چوتھے سال میں تقاعدہ ہیں مختصر افسار پر حاضری تھے۔ ہماری جماعت اُس کمرے میں مٹھی مٹی۔ چھ توڑکیاں جھک پرنسپل اور کالج کے دفاتر میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ یہ جماعت صبح کے وقت جوتی مٹی۔ وہ بھی بیٹھنے کی باغیاں پڑھا رہے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان کے پہلے ٹیپر کے بعد ہلکے تاثرات کچھ زیادہ اچھے نہ تھے۔ اُن کے پڑھانے کا طریقہ خاص طور پر مختصر افسار، اس طریقے سے مختلف تھا جس کے ہم مادی تھے۔ انہوں نے وہ تین ٹیپر دیئے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ پورا ایک ہفتہ زیادہ قریب تباہی رحمت کی کہ انہوں نے لندن میں ایک معلم آدمی کو کس معاملہ میں دیکھا۔ انہوں نے معذرت اور اس کی گمانی کے متعلق ہمیں کچھ نہ بتایا۔ اگرچہ بعد میں ایسا ہو کہ لندن کے معلم آدمی کے بارے میں انہوں نے جو کچھ بتایا تھا۔ اُس کا ڈھانچا غائب سے خود بخود مل گیا۔ اور ہم اس فیصلے پر پہنچے کہ پروفیسر بخاری دوسروں سے خواہ کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں خواہ ہمارا وقت ملنے کو انہیں چاہئے تھے۔ مگر کوئی اس سے سوال پوچھنا یا اُن پر لفظ چینی کرنا تو وہ اس سے زیادہ بڑھ چڑھا کہ بقیہ کر سکتے تھے۔

اس کے بعد پرنسپل بخاری کی وفات کا جائزہ لیا۔ ہم سب نے اسے انما میں ان کے قیام مدین کے ظہری اوقات معلوم کرنا چاہتے تھے مگر کچھ اعتراضات کرنا چاہئے کہ ہم ان کی ظاہری دیکھ پیڑیں سے اس امر پر اصرار کرنے میں ملنا ناہم رہے۔ ان کے چیلٹ کے تحت کارن کے ساتھ ایک خوش پرس آدمی کا نشان ہے۔ ان میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے جو کوئی آدمی کر سکتے کہ وہ دراصل کوئی شعوری طور پر جواب دے کے بے استعمال ہو گئی ہے۔ ان سرور میں وہ وہاں پہلے ہوا ہی رنگ کے ٹوید کی جیکٹ اور شاہی سی بی ملائیں کی بعض نمک کی بنیوں چھتے تھے۔ اس میں نمک نہیں کو ان کا کوئی نیا نیایت صفائی سے اس کی کیا جوتا تھا۔ انہیں ان کے انتخاب میں ہے ان میں بھی مایاں نازک مزاجی کا ثبوت ملتا تھا۔ معافی کہڑے پسینے کی کردی تو ان میں شرمور سے اس نمک پانی کوئی۔ وہ نمک، اور فیض کا استعمال بھی سمجھ لے جسے نہیں مایاں کیا۔ موت کے ساتھ ہر کہ بیوسا نہ کہتے تھے۔ البتہ جنس کو کافی لگانے کا شوق ہمیشہ رہا

اس طرح قریب سے جانچ پڑھال کرنے کے باوجود وہ ان کی ذرا قطع لے لے۔ میں لکھ زیادہ نہیں بن سکے۔ ہم چیلٹ تھے۔ ان سے اور بھی شک یہ بتانے سے ظاہر ہوئی کہ ان میں ایسی کون سی بات تھی جس کی وجہ سے غصہ ہی وحدہ پرنسپل تھے بعض نمک نہیں بلکہ تھا گورنٹ کا کوئی کوئی اسے ایسا نہ تھا جو دھڑے سے پانچویں سال کے طلبہ کی سروروں کا تختہ استی۔ وہ ہر۔ ان کی طرح۔ ان کو۔ مٹی سے ہوا۔ امیری بی شاہ وادار ہی نواداروں کے حکم اتی تھی۔ وہ ایسا ایسا دجنا تھے۔ برفا اور جتنا زیادہ وہ بھ جانے کی کوشش کرتا۔ انہی زیادہ وہ بے نفع ہو جاتا تھا۔ پرنسپل بخاری ہی تمام سروروں سے بچے رہے۔

جذبہ خلوص ہی ایک ایسی خوبی ہے جس کی بنا پر زیادہ دنیا کے شاگرد ہیں استادوں کی سرور سے ہیں۔ پرنسپل بخاری میں ایک استاد کی محنت سے یہ وعدہ ملنا یا تھا۔ ان کے شاگرد سرور ہی سے جان گئے تھے کہ پرنسپل بخاری کی ہیئت استاد سے اگر زیادہ میں کوئی صورت نہ ملے۔ پرنسپل بخاری کے نزدیک ادب پڑھنے کا مطلب مرتبی ہیں حال اس شکل اسطاعت سے تیار رہنے با محادوں کی سرور کی یا کسی شاہ کا۔ کی ہیئت اور ساخت کا پھر یہ کہ با کسی عظیم مصنف کے فن ٹیکنیک اور پرنسپل بخاری پر دوستی وال دی۔ سب کچھ کر کے کے علاوہ بہت کچھ اور بھی تھا۔ وہ حامل تو اپنے آپ کو کسی شاہ کا نہیں کہتے تھے۔ پھر ہی حقیقی زندگی اس کے سبب میں رجالی کرنا بنا رہتے تھے کہ مرثیہ کا اس ماتی نہ رہتا تھا۔ استاد نے تھا کہ طلبہ اس کو اپنی شخصیت کی ہر سطح میں دہرائیں اور جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں اس کا ہر پہلے حصے میں کامیابی حاصل کرنا کوئی نہ بہت مشکل میں رہتا اس کا وہ سرور خاصہ مٹی ہے۔ کہنا کہ پرنسپل اس خواب کو یاد ہوتے دیکھ سکا ہے جو ادب کو ایک مٹی پیتے یا شعلے کے طور پر نہیں بلکہ زندگی کی سزا براہ کے طور پر اختیار کرتا ہے۔

بہت جلد پرنسپل بخاری کی جماعتوں کی شکل کچھ سے کچھ ہو گئی تھی ان کا ترجیحی کام ایک استاد کے بے کیف پیکوروں اور طلبہ کے نوے لینے کا نام نہ تھا ان میں گرامر پیش ہوتی تھیں۔ ہر طالب علم کسی نظم یا ڈرامے کے ٹوٹے کی ٹیکنیک کے بارے میں اپنی رائے مٹی کرتا تھا۔ یہ سوتیا نہ رہے۔ یہ اسٹج ہے۔ اس میں یہ خوبی ہے، یہ بیگ پرنسپل بخاری خود بحث کا آغاز کرتے بلکہ اسے جانے کے لئے خود ہی سمجھ لیتے۔ جو اب اس کا کردہ ہند کے حق میں نہیں لےئے تھے۔ لیکن بہت جلد معلوم ہو جاتا کہ وہ کیلئے اس کے حق میں نہیں بلکہ جذبہ کی طرف اس سے متعلق ہیں ایسی کمزوری کا ایک ہیئت نہایت قابل تعریف ہوتا۔ وہ یہ کہ کوئی شخص محض عقلی کسند پر اصرار قابل نہیں کر سکتا تھا اپنی بات نونے کے ٹوٹے لازمی طور پر بحث مصنف کی مٹی کی کے دلی میں پناہ دھونڈنی پڑتی تھی اس کی دلیل بظاہر تھی ہی ذنی کیوں نہ ہو اس کی فتنہ کی قبول نہ تھی جاتی تھی جب تک وہ ثبات نہ کرے کہ اس نے اس کی باب کو غفلت ہی سے کچھ سوچ کر پڑھ لیا۔ اس طرح پرنسپل بخاری کی نظر میں یہ قبول ہونے کے لئے ایک طالب علم کو اپنے میدان مطالعہ میں چار چول چکس رہنا پڑتا تھا۔

اپنے طلبہ میں ادب کا ذوق پیدا کرنے کا جذبہ پرنسپل بخاری میں مٹی کی حد تک پہنچا ہوا تھا اس سے نہ وہ وہ جو ہم سب کو کہتے تھے۔ ان کے اپنے فتنہ نقل

رہا جس پر ہمیشہ فخر کریں گے۔

میں نے تو آرت ہو، اب کے نئی پتہ دیں کہ غنہ کی راہ جو کہ چاہئے، مگر کہنے کے لئے یہ ہے کہ میں نے وہاں سے نہ ہوا، اسے نہ ہو۔
مردم کرنا، اگر تب تک کی جملہ اور نہ ان پر بھی تو وہ آپ کو بتاؤں گے کہ بدستور، وادوں کو جواب دے گا کہ وہاں سے ہی تھے وہ جس حد
اس دنیا میں لوٹ آئیں اتنا ہی سہ ہے۔

۱۰۔ بی بی حسرت بیگم نے جن کو بھائے ارماندہ، دوسرے اشعار و رسائلوں کو لکھ کر جسے مدنی صدر اخبار میں دینا ہوتا تھا اس کی کاپی
مناشیہ خدمت کرنے کے باوجود پرویز بھائی کی خدمت میں گئے اور جن کی وفات سے چند سال پہلے ہی انہیں ہوا
تھم کرنے سے پہلے کے ایک سنو کی ٹیکہ جراثیم کا ڈوز لینے کی اجازت دیکھنے آئے۔ ان کے خیال سے وہ تو کنگز اور گورنمنٹی اسکول
کی جیت تھیں پر مدبر بھائی کا ہذا ماحول ایک کمپوزیٹ ٹیکہ جراثیم دینا، دو دو روزی دس کے لئے ہی ان کا خیال تھا یہی
بڑھاپہ تھا جتنا انگریزی اسکول کے لئے۔

اگر کسی صاحبِ کربِ نفسِ نیرباک میرٹھنے کا اتفاق ہو اور وہ آپ کو بتائیں گے کہ اس کے کت خانے میں نو اصفانہ چاروں جلدوں کو وہی شرف حاصل تھا جو میکہ کی ہر مکہ کی انکسار کی بائج جلدوں کو۔ اور یہ کہ انھیں وہ ان خطا ساری سو بہت جسٹیبیہ کی تصانیف دیکھتے، پہچانی اور اردو میں بھی تھے ہی خوش گھٹاتے تھے انھیں بڑی میں ان حاضر دناوں پر ان کا علم کہاں وسیع تھا۔

(۲)

اقوام متحدہ میں پرفیسر بخاری مکلفات

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

مغربی اور مشرقی فن میں اصولی فرق میرے نزدیک ایک یہ بھی ہے کہ مغربی فن کی تصویر کو دور سے دیکھنے سے جو اس کی خوبیاں نظر آتی ہیں، وہ نزدیک سے دیکھتے دکھائی دیتے ہیں، یعنی اس کی صمیمیت دور سے ہی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس مشرقی فن کی تصویر کے صمیمیت خط و خال اور خوبیاں اس کو جتنی بھی درپے دیکھا جائے گا زیادہ نظر آئیں گی۔ دور سے دور سے ایک دم دم ہم کیسا رنگ کی دھندلی سی سطح معلوم ہوتی۔ چنانچہ ہم مرحوم احمد شاہ بخاری کو جب بھی دور سے دیکھتے تو صمیمیتوں میں کسی یورپی یا یونانی کے ایک بچے جیسے مکمل پر فیئر نظر آتے۔ مگر جب بھی ان کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرنے کا موقع ملتا تو ان کے برجستہ لہجہ، اسٹائل، ہوسے، اداری زبان میں بے ساختہ جیسے نہ ہر کرتے کہ ان کا نہایت مکمل ظاہری مغربی لباس ان کی مشرقیت پر ایک ملمع ہے۔ اور ان کی مشرقیت کے جوہر آہستہ آہستہ گفتگو کے مارچ سے کرتے کرتے واضح ہوتے چلے جاتے ہیں ان کی تمام انگریزی اور انگریزیت ان کی مشرقیت کے تابع نظر آنے لگتی۔

میں مرحوم کو ایک طرح دور سے اسی زمانے سے جانتا تھا۔ جب کہ وہ منظر طالب علمی کے ابتدائی مارچ ماہ میں ملے کر رہے تھے یہ نیکو دوست بہت جلد کے قریب ہی تحریک و حواس میں ڈاکٹر محمد دین ناظم مرحوم کے بڑے (بڑے محمد امین مرحوم کے ہم ذلت تھے جن کے ہاں وہ اکثر اسٹڈنٹ ریگتے اور محرمات کے کھائی ڈاکٹر محمد سعید سعیدی سے بخاری کی خاصی بے تعلقی تھی۔ ان کی اور مولوی بشیر الدین مرحوم دین مولوی احمد دین دکیل مرحوم) کی وجہ سے کبھی کبھی ان کی گفتگو میں کبھی شریعت کا موقع ملتا جس کے بعد وہ ایک لمحہ کا امتحان انگریزی ادب کا پاس کر کے اپنی خاص صبح روشن اور حسین، عجمی تحریریں کی وجہ سے ماحول کی زندگی میں نمایاں طور پر درج پرچم لگنے۔ یوں کہنے لہجہ علمی محفل میں وہ جزو لاینفک تصور ہونے لگے۔

میں نے ان کو اس وقت سے زیادہ دیکھا ہے جب وہ لاہور میں سنٹرل ٹریننگ کالج میں مٹر وائٹ پرنسپل کے تحت ایک معلم، پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی کے ممبر اور گورنمنٹ کالج لاہور میں برعیت استاد و زبان انگریزی متعین تھے مگر ان کی شہرت آل انڈیا ریڈیو کے ذریعے زیادہ وسیع ہوئی جہاں وہ کئی سال تک ناظم اعلیٰ رہے۔

ابھی پاکستان بننے کے آثار نمودار ہو رہے تھے کہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں ڈاکٹر ذوالحسین خاں صاحب مظلما دعائی نے جامعہ ملیہ دہلی کی جوبلی چٹانی۔ جس میں وہ دہشت علمی حضرت نے شرکت کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سرکار میں ایک عبوری حکومت قائم ہو چکی تھی۔ راقم کو کبھی دکن کا ایک پورٹ سے اسی ضمن میں نمائش کی ترتیب کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ یہ ایک بہت پر رونق علمی میلہ تھا جس میں ہر طرح کے پڑھے لکھے حضرات نے حصہ لیا۔ جب میں نے باطل فخر موقع مل کر یہاں ڈاکٹر تاثیر احمد بخاری کو دیکھا اور ان سے قریب دس سال بعد ملے کا اتفاق ہوا تو مجھے ڈر آیا کہ ان کے پاس کبھی میں نے ملے، جس میں وہ

دوای ڈوکش تھے۔ اس وقت وہ دونوں حکومت ہند کے شعبہ نشہ و شاعت میں تھے۔ وہ دونوں عظیم جہاد اور قدیم سے سرشار نہایت روشن ضمیر اور بڑے پیمانے کے قائد تھے۔ گرجے میں غیر معمولی بات برائے آئی گریہ دونوں یعنی دوست شریہ رشتہ ایک کی یا ہم میں سے کسی سے تھے۔ ان کو ایک ہی کیمپ میں نہایت محبت و خلوص سے کیا اپنے راضی انجام دیتے دیکھ کر یقین ہو گیا کہ واقعی سومر کی فائز کمال ہی ہے خواہ جس قدر بھی منفرد عنصر جو ایک جا پڑا من طریق پر مت مستطاب۔

مجھے وہ سال ہرگز نہیں بھولتا جب ایک مذہب دو پیر ایک ہی سیٹ فار میٹنگ ملی جات قائم اعظم اجرام نال مند و مولانا ان ملام آزاد ایتھت علیاں ارجع نوپال اجاریہ، دیو بھائی پیل، یام غفتر علی دھیرہ کو دیکھا ناٹھ اور بھادی اپنے ٹک میں سوزین کے جعلی عملوں پر غور کیا۔ اتھہ کہتے تھے۔ ایک۔ مذہبیاں مرحوم شریع عبدالقادر نے کنویشن ایڈیشن ہی دیا تھا جو پہلے چھپ چکا تھا۔ اس کی ان پتہ بی دانش دوستوں نے نہایت موقع سے بے لوث تصدیق کی اور ان کے ذرا صاحب کو داد دی کہ انہوں نے اس طرح پروگرام مرتب کیا۔ انھیں اس کو بی کی علی کاروائی تھی کہ یہ بھی پیرس میں اہل یورپ پر نشہ کیا گیا وہ تاثر اور بخاری کا حصہ تھا جس کا ان کو کرم علم ہے۔

جب پکن کن قائم ہوا تو بھادی نام و نشریت لائے اس کے ساتھ ہی وہ میں حسن بھری ہوئی ماہریوں کو بھیجا گیا کچھ بریتان کن چشمہ دم حالات جو باہرین کے ساتھ پیش کئے یونان م کے کئے گئے عوام کو زیادہ تر یہی علم ہے کہ وہ کسی کی کریمت لکھ لاہور کے رینڈر گئے۔ ۱۹۵۴ء میں وہ انڈیا آفس لاہور کی تقسیم کے ضمن میں لندن گئے جس کے بعد ۱۹۵۰ء میں وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے نمائندہ ہندو کے جنوں اپنی ذاتی قابلیت سے انہوں نے دنیا کے قابل ترین حضرات کو اس قدر مرعوب اور مطمئن کیا کہ ان کو آخر وہی ۱۹۵۳ء سے شہرہ حالات میں ڈپٹی سیکریٹری جنرل مقرر کیا گیا اس جگہ کرتے دم تک (۵ دسمبر ۱۹۵۵ء) نہایت سوز طریق پر قاتل ہے اور اسی ۱۱ اقامت میں راقم نے ۲۴ اپریل ۱۹۵۷ء کو ان سے آخری ملاقات کی تھی۔ جس کی قطعاً ہی کیفیت جو مجھے یاد ہے ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

اقوام متحدہ کا ادارہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے عظیم ترین شہر نیویارک کے مشرقی جانب دو بائے ایٹ کے کتا سے ۳۲-۳۸ سٹریٹ پراؤن ایونیو میں واقع ہے۔ اس کے شمالی طرف سے داخل ہوتے ہی بہت بڑے ال میں ٹرین کو ایک نہایت قانون سے سابقہ پڑا ہے جس سے باقاعدہ تمام مایات حاصل ہو جاتی ہیں اور کوئی دیر نہیں لگتی سب مل کے ہاں پر گنبد ہے جس میں لکھنؤ ۲۱۵۰ میں جو مندوبین، ناظرین، اخباری نمائندوں اور پبلک پرسنٹ ہیں۔ اس کے جنوب کی طرف اصل سیکریٹریٹ ۳۹ منزلہ عمارت تمام آبی رنگ کی اینٹوں کی گھڑی ہے جس میں بخاری صاحب غالباً دسویں منزل پر گمرہ نمبر ۱۰۲۷ میں بیٹھے تھے اگر صبح اندازہ لگایا جائے تو اس عظیم شان اور وہ کی عمارت کا سلسلہ قریب قریب ۵۰۰ فٹ لمبائی سے کم نہیں ہے۔ ڈائریجن اس پر شکوہ عمارت کے اوک ال ملاقات میں ایک بلند نمایاں چوڑے پر لٹائی دیوتا غالباً جو پڑا تھا دم بمبر سیاہ دھات کا بنا ہوا اور نہایت بہتر کھڑا ہوا شاہد کرتے ہیں جو بادی انٹرنیشنل لائی بے حیاتی کا منظر پیش کرتا ہے۔

میں یہاں دو تین بار گیا۔ اسمبلی کی ٹینک ہنر میں کچھ وقت بیٹھا اور کھدائی دیکھی۔ اس سے بھی خرید کئے اور سیکریٹریٹ کے ملاقات کے ال میں اگر بخاری صاحب سے ملاقات کی کوشش کی مگر انہوں نے فون پر پھر کن قانون کے ذریعے ۲۴ اپریل کی تاریخ ایک بجے کا وقت طے کیا چنانچہ اس تاریخ کو میں صبح گھر سے نکلا اور گھر سے گھر سے ادارہ اقوام متحدہ پہنچا۔ بخاری صاحب سے ملنے کی خواہش کی تو قانون نے ان سے فون پر اجازت حاصل کی کہ مجھے ایک ملبہ چٹ پڑوں کے دستار کے مطابق تاریخ، میزبان، جس سے ملنا ہے اس کا نام (پروفیسر بخاری) اور کمرہ نمبر وغیرہ لکھ کر میرے حوصلے کی امداد کیا کہ وہاں لفٹ کے آگے کھڑے ہو جائے ابھی کمرہ کھلے گا اور آپ اوپر چلے جائے۔ چنانچہ جب میں اوپر چوڑا ہوا تو مجھے آواز آئی

جب ایک اہم قانون جہان کی مددگار بن گیا۔ بھاری بجے دیکھ کر کہنے سے میں گیدہ بجے سے تھا۔ انتظار کروں کہ یہ بخیر ہی وقت میں نہ دیا تھا۔ صحن: غلطاً
منتظر کروں کہ یہ بخیر ہی وقت میں نہ دیا تھا۔ صحن: غلطاً
یہ معاملہ تھا۔ جہان بگنے میں یا سننے میں ہوا۔ بہر حال میں نے بہت محنت کے بعد فریت پوچھی۔

آپ نے اہل امریکہ میں تسک کی وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے کہا۔ میں لیلہ پروگرام کے تحت یہاں آیا ہوں۔ اہل آپ سے ملے بغیر چلے جانا
کوئی اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا جس پر آپ نے فرمایا کہ میں بھی اسی لئے گیا رہ بجے سے اس وقت تک (ایک بجے) جینا رہا کہ ملاقات ضرور کرنی ہے۔ ملاقات
کے اہم کام بھی اس وقت تھا۔ آپ نے لاہور کے احباب مولانا سالک، مسرین، اور بعض دیگر احباب کی فریت دریافت فرمائی۔ میں نے کہا کہ
۱۱ مہر سے تاملی رسالہ سل دسہارنض صاحب نے جاری کیا ہے جو بہت میں ایک بدیع جوت ہے آپ کے پاس ضرور آیا ہوگا۔ فرمائے سنے اگیا بھی
ہوگا تو کہیں ہنز سوز پر آرا کا ہوگا (جودہ اصل ۱۹۵۶ء کے واقعات سوز کی طرف ایک اشارہ تھا)۔ میں مسکایا پھر میں نے کہا آپ دیکھنے سے ہی تو فرمائی
بنو گائی تھی درد دنیا میں کیلئے کیا ہو جاتا جس پر انہوں نے چند جملوں میں وہ تمام واقعات سنایا کہ کس طرح سڑاگ ہیر ٹوٹنے پانے دفتر میں بیٹھے بیٹھے
فصلے کیا کہ یہ سگہ مر سلیخت بند ہونا پائے اگس طرح انہوں نے دیکھ کے اخبار نویسوں کیلئے پریس راپاچ میں جمع کیا پھر یہاں سے لفٹ میں بیٹھے گئے
تمام کرہ بھر چکا تھا۔ ادا بھی تک کسی شخص کو علم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے جب انہوں نے ترک جنگ ۱۷ اعلان کیا تو دنیا جہان رہ گئی۔

اس کے بعد فرمایا کہ آج مات پاکستان ہاؤس میں ایک لیکچر اقبال پر ہے۔ میں نے کہا میں ضرور سننے آؤں گا۔ دیے لیکچر تو آپ نے خوب
عملی سے لکھ لیا ہوگا۔ فرمائے سنے کہ کچھ کیا ہے جس پر میں نے کہا کہ حال ہی میں میں نے لیکچر کے مجلہ کویر *Courier* میں ایک مضمون بہ عنوان
”دینکے بہت زیادہ ترجمہ شدہ مضمون ۱۹۴۸ء۔ ۱۹۵۵ء“ فروری ۱۹۵۰ء کے شمارے میں دیکھا ہے جس میں اقبال کو بھی شامل ہونا چاہئے تھا
کیونکہ اگر آج ہم صحیح جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اقبال کا کام مہینہ دو یا تین کے سوا قریب قریب سب ملکوں نے اپنے اہل ترجمہ کیا ہے۔ میرے خیال میں یہاں میں لاٹا
شہر دیوارک میں سامعین و حاضرین جسد کو بتانا چاہئے اگ آپ کے مضمون میں اس امر کی طرف اشارہ نہیں ہے تو ضرور بتانا چاہئے چنانچہ انہوں نے اس مشورہ کو
میں نے خیال کیا ادا کچھ فوٹ بھی کیا فرماتے سنے کہ لاہور کے سب سے بڑے لاهور کی زندگی کا کیا حال ہے؟ جس پر میں نے مسکاکر کہا۔ آپ کو لاہور کی اس قسم کی
گھاٹھی لاٹا خیال رہتا ہے تو مسکرا کر فرماتے سنے کہ کسی تو ایک شہر ہے جو ہماری تمام جدوجہد کا آئینہ ہے۔ میں نے کہا تو بے قول آپ کے لاہور سب شہروں
سے افضل ہے۔ جس شہر میں علامہ اقبال دنیا بہترین شاعر و فلسفی، ۱۷ ماہ پہلوان رستم زان، آغا شہر کا شیریں بہترین اردو ڈراما نویس، عبدالحق چغتائی
بہترین مشرقی مصنف، حاجی دین محمد صاحب، مولانا ظفر علی خاں میا اخبار نویس، ادا پیرس میا مزاح نگار ہوا اس کی خوش نصیبی کی تو قسم کھانی چاہئے۔
داصل میں نے ان کے بھی کچھ ہونے ان جملوں کا اعادہ کیا ہے کہ یہ ان کا تصور دایمان کی مدد تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ پنجاب کی زندگی کا آئینہ تصور
کرتے تھے۔ بات کاٹ کر فرماتے سنے کہ کھانی کی تصویریں بھی یہاں دیکھی ہیں؟ میں نے کہا ہاں دیکھی ہیں۔

داصل پچھلے ہاں میں ایک سائنس لاہور ہے جس میں تین تصاویر عبدالرحمن چغتائی کی لگی ہوئی ہیں جن کو غالباً اسی سال پاکستان گورنمنٹ نے
اقوام متحدہ کو دیا تھا۔ ادا اس میں بھی بخاری صاحب کا انتخاب ادا جدوجہد شامل ہے۔ مدعیہ نام نہ ہوتا ناظمی یہ بہت بڑا اعتراض ہے۔ کئی ہزار کی تعداد میں ناظرین
معاذہ دیکھتے ہیں۔

میں نے تجویز کیا کہ بعض لوگوں کو یہ گمان ہے کہ کسی قدیم مصنفہ کی تصاویر میں اس کو دفع کرنے کے لئے ان پر مصنفہ کے نام کے آگے مضمون
تاریخ پیدائش لکھ کر چھوڑ دینا چاہئے۔ تاکہ معلوم ہو کہ آرٹسٹ ذمہ ہے ادا آج کل یہ طرز مصوری اس ملک کی خصوصیت ہے۔ مجھے آپ نے قبول فرمایا۔

یہ ہم نہیں کہ اس پر عمل ہو یا نہیں۔ ابھی تک کسی دوسرے ملک کے آرٹسٹ کو یہ موقع نہیں ملا تھا۔
پھر آپ نے دیانت فرمایا کہ بلا اس اقدام سے کہ کوئی پایا جس پر میں نے سکرپچر لکھا تھا، جواب میں پنجابی کا مادہ نگار مسجک بونکھنے
پیش کیا لیکن یہاں جو آدمی اہل مرتبہ شمالی دروازے سے طاقت کے ہال میں داخل ہوتا ہے اس کی نظر فوراً مشرقی جانب مادہ نگار یا دھرم سنگھ کی طرف
جھکتی ہے۔ قدامت بلند نشست جس پر پرانی جتنی وہ بیٹھتا ہے، ایسے شاندار مالی مادہ میں اس طرح کی عریانی اس نے ایک مسکین جانی ہے۔
طراہ اس جبر میں بہت وسیع خیال لکھتا ہے حقیقت ہی کیوں نہ ہو۔ جب وہ دو بار اس جہان دار سے کی یہ رہا ہے اور ایسی پرہیزگار ایک بار اس جو پڑ
لے کہ پر نظر کرتا ہے تو اس کا ذہن اس طرت مزہ منتقل ہوتا ہے کہ یہ مقام بعد تفریح کا وہ عام دنیا کی زندہ اقوام کے شانہ و کرامت رنگ اور لباس
میں ایک صاحب گھر یا چار یا گھر دور ہے مگر اس ادارے سے اقامت کی ماحول میں ہرگز متوقع نہیں کیونکہ یہ خطابت جو یہاں کا ماحول ہے ان سے
فرادہ یا گیا ہے۔ اس امر کی دلیل ہے کہ یہاں کچھ نہیں دکھا۔ عام فارم اس میں دکھایا کہ یہاں صاحب نے اس مزاج کو کس کسب طاقت ایک
تہیہ لگایا اور اس کو فرمایا کہ اب رات کو پاکستان اس میں اقبال کے پیکر کی طاقت ہوگی۔

پنچ سو پہلے پہل ڈھٹاک تیرا دک ٹاٹر چرک سے پروینہ جینی۔ مدحیہ گائی ڈھاکہ ریونیٹی اور ایک اد صاحب جو کراچی سے تھے
میں کر نیلے اور تریب لیکے وہاں پہنچ گئے پیکر ہمارے جانے کے بعد شروع ہوا تھا کہ پاکستان اس میں بجا ہوا تھا یہ لانی دین عمارت تھی۔ اس جہان کی صدا
ڈاکٹر جمال عبدہ ایران کے مستقل نمائندہ اقوام متحدہ نے کی تھی ابتدا میں انہوں نے بخاری مرحوم کی علمی قابلیت کی منہایت تعریف کرتے ہوئے تعارف
کیا اور اعزاز صدارت کا شکریہ ادا کیا۔ بخاری صاحب نے اپنا مقالہ قریب ۵۵ منٹ میں ختم کیا اور لوگوں نے دل کھول کر داد دی۔ موضوع یہ تھا کہ اقبال
نے شاعری کو پہنچانے کے اظہار کے لئے ایک سوزوں ذریعہ قرار دے کر کیا علمی خدمات انجام دیں۔ بعد میں اس پر کوئی سوال جواب نہیں ہوئے
صدر ڈاکٹر جمال عبدہ نے فارسی شاعری میں اقبال کے مقام پر کچھ مزید روشنی ڈالی۔ جس کے نتیجے میں نے یہ فیصلہ بخاری کی معرفت ڈاکٹر جمال عبدہ سے
تعارف حاصل کیا۔

دور ذہد میں نے پھر ان کے دفتر ایمپائر بلڈنگ کی باسٹھویں منزل پر جا کر ان سے ایک تعارف نامہ بنام ڈاکٹر سید مصطفیٰ ہاشم مگر
آثار قدیمہ ایران حاصل کرنے کی کوشش کی۔ یہ تعارف نامہ انہوں نے بغیب خاطر فارسی زبان میں لکھ کر عنایت کیا۔ نیویارک میں ایمپائر بلڈنگ کھینڈنریل
سے زیادہ کی ہے اور بلند ترین عمارت ہے حسن اتفاق سے جب میں ان کے کمرے میں بیٹھا ان سے باتیں کر رہا تھا تو دعائی جہاز گراما میں نے خرافات
کہا کہ دیکھو دعائی جہاز آپ سے نیچے اتر رہی ہے یہ معنی اس عمارت کی بلندی کی خصوصیت کی طرف ایک اشارہ تھا۔
میں نے امریکہ سے روادہم تے وقت جون کے نصف میں بخاری سے پھر لئے ۱۷ مادہ کیا کہ وہ سہ ماہیہ تاریخ کو مینو جاتے تھے اس کا علم مجھے
ان کے دو گھر آقا اثر سے ہوا۔

میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ یہ فیصلہ بخاری مرحوم کے علمی ملامت پر کوئی تبصرہ کروں گریہ درد عن کر دوں گا کہ ان کا ایک خاص
انداز تھا جیسے روزانہ کے حالات اور تجربات زندگی ان کو موضوع بحث تھے اور وہ اپنی تحریر کو اس قدر نفسیاتی طور پر ملے جاتے تھے کہ ہر مطالعہ کرنے والا
اس پر خود گھر متا نظر آتا تھا اور اس سے اس قدر لطافت انداز ہوتا تھا کہ ختم کرنے کے بعد محسوس کرتا تھا کہ وہ واقعی اسی اعلیٰ میں چلا گیا ہے پناچہ ۱۹۵۷
میں جب میں طہران پہنچا اور ایک شب مشرطان پاکستان کے ادارہ سفارت کے ہال دعوت پر ایک اور سیکرٹری مشر مدینقی سے مذاکرہ ہوا تو بخاری کا ذکر
کیا پھر کیا تھا ان کے معنی خاص خاص موضوعات پر بھی لکھو ہوئی معلوم ہوا کہ ان کو بخاری کا مضمون "جائیک" ایک طرح کی بانی باب ہے انہوں نے اس
مضمون کے بعض حصے اس طرح سنائے کہ تمام فصل پر لطفت ہر گئی جتنی تک نہیں جھولتی۔

جناب پطرس

محمد طفیل

پطرس نے جب بھی کچھ غفلوں کے تاج محل بنائے۔

پطرس کو جب بھی کسی دوست نے پکارا، بیک کی آواز آئی۔

پطرس جس بھی راہ سے گزرے، اپنے نقش چھوڑ گئے۔ اپنے محضے لاڑ گئے۔

بھاری صاحب سے میری یاد، لٹ، ٹوٹی زیادہ پرانی نہیں، نئی بھی نہیں، اس لئے کہ مرحوم کو میں نے ہر رنگ میں دیکھا نہیں، سنا تو ہے۔ اگر ملنے جانے کی عینک، میں ان کی خدمت میں نوادہ ہوں تو سننے سننے کی حد تک یاد نہیں۔

جب یہ غالب سلم گئے تو انہوں نے پطرس کے سفایں، نکلی۔ (غالب ۱۹۲۸ء) جب میں غالب سلم تھا، قریب نے یہ کتاب پڑھی۔ برعکس ان کا لکھنا اور میرا پڑھنا غالب علمی کی داستان ہے۔ حقیقت کچھ اور بھی ہے۔ جب میں بچ تھا، اُس وقت بھی میں نے اسے پڑھا۔ اب جبکہ بچوں کا باپ ہوں تو بھی یہ قطبی سی کتاب میرا کچھ نہیں چھوڑی۔ ہر وقت اُکائی رہتی ہے۔ مجھے پڑھو، مجھے سیکھو، اپنے جو فقرے مجھے سننے سناتے پڑاؤہ کرتے تھے۔ آج خود نوکر پر مجبور کر کے کارآمدہ لکھتے ہیں۔ بڑھاپوں کا تو نہ جانے، یہ کتاب کیا کیا سلوک نہ کرے۔

پطرس کے بارے میں لکھا، آسان نہیں، اداس بیا ایک فقرہ لکھنا، قیامت ہی قیامت، میرا خیال ہے میں نے پطرس جیسا ایک بھی فقرہ لکھ لیا وہ اور کچھ میرا نہ ہو، وہ کم بہت ادیب مر رہا ہے۔

جس شخص نے اپنی زندگی میں، جو کچھ بھی لکھا ہو، اُس کے ایک ایک لفظ پر غور کر کے لکھا ہو، اب کوئی اس کے بارے میں بغیر غور کے لکھ دے تو یہ زیادتی ہے یا نہیں۔ سچ جانیے غور کرنا ہوں تو میرے بھی سینے چھوٹ جاتے ہیں۔ قلم رک جاتا ہے۔ بات آگے نہیں بڑھتی۔ مجبوراً لے کر نا پڑا۔ سکھوں پہلے، غور بعد میں کروں۔

مرحوم کے قلم بھی قریبی دوست تھے، معلوم ہوتا ہے وہ سب خود ہی کی زدیں آگے ہوئے ہیں۔ وہ کچھ نہ کچھ تو لکھ ہی لیتے۔ اب جس سے عرض کرتا ہوں — بھائی! اپنے بار پطرس پر کچھ لکھنے تو ان میں سے ہر ایک ہی جواب دیتا ہے۔ غور کرنا ہوں — کچھ عرصے کے بعد دوبارہ عرض کیا غور کر لیا ہو تو کچھ لکھ دے۔ پھر جواب ملا۔ جتنا غور کرنا تھا۔ اتنا ہی لکھا شیل مہل ہے۔

یہ صاحب مرحوم کے ایک دوست کا نہیں۔ تقریباً سبھی کہے۔ جلتے یہ تصور پطرس کے قابو میں نہ آنے والی شخصیت کا ہے یا مرحوم کے دوستوں کا، اس کا فیصلہ مجھ سے نہ کر لیے۔ اس لئے کہ مجھے آئندہ بھی پرم چاہنا ہے۔

میرا عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میرا بھی کو مرحوم کا قریبی دوست بنا چاہیے۔ حالانکہ اس بندہ پر تنقیر نے مرحوم کو مرث ایک باندھ لیا

تھا۔ ان سے خط و کتابت ہر روز تھی۔ دو مہینے مختصر، زمین نمایاں سے نام لکھتے اور پس۔

میں نے کچھ دنوں اور شید احمد دینی کا مضمون، مولانا ابوالکلام پڑھا، اس میں بھی خادموں کا آزادانہ میری حوت چند مسئلہ کی ایک طاقت ہے۔ اور وہ خادموں کے بیسے نام لکھتے۔ یہ پڑھ کر میری دلچسپی بڑھ گئی۔ سوچا پورس سے میرا رشتہ اس سے زیادہ کسے سے لگے میں کیوں پس پسوں رنڈوں کے ساتھ لائی چلتے۔

پچھلے عرصہ میں ان کا ہر روز مجرم ایک ایک لفظ کو کسی کی طرح سے سنتے، دیکھتے تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ حوت تحت لفظ ان کے فہم سے کی سنت تھے۔ بعض اوقات یہ بھی ہو۔ قیام علی تاج، عبدالحمید سالک، مونس مشر، خفاہ ندوی کی مجلس میں جی ہے۔ گپ ٹپ ہو رہی ہے۔ یعنی تعینف کے جاب ہے میں۔ مگر ان کے درمیان میں بھی غلط فہم رہ رہے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ آج ریشٹن ہے۔ جتنے روز گیا سوال کو دیا، چند کمال چوکامی یہ ہنسے فقرہ یوں ہے اور حملہ، لہذا اس جگہ اس مفہوم میں کوئی غلط فہمی نہ تھی۔

کسی نے کہا، کسی نے کہا وہ، انہوں نے کہا۔ سب لفظ ایسی پڑے فہم سے کی سنت پر غور کرو مضمون سے پس منظر پر نظر رکھو۔ یہ ایک کے مزاج کو جاننا، پھر بتاؤ، میرے لفظ سے زیادہ ہر دن کوئی لفظ اللہ ہے؟

مذہب انگریزوں اتنی جانتے تھے۔ عین رسہ بات میں جانتے ہیں۔ اور جتنی جانتے تھے۔ اتنی اور کے سادے پروفیہ میں کرمی نہیں جانتے اگر کسی پروفیہ کو میرا تبصرہ ہلکے اور مذہب صیاد جبر کے لئے تو دیکھتے۔

۱۹۳۵ء کے آس پاس ان پنجاب الیو۔ پی والوں کے درمیان میں علی اللہ خوب چلی۔ اُدھر سے بھی ہنسے بڑے بڑے جبر و سادے آئے۔ بڑھ رہے تھے۔ اُدھر والوں کو میں نہیں پھرتا۔ اُدھر والوں کی بات کرتا ہوں۔

اُس وقت یو۔ پی کے کسی رسالے نے پنجابی اہل قلم کو مصطون گردانا۔ مگر میں نے بل ڈائی گریڈ میٹر میں ادب جھوٹے۔ اُدھر والوں کا سارا زور زبان کی اصلاح پر تھا۔ اُدھر والوں میں اصلاح مشور سے کی حد تک: عبدالحمید سالک، قیام علی تاج تھے۔ مگر جوتا جو کچھ لکھ جانتا۔ سے لکھتے پھر اس ہی لکھتے بڑے بڑے تیز فہم سے اُدھر سے بھی لکھتے۔ اُدھر سے بھی لکھتے گئے۔ یا مندان لاہور کے قلمی نام سے پورس نے لکھا۔

”اُدھر کے تین مرکز ہیں۔ یو۔ پی، حیدر آباد دکن لاہور۔ لیکن اہل پیش بھی یہ بت لکھتے تھے

بھول جاتے ہیں کہ یو۔ پی میں یہ زبان خود ہے۔ حیدر آباد میں یہ زبان ایک والی ملک کے

سایہ طاقت میں چلی رہی ہے اور ہر پنجاب ہی ایک ایسا علاقہ ہے۔ جہاں اس کی نشو و نما

صنعتی فن و فنکارانہ کی زمین بنت ہے۔ جس جگہ یہ زبان خود ہے۔ جہاں خود بین بھی ہے۔ جبکہ

اتاقین شاہی سے تسلیم پادری ہے وہاں عوام سے کچھ فحش کے رہتی ہے لیکن پنجاب میں اس

زبان کی حالت ایک ہر عہد خوند و جوان کی ہے جس لاغری گم ہے اور جس کے اعضاء میں

چلک نہ ہو چھانچیں تاکہ جانتا ہے اور اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ اس کا ہر قدم بگڑ چکی ہو

پڑتا ہے یا نہیں۔ اسے سمت کا اتنا ہی شعور ہے جتنا کسی اور قدرتی فو کو ہلکے ہے۔

لہ ایک وہ مضمون تاثیر نے بھی لکھے تھے۔ جو کے ادنیٰ مندان لاہور دیا ادب احمد کے نام سے چھپے تھے

’جگہ اس سے بھی تیز نفرت ہے۔‘

’یہ اپنے اپنے شے خشک ہو چکے۔ پیاس بھانسنے کے اب وہاں جانا بے سود ہے۔ اب چاہ
کی رہبری بجز اس کی اپنی قوتِ تاثیر کے کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ یو۔ پی۔ سی اور وہ اب ایک سسکتا
مہاسپ ہے۔ جو کبھی کبھی ایک تحفہ سی پھٹتا۔ مارتا ہے اہ بس‘ اب یو۔ پی۔ سی مرنا اور
رہنا ہی نہیں کر سکتا اور نہیں جانتا کہ اس لاچار چڑھی اس کا مرنا یا نہ انکار اس
کی فطرتِ تنقیدیہ سب انحراف کی نشانیاں ہیں۔‘

پلاس کے یہ نفرتے تیکے ضرور ہیں۔ مگر قازمی کا سلسلہ دواؤں طوت تھا۔ بڑی بات تھی تو دواؤں طوت‘ اچھی تھی تو دواؤں طوت‘ گرمی جو
بت یہیں عرض کر لی جانتا ہوں۔ وہ یہ کہ کروڑوں کی زندگی کے ہر مرحلہ پر سرداری کا سپاہی۔ جب اپنی پنجب ہی کے تھے تھے جاسے تھے تو یہ کچھ پپ پپ
وہ جس بزم میں بیٹھتے تھے۔ چاہتے تھے۔ میری باتیں‘ میرے جملے‘ حاصل بزم میں۔ بزم وہ اب میں بھی انہوں نے ادائیگی ہی کسی پر بیٹھا
چلا۔ بزم ہی اس میں بھی اسے قازمی دیکھنے ان کی طوت ضرور ملے دیکھا۔ یہ ایمان ہے کہ وہ یوں سر فروزا رہتے آئینہ خود کشی کیلئے۔ ان کے مذہب
میں‘ کسی بھی مرحلہ پر شکل‘ موت کے مترادف تھی۔

مردمِ پرتو دار بھی ہوتے تھے۔ خوب بھی جیتے تھے۔ معاملہ بھی ان کا خوب تھا۔ مافذ بھی خوب‘ جہاں کے معاملہ کی زہرا گیا وہ چت‘ جو
ان کی ذہنی پرچ کی زہرا گیا وہ چت‘ قابض قدرت نے انہیں بھیجا ہی اس نے‘ مٹا کہ لوگوں کے دلوں کی فضا کو ہی‘ داخل کو بھی۔
مصلح تعلیم کے لئے جب یہ نڈن گئے تو انہوں نے آج صاحب کو کیا عمدہ کھا تھا۔

’معرفت یہ کیمبرج یونیورسٹی ہے۔ یہاں کا ہر فرد وہ پتھر تاریخ انگلیس کی ایک فاموش فصل
ہے۔ یہ وہ نامعلوم ہے جہاں ہم سے کہیں پہلے جان ارہ ڈا جس نے امریکہ میں ہاروڈ ازیو
کی بنیاد ڈالی (آمبر کام ویل) (Cromwell) (سٹرن) (Stearns) کو ترجیح
سیونٹھیل بلڈ‘ لیکن‘ ٹینیسن‘ ہیکلے‘ میلے‘ نیوٹن‘ بل ڈولین‘ پیلے‘ لارڈ چرنیلڈ
لارڈ‘ ڈیم پٹ‘ گرسے‘ اور ملٹن کب نہیں کہہ چکے ہیں اور جہاں اس وقت انگلستان کی
ائمہ نسل کے کئی شاہرہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس بھارت میں ہندوستان کا ایک مہمیا
ہوا ہے رنگ و بو بھول گیا حقیقت رکھتا ہے۔ غریب ان باپ کا بیا‘ ایک غلام قوم کا سرور
تیسرے ہزار عشق کی شہزادیوں کا پٹھے والا‘ شاہزادہ کا دلوانہ‘ بھلے اہ سارنگی کا شوقین‘ زمین
اور گرد و گشتال کا خیردار‘ ایشیائے مشرقیہ انسانوں میں رہا ہوا۔ مفید پیش و معشر کا مہمیش مند
اتحادِ اسلامی کے خواب دیکھنے والا‘ میں بھلا کیا حقیقت رکھتا ہوں۔‘

جندی صاحب جب کیمبرج پہنچے تو ان کے سامنے یونیورسٹی کا سارا مافیہ تکہ چھوٹی بڑی کئی ادبی چائیں‘ انہیں طوت زدہ کرنے کے لئے
تکدیر کے صفحات پر موجود تھیں۔ انہیں اپنی کم بائیں کا احساس تھا۔ عموماً وہ نہ تھے وہ مارے نام گزرتے فرد ہیں مگر اس احساس کے ساتھ کہ کبھی میرا بھی
نام ان لوگوں کے ساتھ لیا جائے گا۔ عموماً ہمارا یہ شروع ہی سے جانتے دتے۔ بلکہ عموماً کہنا ان کا سن رہا۔ یہی وجہ ہے کہ غریب ان باپ کے بچے تھے

پسے آپ کو بٹانے سونہ سے میں بڑا زور دیا۔ جیسی زور دیا۔ ریاضت وہ بھی اس حد تک کہ جس کے سبب بات ہے۔ آج کل (اوس وقت بھی) راکے لندن اس لئے جاتے ہیں کہ ہمیشہ لڑائی میں۔ پڑھنے کہاں جاتے ہیں۔ گریڈس نے وہاں جا کر صرف پڑھا۔ بلکہ تاحیں آؤ پر عیا بھی۔ قدرت اگرچہ اس کے لئے نکالے ماسرغ دیتی تو پھر سہی دنیا کی جی کہ پورس کا مقام دنیا کے سیکھوں میں بھی کسی حد تک نہیں۔

نہاری مدد جب کوئی صحن کھینچتے تو وہ مال سکھانے سے کہتے تھے۔ بالکل آف حلقہ۔ تباہ جب کہ کھیتے دیکھتے دیکھتے۔ فنانا اپنی مہر نکالتے اور جگہ پتے کسی ذہنی دست کے پاس کہ اسے دیکھنا نہ سنا۔ جب تک کہ پتا نکالنا صحن۔ پتے سے دیکھنا کہتا نہیں دیتے تھے۔ انہیں صحن نہیں آتا تھا۔ بیکل رہتے تھے۔

جی حال۔ ان کا دستوں کی تعلیم کے بارے میں تھا۔ وہ ہر دست سے اچھا کرتے تھے۔ تاہم کوئی چیز بھی کہ کچھ کھانا تو سب اچھا ہے۔ بارہ ستا، تو اس میں صیب ہی صیب نکالتے۔

ابتداً ہی تاج نے کچھ بتایا۔ میں نے جب بھی پورس کو کوئی چیز سنائی۔ اُس نے بڑا دھڑاں اٹھ کر دیکھ دی چنانچہ میں مرحوم کی اس حرکت پر پریشان رہنے لگا۔ اور یہ ہے کہ کیا کہ اب انہیں کوئی چیز نہیں سناؤں گا۔ چنانچہ ایک دن میں اپنے کسی دوست کو اپنا کوئی مضمون نامہ لکھا تو وہ دم سے اٹھ گیا۔ میں نے انہیں دیکھ کر مضمون نہ کہہ کر دیا۔ پورس نے تادیب لکھنے لگا۔ اب مضمون کیوں نہیں سناؤں گے؟

تاج صاحب نے کہا: آپ کو کوئی ٹاک سنائے۔ آپ تو ہر چیز میں سو سو کیسے ڈالتے ہیں۔ اس لئے میں نے لے کر بیٹھ کر اُن کو آپ کو کوئی چیز نہیں سناؤں گا۔

تاج صاحب کہتے ہیں۔ پورس میرے اس جمل پر بڑا زور دے دیا۔ اور بڑے پدے لگا۔ کچھ تو نے لے دیا۔ کچھ ہے۔ میں جب بھی تبدیلی کوئی چیز سنا ہوں تو میرے پیش نظر دیکھ کے تمام بڑے بڑے ادیب ہوتے ہیں۔ میں جس میں ان کے سیار پر رکھا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ اہم نام۔ نام اچھے ساتھ لیا جائے اور تم ہو کہ مجھ سے نام نہ ہو۔

یہ بھی پورس کی تعداد نشانات اور دستوں کے نون کے بارے میں طلسمی، اب کوئی تسلیم نہ کرتا۔ آج پنجاب کے تھے بڑے شاعر اور ادیب ہیں۔ تقریباً ان سب کے نون کے شمار میں پورس کا شمار ہوتا ہے۔ یعنی نہ تو ان کی بات کی تعلیمی مالک۔ تاج صاحب۔ صوفی۔ رائے اور شیخ سے کوئی جگا۔

اے یہ بھی پورس تو وہ جانتی جو علامہ اقبال تک سے بھر پور کرتی تھی۔ ایک طرف اقبال اور پورس کی برسوں کے غصے پر بات میں نیلی۔ بڑی ہوئی۔ دیکھیں دیں اور میں کوئی بھی قائل نہ ہوں۔ بلکہ اقبال پہ ہونے جب پورس پڑے۔ اقبال نے ایک نظم پورس کے بارے میں کہی میں کا عنوان ایک فلسفہ زندہ نہاد کے نام تھا۔ نظم یہ ہے۔

آپنی خودی اگر نہ کھوتا	نہاری برسوں نہ ہوتا
ہمیں کھنکھ کر رہے قالی	ہے اس کا ہم سب خیالی
حکم کیجے ہر زمانہ؟	کس طرح خودی ہو لڑائی؟
اہم کو ثابت کی طلب ہے	دستور حیات کی طلب ہے
دنیا کی مشا ہمیں سے لڑتے	مومن کی اوس عنائے آفاق
میں اصل کا قاصد سونائی	ابیر سے قاف و مستائی

نوسید ہاشمی کی اولاد مری کھٹ خاک برہمن زاد
بے فلسفہ رہے اب دگل میں پوشیدہ رہے دھنڈل میں
اقبال اگرچہ بے بزرگ اس کی دگ سے بے بزرگ
شعلہ ہے تھے جنوں کا بے سحر سن بھڑے یہ کھٹ دل اندر
انجام خدہ ہے بے معنوی سہ فلسفہ ندگی سے دوری
انکار کے نعرے بے صورت میں نذوق عمل کے واسطے موت
دیں مسلک زندگی کی تقویم میں مرام و براہیم
دل در سخن محمدی بند اسے پور علی زبور علی چند
چوں دیدہ راہ میں ندان قاتل قرشی از بہ بناری

خدیجہ اتہال پطرس کے بارے میں نغم کہتے ہیں۔ اقبال اس وقت اپنے عروج کی آخری جنبش پر تھے اور پطرس جنبش کی طرف ہلک رہے تھے مگر مصلحت دیکھ کر ہمارے شکستے لی۔

اب ذرا مضمون میں توازن پیدا کروں۔ دہ آپ کہیں گے کہ میں بابر یا زندی برتا چلا جا رہا ہوں۔ مرحوم تو واقعی بڑی صلاحیتوں کے اگلے تھے۔ ان کی تعریف و توصیف نہ بھی کون قومی ان کا کچھ نہ جڑے گا۔ میرا پڑا ہوا ہے۔ اسی الزام سے بچنے کے لئے مرحوم کے چٹکی لے رہا ہوں۔ اس کے دے فائدے ہوں گے۔ ایک تو پطرس بے چارے کے اقداروں کے زبر سے نکل جائیں گے۔ دوسرے پطرس کے بدخواہوں میں سے کوئی بچے جان سے نہیں مارے گا۔ — تو مرحوم میں۔ میں مرحوم بننا نہیں چاہتا۔ موت برحق فرض ہے مگر وہ پطرس کی دہ سے کیوں آئے۔

پطرس کے دل فقر و ترکیوں اور خیالات کی تیار بہت ہے۔ وہ اپنے ایک دوست کو جن خوب صورت الفاظ سے یاد کریں گے انہی الفاظ اور انہی طرزِ عبارت سے اپنے ”دوسرے دوست کو زیر کریں گے۔ مرحوم کو کیا پتہ تھا کہ میرے بعد یہ کج نیت میری اس کمزوری کو اچھلے گا۔ یہ نقشِ مرحوم کے خطوط میں زیادہ نمایاں ہے۔ اُن میں ایک ہی طرح کے الفاظ کھتے ہیں۔ ”ترکیوں کھتی ہیں گرجاؤں پر پرے کے پرے لڑ گئے ہیں۔ شاملیں کیا ہیں۔ خود پر لڑے۔“ اسی لنگن کو آرسی کیا۔

اسی ضمن میں، میں نے ایک لطیفہ سنا ہے۔ معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے۔ راوی اس کا مقبرہ ضرور ہے۔
دلی میں جب عصمت چنتائی پطرس سے ملیں۔ تو یہ ان دنوں آل انڈیا ریڈیو کے فائزر کٹر چل رہے تھے۔ عہدے کا بھی رعب تھا اور پھر بھی پطرس مقابل میں بھی عصمت تھیں۔ ایک اربوں کا امام، ایک اربینوں کی امام۔

مرحوم نے تا بڑا بڑا کئی خوب صورت فقرے کہہ ڈالے۔ عصمت چٹ ”عاموشی سے سختی رہیں۔ جب پطرس زندہ تھے تو عصمت نے کہا: ”آپ کے یہ سارے فقرے میں پہلے ہی سن چکی ہوں۔ کوئی نیا فقرہ کہئے۔“

معلوم نہیں یہ دربارے دستوں کی زحمت زانی بھی، چھڑا چھڑکتی یا انا، عصمت بفضلِ تعالٰیٰ زندہ ہیں۔ اگر انہوں نے بکے اس واقعہ کے غلطیاں صحیح ہونے کے بارے میں کچھ دیا تو میں آپ کو بھی بتا دلاں گا۔ لیکن آپ اسی شعلہ میں عصمت کا بھی معنوں پر لڑیں یہ واقعہ ممکن تو ہے پطرس بھی برا عصمت بھی ملایا۔

مطالعہ، مطلق پہلی حکمت بھی میں ہوتی۔ غلطی بھی پطرس کی طرف سے ہوتی۔ کچھ نہ تو عمل کچھ نہ۔

یہی ہے کہ پوس صحت سے بہت قدرتی و عوام نے صحت پر ایک نئے رجحان کا شعور پیدا کیا ہے۔ اس نئے رجحان کی وجہ سے

پس کے مزاج میں اپنے بچہ کی زندگی کے عام طرز میں بھی یہ بات ہی کیا ہے کہ کتابی بیان کرنے سے بہتر وہ بھی کہہ کر دے
 : ان میں انہوں نے اسلامی کی زبان میں ایک سوسائٹی بنائی۔ دوسرے سکاٹ لینڈ کے تھے۔ تیسری سکاٹ لینڈ کے تھے۔ اسیں جب
 میں اٹل پڑے شام کو باقاعدہ حساب ہوتا۔ بخاری کی جب میں باقی ممبروں سے زیادہ اہل برکت ہوں تھے۔ حتیٰ کہ وہ مجھے پریشان کر کے کہیں صاف کر دیا
 کہتے تھے سالک صاحب راہی ہیں کہ ایک اور انہوں نے اپنے ایک پادری سے کہا: اچھی ٹھیکہ ملنے سے جو اجنبی شخص نے وہیں جب میں
 والی۔ پادری نے پکارا کہ بخاری نے اسے یہی کہا: چلاؤ بخاری نے! اس میں بڑی۔ وہ اس دن سے یہ ساری ہی توڑ دی اور پھر اپنے
 جان کی موت۔

ایک کے زمانے کی بعض شہزادوں کا ذکر، جنہوں نے اپنے ستموں پہل میں پڑھ لیا ہے۔ یہاں ان کا ارادہ ان حقیقتوں پر بارگاہ
جن غلاموں نے وہ کتاب پڑھی ہے اور بار بار پڑھی ہے۔

عاجز صاحب نے بتایا، اہل بیت میں 'سرت' تیار، 'حقائق' اور 'پاس' موزر پڑھ رہے تھے۔ استاد نے شاب پر اپنی کھینچ کر میں سے کسی نے کہا، 'پاس' کی ہے۔ میری نیند بیٹے کو کچھ دکانیں ملی تھیں۔ جن میں اب تحریک والا بھی تھا۔ اس سے پاس خریدتی تھی۔ بخود صاحب سے ان پیسے والوں سے پوچھا۔ پیسے میں آپ حضرات نے پاس، جس نٹولی گئیں قریب کی لکڑی بھی سجا چکے تھے۔

سب نوٹری میں بیٹھے رہے۔ پانچ میونسٹرا کا آواز آیا گیا۔ جب سب نے نی کڑ کا رہے چکے تو بخاری صاحب کان دار سے کہنے لگے۔ بسے میں! یہ لوگ نہ انداز لباس میں ہندو ہیں۔ مگر ہمیں سب کے سب آواز اور دھڑکنے کی جیسوں میں بعض کو بڑی نہیں۔ ان لوگوں کی دوستی میں عجیب سے شریعت آدمی کا بھی حال تیار ہو گیا ہے۔ بہر حال ہم اس وقت آپ کے سارے پچھلے مفروضہ میں اعتبار کریں تو یہ رقم کی تفسیر سچا ہوں گا۔ اگر آپ کو میری بات پر اعتبار نہ ہو تو میری ۳۵ ہزار کی گاڑی کل تک کس لئے رکھی رکھ لیں۔ ہم آپ کا سارا پیار دے جائیں گے تو یہ اپنی موٹر لے جائیں گے۔

ابھی دکان دار فیصلہ ہی نہ کیا تھا کہ موٹر رکھی کہ نہ لیا اعتبار کر لیں۔ بخاری صاحب نے موٹر اشارت شکریہ دکان دار سے لے لیا۔ غرض کہ سوچنا ہو گا۔ پانچواں بھی اچھا کسی نہ تھا۔

ایک رعایت یہ بھی ہے کہ جب یہ آل انڈیا ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل تھے، انہوں نے ایک شمار خرماء اپنے ایک دوست کے ساتھ لے کر دہلی کی قومی بستی میں گھر کا کارہ مصادی۔

بیابا اللہ کے نام پر کچھ لے گا؟

”ہم دونوں بھائی کھانا کھا رہے ہیں۔“

• کھانا کر کھانا ہوگا •

اپنے بچوں کے ہستے میں ہیں کھانا کھلاؤ۔

علوم ہے، ان کا ساتھی لون تھا؛ سائے گورنر جنرل پاکستان غلام محمد! پورس کے یہ شغلے جیب مزد تھے۔ مگر ان میں زندگی سے پیار اور اس سے نفرت انداز ہونے کی کئی قسمیں دیکھ دیکھ رہے ہیں۔ روح کو معلوم تھا زندگی بڑی نعمت ہے۔ اسے ہر رنگ میں بسر کر دیکھو۔ میرا خیال ہے نہ دینے، اپنی کوئی حسرت ساتھ لے کر نہیں گئے، کوئی بھی حسرت، سوائے اُن کے

آج صاحب نے مجھے بتایا، ایک بار حنیفہ جاندھری، پورس سے ناامان ہو گئے۔ دوستوں کی تارامنی پورس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ لیکن اب پہلے رہتے تھے چنانچہ ایک ان کہنے لگے حنیفہ مجھ سے ناامان ہے، چارے چل کر مٹائیں، چنانچہ میں اب پورس حنیفہ صاحب کے ہاں پہلے۔ پورس نے جانتے ہی کہا حنیفہ میری خدائیں سعاد کرو میں آج سعاد ہی ملنے آیا ہوں۔ پورس نے ہر ہر انداز سے چاہا حنیفہ کی ناراضی ختم ہو کر وہ شے سے مس نہ ہوئے، روح آزدہ ہو کر لوٹے۔

کوئی آٹھ دس دن ہوئے حنیفہ صاحب میرے دفتر آئے۔ میں نے اس واقعہ کے بارے میں استفسار کیا۔ فرماتے تھے: تم نے خرچہ کیا ہے۔ ٹھیک منگے۔

۱۰ خربت کیا تھی؟

تمہیں کیا بتاؤں غلیل، بخدی میرا دوست تھا، جبری دوست، اس جیسا آدمی پاکستان نے پیدا ہی نہیں کیا۔ ذات اُس پر ختم تھی۔ دوست: حقیقت کی بجائے جی میں بھی وہ کسی سے بچا نہ تھا۔ مگر.....

مگر کیا؟

”مگر محبت پاکستان کی بعض ایسی شخصیتوں کی سلاحتوں کا منکر تھا، جو میرے نزدیک واجب الاحترام تھیں۔“

حنیفہ صاحب کہے ہو تو یہ فرقہ کمر لگے ہیں نے بھی سن لیا۔ گریں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ اس نے کوئی بڑا آدمی، اگر دوسرے کی بھی بڑائی کا اقرار کر لے تو اس کی اپنی بڑائی پر حریف آجاتا ہے یا وہ کچھ دیتا ہے کہ حریف آگیا۔ یہ بھی امکان ہے کہ اس مسئلے میں، پورس کی نظری پرک گئی ہو اور انہوں نے ان بزرگوں کو سمجھنے میں بھی غلطی کی ہو۔ مگر ان کی تحریروں، تقریریں، اہم خطوں سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی۔ برطانت اس کے پاکستان کی بقائے نئے مرحوم کے کارنامے اٹھ ہیں۔ دنیا میں ان کی حب الوطنی کا شہرہ رہا۔ یو۔ این۔ اے کی دور دراز مرحوم کی پاکستان دوستی کی تیس کمانے کو تیار ہیں۔ میرے دوسرے کے تصدیق ہیں، اس چیز کی پیش کش میں بھی بہت کچھ ملے گا، ایک جگہ نہیں، کئی جگہ۔

بخاری صاحب کو کوئی باتوں سے جیت لے، یہ ناممکن تھا۔ آغا شرف جلتے ہیں کہ ایک سلسلے میں بخاری صاحب صاحب پہلی پورس کا نفرین سے واسطہ پڑا تو یہ چہرے سے فعال نظر آئے۔ بخاری صاحب کو بھی معلوم تھا۔ میری زندگی اور موت کا فیصلہ آج ہی ہونے والا ہے۔ چنانچہ یہ اپنی جگہ پر نہ چرکتے تھے۔

ہندوستانی اخبار نویسوں کو سوجھی، بخاری کا جوس آج ہی نکال دیا جائے۔ چنانچہ وہ سب بڑھ بڑھ کے سوال کر رہے تھے۔ میں مٹن تھا کہ ان کے پاؤں لکھ جلتے۔ مگر قدرت نے بخاری کو قوتِ گویائی کی غیر معمولی صلاحیت عطا کی تھی۔ اکھڑتے کیسے اکھڑتے۔ یہ پے پے اپنی سائنی اور مزاحیہ غریبوں سے ہندوستانی اخبار نویسوں کو چرت کر سکتے تھے۔ ایک سال کے جواب میں کہا۔ پاکستان کو ہندوستان سے تعاون کن ہی چاہتا ہے۔ مگر ہندوستان ہی ماہِ واسطہ پر نہیں منہ۔ قیام پاکستان کے وقت یہ طم اٹھا کہ پاکستانی قریح کھڑا کر دھیروں میں سے کئی ہزار دھرتے دسے جائیں، جو سنے سنے ضرور لگے۔

لیکن جب غصہ نہ کھسکے تو اسے جوتے بائیں پاؤں کے نیچے ڈالیں یا پلویں کیساتھ تھام لیں۔

یاد اس کے قسم کے ہندوں طاقت ہیں۔ جو بخاری صاحب کی غیر معمولی ذہانت کے منظر میں کوئی ان لوگوں تک نہ کر سکے۔
 سوائے غلام مصطفیٰ صاحب مہتمم راوی ہیں کہ فسادات کے دنوں میں امتیاز علی متحجہ نے جو رائے جوئے تھے ایک شام سالک بخاری اہل علم
 ۳۱۔ لکھنے کے قریب قریب مدد فرمادہ پایا۔ وہ بخاری صاحب نے کہا۔ کچھ بھی نہیں سمجھتا یہ بے کرم لوگ یا تو
 جنگ میں جیتے ہیں یا (Panic) جنگ میں اب نہیں پڑے۔ متحجہ صاحب میں بھی زندگی کے آثار نظر آتے۔

بھائی صاحب غائب کے بڑے ماحرقے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ قاتب لا خیال ہے کہ انسان حیوانِ ناپسند ہے۔ لیکن غائب خود حیوانِ
فطرت تھے میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں، بھائی غائب کے ہم پل تھے مگر اس سے بھی دو ہاتھ آگے۔ ان کے سبھی دوستوں کو ان کے متودعیہ اور شخصے یاد ہیں
میرے ساتھ ایک دن تو بخاری سے کہا کہ آپ اپنے مضامین لا ایک مجھ چھپرائیں اور اس کا نام صحیح بخاری رکھیں۔ بخاری نے بے ساختہ جواب
دیا: عویز من! آپ اپنی فکر کا مجھ پر چھپوائیں اور اس کا نام کلامِ مجید رکھیں۔

ایک بار ایک صاحب نے بخاری صاحب سے پوچھا: بخاری صاحب آج کل آپ کچھ سنتے ہیں؟
بخاری صاحب نے جواب دیا: یہ سوال ایسا ہے جیسے کسی عرب سے پوچھا جائے: تو مائل ہے؟

بڑا کوئی بخدا صاحب کے لطیف، چٹکلے، تھنے ہی پر آجسے آپرہ رو کتابی چھاپا جائے گا۔ ایک روئیں، ہزاروں لطیف (واقعی، ناول، لطیف) ہمیں نے اس طے کر لیں ختم کیا تو بہت ممکن ہے یہ صفہ بخدا صاحب کی شخصیت پر چھاپا جائے ان خود بخدا صاحب پبلیکیشنز سے لے کر سب سے چھاپتا ہوں۔

بھاری صاحب کو کھانے سے بڑی دلی چسپی تھی۔ اس کے من سے بھی کما حقہ طاقت تھی۔ جس کا ذکر اردنی مجلس پر آئے گا۔ جب تک یہ گھنٹہ لاکھ میں رہے۔ لاکھ کی ڈائمنڈ کب زہدوں پر رہی۔ خوب خوب داد و مال کی۔ یہ نعمت بڑی ذوق و محبت کے مالک اور جن جیسے وہ لاکھ بھاری کی ایک ٹھٹھکی دیکھ کر دنگ رہ جاتے۔ ان کا ارادہ تھا۔ پختہ ارادہ کہ وہ اس کے من پر ایک سو دو کتاب لکھیں۔ یہ اس ضمن میں اہل سنت کی کو پڑھتے رہے کہ یہ سلاسلہ دو بار ایک کام ہو جانے لگا۔ یہ خاص سبب ان کے ساتھ اس لئے دین ہو گئی کہ ان کا کوئی دوست کسی سے نہیں بڑھا تھا۔

اور ہر کئی تحقیق کام کرنا چاہتے تھے جن میں ایک بچوں کے سہ ہمدی کتابیں تھے اور انہیں تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ بچوں کے لئے ایسی دوسری کتابیں لکھ جائیں کہ ہر مغل ان کی یاد رکھ سکیں۔ اسی دعوے سے انہوں نے ایک اسکیم بنائی جو کسی بھی بے باور نہ ہوئی۔

[illegible]

اصل میں بخاری صاحب ادب ہی کے لئے کتب سے زیادہ موزوں تھے۔ غرض کہ ان کی اڑان میں وہ اس طرف توجہ نہ کر سکے۔ انہیں کس کو ہمارے ہاں تجھے بھی صاحب اختیار سمجھا سکتے۔ ان میں بھی کوئی ایسا دیدہ و نہ نما جو بخاری کی شیفتہ کر چکا ہو نہ تھا۔ ان سے ادب کے سناٹے ہی کا کام لے سکتا۔

بہندی صاحب اپنی آخری عمر میں پنجاب یونیورسٹی کی وائس چانسلری کے لئے روشن رہے۔ مگر انہیں وہ بھی نہ تھی۔ یہ بخاری صاحب کے ساتھ

علم نہیں تھا تو کیا تھا یہ بت ان کے لئے قیامت تو ختم کی کہ کسی دینور پٹلی کے ماس چاندروہ تھے۔ جس میں دینور پٹلی کی خوش قسمتی تھی جس کے دائیں چاندروہ کی صاحب ہوئے۔

ایک دروہات، جذب شورش پائیری کے بھی خوب سنئے۔ جیسے شورش صاحب ہیں۔ ویسے ہی یہ واقعات، یعنی بہت دشمنانہ گفتگو، مرحوم کی دماغی کے سبب واقعات پر ادھ کیسے، شنی نہیں ڈالی۔

ایک دن میں، ایک، جبر و فیس کا کام یہ تھا کہ وہ بخاری صاحب کے خدمت لکھا کرتا، ادھی بھر کے لکھا کرتا تھا، یہ صاحب پہلے تو دلی کو پہنچتے رہے کسی دن بہ اللہ کا بہ و غرضی راہ راست پر جا کے گا۔ جب دایرس ہوئے تو ایک دن اس اخبار کے دفتر جا پیئے۔

انہوں نے ایڈیٹر کو کسی عادت پر پرا جان تھے۔ انہوں نے اس کے کان میں کہا: بھاپ سے بھولے میں ایک کام ہے۔

وہ صاحب کے کام نہ۔ آج ضرور، پکی ہار گرا دیوں کا سو: دھنکے گا، خوش ہو کر لکھے، میں میں ہزاروں کی سوچ لی۔

جب بخاری صاحب اور جب ایڈیٹر صاحب ایک ایک کمرے میں پہنچے تو انہوں نے دعا زہ بند کے معنی چلا دیا۔ منہ سے کچھ نہ بولے۔

بہسے، عینان سے کس گنہ یزور سے چاندروہ کیا، ایک دھ، ایک اُور، اس کے بعد چٹنی کو لئی، ادھیہ کہتے ہوئے یہ دیاں اتر گئے، اب عینان سے یہ لکھا تھا،

مقدمہ بدوستان میں، جب، بھاری کا طوطی بت تھا، خلافت حکومت سرگرمیوں کے سلسلے میں، مالکان وقت کو اور امانت علی کی تلاش ہوئی۔

وہ درپوش ہو گئیں، یہ کچھ ہی دنوں کا قسط ہے، جب بخاری صاحب ریڈیو کے ناڈا لکھے۔

ریڈیو پر روز اعلان ہوتا، اور امانت علی کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے ہیں، جو صاحب ان کا تہ پتہ بتائیں گے، انہیں انعام دیا جائے گا۔

یہ اعلان ایک دن نہیں ہوا کی ملن ہوتا رہا۔

جو حکمرانوں سے یہ کہ تھا کہ امانت علی کا تہ پتہ بتانے والے کو اعلا دیا جائے گا، اسی حکمران کے ناڈا کے گھر اور امانت علی، بہت تھیں

امانت علی سے مرحوم کے بڑے خلعانہ تعلق تھے۔ یہ واقعہ ایک طرف تو حق و سچی کی آخری حد ہے اور دوسری طرف جرات و بہت کی ایک

عجیب داستان!

بخاری صاحب نے زندگی بھر اپنے دوستوں سے ٹوٹ کر ہی محبت کی اور نہ تھا، برضات اس کے ان کے دوست اتنے عاشق ثابت نہ ہوئے۔

اپنے فطرت میں، انہوں نے کیا کیا گئے نہیں کئے، اس کی ایک نسیانی، جبر یہ بھی ہو سکتی تھی کہ مرحوم کو چھوٹے کئی عارضے تھے، جس پر کینسر میس خفا کیا تھی

مرمت ان کے سامنے تھ تو ان ناچتی رہی، مگر یہ سنگین چراسے، دل کو طرح طرح سے بہلاتے رہے، بالاخر اس جیلے شخص اور عالم کو موت نے آن ہی دیا

توج یہاں سگ ہے، خوش پریشان ہو گا۔

یہ مانگے نہ تھے کا معنون مزو دہے، مگر مستند ہے میا فریا ہوا کی قسم بھی کون کھائے!

مگر جادو وہ ہے جو سرچرچہ کے لئے۔ جادو سرچرچہ کو لاتا ہے۔ ہم انہیں پہلے نہ پڑھتے تھے۔ اور پھر ہم کہتے تھے کہ جادو اقبال کا۔ ایک جادو اقبال کا تھا۔ مشکوہ۔ جو اب مشکوہ پڑھتے ہیں ہمارے سر پر ایسا سوار کیا قیامت کے دن بھی سوار ہی نہ کرے گا۔ جادو جادو پھر اس کے سر پر سوار ہوئے لا قہتہ سنئے۔

چوٹی، جس پر آبلے ساتھ ان کے رُخ کو کرے تھے وہ ٹھہر کر سس کے غلا سے چوڑی کے سرے میں آتی ہے۔ چوڑی اور کھانکا لازم و ملزوم میں آکر چلے
اگر وہی چوٹ نہیں لوچ چوڑی چوڑی کہہ رہا۔ زانیہ نے زبانی نہ بھرتا ہے مگر یہ کتاب دیکھ کر کہہ دیتی ہے اس کے میں اپنی حماقت کو حق کی بجائے
تابت کی بنا پر دیکھ رہی ہے۔

ہاں ہی حماقت کو حق کو حق کو حق بھی ثابت ہے، یہ دیکھنا چاہیے کہ کتاب پر کاشی سے سی کو تو سید کہا جاتا ہے
ہمارے نزدیک یہ سب سے بہتر تعریف تھا، اب جب کہ سید مٹ کے تم سے بچل گئی۔ یہ سید مٹ چیکے ہے اور اس نے اپنی کتاب "انٹرس
سید سٹریٹ" میں سافٹ "Society" پر لکھے تھے یہ لفظ چھوڑ دیا۔ — TRUTH TORSY - TUAU, AT ONCE TRUE AND ABSURD. یہ بات عجیب ہے حماقت کو حق کو حق کو کتاب کو حماقت ثابت کرنا۔ پھر اس پر تنقید سے وہی کہہ کر لیا جو حقیقت
اتفاق ہی سے کہہ رہا، میں یقین ہے کہ کوئی سچا مصنف خود نہیں بٹھا کا، قلم تو اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے مگر وہی اس کو کہتی رہا تو چاہے۔ اور یہ دعویٰ اپنی
مروج خرافات سے ایسے کل اتر جاتی ہے جن کا احساس مصنف سے روٹی میں بدینہ تیار نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ سید کی روح جب بطور قلم چلا رہی تھی تو اس نے
حقیقت کو حق کو حق کو کتاب ثابت کرنے والا لفظ کر دیا۔ روح سے وہی علم انسان میں مومن ROMUS کہتے ہیں یہی کہتی ہے حقیقت اور حماقت کی اس طرح
گڈڑ لگتی چلی جاتی ہے کہ حقیقت کے اور حماقت ثابت ہو۔ روح ہمارے بیڑہ نکال دے کبھی چھو کر نہیں لڑائی ان کی حماقتوں کو پڑھے ہنس کی ایک
لہر دوڑ سکی۔ مگر زانور کبھی قرآن کی حماقت حماقت ہی رہ جائے گی۔ باطل نامکمل، غلط بات، من کرامت، لڑائیوں کو سنبھالنے کے لیے ٹھیک ہے، اس
پر ہنسا بدنامی ہے مگر پھر اس کو مومن سے کہہ کر دیا ہے۔ اس کے فلسفے کی آواز اسے مومن ہے۔

اب بتائیے کہ پھر اس کیلئے؟ اگر پتہ مل گیا۔ اس کے لئے دیکھے اس کے لئے بتائیے دیکھا، اسے خود سنئے دیکھا، اس کا دیا پڑھا اب اس
پہلی کو بوجھ میں کیا کہے۔ ایک بات سمجھ میں آئی۔ یہ کہ پھر اس کو کچھ بھی ہے کہہ دینے کی چیز اور بتانے کی چیز بیکسیر لاکھ Puck اس کے کان میں کہہ
دیا ہے اس کی روح کے کان میں کہہ دیا ہے۔ O LORD WHAT FOOLS THESE MORTALS BE! اس کا
قلم چل رہا ہے وہ مارٹن ہے اس کے چاروں طرف سب مارٹن ہیں، وہ قول ہے اور اس کے چاروں طرف سب دل میں ہی دنیا بھر کی آہی ہے۔

"ہاں میں پڑھا" وہ طالب علم ہے اس کا مقصد حیات یہ ہے کہ ہاں میں پڑھے۔ اس کے گھر والوں کو دیکھے، کھاتے پیے مسلمان لوگ، لڑکے
کو تعلیم دیتے ہیں مگر تعلیم کے مفہم اور تعلیمی اداروں کے حالات سے باطل ہے بہرہ میں، صاحبزادے کے لئے تعلیم کا وہ تعریف کا وہ کہ ہم سمجھتے ہیں۔ سب سے
نیا وہ تعریف ہاں میں پڑھ کر ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس کی کرشن ہے کہ کوئی سال ایسا آجائے کہ ہوش میں داخل ہو سکے۔ اس نے متواتر فی ہفتے رہنے
میں ان کو دل جیسی ہے۔ اور ان کے سر پرستوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ ہاں میں کوئی بڑی جگہ ہے والدین کی نگاہ میں ہاں کو علم و اخلاق کا لکھنے ترین مرکز ثابت کرنے
کی کرشن برابر مضحکہ خیز ہو کر رہ جاتی ہیں۔ وہ جس طرح لیل ہوا ہے وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ایسے باطل ایسے کئے لڑکے ہمارے ذہن میں ہیں ان سب
کا وہ فدا مضامین اعلیٰ مشترک ہے وہ ہمارے مشاہیر کی زبردست مضحکہ خیز حقیقت ہے۔

"سورے جہل آنکھ پر پکھلی" وہی طالب علم ہے پڑھنے سے اس کی دل سپی کا حال دیکھے پڑھنا احسان کے لئے ہے تیار کیلئے سیر
اٹھتا ہے۔ لارچی اس کے پڑوسی مضحکہ منک متعہ اور منہک ہیں۔ اس کو صبح بھگنے کے سین اور اس کے جاگ کر سو جانے کے حالات وغیرہ کسی طالب علم
کے نہیں دیکھے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر طالب علم میں کچھ نہ کچھ ایسی باتیں ضرور ہوتی ہیں۔ پھر اس میں غرور ہے۔

دوشن ہزار کے نقوش، کھوترا بازی، دوشن بازی کے شعروں سے سماں کو موسیقی کا ماحق - سینا ماحق - میں کہاں کے ساتھ ابھرتا ہے یاد رکھئے پیرس ایسا جن
جڑ پٹے تئیں جھونکے جسے چنانچہ اس لاسٹیکوس کو پریشان کرنے میں کمال کھاتا ہے۔ سینا جادو من - بجز زاماسب کو ساتھ لئے بن نہیں پڑتی جوتشا
شرع میں جھونکے کے بعد پھر کھانا لائی ٹھہرا۔ اب اندھیرے کی ہر شرارت میں ملتا ہے دن کو نفرش کی چمکیں والی ہوا آت آت دواہ دنا محب پھلتے ہو
مگر مراد لاہو شام بازی بھینچنے پھانسی پھانسی کر رہی ہے مگر راج سے لوہوس لاشوں پر بنایا ہے دنا ہی کے تو اسے ہ سواری دی جس
کو دیکھ کر روز قیامت جھڑپے کے تارے باہر ہو جاتے ہیں اور ایسی بھانسی ہے کہ پھر نہیں ملاتی۔ وہی دھرم میں کی یاد اس زمانہ کے ساتھ جابستہ ہو گئی
ہے جکا روز زبان کے ثابت کی مٹا من ہے۔

کیا سواری ہے؟ مٹن جاتے دے اسان کی توجہ لا سوجہ! جدید دھنکی سب سے زیادہ جب انجیر سواری، اگرٹن کنفرٹ سچ مل
نشریت لائیں تو سٹیں سچ مل کی سب سے زیادہ محب میں ڈل دیے والی سواری بائیسل کے سو، اگر ٹی نہ دکائی دے گی یہ ہوا پر اڑنے والی پڑیاں
پر پٹنے والی پڑیاں کی غلام ۱۰۰ اریاں کیا رقم ہیں!

پیرس اس سوجہ سواری کو دیکھئے اب کی مضحک ترین سواری بنا کر پیش کرتا ہے یہ مرزا صاحب کا تختہ ہے نہیں موس ایوانا ماحق ہے۔
رات ہی میں آگئی ہے اہلنے ساتھ ایک پرکے سے لاؤنڈار کھ لائی ہے یہ انداز کی اس کا علاج درود مل جگا اس کی درج ہے۔ کیا شکل پائی ہے دیکھئے
سے اتنا ثابت ہو جائے کہ بائیسل ہے لیکن محب ہیست سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کپل ادا سبب دہ چر ف ادا ہی طبع کی جدید ایجادات سے پہلے کی بنی
ہوئی ہے؟ مل اور رابٹ اور جیہ فہ اس کے مقابلے میں جدید ایجادات ہیں۔

اسان کی چال بھی کیا کمال ہے پیرس! خرگاہوں پر سوار ہوا، پہلا ہی پائل ملایا تو ایسا معلوم ہوا کہ کوئی مردہ اپنی ٹہریاں چٹا چٹا کھانڈ اپنی
مرغی کے مٹانے زندہ ہو رہا ہے۔ بائیسل اپنی آواز میں گم ہے۔ ان آوازوں کے مختلف گروہ تھے زمین چانچر جن قسم کی آوازیں زیادہ تر گدی کی کیچڑ
پکچھ پکچھ سے نکلتی تھیں۔ کٹ کھڑکھڑ کے قیل کی آوازیں ڈگاڑوں سے آتی تھیں۔ چرچر، چرچر، چرچر کی قسم کے سُر زبیر اندر ملنے سے نکلتے تھے۔
جوڑو بند کی حرکات ملاحظہ ہوں۔ زنجیر! میں جب کبھی پڈل پر زور دانا تھا زنجیریں ایک انڈیائی سی پیدا ہوتی تھیں جس سے دھن دھن جلتا
تھی اور چڑچڑاوتی تھی کئی کئی اور پھر ڈھیلی ہو جاتی تھی؟

پیرس! پکچھاپیرس! گھر گھر کے علاوہ محبت ہے یہی ایک آگے کو چلتا تھا اس کے علاوہ دیکھئے بائیں اور بائیں سے دیکھ کر کبھی حرکت
کرتا تھا چنانچہ سڑک پر جڑان پڑتا تھا اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی غمور سانپ ہوا کر نکل گیا ہے؟
ڈگاڑو! ڈگاڑو! تو یہی لیکن بیٹیوں کے صحن اور کھتے ان کا گامہ مرث یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان شمال کی سمت میرے گشتکاراں قباب
مغرب میں غروب ہوا ہوا ڈگاڑوں کی بدولت ٹاڑو ہر پسے پکے رہی گئے۔

دیکھئے گئے ٹاڑو میں ایک ڈگاڑو سا پرنڈا تھا جس کی دھڑ سے پیرس ہر جگہ میں ایک دھڑ لہو لہو کر رہا تھا اور میرا سر لکھے کو
میں جھپٹنے لگا ہوا تھا جیسے کوئی تورا کھڑکی کے نیچے سے تارے بار بار ہو؟

اس کی چال میں اتنا غم بھی ہے۔ جب آکر پر بائیسل فدا دیا تو نہ نامی ایک بوجھال سا آگیا اس بائیسل کے کئی اور پرندے
جواب تک سرسبے تھے بیدار ہو کر گویا ہوئے..... ان..... ایک غمخوار کے گھر ڈسے کیا آگئی گئے۔ یہ بائیسل باطل آسمان سے اتری ہے
..... عکس نے پیرس کے لئے یہ براف بھیج دیا!

مَضَامِينِ پطرس کا مطالعہ

تسکین کاظمی

[illegible]

مضامین پھر اس قریب کو مجموعہ کے ذریعے منظرِ عام پر آئے ہیں۔ ان مضامین کا مضمون سو سیڑی یہاں سے عہدہ کے مضمون کا کیا تھا۔ اور تو کیا، ان مضمون سے متعلق ان سے میری وابستہ ہر چہ محنتِ ملک کے آرزوئے سے پہلے میں نے میرا جاری کیا تو پھر سے بھی مضمون کی خواہش کی تھی اور انہوں نے بڑی خوشی سے وعدہ کر دیا تھا کہ جتنی مہینوں کے بعد منظرِ عام پر آئے ہوں گے اور مینا بند ہو گیا۔ جن دنوں ریلوے پھر سے متعلق تھا۔ میری مراسلت ان سے ہوئی مگر اس کے بعد ان قریب نے انہیں خلاصہ اور انہوں نے مجھے کہہ دیا کہ ہمیشہ کے لئے ہم سے دور ہو گئے۔ درجہ سے تھے ہم نے چند خطوطِ عام بعض رسالوں میں طبع ہوئے ہیں ان کی اور ان کا پرانہ ان کے آخری نمونے ہیں جو ملائی ہیں

یاد بخدا کوئی غریب نہیں ہے ہم میں ایسے پڑوسیوں سے واقف ہیں جو بہت کھٹے دالے کھے ادھن کی بیسوں کتابیں چھپیں، مگر بارہ پندرہ سال بھی ان کی کتابوں نے زندگی نہیں پائی۔ سچ کتابیں تو کیا نظر آئیں گی نام بھی سننے میں نہیں آتے۔ ان کے مقابلے میں معنی ایسے "کم فیس" بھی نظر آتے ہیں جن کی کتابیں گنتی گنتی ہیں۔ گروگ انہیں سر آٹھوں پر لے پھرتے ہیں انہیں آواز کو لوگوں میں پھرنے کا شاعر بھی ہے چند مضامین، چند ترجمے، چند ناول صرف یہی کائنات پطرس کی ہے۔ گریہ - بہ قامت کہہ تر - چیزیں قدر و قیمت میں بہتر سے بہتر ہیں اور آئندہ ان کی قیمت اور بھی بڑھ جائے گی۔

آئیے اب دوا پطرس کے مضامین کا مطالعہ کریں پطرس نے اپنے مضامین کا پہلا مجموعہ چورس شیخ کیا ہے اس میں شاید گیارہ مضامین

نہیں ہیں بلکہ کچھ کم ہیں بسکے۔ یونینوں میں اتنا ذمہ تھا گیا۔

سب سے پہلے پطرس نے اپنے اتا پردیس مرزا احمد سعید دہلوی سے "اظهار عقیدت" کیا ہے کہ انہوں نے اس کتاب پر نظر ثانی کی اور اسے صحت معززوں سے پال کیا پھر اس بات پر غور بھی کیا ہے کہ مجھے اب بھی ان سے نہیں تھکا حاصل ہے :

پطرس کی صحبت کا سہارا اسی سے معصوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں مغز شول کا اقرار ہی بڑی فراخ دلی سے کر دیا ہے۔ اور پھر اس بات پر اظہار: فتور بھی کیا ہے کہ جن میں اب بھی پردیس مرزا احمد سعید سے تھکا حال ہے۔ قہر ہے کہ اہل دنیا یہ معلوم کر کے کہ پردیس محمد مصباح پطرس کے اتا ہیں۔ بہت زیادہ احترام کر کے ملے گی مگر اس اقرار سے علیحدگی میں پطرس کا احترام بہت زیادہ بڑھ گیا کہ وہ برادر غلط اور مستند ہے میرا اقرار ہوا کہ کچھ دوسرے دیب نہیں بلکہ حقیقی صفتی میں عالم ہیں۔ جو اپنے آپ کو غالب علم کہتے ہیں میں تو ان کی اس اوسے بہت متاثر تھا۔

دیباچے میں تو پطرس نے غضب ہی کر دیا ہے۔

اگر

یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت بھیجی ہے تو کچھ پراسان کیا ہے

اگر

آپ نے کہیں سے چرائی ہے تو میں آپ کے دن کی داد دیتا ہوں۔ اپنے پیسوں سے خریدی ہے تو مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ اب بہتر یہی ہے کہ آپ اس کتاب کو اچھا سمجھ کر اپنی حماقت کو حق بجانب ثابت کریں۔

ان معاینے کے افراد

سب خیالی ہیں حتیٰ کہ جن کے لئے دقتا و دقتا واد مسلم لامیض استعمال کیا گیا ہے وہ بھی ہر چند کہیں کہیں نہیں ہیں۔

آپ!

تو اس نکتے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں لیکن کئی پڑھنے والے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھی ان کی غلط فہمی اگر رد ہو جائے تو کیا ہرج ہے؟ جو صاحب اس کتاب کو کسی غیر ملکی زبان میں ترجمہ کرنا چاہیں وہ پہلے اس ملک کے

لوگوں سے اجازت حاصل کریں۔

یہ دیباچہ پوری کتاب سے زیادہ دل چپ اند پطرس کے سارے معاینے سے زیادہ دل فریب ہے۔ کچھ یقین ہے کہ یہ قلم برداشتہ طائفہ و تراد یک گز میں قلم نگاہ کیا ہے اس لئے اس میں اعتقاد حقیقت طعن سبھی موجود ہے۔ خصوصاً آخری چوٹ تو ایسی بھرپور ہے کہ ہر ترجمہ و ترجمہ کا ادیب یا ناشر پر مار توڑا اٹھتا ہے۔ غرض فرامیے سنگزدن کتابیں ایسی ترجمہ ہوتی ہیں جو لڑکچہ کے سر پر ایک بوج ہیں۔ لاش یہ ترجمین ترجمہ کرنے سے پہلے اہل ملک سے مشورہ کر لیتے تمام تباہی تو آپ خفا ہوں گے اس لئے ذرا اردو میں جو ترجمے سامنے سامنے میں انہیں دیکھ لیجئے پھر فرمائیے کہ پطرس نے کتنی ذہنی گولی بٹکریں پیٹ دی ہے۔

سے سولہ دیت جنہاں کے ساتھ چلے آدیسوں کی طاق پہنے دس بکے اسٹے بارو بکے، تھو
مردمیں اور چار بکے چلنے پانی کھڑی سڑک کی سیر کو نکل گئے
تہہ نو دس ہشتاں میں وارد ہوئے تو حق سب تو ہے ہی اس پر شاہ کا ارمان اچھڑا تو
ابھی نہایت محنت تھی جمعیت بھی ذرا چل رہی تھی ہم ذرا ترنگ میں گھسے سٹے کسے
یہ داخل ہوئے کہ

عاجز زلف طامان کی اگریتے تو ہم لیتے

کراتے ہیں پردیسی کی آواز آئی سطر

ہم اس وقت نہا چکی بجائے نکلے تھے اس اٹھیاں وہیں پرگ ٹیکس اور لاں آواز کی
طوت نکل گئے ارٹ دھما یہ آپ گارہے ہیں (دور آپ پر) میں نے کہا اچی میں کس فن
میں لیکن غیر فرمائیے!

بوسے . . . وہ میں . . . ڈنڈا بھڑا ہوں۔

اس خوابی کے بعد پوس دوسرے پردیسی کو گھیرتے اور اس سے چھ بکے جگنے کی فرمائش کرتے ہیں اور نا غریب چھ بکے انہیں جگ بھی
دیتا ہے اس کے بعد کی واردات خود پوس سے سنئے۔

اس کے بعد کے واقعات ذرا بحث طلب ہیں۔ اداان کے متعلق روایات میں کسی قدر
اختلاف ہے۔ بہ حال اس بات کا تو کچھ یقین ہے اور میں قسم کھائی کھا سکتا ہوں کہ آنکھیں،
میں نے کھول دی تھیں پھر یہ بھی یاد ہے کہ ایک نیک اور سچے مسلمان کی طرح کوشش کرتے
بھی پڑھا پھر یہ بھی یاد ہے کہ اسٹھ سے پیشتر دیا چھ کے چھ پر ایک آدھ کرٹ بھی لی۔ پھر یہ
نہیں شاید فالت اور سے آتا دیا شاید سر اس میں پیٹ دیا، یا شاید کانا کر خدا جاسٹ
فرما لیا۔ غیر یہ تو یقینی امر ہے کہ دس بکے ہم باطل جاگ رہے تھے لیکن لاری کے جگنے
کے بعد اور دس بجے سے پیشتر خدا جانے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے، انہیں ہوا
خیال ہے پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے ہر صورت یہ نفیات کامند ہے جس میں نہ
آپ ماہر میں نہ میں۔ کیا پتہ لاری نے جگیا ہی دس بجے ہو یا اس دن چودھری میں بجے ہوں۔
عدا کے کاموں میں ہم آپ کیا دخل دے سکتے ہیں لیکن ہاں سداں میں دن بھر یہ شہرہ را کہ
تصور کچھ اپنا ہی معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا دن بھی یوں ہی آتا ہے جس کے متعلق پوس کہتے ہیں، —

یہ سبب ابھرا طبیعت ہی سے تعلق رکھتا ہے کہ پھر جو ہم لے لالت سے سر باہر
نہلاں اور دھڑ دھڑ پڑھنے کا ادا کیا تو دی دس بجے تھے اس میں نہ معلوم کیا تبدیلی

میں رتہ و کردار سے درگت

سادی سیرت توڑی نہ کو بھالی

کے سر پہ ہی ہر درجہ میں ڈوب جائے

یہ قی رز کے لعلیت گراس کے کھائے غریب کوئی ماحصل ۱۰۱۰ کی زبان سے سنئے۔

پیتہ سڑکوں کی آواز اور انداز سے کی ۱۰۱۰ سادہ فوازی کی تھے اور پھر چہرے
کے بعد کاک کا گھڑیاں دماغ کے رہنے میں دس بجانا شروع کر دیتے تھے اور اس چہرے
کے گھٹنے کے حصے میں گڑبڑوں کے گڑبڑنے ... گھٹنوں کے الٹ جانے اور اداؤں کے بند
ہونے ان لوگوں کے چہرے پر اکر سبوں کے ٹھیکے کیاں اور دھنسنے کرنے گھٹنا دھنسنے
اور کھانسنے کی آوازیں تو گویا انیہ یہ گھڑیاں ہیں اداؤں کو کھیچے کہ ان سادوں میں سرتال
کی کس قدر گنجائش ہے

پیرس کا یہ معنون ان مضامین میں سے ہے جو انہیں زندہ ہیں گئے اس میں خوش مذاقی، اساتذہ لطیف طرز اور والی ہلکی ہے اور ایک
طالب علم کی ہوش کی نہ گی کا پورا پورا نقش اس میں درج ہے مجھ سے کہ یہ (۱۰۱۰) معنون اسپلا اور دوسرا (۱۰۱۰) ہاسٹل کی زندگی کا آئینہ یا ہوش کی زندگی
اس سے زیادہ عمدگی اور لطافت سے پیش کی جاسکتی ہے اور نہ یہ تفصیل کہیں مل سکتی ہے۔

گئے ! یہ شاہ کار ہے پیرس کا، محض جالوروں سے معنوں کو نفرت باغوت ہوتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل اکثروں نے لکھی ہے میرا
مافذ جہاں تک کام دے رہا ہے سب سے پہلے تو لالوں کا، رانگا، معنون بعیر حسین خاں خیال لے نکھاتا جو ایک آغلے یان کے بی سے لے لے
جگڑا اور نفرت کو لے کی تفصیل سے پڑھے یہ بڑا دل چاہپ معنون ہے گراس میں وہ لطافت نہیں جو پیرس کے معنون میں ہے کہ ایک فاضل صاحب
فاتمی جیست ڈرلے تھے ان کی حرکات کو دیکھ کر خیال نے یہ معنون لکھا ہے اس نے واقعت زیادہ اور کچھ کم ہے بخلاف اس کے پیرس نے اپنی اپنی
پیش کی ہے جو واقعات کے ساتھ مل کر اتنی لطیف ہو گئی ہے کہ داد نہیں دی جاسکتی۔

کتنے سے نفرت کرنے والے کا کردار انانی صورت میں سرٹ ایم نے بھی پیش کیا ہے (جو بد نصیبی سے برصورت ترجمہ میری نظر سے
گذا ہے اس میرے دیکھے میں نہیں آیا) اس میں ایک کتوں سے نفرت کرنے والے کا کردار بڑی چابک دستی سے پیش کیا گیا ہے گریہ کوئی معنون نہیں
انسان ہے اس نے میں افسانے کو اس اپنی معنون پر ترجیح نہیں دے سکتا۔

اس موضوع پر پراپی اور واقعاتی معنون مرث پیرس ہی نے لکھا ہے کتوں اور پھر شرک کے کتوں سے کون نالاں نہیں۔ پھر ان کا بھونکنا
کے نہیں کھٹکا؟ گراس بھونکے اور ایک دوسرے کے سر ملانے کو شاعر سے تشبیہ دینا اور اس نفرت خیز حرکت کو اس فطرت سے بیان کرنا ہر شخص
کے سب کی بات نہیں ہے۔ دیکھئے یہ کتوں کا شاعر کس عمدگی سے شروع کرتا ہے۔

... مات کے کوئی کیا رہے ایک کتے کی طبیعت جو ذرا گدگدائی تو نہیں فضا پر

شرک پر اکثر کاک ایک مصرع دے دیا۔ ایک آرٹسٹ کے بعد سامنے کے بچے میں سے

ایک کتے کے مطلع عرض کر دیا اب جناب ایک کبھ مشق استاد کو جو قصہ آیا ایک حلوائی

بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ رات کے دہیکے چوڑی گھنٹے قبل سے
 دایں رے میں اور ناک کے کسی کسی ٹیٹ کی درز دین میں بھانسنے کی کوشش کر
 رہے ہیں چونکہ نفاذ یا نہیں درز تھیں کا مادہ بھی سے س لے سیکر پراکتہ کی ہے کہ
 بے سہ سے ہی گئے تو کوئی ہی تھے گا۔ ستر زنی موسیقی سے تھے میں ایک مرد پر سو
 جوڑے تو سامنے ایک کڑی بندھی تھی۔ در زنیوں کا حلقہ دہانے نکھوں نے اسے بھی
 کڑا دیکھا ایک وکنا اور پھر کڑی کی جمات کا گوبہ تھی کتا جس دھپاؤں پھول گئے
 ہونے کی گردش دھیمی دھیمی ہوتے ہوئے اب نہایت ہی نامعلوم۔ دیئے پر ہم اس میں
 مٹھی سیٹی کی موسیقی بھی تھوڑے تھوڑے ادا موسیقی ہوئی لیکن کیا بھان کہ ہری تھوڑے تھوڑے
 شکل میں ذرا بھی فرق آیا ہو تو یہ بے آواز سے ابھی تک بول رہی ہے اب کا مل
 ہے کہ ایسے موقعوں پر اگر سردی کا موسم میں بھی پسینہ بجائے تو کوئی منہ نہ نہیں بعد میں
 یہ سوجھتا ہے۔

یہ خیال۔ کیجئے کہ پلاس کو بھی کتے یا بچوں نے کبھی کتے کا ٹہ سے جس کی رو سے ایسا تنفر اغوت ڈیا یا اختلاف ہے۔ یا بھی
 نہیں ہوا اپنا بچہ اس غلط فہمی کو جو د پلاس نے رفع کر دیا ہے۔

چونکہ ہم معذور امثال ہیں س نے آج تک کتے کے کٹنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا
 یعنی کسی کتے نے آج تک ہم کو کبھی نہیں کاٹا، اگر ایسا سا کبھی پیش آیا ہوتا تو اس سرگشت
 کی بجائے آج ہمارا شریہ چھپ رہا ہوتا یا کئی مسرور دعا یہ ہوتا
 اس کتے کی مٹی سے بھی کتا گھاس پیہا ہو

لیکن

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے سگ رہ بڑی بلا ہے
 مجھے کیا بھانسا مرنا۔ اگر ایک بار ہوتا !

کتے کی آواز یہ اس کا جھنکا پلاس کے لئے قہر سے کم نہیں جس طرح چوہے بلی کی میاؤں سے اور ہوا جو جلتے ہیں اسی طرح پلاس
 بھی کتے کے بھونکنے سے اپنے آپ کو ملک الموت کے قریب پاتے ہیں اس بھونکنے کے اثرات کیا مرتب ہوتے ہیں انہیں سے سیکھو۔
 جب تک اس دنیا میں کتے موجود ہیں اور بھونکنے پر مقرر ہیں کچھ لیجئے کہ ہم قبریں
 ہاؤں ٹھکانے بیٹھے ہیں اور پھر ان کتوں کے بھونکنے کے اصول بھی تو چھ زلے ہیں معنی ایک
 (مستند مرض ہے اور پھر کون بڑھوں بھی کو لاحق ہے اگر کوئی بھاری بھر کم ہفتادیا ر کتا
 کبھی کبھی اپنے دعب اور دبیلے کو قائم رکھنے کے لئے بھونک لے تو ہم بھی چاروں پاس
 کہہ دیں کہ بھونک (اگرچہ ایسے وقت میں اس کو بخیر سے بندھا ہوا ہوتا چاہیے)

لیکن یہ ہم نکت در ہند سرورہ و دوا میں تین آٹے کے پنے بھی جو نکلے سے ہر شخص آتے
جب آواز نہ مایہ پیا اس پہ بھی انداز رکھا کر جھٹے میں زوالی لڑش ہر طرف پھرتی
ہے اور پھر جھٹے میں چلتی موڑ کے سامنے آکر لکڑی سے راک ہی تو لیں گے اب یہ عمارت
مورٹو ہوا جو تو تھا اچھا کامر سے آٹا زار و زین زونی ان کی جان فشی عذر دے

۴

آزادی کے عرصے پر گئے بہت بڑا افرام یہ ہے کہ ان کی اور دھپنے کے تمام قومی کر
معلق رہتی ہے مصروف کسی حال سے تھک چکے ہیں ان کو براہین جیسے ہر طرف
پر کر تیغ کا شروع کر دیتے ہیں آگ سے دہش فطنت سے کتب و کتاب کی
حالت ان کی متوجہ نہ پڑے کچھ ان کا شور مچا رہی سلسلے احتجاج زیر لب
لے ڈھکی و مات و مسات (مکات ان کی سکات ہادی اس بگاڑے میں دانت بھلا
حاک کام کرتا ہے اگرچہ نہیں معلوم ہرگز اسے موقع یہ دماغ کام سے بھی قریب تر مانے
کا ہر حال انہوں کی یہ پڑے دیکھ کی نا حافی میرے نزدیک ہمیشہ قابلِ غور رہی ہے

س مابن پطرس کتوں سے اداں در متنہ زبے میں گزینک توں گرا نہیں نے سر ہا بھی ہے یہ ایک سے کیے جوتے میں اسیں سے۔

• خدا نے ہر قوم میں نیک افراد بھی پیدا کئے ہیں کٹھن میں لیتے سے منٹے نہیں اب سے
نہ اتریں نہ اٹھیں ہر درویش ہو گا تو اس کے جبر پر تپتا ہے عزات ظاہر جو ہے جسے جب
ہفتے سے اس کیلنی اور جو سے کو یا بارگاہ کا احساس آئے نہیں اٹھانے دیتا۔ دم آکر شپٹ
کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ راک کے کچھوں پر غور و فکر کے سے لیٹ جاتا ہے اور انگلیں بند
زیادے نکل مائل لڑ سوں سی اور شعر و ادب جانش کلی سے مناسبت کسی گاڑی دے
لے متاثر علی بی گاڑی کے مختلف حصوں کو کھٹکایا لوگوں سے کہلو یا خود اس بدھ دھرم
آوازیں دیں تو آپ نے سر کو وہیں زمین پر رکے سرخ مخمور ہتھکوں کو کھولا صورت حالات
لو ایک نظر دیکھا پھر انھیں بند کر دیں کسی نے ایک چابک بگاڑا تو آپ نہایت مینان کے
ساتھ دباں سے اٹھ کر لیک گریہ جانیے اور حالات کا سلسلہ جہاں سے لٹ گیا تھا وہیں
سے پھر شروع کر دیا کسی بائیسل دھندلے گھنٹی بھائی تو بیٹے بیٹے ہی سمجھ گئے کہ بائیسل ہے
ایسی چھوٹی چیزوں کے سے وہ راستہ چھوڑ دینا تقری کی شان کے فکات کچھتے ہیں۔

رات کے وقت یہی کتا اپنی خشک پتل سی دم تاکہ اعلان ترک پر پھینکا کر رکھتا ہے اس
سے معن خدا کے برگزیدہ بندوں کی آزمائش مفقود ہوتی ہے جہاں آپ نے فعلی سے اس
پاؤں رکھ دیا انہوں نے ضیق و غضب کے عجز میں آپ سے پرسش شروع کر دی۔ بچا

تقرن کو پھر تباہ؟ غرض میں آتا۔ ہم سب دو لوگ یہاں بیٹھے ہیں۔ بس اس بغیر کی بدو
سے اسی وقت رشتا شروع ہو جائیگا۔ ہمیں کئی راتوں تک یہی خواب نظر آئے رہے ہیں
کبہ شمار کئے ناغوں سے ہے جس میں اعلیٰ نہیں میتے۔ آنکھ کھلتی ہے تو پاؤں چار پاؤں
کی اور ان میں پھٹے ہوئے ہیں۔

یہ تو سب معنی باتیں تھیں مگر اصل حقیقت دیکھنا۔ مرنے والے ہے خود پطرس کو جس کا انتہا میں یہ آرزو تھی رشتا نہیں اھو، اے کتوں پر
کوٹھیں ہی نہیں نہیں کھائیں چٹا پڑا اس آرزو کو انہوں نے قابو بھی کر دیا ہے
• اگر خدا مجھے کچھ عرصے کے اعلیٰ انعام کے کچھ نئے اور کھانے کی طاقت عطا فرمائے
تو جنوں انتہا میرے پاس کافی مقدار میں موجود ہے رفتہ رفتہ سب کچھ کے علاج کے لئے کھول
پہنچ جائیں۔“

جب یہ آرزو پوری نہ ہوئی تو پھر کراں اشار کی طرف توجہ کی جن میں کتوں کا ڈراڈیا ہو چٹا چٹا سب سے پہلے ترائی کا ایک شعر دہن میں آگیا
پس پھر کیا کھائے چارے عرق کی شامت آگئی تھے بسے
• ایک شعر ہے۔

عرق تو مندریش، غرقائے رقیبیاں
آواز سناں گم نہ کستہ رزق گدارا
یہی وہ صوفی شاعر ہیں جو ایشیائے باغیچہ رنگ ہے انگریزی میں ایک مثل ہے
کہ۔

بھونچے ہوئے کتے کاٹا نہیں کتے

یہ سب ایسی لگ کر ان جانتے کہ ایک بھونچا ہوا کتاب بھونچا بند کر دے اور کاٹنا شروع کر دے

ان پر عادی ہیں کہ ان پر ناز کو اتنی قوت حاصل ہو کہ ہر موضوع کر کے تعلیف کھائے اور شروع سے آخر تک اپنا رنگ بھی برقرار رکھے
یہ بات پطرس میں پوری طرح موجود تھی۔ کتے جیسے حیرت انگیز یا اناقاہہ موضوع پر اتنا جامع، شگفتہ اور رواں دواں معنون لکھنا ان کا اور صفت
ان کا ہی کام تھا ہر شخص اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا

اردو کی آخری کتاب، یہ پر ڈی ہے اور اردو زبان کی سب سے پہلی پر ڈی ہے۔ آپ فرمائیں گے پہلی کس طرح ہوئی پطرس سے پہلے
بھی لوگوں نے پر ڈی تھی ہے اس واسطے کے متعلق یہ راہ جواب ہے کہ پر ڈی کو پر ڈی سمجھ کر اور پر ڈی کے طور پر سب سے پہلے پطرس نے لکھا ہے۔ ورنہ
یوں تو دن ناتھ سرشار نے جو جذباتی ترجمہ کیا ہے وہ بھی پر ڈی ہے مگر سرشار نے اسے صحت ایک مزاحیہ کتاب سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔ پر ڈی کی
حیثیت سے انہوں نے بھی نہیں پیش کیا ادا اگر پیش بھی کیا تو غیر کامل تھا مجھے صحت ترجمہ کیا گیا، خود سرشار نے کوئی پر ڈی نہیں لکھی اس کے بعد سجاد حسین
نے حاجی غفلت میں مولویوں کا نام اڑایا، اردو نامہ مولویوں کے بعد نامہ مولویوں کا مطلع اعلان نام سے دو تین بزرگوں نے اس طرح مولویوں کا
ذائقہ اڑایا ہے آخر میں ملازمہ نے لکھی اور دونوں کا پناہ مستحق رنگ ہی بنایا تھا مگر یہ پر ڈی نہ تھی یہ مولویوں کا نہ چڑھاتے چڑھاتے خود ان لوگوں

”تخت پر کسی طے میں لاہور کا صدر اور بعد ہی ہوا کرتا تھا لیکن طلباء کی سہولت کے لئے
یہ پختہ کرنے سے مسخ کر دیا ہے۔ اب لاہور کے چاروں طرف کئی لاہور کی واقعہ ہے اور
روز بروز راتج تر ہوتا جا رہا ہے۔ ہرین کا اندازہ ہے کہ دس بیس سال کے اندر لاہور ایک
صوبے کا نام ہو گا جس کا دارالافتاء پنجاب ہو گا۔“

اب یہاں پیرس نے حیرت پیدا کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

”لاہور کی اب لاہور کے متعلق صحیح طرح کی مدایاں مشہور میں جو غریب یا سب کی سب
غلط ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر نے ہاں دے دی ہے۔ اس نے حال ہی میں یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ
اور شہر کی طرح بھی اب لاہور کی جلسے میں لپٹی بڑی بحث و تھیس کے بعد اس
نیچر پرستی۔ اس ترقی کے دور میں جب کہ دنیا میں کئی ممالک کو موم رول مل رہا ہے اور
وہ لوگوں میں یہ آری کے آثار پیدا ہو رہے ہیں اب لاہور کی یہ خواہش ناچار نہیں بلکہ سہولت
غور و خوض کی مستحق ہے۔“

لیکن بد قسمتی سے کمیٹی کے پاس ہر ایک وقت تھی۔ اس نے لوگوں کو ہدایت کی تھی کہ
معاذ اللہ کے پیش نظر اب شہر میں کالے جا استعمال نہ کریں بلکہ جہاں تک ہوسکے کفایت ستاری
سے کام لیں چنانچہ اب لاہور میں عام مزدوریات کے لئے ہوا کی بجائے گرو اور خاص خاص
حالات میں دھواں استعمال کیا جاتا ہے کمیٹی نے جا بجا دھواں اور گرو کے مہیا کرنے کے
لئے کرکٹ کھول دئے ہیں جہاں یہ مرکب منت تفسیم ہوتا ہے۔“

آپ رسائی کی جو تفسیل لکھی ہے وہ تو بس غصہ کی ہے۔

”پانی کا یہ انتظام کیا گیا ہے کہ کوئی کمال بارش کے پانی کو حتی الوسع شہر سے باہر
نکلے نہیں دیتے اس میں کمیٹی کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے امید کی جاتی ہے کہ تھوٹے
ہی عرصے میں ہر محلے کا اپنا ایک دریا ہو گا جس میں رشتہ رشتہ پھیلیاں پیدا ہوں گی اور ہر محلے
کے پیش میں کمیٹی کی ایک انگوٹھی ہوگی جو اسے دن رات کے موقع پر ہر سامنے دھندہ بین کر
لے گا۔“

نظام ستہ کے سودا سے اس قدر ہرزہ ثابت ہوا ہے کہ پانی پہنچانے کے لئے نئی
مزدوری میں چنانچہ کمیٹی نے کروڑوں روپے خرچ کر کے جا بجا نئی گھاٹے ہیں فی کمال
ان میں آئین اور اندرون بھری ہے لیکن اہرین کی دلت ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ
گیس مزدور مل کر پانی بن جائیں گی۔ چنانچہ بعض بعض نموں میں اب بھی چند قطرے درخت
نچتے ہیں اب شہر کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے اپنے گھر کے ٹوں کے نیچے رکھ دھوئیں تاکہ

فین وقت پرانہری، جوئے سنی دل تنگی، سو سہیلے نور اس برہمت نوشتا، ملکہ
میں :-

دلائع آدورت میں مونی کے خاص کے گے میں وہ قاج دیہ سی ۔۔۔

چرناکوں کھاتی ہوئی اور کے ازحدوں پر سے تھرنی سے، رنگی، عقب سے مت اہم
سے یہ ان پرانے سے شرت دوسری سے یاد تھا یہ آثار تہیر سے تہا ہوئی ہے۔
"جہاد، قہر، ملی انہوں سے، بھی عالی ہے نہ پوس میں کسی قسم کا، تو ان کے اندر
عقادہ قدیم تاریکی ترانہ اور خند تہا جس کی توں متحدہ میں منوں نے انی مسعود سے تھے
الٹ سے تھے آج کا، بھی لگی توں سے تھے، یہاں سے تھے میں اور غفلت رشتہ کی یاد رکھا
اسان کو عبرت سکھاتے ہیں

سمن رنگ زیادہ عبرت پر مے کے گے، ان تھوٹوں سے ہے نہیں کہیں دو ایک پیسے
لکھتے تھے میں اور سنے دو ایک لکھنا اس میں، یک گھڑا نامک دیتے ہیں، مصلوح میں اس
کو لکھتے تھے میں شریں وٹ اس تھوٹ پر موم جا رہا تھا، یہ تھے میں تکر بکھلے میں سہرت ہوا،
اور بہت زیادہ عبرت پر مے کی جائے۔

اصلی اور حاصل گھڑے لاجہ میں خوراک کے کام کتے میں تھوٹوں کی دکانوں پر
ان کی گشت جتا ہے اور زمین کس کر کھایا جاتا ہے، ان کی بجائے ماسی تھوٹے
استعمال کے جاتے ہیں بناستی گھڑا شکل و صورت میں دم دار تارے سے تھے گھوڑ
اس گھڑا کی ساخت میں دم زیادہ اور گھڑا کم پایا جاتا ہے حرکت کرتے وقت، اپنی دم کو
دبا لیتا ہے اور اس ضبط نفس سے اپنی رضا میں، ایک سفیدہ اقبال پیدا کرتا ہے تار سرک
کا ہر تاریکی گڑھا اور تلکے کام، مھکولا اپنا نقش آپ پر ثبت کرتا جائے اور آپ کا ہر ایک
مسام لکھتے اور دہکتے :-

قابل دید مقامات بھی بڑے ہی لطیف ہیں یوں تو یہ سارا مضمون طنزی طنز ہے گریہ پارہ اور ہوا کی گہرا طنز ہے سنے :-

• • • • • ماجہ میں قابل دید مقامات شکل سے لے تے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ماجہ میں ہر عبارت
کی بیرونی دیوار میں دہری بنائی جاتی ہیں سبیل، فٹن اور چنے سے دوار، کھڑی کرتے ہیں اور
پھر اس پر اشتہار لکھ کر دیا جاتا ہے جو عبارت میں دفتر رفتہ بڑھائی جاتا ہے، شروع
شروع میں پوٹے ساز کے مہم اور غیر معروف اشتہارات چپکائے جاتے ہیں مثلاً "اہل
لاہور کو رٹھو" یا "اچھا اور سستا" اس کے بعد ان اشتہاروں کی باری آتی ہے جن کے
مطلب الہی علم اور سخن فہم لوگ ہوتے ہیں مثلاً "گھوٹ دروزی" اور "اس یا سٹوڈنٹوں کیلئے" •

اور تعجب یا کھنتی ہے کہ کرسچن خدا غاسان کیا دفتر رکھ کر چار دیواری ایک مکمل ڈائریکٹری
باصورت اعلیٰ کو لیتی ہے اور اس کے اوپر ہٹ پاش کا اشتہار ہے۔ دائیں طرف
تازہ مکین تینہ کارمند رجسٹرڈ ہائیں طرف خانہ کی کوئیر کا بیان ہے اس کھڑکی
کے اوپر مکین سادہات کے لئے کارپز گرام ہے اس کھڑکی پر کسی مشہور ایڈور کے سناچی
عادت بہ مناسبت بیان کئے گئے ہیں جسکی دیوار پر ہرگز کے تاحہ ہرگز کی نمونہ ہے
اور اہل کے دیوار پر یس نقر جان کی تصویر اور ان کے نمبر کے محاسن نمودار کئے ہیں یہ
اشتہارات بڑی سرعت سے بدلتے رہتے ہیں اور ہر نامزدہ اور سری دریافت باہم یاد
یہ نقاب عید کی تباہ شرم زن میں ہر مکین چیز پر لپ رسی جاتی ہے اس لئے عمارتوں
کی کبری صورت ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے اور ان کے پچانے میں حوشہ کے لوگوں کو سہجنت
میش آتی ہے

لیکن جب سے ماہد میں ہستہ راکی ہوئے کہ بعض بعض اشتہاری کلمات پھر سیاہی
سے دیوار پر چھٹ کر آئے جیسے ہیں یہ وقت بہت حد تک رنج موٹی ہے ان وہ امی
اشتہاروں کی بدولت اب یہ فڈر نہیں ہار کوئی شخص اپنا یا اپنے کسی دوست کا مکان
حرف اس لئے محول بلے کر چلی۔ ہر وہاں چار پائوں کا اشتہار نگاہ امتداد رکھنے
وقت وہاں ملایان لاہور کو تازہ اور کستے جوں کا مردہ مایا جا رہے ہیں پنجاب و قرق
کے ساتھ لکھا جاسکتا ہے کہ جہاں بحوث ملی محمد علی و فنان ساز نکسے در انتہا ۲۰ فز
سے جہاں بجلی پانی بھاپ کا بڑا ہسپتال تھا ہے وہاں ڈاکٹر افسال رہتے ہیں۔ فاضل علی
کی سٹافی امتیاز علی صاحب کاملاں ہے کرشنا بونی کریم تالار باغ کو اور کھانسی کا
موجب سنو جہانگیر کے مقبرے کو جاتا ہے۔

صفت حرفت میں تو پیرس نے کمال کر دیا ہے دکھا ہے۔۔

اشتہاروں کے علاوہ لاہور کی سب سے بڑی صفت سال بازی اور سب سے بڑی حرفت
انجمن سازی ہے ہر سال کا ہر نمبر نمونہ خاص نمبر ہوتا ہے اور عام نمبر حرفت خاص خاص نمبروں
پر شائع کئے جاتے ہیں عام نمبر میں حرفت ایڈیٹر کی تصویر اور خاص نمبروں میں مس سلوچنا
اور مس لکھن کی تصاویر بھی دی جاتی ہیں اس سے ادب کو بہت فروغ نصیب ہوتا ہے اور
حق تعالیٰ ترقی کرتا ہے

لاہور کے ہر مریج پرنس میں ایک انجمن موجود ہے پریذیڈنٹ البتہ کھڑے ہیں اسس
لئے فی اکمال وقت و تین صحاب ہیں یہ اہم فرض ادا کر کے ہیں چونکہ ان انجمنوں کے اغراض

میتے اور تسلیم اور نصاب اور رس کے جتنا میں اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں جس طرح
بیس اتوں میں زمانہ بکتی ہے

پچھلے چند سالوں سے طلباء کی ایک اور قسم دکھائی دینے لگی ہے لیکن ان کو اچھی طرح
سے دیکھنے سے سمجھنا شیعہ کا استعمال ضروری ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دلیل کا شک ٹانف
نیمت پر عمل ہے اور اگر چاہیں تو اپنی جان کے ساتھ زمانے کے لیے میں بھی سفر کر سکتے ہیں ان کی
وجہ سے اب یونیورسٹی نے لائبریری کے علاوہ کتاب خانہ کی ہے کہ تندرست ہوتے ہوئے وہ لوگ پروردگار
سور کے عائلہ جو وہ چاہتے ہیں وہاں وہاں میں سے ہوں ۔

جیسی حالات میں کوئی خاص بات نہیں بتائی گئی صرف یہ تھا اگلی ہے کہ

۱۔ لاہور کے لوگ بڑے خوش طبع ہیں ۔

۲۔ سوالات پر اسے ہی طبعیت میں بسم اللہ آپ بھی ان کے جواب دیجئے

۳۔ لاہور کہیں کیوں پسند ہے ؟ مفصل مکھ

۴۔ لاہور کس نے دریافت کیا اور کیوں ؟ اس کے لئے سزا بھی تجویز کرو

۵۔ میرنیل کھٹی کی ستان میں ایک نصیحت دہیہ مکھ

یہ ہے اس شان سے یہ طنز یہ تہہ کا ختم ہوتا ہے اس میں پیر وادی کا کمال طنز کی انتہا اور مزاح کا لطیف ترین پہلو موجود ہے پڑھے
اور نہ پڑھے جانتے کاش پڑس ایسے ہی دوچار معنائیں اور کتنے جو اردو ادب کی جان ہوتے۔ یہ دونوں معنائیں ان کی جوانی کی ہشکوں کے
زمانہ کے ہیں بعد میں نہ اس قسم کے معنائیں اگر پڑھتے بھی تو کچھ نہ سکتے۔

ابتداءً طنز و مزاح کچھ ہی پسند تھا اور میں نے بھی چند معنائیں کئے جن میں سے دو ایک مضمون پڑس نے بہت پسند کئے تھے مگر وہ معنائیں
بھی میں نے اسی عمر میں کئے تھے جس عمر میں پڑس نے یہ معنائیں کئے ہیں۔ اس عمر کے بعد معنی چہل سال عمر عزیز گزرا کہ میں نے پھر ویسے ہی معنائیں کئے
کی کوثر کی تو کامیابی نہ ہو سکی

مزاح نگاری اور طنز نویسی کا تعلق ایک سے ہے جس شخص میں حق ہی ایک ہوگی وہ اتنا ہی بہترین مزاح نگار اور طنز نویس ہوگا گریہ ایک
مضمون شباب سے شروع ہو کر تیس تیس برس کی عمر میں ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد اس میں شک نہیں کہ خیالات میں کئی طرز و تزیین لہجہ اور اپنا
ایک اسلوب اور ڈھنگ الگ مزدور بن جاتا ہے مگر وہ چیز ایک کہلائی ہے باقی نہیں رہتی اب کچھ کو یوں کہہ دیجئے ۔

گستاخ و رشخ سخن بڑھ گئی

صنعتی نے ہم کو جہاں کر دیا

مگر حقیقت یہ ہے کہ لطافت و تحریر اور فہمی البیان مفقود ہو جاتا ہے۔

میں ایک میاں ہوں ۔ یہ سو فیصدی مزاحیہ مضمون ہے مگر اس میں تھوڑی بہت حقیقت بھی ہو یا کچھ باطل ہی فرضی ہو مگر ہے
براہی لطیف مضمون ۔ اس میں وہ تمام باتیں آگئی ہیں جو ایک شادی شدہ اور نئے شادی شدہ نوجوان کو پیش آتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بڑی لمبے شوہر کے ان سب دوستوں سے ملنے جتنی ہے جو یاد دہشہ تلف اور چیتے میں میرنگہ سے ایک شہر کی رہائش
موسس ہوتی ہے وہ یہ چاہتی ہے کہ ہر طرح صرف وہی اپنے شوہر کی توجہ کا دلچسپی رکھے، لیکن اور شخص یا اشخاص اس میں حصہ دار نہ ہوں یہ عزت کی چیز
ہے اور لے یہ مطالبہ باطل فطری ہے اس سے کچھ کا۔ اور ذرا یہ ہے کہ عزت پر یہ کام سے دوسرے دیا جائے اور دوستوں سے آپ کو محبت ہے یہ آپ کے
دوست آپ سے محبت کرتے ہیں چنانچہ اسی حقیقت کو پلوس نے بڑے ہی سمجھوتہ میں بیان کر دیا ہے کہ اس سے
دل و دھڑ آنا کا اور پھر بیان کیا

ہے اتنی سے عورت کی پیغام لگی ہے۔

مرد شخص کی جب شادی ہوئی ہے اسے ابتدا ہی زندگی میں تبدیلی دیکھ کر بڑی غلطی ہوئی ہے مگر رفتہ رفتہ یہ حالت رکنل ہو جاتی ہے
اور پھر وہ وہی تنہائی اور بے شکائی پسند کر لے مگر یہ چاہتا ہے کہ اس سلسلہ زندگی میں کوئی وقفہ بڑی سے بخیرانی بہت عارضی دوری کامل جائے اور فوراً
خوش ہو جائے اور بڑی مسرت کا اظہار کرے مگر یہ محبت چند گھنٹوں تک اس کے بعد پھر یہ محبت شروع ہوتی ہے اور تنہائی بڑی طرح تسکین دیتی ہے
چنانچہ پلوس نے بھی اسی پر توجہ کر بڑی ہی سادگی سے لکھ دیا ہے۔ وہ بڑی سے جاملے سے بعد پھر خوشی سے ایک رات گزرتے ہی اسے ہی محسوس ہو گئے
اور نہ صرف محسوس ہوئے بلکہ بڑی کوتاہی سے دیا کہ فوراً آ جاؤ :

مگر قابل مواد بے تعلقت احباب میں جو جائیں اور جاتی ہیں باطل سی کیفیت ہوتی ہے جو تائیں کیلئے میں پلوس کی ہوتی چنانچہ جو بنے
ہوئے پلیم دست لاکھ لاکھ ہی دوسرے دنیا کے عالم میں بڑی نے دیکھ لیا اس کے بعد کی کیفیت پلوس کی سے ہے۔
"روح مجھ ہو گئی اور تمام اس نے جواب دے دیا اور دن آنا پھر دیر کو چلی گئی دیکھ کر ہی
اور پھر کہنے لگی۔۔۔ لیکن میں کیا تاؤں کر کیا کہنے لگی؟ اس کی توجہ آ میرے کانوں تک
جیسے بے ہوشی کے عالم میں پہنچ رہی تھی۔"

اس کے بعد پلوس نے صفائی پیش کی ہے مگر یہ محض وہ نہ سمجھے ہی تو بہتر تھا اس خط کے پر کی قاری سب کچھ سمجھ سکتی دیکھ جاتا پاتا سوچ لیتا اور محسوس
کر لیتا ہے۔

بقدر یہ ہے کہ یہ معنوں بڑی نہیں ہے یہ لاکھ لاکھ ہی جس کے سر پر کچھ دیکھ بقول بن قیام ہے صاحب رزق جرائوں میں اسی فیصدی دیے
انہی آئیں گے جن پر اس قسم کے حادثات گزرتے ہیں مگر اس فیصدی بھی اتنے صاحب کردار نظر نہ آئیں گے جو دن کے کی چوٹ ان حادثات کا ذکر کر سکیں
مگر وہ ایک بہت کر بھی ہیں تو انہیں اسلوب نگارش نصیب نہ ہو سکے گا۔

بظاہر ایک سیدھا سادہ اور واقف بیان کر دیا کرتی بات نہیں مگر اس مدلی اس قسلس اس سہمی اس روانی اس ڈھٹائی اس صفائی اس
شرفی اس شستگی اس خوب صورتی اس نفاست اس ندرت اور اس محبت سے ملنا کمال ہے اور یہ کمال پلوس میں بدرجہ اتم موجود تھا۔

"مرد لڑکا پر" یہ معنوں پلوس نے معلوم نہیں کسی ایک شخص کو سامنے رکھ کر لکھا ہے یا کہ ایک اشخاص کو کیونکہ یہ بعض خاص خاص
لوگوں کی محفل کا آتا ہے مگر یہ معنی تیسری اور فنی جو مگر بڑی اچھی چیز، بشرت حضرت اس قسم سے بن چکے ہیں چنانچہ میں بھی ذاتی طور پر مرید اور
کے بھی ایک پردوں سے واقف ہوں جو فیروز بنیشتے رہ گئے اور رہے بھی تو ایسے کہ کہیں کے نہ ہے، وہ صفائی طرز وصال صمیم نہ دہر کے رہے
نہ اور کے رہے۔

ایسے کی ایک بڑی گالہ جو اس میں موجود ہے کسی اور کام دینا یا غایت میں نکل آنا لیتا تھا اس سے پارس نے پتہ آپ ہرگز مرید پور کا پیر کر میں کیلئے۔ آپ کا درجہ کہ پارس میں بیدارن کا ولی حاکم تھا اور وہ اتنے ہر وقت کے رعیت کیلئے کوتاہی نہ کرتا۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت تعلق دوست بہتے ہیں کہ اس حملے میں کسی کی مٹی یا کسی کی گالہ کا کوئی صاحب اس پر ہشتی قراریں اور مرید پور سے پرانے علاقے کریں۔

بہت باری اور بیانات سے واقف شخص یہ بتائے کہ اس طرح کو نشان دہا ہے اور ایسی کی تیا کی کس طرح کرتا ہے یہ مضمون آپ کو ساری تفصیل سمجھا دے گا۔ اگر اسے پڑھ لے بھی لے کی فرمائے نہیں تو سہم اٹھا!

انجام بخیر۔ یہ۔ یہ پھر وہ کام دہا ہے کہ اس سے اپنا ہے کہ وہ اس کی جانتی ہے آپ چاہے دلا کر کہیں یا ایک ایک کا ڈرامہ۔ دہا یہ جو ہے بڑی عمدہ چیز ہے۔

• مینا کا شوق • عقل و پاس اس مضمون کا ذال ہوس نیز ہے کہ اس کے پڑھنے کے بعد سام کو قنات بروج • ہر جاتی ہیں کیوں کہ اس میں پارس نے کچھ دل کے اشعار دیکھے ہیں

دعا ہے جو نا۔ ہے پڑا۔ کے دوست مرزا کا دل کا کارنامہ میں اس کے پارس نے اپنا غمہ ذکر کیا ہے ایسے دوست اکثر ہوتے ہیں اور ان سے نوازاں پڑتا ہے۔ ایسے یہ سب بنائیں اس میں میں مٹی بڑی میں تربیت رکھتے ہیں دوست صاحب کو تفریح کے وقت ساتھ بھالتے ہیں شاہو بیوس کے کسی ایسی ہی نسبت پائی ہے وہ جب بھی سینا دیکھنا چاہتے ہیں مرزا کو ساتھ لے جاتے ہیں اور نہ اپنی ذہنی کی دوسرے وقت پر پتے کیا نہیں اور پھر سینا دیر سب سے بچے کے سد جو ادب میں ان کی مصیبتیں پارس نے بھی ہے یہ مانتی اس وقت کی ہیں جب کہ بولنے علم شروع نہیں ہونے کے ساتھ فلم کرتے۔ ایسے ہیں اس میں سینا فلم شروع ہونے کے بعد پتہ چکی مغولی ہوتا تھا لیکن ان کا سینا اور کایاں لانا مشکل ہو جاتا تھا صرف اس قدر سمجھتے تھے کہ ایک مرد اور ایک عورت جو پڑے پر بغل کر نظر آتے ہیں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں گئے ظاہر ہے کہ وقت اور پیر خراب کر کے وقت انہی سے بات معلوم کرنے سینا پتہ چکا آسمانیت ہی وہ اپنے سے اسی بات پر پارس کو فہم آتا ہے اور وہ دل کی کھیر اس اس مضمون میں نکال لیتے ہیں۔

یہ مضمون اپنی روایت، تسلسل اور فہم کے کمان سے بڑا ہی یکساں، تکیا اور بڑے دار ہے اس میں انسانی جھنجھلاہٹ سے سائے پہلو نمایاں کئے گئے ہیں اور سینا دیکھنے والوں کی حرکات پر بڑا ہی لطیف طعنے کیا گیا ہے یہ طعنے جتنا کہ اسے تنہا ہی لطیف اور اسی قدر واقفانی ہے جسے لوگ صرف واقعات کا اظہار سمجھ کر بھی پڑھ لیتے ہیں اور صاحبان بصیرت اس سے بڑھت بھی حاصل کرتے ہیں اور ان دنوں اس کے طعنے سے لطیف الجھلتے ہیں۔

• محرم کی یاد میں • یہ محرم کی یاد میں ہے اور اس میں کسی دائمی مرحوم کو خارج حقیقت پیش کیا گیا ہے بلکہ یہ بھی پارس کے دوست مرزا کی ایک سادہ لوحی کا نقش جمیل ہے۔ یہ ہے کہ ایک روز پارس کو اپنی پیدل زندگی پر کوئی ہنس لے گی۔ اور انہوں نے مرزا سے گفتگو کی تو مرزا نے عجیب و غریب ردیہ کا اظہار کیا اس پر بھڑکی انہوں نے موٹکی خرید لی اور مرزا نے سنجیدگی سے مرزا کی قیمت کی ان سٹیل کے متعلق گفتگو شروع کر دی بالآخر موٹکی کے بجائے سیکل کی خرید لی مٹی تو وہ دے اپنے اپنی سائل میں کی کہ بلا قیمت سے لو، مگر پارس کو بلا قیمت سیکل قبول کر سنے سے انکار ہوا اور انہوں نے مبلغ پانچ روپے سیکل کی قیمت کے طور پر مرزا کی جیب میں ڈال دیا۔ اور ان دنوں ہی میں مرزا نے سائل بھڑادی جے

میں پورس نے دیکھا تو خوشی خوشی اس پاس دروازہ پر پہنچا۔ یہ سائل اہل تعلقات میں سے تھی حجاز کا راجہ جو کئی تھی وہ اس پر چڑھ کر یا حال ہوا اس کی تعظیم پورس نے میں جاگ اسی سے مل گئی ہے وہ انہیں اور صرف انہیں لکھتا تھا اس وقت کا ایک مضمون یا مضمون میں اس طرح کا ایک پارہ کا وہ عید و عید نے بھی آج سے پچاس سال پہلے لکھا ہے وہ اس نے پورس کے پاس جا کر دیکھا اس نے لکھا ہے کہ وہ اس نے پیداک ہے وہ بہادر و عید کو نصیب نہ ہو سکتی تھی۔

اس مضمون میں کوئی نقد یا سانس نہ ہے۔ یہ ہر وہ ہے۔ وہی قدرت ایسی نہیں ہے جو مضمون پر حجاز میں اس کی کئی تفصیل نہ ہے نہ مضمون اور یہ ہے۔ اس کے الفاظ میں ہے جو کمال کے پورس کی انشا پر راجہ کی کا انا ممکن ہے کہ کوئی شخص پڑے اور اس سے کسی کے لیے مضمون۔ جو پورس کے مضمون میں یہ شاہ کار ہے جو صرف ہے ساتھ ہے جو ایسی ہی فن کاری سے لکھا گیا ہے کیونکہ اس سیکل سے اگر پرچہ کتاب نہ تھے تو اسے عمارت میں ڈال آتے ہیں اس کے اسے مضمون فرم کیا ہے اور اس قدر کہ مضمون کی یا اسے قبیر کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ بڑا ہی اہل فن مزاح نگار ہے۔

اس مضمون میں پورس نے سماجیات، ثقافت، تہذیب، تمدن، روزمرہ زندگی اور لطائف انسانی کے بڑے بڑے مسئلے حل کئے ہیں قیدیوں کا ہے۔ جب لاش پانی میں بہنے لگتی ہے تو ان کے دھات نہیں آتی اور لاش ایک دوسرے کی غاسی سے بھی ملتی ہے۔ انہوں نے ہر مسئلے پر دو تین فیاض لکھا ہے۔ یہ مسئلہ اس نے حل کر دیا اس کے بعد ہی بیرون دست کا مسئلہ کن حالات سے کھینچا ہے۔

”میری حقیقت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ میں جب کبھی کسی کی مڑ کا دیکھوں کچھ ملنے کی تاسا دیکھوں کہ خیال مڑ مڑ ملنے لگتا ہے اور میں کوئی ایسی ترکیب سوچنے لگا ہوں جس سے دنیا کو تمام دولت سببناؤں میں برابر برابری قائم کر سکوں۔ اگر میں ملک پر پور جا رہا ہوں اور کوئی موٹا اس امارے گزر جائے کہ گرو و جا رہا ہے پھر پڑوں یہ سبک داری میرے سوا اور میری کئی ملک پہنچ جائے تو اس دن میں گھر آکر علم کیا کی وہ کتاب سال تیار ہوں جو میں نے اہل اسے میں پڑھی تھی اور اس غرض سے سلاحدہ کرنے لگا ہوں کہ شاید یہ مڑ بنانے کا کوئی نسخہ ملتا آجائے۔“

فرمائیے اس سے بہتر تشریح کیونٹ ذہنیت کی کوئی کر سکتا ہے۔ اور اس پر اس سے بہتر فہم نہیں آپ لے سکتے ہیں؟ پیدل روی اور انسانی پیدل زندگی سے متعلق پورس کی کہیں جب نہ پڑا ہوا نہیں کوئی تو پورس ان سے بڑے انتہائی ہیں۔

”میں نے اپنے دانت کچھ کئے اور کسی کے بازو پر سے جھک کر مڑ کے قریب پہنچ گیا۔ مڑ نے بھی سر میری طرف مڑا اور میں مسکرایا لیکن میرے جسم میں نہ ہوا تھا جب مڑ اسٹے لگنے کا بل تیار ہو گیا تو میں نے چہ چاہا کہ کیا۔“

آپ جانتے ہیں پورس کے مڑ سے کیا کہا مڑ اتنا کہ ”مڑ میں ایک مڑ کا مڑ ہے“ ہوں۔ اور پورس کی تشریح و تشریح بھی اسے دلا دلاتے کی مگر نہ کچھ ایسا غلط تھا کہ اس سے نہ کہا کہ اس نے۔ جو۔ پڑا دیا اور مڑ میں۔ کی دانت دیکھی جس سے پورس جو لگے اور۔

"میں سے کہا مہراجہاں تک مجھے معلوم ہے تم نے اسکوں اور کچھ اور دوستیں ہیں۔ بایں
سیلی میں اور اس کے علاوہ کہیں گی، جسے انجانا بھی ہے میں جو کسی اسلوں یا کچی یا شریف
کھانے میں نہیں رہے ملے پھر بھی اس وقت تمہارا کام اس سے ہے نہیں بڑا تھا تم جتنے
ہر اس وقت تمہاری جو رشتی نسبت ہے اس کو رہی رہاں میں مدد لیتے ہیں۔"

مگر نہ بڑی دھنی رگ پکڑی پوچھا

"تم نے کہا تھا میں ایک مڑکار غریب نے مڑوں تو میں صاحبہ! اسے خیر نہ تو ایک ایسا نعل
سہکے اس کے لئے روپے دیکھ کر عزت نہ لی ہے دیکھو کاندوبست تو کوئی ہو مائے کلین
بچے کاندوبست کیسے رو گئے۔"

اس کے بعد پلاس نے اپنی قیمتی سیاحی رومڑی قیمت جمع کرنی چاہی مثلاً سگریٹ کس دیکھ کر یہ قیمتی اشیاء بہت ہی کم قیمت ثابت ہونے
لگیں مجبوراً اس خیال کو ترک کر دیا اور گھر نہ لے کر دوستی ادا کر دیا اور اپنی سیکل مفت دینے کی پیش کش کی اس پیش کش سے پلاس کو کتنی مسرت
ہوئی ان الفاظ سے ظاہر ہے۔

"کیسے موقع پر جو کسی میں ہوتا مول اس میں مصروف ہو چکی مسرت جوانی کی خوش دلی دیتے
ہوئے فاروق کی موسیقی اور مبلوں کا ہر سب ایک دوسرے کے ساتھ ملے جاتے ہیں اور اس
طرح سنا کھل ہوئی باجیس پھر گفتگوں تک اپنی مل جگہ پاس نہ آئیں۔"

اس نے بعد بڑی زبردستی اور قہر ہوتی ہی پلاس مفت لینے کو تیار نہ تھے اور مرزا محنت دینے کے خواہشمند تھے بالآخر یہ طے ہوا کہ پلاس
تعمیراتی جیب میں ڈال دیں گے چنانچہ انہوں نے اپنے خزانے کا جائزہ لیا تو پالیں روپے ملے جن میں سے پالیں روپے انہوں نے مرزا کی جیب میں
ڈال دیئے اور مرزا چلے گئے۔ صبح اٹھے تو معلوم ہوا کہ مرزا نے اس بات کی کو سائل بھرا دی تھی۔ اور ایک اور اگر بھی ساتھ ہی بھرا دیا تھا یہ سائل کسی قیمتی
پلاس تھا جسے سنئے۔

"رفتہ رفتہ میں اس چیز کے قریب آیا جس کو میرا نوکر بائیسل تیار ہوا تھا اس کے منقش پرزوں
پر غور کیا تو اتنا ثابت ہو گیا کہ بائیسل ہے لیکن محل بہت سے یہ صاف ظاہر تھا کہ مل اور رامپٹ
اور چوہہ اور اسی طرح کی اور جدید ایجادات سے پہلے کی بنی ہوئی ہے۔ پہلے کو گھما گھما کر وہ
سوراج تلاش کیا جہاں کسی زمانے میں تیل دیا جاتا تھا لیکن اب اس سوراخ میں سے
آمد رفت کا مسئلہ بند تھا۔"

اس آلا کا وہ پر ہے مرزا نے سائل بتایا تھا اور پلاس بھی سائل ہی سمجھ رہے تھے پلاس سارا ہوئے اور حاشا بنے ہوئے گھومتے رہے بالآخر
تھک ہو کر ایک مٹری کی دکان پہنچے تو اس نے ہستی کی اجرت پالیں روپے مانگی مگر انہوں نے پوری شنید و رست نہیں کرائی صرف بیڈل اور سیٹ (گدی)
ادائیگی کر کے کساد دی اور دو تیلے پیسے دے کر مٹری لے کر مٹری لے گیا۔

"میں نے کس کو دیا ہے لیکن پچ سب گئے ہوتے ہیں ابھی تھوڑی دیر میں پھر ڈھیلے ہو جائیں گے۔"

اس پر پورس سے غانا

”بہتر نہیں، تو وہ کہنے سے مت میں سے ہے“

میری بندگیوں ہوتا ہے کہ میں بھی تری۔ تری جواب دیا

”جناب آپ کو بائیسل بھی دوست میں کی ہوگی، یہ آپ کے دوست، اماں میں ہے“

پچھلے سال مرزا صاحب یہاں پہنچے کو اس وقت سے پہچانی تم نے، کئی صوبوں کی گزریں ہیں اس۔ بائیسل کو حجاب سے میں ہیں آتی۔
یہ سن کر پھر کر جڑے کہ

”وہ مرزا صاحب سے لڑکھا میں پر لڑکھایا گیا کہ تھے وہ ان کو اب بھی پھر لڑے دوسرے بھی نہیں دے۔“

مگر مری نے اسے ۱۲ اب دیا

”اں وہ تو ٹھیک ہے لیکن مرزا صاحب کو جب کا میں پڑتے تھے تو اس کے پاس بھی تو یہی بائیسل تھی۔“

اس بات چیت سے افادہ کی گئے کہ سو اگلے گھر سے کی جو میں جو یہ کہا تھا کہ، وہ اسی پر سوار ہو کر جنت سے پہلے اسے اسی طرح
یہ بائیسل بھی وہی تھی جو موجود نے پہلے پہل تھیں کی تھی۔

اس طرح تری سے پٹ کر پورس نے اس میں کو فروخت کر دیا یہی صاحب کی چاہی ایک دکان دار کو بٹھایا تو اس نے رٹی رو، قدح
سے بھر کر دے قیمت دہائی پرین کر پورس کا فرن کھول اٹھا اور انہوں نے غفر سے کہا

”اوصنت و درخت سے پٹ پائے دے پٹے پٹے کے انسان کے اپنی تو میں کی رہا ہیں میں تو لہجہ ہی لے ہر وہ گفتاری سے، اس
بے جان چیز کو جو ہر پہنچا ہے، اس کے لئے تھے قیامت تک صاف نہیں کر سکتا۔“

اسی لمحے میں وہ ایک کر سیل پر سوار ہو گئے اور اگلے اندھا ہند پاؤں چلنے لگے کہ بائیسل میں تھم گئے ہوں گے کہ ایک ہیسی ہی الگ ہو گیا
اور حضرت گئے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ بائیسل کا باقی اندھ حصہ اور علیحدہ شدہ پہنچا تاکہ میں لئے دل سے رو پھر چم بٹھانے کی لیا یہی

کیا گراستہ والوں کے غصے پھبتیاں، جب برداشت۔ جوئے تو یہ جو اٹھنے ہوئے یہ سے ”یہاں پر پہنچے اور پل پر کھڑے ہو کر یہ کہہ کر عریٰ کو دیا اور
پھر مرزا کے گھر پہنچ کر اس اور وہ کہے مرزا نے بائیسل کے ساتھ لکھو یا تھا یہ کہہ کر نقد کر دیا کہ

”مرزا صاحب آپ ہی اس انکار شوق فرمایا کیجئے۔ میں اب اس سے بے نیاز ہو چکا ہوں۔“

پھر وہاں سے گھر آکر علم گمیا کی اس کتاب کا مطالعہ شروع کر دیا جو اہل سنت سے میں پڑھی تھی۔ معلوم نہیں اس مطالعے سے ہم بدلے کا نسخہ معلوم
کرنا تھا یا خود کشی کے لئے ذہن کا انتخاب مقرر تھا، بہر حال مرزا، اسی سرگزشت سیل کی تھی۔

”بیل اللہ میں۔ یہ ایک افسانہ اور طنزیہ افسانہ ہے مرد عام طور پر نیک اور سادہ لوح واقع ہوا ہے وہ ہمیشہ محنت کو نیک اور معصوم سمجھتا ہے
اور پھر اگر تعلیم یافتہ مرد ہوا اور محنت و رپ کی جو تو اس کی نیک تھی اور سادہ لوحی اور بدعورتی ہے چنانچہ ایسا ہی معلوم میں سے ہوا ہے عورت ہمیشہ مرد کو

دھوکہ دیتی ہے اور شرارتی نہیں مگر مرد کسی جرات کو بھی دھوکا دیتا ہے تو اسے شرم کے پانی پانی ہوتا ہے چنانچہ میں اس افسانے کا حاصل ہے شکر
کہ یہ عقیدہ پورس پر میں کی وہ سے متعلقان شباب ہی میں مل ہو گیا جس کی وہ سے وہ آئندہ زندگی خصوصاً آخری زندگی میں صفوفا اور مطمئن رہ سکے وہ

جسے پریشان ہوئے۔

اس یہ کائنات ہے پیرس کے معانی کی اتنے ہی معانی ان کے مجرور میں ہیں۔ ان معانی کے علاوہ ان کی طالب علمی کے دماغ کے چند اور مطالب بھی ہیں جو رادی میں جیسے ہوتے ہیں پیرس کے علاوہ دوسری مثالیں ان کے توجہ میں تھیں مگر ان میں اس وقت میں پیش نظر نہیں ہیں۔

پیرس نے اس ساتھ ساتھ علم میں بہت کم کھلے۔ ان کی نگارش کی ابتدا تقریباً بیس سالہ عمر سے ہوئی ہے، اس طرح وہ چالیس سال تک رہے مگر اس چالیس سال کی فلم کاری اگر کئی کی جائے تو یہ شکل نقوش کے عین موصولات پر مبنی ہو سکتی ہے مگر یہ کسی حد تک ناقص ہے۔ ان کی زندگی سے متاثر نہیں ہوتی ان کی اصل چیز خدمت اور تقاضا ہے بہتات نہیں وہ نہ معنی کم سوادوں نے تقریباً بیس سال میں ہزاروں صفحات سیاہ کرنے میں مگر ان کی نگارش میں کوئی بات نہیں۔ پیرس نے انگریزی ادب کی روح کو ہندوستانی مزاج سے گراہی نگارش میں ایک خاص مہلت، نکھار اور عمدہ رکھا، پیدا کر لیا تھا جو اپنی وضع کی ایک ہی چیز ہے۔

پیرس کی موت نے علم ادب کو بڑا نقصان پہنچا ہے اس کی وفات کی ایک ہی صورت ہے کہ ان کا پورا کام ان کے شاخ کیا جائے اور لوگ ان کی کردار کی کوشش کریں۔ اس میں منیل صاحب اس پیرس نمبر میں پیرس کا پورا کام شریک کر دیں یہ بہترین خارج عقیدت ہو گا پیرس کی روح کو ان میں ہے کہ منیل صاحب نے مجھ سے ایسے وقت میں معنی کی خواہش کی ہے جب میں دمر اور غم کے درمیان تھیں میں اس پر ان کا اتفاق نامی ہو رہا ہے مجھ کو اس معنی میں کہ میں نے بڑے ہی نامساعد حالات میں ختم کیا ہے مگر پیرس کا حق مجھ پر نہ ہوتا تو یقیناً یہ نہ کہہ سکتا مگر مجھ کا حق مجھ پر ہے اس کے میرا فرض ہے کہ انہیں خارج عقیدت ہمارے لوگوں، رہا معنوں کی نا ہوازی اور بے تربیتی اس کے لئے مجبور ہوں کیوں کہ حالت کی وجہ سے میں قابل نہیں ہے نہ دماغ نہ علم۔

پطرس کی تحریف نگاری
وزیر آغا

پہلے اس کی تعریف نکالی کہ بارہ سے بیس کو کہتے ہیں تو تعریف یا پرہیزی کے مزاج کے لئے جس میں بعض باتوں کا اہتمام نہ ہوتا ہے۔ یہ ہڈی یا تحریف کسی تعصیف یا لام کی ایک ایسی نقلی نام ہے جس سے اس تعصیف یا لام کی تعصیف ہو سکے۔ تعریف کا بنیادی اور تاریخی سفر نقل سے لیکن نقل بذات کوئی مضحکہ بیرونی نہیں لیتی۔ شذیض میں ایک خاص اشارہ یا انداز سخن کی نقل ہی تو ہے لیکن یہ سب ماحول سلیبی کی ہے صوبہ۔ اور سب کو تحریف نہیں دیتا۔ اسی طرح بچے فیرا ہادی اور پرانے بڑوں کے اعمال کی نقل کرتے اور ان کے فقر و فاقہ پر بچے کی سخی کرتے ہیں۔ اور دراصل یہ نقل نہایت کا درجہ پرانے جو کہ بچے کے عمل کو قطعاً ان کے تمدنی ارتقاء کی روش میں نشان کو سرگرداں کرتا اور اسے جسد ارجمند کے لئے ہستہ تبدیلی ماحول سے آشنا کرتا ہے لیکن جب یہی نقل اس مقصد کے ساتھ نام و حمد میں آئے کہ اس کی تعصیف سے اس کی نبرد ہو پہنچا سکے تو تعریف یا پرہیزی کی صفت میں شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ تحریف کا امتیازی وصف صحیحہ کہ تحریف عمل امتیاز یا تعصیفات کی صفت کہ زندگی کے غیر اہم مظاہر سے۔ بعد کر کے غفلت کے سرکار پر دو چاک کرتی اور ناظر کو کھلکھلے ہنسنے پر آمادہ کرتی ہے۔ دراصل تحریف کی کامیابی کا لازمی اس بات میں ہے کہ یہ عقیدت، جذباتی حادشتگی اور اذہاد و اعتدال عقیدے میں اور میں میں کی بیزار کن یکدستی کا ناظر کو احساس دلائے اور اسے کامت کے حصار سے لنگر بھر کے رہائی دلانے میں کامیاب ہو سکے۔ چنانچہ مٹی مذہباتی کوئی کیفیت چوٹی اور بختے انہماک خود سپردگی اور دلبہن کا یہ مقام ہو کہ کسی گہرائی اتالی تحریف کی زد میں بھی آجائے گی شاید اس لئے کامیاب ترین تحریف ہمیشہ وہی ہوتی ہے جو مقبول عام نظریات کی مذہباتی اذیت کو پشت از باہم کرتی۔ اور ایک خاص ڈگر پر مٹی ہوئی زندگی کا رعب کوڑتی ہے چنانچہ قابلہ تحریف نگار سات یا نظریات کے لئے پہلے زبان مذہب خاص و عام کو حاضر ہادی ہے ورنہ تحریف کا وہ وسیع نقطہ ابھر کر سامنے نہیں آسکے گا جو جذباتیت کے ساتھ مرداد کر کے ایک مضحکہ خیز صورت حال کو جنم دیتا اور مذہباتی ابائی میں شگافت پیدا کر کے زندگی کو اپنی نادرل سطح خاص کے لئے میں مدہم پہنچاتا ہے۔

جیسے۔ چنانچہ تخریف، پر ڈاڑی ایک یا دو ہبہ جیسے مراح کا بھی، استعمال کرتے اور طرز کا بھی مراح نگار اس سے اسودگی *asides* سے معقول میں مددیت سے، اور نہ نگار اس کا سہارا لے کر سارے کی ساریوں کو بہت طرز بناتا ہے۔ چنانچہ تخریف کے ضمن میں اس بات کی مقصد کا یقین نہیں کیا کہ یہ تخریف نگار اصل کی ایسی منطقی تعالیٰ کا نمونہ پیش کرے کہ اصل کی تضحیک ہر کے تضحیک کے بنیاد و عناصر مرح تک بھی محدود ہو سکتے ہیں۔ اور یہیں ازخبر یہ یاد بھی کر سکتے ہیں، اور یہ چیز مضمون اور ماحول کے تابع ہے چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ تخریف کا حقیقی مقصد اس کی اپنی ہیئت ہے۔ جتنی کامیاب اس کی ہیئت رگی اور جتنی کامیابی سے یہ اصل و نقل میں ہم آہنگی اور تضاد کو نمایاں کر سکتی گی۔ آج بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئی ہے یہ مقصد ضمن اسودگی کی تفصیل ہو یا بیض یا قمار کی تسکین۔

پیرس کے ان تخریف کے یہ دونوں رجسٹریں ہیں سنی ان کی ایک تخریف نے تو اسودگی کے احساس کو بوجھ دیا ہے اور دوسری نے بعض نامور ادیبوں اور بے اعتدالیوں کو بہت طرز بنایا ہے۔ ہیئت کے لحاظ سے بھی ان دونوں تخریروں میں ایک نمایاں فرق ہے۔ ایک تخریف قطعاً منطقی ہے اور اس میں ضمن الاطاف کی معمولی تبدیلی سے اصل کا عیس اس طور بگاڑ دیا جاتا ہے۔ کہ اصل سے ناظر کا ذہنی تعلق بڑی حد تک ختم ہو جاتا ہے اور پہلی کو تخریف مل جاتی ہے دوسری تخریف منطقی نہیں بلکہ مرن ایک مخصوص طریق کار اور ایک خاص اخلاقی نظری تعلق تک محدود ہے۔ ان دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ پہلی تخریف براہ راست اصل سے متعلق ہے لیکن دوسری نے اصل کا سہارا لے کر ایک باطنی مختلف میدان میں اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ پہلی تخریف "اردو کی پہلی کتاب" پر پیرس کی مشہور یہ روزی ہے۔ اور دوسری میں انہوں نے جو انیسویں صدی کے عام اخلاقیات اور ایک خاص حد تک لیکن بعض سماجی بے اعتدالیوں کا ایک بڑی حد تک خاتمہ ڈال دیا ہے۔ تاہم ان دونوں تخریروں میں تخریف کے بعض بنیادی عناصر کو اس درجہ مٹا دیا گیا ہے کہ ہم ان کو اردو زبان کی بہترین تخریفات میں شمار کرنے پر مجبور ہیں۔ پیرس کی پہلی تخریف "اردو کی آخری کتاب" سے یہ چند نمونے دیکھئے۔

”دیکھو یہ تو آپ مجھے بھاری ہے وہ وہ اصل یہ نام میاں کا ہے ہر چیز کیا ترے سے بھی ہے دھمکے دھمکے برتن منہ دہن پر پہنے ہیں تاکہ صندوق دکھلے ایک طرف نیچے اوپر مٹی کے برتن دھمکے ہیں کسی میں دال ہے کسی میں آنا اور کسی میں چر ہے پکٹی اور دانی کا ناپاس ہے تاکہ جب چاہے آگ جلے جب چاہے پانی ڈال کر کھا دے۔ آنا گندھا رکھا ہے چادر لپک چکے ہیں نیچے آنا کر کے ہیں۔ ال چرے پر چر می ہے غریب سب کام چٹا ہے لیکن یہ کچھ کچھ پاس میں ہے۔ میاں جب آتا ہے کھانا لاکر سامنے رکھتی ہے۔ پیچھے بھی نہیں رکھتی۔ کھا چکے تو کھانا اٹھا لیتی ہے۔ ہر روز یوں نہ کہے تو میاں کے سامنے ہر اردوں دکانوں کا دھیر رنگ جائے۔“

_____ کھانا خود بخود کپ رہا ہے

”بڑی محنت کرتا ہے شام کو کھتی چڑھتا ہے دن بھر لے لارہ بٹھا رہتا ہے کبھی کبھی بیل پر لادتی لاتا ہے اور ٹھٹھ کا دھرتی لیتا ہے کبھی تلے پر دھرتا ہے کبھی دھپا پر تاک کر مڑوں دلتے بھی چڑا نہ جاسکیں۔ جانا ہر تو سردی ساتی ہے۔ گرمی ہر تو چپ جاتی ہے موت بھاہلے موسم میں کام کرتا ہے۔۔۔۔۔۔“

یہاں وہ نہ تو تیرپل ٹکٹے صاحب دوست کی ہے چور لہو پانچویں
 ہے ریکھیا یہ ان کے لئے ہے وہ ان میں کیجئے بندہ ہی کہ ہوا اپنی پسند کے
 ؟ اور یہ خود ہے۔ سے حایہ پرانی جس کے لئے میں صوفی ۔ ۔ ۔
 بہت ٹھیک ہے۔ سا چلی ہے۔ نہ تہا ہے۔ نہ تہا ہے۔

ملفوظات مولانا غلام امین

[illegible]

پھر اس کی اس عزیمت کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ اس نے جس قدر بڑی سنجیدہ مقصد شہیں اور نہ صرف ان کی بدولت سے قوت و استحکام حاصل کرتا ہے اس کی ساری کامیابی اس آسودگی کے احساس میں ہے جسے حوصلے پھلنے والی محنتوں کی مدد سے پیدا کرتا ہے۔ ۱۰۔ دیکھنا کہ جو انسان اس میں بھی یکجہت (Economy) پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا کہ (۱) اس کا ذوق اور اس کے افعال کی پست سطح سے ملنے پر پھر اس نے ایک ایسا سوچا، انداز نام اختیار کیا ہے کہ کھلے دل میں اصل سے نفرت کا جذبہ بیکار رہتا ہو۔ مگر وہ اصل سے محظوظ ہونے لگتا ہے۔

پطرس کی دوسری تحریف کا عنوان ہے۔ "ماہور کا جفرانیہ"۔ اس تحریف سے یہ جذبہ نکلنے کا قابل غور ہے۔

تجربہ — تجبید کے طور پر صرف آقا و سُن کر چاہتا ہوں کہ ہرگز کو دریافت ہوئے
اب بہت سے مرکز چکے، اس لئے دلائل و براہین سے اس کے وجوہ کو ثابت کر سکتے کی
صرفت ہیں

اصل وقوع: لاہور پنجاب میں واقع ہے لیکن پنجاب اس پنچاب نہیں رہا۔ اس پنچ روياؤں کی سرزمین میں اب ہفت ساٹھ چار رويا جتے ہیں اور جو رفعت دریا ہے وہ اب بجنے کے قابل بھی نہیں رہا۔ اس کے اصطلاح میں "راوی حقیقت کہتے ہیں۔ طے لگاتے یہ ہے کہ شہر کے قریب دو چل بجنے ہیں ان کے نیچے ریت میں یہ رويا لٹا ہوا ہے بجنے لاشعاع و حرارت نہ ہے۔

ماہر تک پہنچنے کے کئی رستے ہیں۔ وسط ایشیہ کے عمل آلود پشاوری کے رستے اور یورپی

کے طبع و دل کے رستے مادہ ہستے میں بدل اندر اہل بیت کہتے ہیں اور غزالی اور غزالی کہتے ہیں۔ مگر اندر اہل زبان کہتے ہیں یہ بھی قصص کہتے ہیں اور اس میں یہ طبع کہتے ہیں۔

آب و حوا : لاہور کی آب و حوائے حسن طرح طرح کی رعایات مشہور ہیں جو تقریباً سب کی سب غلط ہیں حقیقت یہ ہے کہ لاہور کے باشندوں کے حال ہی میں یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ لاہور شہر کی طرح بھی آب و حوا دی جائے۔ لیکن بد قسمتی سے کسی نے پاس میں جہاں قلت تھی۔ اس لئے لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ مقدار عام کے پیش نظر اہل شہر کو اکٹھے جا استعمال نہ کریں بلکہ جہاں تک ہوسکے نکات شہر سے کام لیں۔ چنانچہ اب لاہور میں عام ضروریات کے لئے جہاں کی بھلے گرد اور خاص خاص حالات میں دھواں استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ لے جا بجا دھواں اور گڑ کے مینا کھانے کے لئے مرکز کھول دیئے ہیں

صنعت و حرفت : استادوں کے علاوہ لاہور کی سب سے بڑی صنعت رسالہ بندی اور سب سے بڑی حرفت، کفن سازی ہے۔

پیداوار : لاہور کی سب سے مشہور پیداوار میاں کے طلبا ہیں جو بہت کثرت سے پستے جاتے ہیں۔ اور جہاں کی تعداد میں دس اور کبھی جاتے ہیں۔ فصل شروع سردی میں ہوتی جاتی ہے اور عموماً اخیر بہار میں کپ کر تیار ہو جاتی ہے۔ طبی حالات : لاہور کے لوگ بڑے خوش طبی ہیں۔

پطرس کی سندرم بالا تحریف کے دو پہلو قابل ذکر ہیں۔ پہلا تو یہ کہ یہ تحریف عقلی نہیں بلکہ ایک خاص انداز تحریر کی نقل پیش کرتی ہے جو غرضیہ لکھنے کا ایک خاص انداز اب اس قدر آجکل ہے کہ اس انداز کی سنگلاخی کیفیت میں ایک کی اس قدر کی ہے کہ تحریف نگار کی ٹانگہ دھانکے لئے ایک وسیع میدان عام وجود میں آ گیا ہے چنانچہ پطرس نے اپنی اس پر دہی میں جو غزالی کی کسی خاص کتاب کو نہیں بلکہ جو غزالیہ لکھنے کے عام انداز کو پیش نظر رکھا ہے۔ تاہم اگر یہ تحریف عقلی جو غزالیہ لکھنے کے عام انداز کی پیش کرتی ہے۔ اس کا رد کے سخن ایک باطل حجت صحت حال کی طرف ہے۔ اور یہ اس تحریف کا دوسرا قابل ذکر پہلو ہے۔ پطرس نے اپنی اس پر دہی میں آب و حوا، پیداوار، صنعت و حرفت، طبی حالات اور بعض دوسرے مضمونات کے تحت لاہور کا غزالیہ بیان کرنے کی سعی کی ہے لیکن ان مضمونات کے تحت غیر متعلق باتوں کا ذکر کے نہ صرف جو غزالیہ معلومات کے بارے میں ناظر کو قحط کر دینے کی بجائے بلکہ لاہور اہل لاہور کی بعض تاہم اہل کو بھی بدعت نظر بنایا ہے لیکن شاید اس لئے کہ پطرس غزالیہ کی طور پر ایک مزاح نگار ہیں ان کی اس تحریف میں طنز کی نشانی بہت کم پیدا ہوئی ہے اور سب سے زیادہ انداز انفرادہ محفوظ ہونے کے رجحان نے انداز نظر کی حق کو تلف کیا ہے۔ اس کا ایک اور شہرت یہ ہے کہ محدثوں کے نزدیک پطرس نے مزاح خانہ پرانی کے حلقہ اور اہل کا ذکر کیا ہے۔ لیکن بات کو اس سے آگے نہیں بڑھایا کہ یہ لوگ اہل زبان ہیں اور قصص کہتے ہیں اور اقلیم سخن کی وسعت کے لئے قریبی علاقوں

پیرس کی کسے جیہ اتنی سی بات سے کسی جگہ اور بدل کر کر لیا نہیں دی اور وہاں فریق پائی ملے پر۔ ان نہیں ہوا لیکن وہ میں جب کہتیا حال پوسٹے اسی ایک ملے کسے کر لیا کہ بعض اہل زبان کے بارے میں لکھا تھا اور اس ضمن میں یہ تیز فکری مشاغل کے قورہ بہت ایک مکمل مندرجہ صوت حال مدین رجوعی آئی جگہ بعض مقامات پر انہوں نے انگریزی کی سے بدل کر لیا کہ قریب دی مدح ترش تہا اور ان کا آواز شرارت ہو گیا چاہے مارا خر سے دیکھے تو کس سے ہو گا کہ اگر اپنی اس تحریف میں پیرس نے طرہ سے متکامل بھی نہ ہے تاہم ان کا نظریہ صحیح اور نظر اور خوش مزاجی کا رجحان پر سے معنویت پر غالب ہے اور جب یہ افتادہ کر لیا دینے کی بجائے نفسی انداز سامان میاں رکھے۔

فلسفے سے قبل اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ اداسٹر میں تحریف ٹھہری کسے ملے میں پیرس کو ایک مقام اتنا حاصل ہے یہ اس لئے کہ پیرس نے غالباً بے چارے سڑ میزہ طے کے اگلے نمونے پیش کئے۔ پیرس سے قبل مدون شاعری میں یہ راہی کے نمونے لکھے ہیں اور اس ضمن میں رتن ناتھ سرشار، اکبر الہ آبادی اور ادھر پنج کے بہت سے معاونین نے ہم پیش کے ہاتھ میں لیکن ان میں پیرس سے قبل آؤں تو پروڈی کا نمونہ ہی مشکل سے ملے اور اگر کہیں ایک آدھ چو نظر بھی آئی ہے کہ اس کی لی مشیت کچھ زیادہ طبع نہیں چنانچہ بعض دوسرے ادیبوں کے ملان پیرس کی تحریف ٹھہری کو تاریخی اعتبار سے بھی اہمیت حاصل ہے۔ اداسٹر نظریات کے غالب علم کسے اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری

پطرس کے مضامین

کا سرسری جائزہ

آثر لکھنوی

پطرس کے مضامین میں غزوات عام طور سے ملت گئے۔ اور اس لا آقا زعفرانی پر ہی سے متعلق ہے۔۔۔
 "خیر یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت پیش کی ہے تو آپ نے اس کیلئے آپ نے کبھی سے چرائی
 ہے تو میں آپ کے دین کی راہ میں جان اپنے پیسوں سے خریدی ہے تو آپ سے ہم بدی
 سہہ رہی آپ کی حفاظت سے ہم بدی ہے" (اب مصلحت یہی ہے) (اگر آپ اپنی حفاظت کو
 ناپیں) اور اسے حق بجانب ثابت کریں۔"

معلوم یہ حقیقت ہے یا یہی تک بھری نیست کہ پطرس کے اظہار حقیقت کے تہ میں بھی غزوات کی ایک ہر روزی ہوئی ہے کیوں کر اپنے
 استاد کی خدمت میں، غزوات محضیت ان اعداد میں کیا ہے۔۔۔

"اس کتاب پر نظر فرمائیں اور اسے بعض غزواتوں سے پاک کیا" جس کا مفہوم مرے نزدیک اس کے سوا انہیں ہر سکا کہ جہاں کوئی
 بات جو حق مندی کی دلچسپی سے حفاظت میں بدل دیا۔

کتاب میں گیارہ مضامین ہیں جو بظاہر ہر اذہان کے شاہکار ہیں، مگر حقیقت میں سوائی اور تہوں کی دلچسپی رکھ کر لکھا گیا ہے۔۔۔ اور
 خدایاں اور سفیدانہ رسوم و قہاات کا پر وہ فاسٹ لکھا ہے۔ پطرس نے اپنا مطلب زیادہ تر مزاج میں طنز کی پٹ سے کر نکالا ہے۔ بظاہر دیگر غزوات
 فہم یوں کے جو تسخیر کر کے کار بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مضامین میں باوجود اس اس کے کہ ہم کو (اور معاف کیجئے گا آپ کو) بے دال لاہر دم
 بنایا وہاں ہے مصلحتاً ہٹ کے بجائے گوند لے کر ادا نکلتی ہے اور یہی کے ساتھ غزوات کی دعوت ہوتی ہے۔

ان مضامین کے کتاب کو بھی غزوات سے کافی بہرہ معلوم ہوئے ہیں کیونکہ علاوہ دیگر غزوات کے، ہر مثل میں پڑھنا کے عنوان کو ہر جگہ
 ہر مثل میں پڑنا۔ بنا دیا ہے۔

مضمون میں غزوات کی پاشنی پہلے ہی فقرے سے شروع ہو جاتی ہے۔۔۔
 "ہم نے لاکھوں میں سیم تھوڑی پالی اور رفتہ رفتہ لی اسے بھی پاس کر لیا۔" رفتہ رفتہ اور بھی کی معنویت دعوت نظر دیتی ہے۔ آگے چل کر
 لی اس کے فلسفہ اس غزبی سے گنوا ہے میں کیا بدو شاید۔

مضمون میں ایسے فائدہ نگار کی ذہنیت کا خاکہ ہے جو مذہب اور اطلاق پسند و کالک مہلک کے باوجود قدامت پسند اور غالب کو

ہمیں کے توجہ میں شہرہ فطرت کے دیکھنے والے تھے۔ اس کے واسطے اس وقت سے پہلے یہ پانچ کتبے تھے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔
 مثنوی تفسیر کی جاتے ہیں۔ اس میں خوش حال ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔

اس وقت کی دیکھنے والے کو اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔
 اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔

اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔
 اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔

اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔
 اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔

اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔
 اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔ اس کے واسطے اس وقت کے توجہ میں رہا ہے۔

(in joke)

نقشِ گم گشتگی

شدی تابا باعثِ آرامِ جاں آرامِ جاں گم شد
 حدیثِ نام تو تا بر زبان آمد زبان گم شد
 پیرس از جستجو و نارسائیِ ہائے مجنونے
 چو آوازِ جو کس ہر شود و دید و ہر زبان گم شد
 نشانِ سجدہ ام اہلِ نطنہ را آستان باشد
 کہ زیرِ سجدہ ہائے شوقِ من آن آستان گم شد
 مرا جز خامشیِ مہم نبود و واسطے ناکامی
 بہ انظارِ سخن چوں لب کشودم را زواں گم شد
 مگر آوارگیِ آرد سوسے منزلِ بحساری را
 کہ از گمراہیِ خود مہم ز راہِ مگر ہاں گم شد

غزل

ہم آں دانے کہ بد دل از نو دارم حزن جانم شد
 ہم آں چمنے کہ نامنہ سن سمنگوار از دارم شد
 ملے بود و در آغوشم گنجید و ہبام شد
 خیالے داشتیم از سرگزشت و آسمانم شد
 پیرس لے داوڑ محشر چہ لے پرسی چہ میسر سی
 نگاہ حسرت آلایم کہ لے مینی بیام شد
 نگہ دیدہ انگندی بدل چوں ماز جان دارم
 نظر کردی بر مہیب کی وفصل داستانم شد
 دگر متوجہ جنوں در وہ کہ ہم در منزل اول
 خیال و شتم و اماند و گدگار و انم شد

فرمودہ پطرس

اے من تو زیاد غنا شکرم ترا
عمرم دراز باد تمنا شکرم ترا
بر من نفع ممکن من ناکر وہ کار را
گر اہتمامے بر سر بے جا شکرم ترا

بہتہم چہ قسلی بہ نگاہے چہ شہار
شکر آرزوئے از بیم ایمنیتہم
بر ہر خاکبہ من تشنہ لبے ریختہ باد
قطرہ مے کہ قواز لغزشیں پار یختہ

دورِ راہ

یہ میں نے کہہ تو دیا تجھ سے عشق ہے مجھ کو
تو اتنی در میری آوارگی کا محور ہے
تجھی سے مات کی مستی تجھی سے دن کا نثار
تجھی سے میری رگ و پے میں ذرا حشر ہے
تجھی کو میں نے دیا اختیار گریے پر
یہ چشمِ شگِ آگ ہے۔ یہ چشمِ آگ تر ہے
ترا ہی جسمِ جن ہے ترا ہی جسمِ بہار
تری ہی زلف سے سر آرزو معطر ہے
ترا ہی جن ہے فطرت کا آخری شاہکار
کہ جو اداس ہے وہ تیری ادا سے کمتر ہے

یہ میں نے کہہ تو دیا تجھ سے عشق ہے لیکن
مرے بیان میں اک لڑش خفی بھی ہے
تو میرے دعوئے الفت کی تن پرست جا
کہ اس میں ایک نامت دبی دلی بھی ہے
وفا طلب سے ترا عشق اور مرے دل میں
تری لگن کے سوا اور بے گلی بھی ہے
تجھی سے دل کا تلاء ظلم ہے اور نگہ کا مستزار
اسی قرار و تسلیم سے زندگی بھی ہے
مگر میں اور بھی طوفانِ اس زمانے میں
کہ جن میں عشق کی ناؤ شکستنی بھی ہے
مری نگاہ کے ایسے بھی ہوں گے چند انداز
کہ تو کہے کہ یہ محرم ہے اجنبی بھی ہے
شب وصال کے اس مہلین اندھیرے میں
مری تلاش میں مسندِ داکی روشنی بھی ہے
مجھے تو آکے ہی وقت کے دورا ہے پر
کہ صبحِ زیست بھی ہے۔ سوت کی گھڑی بھی ہے

میکدے میں

جو تو کے تو کسی میکدے میں چل بیٹھیں
جو دل کی بات ہے دل میں وہ دل کی بات کریں
میں غم کے سائے میں سرگوشیاں کروں ایسی
کہ تیرے لب مری ہر بات کو نباست کریں
جو بے ثبات ہے دنیا تو بے ثبات سہی
فریب سے سے اسے اور بے ثبات کریں
اگر منارہ کسرے پہ دن نکل آئے
تو چشم وا نہ کریں اور دن کو راست کریں
(سویرا)۔

دو شعر

اٹھ گیا اسنے یہاں سے ٹیل فون
اب کہیں جب کرے گا اگلی جون
اس کے ہونے سے ربا کرتی مٹی بچ
یہ مچن یونہی رہے گا اور — — الخ

یہ دو شعر پطرس سے شکر سے (حکومت ہند کے دیگر دفاتر کے واپسی کے ساتھ) رخصت ہوتے ہوئے کہے تھے۔
جون کے ہر دو معنی کی رعایت بھی خوب ہے لیکن الخ کا قافیہ یوں اور کون لا سکتا ہے۔

دہلی کی سیر

ایک بھڑٹا سا لڑکا الہ آباد کا
اپنے گھر سے چلا اور دہلی گیا

وہاں جو پہنچا تو دیکھا

کہ اس جا کے لڑکے ہیں ویسے ہی ننھے
اور اس جا کے گتے ہیں ویسے ہی لمبے
اور اس جا کی برقی ہے ویسی ہی میٹھی
اور اس جا کی بلی ہے ویسی ہی موٹی
اور اس جا کی چڑیاں ہیں ویسی ہی چھوٹی
اور اس جا کے چالیں ہیں ویسی اور میس

اس نے یہ کچھ جو دیکھا

تو حیراں ہوا اور تکتا رہا

اور تکتا رہا اور حیراں ہوا

(پہلا)

مارحنا یم

آر۔ ایل۔ اسٹیرنس
(ترجمہ)
پطرس

دکاندار ہوا۔ حضرت ہادی کئی گانیا پوچھے۔ ہر طرح طرح کے ڈھنگ ہیں۔ کوئی جاہل نہ سمجھتا ہے۔ تو میں اپنے حرد و دست سے ٹانڈہ مانگتا ہوں۔ کوئی اچلا کھلنے دہور بسکے کے ساتھ ہی اس نے شمع کو اتنا دیر اٹھایا کہ روشنی اچھی طرح اجلی کے چہرے پر پڑنے لگی، تو اپنی نیکی اور دیانت سے ٹانڈہ مانگتا ہوں۔

مارخانیم ابھی ابھی دکان میں داخل ہوا نعل باہر کھلے ارادوں میں سورج کی روشنی ابھی خاموشی اور مکان کے اندہ کی تاریکی سے جس میں چمکی پھرتی چہروں کی مدد بخشی ملی تھی۔ آنکھیں ابھی، دوس نہ ہوئی تھیں کچھ ان بچے معنی الفاظ کو سن کر کہہ کہ شمع کی نوا اس قدر اپنے قریب پا کر اس انداز میں آنکھیں جھپکنے لگی جیسے مدہود ہو اور نہ گاہی ایک طرف کو پھیر لیں۔

دکاندار ہنس دیا اور کہنے لگا۔ آج کس کے دوسیر سپاس آئے ہو۔ یہ جانتے ہوئے کہیں اکیلا ہوں۔ نہ ہر دکان کے ہیں اور کادو بار قطعی بند نہ کھا ہے۔ تو حضرت اس کی آپ کو قیمت ادا کرنی ہوگی۔ میں اس وقت اپنا حساب کتاب درست کر رہا تھا میرے وقت کا جو صبح ہوا۔ اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ اور پھر اس خام روئے کی قیمت ادا کرنی پڑے گی جو میں تمہاری لیاں طور پر آپ میں پاتا ہوں۔ مادہ داروں کا راز دار ہوں۔ اور کبھی کسی سے آڑ سے پیڑھے سوال نہیں کرتا۔ لیکن جب کسی گاہک کا انداز اس قدر مجاہد ہو کہ مجھ سے غلطی چارہ کر سکے تو پھر اسے اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ دکاندار دوبارہ ہنس دیا اور پھر حربہ مول اپنے کاروباری لہجے میں (جس میں پھر بھی کچھ کھنکھارایا جاتا تھا) کہنے لگا۔ تو تم ب کے پھر اس بات کا اطمینان کرو کہ وہ گے کہ یہ چیز تمہارے قبضہ میں کہاں سے آئی؟ پھر وہی اپنے چپاکی الماری میں سے حضرت یہ آپ کے چچا جان نے ہی دنیا جس کی کے عجائبات ہیج کر رکھے ہوں گے! وہ کانا کو تہہ تہہ اندر، وہ خیمہ پوشہ پنوں کے بل کھڑا ہو گیا۔ جینک کے سنہری فریڈ کے اوپر سے نظریں ڈالنے لگا۔ اور سر کوڑوں ہانسنے لگا کہ صاف ظاہر ہوتا تھا۔ مارخانیم کو شائبہ نہ تھا ہے۔ مارخانیم نے دکاندار کی آنکھوں سے آنکھ ملانی تو نظر سے انتہا درجہ کا رنگ اور تھوڑی سی ہیبت ٹپک رہی تھی۔

ہوا۔ اب کے تم غلطی پر ہو۔ میں نیچے نہیں کہے حرد نے آیا ہوں۔ میرے پاس اب کوئی عجائبات نہیں جس کے مام و مول کروں۔ چچا کی الماری دیکھا کنگ خالی ہو چکی ہے اور نہ ہوتی جب بھی میں سٹرابازی میں اس تلخ رو پر یہ کام کیا ہوں کہ اس الماری میں شیشے

لو بجائے کچھ ملازمی کر سکتا ہوں۔ آج جس کام کو کیا ہوں وہ قسمت حوالی رکھ رہا ہے۔ مجھے ایک عاقبتی کے سوا کس کا حق مطلب چاہتا ہوں؟
 کے دوران میں جو وہ پہلے ہی نیا کر کے لیا تھا۔ اُس کے غصوں کی روانی میں مل گئی اور میں جانتا ہوں رات ہی رات کے سنے میں سنتا ہوں اور
 نا۔ اُس کے سنے کے ہر طرح کی مصدقہ کر لی چاہئے۔ اتنا ہے کہ میں اپنی محنت کی وجہ سے کچھ کام کرنا چاہتی تھی۔ آج ہی کھانے کے وقت
 مجھے ایسا یہ حقیر سا تھک ہوا تھا۔ اور تم خود چاہتے ہو جس۔ اسی سے رستہ سارو پیر لے کر آجہ جہاں سے چکا کر سنے میں غلط نہیں کرتی چاہئے
 اس کے بعد کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے۔ اس کا سلام ہوتا تھا کہ کانا انا اس وقت میں اپنی بات کو تو لے رہا ہے۔ لیکن
 نے کچھ نہیں کہا۔ اس خاموشی کے دوران میں وہ کافی سکے عجیب و غریب سامان میں جو بہت سی گھنٹیاں پڑی تھیں اُن کے کھٹکے کر سنے
 کی آواز اور ساتھ ہی بازار میں جو گھنٹیاں چل رہی تھیں۔ اُن کے پیتوں کے مدھم مدھم کے علاوہ کچھ سناؤنی نہ دیتا تھا۔

دعا گزار بولا۔ اچھا حضرت یہی سہی۔ آخر تم بڑے ٹاکہ ہو اور اگر انیس ایک اچھی جگہ شادی کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ تو جلد
 میں اس میں کہوں روڑا لگائوں۔ یہ تو میں عورتوں کے ہند کی چیز دے دے ہیں۔ یہ رستی آئینہ پند۔ عروس صدف کا جھوٹا تو میرا دفتر۔ اور یہ
 طالبی میں ایک ایسے گھر سے جہاں بڑے بڑے کمال کے عجائبات ہوتے۔ انہیں اُس شخص کا بتاؤ لگا رہا ہے کہ ایک کی رازدار ہی صاحب
 ہے اور حضرت وہ بھی تمہاری ہی طرح ایک ایسے شخص کا تھیں اور صاحبہ رات تھا۔ جیسے عجائبات چھ کرنے کا ہے حد حق تھا؟

دعا گزار کو رخت اور تیرا آواز میں دہن کر کے کہتے کہ جب آئیے کہ اپنی جگہ سے اٹھانے کے لئے نیچے جھکا تو مارغاٹیم کے جسم
 میں بجلی کی ایک لہری گر گئی۔ ہاتھ پاؤں یک گھنٹہ تقریباً اٹھ اٹھے اور ہزار طوفانی جذبات دفعہ ایک کچھ سے پر چھا گئے۔ یہ سب کچھ پہلے
 ہی ہوا۔ اور پھر تھوڑی ہی دیر میں مارغاٹیم سنبھل بھی گیا۔ اداں جذبات کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ بجز اس کے کہ جب آئینہ ہاتھ میں لیا تو ہاتھ ذرا
 کانپ رہا تھا۔

بھئی جھڑپ آواز میں بولا آئینہ؟ کچھ دیر خاموش رہا۔ اور پھر صاف آواز میں دوبارہ بولا آئینہ؟ کس کے لئے؟ یہ جہاں کہو
 ہو سکتا ہے؟ دعا گزار بولا۔ ہو کہیں نہیں سکتا؟ آئینے میں کیا جو ہے؟

مارغاٹیم اس کی طرف ایک ایسا مذا سے دیکھ رہا تھا جس کا بیاں کرنا ناممکن ہے۔ بولا تم مجھ سے پوچھتے ہو اس میں مرج
 کیا ہے؟ یہ دیکھو! پانچ چہرہ دیکھو! تین دیکھنا اگر اسے؟ ہرگز نہیں! تمہیں۔ مجھے۔ کسی آدمی کو گوارا نہیں؟
 مارغاٹیم نے جب یوں دفعہ آئینہ اُس کے منہ سے کر دیا۔ تو دعا گزار ایک گھنٹہ نیچے کو ہٹ گیا تھا لیکن جب اُس نے دیکھا
 کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں تو ہنس دیا اور کہنے لگا۔ تو جناب آپ کی ہوسنے والی آئینہ محترمہ بہت ہی کم رو ہوں گی؟

مارغاٹیم بولا میں نے تم سے کس کے لئے تمہارا لگا۔ اور تم مجھے یہ لاکھ دے دے ہو۔ یہ مکہ وہ دعویٰ چیز
 جو ہر وقت ہر صبح کی آمد اور گناہوں اور عمارتوں کی یاد دلاتی رہتی ہے۔ سب سے سب سے کسی غم کو کیا تمہارا اتنی یہ مطلب تھا کہ میں یہ غم دوں؟ تم
 نے کچھ سوچا بھی تھا؟ مجھے بتاؤ کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم مجھے بتاؤ۔ تو آؤ مجھے اپنا حال سناؤ۔ میرا اندازہ ہے کہ تم پوشیدہ طور پر
 بہت ہی غیرت کرتے ہو؟

دعا گزار نے اُسے بہت غور سے دیکھا۔ عجیب بات ہے کہ مارغاٹیم ہنس نہیں ہوتا۔ چہرے میں خواہش اور امید
 کی جھلک تو ضرور نظر آتی ہے لیکن ہنسی کا غم و فغان تک نہیں۔

دارخائیم خیم جے میں دوتہ ننگ نیں۔ دیدار میں۔ یاد انداز میں۔ رخصتی سے محبت لکھے جو۔ رخصتی کے محبوب جو۔ ایک مقرر ہے جس سے دوسری دوسری کہتے جو۔ ایک جگہ جی ہے جو میں سچ لکھے جو۔ جس تندی۔ ست دوسری ہے۔ جدا۔ اسے میں ہی کہے ہے۔ وہ مار کھ ڈانت کے بولا۔ میں نہیں بتاتا ہوں اور میر نہیں دیا اور۔ لکھے لگا۔ میں کچھ۔ یہی ریت دنی سلاشتے کی شکوہ ہے اور تم اسی خاتون کے محبت کے جہلم پہنچے رہے ہو؟

دارخائیم کو ایک عجیب قسم کی دلچسپی ہو گئی۔ جوتہ۔ آواز جو میں سن کر بولے جو۔ لکھے۔ یہی ریت دنی سلاشتے کی شکوہ دکاندار بھلا۔ میں اور حق! لکھے کئی۔ آتی فرست سی نہیں دی۔ ا۔ راج ہی لکھے۔ یہی ریت دنی سلاشتے کی شکوہ ہوں۔ یہاں وقت کٹاؤں۔ آواز جو میں سن کر بولے جو۔

دارخائیم نے کہا۔ اتنی جلدی کیا ہے؟ یہاں ٹھہرے میں۔ اسے میں سن کر بولے جو۔ اور زندگی اتنی مختصر اور مایا بھار ہے کہ میں تو باقی کبھی لکھنے سے تیز مرنے میں جلدی نہ کروں۔ خواہ وہ اس لکھنے کی طرح سولی سی کیوں نہ ہو۔ جو تیز بہت عجیب ہو۔ اس کے ساتھ محبت جانا چاہیے۔ مجھے کوئی ملتا ہوا آدمی چلنے کی چٹاں سے چٹ جاتا ہے۔ غور سے دیکھو تو زندگی کا ہر لمحہ ایک عیان ہے۔ سب کچھ اپنی چٹاں اتنی اوچی کہ وہاں سے چھوٹ کر گریں تو زمین سے ٹکرا کر دانت کا تار جلد سے ہو جائے۔ اسی لئے سرے سرے کی بات کرنے رہا ہی ہوتا ہے۔ جوتہ۔ اپنا حال سناؤ میں تمہیں اپنا حال سنا۔ ہوں۔ محاب میں ہوں حافی ہے۔ آواز کی بات کریں کیا منظم ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں یا نہیں؟

دکاندار بولا۔ لکھے دوسرے روف آب ات کئی ہے۔ سوہ آواز دہلے جو میر دور نہ دکان سے باہر نکل جاؤ؟ دارخائیم نے کہا۔ یہی ہے۔ کالی دلی ہو چکی۔ اب کام کی بات کرنی چاہیے۔ اچھا کوئی اور چیز دکھاؤ؟ آئیے کو بچے طاق پر رکھنے کے لئے دکاندار میرے چھوٹے چھوٹے اس کے حق سے سنہری رنگ کے بال اس کی آنکھوں پر آگئے۔ دارخائیم ذرا اور بھی قریب کو سرک آیا۔ ایک لانا اور کوٹ کی جیب میں تھا۔ اس کے کھڑا ہو گا اور ایک لباس میں کچھ کر چھاتی پھیلائی۔ چہرے پر کئی مختلف جذبات ایک ساتھ جھلک رہے تھے۔ دکاندار بھی تھا۔ ہیبت بھی تھی۔ لکھے نہتہ بھی کر چکا ہے سوہ بھی ہے اور کچھ متنبو بھی۔ بالائی ہونٹ جیسے ناتوانی کے انداز میں اوپر کو اٹھا جو اور دانت جیسے باہر کو جھانک رہے تھے۔

دکاندار بولا۔ یہ شاید ہند آج لکھے۔ یہ کہہ کر سر اوپر اٹھانے لگا کہ دارخائیم کچھ سے اس پر جا پڑا۔ اس کی شکل کا ایک لباس سمجھ چکا اور میر نیچے کو اترا۔ دکاندار منہ بسل کی طرح تڑپا۔ کچھنی طاق پر جا گئی اور وہ ڈھیر ہو کر فرش پر جا گرا۔

دکان میں ریت کی کئی چھوٹی چھوٹی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بعض اپنی عمر کے ستا بیٹاں شان آہستہ آہستہ اور وقار کے ساتھ بول رہی تھیں۔ بسن جلدی جلدی گڑبڑا رہی تھیں۔ یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ ہیچ و ہیچ علی ہوئی آوازیں ٹک ٹک کر کے ٹٹنے لگیں یہی تھیں۔ باہر مڑک کے فرش پر کوئی ٹک ٹک کھٹ کھٹ دوتہ ہوا گزرا۔ جس کے پاؤں کی آہٹ نے اسی چھوٹی چھوٹی آوازیں کے تسلسل کو برم کر دیا۔ دارخائیم جو کھلا داسے ایک لکھت اپنے گرد و پیش کا احساس ہوا۔ ہیبت خوردہ نظروں سے محو ہو کر دیکھنے لگا۔ شیخ دکان کے تھے ہر محل رہی تھی۔ اور شعلہ جو اسے ہلکے ہلکے جھوم رہا تھا۔ شعلہ کی اس خفیف حرکت سے ایک بے آواز سا ہنگامہ بپا تھا۔ اور کمرہ سمند کی مانند لہریں مار رہا تھا۔ لکھے لکھے سائے اور پرنیچے ہوئے تھے۔ تندی کی کے عجیب عجیب پھیلتے تھے۔ اور مرکز جلتے تھے جیسے ہنپ

• یہ ہوں تھوڑوں کے چہرے چہ چنی لے بنت۔ پانی کے ٹکس کی ماسد لراں اور تیرتے۔ اور دور دورہ ذرا کھلا تھا۔ اس میں سے دشمنی کی ایک کیر ساری کی اس دیا میں یوں جھانک رہی تھی۔ جیسے کوئی انگلی اشارہ کر رہی ہو۔

اس کی کبھی بروئی نظریں ان چیزوں سے بچنے کے بعد چہ اس پر بارگاہی۔ جو فرش پر کچھ بڑی کچھت پڑی تھیں۔ بہت ہی چھٹی ہو۔ زندگی میں جس مدد حقہ غفلتوں اور غفلتوں کا سہا جس اور پھر سہایت بد فائدہ زہر مسموم ہوتا تھا۔ غریبی کے بڑے کادھر پڑا ہے۔ مدد خیر کا خیال تھا۔ میں اس کے دیکھنے سے بہت کھا جاؤں گا۔ اور وہ تو کچھ ہی نہ ٹکے۔ ٹکے میں میری اس نے دیکھے دیکھتے تھے۔ اس پرانے پردوں کے ڈھیر اس خود کے کادھ میں عجیب سنی پیدا ہونے شروع ہوئے تو یہ میں پڑا۔ ہے۔ اب کوئی میں جو اس کے کڑا رہا۔ ندوں سے میرا کام لے گئے۔ وہ کھد کے اس سونے کو پھر زندہ کر دیکھا۔ جب تک کسی کو اس کا علم ہو۔ یہ میں پڑا ہے۔ اور جب کسی کو معلوم ہو جائے گا۔ تو یہ جو میرا وہاں پہنچ جائے گا۔ جو انگلیت ہے۔ پھر میں تھرا کے کی مدد قدم دینا تو تھا تب کی گزروں سے میرے گھر کر رہی جیسے تھرا ہے۔ اس نے میرا ایک وقت اسامی تھا۔ جب انسان کا عجیب پاش پاش ہو جاتا تھا تو ایسے ہی الفاظ نے اسے جو کھا کر دیا۔ وقت اب کو کھانا تمام ہو چکا۔ وقت جو وہ شخص کے لئے ہمیشہ کو خوف ہو گیا۔ وہ قاتل کے لئے دھتکہ اب ہی گیا ہے۔ جو کچھ کر رہا ہو ابھی اور اسی رفت ...

یہ خیال ابھی اس کے دل میں تھا۔ کہ کھڑے ہوں نے بکے بعد دیکھ سے ہر رفتار اور ہر قسم کی آواز کے ساتھ۔ کوئی حیا نہ کھسا کے کھٹے۔ کی طرح کھیر کوئی باریکہ آواز میں والے کا مدانی نہ بھلتے۔ دئے میں سے کچھ بچانے شروع کر دیئے۔

اس خوش دنیا میں ایک وقت آتی رہاؤں کے بول اُٹھنے سے مدد خیر کا کھڑا اور اپنی جگہ سے حرکت کر کے شمع باخ میں لٹنے لگے۔ جیسے پھرنے لگا۔ متحرک ماسے اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ ان الفاظ کہیں روشنی کا ٹکس دکھائی دے جاتا تو روح ملک کا پانی تھی اسے اپنا پھر طرح طرح کے پیش ہوا۔ سخن دلایتی یعنی دینس یا اسٹرڈم لے بنے ہوئے آئینوں میں ٹکس دکھائی دیا۔ جیسے ماسوں کی قطع اُسے دیکھ رہی ہو۔ اُس کی نظریں اپنی ہی نفروں سے چا رہیں۔ اور اس کے جسم کو پائیں۔ اس کے تدموں کی تابت کو اس کے قدم بہت ہی کچھ کچھ پڑے تھے۔ اور اگر وہ کی خاموشی کو پریم لے دیتی تھی۔ لیکن میری وہ اپنی جیسے پھر سے جھلکا جاتا تھا۔ دل نے اس کے مضربہ کی ہزار بار خامیاں اسے بار بار کھائی۔ یہاں تک کہ وہ اس کی اڑ سے تگ۔ آگیا۔ تھیں یہ کام کسی اور وقت کرنا تھا۔ جلد کسی کے من پانے یا آجانے کی اہل ہی توقع نہ ہوتی۔ اس بات کا انتظام کر لکھنا تھا کہ ضرورت پڑے تو ثابت کیا جا سکے۔ میں اس وقت یہاں نہیں کسی اور مقام پر تھا۔ نہیں بہت محتاط ہو کر چاہتے تھے۔ دکاندار کی حرکت مشکلیں کس لیے تھیں اور مزہ بند کر دیتے تھے۔ تھیں اور میری جو بات کر کے کھد دیکھا کہ کام میری تمام کر دینا چاہئے تھا۔ یہ سب کچھ کسی اور طرح کرنا تھا۔ طرح طرح کے اسوس اس کے دل کو مجروح کئے دیتے تھے۔ ذہنی سلسل اس تھکا دینے والی کشش میں معصوم تھا۔ کہ ان باتوں کو کس طرح بدل دلتے۔ جو کا بدلتا اب ناہکی تھا۔ وہ تجویزیں سوچ رہا تھا۔ جن کا سر جانا اب بالکل بیکار تھا۔ گویا نہ ٹھنے والے ماضی کو نئے مہرے سے تعمیر کرنا چاہتا تھا۔ اس وردان میں اور اس تمام ذہنی مصروفیت کی تہ میں تسم تسم کے جیوتی خوف اس کے مدد کے نہاں خانوں میں کھلی چاہتے تھے۔ جیسے کسی ویران اور تنگ آبادی کو ٹھہری میں چہ ہڈ رہے ہوں۔ سپاہی کا ہڈہ زور سے کندھے پر پڑے گا۔ تو قلم اہماب ہڈ کھائی گئے۔ جیسے جیل خانے میں لک کر کھٹا کھٹا ہے۔ عدالت کا کٹھہ اور تھہ خانہ اور جانی کا تھہ اور سیاہ رنگ کا تھہ۔ سب ایک تھا۔ میں ایک دوسرے کے نیچے سر پٹ جھانکتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر گئے۔ رنجیوں کا خوف اس کے دل کے سامنے عامرہ فہ کی طرح جم کے بیٹھ گیا۔ اس نے سوچا اس کشش کی کوئی دکانی آواز ضرور اس کے

یہ گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ جو کچھ کرنا باقی ہے بہت جلد کرنا چاہئے۔ اس مقدس ملازم سے باہر نکل کر لندن کے شاہی محل کے تالار میں گورہ پڑھایا گئے اور وہاں پہلے یہ بعض اور بظاہر مصروفیت کی وجہ سے پناہ بھی اپنے ساتھ لے کر پہنچ جانا چاہئے۔ اسی ایک لمحے والا تھا۔ اسی کوئی دوسرا لمحہ اسے اور وہ شاہی محل سے رخصت ہو گیا۔ از کتاب جرم کے بعد جو کچھ وصول کرنا تھا اس سے محروم رہ جانا یہ تو ایسا ناگہانی ہے کہ طبیعت اسے قبول نہیں کرتی۔ اس لئے کئی روز وہ بے کی امید تلاش غمی و غمازیوں کی جن کے ذریعے یہ جرم کی جاسکتا تھا

نہ چھوڑ دیتے ہوئے وہ اندازہ کی طرف دیکھا جہاں وہ رہ رہا کہ کاتب رہا تھا۔ معمول کے قریب آیا۔ کسی کوئی اور ہیبت کا احساس نہ تھا۔ چہرے کی فضا میں صدمہ سا لگا۔ لاش کی درانی صحنہ مفقود ہو چکی تھی۔ باقیہ پاؤں جھڑے ٹپے تھے۔ اور وہ حذر و ہراس ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کپڑوں کے ذرا اضافی جسم نہیں تھا۔ اس کا ہر سر ہر اہم ہے۔ لیکن میری طبیعت اس سے متعارف تھی۔ دیکھنے کو وحشیہ اور بے رحمت تھی لیکن قسا تھا کہ لاش سے چھوڑ کر شاید اسی حقیر معلوم نہ ہو۔ لاش کو کندھے سے لٹکا کر اٹھا یا اور چپ لٹا دیا۔ کچھ عجیب ملی ملی انداز حاصل ہو چکی تھی۔

بازوؤں اور ٹانگوں کی عجیب عجیب ہتھیلیاں تھیں۔ جسے ڈونے ہوئے تھیں۔ چہرے پر جذبات کی کوئی کیفیت باقی نہ رہی تھی۔ اور وہ موسم کی طرح بے رنگ تھا۔ ایک کپڑی تھوڑی اور تھوڑی جس کے کونے کچھ سے روگئے ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ مارا خور کو بھی یہی ایک بات ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر اسے فوراً ہی ایک خاص مسئلے کا دل یاد آتا تھا۔ جو اس نے مجسموں کے ایک گارڈ میں گرا دیا تھا۔ بازوؤں میں وگوں کا جھوم تھا۔ پتوں کے باجوں کی لمبائی اور ذحول کی ڈھانچہ سنائی دے رہی تھی۔ ایک داستان کو گویا ایک شکار تھا۔ ایک دیکھ کر اسے کچھ ڈر بھی تھا۔ کچھ شرم بھی تھا۔ مجھے میں اور مرد اور میرا بھائی تھا۔ آؤ گا۔ سب سے زیادہ رونق کے مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں ایک چوترو سا بنا تھا۔ اور ایک لمبے چوڑے پر سے پتھریوں میں گھولی ہوئی تھیں۔ ایک تصویر پر پاؤں لگ اور اس کے منہ کو کی تھی۔ کیمسٹر اور سٹرکنگ اور ان کے مقتول ملان کی تھی۔ — ایک تصویر میں دیکھ کر ایسے قس و قشر مل کے خون پہنچے میں کوئی نظر نہ تھا۔ اس کے علاوہ اندیشیوں جو ان کی تعداد پر پیش نظر تھیں۔ یہ تمام نظارہ اسے اس وضاحت کے ساتھ یاد آتا رہا تھا۔ جیسے کسی شعبہ باز سے باقی کو پھر نہ کر دیا ہو۔ اپنے آپ کو پھر از سر نو وہی لڑکا کھینچے لگا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ میں میری تاشا دیکھ رہا ہوں۔ ان بکریہ تعداد کو دیکھ کر پھر میرا دل کما بسب سے بھر گیا ہے۔ اور اس ڈھول کی آواز سے میں پھر جیسے کُن سا ہو گیا ہوں۔ اس موسیقی کا ایک چھوٹا سا کھڑا اسے یاد آیا۔ اور اس کی وجہ سے پہلی دفعہ اس کی طبیعت گھبرانے لگی۔

اسے منہ ہی ہوئی۔ چوڑوں میں ایک لخت ایک ضعف کا محسوس ہونے لگا۔ جس پر قابو پانا ضروری تھا۔

خلفہ کی اسی میں کئی کہ ان خیالات سے بھیجا پھرانے کی بجائے ان کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ جتنا پتہ لاش کے چہرے کو اور بھی نوڈ سے

دیکھنے لگا۔ سارا اپنی طبیعت پر ذرو ڈال کر اپنے جرم کی ماضیت اور سفاکی کو پوری طرح محسوس کرنے لگا۔ ابھی بھڑکی دیر ہوئی یہی چہرہ مختلف

جذبات کے زیر اثر تیز بدلتا رہتا تھا۔ یہ ہوش بول ہے تھے۔ اس جرم میں فراموشی پذیر تو توں کی آگ بھری تھی۔ اور اب میرے ایک ہی فعل سے

کارخانہ حیات کا پتہ ایک لخت غم گیا۔ جیسے سارا اپنی غمیدہ انگلی سے کسی گھڑی کی کوکٹ کدوک دیتا ہے۔ وہ اپنے دل کو ہزار کھاتا دیکھ کر بے سوز

کسی تسمت کا احساس نہ کرتا تھا۔ وہی دل جو جرم کی نفی تصویروں کے سامنے کانپ اٹھتا تھا۔ اب حقیقت کو دیکھ کر کبھی نہ سہتا تھا۔ زیادہ سے

زیادہ اُسے کانٹا پر پھنسا دیا تھا۔ کہ اُسے بھی خدا نے وہ تمام قوتیں عطا کی تھیں جن سے دنیا کو ایک عجیب و غریب عسائی بہشت بنایا جا

سکتا ہے۔ لیکن اُن سے اُس نے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اب وہ مر چکا ہے۔ لیکن جتنی حسیات میں وہ کبھی زندہ ہی رہتا تھا۔ یہاں اس بات پر اُسے کچھ ترس آتا تھا۔

لیکن تاسف یا نہایت کاشا نہیں بلکہ اُس کے دل میں موجود نہ تھا۔

سعد ان عروس اور دن میں تیشے کی بی خاصیت پر، اور جانے اور بری امرواں باہر سے اسے اندھانہ نظر آئے تھیں۔ جیسے کسی بیٹھے کے کس میں نمود کی کھیلوں کی حرکت نظر آتی ہیں۔ فرس کے روبرو کھٹے سمہ کی دیت کی طرح بیٹے کھٹے جان اور دلدل کی طرح کھٹے، ہی گرت میں پھسائیں، یہ خود وہ کی باقی ہیں۔ کیا معلوم رکھا، ہر پشے اور اس میں لائن کے ساتھ ہیں جس پر جانوں۔ بار بار اسے کمر میں آگ لگ جائے اور آگ بجھانے والے کو سب طرف سے اندر کھسکے، اور جینوں سے وہ ضرور خوف کھاتا تھا۔ ان کو چاہا تو نہ کا خداوند ہی امتحان کرے۔ لیکن خود خدا کی ذات سے وہ بالکل رگھڑا تھا۔ دل سے کتا سہرا یہ فعل تیار نہ کر سکتا۔ لیکن اس کی وجہ بھی تو خاص ہیں اور خدا کو ان کا پورا پورا علم ہے۔ یہی نہیں بلکہ انصاف کا تقصیر بھی خدا ہی پر تھا۔ انسانوں پر نہ تھا۔

جب مجموعہ سلامت ڈیڑھ ایک دو مہینے پہنچ گیا اور دروازہ بند کر دیا تو اسے محسوس ہوا۔ اب کوئی غلط فہمی نہ ہو، بالکل بے آراستہ تھا۔ فرش پر تالیوں تک نہ تھا۔ جاسا خالی کس اور اصل بے جوڑ سا فریج پر لٹا تھا۔ کئی جیسے جیسے تھے جو میں مختلف دلوں سے ملے آئے۔ اپنا عکس نظر آ رہا تھا۔ جیسے کوئی ایڈیٹنگ پر ہو۔ کئی تصاویر بعض چوکھٹوں میں لگی ہوئی۔ بعض بغیر چوکھٹوں کے۔ دیوار کے ساتھ ان کی کھڑی تھیں۔ اس کے علاوہ کھانے کے کمرے کی ٹیسٹروٹناری، ایک اور۔ الماری میں جس میں لکڑی کی کچی کاری کی ہوئی تھی اور ایک ست بڑا پرانی دھن کا ٹینک تھا۔ جس پر وہ بیز تھیں کپڑے کے پرے لگے تھے۔ کھڑکیوں کی چوکھٹ فرس تک پہنچی تھی۔ لیکن خوش قسمت سے ان کا پتلا حصہ بند تھا۔ اس لئے پر دوس کے دو گون کی نظر پر مسکتی تھی۔ بار بار اس نے ایک کس کو الماری کے سامنے کھینچ لیا اور کھینچوں کے گچے سے اس کی کئی تلاتر کرنے لگا۔ جبر سے الماری کا قفل کھل سکے کھیاں بے شمار تھیں۔ اس نے یہ کام کیا تھا۔ اور طبیعت گھبرانے لگی تھی۔ اس خیال سے اور بھی گھبراہٹ ہوئی تھی کہ ممکن ہے الماری میں کچھ بھی نہ لگے۔ اور دقت کہ اڑا چلا جا رہا تھا۔ لیکن اس پر شدید معذرت سے اس کے حواس پھر درست ہو گئے۔ دروازہ کو کھسکوں سے بلکہ بعض اوقات نظر پھر کر بھی دیکھ لیتا جیسے کوئی منصورہ بہ سالار ای حفاظت کے انتظامات کو مستحکم نہ کر خوش ہوتا ہے۔ لیکن وہ حقیقت وہ بالکل مطمئن تھا۔ باہر ان میں جزیرہ میں رہا تھا۔ اور بارش کا شر طبعی اور خوشگوار معلوم ہونا تھا۔ مٹوٹے سے کچھ بعد دوسری طرف سے محدود ساجات کے گیت، کے ساتھ بیا فونکھے کی آواز آتی شروع ہوئی۔ بہت سے نیچے لڑ گیت گار سے تھے۔ گیت کی موسیقی خوش آواز تھی۔ اور اس کے سروں سے ایک خاص وقار نکلتا تھا۔ بچوں کی آوازیں پیاری اور صلی معلوم ہوتی تھیں۔ باغیاں میں ساگاتا ہوا اس میں تھا۔ اور ساتھ ہی کھیاں گھاگھا کر دیکھتا بھی جاتا تھا۔ دل میں اسی قسم کے تصورات اور خیالات کا ایک جوم تھا۔ کبھی گرجا جلتے ہوئے بچوں اور آگ کے بجنے کا خیال آتا۔ کبھی کھیلنے کو دے۔ بچوں کا تصور بند ہو جاتا کہ ندی کے کنارے نہانے کو جی ہیں۔ یا کھلے میدان میں گھوم رہے ہیں۔ یا جب آسمان پر ہوا بادلوں سے اٹھ کھینچ کر رہی ہے۔ تو ڈنک بٹا رہا ہے۔ سر کے کسی اور اتار چڑھاؤ کے ساتھ پھر گھبرے کا خیال آ جاتا کہ مہوں کا موسم ہے۔ انوار کا خوب اور دن۔ پادری بلند آواز اور شائستہ لمحے میں دنگ رہا ہے۔ اس پر ذرا مسکرا دیتا۔ یعنی جیکو بن مقبول ہے اور کلیسا کے مشرقی حصے میں تدریس سے حروف میں لکھے ہوئے دن احکام انکھوں کے سامنے پھر جاتے۔

ایسی باتیں میٹھا سوچ رہا تھا کہ ایک لفت پر تک کہ کھڑا ہو گیا۔ دفعتاً ہفت کی مٹی خلی خون کا بلنا ہوا آواز۔ آگ کا ایک شعلہ اس کے جسم میں دوڑ گیا پاؤں دیں کے میں چم گئے۔ اور جسم پھر پھر کپٹنے لگا۔ کسی شخص کے بیڑھوں پر آہستہ آہستہ پوٹھنے کی آواز سنائی دی۔

خوف نے دیر بعد کسی لمحہ نے دماغ کے دہستے کو گھیر لیا۔ کھل کر آواز سنائی دی اور دروازہ کھلا۔

خوف نے جیسے لکھنے میں بل کر کھٹا۔ کچھ نہ بھڑکتا تھا کہ اب کیا طور میں آئے گا۔ خود مقتول ہی اپنے پاؤں چل کر گیا ہے۔ یا دراصل

تو میں اپنی اصل حقیقت آشکار کر سکتا ہوں۔

اجنبی نے پوچھا: ”پھر پر؟“

تھیل نے جواب دیا: ”سب سے پہلے جو میں تمہیں قتل نہ کرنا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب تم آہی گئے ہو تو کم از کم میرے دل کا حال بخوبی جان لو گے لیکن، قہوس کی طرح تم میری نگہ بندی کا اندازہ میرے افعال سے لگا کر چاہتے ہو اور اس پر تو! میرے افعال سے! دیروں کے ملک میں پیدا ہوا اور میں نے دیروں کے ملک میں زندگی بسر کی جب سے میں نے جزیلیا ہے حالات و واقعات کے دیو مجھے کلاہوں سے بچا کر گھسیٹتے پکڑے ہیں اور تم میری نگہ بندی کا اندازہ میرے افعال سے لگانا چاہتے ہو! تمہیں میرا باطن نظر نہیں آتا، تم یہ نہیں کہنے کہ مجھے بدی سے نفرت ہے، تمہیں میرے سینے کے اندر خبر کے حکام صاف صاف لکھے ہوئے نظر نہیں آتے؟ میں نے اکثر ان کی میل سے گریز کیا ہے لیکن یہ وہ عدالت تھی ان کی غلط تاویل نہیں کی۔ اپنی مرضی کے خلاف گناہ کرنے والوں کی مثالیں تو لاکھوں کی تعداد میں موجود ہوں گی۔ کیا میں تمہیں دیکھا ہی انسانی معلوم نہیں ہوتا؟“

جواب ملا: ”تمہ نے اپنے خیالات کا اظہار بڑے جذبے کے ساتھ کیا ہے لیکن اس سے بڑھ کر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مجھے اس بات سے کوئی واسطہ نہیں کہ بدی سے نفرت کرنے کے باوجود بھی انسانی گناہ کا ترک ہو سکتا ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ تمہیں کون سے واقعات کس طرف قدم اٹھانے پر مجبور کرتے ہیں۔ غرض تو اس سے ہے کہ میں نے سنے پر چلو وہ رسنہ ٹھیک ہو لیکن وقت نکلا جا رہا ہے۔ بھڑکاؤ ناشا کھاتے کرتے اور اشتہاروں کی تصویریں دیکھتے، اما کو دیر ہو گئی ہے تاہم دعا ہے کہ جیسے بھانسی کا تختہ بازاروں میں کرسمس کا چم گوڑا ہوتا تھا وہی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ کہ تو میں تمہاری مدد کروں۔ میں جو سب کچھ جانا ہوں تمہیں بتاؤں۔ روپیہ کہاں رکھا ہے؟“

مارغاچم نے پوچھا: ”تمہ نے قیمت کیا ادا کرنی پڑے گی؟“

اجنبی نے جواب دیا: ”میں یہ خدمت کر سس کے تحفے کے طور پر کرنے کو تیار ہوں۔“

مارغاچم سے نہ رہا گیا۔ ایک تلخ سے احساسِ تفریق کے ساتھ سکرا دیا اور بولا: ”نہیں۔ میں تمہارا احسان کبھی نہ لوں گا۔ اگرچہ اس کے مارے میری جان نکل ہی رہا اور پانی کا پیالہ تمہارے ہاتھ میں ہر جب ملی تھا میں اتنی ہمت ضرور ہونگی کہ میں انکار کر دوں یہ میری سادہ روی سہی لیکن میں اپنے آپ کو بدی کے ہاتھ پچھتا نہیں چاہتا۔“

اجنبی نے کہا: ”مرتے وقت تو یہ کر لینا۔ مجھے کوئی عذر نہیں۔“

مارغاچم نے زور سے جواب دیا: ”تمہیں اسی لیے عذر نہیں کہ تم جانتے ہو مرنے وقت تو یہ کرنا ہے سو وہ ہے۔“

اجنبی نے جواب دیا: ”میرا پر خیال نہیں لیکن بات یہ ہے کہ میں ان باتوں کو اور ہی غلط نظر سے دیکھتا ہوں۔ جب ننگی نغم ہو جائے تو پھر مجھے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہتی۔ ایک انسانی عمر بھر میرے حکم کی تعمیل کرتا رہتا ہے۔ دینداری کے ٹھیس میں سیکہا رہا تھا رہتا ہے یا اپنی کمزوری کے ہاتھوں مجبور ہو کر گندم کے کھیت میں مشغول رہتا ہے جب اس کی غلٹس کا وقت قریب آتا ہے تو میں اس سے صرف ایک اور خدمت چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ گناہوں سے توبہ کر لے اور اس جہان سے سکراتا ہوا نصیحت ہر بھی میرے ہاتھ نہ پڑوں میں سے جو لوگ ذرا کم ہوش ہیں انہیں ہمت دلائے، انہیں اس گلی سے کہ کوئی خداوندی رستے وقت بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ میں کچھ ایسا جاہر آتا تو نہیں مجھے آزمائش میری مدد قبول کرو۔ اب تک تم نے جو مل چاہا کیا، اب بھی جو مل چاہے کرو بلکہ پہلے سے بھی زیادہ عیش اور

اطمینان کی زندگی بسر کرنا اور جب رات پڑے گئے اور لڑکیوں کے روتے کھنچے۔ یہ جانیں ۲۔ رات میں محادی سنی کے بعد سے کھے دیتا ہوں۔ اس وقت میرے ساتھ صبح کرنا اور خدائی آفریں حققت میں خود با کھج جیسی۔ رات میں اب حمل سے آیا ہوں وہاں اسی طرح کا ایک تائب انسان سترہ رک پر چلا صلا کوہ قائم ناروں سے لہز ہوا تھا جو میں نے آجوں غلام کو بڑی وجہ سے شہر سے لھے زندگی میں اس کی سنگدلی کا یہ حال تھا کہ استغفار کی جھک تک اس نے مجھے یہ بھی نہ آتی تھی میں نے رتے وقت ہی چہ ہر اسد کا ستم و رخصت نظر آتا تھا۔

مار خانیہ سے پوچھا تو تم مجھے بھی اسی عمر کا مردود انسان لھے ہو، لھے ہو میری تنہائی اور سرائی ہے کہ جو ہر سفاکی میں گزار دوں اور آجی وقت حد کوہ کوہ سے لڑ چھ جھ جھ میں وہاں ہو جاؤں۔ ہر اول ہر سو سے مجھے جیسا ہے۔ کہا۔ لھے لھے جی فوج انسان کو اب ہی پالے؟ ہاں میں ہر سے لھے خون آلودہ لھے کر لھے یہ اس جانب کا گمان ہے کہ باطل کا گناہ اتنا بڑا ہے کہ نیکی کا احساس ماضی میں مر جاتا ہے؟

اجھی نے جواب دیا۔ قتل کو کسی کسی خاص قسم کا گناہ نہیں سمجھتا۔ جس طرح مادہ زندگی ایک جنگ ہے۔ اسی طرح ہر گناہ ایک قتل ہے۔ ہر سے نزدیک تو ہم ہی فوج انسان کی مثال اس طرح کی کسی ہے جو اسے ڈوبے ہوئے جہاز کے تھوڑے دیر سے ہوں کھانے کوئی کے پاس کچھ نہ ہر فالتے کے ساتھ سے نولے بھیجیں کھ کر کھ رہے ہوں۔ ہاں تک کہ وہ دوسری پر رات آئے جو۔ میری نگاہ میں اس لیے سے کہیں پر نکل جاتی ہے میں میں عود کا اور تکاب ہوتا ہے۔ میں دھما ہوں کہ ہر ایک کا، تھا مروت ہے۔ جبری آنکھیں کو وہ حسین کی جوانی پر جانے کے سے ہزار اداقت سے اپنی ماں کو بے بس کر دیتی ہے اور ہم صبا فانی دونوں کہاں خون میں لھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میں نے ابھی ابھی کہا تھا کہ میں ہدی کے ساتھ کو سر جتا ہوں۔ یہی نہیں لکھ میں سکی کے سٹے پر بھی خود کر رہا ہوں۔ لھے دونوں میں ہر فرق نظر نہیں آتا۔ گویا دونوں کی مطلق درخشاں ہیں جن سے موت کا فرستہ فصل کاٹ کر لے جاتا ہے۔ جس ہدی کے لیے میری زندگی وقف ہے وہ احوال کی ہدی نہیں ہر بت کی ہدی ہے۔ لھے گنگر انسان محبوب ہے۔ گناہ کے فصل سے محبت نہیں۔ جڑ سے کاٹ کر کاٹو نہاید بڑی بڑی نیکیوں کے پھل سے لھی زیادہ شیریں لکھے۔ لیکن یہ ہمت نہ میں ہے کہ قزوں اور صدیوں کے دفنا تے ہوئے آئندہ کی تہہ تک پہنچ کر ہدی کے سناج کا مطالعہ کر سکے۔ میں جواب تمہاری دستگیری پر آمادہ ہوں تو وہ اس ہے ہیں کہ نے ایک دکاندار کو قتل کر ڈالا ہے بلکہ اس لیے کہ تم مار خانیہ ہو۔

مار خانیہ نے جواب دیا۔ میں تم سے اپنے دل کا حال صاف صاف بیان کرتا ہوں۔ یہ مجرم ہر آجی مجرم ہے اور شہر اس کے کہہ مجھ سے سرزد ہوا لھے کئی سین ل ل گئے۔ یہ خود ایک سبق تھا، بہت جڑا سن، اب تک جو کچھ میں نے کیا وہ میری مرضی کے خلعت تھا لیکن سرکشی نے مجھ سے سب کچھ کر دیا میں انوس کا مظلوم اور مجبور غلام تھا۔ بعض اوقات انسان کسی نیک کام کے لیے بچنے کا لالچ کرتا ہے۔ لھے صرف عیش پسندی کی ہوس تھی لیکن آج لھے اس مجرم سے دولت اور ہر بت دونوں چیزیں حاصل ہر میں گویا ہر اپنے اصل روپ میں عود کر آنے کے لیے ارادہ اور سامان دونوں مہیا ہو گئے ہیں۔ اب میں اپنے احوال کا پورا پورا اعتماد ہوں اب میں بالکل بدل جاتا ہوں گا۔ ان باتوں سے لھی کہوں گا اور اس دل کو اطمینان نصیب ہو گا۔ میری گذشتہ زندگی کے بعض جنبت لھر میری طبیعت میں بچا ہر پیدا کر رہے ہیں۔ انوار کی شام کو جب گر جا کا آگن بج رہا تھا با جب کسی قدر سن گزرت کی تھوڑے سے میری

آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے یا جب میں مصروفیت کے زمانے میں اپنی ماں سے باتیں کیا کرتا تھا تو اس وقت اپنی آئندہ زندگی کا جو تصور میرے سامنے تھا وہ سب کچھ جو کہ رہے گا۔ میں چند سال بھٹکا میرا برس لیکن اب مجھے منزل مقصود پھر نظر آرہی ہے۔

جنہی نے پوچھا: یہ روپیہ نہ سڑ بازی میں کھاؤ گے؟ جاں میں کتنا مہل تم پہلے بھی کٹی ہزار مار چکے ہو۔

ما۔ حاجتم سے کہا: ہاں لیکن اب کے میرا جیتنا یقینی ہے۔

اجنبی بولا: اب کے یہ ہمارے گے۔

ما۔ حاجتم نے کہا: ہاں! مگر میں آدھا روپیہ اپنے پاس رکھوں گا۔

اجنبی بولا: وہ بھی دو رو گے۔

وہ حاجتم کے ماتھے پر پسینہ پھوٹ نکلا۔ بولا: اچھا! کیا مضائقہ ہے؟ خوف کرو میں سب روپیہ ہار دوں اور غرض کرو میں پھر مفلس اور تلاش ہو جاؤں تو کیا میرا نفس ایک حصہ اور بھی اعلیٰ یوں ہی آخر تک اسفل رہے گا اور دفعہ رفتہ بیک کی قوت کو سلب کر دے گا؟ نیکی اور ہستی دونوں زبردست ہیں اور اپنی اپنی طرف بلا رہی ہیں۔ مجھے دو فوں سے محبت ہے۔ میں بڑے بڑے کھانے سوچ سکتا ہوں، اپنے نفس کو مار سکتا ہوں، نیکی کے رستے میں جاتی تک قربان کر سکتا ہوں اور گھر میں آنا ذلیل ہوں کہ قتل تک سے دریغ نہ کیا لیکن رحم سے بالکل نا آشنا نہیں۔ میں غریبوں پر رحم کھانا ہوں دفعہ سے زیادہ ان لوگوں کی مصیبتوں کو کون جانتا ہے؟ یہی محبت کی قدر کرنا ہوں۔ میں وہ جیسی اور خوش دلی چاہتا ہوں جو اطمینان طلب کا نتیجہ ہوتی ہے۔ دنیا کی کوئی بھی باکوئی اچھی بات ایسی نہیں جس سے مجھے دلی محبت نہ ہو، تو کیا صرف بدیاں ہی میری رہنمائی کریں گی؟ اور کیا میری غریبیاں کو بڑے کرکٹ کی طرح بے کار ڈریں دیں گی؟ ہرگز نہیں۔ نیکی بھی افعال کی سب سے بڑی ہوتی ہے۔

لیکن اجنبی نے اپنی اچھی اور پرکھائی اور بولا: تمہیں اس دنیا میں آئے چھتیس سال ہو گئے۔ اس دوران میں تمہاری قسمت نے کئی دفعہ کھانا اور تمہاری طبیعت نے کئی رنگ بدلے لیکن میں چھتیس سال سے دیکھ رہا ہوں کہ تم برابر قہر مذمت کی طرف جا رہے ہو۔ آج سے پندرہ سال پیشتر تم چوری کے خیال سے بھی کانپ اٹھتے۔ آج سے تین سال پیشتر قاتل کا نام سن کر تمہارا رنگ فق ہو جاتا لیکن اب کیا کوئی مجھے جرم، کوئی مجھے سزا کی کوئی بھی ذلت ایسی ہے جس سے تمہاری طبیعت متغیر ہو اور پانچ سال میں تم ان سب کے ترکب ہو چکے ہو گے۔ تم دن بدلتی ہستی کی طرف جا رہے ہو اور بھرموت کے کھاد کوئی چیز تمہیں نہیں روک سکتی۔

ما۔ حاجتم نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا: یہ کچھ ہے۔ میں نے ایک حد تک بدی کے احکام کی تعمیل کی ہے لیکن سب کا یہی حال ہے۔ محض اس جہاں میں بسر کرنے کی وجہ سے پاکیزہ ترین انسان بھی دنیا کی آلائشوں سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔

جواب ملا: میں تم سے ایک سیوا سادہ سوال پوچھتا ہوں۔ جواب پانے پر میں تمہاری آئندہ اخلاقی زندگی کا حال تمہیں بتاؤں گا۔ بہت سی باتوں میں تم نیک و بد کی چنداں پروا نہیں کرتے اور ممکن ہے تم ایسا کہنے میں حق بجانب بھی ہو۔ بہر حال ہر انسان کا یہی حال ہے لیکن کوئی ذرا سی بات بھی ایسی ہے جس میں تم اپنے افعال کی لپری پوری نگہداشت کھاتے ہو و یا بہر بات میں بے عنایتی سے کام لیتے ہو۔

ما۔ حاجتم کو جیسے جواب سوچنے میں سب سے تکلیف ہو رہی ہو۔ بولا: کوئی ذرا سی بات ایسی ہے؟ نہیں کوئی نہیں ہیں

پر طرح ذیل ہیں :-

اجنبی بولا : تو میری پڑھن کر لے کر دے گا نہ مانگے ہے۔ سو مائے اسطی بر جو باٹ نہیں دیکھا ہے اس کے اٹھا دے مقرر ہیں اور اسی میں رت و بران کا کوئی انکار نہیں۔

مار خاتم بہت دیر تک غیب کوڑا۔ لکھ دھارہ بھی پھر جیسی نے ہونا شروع کیا۔ تو بھر قصہ بناؤ کہ وہ یہ کہیں رکھا ہے۔

مار خاتم نے پرچھا : اور حضور خداوندی۔

جواب ملا : وہ نہ آتا چکے جو۔ دونوں ملان ہوئے تھے ہی فوسے تھے جس نے مذہبی مجلس کے ٹیٹ فارم پر سب سے بلند آواز میں حمد و سناجات کے گیت گاتے سنا تھا :

مار خاتم بولا : یہ سچ ہے۔ مجھے اپنا فرض صاف صاف نظر آتا ہے۔ میں اس سبق کے بعد دل و جان سے تمہارا شکر ادا کرتا ہوں۔ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اور میری حقیقت اب مجھ پر آشکارا ہو چکی ہے :

میں اس وقت دروازے کی گھنٹی کے بجنے کی تیز آواز غام گھم میں سنا دی۔ اجنبی کا رویہ یوں بدلا جیسے گھنٹی کا بجنا پہلے ہی سے مقرر ہو چکا تھا اور وہ بس اسی کے انتظار میں تھا۔

بولا : وہ مانا آگئی۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ واپس آجائے گی۔ اب تمہارے یہ خط ایک نسل کام انجام دینا باقی رہ گیا ہے۔ اس سے کہنا تھا کہ آٹا یا رہے۔ خود جا کے دروازہ کھولنا۔ تمہارے حیرے سے گھر اسی نہیں بکھیر سکتی

مترشح ہوئی چاہیے۔ مسکرانا مست۔ بہت زیادہ اطمینان کا اظہار بھی نہ کرنا۔ میرے کہے پر عمل کرو گے تو یقیناً مافوقہارا را ز کھول دے گا نہ ہوگا۔ بس لڑکی اندر آ جائے اور وہ اند بند ہو جائے تو جس ہوسٹیاں سے تم نے آٹا کو ٹھکانے لکھوایا ہے اسی طرح اس تعوی کاٹنے کو بھی اپنے رستے سے ہٹا سکتے ہو۔ پھر تو ساری سام اور اگر ضرورت ہو تو ساری مات پڑی ہے۔ گھر کے مسئلہ ہمسایہ کی اچھی طرح کا شی سے لے لیا اور پھر مزے سے نکل دینا۔ ماما کے آجانے میں بھی ایک عجیب حکمت ہے۔ اٹھا : میرے دوست اٹھا

تمہاری زندگی اس وقت ایک کچے دھاگے سے بندھی ہے۔ اٹھا : کچھ کر لو۔

مار خاتم اپنے صراح کار کو غور سے دیکھتا رہا اور بولا : اگر میری قسمت میں یہ لکھا ہے کہ میری ہر حرکت ہدی اور گناہ ہی کے لیے وقف ہے تو نہایت کا ایک دروازہ قلاب بھی کھلا ہے۔ میں ہاتھ پاؤں پٹنا ہی کیوں نہ بند کروں ؟ اگر میری زندگی ناپاک ہے تو میں اس زندگی سے دستکش ہی کیوں نہ ہو جاؤں ؟ تم سچ کہتے ہو میں ہر جیوتی سے بھرتی خواہش کا خدام ہوں لیکن اب بھی میں ایک ہی فیصلہ کن جنبش کے ساتھ ہی سب خواہشات سے آزاد ہو سکتا ہوں۔ میری تقدیر میں بھی کھلے کہ نیکی کی کتاب کو پڑی نہ ہو تو اچھا یونہی سہی لیکن ہدی سے عزت قلاب بھی باقی ہے اور تمہیں یہ دیکھ کر مست ہی ماری ہوگی کہ میں ہی عزت سے طاقت اور جرات

موجود ہے جس سے حاصل کر سکتا ہوں۔

اجنبی کا چہرہ بدلتا شروع ہوا۔ اس کے خدو خال میں وہ جیل ہونے لگے اور ایک شفقت آمیز احساس تنہی کے ساتھ پچھنے لگے اٹھ پھر فوراً ہی دم ہو کر غائب ہو گئے لیکن مار خاتم اس تغیر کو دیکھنے یا سمجھنے کے لیے ذرا بھی متوجہ نہ ہوا۔ اس نے

پچھنے لگے اٹھ پھر فوراً ہی دم ہو کر غائب ہو گئے لیکن مار خاتم اس تغیر کو دیکھنے یا سمجھنے کے لیے ذرا بھی متوجہ نہ ہوا۔ اس نے

دروازہ کھولا اور کچھ سوچنا ہوا آہستہ آہستہ ریڑھیاں اتر کر نیچے آگیا۔ اس کی گزشتہ زندگی کا صاف اور صبح نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر گیا۔ خواب کی طرح بدنام اور تکلیف دہ سے رتنب اور بے چوڑ۔ گویا شکست کا ایک منظر پیدا ہوا ہے۔ جب اپنی زندگی یوں نظر آئی تو جیسے کی ہر س باقی نہ رہی لیکن زندگی کے اس پار اسے ابی کشتی کا ساحل دکھائی دے رہا تھا۔ دکان کے دروازے کے پاس پہنچا تو روک گیا۔ دروازے میں سے سچا سچ اچھی نمک لاش کے پاس جل رہی تھی اور ایک عجیب خاموشی طاری تھی۔ نظریں بہوت تھیں اور دماغ میں وفادار کے معنی جیلاں کا ایک جوم رہا تھا۔ گھنٹی جیسے بے صبری کے ساتھ دوبارہ بجی۔

درہیز کے پاس ماما کے روبرو کھڑا ہوا تو چہرے پر سکراہٹ سی تھی۔ بولا: پومیں کو تو تو بہتر ہو میں نے کھانے آقا کو قتل کر دیا۔

(علی گڑھ میگزین)

گوئی جو رو

یہ کرکری گئی ہے اور لہا لہا ہے۔ اس دو گانہ و جہ سے، اس کا میڈی کی سب مٹا کر
 قلم ہو گئی ہیں مگر کہانی باقی رہ گئی ہے کہین مگر کہانی ہی کا منتقلی من مقصد ہو گئی ہے۔
 اہل وطن ذرا سن لے، اس تھکے کر مشہور ڈیسیسی معنی، تہیجے سے، اٹھ گیا ہے۔۔۔ بیسیسہ
 روزن تھیر سے سننا دیا تھا، گویا کہانی دراصل بہت پرانی ہے، اہل وطن فراموش لے اسے
 غارنگ سے کرکری میڈی کی شعل میں شعل کیا۔
 جو خاکاب آپ کے حلقے ہے، سن میں غریباں، اساتذہ کی ہیں قلمیائیں میری ہیں
 (پیرس)

پہلا ایکٹ

فرمان نامی پیرس کے ایک بیچ کا کھڑ

دراٹر آدم ایک پیرس اس سے ملنے کے لئے آیا ہے۔

آدم۔ (دھک کرنا داب بھانٹتا ہے) نہہ قہرت کر آپ سے پھر طاقت ہوئی۔

فرمان۔ واہ خوش قسمتی تو اسے میری کچھ فراموشیے ہیں میں کس طرح آتا ہوں؟

آدم۔ (رکزی پر بیٹھ کر اشارت سے سے آیا ہوں۔ ایک سلاسن کرنے کے لئے ایک فرمان فرمان کی۔ جس کے سر پر سے ان باپ لاسایہ اسٹ

گیا ہے۔ اس پر بڑا غم ہے۔ اس کا سر پرست اس کی سب باقیہ معنی کر لیا ہے جس اس مقصد پر ہی اس کی قہرت کا وار و وار

ہے۔ اگر میت گئی تو کچھ مولا آپ کی نمائندگی کرنے...

فرمان۔ اچھا، چھاپ کر کریں گے۔

آدم۔ اب چھاپنی کچھ۔ تمہاری میں ان شعل سے گندے ہوں گے۔ شادی کا وار و نہیں کیا؟

جہاں جیسے نہیں سنا، پچھلی بیٹے آئیں نے غاروں کی ہے۔ ایک بزرگ کی بیٹے۔ تیرن ہرے میں صحت یہ ہے کہ وہ گرتی ہے۔
آدم کو غاروں سے پہلے تھیں، اس کا علم نہ تھا؟

جہاں۔ مسوم کوئی بھاری بات بھی کتب تک چھیڑ سکتی تھی لیکن اس وقت بچے اس کی پروا نہ کرتی۔ ایک آدم صحت و صوبہ بہت ماحیز میں
نے سوچا چلو ہوا کیا۔ طبیعت بھی بچے کی مدد بھی دلا دے گا۔ یہاں پتہ تھا کہ وہ کچھ بات چیت کر سکتی تھی۔ وہ بچے کی حالت پر
گرتی وہ بھی ہادی تراشی کرتے۔ کوئی دھڑلے نہ تھا، کوئی شراب کا پیو نہ تھا، لیکن اب تو یہ حالت ہے کہ گندہ شکل سے ہر گز
ہر میں خود بھی پڑے اور اس رہتا ہوں۔ بھری کیا ہے۔ ایک شیش ہے۔

آدم۔ پیری تھیں؟

جہاں۔ نہ خیر ختی تو تم ہم سے بھی زیادہ ہے۔

آدم۔ تو یہ کہہ کر چلے گئے ہیں۔ اگر کوئی کوئی شکل ساتھ ہی بہرہ دہ ہو تو اس صلاح سب سے۔ آپ کے گھر کے پاس ہی ایک ڈاکٹر رہتا ہے۔ اس
ڈاکٹر میں اس بار سے یہی رہتا ہے۔

جہاں۔ میں ابھی اس کو بلاتا ہوں۔

آدم۔ تمہاری مرضی لیکن اس کو بلانے سے پہلے ایک فوج دے دو گئی حوروں جہاں کوئی نقصان ہیں۔ وہاں بھی کھانے بھی ہیں۔

وہ آدم چلا جاتا ہے۔ بچ اپنے عازم کو ڈاکٹر کے گھر پہنچتا ہے۔ اس کے بعد

بچ کی پیری تیرن داخل ہوتی ہے)

جہاں۔ کام کرنا کتنا تنگ جاتا ہے؟ آہ۔ میری جان۔ تم آئیں گے تمہاری آہٹ تک سنا نہیں دی۔ تم پریوں کی طرح دھڑکی کے ساتھ گزر
جاتی ہو۔ تم ایک خوشگوار خواب کی مانند ہو۔ تم قدرت کا ایک معجزہ ہو۔ تم میں سوائے ایک گویا کے باقی تمام صفات موجود ہیں۔ اگر
تھیں گویا کی ات بھی عطا ہو جائے تو کیا تم خوش نہ ہو گی؟ جو عذبات اب مجھے تمہاری آنکھوں میں جھلکتے نظر آتے ہیں وہ تمہارے
ہونٹوں سے، ہاتھوں سے، ہاتھوں سے، تمہاری روح بے نقاب ہو جائے گی۔ تم اپنے منہ سے محبت کا اظہار کر دو گی۔ اپنے شر ہر کاپی زبان سے
بلا دو گی۔ میری جان میں تھیں ایک خوش خبری سنا جاؤں۔ ایک ڈاکٹر بھی آکر تمہاری زبان کھول دے گا۔ ننھیلی دیر میں تم چھپ چکی
گف جاؤ گی۔

دیکھنا ان اشاروں سے بے انتہا مسرت کا اظہار کرتی ہے اس کے بعد ڈاکٹر آتا ہے اور

سب کے سب آپریشن کی تیاری کے لئے ساتھ کے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔

دوسرا ایکٹ

(بچ ٹکڑے ————— شلم کا وقت)

آدم۔ آپ نے میرے محل کے منہ پر قہر کیا؟

بتال۔ کبھی نہیں۔ تم جانتے چھوڑ گئے۔ نہیں چھوڑنے کی فرصت ملی۔ میں نے ڈاکر کو دیا تھا۔ تباہی سے مشورے پر عمل کیا۔ اب جان
منجاب میں ہے۔ ڈاکر نے آپریشن کیا اور میری بیوی بچے ہو گئی۔

آدم۔ خدا شکر ہے۔ کہا کیا اس نے؟

بتال۔ مجھے کئی۔ نمازیہ کے لکچرے اور میری طرف متوجہ ہو کر بتال۔ میری جان! میری ساعہ کے دن بے سانی کا ایک دن نہ دے گا۔۔۔
سائیکو گن اس ایک لپٹی میں کے اندر ملے۔ ستر گنا ہو۔

آدم۔ اس کے بعد اس کی زبان بند نہیں ہوئی؟

بتال۔ نہیں۔ جو کہ مختار تھا۔ بچے کے کے ایجنٹ کن۔ تھکے کے بوقت دی۔

آدم۔ شروع شروع میں تو یہ تھا کہ رسول کی مٹی باقی سبک لٹ نہیں گئی۔ بعد میں بونا ڈاکر کو جہاں ہے۔ میرے ہاتھ سے ہاتھ لکھے
اس کا خون کا نام لیڈی آرسلین ہے۔ خدا حافظ!

(آدم پوچھا ہے۔)

بتال۔ (کھنکھاتے ہوئے) دو سے منجاب لیڈی آرسلین۔۔۔

(کیتھرین داخل ہوتی ہے)

کیتھرین۔ کیا کہہ رہی ہیں جان؟ تم معروف معلوم ہو گئے ہو! تم جیسے معروف رہتے ہو۔ تم بہت کام کرتے ہو۔ دشمنوں کو کچھ نہ دے گئے۔ میں
کبھی نہیں کہیں آرمی میں آکر اور، اور بھلا یہ تو بتاؤ کہ تم کیا رہے ہو؟

بتال۔ میری جان۔۔۔۔۔

کیتھرین۔ کیا کوئی ناک بات ہے جس کے پچھنے کا مجھے حق نہیں؟

بتال۔ میری جان۔۔۔

کیتھرین۔ کوئی راز کی بات ہے تو میں سنیں پڑھتی۔

بتال۔ مجھے بات تو کہنے دو میں ایک مقدمے کا فیصلہ کئے تھاموں۔

کیتھرین۔ تو بلا ضروری کام ہو گا؟

بتال۔ بہت ضروری!

کیتھرین۔ فریڈی جان! چنانچہ فیصلہ سکھوں کچھ نہ بتاؤ گی۔

بتال۔ مقدمے کے واقعات یہ ہیں۔۔۔۔۔ لیڈی آرسلین۔۔۔۔۔

کیتھرین۔ میری جان تمہاری۔ اسے میں بگے ریشم کاٹن اچھا بنے گا۔ یا ترکی مٹن کا؟

بتال۔ مجھے کیا معلوم۔ بگے تو۔۔۔۔۔

کیتھرین۔ یہ خیال ہے میری عمر کی عورت کو سائیں اچھی لگے گی۔ بشرطیکہ رنگ کی ہوا اس پر چھلے پھوٹے پھول ہوں۔

بتال۔ مٹن ہے۔ مٹن۔۔۔۔۔

کیتھرن: اور دیکھو میری جان! تمہارے خیال میں کتنی کٹیر بہت ہی زیادہ رکنا بڑی بات نہیں۔ کیتھرن! تو کیا وہ چاہے وہ محسوس ہی نہیں کرتا کہ تو کتنی بڑا
ہیں رکھ رہے ہیں اتنا زیادہ بھی فضول ہے۔ تم دیکھنا یہ کٹیشن بھی اڑ جائے گا۔ ٹھیک ہے؟
بتال: بے شک مگر

کیتھرن: اور جو کچھ کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ قدرت کا اندازہ ہی اس کا پالوں دیکھ کر کھانا چاہتا ہے۔ دوسرا اور تیسری جوتوں کا بھی سب سے
زیادہ رکھتی ہیں۔ ٹھیک ہے نا؟
بتال: ٹھیک ہے مگر

کیتھرن: اچھا تم اپنا فیصلہ لکھو۔ میں نہ براؤں گی۔
بتال: بہت اچھا! کافیات اٹھا کر پرٹھے لگاتے ہے۔ مذکورہ بالا قانون کے سرپرست نے خیانت پر ممانہ کار تکبہ ہو کر
کیتھرن: کل ہی مجھ سے ایک سہیلی کہہ رہی تھی کہ دنیا کا حال دن بہ دن بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ ہر طبقے کے لوگ بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ لوگوں میں دیاقتاری
اور شرارت نام کو نہیں کیا یہ پتہ ہے یا میری سہیلی یوں ہی مبالغہ کرتی تھی؟ بوزمیری جان!
بتال: مہربانی کر کے یا تو تم کوئی دیر کو چپ ہو جاؤ یا کہیں اور جا کر بولتی رہو۔ میرے کام میں ہرج ہرج نہ کرے۔
کیتھرن: میری جان! تم ملینان رکھو میں باطل کچے نہ کروں گی۔

بتال: اچھی بات (کھٹکے لگاتے) مذکورہ بالا سرپرست نے اس قانون سے بہت سادہ پیہ
کیتھرن: میں ٹھیک ہی سمجھتی ہوں چیزیں مہنگی کتنی ہو گئی ہیں۔ پھر کچھ تو ہم لوگ کفایت شعاری نہیں کہتے۔ دوسرے تو ان پر جب تک اس دس کھلے نہ ہوں
پہن نہیں آتے۔ میں تو سمجھتی ہوں کھڑکی کی یعنی۔ تھوڑا سا گشت اور ایک مینی چیزیں یہ کافی ہوتا ہے۔ لیکن لوگ بیچو بھی تو بہت بھتے
جاتے ہیں۔ میری جان! تم تو ایسے لوگوں سے نفرت نہیں ہوتی؟ ادا دیں کھلے کو کس لائی نہیں چاہتا کھلے کے بغیر گزارہ کس طرح
نہو؟ لیکن خدا سوچو کہ لوگ کیسی کیسی بد مزہ ادا فیٹا چیزیں کھاتے ہیں۔
بتال: میں باطل پاگل ہو جاؤں گا۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔

کیتھرن: میری جان! میں اب ادھ کچھ نہ کہوں گی۔ لیکن ہے تمہارا ہرج مہتا ہو۔ میں زبان تکسہ لائن گی۔
بتال: تمہاری بڑی مہربانی۔

(وقف)

کیتھرن: دیکھا میری جان! میں اب کچھ کہتی ہوں؟ باطل چپ چلی ہوں۔
بتال: ٹھیک۔

(وقف)

کیتھرن: اب آج ہمارے نہیں ہوتا؟
بتال: باطل نہیں۔

(وقف)

بہنیں ہے اپنا فیصلہ کرنا ختم نہیں ہوا بھی؟

آج کے دن بند کیا گئی تھی۔ (مغل میں مصروف تھا۔)

ایک شخصہ کمری بھاتی ہے، اس کا معلوم ہوتا ہے کہیں آگ لگی ہے۔ دھن کا شر سناؤ نہ دے۔ وہاں کڑا ہوا ہے، نہیں نہیں۔
میں لعلی پر ہوں خدا کا شکر ہے آگ نہیں لگی۔ آج تو جب کہیں آگ لگتی ہے تو کس صیبت ہوتی ہے، ٹھون میں کہہ رہا ہوں کہ جاکے
رگ اپنا سب مایاں پیشک دیتے ہیں اور کہیں میں سے گزرا۔ باہر ملے تھے یہ غوث اور لکے اسے رگ دیو نے ہی
بہاتے ہیں۔

میں اب اس سے زیادہ برداشت نہ کر سکتا ہوں، لیکن ہے اسی حالت ہی تو مجھے نئی تدبیر سمجھ کر دے جائے گا۔ (ڈاکٹر آواز دیتا ہے) دیکھو
ڈاکٹر صاحب کو ابھی بلاؤ، کہو کہ بہت ضروری کام ہے۔ برا آجائے۔

کیا ہے پیری جان! تم کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو۔ رسم کی منشا یہ ہے یا کھانے میں کچھ نقص تھا؟
اے ماٹن! میں نے جاری زبان دکھوائی ہو کہ لیکن گھبراؤ نہیں، ابھی ڈاکٹر آکر اپنی مسیبت سے تباہی خدان پر بند کر دے گا۔
(ڈاکٹر صاحب کا کچھ ترن کے منہ پر ہاتھ ہے۔ کچھ ترن چھین لاتی ہوئی کمرے سے

باہر نکل جاتی ہے۔) ڈاکٹر داخل ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب! آج آپ کی صحت خراب ہے۔ میں نے آپ کی پتی پتی کے علاج کئے جیسے۔

کیا، انہیں کوئی تکلیف ہے؟

اے؟ اے؟ کیا تکلیف ہوتی۔ بدقسمت ستم رسیدہ معلوم کریں ہوں۔

تکلیف آپ کو ہے علاج آپ اپنی پیری کا کرنا چاہتے ہیں!

ڈاکٹر صاحب! اسے گریبان کی حالت آپ کے طبی معائنہ سے تو اس قدر فانی ہے کہ میں کام لیا تھا کیا اس کی زبان کسی طرح بدلتی ہے؟

بالکل ناممکن! برکتے ہوئے آدمی کو کونسا جانا میری قدرت سے باہر ہے۔

آپ نے میرا دل توڑ دیا ہے میں اگر کیا اب تو میں صحت ہی کر سکتا ہوں کہ اپنے گلے میں ایک بھاری سا پتھر باندھ کر دیا میں کو دھڑوں۔

بھاری پیری کا تو کوئی علاج نہیں اب: تمہارا علاج ہو سکتا ہے۔

وہ کیسے؟

بہت بڑے والی پیری کا دھیر دھیر صحت ہی ہے کہ شوہر کو برا بنادیا جائے۔ میرے پاس ایک سفید سفوف ہے جسے لان میں ڈالنے ہی انسان

ہیشہ کے لئے بہرہ بردار ہے۔

ا۔ ہیشہ کسے؟

ب۔ ہیشہ کسے؟

ل۔ نہیں ہے یہ بزرگ منظر نہیں۔ میں بہت سنا جانتا نہیں جانتا۔

(کچھ ترن داخل ہوتے ہیں)

کیرین۔ اور یہاں تو ڈاکٹر صاحب نے ہنسے ہی۔

ڈاکٹر صاحب۔ یہ کب آپ کب ہنسے میں تکلیف تو نہیں ہوتی؟

کیرین۔ ڈاکٹر صاحب! میں اس معاملے میں شکریہ ادا کروں۔ شروع شروع میں تو صرف چند خیرات ہی بول سکتی تھی لیکن اب معاملے کے ساتھ گفتگو کر سکتی ہیں تاہم میں عزت سے زیادہ نہیں بولی۔ ابھی ابھی میرا شوہر بیمار کر رہا تھا۔ میں چپ چاپ پاس بیٹھتی تھی پھر بھی میرے شوہر کو شفا دینے کے لیے کتبہاں بولنے سے میرے کام میں ہرج ہوتا ہے۔ شوہر کے خلاف ہر (میری کجی میں نہیں آتا کہ تم نا اہل کس بات پر موم؟ خود کو کیلے؟ کرنی بات تو ایسی عرصہ سے جرم کے نہیں تھکتے! اللہ کے کچے تو بتاؤ۔ میرا فرض ہے کہ میں بیمار کی آزمائش کا خیال رکھوں اگر مجھ سے کوئی فعلی ہو گئی ہے تو میں آئندہ کسے اعتقاد کروں گی۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم کو مجھ سے نہ ہو۔ اماں جان کو خدا بہت نصیب کسے کہا کرتی تھیں کہ میاں بڑی کو ایک دوسرے سے کوئی بات نہ چھپاتی چاہیے۔ بے چاری سچ کہتی تھیں۔ دل میں کبھی کوئی بات نہ رکھنی چاہیے۔ جو ہر صحت صحت کہہ دینا چاہیے۔ میرا خدا کہتا ہے میں نے کوئی مقصد نہیں کیا اگرچہ بھی تمہارا یہ خیال ہے کہ میں گنہگار ہوں تمہارے شک ڈاکٹر کے سامنے سب حال بیان کر دو۔

بوٹال۔ (بے بسی ہو کر) ڈاکٹر صاحب! خدا کے واسطے دو سفید سفوف میرے کان میں ڈال دیجیے۔ (ڈاکٹر بوٹال کے کان میں سفوف ڈال دیتا ہے)

کیرین۔ میری جان۔ میرے سر تاج! انہوں نے تمہارا کیا بھلا کر ہے؟ کیا میں یہی کہہ رہی ہوں کہ تمہیں سائل: میں نے تم سے کبھی کوئی حفاظت کی ہے؟ کبھی نہیں دھوکا دیتا ہے؟

بوٹال۔ (موتیوں پر تادکسے کر) آہ! زندگی کس قدر شیریں ہو گئی ہے! مجھے اب ایک خطا بھی سناٹی نہیں دیتا۔

کیرین۔ بوٹال! میری بات سنو! میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ میں تمہیں اپنے دل کا حال سناٹی ہوں۔ میرا دل بھن ہی کے نوم تھا جب میں سات سال کی تھی۔ تو میرے پاس ایک چھوٹا سا آٹا تھا۔... سن رہے ہو؟ میری جان! میری روح! میرے شوہر! (بوٹال کو سمجھوڑتی ہے)

بوٹال زندگی اب ایک جہت ہے۔

(کا یاد)

صيد و صیاد

۲ دسمبر ۱۸۸۲ء کو رات کے وقت پیرس لا ایک انجمن دیا ہے جن کے تہذیبی پر چلا جاتا تھا۔ اس نے اس صاب نانی سے بہتر کے لئے اپنا مقصد متعلق کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ اس کے قدم نہایت آہستہ آہستہ چلے گئے۔ درجنوں اور اپنی مسزوں نے قریب پہنچ جاتا، اس کے دل میں اٹھائیاں اور سکون بڑھتا جاتا تھا۔

یہ نوجوان (جس کا نام ایڈمنڈ سیون تھا) جب ہی کے عین دسویں سیچ گیا آجکلے پردہ لگے دیے یا بیانی کو کھینچ کر لڑکوں سے دیکھا وہ اس کا چہرہ نہا کا پنا اس کے دل کی دڑ بکلی ایک لڑکے کے تیز بڑی لیکن پھر وہ سنبھل گیا اور غافلہ انداز میں یہ دور کٹاتا رہا۔ اور کٹ کٹ کر اس نے مین پر لکھ دیا تھوڑے سے سال کے بعد اس نے جنگ کو مضبوطی پکڑا اور انھیں بند کر دیں۔ وہ وہی میں کوڑ پست ہی کہتا کہ کسی سے بے گنسہ ہے چڑا دیا اور اس کے کافوں میں آواز آئی "وہا تھوڑے جیسے حضرت"۔ اس وقت کے قتل کے لئے مہی کے ہاتھ کی ایک جھلک سے کہنا دیا اور پھر جھلک مارنے کا لیکن اب کے بارے کے گڈ سے کو دو انھوں نے نڈر سے کھینچ لیا اور پھر وہی آواز آئی "حضرت! وہا تھوڑے جیسے، صرف ایک شخص کے لئے تھوڑے جیسے، کیا اتنا بھی آپ کو بہت مصرم جتا ہے؟"

سیون نے مڑ کر دیکھا، یعنی وہ میاں قد کا ایک دھاتیا سا آدمی تھا۔ چہرے کے نقش باریک جین پر نیکی یا جی کسی صفت کی کوئی قریر نہ تھی صرف ایک اٹل کرما تھا۔ آواز اس نازک وقت میں بھی نہایت صلیون معلوم ہوتی تھی۔ لیکن وہ سیویون کو غصہ سا لگیا اس نے اپنے دل کو جس گنت سے خود کشی پر آمادہ کیا تھا اس کا یوں مانگا جانا اسے ناگوار معلوم

ہوا۔

وہ جھٹکا کر دیا "آپ ہوسے کرتے ہیں؟" اجنبی نے کہا "حضرت یہ تو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ میرا ایک کام ہے جو میری سراسر آپ کے کوئی نہیں کر سکتا۔ درد میں کلمہ کو نقل ہوتا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ اگر آپ کا خوشی کا طریقہ نہایت بھلا ہے لیکن میں کیوں وہی دیتا لیکن بات یہ ہے کہ اس وقت ایک قانون کو آپ کی امداد کی بہت ضرورت ہے اگر یہ بات نہ ہو تو آپ یقین جانیے میں بھی ہوں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔" سیون بڑی درشتی سے نہیں کہنے لگا "تم نے میرے پاس آئے ہیں لیکن کی ہے۔ ایک صحت ہی کی خاطر کہیں یہ (اس نے دیا کی

دلت اچھو بیٹا دیا، اس وقت کی جنس میں بہان جان کا حرج ادا کرنے آیا ہوں اس سے زیادہ میں کیا کر سکتا ہوں؟
 اپنی بڑا، قصور ایک عورت کا اور آپ سب مردوں کو لازم اسے سبے ہیں۔ اب نکاح دیکھ لیں آپ کے منہ نہ نہ نہیں مسکن
 عقد دوبارہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک قانون کی چلنے دے دیکھئے، ایک فرد ان قانون کی ایک میں قانون کی آپ اپنے سزا کو ایک
 گھنٹہ تک فٹری کر دیکھئے، فرض ایک گھنٹہ تک کیا یہ بہت زیادہ ہے؟ اس وقت سے کہ ایک جتنا بھی دانت ہے آپ اس کے ایک وقت میں
 کیا آپ اس میں سے ایک گھنٹہ بھی کسی کو نہیں بخش سکتے؟

سیون نے جواب دیا میں جنس کے اپنی کی باتوں کو عورت سے منہ نہ لگا تھا۔ پرچہ تم مجھے کیا چاہتے ہو؟
 اپنی لے لے۔ یہ دیکھئے میں ابھی آپ سے کہتا ہوں میں سب سے آپ اتنی بہرہائی کیجئے کہ اپنا اور کسٹن بیجئے۔ اور میرے ساتھ
 اس شراب سے شک چھوئے۔ اور جن طرح روشنی نظر آ رہی ہے جو کچھ لگے کہتا ہے آپ دوا سے پیچ کر سن بیجئے۔ اگر اس سے آپ کی کٹینی نہ ملتی تو
 آپ بے شک داپس آجیئے اس میں ہے کیا؟

سیون نے درجہ کر دیکھئے اور اپنی کی بات ان لیے کو تیار ہو گیا۔ اپنا کوٹ پہنا اور ساتھ ہر لیا۔
 مجھے نہ لیا۔ شک ہے کہ آخر آپ لگے ٹل گئے دن دہانے میں کہاں مارا نا پھر تا۔ آج مات لگے آپ سے پہلے دوا دمی آپ ہی
 کی طرح کے اور لگے لیکن وہ کسی کام کے نہ تھے۔ یہ تو کہیں لے۔ یہ ی سی ہی نہیں میں کرتا کیا۔ اس وقت وہ دونوں دوسری دنیا میں ہیں۔ اور شاید
 تو آ کر ہے میں کسی طرح داپس پر سہ پہنچ جائیں لیکن آپ باطل میرے مطلب کے آدمی ہیں۔ یہ لگے کہ پیچ گئے یہ شراب خانہ ہے تو چھوٹا
 سا لیکن کیا مٹاؤ ہے۔۔۔۔۔ پہلے آپ صاحب۔

دلت کو یہ میں ایک طرف کو موک رہا لگے۔ اور ایک دوسرے کو دوسرے دیکھنے لگے۔ اپنی کی شکل پہلے کی بہ نسبت زیادہ مقاب سے مشابہ
 اندازہ وہ مفکر معلوم ہوتی تھی لیکن یوں دیکھنے میں برابر تھا۔ مریو سیون پچس پرس کی کراؤ جڑان تھا۔ چہرے کے نقش نفیس تر تھے ہوئے اب اس پر
 کے دیا تو ل کا رنگ دوا زرد۔ بڑا۔ تو تمہارا کیا مقصد ہے؟

اپنی نے کہا۔ لگے اپنا مقصد تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ چلنے کے شیر شکاری کیسے
 شیر شکاری کے کیل سے کر آپ واقف ہوں گے؟
 نہیں۔

وہ انکس! انسان اپنی شہرت پر کیا بھروسہ کر سکتا ہے۔ تو حضرت آپ لے میرا نام تو یقیناً سنا ہوگا؟ لگے یوں کہتے ہیں؟
 سیون نے کہا۔ کچھ جاؤ۔ میں لے تمہارا نام بھی نہیں سنا۔

یوں ایسی کے لیے میں بڑا۔ جب کہ بہت ہی افسوس ہے۔ تو جناب تھے۔ جو حضرات اپنی زندگی کا طائر کرنا چاہیں ان کے لئے
 میرے ایک ایسا طریقہ ایجاد کر سکتا ہے جس پر انہیں کسی طرح کی علامت نہ ہو سکے اگر آپ کو اس بات کا علم ہوتا کہ آپ دیا سے سینے کے پاس چلنے
 کی بجائے قینا میرے پاس مسدود آگاہتہار دینے میں مجھے کوئی دقیقہ فرو گذاشت ہو گیا ہے تو یہ میرا قصور نہیں میں مجبور ہوں۔ میرا کام ہی ایسا ہے۔
 لیکن میرا خیال تھا کہ آپ لے مسدود طبقوں میں میرا ذکر و نام ہوگا۔

سیون نے کہا۔ جو کچھ تمہیں کہتا ہے جلدی کہو، آؤ گھنٹہ سے زیادہ گزرتا ہے۔ لگے ابھی تک کچھ نہ نہیں چلا۔

پہلے نہ دین میں ایک حسین عاتق کے ہاتھوں مرغا، ایک دین میں پڑے سرخ رنار، جہاں اس بات کا بھی غور نہ تھا کہ کئی خدائی فوجدار کے
کوئی نہ سمجھے۔ جس قدر شہر بڑی بات ہے۔ میرے ان آپ کی تہل کو کہہ از غم یہ خیال تو ہوا کہ آپ کی موت دلی پسہ صحبت میں علاج ہوئی ہے۔

سیون نے کہا: "مکن ہے میں باجہ سولے کو ایک حسین عاتق کے قتل پر ترجیح دوں۔ تہیں قبا رسی بچا ہوا کہ جو جس کی بدولت آ
خدا نے تھے انسانوں کو پیش از وقت مار دیا ہے۔"

موجودہ ۲۰۲۰: حضرت آپ بہت کچھ دیکھا ہے کہ آپ کے انفاذ سے کچھ حد میں پہلے ذرا آپ کو فرمایا ہے۔ میں نے
اگر کہا کہ تم قتل از وقت مر جاؤ۔ میرے پاس تو ہی لوگ نہایت لستے ہیں۔ جنہوں نے مرحلے کا محکمہ ادارہ کر لیا ہے۔ اس کا قاعدہ کیا ہے؟ یہ
دعویٰ ہے ایک پاکستانی کر ایہ میرے ہی کھانے کا حساب ہے۔ اتنے کمال بیسی فرمائیں بڑی میں جن میں سے ۵۲ مردوں کی بھیم
ادیس عورتوں کی کل بیسیاں ہوں۔ اب حضرت: اگر میرے قریب اپنا بیعت کر خود سچے قسوت کی
اس سے قریب توئی جہاں ہے نہیں؟ جناب: میں تو صلیبی فرغ انسان ہوں۔ میں قربانیں چاہتا ہوں۔

سیون نے کہا: "اللہ تہیں اس بات کا خیال ہیں کہ جو کچھ جباری بازی کے بعد زندہ بچ جاتے ہیں۔ وہ کچھ کسی اور طرح خود کشی کر
ہیں؟"

"حضرت جے صحت لیجئے۔ آپ کچھ بھی پڑیں۔ پہلی کتاب میں بازوں میں سے جو زندہ بچ گئے۔ مکن تھا کہ وہ سب آپس میں پھر یہ کھیل کھینے
حتیٰ کہ ان میں سے صرف ایک باقی رہ جاتا۔ لیکن ہوا میں کو زندہ بچ جاتے والوں میں سے صرف ایک نے دوبارہ مرے کی خواہش کی۔ اس ایک کے
باقی سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ وہ جلتے ہوئے میرا شکریہ ادا کرتے گئے۔ اندر سے میں گولی کے چلنے کا ڈر ایک فقرہ مگر شاید یہ انتقام مرگ
موجود نمش کا گناہ انا ظاہر ہے۔ یہی سببت ناگہاں میں کہ جو کچھ زندہ جلتے میں وہ کچھ ضبط کر لیتے ہیں کہ مرے کو کچھ میں با کرسی موت ہی میں ہے۔
— حضرت! اگر آپ میں کس خالق کے سر پر تھوڑا سا احسان کریں۔ اور خوش قسمت یا بد قسمت ہے آپ اس کی گویوں سے پناہ مانیں۔ تب کچھ
ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں گے کہ آپ زندہ بچ گئے۔"

سیون نے کہا: "خیر بات تو خدا ہے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ تہل کی باتیں بہت دیکھیں ہیں۔ مختصر یہ کہ میں یہ کھیل کھینے کو تیار
ہوں جتنا کہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ میری موت چند گھنٹے دیر میں آئے گی؟"
بولے: "انتہا سرور ہوا اور بڑے لمبے دار نفروں میں شکر یہ ادا کرنے لگا۔"

سیون نے اس کی بات کو کٹ کر کہا: "ہاں ادا کرو اللہ چلو ہیں۔ بہت وقت مٹاؤ ہو چکا ہے۔"
شرب غنہ سے بگڑے قرآن آگے آگے چلے گا۔ چلتے چلتے وہ تنگ دام ایک گھوڑوں میں پیچ گئے جہاں کہیں کہیں ایک آویزاں لپٹ
عام رکشی مات کی سیاہی کو ادھجی تاریک روتی تھی۔ قول نہایت سانی سے باتیں کرتا جاتا تھا شاید اس نے کبھی اس کا ساقی خاموشی سے گہرا
دائیں ہو جاتے کا ارادہ نہ کرے۔ دن بھر کی تازہ خبروں پر تبصرہ کرتا رہا کبھی عباد شاہی کے معاملات پر ادھجی تازہ ترین ٹیلے کے متعلق کو فلان ایکٹر
نے بہت بری طرح ایکٹ کیا۔ ادھجی وقت بے رہی ہو گئی۔ ادھجی اس طرح کی باتیں غم تم چکیں تو اس نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ ادا
چاند تاروں کے متعلق ایک تقریر شروع کر دی۔ سیون بالکل خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا۔

کوئی نہیں چلنے کے بعد وہ ایک نشاد بازار میں سینے ادھجی گھی تھڑے تھڑے کے ساتھ ادا کرتے گئے۔ جو کہ

تھے میں قانون بولی۔ خاب! اگر میں اپنی زندگی کے آخری لمحے ہی گزرتے ہیں تو جس میں کے ہی گواہ ہیں۔ دیکھنے کا کوشش بھیجی
میں ہوں۔ نہ میرے دل کو بچنے دیکھئے۔ خدا کے لئے بات ہی کیجئے۔“

یہ سن کر بیگم! ہر دھڑکنے کی بات کروں۔ اچھا استعارہ سے میں بات کرتا ہوں جب میں وہ کہتا تھا تو دھڑکنے میں توں تھکا
کے متعلق باتیں کرتا تھا۔ ایک صحت کا تذکرہ دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے مجھے پوچھا تھا۔ یہ زہرہ بیان کیسے لگتی ہے؟ اسی قسم کا ایک سوال اس
وقت میرے دل میں پیدا ہوا کہ زہرہ بیان کیسے لگتی ہے۔ میں نے توں کوں ایسا دل بانی نہیں رہا جسے کوڑا جاسکے۔ کوئی ایسا انسان موجود نہیں جو میں کا
قریب کھٹکے۔ دلوں کے توڑنے کا شغل اسی قدر دل چسپ ہے جس قدر یہ کہیں جو ہم کیسے دے میں۔ اس کی طرح اس میں بھی صحت ایک ہی آدمی
موجود ہو سکتے ہیں پھر پھر میں گا کر زہرہ بیان کیسے لگتی ہے۔“

قانون سے جواب دیا۔ جناب معلوم ہوتا ہے آپ کا شہسوں کا بہت شوق ہے۔ یہ سوال آپ کسی اور وقت پوچھتے تھیں اس کو آپ
کو عیدہ دیر کی تھی اور فاسوشی کے سودا اور اجواب دینا کواماد کرتی۔ لیکن اب جو غور میں سے ایک اور صحت آدھ گھنٹہ اور ذرا دیر ہے میں سمجھتی
ہوں کہ صحت کوئی سے کام لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ تو جواب نہ دے کے یہاں موجود ہونے کی وجہ عطا دے۔ جس کی خاطر اس شکل و صورت کو ایک اپنے بچے
انسان کی تھی۔ لیکن دل دعا سے بھرا ہوا تھا۔“

یہ سن کر بیگم! اس کے اور حالت سے مجھے آگاہ کیجئے۔“

قانون نے صحت آمیز بے میں کہا۔ میں اس سے زیادہ کیوں بتاؤں میں ماننے کے بدلے مادہ انہما کر سکتے ہوں۔ گناہ صاف! آپ
بتائیے۔ آپ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟ دھماکے کیسے ہیں آپ کو کسی آسانی نہیں ہے میں چاہتی ہوں
بیگم صاحبہ! میرے یہاں آنے کا باعث میں دعویٰ کا ایک وہ خشفہ سارا ہوا ہے جو میرے ساتھ قرآن میں آیا ہے۔ اور کچھ عرصے
میں میری ہر ایک میں گزرتی رہا۔ لیکن یہ سارا آخر میں آپ کے عطا دی کی طرف کج رفتار نکلا۔ اب وہ ایک سپاہی کی آفریں میں چمک رہا ہے۔ یہ دینا
اس کے بغیر تھیک ہے اس لئے میں کسی دوسری دنیا میں جانا چاہتا ہوں۔“

آپ سے ایسا سلوک پہلے کبھی نہیں ہوا؟

کبھی نہیں۔ اسی لئے میں نے تم کھالی ہے کہ پھر اس طرح کا واقعہ بھی پیش نہ آئے گا۔“

آپ کے خیال میں وہ قانون اس قابل ہے کہ اس کے لئے جان یوں قربان کر دی جائے۔“

کیا آپ کا محبوب اس قابل ہے؟

قانون نے جوش میں اکر کہا۔ ہرگز نہیں۔ قطعاً نہیں۔ آپ یہ نہ کہنے کریں صحت کو دل شکستہ کارم جان کر اس کی طلب گار ہوں آپ
کا شاید یہ خیال ہو لیکن میں تو صحت اس لئے نہ چاہتی ہوں۔ کہ مادہ بارش ہی کے لوگ میری ہنسی اٹھیں۔ زندگی میں پہلے ہی ایک دھوکہ بخورے یوں
دھاک لگتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تیسری دفعہ پھر میں ہوا! اور مجھے اسے ادب دے دیا میں۔“

بیگم صاحبہ! ایک آپ کو چھوڑ کر دیتیں گی کچھ کچھ نہیں۔“

بات کو یہاں پہنچا کر دلوں غمزدہ نغزوں سے آگ کے شعلوں کو دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد سینہ سے کہا۔ بیگم
صاحبہ! زندگی کی چند گراں باتیں ہیں۔ آپ میری اتنی بات ان کیجئے کہ اپنا کتاب آلودہ کچھ چاہو نہ لکھا دیکھئے۔“

ہے پیارا معلوم ہے تھکھڑی دیر ہوئی میں نے اپنے بہن بھائیوں میں غلط رنگ کی قسم کھایا کروں گا۔

حضرت آپ ہی مجھ سے شکایت کر رہے ہیں جس کی خاطر آپ ایک گھنٹہ پہلے جان دینے کو تیار تھے؟

”بیگم صاحبہ میں شاعر ہوں۔ میں بے رحم عورت کی خاطر میں آج جان دینے والا تھا اس کی صحت میں بگڑے جسم میں اس کی سبب غریباں نظر آتی تھیں۔ میں نے اس کی تربیت میں قصیدے لکھ کر لکھے ہیں۔ لیکن اب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ میری مہارت کا نتیجہ تھا۔ میں گڑھی کا رہنے والا ہوں۔ اور مجھے شہر سے غرت تھی اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا ہے میں اسے تمام گھر کو بھرتے ہوئے جا رہا تھا۔ اس لئے کہ میں نے ابھی آپ کو دیکھا تھا؟“

غرت میرا صاحب ملک۔ شاعر صاحب کیا کہنے! آپ بھی اور عروسی کی طرح ہر طرف لے لئے دے دیے۔ آپ مجھ سے رنگ کی پرستش کرتے ہیں۔ اس لئے جان دینے کو تیار ہوئے ہیں اور یہ شکل ایک گھڑا گزرنے پاتا ہے کہ آپ کو یہ رنگ میں دیتا ہے۔ شاید آپ غلط رنگ کے لئے بھی جان دینے کو تیار ہو جائیں۔“

سورین نے کہا۔ میں غلط رنگ کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں یہ نیل آنکھیں مجھے شفا نظر دیکھیں تو یہی زندگی جنت میں ملتی ہے۔
 قانون طرز آہنس دی ادا کئے گی۔

”جناب آپ یقین دہانے کو تیار نہ کیا۔ کبھی میرا ہاں نہیں ہو سکتا۔ آپ شاعر ملک میں رہنا چاہتے ہیں لیکن اس کی دہری فوج دنیا کو گناہ میں۔ آسمان نیلگوں ہے لیکن اس کی بھیاں تالچہ کھینچتی ہیں۔ ادا نہیں میں آپ کو دکھا دوں گی کہ نیل آنکھیں پتلی کا نشانہ بھی بنا سکتی ہیں۔“
 سورین نے آہستہ سے کہا۔ آپ کو شاید یاد نہیں کہ پتلی اندھیرے میں چلا جاؤ گا۔

قانون نے جوش میں آکر کہا۔ میں بہت ہی خوش ہوں کہ آپ تشریف لے گئے۔ آپ کو مار دینے سے مجھے بہت ہی مسرت حاصل ہوئی۔“

شاعر نے کہا۔ اب میری کجیوں کیا ہے کہ دو ماہ پیش صاحب نے اور عطا دے دیوں آپ سے بے انتہائی کی۔ بیگم صاحبہ! یہ بہرہ منا نیل آنکھوں کو نہیں سمجھتی۔ آپ بہت بے رحم ہیں۔ لیکن آپ کے عطا دے والی معلوم ہوتا ہے شہریت سے باطل میرا تھا آپ کا کتاب میں جگہ آپ میرا جو حسن پیدا کرتا ہے دوست دیکھ نہ سکتا تھا۔ ان نیل آنکھوں میں جب فخر چمک اٹھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان کی نیلگوں گہرائی کے ایک کالم میں کہیں سورج نظر آ رہا ہے۔ پھر اس پر بادلوں گہرا کرتے ہیں پھر کس ناز سے بھیاں مچتی ہیں پھر شاید چاند بھی نیل چمک پڑتی ہیں۔ اور پھر سورج اپنا رخ تاباں بنے لعل کر دیتا ہے میں نے اس روح افزا نظارے کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں وہ حسن کی کس طرح قدر کر سکتا ہے۔ لیکن بیگم صاحبہ اگر میں صبح مات زندہ بچ جاؤں تو ذکر اس پری دوش کا اور پھر بیاں اپنا۔ جو آپ کے ساتھ بے وفائی کر گئے ہیں۔ کھٹ انوس میں۔ آپ کو فردوس پر دنیا فکشوں میں مسرت ہو کر اسے کاش میں اس بے چارے شاعر کی پرستش قبول کر لیتی اور زندہ رہتی۔ اس وقت شہر کا آفاق ہوئی۔“

اس تقریر کے دوران میں قانون اس کے چہرے کا نہایت غور سے مطالعہ کرتی رہی۔ آخر وہی۔

”سبحان اللہ! کیا فصاحت ہے۔ کیا شاعر محنت کرتے ہیں۔ کیوں صاحب! کوئی شخص آپ کی نیلگوں کو چھپا پنا بھی گوارا کرتا ہے؟“

شاعر نے فرد فرد سے کہا۔ ”بیگم صاحبہ! میرا نام ایڈیٹر سورین ہے۔“

”میں سوچ رہی تھی کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

—

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

”میں نے سوچا تھا کہ یہ تو ہے۔“

خاتون نے کہا: اب کیا ہے؟ اب تو ہم نے ایک دوسرے کو ایچہ پایا ہے۔ وہ انہیں جو کہتا تھا جھکی کر دیکھتا تھا اب تو ایسے ٹھک گئے۔ اب یہی جیسے کوئی واقعہ ہوں۔ آپ شعر میں۔ مجھے شاعروں سے نفرت ہے۔ میں شاعروں کو گولی سے بھی مار سکتی ہوں۔
وہ انہیں ایک تھیلی کے بڑھکے کہا: اس میں پڑے کی بہت سی چھوٹی بڑی کتڑیں ہیں۔ آپ ایک ایک کتڑی نکالیں مجھے جس کے پتے میں چھوٹی کتڑی کے گے سے شیر پناہ ہے۔

خاتون نے تھیلی میں ہاتھ نکال کر پڑے لایا ایک ٹکڑا ڈال دیا۔ بیوی نے بھی اپنی قسمت آزمائی۔ کتڑوں کو ایک ساتھ رکھ کر مایا

گیا۔

خاتون چار کھٹی میں شکاری ہوں۔

بیوی نے کہا: اور میں شہ ہوں۔ بیگ صاحبہ انگوٹھی پہن رہی ہیں۔ یہ بھلا بھلا پاک ہو جائے گا۔
وہ انہیں نے کہا: یہ دیکھئے۔ یہ گھنٹی ہے۔ اسے سینے میں لٹا دیجئے اور ہلکے دھچکے ٹیک جیتی ہے یا نہیں۔ ٹھیک۔ بیگ صاحبہ یہ پتوں۔ اس میں کسی طرح کا نقش نہیں۔ صاحبہ آپ اس۔ پڑے سے سنبھلی سنبھلی اور جس وقت مرستی بند ہو جائے تو آپ زمین قدم پٹے اور گھنٹی کو بچنے دیجئے اور بیگ صاحبہ آپ جس وقت گھنٹی کی آواز سنیں وہاں پتوں پلاویں۔ لیجئے آداب عرض ہے۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ خدا کے آپ کا سفر بلدی سے ملے ہوئے اور آپ کی منزل خوش گوار و دین پذیر ہو۔ صاحبہ آپ کو کس طرح کی مرستی پڑے گی۔

بیوی نے کہا: کوئی دردناک سانس نہ پڑے۔ جس میں امیدوں کا خاک میں مل جاتا ہو۔ جس میں نیلی اسٹیموں کی سفلکی ہو جس میں ایک درد بھرے دل کا نام ہو۔ ایک بے رحم شکاری کے شکار کی آہ و فدا ہو۔ بیگ صاحبہ لیجئے جو تمام آپ کو مرستی کی جس سے نینا ہے۔ وہ مجھ کیلئے ذات سے لے لیجئے۔

وہ نے خاتون پر دیکھی ہوئی شہیں بھاڑیں۔ گھنٹی کی آواز کے ساتھ وہ لایا ایک تھڑا رکھ دیا۔ پھر صبر کا دم اٹھا کر ہر ملا گیا۔ جب دردناک بند ہو گیا تو کمرے میں بائیں اندر سے اٹھا سناٹے کے کمرے سے برہا اور باب کی دردناک مرستی لے نکالی ایک بے تابی پھا کوئی تین منٹ تک یہی حالت رہی اس کے بعد مرستی جا ہو گئی۔

محیط تاریکی اور خاموشی میں گھنٹی کی نفرتی آواز بائیں صحت سائی دی۔ پتوں کی ایک گولی چل گئی۔ دوبارہ گھنٹی بجی۔ ایک اور گولی چلائی گئی۔ یہ گولی پٹ پٹ میں اٹھائے اندر داخل ہوا۔ پتوں خاتون کے ہاتھ میں تھا۔ تالی میں سے وہاں ابھی نکل رہا تھا۔ بیوی دیکھ کر لڑا اٹھا۔
پتوں نے دیدار پر نظر ڈال کر کہا: گولیوں کے نشان کہاں ہیں؟ وہ میں وہ دوسرا رخ۔ بیگ صاحبہ۔ آپ کا نشانہ بہت ہی غلط تھا۔ اب صاحبہ آپ گھنٹی بیگ صاحبہ کو دے دیجئے۔ اور میں پتوں ابھی آپ کو بھر کے لادیتا ہوں۔

وہ انہیں نے میز کے پاس کھڑا کر پتوں بھر لے۔ شاعر کا کہا۔

بیگ صاحبہ: آپ نے پتوں بہت ادب سے پلا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ نے جان بوجھ کر لایا کیا ہے۔ میرے دل میں اتنا رزم نہیں۔ میری ایک ایک گولی مزدور مہک مہک گئی۔

خاتون نے کہا: شاعر صاحبہ یہی قیصری تھا ہے۔

وہ نے پتوں بھر کر بیوی کو دے دیا۔ خاتون سے پوچھا: آپ کو کس طرح کی مرستی پڑے گی؟

محبوبہ کوئی سب سے پہلی چہرہ دیکھ کر دیکھ کر کہنے لگی۔
 ہوا زہ نہ ہو گیا۔ ایک ایک لے کے بعد اس کی ایک ایک جگہ پر سناٹا دیا احمد علی نہ ہو گیا
 ایک گھنٹی کی آواز آئی۔
 ایک گول ملی۔

میدانے آواز دی۔ شاہ صاحب۔ پتوں۔ مابغے کے چہرے۔
 میاں لے گیا۔ نیلے خیال والی۔ غلامانہ۔
 اندر سے ہی ایک پستی ہوئی آواز سے جواب دیا۔ "بے وقاص" صاحبہ۔ "ابھی گھنٹی تھی۔ ایک فارم۔ ایک بیخ سنا دی
 کوئی زمین پر چھوڑا۔

پل رہی تھی کہ اندر ایک قانون اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ سیرین کے ہاتھ میں پتوں کا۔ خود روش پر پڑا تھا۔
 قانون نے ایک چمچ کی اور کوئی پڑتی سیویں کے پاس پہنچ کر میں پر میوہ لگی۔ چھاپا رکھتی رہی۔
 "میرے شاعر۔ میرے پیارے شاعر۔ تو نے اپنے آپ کو کیوں مارا۔" بے کس انداز سے کہنے لگا تھا۔ اور میں نے
 یہ بھی تراش لیا۔ میرے خوبصورت شاعر تو کیوں مر گیا۔
 "تو نے شب کی نظر سے دیوار کو دیکھ کر کہا۔" لیکن وہ کیسے مر سکتا ہے؟ ہاتھ تو فانی ہاؤس تھا۔
 "کیا کہا تم نے؟"

"میرا خیال ہے میں نے آپ سے دیکھی کیا تھا کہ میں کبھی ایک فانی کاؤس بھرنے کا ہوں۔ یہاں کاؤس جو بنایا گیا، اس کا نشان
 تیرا پر موجود ہے اس کے دوسرا کاؤس بھی فانی ہو گا۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ کاؤس فانی ہے۔ یہ کیسے ختم ہو گیا۔ عورت بے ہوش ہو گئی ہیں!
 وہ بھی نہیں۔ دیکھو۔ ان کی آنکھیں کھل رہی ہیں!"
 سیویں نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ حسن عشق کے امار میں نیاز مند ہے۔ اس کا ہاتھ پڑا رکھنے لگا۔ تو گویا میں منت میں پہنچ
 گیا ہوں۔ تم بھی یہاں ہو۔ او خدا میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟"

قانون نے آہستہ سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور اٹھ کھڑی ہوئی کہنے لگی۔ "نہیں میرے صاحب! ہم ابھی پیر میں ہیں"
 "پیر میں؟ کیا کہا تم نے؟ پیر میں! کیا سنا ہے؟" سیویں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "میری سیویں کچھ نہیں آتا۔ میں نے اپنے
 دل پر پتوں چھاپا تھا۔ یہ دیکھو بار دو کا نشان اس بات کا شاہ ہے۔"
 پل بولا۔ "وہ فانی کاؤس تھا۔ آپ کو نئے سرے سے کہیں شروع کرنا پڑے گا۔ بیگم صاحبہ! اب آپ کے شکاری بننے کی
 باری ہے۔"

قانون نے کہا۔ "اب مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ میں تنگ آگئی ہوں۔ برائے مہربانی مجھے ایک گاڑی سٹوارڈیجے لے آج ہی درسیلا
 پہنچا ہے۔"
 "تو نے کہا۔" بیگم صاحبہ یہ نہیں ہو سکتا۔ ابھی تو کھیل شروع ہی ہوا ہے۔ دیکھو ایک دو گھنٹہ سے آپ کا خون ابھی پھر گرم ہو

ہائے گھریلی بچے۔

”صاحب! آپ کے رازگاری ننگو دیکھئے۔ آپ سنتے ہیں؟“

یوں بایں ہرگز سے باہر نکلا گیا۔ سیویں آہستہ آہستہ فرش پر سے اٹھا۔ قانون نے پوچھا: ”میرے بچے صاحب! بچے ایک

بت بنا دیکھئے۔ آپ نے مجھ پر گولی کیوں نہ چھوئی؟“

”تم میرے عشق کی سپائی کا شرت مانگتی تھیں۔ میں یہی کر سکتا تھا کہ تمہارے لئے اپنی جان دے دوں! افسوس وہ ممکن نہ ہوا۔“

قانون نے ڈی مائٹ سے کہا: ”یہ آپ کیا جانتیں؟“ وہ پھر غامض ہو گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد بولی: ”میرا نام دن سنیز ہے۔ میں ملکی وہ باریوں میں سے ہوں۔ کیا آپ اتنی محنت لگا رہے تھے کہ میں کوئی دہم

کے بعد دوسرے میں آکر مجھ سے ملیں۔ میں آپ کے شعر آپ کے منہ سے سنوں گی۔“ وہ پھر —

”ادھر پھر کیا؟“

”ادھر پھر میرے شاعر! ہم سارے ہی مٹاؤں کی باتیں کریں گے۔“

شاعر نے پوچھا: ”ان دوسرے سارے کی جو اس وقت مجھ پر چمک رہے ہیں؟“

قانون نے نوجوان کے ہاتھ میں ہتھ دے کر کہا: ”یونہی ہی۔“

”پطرس“

(محزون اکتوبر ۱۹۲۱ء)

(ماخوذ از فرانسہ)

عشق کی خودکشی

منہ ذوقِ تمسیر کے پیر سے جل جائے گی۔ نثری میں پسے گئے جہاں یہ
دوست قاسم کچا نسی پستہ سے پہلے کہ جس قدر اگلے سوات علی فون در دہ میں
ہرمان سے احتیاج ہوئے گئے قاسم میں کی نہ تو تین اہد کیفیت کے سرچو اپنے
اگلے جذبات سے معمور تھی آج دوسری رہا جس ہے جہاں خود جہان سے پیشہ آؤ کی
محبوب بری رہیں کو بیچ چکا تھا وہ ان دونوں کی رجول کر ثابت عطا دہ سے (اردو)

۱۰۔ شایعہ دار ذوقِ جیل کا شکر گزار جہاں ہے کہ اس کی اعانت سے یہ چند سطر پر کر رہے ہیں میرا اس وقت جذبات
سے باطل خالی ہے۔ یہ سہ دل کی اس وقت دی حالت ہے کہ کسی شخص کی صبح کے وقت ہوتی ہے تب سولی چلی روشتی در تھان کا خواب آلود
سون شغل شہان کی ہوتا کیوں اور غنہ قریں کو بے رنگ اور بیکار کرتا ہے میرا ان یک کھڑے میں میں زندہ نہیں آتا میں۔ جہاں حال
بیدار نہیں، اپنی غنہ ہے۔ جہاں نہ مال ہے نہ نفع، فقط ایک دیوان سی گوئی ہے جس کے میرے نزدیک کوئی معنی نہیں جو اس کے دل کی اور
غفلت حیات نہیں۔ ایک غنہ بے مسرت، ایک فریاد ہے۔

۱۱۔ ملے تان کی انتہائی نژادی جہان کی۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ ہر شخص اس کے لئے تیار ہوتا ہے۔ موت کے لئے کسی تیاری
کی ضرورت نہیں۔ موت اسی لئے موت ہے کہ ناگہانی ہوتی ہے۔ ہر ایک موت ناگہانی موت ہے۔ موت کا وقت معین ہے اور اس طرح معین کیا گیا
ہے کہ بے موقع گئے۔ اگر ہیں اپنی موت کا وقت معلوم ہو تو ہماری تمام زندگی اس موت ہی کی تیاری میں صرف ہو جائے زندگی اس قیام کی اند
ہو جو دل کے اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں کیا جاتا ہے۔

۱۲۔ انسان کی ہستی ذوقِ مزاحیات اور فحش انتظامات کا ایک اجتماع ہو جس میں عشق کی تباہی داری من کی بے وفائی کی طرح
ہو جہاں تعمیر ایک فعلی ہو جہاں اعتبار ایک حالت ہو۔

۱۳۔ مجھے اپنی موت کا وقت بتا دیا گیا ہے اس لئے میں نے جو کچھ تحریر کیا تھا اسے منہم کر چکا ہوں۔ مجھے اس تحریب میں بہت کم تکلیف ہوئی
ہے۔ میں نے کبھی کسی صدمہ کی بنیاد و استوار نہیں رکھی، میری آندوؤں کے عمل، میری فریاد کے تصور میرے دلوں کے قطعے سب جہاں
بہت دور گئے۔ لیکن مجھے اندہاں کے وقت معلوم ہوا کہ سب کی بنیاد میں نہایت گزشتہ تھی۔

شروع میں جب میں نے جرم کرنے سے انکار کر دیا تھا، تو کٹر دل کے ساتھ جانتے تھے، ان کو یقین تھا کہ میں اپنی بیوی کا قاتل نہیں ہو سکتا۔
 ارشد بھی مجھے بلانے نہ سکتا تھا، حالانکہ وہ مجھے کتنی دلت سے جانتا تھا، ایسے دل جو پر رحم کھائے اور مجھ سے عہد کر لے تھے۔
 چند ایسے ہی تھے جو مجھے جھٹا لیتے تھے، ان کو مان تھا، رضی کی موت میرے ہی ہاتھوں ہوئی ہے وہ بھی مجھ پر رحم کھائے تھے لیکن
 مجھے حیرت مانتے تھے۔

یہ دلائل غلط پڑے۔ میرے اعتراف جرم کو دوا لگی کچھ دنوں میں کر میں نے باقی رضی کا قتل کیا ہے، اسی دلائل کو سمجھ کر اس
 دلت فاسد خانی کر رہا ہے۔ رضی کے نازک لمحے کو اپنی بی بی آنکھوں میں دبا کر اس کے سانس کو سبٹ لے لے نہ دیکھا ہے میرے انکار جرم کو میری
 بنی اور دودھ کوئی کچھ دنوں میں کر میں نے عدالت میں کھڑے ہو کر جاتی کہہ دیا تھا کہ میں رضی کا قاتل نہیں تو میرے دل اور زبان میں
 یہی چھائی تھی جس نے مجھ سے بعد میں اعتراف کر دیا۔ میں ایک نہیں، دو ہیں، شاید میں اس میں ہوں، مجھے اب اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں وہاں
 ہوا ہے کہ میری ایک تنہا بی بی میں کس قدر کثرت تھی۔ رضی کو چاہئے والا یہی انسان تھا جواب اس کے قتل کی سزا میں پھانسی پڑے والا ہے۔ میں کچھ
 غلطی؟ اگر میں ایک ہوں تو میں موت ہی کچھ سکتا ہوں۔ کر میں نے رضی کو اس لئے قتل کیا کہ اس سے محبت تھی یہ کتنی غزبات معلوم ہوتی
 ہے لیکن نہیں یہی تھیک ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہے کوئی باغی غلط نہیں ہو سکتی میں سب کچھ ہوں، مجھے نہیں معلوم میں کیا ہوں، شاید میں نے غلطی کی ہے
 میں ایک کڑو ہوں سب انسان کو روہتے ہیں۔

۱۴ سال ہوئے میں اور رضی، ایسے تھے، اس کے سنگدل والدین نے اب تک اسے معاف نہیں کیا میرے محلے کے لوگ اب تک
 میری شادی کو "ادباشی" سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ رضی کے والدین کی مرضی کے خلاف ہوئی، اگر ہمارے محلے میں حسن استعجاب نہ ہوتا تو شاید چند اور
 والدین بھی اس وقت اپنی بیٹیوں سے نامناسب ہوتے لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے امون رہنے کی وجہ ان کی اولاد کی عصمت شکاری ہے، کیا شاعرانہ
 خیال ہے۔ وہ اپنی لڑکیوں کی نیک فطرت پر فخر کرتے ہیں، اس صفت پر فخر کرتے ہیں، جو مردوں کے دھم دھمیلے عورت کو کھنکھاسی ہے، ان سے
 کہہ دو جو مجھ سے کچھ گئے ہیں کہ اصل وجہ ان کی لڑکیوں کی پاکبازی نہیں میری عالی نظا ہی تھی چنانچہ میں سے کسی کو کجیبت بیوی کے گواہ کو کسکتی تھی یہ
 نقادانِ اخلاق سمجھتے ہیں کہ میں نے رضی کو اس کی جیبتی کی وجہ سے مار ڈالا، اخلاص جب مجھے پھانسی ہی پانا ہے تو معصن ایک قتل کے بدلے کیوں؟ میں
 رضی کا قاتل کیوں ہوں؟

رضی کو کس نے مارا؟ شاید میں نے! یہ دیکھو، تم رضی سے جا کر پوچھ لو، وہ کبھی میرا نام نہ لے گی، وہ کبھی یقین نہیں کر سکتی کہ میں نے اسے
 قتل کیا ہے، اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں تمام دنیا سے بڑھ کر اس سے محبت کرتا تھا، تم یقین مالا کہ وہ اس محبت کی قدر کرتی تھی، بعض میری مناسط
 اس نے تمام جہان کے الزامات اپنے سر لے، دنیا بھر کے مصائب اس نے میرے ساتھ مل کر برداشت کئے، ٹھیک وقت پر میرے لئے کھانا تیار کرنا
 ہر جیسے اہتمام سے میرے بستر کو بچانا وہ اپنی زندگی کے اگلے فرائض میں سے سمجھتی تھی، غری کے دلوں میں ساری ساری دوپہر وہ مجھے پنکھا چلاتی رہتی۔
 مات کو چھٹی دیر تک میرے انتظار میں جاگتی رہتی، اس کے یہ دیکھ کر میں نے اسے مارا ہے، یہ جھوٹ ہے، تم اس سے پوچھ لو، جاؤ تمہیں اختیار ہے۔
 پوچھ لو۔

محبت اگر چاہے تو مرد کی زندگی کو تباہ کر سکتی ہے، نوبت نے دلوں کے ڈولنے کے جس قدر بھی لڑکھاپ یہ وہ تمام محبت کو سمجھا دے
 ہیں، قدرت نے مرد ہی کو دل کھل دیا، اس لئے بنائے ہیں کہ عورتیں ان کو بے پردائی سے تو ڈالا کریں، ہماری آنکھیں اس کے نہیں کر، ہم ان کو نہیں

شادی کرنا؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟

جہد میں کی چاہتی ہیں وہ سید باس پہنچے تنگ ریشمی ہوتی تھی۔ اور میں اس کے پاس بیٹھا م اپنے دل کی بے قراری کا غچہ
ہم سے ہونٹوں سے لڑتے ہوئے نفروں میں بیٹن کر رہے۔ "زمین تم نے مجھ پر کیا جادو بھونک رہا ہے۔ میرے جسم میں کوئی روح ہے کہ وہ تم جو۔
میری آنکھوں میں کوئی جسم ہے میرے دل میں کوئی سرور ہے وہ تم جو۔ میری زندگی میری راحت اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ میں کہتے بغیر اس
دنیا میں کہیں خوشی پاؤں۔ زمین صفت تمہارے ہوتے ہوئے میرے سینے میں ہزاروں انگلیں اٹھتی ہیں۔ اندھوں کا ایک گناہم پناہ ہے۔ فنانوں
کا ایک گناہم پناہ ہے۔ نہیں ایک دھوکہ دینا سارے جتنی کے تمام تاروں کو اڑا پھیر دیتا ہے جیسے ہوا کا کوئی طیف مجھ کو ان پر سے گزرا گیا میرے
دل میں نئے نئے گتے ہیں کہ تو ان کو کسے لیا تو سنتی ہے؟ وہ کچھ نہ بولی میں نے کہا۔ زمین سنتی ہے۔ کچھ بھی سنتی ہوں؟ میں نے کہا۔ کیا
تمہارے دل میں ہو سکتے ہیں؟ کیا تم مجھے وہ نہیں سنا چاہتیں؟ وہ کچھ نہ بولی میں نے اسے گدھوں سے پکڑ لیا۔ وہ بہت انکار سے کہہ رہی تھیں
کچھ تو کہہ دو۔ اس نے کچھ نہ کہا یا شاید یہ کہا کہ میں کیا کہوں۔ میں اس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوں۔ اس کی عیاں آنکھوں کو دیکھتا ہوں۔ اس کے ہونٹوں کے
سکون کو دیکھتا ہوں۔ اس کے چہرے کی بے پردائی کو دیکھتا ہوں۔ اس کا تھقل مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ میرے ہاتھ اس کے گلے کے قریب آگئے۔
میری آنکھیں کو ایک زبردست خمائش نے لانا دیا۔ میرا کلا ہونٹ میرے دانتوں سے کٹ گیا۔ میرے دانتوں سے کٹ گیا۔ اس نے اسے آنکھیں
کھول دیں۔ مجھے اس کی نظروں میں دشت نظر آئی۔ لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔ میں اور وحشی ہو گیا۔ میرے پیچھے کی گزرت مضبوط ہوتی ہو گئی اس
نے کچھ کہا۔ لیکن اس نے کچھ نہیں ادا کیا۔ تھکے میں اس کا گلابی ہونٹا گیا۔ جتنی کہ میرا ہونٹا تنگ گیا۔ یہاں تک کہ اس کا ادونا کا تعلق منقطع ہو گیا۔ مجھے
چاند تار ایک لکائی رہے۔ میری نگاہیں ایک سیاہ سی سرخی پھر گئی۔ میرا گلا خشک ہو گیا۔ میں نے ایک پیچیدگی دیکھی کہ اس سے پٹ گیا۔ چٹا چٹا
کر پھٹا۔ اگر "زمین" میری جان !! تم کہوں چپ ہو؟ تم کو کس نے مار ڈالا ہے؟ زمین میری پیاری زمین! تمہارا قابل کون ہے؟ وہ کچھ نہ
بولی۔

۱۷) وہ سب چاری ہو گئی۔ میرے ہاتھوں سے مر گئی۔ میں نے اسے مارا میں لاں مر جائیگا۔ اس نے میرا دل دکھایا۔ میں اس کے لئے مڑتا
تھا۔ وہ میری بہت خدمت کرتی تھی۔ خدا کی قوائیں کی گزرت مضبوط ہے اور ان سے رہائی مشکل۔ مرد و عورت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس خیال سے کہ
اس کی خواہشات کی تکمیل جلائی احسن ہو۔ اس کی مرضی و حوصلے۔ ہتے ہیں کہ اسے پورا کریں۔ عورت دیرانی کا سحر کرنا جانتی ہے۔ راحت کی خیند
سلا نہیں جانتی۔ انھما را تہی ہے۔ اپنے قریب آئے کار سے نہیں بتاتی۔ اس نے تمام دنیا کو ناراض کیا کہ کچھ خوش کہے۔ میں نے اسے مار ڈالا کہ
وہ مجھے خوش نہ کر سکی۔ کائنات ایک جسم بے قاعدگی ہے۔ عہد کی محبت ایک افادہ ہے۔ روح جسم کا دسر نام ہے۔ عین بات کی کوئی حقیقت نہیں
ایک جتنی کئی سٹیروں سے مرلب ہوتی ہے۔ آج تم کچھ ہر کل خدا جانے کیا ہو گئے؟

"پلاس"

(فرز جون ۱۹۸۲ء)

تاریخ رومان از اناطول فرانس اوپیراز موسیرگیلے

انہل زائس کی "تاریخ" بہت مشہور کتاب ہے۔ سب جانتے ہیں کہ وہ دول کی صحت میں بھی قیاس ہے۔ میں یہ قیاس دیکھ دیا کے دورانی
مناظر ادعا سب پتو قوس کے کرب واضع اب کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ "تاریخ" میں لکھے گئے اوپر کا ترجمہ ہے جو اناطول فرانس کے دول سے منظر ہو کر
مل گیا ہے۔ لیکن اس میں ڈرامہ کی مخصوص قیود کی وجہ سے واقعات ادعا طر محدود کر لئے گئے ہیں۔ وجہ کہ دول کے کام بھی بس دئے گئے ہیں۔
اوپیراز موسیرگیلے ایک ایسی قسم ہے جس میں ڈرامائی واقعات تو موسیقی کے ذریعے سے اور منظر و جذبات الفاظ کے علاوہ اسٹیج کی آرائش اور
اطلاقی سے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ پڑھنے والے کو خیالی سیج اور خیالی مناظر پیش کرتے ہیں اس کے نئے اور بڑے منظر دکھاتے ہیں۔
پڑا کے نمبے لاکھال۔ ہے کہ انہوں نے پڑھنے والے ۷۴ ام دکھا کر دیکھے۔ یہ سن کر کہ سے منظر گنت میں کوئی شہر ہی پیش نہیں آتی
الفاظ کی مدعا موسیقی فقرہ دل کے تیار چڑھاؤ، مکالموں کی ڈرامائی منظر حرکت سے نہ صرف کہ ادوں میں جان گئی ہے بلکہ قیاس اور سکندریہ کی واصل
اور ڈرامہ ساز فضا و اس کے کسی۔ ذہب خواب کا جو معلوم ہونے لگی ہے۔ اسلوب بیان سہوار۔ وہ جو سنگ ہے اور جو نے بعض معنوں میں شریک و نمبے
نظم کے فقرہ سے جاتے ہیں۔ (الامہ)

انفراد

تاریخ _____ سکندریہ کی ایک جین نقاصہ
آناٹیکل _____ ایک راہب
پامیون _____ ایک بوڑھا راہب
نسیس _____ سکندریہ کا رئیس
مرتل { _____ نسیس کی خواہش
کر دہیل {
ابین _____ راہبہ محبتوں کی سردار

چند اہم راہب

باب اول

پہلا منظر

دھڑکے تھیں وہ بے نیل کے کنارے سینہ سمیت ماہیوں کی جھونپڑیاں۔

ابلی آفتاب غروب ہیں ہمارے۔

بادشاہ ایک مٹی کے گروہ کے ہیں ان کے بیچ میں بڑا ہالیا ہوتا ہے اس فریاد طعان کی

صدارت سے زائفش اکام ہر دے رہا ہے عزیز پر چٹا ہے۔

ایک جگہ غافل ہے جہاں آتشیں کر رہا ہے

ایک ماہب۔ یہ روٹی لکھی ہے۔

دوسرا۔ ادنیٰ شک ہے۔

تیسرا۔ ادنیٰ پر دینہ ہے

چوتھا۔ ادنیٰ شہد ہے۔

پانچواں۔ ادنیٰ پانی ہے۔

پالیموں۔ راجہ ہر گروہ کے ساتھ آسمان سے مسیح شہنشاہ کی طرح یہ سب باہمیے پر برکات کا نزول ہوتا ہے آواز خدا کی سہا سہا کریں جو ہمیں

میتیں بچائے گا اس کے حضور میں دعا مانگیں کہ وہ میں اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے۔

ماہب۔ (بہت نرم آواز سے) اسے فدا! جہنم کے شہنشاہین ہمارے راستے سے دھڑک جائیں۔

(دوبارہ چپ چاپ کھانا کھاتے ہیں)

ایک ماہب۔ (مہر سوت قرقر) اسے خداوند! ہمارے بھائی آتائیں پہلے بازو کے قوت پھیلا سکے رکھ۔

بہت سے ماہب۔ (انسو ناک لہجے میں) آتائیں!

چند اور ماہب۔ (اسی لہجے میں) کتنا درد مند چکا ادنیٰ ابلی داپس نہیں لوٹا!

دوسرے ماہب۔ گروہ کب داپس کئے گا؟

پالیموں۔ (بیسے کسی ماز کو چھپا رہا ہے) اس کی داپس کا وقت قریب آ رہا ہے میں نے فل مات اسے خواب میں دیکھا اس کے قدم تیز تر ۱۰ گنا لہجے سے اور وہ

ہماری طرف آ رہا تھا۔

ماہب۔ (جوش کے ساتھ) آتائیں خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے ہے (قدس کے لہجے میں) وہ خواب میں جلوہ نما ہوتا ہے۔

(آتائیں داخل ہوتے ہیں اور بہت آہستہ آہستہ قریب آتا ہے جیسے غم اور ملکن سے چور چور ہے)

ط۔ داخل میں اس کی کڑواہٹ ہفتوں کی ہے اوپر اس لیے ہفتوں کی نام کو بھینچا کچھ کسے چل دیا۔

میں پرستی جرتی جاتی تھی پھر، تمام منور فرشتے قاب ہو جاتے تھے۔۔۔ دن لیل آتے تھے

آکائیکل۔ (آہستہ آہستہ خواب سے بیدار ہو کر ایک کنت اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کی آواز غلط اور گھٹے پھری ہے) شرم! شرم! قہر! ابھی تک میری وضو نہ
میری دھڑک: (آہستہ سے آہستہ) سے خداوند! اسے خداوند ذوالجلال: جس نے ہماری ریت ادا ہر سے دل میں رحم ڈالا، قرین
تجلی کہہ میں اس خواب کا اشارہ کرتا ہوں۔ میں ابھی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ (جوش سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے) میں اس صحت ا
گناہ سے نجات دلاؤں گا میں اسے جس کے بدصوں سے آزاد کر اؤں گا میں اچھے بہ جوں کا آسمان کیا تم زندہ فرشتے اس کی رحمت جگہ
رہے ہیں۔ خدا کی رو سے ہی مبارک دمن کا ایک سالی نہیں؛ دمن کا گناہ جس قدر تارک ہو، اتنی ہی دمن کا سزا دہ ہے لیکن میں ا
بچاؤں گا۔ اسے یہ سے حملے کر دے اور اسے خداوند پھر میں اسے تیر کی ذکر کروں گا: اگر اسے حیات اپنی نصیب ہو دیا میں کو بڑا تہا
جو اس کے گرد بیت موفاتے ہیں: اسے بھائیو! سب کے سب اٹھ کھڑے ہو۔ آؤ کچھ ٹیب کی طرف سے اشارہ ہو رہے۔ کچھ پھر اس
سمن شہر کی دوت (اٹھ) خداوند کے گناہ کے سمن دمن اور بھی ڈوب جائے۔ خداوند کے قہر کیا ہے کہ میں تائیں کو اس کے پاس
نے آؤں۔

(آکائیکل پائپوں کے ساتھ جھکا ہوا ہے)

پائپوں۔ (نہایت پرسکون ہے میں نے کسی نہ نہ طاقت کہتے ہوئے) میرے بیٹے! ہم باہوں کو اس دیکھ کے آگے سے اعزاز واجب ہے۔۔۔
ابھی نے بھی یہی سن لیا ہے۔

(راہب آکائیکل کے ساتھ ساتھ ٹرک تک جلتے ہیں اور پھر گھٹنوں کے بل

کھڑے ہو کر آکائیکل کی دعاؤں کو دہراتے ہیں جس کی آواز سوراخے

تقیس کی تنہائیوں میں آہستہ آہستہ غائب ہو جاتی ہے۔)

آکائیکل کی آواز۔ (دوسرے) اور اور رحمت کی مقدس روت۔ میرے دل کو تقویت دے۔

راہب۔ اس کے دل کو تقویت دے۔

آکائیکل کی آواز۔ (بہت دور سے) اعلیٰ معلم الملکوت کی سی طاقت دے تاکہ میں بدی کی چالوں کا مقابلہ کروں۔

راہب۔ اور اسے معلم الملکوت کی سی طاقت دے۔ تاکہ وہ بدی کی چالوں کا مقابلہ کرے۔

(مکمل خاموشی۔ پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے۔)

دوسرا منظر

(سکندریہ۔

نیس کے قہر کے باہر لاچونہ آس پاس بڑے بڑے سایہ دار درخت ہیں۔

چوڑے پر سے شہر اور سمن کا منظر دکھائی دے رہا ہے۔ دائیں طرف بھاری بھاری

پردہ ٹپک رہے ہیں۔ ان کے پیچھے ایک عایشان ایمان ہے جو جنات کے لئے کھاتا



ایک خادمِ سعید و کارِ ناکہ: غفلت اور اس کی موت پر غما ہے

نظام۔ استعقار یہاں سے عدم چادر کھس اندہ جائز تک ایک ملک یہ آقا محمد مجھے توں کو پاس میں آئے ہیں۔
 انجیل۔ (خبر کے ساتھ) میرے بڑے عزیز نے آج کل کا مسجد جو تو یہ ملک ان کی یہ آئے ہیں۔ اس سے سی وقت ملک
 جاتا ہیں۔

فہم۔ بکری یا بے درمہ۔ سینل پر چا عصارہ کا ہے۔

انہیں۔ دوسرے میں مگر عرب کے ساتھ، یا، موقوفہ، لیکن آپے کتاب کو یہ نسخہ ہی اطلاع کر دو۔ جلد

دائیں کی طرف بھاگنا تو بہت ہی آسان ہے

محکم دلائل سے مزین و متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ہے۔

انہیں تہائی میں ٹھوڑی دیر کے لئے چھوڑے اور سہ ماہے

پھیلے ہوئے منظر کو غور سے دیکھتا رہتا ہے ۔

[illegible]

دُعا و ازیں اللہ تعالیٰ سنائی دیتے ہیں۔ مختصری و پر بعد نہیں اگر وہ ملے اللہ تعالیٰ و زمین و مٹی و

کے کندھوں پر اٹھ رکھے داخل ہوتا ہے۔ اناسیل کو دیکھ کر رک جاتا ہے اور انڈین کو

مچھڑ کر لینے دو فبار دیو بھلائے تیاک کے ساتھ نائیل کی طرف بڑھتا ہے ۔

نہیں۔ (دگر بوش کے ساتھ) ڈائمنڈ! تم ہو؛ میرے کتب کے رفیق، میرے دوست، میرے بھائی۔ ان میں نہیں بچتا ہوں۔ گو تہا دی صورت اب انہوں کی پر نسبت میرا دل سے زیادہ شب ہے۔ آؤ۔ آؤ۔ مجھ سے جنگیہ مہر جاؤ۔ تم صحرانفریاد کہہ سکتے ہو، تم کچھ ہم میں مل جیو۔ آؤ۔ آؤ۔

اما نیٹیل۔ نہیں، تم اس رقاصہ تائیں کو بلاتے ہو؟

نہیں۔ وہیں کرانتیا میں اسے جانا ہوں۔ حرف جانا نہیں بلکہ وہ میری ہے حرف ایک اور ایک دن کے لئے۔ میں نے اپنے خاکستان اس کی خاطر بچا لے۔ اپنے خاکستان اور اپنی زمینیں اس اپنی عقیدت اور اس کی خاطر میں نے عقیدوں کے کفن و لیاں قربت کے میلن کے سب کچھ بے سوا

تھا اس کی جوس کو اور کرسنے کے میری استہان کو کشش بھی حاصل ہے۔ اس کا عشق خواب کی اندازہ ناک اور جلدغائب ہو جاتا ہے۔
 ہے آٹائیل! تو کس سے کیا کام ہے؟
 آٹائیل۔ میں اس کے قدم خانہ استے پر تلے جا رہی ہوں۔

نہیں۔ دیکھ کر کس پر تہمے! میرے سادہ لوح دوست! وہ دس کی بکا بن ہے۔ دس کے قہر کو مت جلاؤ۔
 آٹائیل۔ میں اس کے قدم خانے کے زخم پر تلے جا رہی ہوں۔ جاسیس! میں آٹائیل کو اس پاک صحبت سے چھوڑ کر لے جاؤں گی۔ میں دس سے یسوع مسیح کی
 دس باؤں گا اور وہ اپنی زندگی راہب خانے میں بسر کرے گی۔ آٹائیل آج میرے ساتھ جائے گی۔
 نہیں۔ آٹائیل کے کان میں نہیں کر دس کے قہر کو مت جلاؤ! وہ آٹائیل سے لے گی۔

آٹائیل۔ ہمارے احسان ہوگا۔ ایک لے کے بعد اس عورت سے میں کہاں مل سکتا ہوں،
 نہیں۔ یہیں پر۔ آج وہ میرے دسترخوان کی زینت ہوگی۔ آج آخری دن ہے، وہ اس وقت ماہرست فصل کی رونق ہوگی۔ آج رات وہ تیرہ امی دس کی
 رہی ہے اور وہاں سے سیدھی جہاں تے گی۔

آٹائیل۔ یہ دوست مجھے ایشیائی۔ اس سینے کو دکا کر میں اس صیانت کے شایاں نظر آؤں۔
 نہیں۔ اسے تیرہ امی اور مرثال، جلدی کو آٹائیل کو اس پہنا دو۔

نہیں اور آٹائیل رفیقانہ نظریں میں مچھلتے ہیں۔ مرثال مائی بکا ہے۔ ایک خدمتگار
 حاضر ہوتا ہے اور مرثال کا حکم پا کر چوچا کہے قریبی دیر بعد غلام ایک صندوق اٹھائے داخل
 ہوتے ہیں۔ جس میں سے کرویل اور مرثال آٹائیل کے لئے شکار کا سامان نکالتے ہیں ایک
 چمکدار تقری آئینہ آٹائیل کو دکھاتی ہیں اور دس دیتی ہیں۔ آٹائیل اسی طرح بیٹھا نہیں کر
 باتیں کرنا۔ تہا ہے لڑکیاں اس کے باؤں کو خوشبو اور تیل لگاتی ہیں۔ اور اس کے سر اور
 داڑھی کو کٹتی ہیں۔ نہیں سکتا تھا مرثال ان کو دیکھتا رہتا ہے۔

نہیں۔ اب میں ایک بار پھر نہیں دیکھوں گا جیسے کبھی پہلے دیکھا کرتا تھا۔

آٹائیل۔ ہاں میں جہنم کا مقابلہ کرنے کے لئے جہنم کی ہتھیاروں سے ہوں گا۔

نہیں۔ مغرور نہ بنو! انسان کا دل محدود ہے۔

آٹائیل۔ جب خداوند میرا بہرے تو میں غرور سے خوف نہیں کھاتا۔

کرویل۔ (مرثال سے) حیران ہے!

مرثال۔ (کرویل سے) خوب صورت ہے!

کرویل۔ اس کی داڑھی کے بال لے لئے ہوئے ہیں۔

مرثال۔ اس کی آنکھوں میں آگ بھری ہے۔

کرویل۔ اس کے سر کے گرد یہ جی تہیت بھی معلوم ہوتی ہے۔

مہال۔ یہ بھگتی ہیں وہ

کرویل۔ اپنے بازو کے کو پیٹاؤ۔

مہال۔ او۔ اپنی انگلیں۔

مہال اور کرویل۔ جہاں سے وہ لب بہرت ہے۔ اداس کی آنکھوں میں تلک بھری ہے۔

مہال۔ دیکھا تو بھاری رکھے تھے، اب لباس ہیں کہ

کرویل۔ اغوشا سے، یہ سیاہ پتھر کا کرتہ آتا رہاؤ۔

آٹائیں۔ (ان سے جلنے کی کوشش کرتا ہے) مٹ جاؤ۔ یہ مجھ سے کچھ نہ ہوگا۔

کرویل اور مہال۔ یہ قہار نہیں کے درت نکال دے ڈر کر پیسے

مٹ جاتی ہیں، لیکن یہ استہزاء جس کے قریب آتی ہیں؟

کرویل اور مہال۔ سیاہ پتھر کے کشتے پر لباس نافہر بنا کر یہ لپسے نہ جھڑکائی کہ اس نرم، نفیس لباس سے ڈھک دے۔

نسیں۔ (آٹائیں سے، ان کی جسی خاق سے بچیدہ نہ موادان کے سلنے اپنی نگوں کو چھوڑ کر وہ جگہ نفیس اٹھا کہن نے صحن کی داورد۔

آٹائیں۔ (اپنے آپ سے) اسے زور کی روح، آ اور میرے دل کو اس جنگل کے مستردا ہوا سے کہ لکھ دے کی قوتوں سے لڑنا ہے

کرویل۔ اس کا صحن کسی زخمی دیرنا کا سہیہ اگر طبی سے دیکھ جائے تو اس خلک نامہ کے سینے میں پھر اسوں کا ساواں دھڑکے ٹپ جائے

مہال۔ (آٹائیں سے) تو پر قبیلے نفش رتی پنا دیں۔

کرویل۔ (آٹائیں سے) آؤ ہم تمہارے رخا دل پر عطا کر لگ دیں۔

کرویل اور مہال۔ (ایک دوسری سے) اس کا صحن کسی زخمی دیرنا کا سہیہ۔

(بہت دیر سے نفیس کے نفروں کی آواز سنائی دیتی ہے نسیں چہرے سے

چہرہ کر شہر کی طرف دیکھتا ہے پھر واپس آکر مسکاتا ہوا آٹائیں سے مخاطب ہوتا ہے)

نسیں۔ بھٹا آپ کو سنبال رہے ہیں بڑھا چلا آ رہا ہے۔

رہا صوں اور ایجنوں کے گودہ جن کے ساتھ نسیں کے فلسفی دوست بھی

شامل ہیں، تائیس کے آگے آگے چہرے پر داخل ہوتے ہیں۔)

ایک اور فلسفی۔ (تائیس کے گرد جمع ہوا کہ اداس کے سامنے جھک کر) تائیس! غراہر کیتز! سکندریہ کا پھول! تائیس! محبوب ترین درت! تائیس!

تائیس! تائیس!

(نسیں اپنے ہانڈوں سے مراسم ملاقات آواز کرتے کے بعد ایوان)

مناقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ غلام پر سے اٹھا دیتے ہیں۔)

نسیں۔ تائیس! چادری تائیس! ابراہام دوسرے! رستہ بولے! کیلی کریٹ! ڈورین! میرے ہانڈ! میرے دوست! مقدس دیرنا تمہارے ساتھ

رہیں۔

ہے کہ کون سا کسے ہے گویا کسی عیب معلوم نہ ہو ہے وہی آزادانہ کہہ رہی ہے) آہ! اسے یہ تو کھانا کھا کر خوش ہو جا۔ وہ کھانا جو مجھ سے کھرا ہے، میں نہیں کھانا من اچل جائے گا۔۔۔ تو پھر ایک دن ایسا بھی آئے گا۔ جب ہائیں آئیں نہ آئے گی، نہیں! نہیں! بسکے گا نہیں آتا۔ اگر کوئی سختی ترکیب کوئی سحر و فن ایسا نہیں جو من کو برقرار رکھ سکے، تو اسے دینے، تو ہی ہے اس کے ابدی ہو کا یقین!۔۔۔ میں نے اس سے غلبہ ہو کر زیر لب دعا مانگے تھے (دیس!)۔۔۔ جو انھوں سے اوجھل ہے وہ پھر بھی مرے! دینے! اچھے خواب دے مجھ سے کہہ کر میں مین حور اور مرا من لازوال ہے۔ میرے گلاب کے جوت کبھی خشک نہ ہوں گے، میرے بالوں کی سنہری چمک دمدم نہ ہوگی۔۔۔ مجھ سے کہہ کر میں مین حور اور میرا من لازوال ہے۔ ہمیشہ کھائے! ہمیشہ کھائے!

(اس کی غصہ تانیں پر پڑا ہے جو چپ چاپ اندھا کر دھیر کے پاس ٹھہر گیا ہے۔)

تائیس۔ (افغان کے ساتھ) یعنی تم بے کفن کے مطابق آئی گئے۔

آنایس۔ (زیر لب دعا کرتے ہوئے) اے خداوند! اس عورت کا دشمن چہرہ میری آنکھوں کو خیرہ کرے۔ اس کی دلا دیڑی کا کارو میرے سستے کے سامنے بے کار رہ جائے۔

تائیں۔ (سکار) کہو کیا کہنے؟

آئینل۔ وہ کہتے ہیں تم بے مثال ہو اس سے تم سے ملے گا آئندہ تھا احباب جو کہیں سے تم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے یہی اچھی طرف تھی کہ تم پر قابو نہ آیا میرے کسی توفیق کا باعث ہو گا۔

تائیں۔ (مسکرائے) تمہارا محرم طبع تمہارے لیے زیادہ سرکش ہے۔ خود مراحمی، ہشیار و جوارہیں مجھ سے محبت نہ کر سکتے تگ جاور۔
آنکھیں۔ دھڑکے ساتھ تائیں میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اس کا اعتراف کرنے کے لیے تیار ہوا ہوں۔ لیکن ویسی محبت نہیں مہی تم
ہو۔ میں مقدس روت کے نام پر حق اور راستی کے نام پر تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تمہیں جس پیش کا وعدہ دلاتا ہوں وہ تمہارا
پھولوں سے آماتہ عشرت کا یل اور ایک منفر شبہ وصال کے خواب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جو محبت میں آج تمہارے پاس ہے اس کا
اس کا کوئی انکام نہیں۔

تائیس۔ (فنز آئینہ میں) اچھا ہے اس عجیب و غریب بہت بڑے کشتے کا اور سچا عشق و معرفت بوسوں کی زبان سے ہوتا ہے۔

آنا خیل۔ تائیس : میری ہنسی مت اڑاؤ۔ جہنم میں تمہیں کھانے آیا ہلہ اس سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔

مہائیس۔ (بے پروائی سے) دوست! تم بہت دیر میں آئے۔ میں ہر لذت سے واقف ہوں۔

آنا ٹیکل۔ جس عشق سے تم واقف ہوو شرم اور حیا سوزی سے کم کنار ہے۔ جس تمہیں کھلنے آیا ہوں۔ ہر ت وہی ایک عشق بلند پایہ ہے۔

سامئیں۔ اہمق ہو کر جس کے ہاں مہمان ہو، اس کی قربان کہتے ہو!

آناٹیل۔ توہین! — میں تو صرف تمہیں راضی پر لانا چاہتا ہوں۔ (اس کا جوش بدلتا جاتا ہے) کہ کون ہے کہ جو میرے اعظاف کو شعلوں کی
بھڑکات سے ناکر میرے ایک سانس سے اے نقادہ! تیرا دل موم کی طرح پگھل جائے۔ کون ہے جو تجھے میرے حواسے کہے۔

کابینس : ایک سفر پر اس کو گناہ نازل ہو گا جس میں غلامی ہے اور عورت کے لئے !
انہیں : وہ عورت کی ہے۔

تائیں۔ (اچھے رویے پیدا کر کے نین بھی لھائیے تان، نہ اچھے۔۔۔ تر دوسرے وقت کا ہے۔۔۔) یہ سب کچھ اندر کی
من رکھی ہیں۔

۱۰۱. میں ایک مرنے والے شخص سے فرستوں کہ تم لوگوں میں سے کسی شخص سے

آئیں۔ (مگر کہنے آپ سے، جس کے طوائف پر یہ حیثیات برہم رہے گی۔ اسے عداوت اس لذت اور تہذیب ویران اکنھل کو خود رکھ

اور حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ کے ارشاد کے ساتھ یہ ہے: میں نہیں

بر نظری ہمساز تھے اور پانچ سو روپیہ پر سوار ہوا کرتے تھے۔

تائیس۔ اے دین! جو انھوں نے اصرار سے یہ بھی کر رہا ہے۔

آفاق۔ ہے خداوند: جس کی ذل و باری کا فاعل دوسرے استعجال کے ساتھ بیکار ہو گیا۔

گامیں۔ بے دھیس اپنی منزل سے لے کر۔ جھوٹ کر دھیس تو سہاں نے نہ تیار، بس سیدی کے اس جو دشمنی سے رافت ہے اور سرنی ہے۔

آنا خیل۔ (اپنے دل کو لڑکا کر کے اپنا پاس دھوپ و حیرت و ہوش کے کستے کے پرچے ہونے کا کارڈ لکھ رہے ہیں۔ جیڑے کا۔ سب آنا خیل مولانا میں مقدس محلے آیا حوں اور میں نفس امتداد پر مست بھیجتا ہوں اور اس صحت پر مست بھیجتا ہوں میں کے بے یں ڈالنا ہے ۱۰۰۰ اے عورت میں تیرے محلے اس طرح کھڑا جوں گویا کسی قبر کے محلے کھڑا احمد اور تجھے کھڑا ہوں رت میں! احمد کے حکم سے زندہ و مرغا!

دماغ اور نگ خون کے اسے نقص ہے۔۔۔ وہ بہت جلد سے

رہتی اور سکھان بھرتی ہوتی آتا ٹیلے فندوں میں گر پڑتی ہے

نہیں۔ مجھے سزا مت دو، کہہ تو تم مجھے کیا چاہتے ہو؟ میں جانتی ہوں کہ میرے مقدس کے لوگ ان سہیلوں سے نفرت کرتے ہیں جو فحشیت کا کھلوایا ہیں جاتی ہیں۔ لیکن مجھ سے نفرت مت کرو۔ مجھے بے تفسیر پر۔ نفرت پر اختیار کا ادا دیر کیا تصور کہ میں جین ہوں۔ مجھے جان سے مت مارو۔ وہ میں موت سے خوف کھاتی ہوں۔

تائیل۔ (پیش کے ساتھ) میں تم ایک زندہ رہی اور ہمیشہ کے لئے یسوع مسیح کی محبوبہ اور اپنی بہن۔ وہ یسوع مسیح جس کی تم دشمن تھیں۔

تہائیں۔ (جو شمسِ مرت کے ساتھ) میری درجِ مرت اور نازگی سے مجھ پر ہے میں تم پر تہرا دی ہوں۔ لیکن سحرِ جہاں۔ یہ مجھ پر کیا جادو کر رہا ہے۔

(نہیں کی آغاز، وہ سے سنائی دیتی ہے، ادا ہے آہستہ آہستہ قریب تر ہوتی جاتی ہے)

نہیں کی آواز۔ اے تائیس! دک اندام حسینہ! میں آخری مرتبہ ترے پھول سے بوٹوں کا شوق تجھ سے طلب کرتا ہوں۔

کامیابی۔ (اس کا تذکرہ فرحتی نے فرمایا ہے) آہ! ہمیں! (گلوکار کا عالم میں اپنے آپ سے) میری دعا میرے ہی میں ہے۔ جیسے محبت

کوہ۔ (ریل ایک نکتے کے ساتھ اس لئے کہیں کسی کو نہیں چاہا ہے وہ متفق ہے متفق ہے۔

آٹائیں۔ تم اس کی تہاڑی دی ہو!

ساتھ میں (آنا نہیں ہے) اس بڑا اس سے کہہ دوں گی اس سے نفرت کرتی ہوں۔

آناٹیل۔ (عقلم کے بچے میں)۔ یہی دلیل ہے بطور قنات تک میں تمہارا انتظار کروں۔

تائیس۔ (سرکشی کی آخری کوشش کرتے ہوئے) نہیں میں رفاقت نہیں ہوں اور رفاقت نہیں ہی دعوں کی۔ مجھے کسی پورے پریقینی نہیں۔ اگلے کسی پورے کی رفاقت نہیں نہ اس کی نہ تمہاری نہ تمہارے ہوا کی۔

دیوانہ عارضہ منتہی ہے اور پھر سسکیاں بھر نہ سکتی ہے۔ اور گدیوں پر نہ سہل کر گروئے مقلی

ہے ان اہل تقدیس انہ امتداد کی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہیں اور پھر رخصت ہو جاتا

4

پروا ہستہ ہستہ آئے ہیں مسیحاؑ کے آغاز تک جلدی ہستی ہے۔

روزنامه

مسحک

تائیس کے محلے سے ملنے کا چوک۔

صل کی ڈیڑھ می کے پاس ایرورس نکالے ایک نچوٹا سبب ایسا دہے اور اس کے سامنے

ایک چیلغ روشن ہے ابھی وہ زندگی رستہ کی چمکی نہیں پڑی۔

زیادہ سی کی میٹھیوں کے سامنے انامیل مرث کے پتوں پر سر رکھے صدمہ ہے۔

دور دائی طت کر ایک مٹان بے جس میں نہیں اداس کے ہر اے جمع ہے۔ مٹان کی

گھر لگیں ہیں سے روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ اللہ مصلحتاً ان کی سرسبز مہم سی ستانی

— ۴۵ —

مکتوبی دیر کے بعد تائیس کے محل کا دروازہ کھلتا ہے اور تائیس باہر آتی ہے۔ چراغ کو سر

مے اور پراٹھا اگر ادھر ادھر نکلتی ہے اور پھر میرے پیچھے اترتی ہے، جب اس کی

نظرِ انہیل پر پڑتی ہے آپدماغ کو اپنی جگہ پر رکھ کر وہ پھر انہیل کی طرف واپس آتی ہے۔

آئیں۔ انا نیک کی بات جبکہ انزم عجیبی اداسی کے ساتھ) اے مقدس باپ! میں نے خدا کا پیغام تیری زبان سے سنا میں حاضر ہوں۔

آناٹیل۔ (راٹھ کرزم پچھ می اصحاب کے ساتھ) تائیں! خدا تمہاری راؤنگ مل تھا۔

کامیاب۔ (اردو بھی نرم لہجے میں اندازِ بزم کے ساتھ) تمہارے الفاظ میرے دل پہ گہرے گچھے ہیں۔ دل کا نرم گچھا۔ میں دعا کرتی رہی ہوں کہ میں آپ کو سیدہ بنی رہی

ہوں۔ میری مدد کے بغیر وہ کچھ اہل رہے ہیں۔ میں نے ہر سائنس دان کو دعا دی ہے کہ وہ آج کے علم کے آبلے کا

تفصیل۔ جلد

نیش اور تائیس کے چھ جلسے کے بعد نیش اور تائیس کے تمام اشخاص داخل ہوتے ہیں
خود پکارتے ہوئے اور سبھی کھینچے آئے دھتے ہیں نیش سب سے پیش پیش سرخوشی کے عالم میں
نہ راکھتا ہوا چلا رہا ہے

نیش اور اس کے بھراہی۔ دوسترو! میرے ساتھ ساتھ رہو۔ ابھی صبح نہیں ہوئی۔ قسمت نے تائیس کی قسمت سے تیس گنی سترت پر بے دہن
دی ہے اسے ایک بار نیش سرخوشی ساڑ

مشرق کی رقاصہ دیکھ کر بلاؤ۔ رقاصہ دیکھ کر پیروں کو مسحور کر دے دھتے کا ہنسا مسیح ملک نہ تھنے دو۔

میں کس کے ہمارے کشمکش و شطرنج روٹس کرو۔ سورج کو شہر بادو۔ برت میں مٹی ہوئی شاپ سٹھھا دو۔ نیم زم قلعین یہم
روانہ کرو ہیں اور مثال تو بھی میری آغوش میں آ جاؤ

زندگی کے سوا باقی۔۔۔ بھروسہ ہے۔ دیوانی کے سوا باقی سب حماقت ہے

ایس کے بھراہی بڑی سندی کے ساتھ اس کے احکام بجالاتے ہیں وہ خود پیش پرست انداز
میں گدیلوں پر گر پڑتا ہے اس کے اوگڑ کر دہلی، مثال، بہت سی ونڈیاں اور مفاد گئیاں
جمع ہو جاتی ہیں۔

(بچا مر رقص)

کئی قسم کے رقص ہر چمکے کے بعد ساوہ داخل ہوتی ہے

نیش۔ آہ وہ حسینہ بے مثال آگئی۔۔۔ کروہیل اپنا رباب اٹھاو۔ مثال اپنی سارنگی سنجال کر اور دونوں کی کرسن کا گیت گاؤ
د کروہیل اور مثال دونوں ساز بجاتی ہیں اور گاتی ہیں ساوہ کھلے قدم اٹھاتی ہوئی اور
آہستہ آہستہ اپنے جسم کو چلائی ہوئی رقص کرتی ہے اور نیم آواز میں کروہیل اور مثال کے ساتھ مل
کرتی ہے

کروہیل اور مثال۔ (۱) وہ حسینہ آگئی جس کا حسن ملکعباسے بھی زیادہ دلاور ہے جہانوں پر رقص کرتی تھی!

(۲) اس کا س کے نقاب کے اندر سے اس کی مرئی آواز آگ کے تیروں کی طرح نکل رہی ہے۔

(۳) اس کا دلکھریا کی مانند دکھائی دے اس کے ہونٹا ہوئی مانند مرغ ہیں۔ اس کی آنکھیں مات کی مانند کالی ہیں۔

(۴) اس کی حرکات سرکشہ کی جنبش کی مانند تانک اور کسی پرندہ کی پرواز کی مانند لطیف ہیں۔

۵۰۔ اس کی تفریق کے اسم میں کئی دل گرفتاری، اس کی نگاہیں بے پناہ ہیں
 ۱۰۔ وہ دل چسپ سیتی ہے اندر دل کی لذت لٹاتی ہے اس کے سارے من کاؤل تہہ بہیں ارسنا
 ۶۰۔ وہ سنگ دل منہ کی مانند ہے سے علم نہیں کہ وہ جب پاس ہے تاہ سکتی ہے
 درقص کچھ دیر جاری رہ کر ختم ہو جاتے ہے
 (صحن س وقت آتا میں یہ دوش شمس ا غنہ طلعے مبدی مدی مبدی مبدی)

نہیں۔ (وہ آئینہ میں اسے یہ قزو ہے۔ یہ تو آئینہ ہے۔
 ہر اہی۔ آئینہ! ہاش منہ کے اس منہ: ہم پر سلم جو ان جس نے تباری عشق وادھا کر پانا، (منہ زرا) وہ دیکھو وہ دیکھو اس راستے
 و خال ہرے کی طرف دیکھو
 آئینہ! (منہ کو زمین پر چمک دیتے ہیں وہ کو حال ہے) اپنی زبان روک کر ہاش خداوند کی دلہن ہے۔ اب وہ تو لوگوں کی قیمت ہیں ہی
 ناپاک: ہاش ہیشہ لکھ کر مری، ادب ایک دوسری نائیں۔ وہ دیکھو آ رہی ہے!
 (نائیں! اعلیٰ جوتے ہے)

اس کے بال کھٹ میں اندر اس نے موٹا، اون لباس میں رکھ ہے دنیایاں مست رہ اس
 کے پیچھے پیچھے آتی ہیں۔ وہ دوبارہ مرکز کھل کی طرف دیکھتی ہیں۔
 کھل سے کھلا دھواں اٹھ رہا ہے تھوڑی دیر میں آگ کے شعلے نکلے نکلے آئے اور آگ
 میں کے اختتام تک بڑھتی جا رہی ہے۔

تور و عرف اور قہقروں کی آواز سن کر آہستہ آہستہ چوک میں جھوم مچ جونا ترستا ہو گیا ہے
 آئینہ! (نائیں! منہ میں ہیں! اس شہر سے ہمیشہ کے لئے بھاگ جائیں۔

لوگوں کا ایک گروہ۔ نہیں۔ نہیں۔ بڑے نہیں۔ کبھی نہیں۔
 جھوم اندھنوں کے ہر اہی۔ (عالمی ہو کر کیا ہے اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہے، یہ کیا کر رہا ہے؟
 نائیں۔ ہاں یہ پراگتہ ہے۔

نہیں۔ نائیں! تم ہم سے علی جاؤ گی کیا یہ ممکن ہے؟ (نائیں کو بانڈ سے پکڑ لیتے ہیں)
 آئینہ! (نائیں کو پھرا کر) ناپاک شمس! اٹھو! یا تو جان سے مار دیا جائے گا۔ اس کا جرم منہ میں ہے! یہ خدا کی حکمت ہے۔ نائیں کو اپنے قریب
 لاکر چلے جانے کی کوشش کرتا ہے) آگ سے بھٹ جاؤ۔

جھوم۔ (درا فودہ ہو کر) نہیں نہیں۔ یہ شخص کیا چاہتا ہے؟ یہ صحرانورد کیوں نہیں چلا جاتا؟
 ایک گروہ۔ (نائیں کو دھما کر) بن نائیں! یہاں سے وہ ہو جاؤ!
 جھوم۔ یہ نائیں کو کہہ سے لے جائے گا! اچھا! ہم زندہ کیے دیں گے! میرے صولت! میرے ہار! میرے گھوڑے! میرے جواہرات! یہی
 ان کی قیمت کوں ادا کرے گا؟ یہی کئی قانون ہماری مدد نہیں کر سکتا؟ یہ نائیں کی ہم سے چھین رہا ہے۔

خوفزدہ ہوئیں۔ بے ہوشے مہاں کی موت آئے، وہ کہہ شے، بے، عمل میں ہے۔
 بجوم۔ دشت چلتے ہوئے تائیں یہی ہے۔ اس شخص کو جان سے مار دو، اسے کسی گھر میں رکھیں دو، اسے پھانسی پھانسا دو، اسے پیوں کے آگے
 لٹاؤ۔

بجوم میں سے ایک شخص۔ رابہ پھر نکار، آئیں کے مارنے سے اس کا چہرہ زخمی ہو جاتا ہے، مردود: یہ لے!
 آناٹیل اودتائیں۔ ایک دوسرے کے بائیں پاس کھڑے بیٹھیں، خون و اضطراب کے بجوم کو ایچ رہے ہیں شے جہد تر جہلے جھٹکتے ہیں، آہ، اگر موت کی
 گھڑی سر پہ گئی ہے تو آؤ جان خدا کے پر در در دیں اعلیٰ نے خون کی قیمت سے ایک لٹکے اندر ابدی مسرت فرمیں۔
 بجوم۔ رہا فروغ ہو کر سے جان سے مار ڈالو

نہیں۔ بجوم کے، تھے میں حال ہو کر، جس دیناؤں کا واسطہ ہے پھر جاؤ، یہ لو۔ اس سے پہلے دل کو شے مارو۔ دھتلی میں ہاتھ دھکا ہے اور اثر نہیں
 کی سیمیاں بھر بھر کر بجوم کے مدے پھر دیتے
 بجوم۔ ایک دوسرے پر گرتے ہوئے، شریں اٹھنے لگ جاتے ہیں، اثر عیاں اسوا!
 نہیں۔ آناٹیل اودتائیں سے) جاؤ! خدا حافظ! آئیں تم بے کھلا دوگی! لیکن اس سے کیا حاصل؟ تباہی یا اسے میری مدد عیشہ و شرمیں
 ہی رہے گی۔

نہیں اور بھی سونا پھیرتا ہے۔ بجوم پھر شر مچاتا ہے۔ آناٹیل اودتائیں بھاگ جاتے
 ہیں۔
 محل میں رہے)

باب سویم پہلا منظر

(نیابان —

گھور کے دستوں کے سلیے میں ایک کنواں۔
 دودھ ختموں میں راجیروں کے امام کے لئے ایک چھوٹی سی ہے اس سے بھی پرے ریگٹان
 کے کنارے امین کا سفید گھر دھوپ کی چمک رہا ہے۔
 سورج بہت بلند ہے۔ گھور کے دستوں کے نیچے بہت سی عورتیں چپ چاپ کنوئیں
 تک جاتی ہیں۔ اور پھر اوپر آکر واپس چلی جاتی ہیں۔ کھڑکی دیر کے بعد آناٹیل اودتائیں
 داخل ہوتے ہیں۔ تائیں تکان کے مارے گھڑی بھی جھٹل سے ہرکتی ہے)
 تائیں۔ میں گرمی کی شدت سے نڈھال ہو رہی ہوں۔ آہ میں تھیں سے مری جاتی ہوں۔ لدا دم لینے کو پھر جائیں۔

انائیل۔ اپنے ہاتھ دھو۔ اپنے جوتے تڑکڑا دیے پھل کھاؤ۔ اس تپش کو ٹھنڈا کرو جس سے تمہاری انگلیں چمک رہی ہیں۔ تمہاری زندگی اب میری جے سیاہ رست ہے۔ یہ میری ہے، خدا سے میرے سرو کیا ہے۔

تائیس کے اچھ پر پانی ڈالتا ہے وہ اپنے ہاتھوں سے پانی پاتا ہے ہمیں خود ہی کر سکتا ہے پانی پلا سکتا ہے (ہاتھ دھو کر دیکھو)

تائیس۔ اب تمہارے! تائیل۔ نہیں! تمہیں تازہ دم دیکھ کر میری پیاس بجھ گئی ہے۔ تمہارے دیکھو دور کرنا یہ سیرنی سب سے بڑی خوشی ہے۔ تائیس! اسے جان کی راحت۔

تائیس۔ اسے شکی کے فرشتے۔

(اسے پھل کھانے کو دیتا ہے اور خود پھر کنوئیں سے پانی بھر لیتا ہے اس کے بعد مکمل فاموشی

بھا جاتی ہے

وہ دسے صدمے گیتوں کی آواز مدہم کی ساٹی دیتی ہے وہ آہستہ آہستہ مدہم جاتی جاتی ہے وہ اس میں ادھاب رکھیں اور وہ حامل ہو جاتا ہے۔)

آوازیں۔ (دور سے) اسے اب جہاں سال پر حکومت کر رہا ہے۔ جس آج کے دن مذاق فرما!

تائیس۔ گرن آ رہا ہے؟

انائیل۔ قریب! میں ادھاب کی نہیں مابہ فلسفے کی کالی مدنی گودہ میں۔ وہ ہماری موت دے رہی ہیں اور خدا کی مددگار ہیں۔

آوازیں۔ (بہت ہی قریب) خدا دے یہی آزمائش میں نہ ڈال ادھابیں دی سے پچھلے دیکھو!

(تائیس ادھاب کی غور قریب داخل ہوئی ہے)

انائیل۔ آہین!

(انائیل کو دیکھ کر تائیس اور دیگر ادھاب غور قریب نظر پاتی ہیں ادھابیت ادب اور احترام کے

انداز میں گھڑی ہو جاتی ہے تائیس بھی اٹھ کر انائیل کے پاس گھڑی ہو جاتی ہے)

انائیل۔ (اس سے) مہتمم! میں اتنے پر خدا کی برکت نازل ہو۔ میں تمہارے آسمانی چتے میں ایک ایسی تہذیب سکھایا ہوں۔ جس میں نے فضل خدا کی مدد سے ایک بے برگ دھل رستے پر ٹھکانا پایا جس نے اس گھر کو دیکھنا جان کو اپنے ہاتھوں سے لیا۔ اپنے سانس سے اس میں جان ڈالی ادھاب میں اسے خدا کی تذکرے کے لئے تمہارے سرو کرنا ہوں۔

تائیس۔ میری بیٹی میرے قریب آؤ۔

(تائیس کو مادہ ان شفت کے ساتھ لے جاتی ہے)

انائیل۔ میں اس سے آگے نہ جاؤں گا۔ میرا فرض پورا ہو چکا۔ پلیدی تائیس! خدا حافظ! اب تم تک کو گھڑی میں تمہارا زندگی بسر کرو اپنے گناہوں سے

قرب کرنا! ادھابیت میرے لئے دعا مانگتی رہو!

۱۔ داس کے ہاتھوں کیلئے ہاتھوں میں سے کہیں نہ تھے۔ ہاتھوں کو بوسہ دینا تو اسے بچے ہٹانے کے لئے تھا۔ یہ تو ہے
چاہتے ہوئے بچے کو دے رہا ہے۔

۲۔ دقت یا کج رفتاری قابل ہستش؟ مسرورہ داسی غرض نہ تھی کہ بچے کو دے دینا یا بوسہ دے دینا تو اس کا چہرہ کس قدر
دغریب ہے۔ اس کی آنکھوں میں سرت کا زور چمک رہا ہے۔

۳۔ خدا حافظ مسترم باپ خدا حافظ! ... بچہ کے لئے!

نیل۔ راجھے اس پر کبھی گری بہتہ کے لئے!

بس۔ دوبارہ ملاقات سہن پر ہوگی

بن اور ماہب غرضیں۔ ستین!

دو تین تائیں کس آواز سے کہہ رہا تھا میں۔ آنا نیل

ہن کو اس طرح دیکھتا ہے مجھے خواب کے عالم میں ہوا

نیل۔ (تباہ) اس کے قدم بہتہ اٹھا رہے ہیں۔ دقت اپنی شام میں جھلا دیتے ہیں گویا اس کے لئے کوئی پہچاننا چاہتے ہوں۔ دیکھی دن اند
پھر کئی سال گزر جائیں گے اور بچے اس کا چہرہ کبھی نظر نہ دے گا۔

(معاذ سہارے مسرت کھڑا اسی طرف دیکھ رہا ہے۔ بوسہ دے رہا ہے)

دوسرا نظر

دوسرے تھیں۔

دیسے نیل کے کنارے سیریت ماہیوں کی جھونپڑیاں۔ مغرب کی طوفان آسمان کا رنگ

سرخ ہے اور معلوم ہوتا ہے آندھی کھٹنے والی ہے۔

ماہب اپنا شام کا کھانا کھا چکے ہیں اور آسمان کو غور سے نظر دے دیکھ رہے ہیں۔

دور باد صوم چلتی ہے۔

صواری گھسارائوں میں سے گیدڑوں کی آوازیں اور شیروں کی رہاڑ سنائی دیتی ہے۔

ماہب۔ آسمان تاریک ہوا ہے۔ جان دار اور بے جان اشیاء پر بے ہوشی سی طاری ہو رہی ہے۔ دوسرے گیدڑوں کی جھپٹ سنا دے رہی ہیں

نقدی دیر میں چائیں، بادلوں کی گھٹ اور بجلی کی کڑک کے ساتھ تھہر کے دھڑانے کھول دیں گی۔

پایموں۔ اپنی اپنی جھونپڑیوں کو دھپ چلے جاؤ! اندھا پٹلا اور چل سنبھالو! دوسرا آندھی ان کو صومسرایم دور تک بکھر دے گی۔ (ماہب اس

حکم کی تعمیل کرتے ہیں)

ایک ماہب۔ (چلتے ہوئے) آنا نیل! کیا کسی نے اس کو دیکھا؟

پایموں۔ اسے داس نے ہی دن چوڑے ہی لیکن اسے بھائیو! میں دن سے دو داس پا رہا ہے نہ اس نے کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے۔ اسے جھنم پر جو

سبح خفیب ہوتی ہے۔ سنے اس کے جسم و روح کو رچا رہا ہے۔
 (آتا میں بھڑکی سے باہر نکلتا ہے۔ جسم ٹھیکہ سے چہرہ تیار ہے نظری بہت میں!)
 مابہبہ۔ زنبب کے ساتھ وہ آگیا!

آتا میں ان کے پیچھے سے ان کو کچے میزگر رہا ہے!
 چند ماہبہ۔ اس کا وہ بن کہیں اور لگے۔

چند اور ماہبہ۔ دو صاحب کو ہے۔

ماہبہ۔ (پچھے ہٹتے ہوئے) اس کی خاموشی کا اصرام کرو! اسے مت چھڑو۔

آتا میں۔ (بائیں سے عزیزی کے ساتھ) مسترم باب۔ لکھے کچے کھبے۔ لکھے تو ہے آپے درد و کرب! اعتراف کر رہے۔ اسے پائیموں!
 نہ مانے ہو کہ میں نے سیر کد تائیں کی مدح پر فتح پائی۔ اس منتی پر لکھے نور محمد! اللہ میں شان تھا! پھر میں اس پر سکون صحرایہ
 میں رہیں آئے۔ لیکن اب طیناں قلب کھڑے کو سوں درد ہے۔ میں نے اپنے نفس کو بے رحمی سے کھلائیں کچے حاصل دجا۔ میں
 نے اپنے جسم کو رعموں سے چڑھ کر کیا لیکن کچے ناکہ نہ ہوا۔ میں کسی شیطانی جذبے کی زبکوں میں جکڑا ہوا ہوں! اس عدت کے صحن
 کا تصور لکھے دیوانہ بنا رہے۔ لکھے سوائے تائیں کے اور کچے نظر نہیں آتا۔ وہ اس ایک جہتی میں لکھے جہتی ہر لذت اور نیا سے
 من کا۔ رملہ دکھائی دیتا ہے۔

دشمرم کے!۔ پانی پانی کرکے پائیموں کے قدموں میں گر پڑتا ہے)

پائیموں۔ (عزیزی کے ساتھ) میں نے تم سے نہ کہا تھا۔ میرے بیٹے پائیموں کو اس دنیا کے لوگوں سے اعتراف واجب ہے۔ بشیطان کے کر
 سے خبردار ہو! "نکھر تم کیوں ہائے پستے ہوئے تھے؟ آسمانی آپ تہا۔ حامی دتا ہوا۔ خدا حافظ!
 (تائیں کھڑے ہو جاتے پائیموں اسے لگا کر چلا جاتا ہے۔ آتا میں تنہا گھٹنوں کے بل
 چٹائی پر گر کر اپنے بازو پھیلا دیتا ہے۔ اندھا موٹی کے ساتھ خدا سے دعا کرتا ہے۔ پھر
 ہاتھ اسے دیت کر سوجاتا ہے)

(تھوڑی دیر کے بعد اندھیرے میں تائیں کا تصور چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے)

تائیں۔ (آتا میں سے) عزیز! اندھ پر شکن! اندھ میں! تم کس لئے اس قدر غصے سے بھرے ہو؟ اور تمہاری آنکھوں میں جو روشنی چمکتی
 ہے اسے کیوں بھٹا رہے ہو؟

آتا میں۔ (عالم خواب میں) تائیں.....

تائیں۔ وہ کون سی شخصیت ہے جو تمہاری تقدیر کے رستے میں قائم ہے۔ انسان مشق کے لئے بنایا ہے اور تم دھوکا کھا رہے ہو!

آتا میں۔ (گہرا کراہا) اٹھتا ہے! ملعون شیطان! میرے سامنے سے ہٹ جا۔... آہ! میرا جسم ٹپک رہا ہے۔

تائیں۔ (دھتکہ دلا کر) تائیں سے سرکشی کسے والے! بہت ہو تو آ جانا!

آتا میں۔ (دراپمیر) میرا دم نکل رہا ہے! تائیں میرے پاس آؤ!

آناٹیل۔ اپنی بدحواسی پر شکل سے قابو پائے! (اے... تائیس!)

تائیس۔ تمہارے احکام کی یہی تعمیل کرنے کے بعد وہ خدا کے دیدار سے مشرف ہونے والی ہے۔

(دعا مانگ کر تائیس کے پاس جاتی ہیں۔ وہ آناٹیل کی نظر تائیس پر پڑتی ہے)

آناٹیل۔ (جیسے درد سے بے قرار ہو) تائیس! تائیس!

(سب تائب ہو کر منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔ تائیس دعا مانگ کر تائیس کے پاس جاتی ہیں اور دعا مانگتے ہیں)

میں مشغول ہو جاتی ہیں آناٹیل بعد مشکل گھنٹوں کے بل گھڑا ہوا کپڑے بازو تائیس کی طرف بھاگتا ہے)

آناٹیل۔ (سب سے پہلی آواز میں) تائیس! —

تائیس۔ (آنکھیں کھول دیتی ہے اور حیرت زدہ نظروں سے آناٹیل کے چہرے کو دیکھتی ہے) مسترم باپ تم مجھے! (تائیس کا جواب اسے باطل سمجھنا نہیں دیتا) تمہیں وہ شاندار سفر یاد ہے جب تم مجھے یہاں لے کر آئے تھے؟

آناٹیل۔ میں تمہارے نوالے من کے سوا باقی سب کچھ کھا چکا ہوں۔

تائیس۔ تمہیں وہ راحت اور آرام کی گھڑیاں یاد ہیں، اس دنیا کی بات کی گھڑیاں یاد ہیں؟

آناٹیل۔ (دعا مانگ کر) مجھے صحت و دیباہ یاد ہے جو تمہارے سوا اور کوئی نہیں کھا سکتا۔

تائیس۔ اور پھر تمہیں وہ مقدس الفاظ یاد ہیں وہ جب تمہاری زبان سے میرے لئے پتے مشق کی حقیقت کو سمجھانا۔

آناٹیل۔ (سب سے زیادہ بڑا) میں تمہیں دھوکہ دے رہا تھا!

تائیس۔ اور وہ دیکھو صبح ہونے والی ہے۔ مشرق کے شہابی رنگ کو دیکھو!

آناٹیل۔ نہیں۔ نہیں۔ آسمان بے حقیقت ہے سب کچھ سچ ہے زندگی اور انسانی محبت کے سوا باقی سب جھوٹ ہے۔ میں تم پر ہر چکا ہوں۔

تائیس۔ جنت کے دروازے کھل رہے ہیں۔ وہ دیکھو خدا کے فرشتے اور رسول آپ بھیجے، وہ سب کچھ ہونے والے کھیل میں پھول اٹھائے؟

رہے ہیں۔

آناٹیل۔ میری راحت، میری زندگی، میری بات سنو!

تائیس۔ (اٹھ کر کھسکڑی ہو گئی ہے اور کانپ رہی ہے) دو سفید سفید پردوں والے فرشتے آسمان میں اتر رہے ہیں اور عیاں کہ تم نے کہا تھا۔ شینع خداوندی اپنی لڑکی انگلیوں سے میرے آنسو ہمیشہ کے لئے پونچھ رہا ہے۔

آناٹیل۔ کہو میں زندہ رہوں گی، کہو میں ابھی ضرور لی!

تائیس۔ سنہری ساز کا ترنم گے سحر کر رہا ہے، معطر ہوائیں مجھے مست کر رہی ہیں۔ میری مصیبتوں پر آسمانی برکات کا نزول ہو رہا ہے۔ آہ۔

خداوند آہ۔ مجھے خدا غفلت کر رہا ہے۔ (مر جاتی ہے)

(آناٹیل صبح کر گھنٹوں کے بل گر پڑتا ہے)

ترجمہ۔ پلٹرس

سیب کا درخت

جان گلزوردی

اپنی شادی کی پینیسوں، بالگرہ کے دن ایشرسٹ اور اس کی بیوی، بچل کے سنار سے ہونریا سیر کر رہے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ دن بھر سیر کرنے کے بعد رات اس تعریف کی خوشی میں نور کی گئے مقام پر گھر، ریب، جہاں ان دونوں کی سب سے پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ یہ تجویز سیٹلا ایشرسٹ کی تھی۔ اس کی نظرت میں ہندوستانی کی ایک تھلک بھی پائی جاتی تھی۔ سیٹلا میں اب وہ پہلے کا ساحل کو رہتا تھا۔ نہ وہ پہلی آنکھیں۔ نہ وہ پھول کی سی لطافت۔ نہ وہ ہنرے اور اعضا کی، زک پکیزگی جیسے دیکھ کر آنکھوں کو تسکین دیتی تھی۔ نہ وہ سیب کے شجر کے ایسی رنگت جس نے سورج سے چوبیس سال پہلے ایشرسٹ کے دل کو یک ہی تھلک میں موہ لیا تھا۔ لیکن تینتالیس برس کی عمر ہونے پر بھی اپنے شجر ہر کی دنیا دہرائی تھی۔ چہرہ اب بھی حسین تھا۔ گالوں پر ہلکے ہلکے داغ بڑھ گئے تھے۔ اور آنکھوں میں ایک برہیزی سی آگئی تھی۔

سیٹلا ہی نے موٹر کو ایسے مقام پر ٹھہرایا۔ جہاں بائیں ہاتھ کو سرخوردگی اونچی چڑھائی تھی۔ درختوں کا ایک تنگ سا خطہ جس میں زیادہ تر بیج اور لارچ اور کہیں کہیں چیز کے درخت آگے ہوئے تھے۔ اس وادی کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ حوسرک سے لے کر بھرے جنگل کی پہلی اونچی پہاڑی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسے ایسی جنگ کی تلاش تھی جہاں دونوں مجھڑ پٹنے کہاں ہیں۔ ایشرسٹ کو تو کبھی کسی چیز کی تلاش نہ تھی۔ ادھر ادھر چامدل طرف فرز کے ہنری پھول آگے آئے تھے۔ لارچ کے ہرے بھرے ہلکے پھلے پتروں پر ادھر پرل کی دھوپ پڑ رہی تھی۔ اور ان میں سے یوزوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ سدنے گہری دودی کا منظر جنگل کے لیے لیے ٹیلوں تک پھیل ہوا تھا۔ سیٹلا کو آبی رنگوں سے تصویر کھینچنے کا شوق تھا۔ ہر ایمان انگیز نظر اس کے دل کو اپنی طرف کھینچ لینا تھا۔ اس پر بصیرت ایسی کہ جھٹ برات کا فیصلہ کر سیتی۔ چنانچہ یہی مقام اسے نونوں معلوم ہوا۔ رنگوں کا تہہ ہاتھ میں لیا اور موٹر سے نیچے اتری۔

کہیں فرنیٹ؟ یہ جگہ ٹھیک ہے۔

ایشرسٹ کی شکل کچھ شذر۔ ملتی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے دہریے تھے۔ شذر کے دہریے نہ تھے۔ گالوں پر کے بال سفید تھے۔ لمبا قد۔ لمبی لمبی ناکیں۔ بڑی بڑی بھدے رنگ کی کمزور ٹکڑی سی آنکھیں جو پھر سنی ہوئی تو چہرہ پر ایک حسن سا جھٹکا نکلا۔ ایک طرف کہ۔ دہریے اور موٹھوں کے بیچ میں ہونٹ ذرا کھلے ہوئے۔ اسیا ہنس دہریے کی عمر چھپ چھپ کھانے کی ڈگری اٹھانے سے پہلے اترتا۔

• دیکھو فریگیہ! قمر •

مرغزار کی اونچان سے ایک پگڑندی نیچے کو اترتی تھی۔ جو جنگل کے تنگ خطے کے ساتھ ہر ایک بھانک میں سے بھل جاتی تھی۔ جہاں یہ گنڈندی سڑک کو نمودار کاغذی تھی۔ وہاں سڑک کے کنارے کنارے مٹی کی ایک ڈھیری سی تھی جو فٹ لمبی فٹ بھر چوڑی۔ اور گھاس اکی ہوئی تھی۔ مغرب کو ایک پتھر کھڑا تھا۔ جس پر کوئی اللہ کا بندہ بلکے تھا ان کی ایک بیٹی اللہ کچھ نیلے چہرے ڈال گیا تھا۔ الیٹرنٹ نے قبر کو دیکھا تو شاعرانہ دل اندازاً سوچا پورے پر تو اس شخص کی قبر بنانے میں جس نے خود کشی کی ہو۔ اللہ اللہ خانی انسان بھی کیسے کیسے توہمات پر نیک کرتا ہے! لیکن جو بھی یہاں دفن ہے۔ سکھ کی نیند سوتا ہے قبر کے سرانے ایک ناچا ہوا سا پتھر ہے۔ سر پر کھینے آسمان کا سا بادل ہے۔ اور وہ چلتے لوگ فاختہ پڑھ جاتے ہیں۔ طبیعت مرانا تو کسی قبرستان میں سیلا ہوا مقبرہ ہوتا۔ اور چاروں طرف بد وضع قبریں۔ جن پر طرح طرح کے لاجبیل کلمات کندہ ہوتے تھے۔ کچھ بولے جانتا تھا مگر کے لوگوں میں فلسفہ بکھارنا بے سود ہے۔ جب چاہے مرغزار کی جانب چل دیا۔ ایک دیوار کے نیچے کھانے کی ٹوکری رکھی۔ چوڑی کے بیٹھے کو کھل بچھایا۔ دیکھ کر جب اسے سوک لگے گی تو تصویر کشی چھوڑ کر سپین آئے گی اور جیب سے مرے کا پالش کا زجر نکالا بخوڑی دیر میں پیرن ادا اس کے انتقام کی داستان پڑھ چکا تو آسمان کی طرف دیکھے لگا۔ نیلوں آسمان پر بھگا ہے بادل کو دیکھ کر الیٹرنٹ کا دل آج اپنی شادی کی پچیس برس سا لگہ وے دن نہ محسوس کس چیز کے لئے ترپے لگا رہا ہے۔ زندگی اللہ نظرت انسان کا آپس میں جڑ نہیں! انسان کی زندگی کتنی ہی پاک اللہ ارفع ہو۔ پھر بھی اندر ہی اندر ایک ہوس ایک جستجو لگی رہتی ہے اور زندگی خلی خالی سلیم ہوتی ہے۔ کیا عہد توں کے دل کا بھی یہی حال ہے؟ یہ کون جانتے؟ انسان میں ایک جذبہ پسندی ہے جس کی وجہ سے وہ نت نئے عشق کی تلاش میں رہتا ہے۔ اور ساتھ دار منت سے بھگڑوں میں پڑنا چاہتا ہے۔ لیکن اگر اس کی تسکین ہو جائے تو جہاں پہلی طبیعت میں ایک تشنگی تھی وہاں اب ایک سیری آجاتی ہے۔ طبیعت اکٹا جاتی ہے۔ اطمینان معقود ہو جاتا ہے۔ غریبیہ مرض لا علاج ہے زندگی اور تہذیب یا نہ انسان کا آپس میں جوڑ نہیں۔ انسان کو یہ قدرت تو حاصل ہے کہ حسن کو فن کے کسی نمونہ میں تبدیل کر کے ہمیشہ کے لئے ایک جگہ جکڑ رکھے۔ اور جب اسے دیکھے یا پڑھے۔ ہمیشہ اسی قابل قدر عطر اسی تسکین بخش نئے کا احساس ہو۔ لیکن اسے یہ قدرت نہیں کہ اسی طرح اپنی زندگی کے اندر بھی اپنی مرضی کا ایک گلزار بنائے۔ جس میں بقول اس خوش گفاریوانائی کو اس کے سبب قدرت ہو۔ سو سستی ہو اور سہری پھول ہوں۔ جس انسان کے اندر احساس حسن موجود ہے اسے زندگی میں جنت نہیں مل سکتی۔ دائمی مسرت اس کے قصے سے باہر ہے۔ بعض بعض لمحے البتہ اس قسم کی دلفری سے خرد مرعوب ہوتے ہیں جن میں ایک صریح بے خودی آپ ہی آپ انسان پر طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن جتنی دیر میں ایک بادل سورج کے سامنے سے گزر جاتا ہے اتنی دیر میں یہ لمحے بھی گزر جاتے ہیں جس طرح فن حسن کو قید کر کھانک نہیں۔ یہ ان لوگوں کی طرح گریز پائیں جس میں انسان کو اس طرح قدرت کے درخشاں یا جھللاتے ہوئے جلوے کی ایک جھلک دکھائی دے جاتی ہے جو انسانوں سے دور اپنی سورج میں ستھوق جیتی ہے۔ اس مقام پر اور اس لمحے کے اندر جبکہ دھوپ اس کے چہرے پر پڑی ہے۔ تھارن کے درخت پر لگے بول رہا ہے گدس کی خوشبو سے ہوا میں شہد کی سی چاشنی ہے۔ چادوں طرف بلکے تھارن اللہ نغمہ قرآن کے چھوٹے چھوٹے تپوں کی ہری بادل ہے۔ اللہ سفید ہاتھ بادل پہاڑوں اور پر کھیت دادیوں کے اوپر آسمان پر پکے پکے ڈر رہے ہیں۔ الیٹرنٹ کی آنکھوں کے سامنے قدرت کا جلو

یہ بے نقاب ہے۔ نیک چہرہ زور یہ جلوہ صائب ہو جلتے محبتیں جب کا چہرہ جو ایک چہاں کے کونہ پر سے دکھائی دے رہا ہو۔ انسان کی نگہ سے خوفزدہ ہو کر غائب ہو جاتا ہے۔۔۔ ایئر سٹ کلفت، آٹھ جین۔۔۔ اسے کلفت، اس بات کا احساس ہوا کہ گھاس کا یہ تختہ۔ یہ تنگ سی سڑک، پیچھے یہ پرانی دیوار۔ یہ سب نظر کچھ انوس سامعہ میں جوتا ہے جب وہ موتیں سوار تھے تو اس نے صرب سلامت اس طرف توجہ نہ کی تھی لیکن اب تو وہ آنکھیں بھڑبھڑا کر دیکھ رہا تھا۔ اس مقام سے کوئی آدھ میل کے فاصلے پر ایک قدم ہاؤس واقع تھا۔ جہاں سے وہ چھبیس سال پر مے ایک دن اسی کو میں لڑی دلا ۲۰ تھا اور یوں کچھ کڑد کچھ بھی داپس نہ آیا تھا۔ دل میں ایک نہیں ابھی۔ گذشتہ زندگی کا ایک ایسا لمحہ یاد آگیا۔ جس کی دلفریب اور بے خودی ہاتھیں لکڑی لگی تھی، ایک ایسا لمحہ جو پھر پھر آنا ہو اسی نامعلوم دنیا کو یاد آگیا تھا۔ دفعہ ایک ایسے زمانہ کی یاد پھر تازہ ہو گئی جو فیری اور سباب سے لبریز تھا۔ لیکن کلفت نخل پوگیا تھا۔ انھوں کو ٹھوڑی کے پچھلے اندر۔۔۔ منہ پر یہ لگیا اور نوخاستہ سرے کو جس کے پیچ میں ملک درت کے نئے نئے پھول اگ رہے تھے۔ کھوئی ہوئی نظروں سے محکمہ۔۔۔ اور جو کچھ اسے یاد آ رہا تھا۔

(۱)

زیبک ایئر سٹ اندر اس کا دوست لبرٹ گاٹن ایک ہی کام میں پڑھتے تھے۔ زمانہ تیلو کا آخری سال گذرا۔ چلنے کے بعد پہلی کو دونوں مسابقت کی غرض سے پایادہ سڑک پر تھے۔ پرنسٹ سے پیدل چلے تھے اور روانہ تھا کہ یہ ایک فڈ پوچ کر دوسرے لیکر ایئر کے گھنے میں ایک دفعہ ٹال کیلے میں چوٹ لگی تھی۔ چلتے چلتے گھنے میں درد ہونے لگا پہلے ٹال کہ قدر تھا، مشکل ہو گئی۔ نقشہ کو دیکھا تو ابھی سات میل باقی تھے۔ ایک چوراسے کے پاس جہاں ایک پگڈنڈی جنگل کے ساتھ ساتھ ہوتی سڑک کو کاٹ کر کل جاتی تھی۔ دونوں دست سڑک کے کنارے گھاس پر بیٹھے سستارہے تھے اور جب کہ ان دونوں کا منہ وہاں سے کائنات سے تسن گفتگو کر رہے تھے۔ دونوں کا ذہن پرنٹ سے اونچا تھا اور جم پھر رہا۔ ایئر سٹ کا منہ فیلو تھا۔ تین پسند طبیعت۔ ہمیشہ کھوکھو رہتا تھا۔ گاٹن نے اپنی طبیعت پانی تھی۔ جس کا اندازہ ہلکی طرح لگا، مشکل تھا۔ کچھ کرخت تھا۔ کچھ نرٹھ بیک جیسے زمانہ قدیم کا کوئی حیوان ہو۔ دونوں کو اب سے بہت دلچسپی تھی۔ دونوں سر سے گلے کچھ ایئر سٹ کے بال بکے رنگ کے۔ حاکم اندھروں والے تھے۔ اور کینٹون پر سے ہوں اور کو اٹھتے تھے جیسے کوئی ہمیشہ انھیں پیچھے کو جھینک رہا ہو۔ گاٹن کے بال سیاہ رنگ کے تھے اور اڑھدہ تہ ترتیب۔ دونوں دوست چلتے چلتے میوں بھل گئے تھے۔ لیکن رات میں اپنے سوا کوئی اندر ہر دو نظر نہ آیا تھا۔

گاٹن کبھی کبھی تم میری بات مانو۔ رجم صورت شوید نفس کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک ایب رجن سے جو آج سے پانچ ہزار سال پہلے مفقود تھا۔ جب رجم نہ تھا تو دنیا کے لوگ زیادہ مزے میں تھے۔

ایئر سٹ نے جو بادلوں کی حرکت کا تماشا دیکھا تھا جواب دیا۔ ہر حال میں یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں رجم کا وہی رتبہ ہے جو صفت کے اندر ہوتی کا ہے۔

گاٹن بولا۔ بخور وار موجودہ زمانہ کی تمام بے اطمینانی رجم کا نتیجہ ہے۔ جانوروں کو دیکھو، لبریک کے اسی باشندوں کو دیکھو انھیں صورت اپنے اپنے دکھ کا احساس ہے اور اس کا موقع بھی بھی کبھی نہیں آتا ہے۔ لیکن میں دیکھو کہ کسی دوسرے کی فکر میں بھی درد ہو تو ہم بے قرار ہو جاتے ہیں۔ بخور واروں پر ترس کھانے سے کیا حاصل؟ میں تو کہتا ہوں کہ دشمنوں کی طرح دھڑلے کے غم سے نجات

• • • • • کل کردہ اعلیٰان سے ہو۔

ایشرسٹ نے ہنگام میں شروع کیا۔ ہوں کہ تم اس پر کبھی مل نہ کر دے گے

مگر میں خود فکر کے انداز میں اپنے بے ترتیب ہلوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”رکھ رکھ دو کی زندگی میں انسان پوری طرح نشوونما نہیں پاسکتا جذبات کو اپنے اوپر قابض کر لینا غلط ہے ہر جذبہ مفید ہے
کیونکہ اس سے زندگی کو سیرابی حاصل ہوتی ہے۔“

”اور اگر کوئی جذبہ تو قہر نسواں کے احوال کے معانی ہو۔ تو پھر؟“

”تم نے بالکل انگریزوں کی ہی بدلت کی ہے۔ انگریزوں کے سامنے جذبہ کا ذکر کرو تو دیکھتے ہیں۔ اس سے مرد جیانی لڈ
ہے۔ اس جذبہ کے نام سے گاؤں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ لیکن ثبوت سے نہیں گھبراتے۔ بغیر ٹیکہ کسی ادد کو معلوم نہ ہو جلتے۔“

ایشرسٹ نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ ایک ننھے سے نیلے رنگ کے بھول کر ۲۲ سال کے سامنے دکھ کر گھبرا ہوا تھا۔ ”مگر ان کے ایک
دختر پر گونے کی طرح کی خوش رنگ آسٹن کے بچے جہاں بھول آگئے ہیں امد پرند سے چھپا رہے ہوں رابرٹ کی باتیں مکتا
میں معلوم ہوتی تھیں۔“

ایشرسٹ بولا۔

”چلو اب چلیں کسی فارم میں جگہ مل جائے تو رات وہیں گزاریں؟“

جب یہ الفاظ کہے تو وہ دیکھ رہا تھا کہ سامنے ایک لڑکی ڈوکی اٹھا تے مرغزار کی اونچان سے نیچے اتر رہی ہے۔ ۲۲ سال کے بالغ
رجو ایشرسٹ کو بڑی کے قیدہ بازوؤں سے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے جسم کا خاکہ واضح نظر آ رہا تھا۔ ایشرسٹ نے جو مس کاٹا
کیا کرتا تھا بغیر ہر سوچے کہ اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ دل میں کہا ”بہت خوب!“ لڑکی نے گہرے رنگ کے موٹے کپڑے کا
پہن رکھا تھا۔ ہوائے زور سے سیاہ اس کی ٹانگوں سے چٹ رہا تھا اور اس کی بھی پرائی فلفلسی رنگ کی ٹوپی اور ہاتھ کا
بھروسے رنگ کا بلاؤز پرانا اور گھسا ہوا تھا جو نے پچھے ہوئے تھے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ سرخ اور کھمبہ دوسے تھے۔ گردن
رنگ سا ٹولا پر گیا تھا۔ اس کے پریشان بال اس کے فراخ ماتھے پر لہرا رہے تھے۔ چہرہ لمبا نہ تھا۔ اوپر کا ہونٹ چھوٹا سا تھا اور دا
چمک رہے تھے۔ بھوری کالی اور سیاہی تھیں۔ پلکیں سیاہ اور لمبی لمبی۔ ناک ستواں اور اس کی بھوری آنکھیں تو غضب آ
ڈھاری تھیں۔ ان میں شبنم کی سی تازگی اور عراوت تھی۔ گویا ابھی ابھی نا ہوئی ہیں۔ اس نے ایشرسٹ کی طرف دیکھا۔ شاید
فلکڑاتا ہوا آدمی دوسرے نگاہ بال پیچھے کو جھٹکے ہوئے، جو اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے نگاہ کیا تھا۔ عجیب معلوم ہوا۔ ایشرسٹ
سر پر ٹوپی تو تھی نہیں۔ ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اور بولا۔

”یہاں پاس ہی کوئی ایسا فارم نہیں جہاں ہم سات گزدر سکیں میں چل نہیں سکتا۔ میری ہانگ دکھتی ہے۔“

لڑکی بغیر شرانے نرم نازک اور پیاری آواز میں بولی۔

”جناب یہاں قریب تو ہمارا ہی فارم ہے۔“

”کہاں؟“

میں ملوث نیچے کو؟
 ہم دہاں دہاں گزر سکتے ہیں؟
 میرا خیال تو ہے؟
 تو ہمیں راستہ بتا دو؟
 آئیے؟
 ایئر سٹ لنڈرانا لنڈرانا ساتھ چل پڑا جب؟ جب ہو تو گارڈز نے جرح شروع کر دی۔
 تم ڈیون شاز کی رے والی ہو؟
 نہیں جناب!؟
 تو پھر؟
 میرا وطن ویلز میں ہے؟
 ٹھیک۔ میں بھی کہتا تھا کہ شکل سے تو تم کیلٹ معلوم ہوتی ہو۔ تو یہ فارم تمہارا نہیں؟
 نہیں۔ میری خالہ کا ہے؟
 اور تمہارا خالو؟
 وہ زندہ نہیں۔
 تو فارم کا کام کون چلاتا ہے؟
 میری خالہ اور خالہ کے تین لڑکے؟
 تمہارا خالو تو ڈیون شاز کا بیٹا ہے والا تھا؟
 جی ہاں؟
 تمہیں بہاں آئے ہوئے بہت عرصہ ہو چکا ہے؟
 سات سال؟
 ویلز کے بعد یہ جگہ تمہیں کچھ پسند بھی آئی؟
 معلوم نہیں جناب؟
 شاید تمہیں ویلز اب یاد نہ رہا ہو؟
 اچھی طرح یاد ہے وہ جگہ تو کچھ اسی تھی؟
 مجھے بھی تم سے اتفاق ہے؟
 ایئر سٹ کیلٹ بولا۔
 تمہاری عمر کیا ہے؟

”جذاب سترہ سال“

”مہذب ہمارا نام کیا ہے؟“

”سیگن ڈیوڈ“

”ان کا نام رابرٹ گارٹن ہے۔ میرا نام فرنیک ایشرسٹ ہے۔ ہمارا ارادہ تو تھا کہ چیک فورڈ پیچنے سے پہلے دم“

”لیکن۔۔۔“

”مجھے افسوس ہے کہ آپ کی ٹانگ دکھ رہی ہے؟“

ایشرسٹ مسکرایا۔ اور جب وہ مسکراتا تھا تو اس کے چہرے پر ایک حسن سا آجاتا تھا۔

”وہ بچوں سے بچے انکر جنگل کے برابر سے نکلے تو سامنے خدوم دکھائی دیا۔ چہر کی انیب عمارت تھی۔ لمبی اور بچی بچی کھڑکی

میں بندھے تھے۔ ارد گرد ایک احاطہ تھا۔ جس میں سور اور مرغیاں اور ایک بڑھی گھوڑی اور اندر اندر پھری تھی۔ پر سے کوکھس سے ڈسکی ہوتی ایک پھاڑی تھی۔ جس پر اسکا پرزے کے جندہخت آگ رہے تھے۔ سامنے سیب کے درختوں کا ایک پرانا باغ تھا۔ جن کے تنگ نے پھوٹ رہے تھے۔ باغ کے کنارے کدوے ایک نری بہہ رہی تھی۔ اور ندی کے پار ایک لمبا فروار پھیلا ہوا تھا۔ سیاہ لہر تھیں آنکھوں والا ایک چھوٹا سا لڑکا ایک سونہ کی روکھوئی کر رہا تھا۔ گھر کے دروازے کے پاس ایک عورت کھڑی تھی۔ جو انہیں دیکھ کر آگے بڑھی۔ لڑکی نے کہا۔

”میرے خالہ مسز نیر کو مہربان“

خالہ مسز نیر کو مہربان آگے بچوں والی جنگل بیلچہ کی مانند سیاہ اور تیز تھی۔ گردن میں بھی وہی سانپ کی سی انٹان تھی۔

ایشرسٹ نے کہا۔ ”ہیں آپ کی بھانجی رستے میں مل گئی۔ یہ کہتی ہے ہاں رات بسر کرنے کا انتظام ہو جائے گا؟“

”ہو تو جائے گا لیکن آپ دونوں کو ایک ہی کمرے میں سونا پڑے گا۔ سیگن جینی جاؤ وہ خالی کمرہ ان کے لئے صاف

کر دو۔ کریم کا ایک پیالہ بھی لیتی آنا۔ چائے تو آپ پیتے گئے۔“

یہ سبے دو درختوں اندر چند بھولدار چھلڑیوں سے ایک محراب سی بنی ہوئی تھی۔ لڑکی اس میں سے گزر کر گھر کے اندر غائب

ہو گئی۔ گلابی رنگ کے بھولوں اور یو کے سبز چوں کے سامنے اس کی ٹوپی کا طاقسی رنگ بھلا معلوم ہوتا تھا۔

”آپ کی ٹانگ میں تکلیف ہو رہی ہوگی۔ چل کر پارلر کے اندر آرام کیجئے۔ آپ کالیں پڑھتے ہیں؟“

”پڑھتے تھے اب تو فارغ ہو چکے۔“

مسز نیر کو مہربانے دانشمندانہ انداز میں سر ہلایا۔

پارلر کا فرش اینٹوں کا تھا اور اس پر چمکتی ہوئی صاف کرسیاں اور سوفا پڑا ہوا تھا جس کے گدیوں میں گھوڑے کے

بال بھرے ہوئے تھے۔ ایک میز تھی۔ مگر اس پر سبز لوہے کا تھا۔ کمرہ اس قدر صاف تھا کہ معلوم ہوتا تھا کبھی استعمال ہی نہیں ہوا

ایشرسٹ فوراً سونے پر جا بیٹھا اور دیکتے ہوئے گھٹنے کو ہاتھوں سے تھام لیا۔ مسز نیر کو مہربانے ہنسنے لگی تھی۔ ایشرسٹ اپنے

باپ کا اکھٹا بیٹا تھا۔ اس کا باپ کیمیا کا ایک سالن پر دھیر تھا۔ تاہم لوگوں کو اس لڑکے میں امیرانہ عکس نظر آتا تھا۔ گویا ایشرسٹ کو اپنی

حالی کا یہی دوجہ سے اکثر ان کی موجودگی تک کا احساس رہتا۔

”یہاں کوئی ندی ہے جہاں ہم بسا سکیں؟“

”پانچھ کے ساتھ ایک ندی ہے۔ لیکن اس میں تو بھوکہ بھی سرنگ پانی نہیں پہنچتا۔“

”کتنی گہری ہے؟“

”یہی کوئی ڈیڑھ فٹ۔“

”اوہ تو بہت ٹھیک ہے۔ ہے کس طرف کو؟“

”گپ ڈنڈی کے ساتھ چلے چلیے۔ دائیں ہاتھ کو جو دوسرا ٹھکانگ آئے گا اس میں سے گزر کر سامے ایک بڑا سا

سبب کا درخت ہے۔ سب سے الگ۔ اس کے پاس ہی تالاب ہے۔ پھلین پکڑنے کا شوق ہو تو تالاب میں پھلین بھی ہیں۔“

”منزیر کو مہم سکھادی اہ بولی۔“ جب آپ دایں آئیں گے تو چائے تیار ہوگی؟

”ندی میں ایک جگہ ایک چٹان کا بندھ لگا ہوا تھا جس سے پانی رگ گیا تھا اور ایک تالاب سا بن گیا تھا جس کی

ہر ریلی تھی۔ وہ بڑا سا سبب کا درخت سب درختوں سے نچا تھا۔ اتنا بچا۔ کہ اس کی شاخیں ندی کے پانی پر چھکی پڑتی تھیں

کوہلیں پھوٹے آئی تھیں، شاخوں نے کھلنے کو تھے اور قریبی گلیاں جنگ۔ اسی تھیں۔ اس بھونے سے تالاب میں ایک ہی آدمی ہب

سکتا تھا۔ چنانچہ انٹر سٹ کلس پر منتظر کھڑا اپنے گھنے کو ملتا رہا۔ اور اس سرخسار کا نظارہ کرتا رہا میں میں جوں کے دو میان

تھا ان کے درخت اور جنگلی پھول آگ مہم تھے۔ پرے ایک ادبیکہ گر ہوا نیلے پر بچے کے درختوں کا جھنڈا تھا ہر سدا ہوا میں جوں

مہی تھی۔ بہار کا ہر پرندہ چھپا رہا تھا۔ اور سورج کی ترچھی شعاؤں سے گھاس پر دھوب چھ۔ ان کی شطرنج کی کجی تھی۔ اسے کئی

چیز یاد آئیں۔ تھوکرش اور دریائے چرول۔ چاندنی اور دو نیزہ۔ جس کی آنکھوں میں شبنم کی سی تاریکی اور طراوت تھی۔ اتنی

باتیں یاد آئیں کہ معلوم ہوتا تھا کسی بات کا خیال نہیں۔ اور وہ بغیر کسی وجہ کے خوش تھا۔

(۳)

چائے دیر سے پی گئی۔ لیکن تھی پر مختلف۔ کھانے کو ساتھ اندسے۔ کیر۔ مرتبہ اور تپتے پتلے تازہ کیب تھے جن پر زعفران

کے پھینے دیئے ہوئے تھے۔ چائے کے دوران میں گلشن کیٹ قوم کے متعلق ایک طویل تقریر کرتا رہا۔ ان دنوں ہر جگہ کیٹوں کا

چرچا تھا۔ گلشن خود بھی کیٹ تھا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اس گھنے میں بھی اسی قوم کا خون موجود ہے تو اس قدر دلچسپی پیدا ہوئی

کہ آپ سے باہر چل گیا۔ وہ ایک کڑی پرہاز تھا جس کے گدیوں میں گھوڑے کے بال بھرے تھے۔ ہاتھ کاٹنا یا ہوا سگریٹ اس کے

خم دار جوتوں کے گچ میں جیسے لٹک رہا تھا۔ اور اپنی چھوٹی پھوٹی شروہم آنکھوں کو الٹیرسٹ کی آنکھوں میں ڈالے اہل دلی کی

شاہنشاہی کو سراہتا رہا۔ دیز کو چھوڑ کر انگلستان میں آ جانا ایسا ہی ہے جیسے انسان چینی کے برتنوں کو حیر کر سٹیک کے رتن استعمال کرنے

لگے۔ ایک آخر پھر انگرہ ہے۔ اسے کیا معلوم اس دیز کی رہنے والی لڑکی میں کس درجہ شائستگی اور اس کی فطرت میں جذبات

کی کس قدر جانٹن ہے! اپنے نیلے سیاہ بالوں کو ہلکے ہلکے اپنی انگلیوں سے پریشان کرتا رہا اور باوضاحت یہ ثابت کیا کہ یہ لڑکی جن

ان نظروں کے مطابق ہے۔ جو دیز کے کسی داستان گو شاعر نے ہمارے صدی میں لکھی تھیں۔

ایشور شچت مینا گرے رنگ کا ایک پائپ لپو ہا تھا۔ تھا قد اور اس لئے ہاتھیں سونے سے بہرہ منی تھیں۔ اس نے گھڑن کی باتوں کو توجہ سے نہ سنا جب لڑکی دوبارہ ٹیک کر اٹھ آئی تھی۔ اس وقت سے اس کی شکل دیکھ کر مینا پھول پانہٹ کے کسی اور حسین نظر کی دید سے کم نہ تھا۔ آنکھوں میں سائی ہوئی تھی۔ لڑکی نے عجیب انداز کے ساتھ ایک جھرجھری لکرائی آنکھیں نیچے ڈال لی تھیں۔ اور چپ چاپ کرے سے باہر نکل گئی تھی۔

گھڑن نے کہا۔ چلو باورچی خانے میں چل کر اسے ایک نظر اہر دیکھ لیں۔

باورچی خانہ کی دیواروں پر سفیدی پھری ہوئی تھی۔ چھت میں بڑے بڑے شہیرے تھے جن میں بھی ہوئی سوز کی راہیں تھیں گھر کی میں پھولوں کے گلے پر سے تھے۔ دیوار پر بندھتیں۔ چینی اور جوت کے عجیب و غریب آئینے اور گلدستے کی تصویریں کیلوں سے آویزاں تھیں۔ برج میں جموئی لکڑی کی ایک لمبی تنگ سی میز بھی تھی۔ جس پر پالائز چھے رکھے ہوئے تھے۔ اور چھت سے بازار کی گھنٹیوں کی ایک لڑی لٹک رہی تھی۔ اشتیاد خاصا گرا تھا۔ جس کے ایک طرف دو چھوٹے لڑکے بڑی تیز کے ساتھ کھیلے بیٹھے تھے۔ اور دوسری طرف ایک بھیری آنکھوں اور سرخ چہرے والا سوناسا جوان آدمی بیٹھ اس کے چوسٹوں سے بنوٹی کی نالی صاف کر رہا تھا۔ اس کی پلوں اور سر کے بالوں کی رنگت بالکل ان چوسٹوں جیسی تھی۔ دونوں کے درمیان ایک بڑے دیکھے میں اسٹونک پہا تھا۔ جو خوشبو سے بہت خوش دانہ معلوم ہوتا تھا۔ اور سلتے ستریزو کو سب کسی سوچ میں ٹھہر چھپا رہی تھی۔ وہ دو لڑکوں میں ان کی آنکھیں تو جھری اور بال سیاہ تھے اور چوسٹوں سے ان دو چھوٹے لڑکوں کی طرح حیا معلوم ہوتے تھے دیوار کے ساتھ سہلو لگتے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک بسف قد ادھر مڑا آدی۔ فارسی نوچہ منڈھی ہوئی کارڈرائی کی برص بننے گھر کی میں بیٹھا ایک پرانسا اخبار پڑھ رہا تھا۔ صرف میٹھن ہی کام کاج میں لگی ہوئی تھی اور پیسے سے سبب کی شراب کے جگ بھر کر میز پر رکھی جا رہی تھی۔

ظاہر تھا کہ یہ لوگ کھانے پر بیٹھے دالے ہیں۔ چنانچہ گھڑن بولا۔

”اگر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو ہم کھانے کے بعد آجائیں۔“

اور جواب کا انتظار کئے بغیر دونوں پھر بار لیں آ بیٹھے۔ لیکن باورچی خانہ کی اس رونق۔ اس گراہٹ ان خوشبوؤں اور ان چوسٹوں کے بعد یہ چمک دار کڑھیلے سے بھی کچھ اجاز معلوم ہونے لگا۔ دونوں دست پر مردہ ہو کر پھر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ لڑکے شکل سے بالکل جیسی معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں صرف ایک لڑکا سیکس تھا۔ وہ جو بیٹھا بندھتی صاف کر رہا تھا۔ اور لڑکی تو لفظیاتی نقطہ نظر سے دقیق مطالعہ کی چیز ہے۔

ایشور شچت کے ہونٹ پھر دکھائے۔ گھڑن نے اس وقت بالکل گندھا معلوم ہوا تھا۔ دقیق مطالعہ کی چیز کیا کہ اس ہے۔ وہ لڑکی تو جنگل کا ایک پھول ہے۔ جسے دیکھنے سے دل کو ٹھنڈک سی ہوتی ہے۔ مطالعہ!

گھڑن بولا۔

”جذباتی لحاظ سے وہ لڑکی ایک حیرت انگیز چیز ہے۔ صرف اس کے بیدار ہونے کی کسر ہے۔“

”لڑکیا جناب اسے بیدار کیجئے گا؟“

جس میں سے ایک کی خوشبو کو وہ پسند کرتی تھی۔ ایڈیٹر شریٹر میں اس خوشبو کو گھونٹتا تھا اور اس سے کہا تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تین دن تک بیدار سفر میں جس شخص کا ساتھ رہا ہو اس سے کچھ جانا قدرتی آ رہے۔ لیکن اس کے علاوہ اس کے ہائی فائبر کا شغف ہمیز تھے۔ بعض اوقات سے تو اس کے دل میں ہر کس اٹھ رہی تھیں۔ بعض سے طبیعت میں ایک جہاں سا پیدا ہوا تھا۔ اس لوجان کا چہرہ یاد آج بادل چھانڈ میں بیٹھا بندھن صاف کر رہا تھا۔ جب دونوں دوست باہر چلی خانہ میں داخل ہوئے تھے تو اس نے کیلنٹ آٹھیں اٹھا کر پہلے اپنی دونوں کو اور پھر فوراً ہی اس لڑکی کو جو اس وقت سب کی شرب کا گھگ اٹھا سے جدی ہتی تھی۔ تعجب دیکھا تھا۔ اس کی نظر میں نہ ذات پائی جاتی تھی۔ بے دلی۔ یہ وہ ایسے قوی کی نظر ضرورت تھی جو فضا چمک اٹھا ہو اس وقت ایڈیٹر شریٹر نے اس بات کا جواب بھی نہ دیا تھا۔ لیکن حیرت ہے کہ اس کا تصور نہایت واضح طور پر اس کے ذہن میں محفوظ تھا جس طرح اس لڑکی کا چہرہ اسے بھولتا تھا۔ ویسے ہی اس لوجان کا سرخ چہرہ۔ نیلی آنکھیں ہلکے رنگ کی پلکیں اور سن کے سے بال بھی اتنی یاد سے محض ہوتے تھے۔ کمر کی کے ساتھ پہنہ تھا۔ اس کی بجائے تاریکی کی ایک ستیل سی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ فضا اس کی نگاہ میں بھر کر روشنی کو دار ہوتی تھی۔ ایک نیم خوابیدہ کوسے کی مٹی میں آواز سنائی دئی۔ اس کے بعد پھر گری خاموشی چھا گئی۔ اور پھر تھیں دیر کے بعد ایک بلیک برڈ نے جس کی آنکھیں ابھی پوری طرح کھلی نہ تھیں۔ اپنی خون الحانی سے خاموشی کے ظلم کو برم کر دیا۔ کمر کی کے چو کھٹے میں برسی ہوئی روشنی کی ستیل کو دیکھتے دیکھتے ایڈیٹر شریٹر کی آنکھ لگ گئی۔

دوسرے دن اس کا گھٹنا بہت سو جا ہوا تھا۔ اس نے پیدل سفر کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ گارڈن کو اگلے دن لندن پہنچا تھا۔ وہ دوسرے وقت وہاں سے لہانہ ہو گیا۔ چھتے وقت اس کے ہونٹوں پر طنز آمیز تبسم دیکھ کر ایڈیٹر شریٹر بہت چڑا۔ لیکن جب وہ دو دن ڈونا ڈھولان شرک کے موڈ تک پہنچ کر نظر سے اوجھل ہو گیا تو ایڈیٹر شریٹر کا خصر فوراً آڑ گیا۔ ٹپکے مدھنوں کی عذاب سے پس گھاس کا ایک قطہ تھا۔ ایڈیٹر شریٹر میں دن بھر ایک مین رنگ کی چوکی پر ٹھہرا۔ سورج کی شعاعیں خوشبو دار پھولوں کا قطر بکھیر رہی تھیں۔ اور پھولدار چھبازوں سے بھیجی جیسی خوشبو ہر سی تھی۔ ایڈیٹر شریٹر ایک سرد سے عالم میں بیٹھا کبھی کبھی پاپ سٹاک لیتا۔ کبھی منظر کا لطف اٹھاتا۔ اور کبھی کبھی سورج میں مصروف ہو جاتا۔

ایک فارم کے اندر بہار کے موسم میں بیٹھا رہتیاں عالم دوم میں آتی ہیں۔ غمی غمی جانیں انڈیل اور کلیں سے جم جاتی ہیں۔ غم کے لوگ اس عمل کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوئے ہیں اور نئے امیدہ بشیروں کی دیکھ بھال اور پرورش میں لگ جاتے ہیں۔ ایڈیٹر شریٹر اس قدر چپ چاپ بیٹھا تھا کہ ایک لادہ ہنس اپنے چھ پھولوں کو جن کی گونجیں زرد اور پتھر بھیرے رنگ کی تھیں۔ ساتھ لئے سگتی ستانی تریب آہنی لہجے ایڈیٹر شریٹر کے پیروں کے پاس گھاس کے پتوں پر اپنی غمی غمی چھ پھول تیر کرنے لگے۔ کبھی کبھی مسزیر وکسب یا مین ان کو پوچھ جاتا کہ کیوں صاحب آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ ایڈیٹر شریٹر مسکرا کر جواب دیتا۔ نہیں تمہیں کیا! مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں یہاں بڑے بڑے میں ہوں۔ چائے کے وقت وہ دونوں سیاہ رنگ کی ایک لمبی سی پٹش ایک پیالے میں ڈال اپنے ساتھ لے کر آئیں۔ سوچے ہوئے گھٹنے کو دیر تک غور سے دیکھتی رہیں۔ اور پٹش اس پر باندھ گئیں۔ جب وہ چلی گئیں تو ایڈیٹر شریٹر کو لڑکی کا لادہ نیچے آواز میں آئی۔ کہنا وہ چھبازوں کی نظروں سے دیکھا تھا۔ اٹھ پر لگی سی تیوری ڈالتا یاد آیا۔ جب اسے خیال آیا کہ گارڈن میں لڑکی کے متعلق کتنی فضیلت بائیں کر اٹھا تو ایک بالکل گارڈن سے چل ہو گئی۔ اس نے یہ خزانہ سوچا کہ ان میں سے چڑنے کی کیا بات ہے۔ جب وہی چائے پانی۔ تو

ایئر سٹ کے چھجا۔

”نیگہ یہ تو کمر۔ یہ دوست بھی نہیں پسند آیا۔“
 نیگہ نے منہ سیکڑ لیا۔ گویا دلی تھی کہ کہیں مسکرا دوں تو بد مزہی۔ کبھی جلتے۔ بھرو لی۔
 ”بڑے ہنس رہے تھے وہ۔ ہم سب کو ہنساتے رہے۔ وہ بہت دانی معلوم کرتے تھے۔“
 ”کیا ایسی بات کہی انہوں نے جو تم سب کو ہسا دیا؟“
 ”وہ کچھ سے کہتے تھے۔ تم بارہ دن کی مٹی ہو۔ بارہ دن کی مٹی ہو؟“
 ”بد ذہان شاعروں کو کہتے ہیں جو آج سے کئی سو سال پہلے دہلی میں رہتے تھے؟“
 ”تو بھلا میں ان کی مٹی کیہ کر رہی؟“
 ”میرے دوست کا مطلب یہ تھا کہ وہ تم جیسی ہی لڑکیوں کے متعلق گیت گا کرتے تھے۔“
 ”نیگہ نے اپنی ہنسی سیکڑ کر کہا۔“ انہیں مذاق سے بھرا ہوا لگا کہ یہی لڑکی ہوں؟“
 ”میری بات پر یقین کرو گی؟“
 ”کیوں نہیں؟“

”میرے خیال میں وہ سچ کہتا تھا۔“
 لڑکی مسکرا دی۔

ایئر سٹ نے دل میں کہا۔ ”واقعی تم خوبصورت ہو۔“
 ”وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جو شکل و صورت سے سیکڑ معلوم ہوتا ہے۔ اس کا کیا مطلب تھا؟“
 ”جو کون ہے؟ وہ جس کی نیلی نیلی آنکھیں اور لال لال چہرہ ہے؟“
 ”اں وہ میرے خاؤ کا بھتیجہ ہے؟“
 ”اچھا؟ تمہاری خاؤ کا لڑکا نہیں؟“

”ان کا مطلب یہ تھا کہ جو کی شکل ان لوگوں سے ملتی جاتی ہے جو تقریباً چودہ سو سال پہلے ہندوستان پر آکر قابض ہو گئے

تھے۔“

”اچھا اب کاحال تو میں جانتی ہوں۔ کیا جو واقعی سیکڑ ہے؟“
 ”جو رن کی ایسی باتوں کا بزن ہے لیکن جو کچھ وہ قدیم زمانے کے سیکڑوں سے کچھ کچھ متاثر ہے۔“
 ”ٹھیک ہے۔“

نیگہ کے اس آخری جملے سے ایئر سٹ کے دل میں لگدگی ہوئی۔ مختصر سا جملہ تھا۔ لیکن اس میں کتنی سادگی اور خوش اسلوبی پائی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ بات اس کی کمر سے بلاز تھی۔ پھر بھی اس نے کس سلیو ان شافٹنگ کے ساتھ ہل میں ہل ڈال دی تھی۔

”وہ کہتے تھے کہ تو بڑے سب سے جیسی ہیں یہ بھلا کیوں کہا؟ خاہش تو دیں لیکن یہ بات انھیں ہرگز منظور نہ تھی۔
 اند میری خلا کے بیوں کو تو سب غصہ آیا خالو تو کسان تھے۔ تمہیں کسان بھی جیسی ہوتے ہیں، یوں لوگوں کا دل دکھانا بری بات ہے۔
 ایشرسٹ کے دل میں آیا کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بھیجے۔ لیکن نہ سے صوف اتا کہا۔ لیکن تم سچ کہتی ہو سہارا
 کل رات تم ہی بچوں کو بستر میں سہا رہی تھیں نا؟ مجھے چلی منزل میں آواز آرہی تھی۔
 ”تجک کے چہرے پر کچھ سی سرخی دوڑ گئی۔ ”آپ چائے پیچھے ٹھنڈی پوری ہے۔ کہیں تو میں اٹھا کے لادوں؟
 ”نہیں کہی، اپنے کسی کام کو بھی زحمت دیتی ہے۔“
 ”واہ بھئی کیوں نہیں؟“

”آخر میرے بھی آنکھیں ہیں۔ میں نے تو تمہیں نارغ کبھی نہیں دیکھا:
 ”تجک نے مجھے پر تیردی ڈال لی۔ جیسے دماغ میں کوئی بات ہے۔ جسے سمجھا نہیں سکتی۔ چہرہ اٹھ کھینچ لیا گیا۔ جب
 چلی گئی تو ایشرسٹ نے سوچا۔ کیا وہ سمجھتی تھی کہ میں اس سے دل لگی کر رہا ہوں۔ میں تو ایسے خزان پرست کو ترجیح دیتا ہوں۔
 ایشرسٹ کی وہ عمر تھی جس میں جسٹس لوگ حسن کو ایک بھول گئے ہیں۔ اور اس لحاظ سے ان کے دل میں عورت کی
 تفریق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ایشرسٹ اپنے گہرے پیش سے اکثر غافل رہتا تھا۔ چنانچہ اسے یہ احساس دیر کے بعد ہوا کہ وہ نوجوان جس
 کے متعلق کھارن نے کہا تھا کہ شکل سے سیکس معلوم ہوتا ہے۔ اصل کے دروازے کے باہر کھڑا ہے۔ باہر کھنگ کی سیلی ہی جیس
 بکھرے بھرے ہوئے گیر اور نیچے تنگ کی لتیں ہیں وہ ایک رفت کی چیز معلوم ہوتا تھا۔ نہ چہرے پر مسراہٹ تھی۔ نہ بشرے پر ذہانت
 کے آثار۔ کسی اثر کی حاور کی طرح بے حس حرکت کھڑا تھا۔ چہرہ اور بازو سرے لکھے سر پر دھوپ پڑ رہی تھی جس کی وجہ سے اس کے
 بال کافی بوئی ادن کی طرح معلوم ہوتے تھے۔

جب اس نے دیکھا کہ ایشرسٹ میری طرف دیکھ رہا ہے تو احاطہ میں سے گزرنے کا بدلہ خانہ کے دروازہ کی طرف چل
 دیا۔ ہر مکان کے کونے پر سے نر کر نفوس سے ادھبل ہو گیا۔ چال سے ظاہر ہوتا تھا کہ نوجوان دیہاتی۔ دھندل کی طرح آہستہ آہستہ بجای
 بھاری قدم نہ بٹھانے کی وجہ سے شراب ہے۔ ایشرسٹ پر اس سی پڑ گئی۔ اکثر لوگ! طبیعت پر کتنا ہی زور ڈالتے۔ ایسے لوگوں سے بڑھ بھا
 کیسے ممکن ہے! لیکن اس لڑکی کو دیکھو۔ جتنے پیچھے ہوتے کھڑے ہاتھ۔ پھر بھی اس میں کتنی رفتاری ہے! شاید کھارن ہی کا کتنا شک
 ہو۔ اور یہ سب کیلٹ خون کا اثر ہو۔ بہت ممکن ہے اس کی تعلیم اس سے زیادہ نہ ہو کہ تھوڑا بہت لکھ پڑھ لیتی ہے۔ لیکن وہ تو میرے کی
 مانہ ہے۔ اسے تو قدرت ہی نے عجیب اکیل پیدا کیا ہے۔

وہ دائری موچک منڈا اذیرا دی جیسے کل رات باورچی خانہ میں دیکھا تھا۔ ایک کتے کو ساتھ لے کر احاطہ میں داخل ہوا
 کایوں کو دودھ دہنے لے جا رہا تھا۔ ایشرسٹ کو اب معلوم ہوا کہ ایک ناگ سے لنگر ہے۔

”اچھے اچھے جانور لئے جا رہے ہو۔“

لنگر سے آدی کا چہرہ چک اٹھا اس کی نظریا اوپر کاٹھی رہتی تھیں وہ تو دن دکھ پہننے سے آنکھ میں اکثر یہ کیفیت

پیدا ہوا کرتی ہے۔

”ہاں بہت خوبصورت ہیں۔ دودھ بھی بہت دیتی ہیں؟“
 ”ہاں، کئی گھنٹوں سے ہی صوم ہر رہا ہے۔“
 ”آپ کی ٹانگ تو پیسے سے بتر ہے؟“
 ”تھینک یو۔ رفتہ رفتہ اچھی ہو رہی ہے۔“
 ”مگر اسے آدی نے اپنی ٹانگ کو اتھکا کر کہا: ”اس دم کو میں خوب جانتا ہوں صاحب! گھٹنے کی تکلیف بہت بڑی
 تکلیف ہے۔ میرا گھٹنا دس سال سے خراب ہے۔“
 ”ایئر سٹ سے آواز سے جلدی کا اظہار کیا رہی ہے وہ؟“ ان کا مکان مردہ الحال لوگوں کے لئے بہت سہل بات ہے
 مگر جی ہری پھر سکر دیا۔

”پھر بھی خدا کا شکر ہے۔ ورنہ وہ تو ٹانگ ہی کاٹنے لگے تھے۔“
 ”اچھا؟“

”جی ہاں۔ اور پیسے تو بہت ہی بُرا حال تھا۔ میں تو اسے بہت ہی غنیمت سمجھتا ہوں۔“
 ”میسے گھٹنے پر تو دوا باندھ گئی ہیں۔ جس سے بہت فائدہ ہے۔“
 ”نیک بوٹی، کئی جوڑکی کہیں سے تڑھائی تھی۔ دھجوں سے بہت اچھی طرح داغ ہے یہ بڑکی، بسنی بڑگ صاحب
 بوٹیوں کی خاصیتیں خوب سمجھتے ہیں۔ میری ماں تو اس بات میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ اچھا صاحب خدا کرے آپ جلد اچھے
 ہو جائیں۔ گواہان۔“

ایئر سٹ مسکر دیا۔ ”پھلوں سے داغ ہے اور وہ خود بھول سے کیا کم ہے؟“
 ”شام کے کھانے پر بیچ کا ٹھنڈا گوشت۔ جبکہ اور سیب کی خراب تھی۔ کھانا کھا چکا تو بڑکی کرے میں لائی۔“
 ”مخالف پوچھتی ہیں آپ ہمارے لئے ڈسے کیک کا ایک ٹکڑا کھائیں گے؟“
 ”اں مگر باورچی خانہ میں بیٹھ کر۔“

”شوق سے۔۔۔ آپ کے دوست تو چلے گئے۔ اکیلے آپ کا دل تو گھرا رہا ہو گا۔؟“
 ”اے نہیں۔۔۔ لیکن یہ کہ میرا باورچی خانہ میں آنا کسی کو بُرا تو نہ لگے گا؟“
 ”واہ بُرا کیوں لگتا۔ ہیں تو بلکہ بہت خوشی ہو گی؟“

ایئر سٹ کو اپنے گھٹنے کا خیال نہ ہوا۔ یکھت ہو دھکا توڑ کر مکر بنیہ گیا۔ بڑکی نے ایک سیب کی بھری اور اپنے بازو سے
 پھیلا دیئے۔ ایئر سٹ ان چھوٹے چھوٹے کھورے، سالادے، پھلوں کو کھانے لگا۔ ”جی میں آیا ان پھلوں کو ہونٹوں سے
 لگائے لیکن اپنے آپ کو روکا۔ بڑکی نے قریب آکر کھنڈا اٹھ کر دیا۔ ایئر سٹ اس کے ہمارے چل کر وہ دھمک بیٹھا۔ اس شانے پر
 اتھار کھنے سے جو لطف حاصل ہوا۔ مگر بھر کی چیر کے منہ سے نصیب نہ ہوا تھا۔ اتنی جھلندی ضرورت کی کہ چلتے چلتے اسٹینڈ میں سے اپنی
 چھری نکال لی۔ اور باورچی خانہ میں پہنچنے سے پہلے ہاتھ بڑکی کے کندھے سے ٹالیا۔

• اس رات وہ اب غافل سویا کو تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ صبح اٹھتا آگئے کا دم بہت بچا ہو گیا تھا۔ وہ پرچک اٹھیں
میں بیٹھا سر حوند کرتا رہا۔ سر پر کے دقت ان دو چھوٹے رنگوں کو جن کا نام جیک اور برک تھا ساتھ لے کر صبح دھڑکھڑاتا رہا۔ چنے کا
دن تھا اس لئے وہ اسکول سے جلدی لوٹ آئے تھے۔ ایک سات سال کا تھا ایک چھ سال کا شریچہ گز رہیں۔ رنگ بہت گمانہ
تھا۔ اندہ بالوں کی نہت بھی سیم، فنی ایشرسٹ سے بچے بہت جلد باز ہو جاتے تھے۔ چنانچہ تھری ڈی دیر میں دونوں ہنر نہایتیں کرنے
لگے۔ سوائے مچلیوں کے باقی جانوروں کے مارنے کے جتنے طریقے انھیں یاد تھے جلد بچے تک ایک ایک کر کے ایشرسٹ کو
بکھلا دیئے۔ پھر باغیچے گھنٹوں تک چڑھا کر پیٹ کے بل نہری کے کنارے پھسروں کی تاک میں بیٹ گئے۔ گویا اس فن میں بھی
کچھ نہ کچھ ہدایت انھیں ضرور حاصل ہے۔ لیکن جتنے اس تھ تھے اور غل اس قدر بچاتے تھے کہ ایک مچلی بھی قریب نہ پہنچی۔ ایشرسٹ
بچے کے دختروں کے جھنڈ کے پاس ایک چٹان پر بیٹھا ہرندوں کے گیت پر کان لگائے انھیں دیکھتا رہا۔ آخر کار جیک جو انہیں مدد
میں سے بڑا تھا۔ مچلیوں کے کیل سے اٹکا کر اس کے پاس آکر کھڑا ہوا اور بولا۔

”جیسی ہوا اس پھر پر بیٹھا ہے“

”وہ کیا بول رہے؟“

”معلوم نہیں۔ کبھی اسے دیکھا نہیں مگر مینگن کہتی ہے کہ وہ میں بیٹھا ہے۔ بڑے جم کو ایک دفعہ نظر آیا تھا جس دن با
کے سر میں ٹوٹنے لگات ماری۔ اس سے پہلے سات کے دقت ہوا یہاں بیٹھا ہوا تھا وہ یہاں بیٹھ کر سہنگی بجاتا ہے۔
کون سا راگ بجاتا ہے وہ؟“

”معلوم نہیں۔“

”اس کی شکل کیسی ہے؟“

”کالے دھنگ کی بڑھا جم کتا ہے اس کے جسم پر بال ہی بال ہیں۔ بڑا سخت ہوا ہے۔ کبھی کبھی دن کو بھی آجاتا ہے۔ پھر
اپنی زخمی سیاہ آنکھوں کے ذریعے پھر کر کہا۔ ”مجھے تو اٹھا کر نہیں لے جائے گا۔ مینگن اس سے بہت ڈرتی ہے۔“

”مینگن کو کبھی نظر آیا ہے؟“

”کبھی نہیں۔ لیکن مینگن آپ سے نہیں ڈرتی۔“

”واہ مجھ سے بھلا کیوں ڈرتی؟“

”وہ آپ کے لئے دعا مانگتی ہے۔“

”چل بدعاش۔ بھلا مجھے کیسے معلوم ہے؟“

”جب میں سویا ہوا تھا۔ تو وہ کہہ رہی تھی خدایا ہم سب پر اپنا فضل کر اور مٹرا ایشرسٹ پر بھی۔ بڑی دھیمی آواز میں
انگ رہی تھی۔ میں نے خود اسے سنا ہے۔“

”تم بڑے بدعاش ہو۔ جو باتیں تمہیں خود بھی نہ سننی چاہئیں تمہیں وہ تم اصدوں کو سنار ہے ہو۔“

”اٹکا چھپکا ہو گیا اور پھر بڑے فز سے بولا۔“

”میں خود گمشدگی کی کھاں نکالتی ہوں۔ لیکن تو کھال اتارتی ہوئی، یکدم بھی نہیں سکتی۔ مجھے برا بھلا لگتا ہے۔“
”اچھا صاحب کو ہر جھانگتا ہے؟ جن کہیں کا؟“

”جن کیا ہوتا ہے؟“
”میں اسے کہتے ہیں جو دوسروں کو دکھ پہنچا کر نوست ہو۔“
”جو بڑے بڑے ہاتھ پر تیرا ہال کر کہا۔ جو ہر گھسٹیں ہم کھاتے ہیں وہ تو فرے ہوئے ہوتے ہیں؟“
”ٹھیک ہے۔ ایک میں معافی مانگتے ہوں۔“

”میں جینڈک کی کھال بھی اتار لیتا ہوں۔“
”لیکن اینٹرسٹ کسی سوچ میں نہ لگتا تھا۔“ خدا یا ہم سب پر بغل کر ادھر سٹرائیٹسٹ پر بھی نہ بلکے دیکھا کہ ابھی تو
ابھی خاصی باقی کر رہا تھا۔ ادھر اب جیسے کچھ سن ہی نہیں رہا۔ بہت حیران ہوا۔ کچھ کچھ میں۔ تو دوڑتا ہوا پھر زندگی پرچہ پہنچا جہاں
پھر دونوں نے مل کر منٹا اور غل پھانا شروع کر دیا۔
”جپ میٹن چائے لے کر آئی تو اینٹرسٹ نے پوچھا۔“

”میٹن۔ جیسی تو کیا چیز ہے؟“

”میٹن نے چونک کر سر اٹھایا۔“

”اس کا قدم بہت خوش ہے۔“

”تم بھوت پریت کو مانتی ہو۔؟“

”اللہ کبھی اس کی شکل نہ دکھائے۔“

”نظر کو بکرا آنے لگا۔ کچھ جوتوں نظر آئے۔ بڑے جم نے اپنی کسی ٹوک کو دیکھ لیا ہو گا۔“

”نہیں ان چٹانوں میں سمجھو توں کا ڈیرا ہے۔ یہاں ان لوگوں کے بھوت رہتے ہیں جو بہت عرصہ پہلے یہاں آباد تھے۔“

”تو بہت چلی تو نہ ہوئے نا؟ یہاں کے قدیم باشندے تو جیسوں کے آنے سے بہت عرصہ پہلے مر کھ گئے تھے۔“

”میٹن نے صرٹ اٹھا کر کہا۔ سب خوش ہیں۔“

”پھر کہیں؟ اداگر یہاں بھوت ہیں بھی تو خرگوشوں کی طرح اپنا جنگل میں رہتے ہیں۔ اب جنگل میں جو پھول لگتے ہیں وہ

مخوس ہوتے ہیں۔ یہ میدان کے درخت بھی تو سب خود رو ہیں۔ یہ تو مخوس نہیں اور بھوت مخوس ہو گئے؟ میں رات کو جنگل میں جا کر

اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ آؤں گا۔ بلکہ ان سے دو چار باتیں بھی کر آؤں گا۔“

”ارے نہیں! نہیں!؟“

”میں ضرور جاؤں گا اداگر اس چٹان پر بیٹوں کا جہاں ہوتا جیسا ہے۔“

”راکے نے اپنا اتھو جوڑ کر کہا۔ خدا کے لئے؟“

”پھر کہیں؟ اگر مجھے کچھ ہو بھی گیا تو کیا مضائقہ ہے؟“

”لڑکی نے کچھ جواب نہ دیا۔ ایئر سٹ پیار کے انداز میں دیا۔
 ”خیر میں جلدوں رحمانی ہوتی ہے۔ آخرب یہاں سے بھی آؤ جند کو چ کر ہارے گا۔“
 ”جلد“

”مہارسی خاں ہنرک تک مجھے رہنے دیں گی؟“
 ”ہم تو گرمیوں کے موسم میں ہیشہ کرے کر ایہ پردہ دیتے ہیں۔
 ایئر سٹ نے لڑکی کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔
 ”تم چاہتی ہو میں میٹر جاؤں؟“
 ”اں“

”تو آج رات میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔“

ایئر سٹ نے تمہارے لئے لفظ خاص زندہ دیا۔ میٹل کا چہرہ تمنا اٹھا۔ چہن بھیجیں کرے سے بلہر کل گئی۔ ایئر سٹ
 نے چائے کو ابھی اٹھ نہ لگایا تھا۔ بتیاں ابھی اچھی طرح بھیجی نہ تھیں۔ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا گیا۔ یہ کیا منہ سے نکل گیا؟
 میں نے کیا کیا؟ خوشنما بھولوں کو اپنے جوتے کی ٹھوک سے کچل ڈالا۔ میں بھی رابرٹ گارن کی طرح گدھا ہوں۔ شہر کا رہنے والا۔ کالج
 کا طالب علم۔ اس لڑکی کو کبھی سے بالکل قاصر!

(۴)

اگلے ہفتے ایئر سٹ کو یقین ہو گیا کہ اب گھنے کی تکلیف جاتی رہی۔ کیونکہ اس نے ارد گرد کے علاقہ کی خوب سیر کی۔ ایئر
 راب کے سال موسم بہار کی وہ کیفیتیں آشکارا ہوئیں کہ آنکھیں کھل گئیں۔ کبھی کسی پتھر کے سرخ و سفید شکوفوں کو جو گہرے نیلے آسمان
 کے باقاعدہ دھوپ میں کھلے ہوتے یا کبھی سکا پڑے تھوڑے تھوڑے ٹپوں کو جو تیز روشنی میں شیلے سلوم ہوتے تھے۔ ایک لڑکے عالم میں
 بیٹھا دیکھتا تھا۔ یا پھر جنگل میں لہرچ کے درختوں کا نظارہ کرتا۔ جو آگے ندم سے سہاکی ہو گئے تھے۔ نچلے ہٹنے کا لے کا لے تھے۔ اپنی کہانیوں
 میں کوئیں پھوٹ رہی تھیں جو آگے جھونکوں سے پھڑک اٹھتیں تو درخت میں ایک زندگی سی آجاتی۔ کبھی سڑک کے کنارے گھاس پر
 لیٹ جاتا۔ اگے بٹھنے کے پھولوں۔ گھولوں کو دیکھتا رہتا یا سونگے ہوئے سیرکین میں کھڑا ڈیڑھری کی گلابی گلابی گلابی کو سن کے آہار دیکھتا
 دیتا تھا۔ اگلیوں سے جھڑتا رہتا کبھی لگو چھپانے لگتے۔ کبھی ہنر دہ بول اٹھتے۔ کبھی آسمان کی بلندی سے کوئی لارک لپے گیت کے
 موتیوں کو قطروں کی طرح ایک ایک کے زمین پر پٹکا۔ بہاریں کئی دیکھی تھیں لیکن ان میں یہ بات نہ تھی۔ وہ بہار ہی ہنر و گل کی
 بہار ہی تھیں۔ یہ بہار دل کی بہار تھی۔ دن کے وقت گھر کے لوگوں سے ملنا کم ہوتا۔ جب بیگن کھانا لے کر آتی تو یا گھر کے کسی کام کا ج
 میں ہوتی یا اسے احاطے میں نچھتے جانوروں کی دیکھ سہال کر رہی ہوتی اس لئے ایک دو باتوں سے زیادہ نہ ٹھہرتی۔ لیکن شام
 کے وقت ایئر سٹ بلونچہ خانہ کی کھڑکی کے پاس بیٹھ جاتا۔ پانی سا لیتا لٹکاتے جم یا ستر پردہ کو صوب سے باتیں کرتا تھا۔ لڑکی مینا
 پردے مینا یا کھانے کے برتن مینا لٹی پھرتی۔ بعض دفعہ اسے یہ احساس ہوتا کہ مینا اپنی چٹکی چھٹی چھوڑی چھوڑی آنکھوں سے

جھٹکی کا مے مٹی مٹی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ اس سے عجیب سخت اہمیز سرت ہوئی۔ دل کی وہ کیفیت ہوئی جو ایک بلی کی ہوتی ہوگی۔ جب وہ سیاؤں سیاؤں کرتی ہے۔

ایک ہفتہ بھگدڑ گیا۔ اوار کے دن شام کے وقت ایئر سٹ باغیچے میں بیٹا ایک بڑی کا دوار پر کان لگائے ایک عشقہ نظر بند کر رہا تھا کہ اتنے میں چھانک کے بند ہونے کی آواز آئی۔ وہ دونوں کے پیچ میں آگے آگے لڑکی اور اس کے پیچھے چھ پرہ دل ہاں نکلاں وہ دہقان مہل کے نفسہ آئے۔ ایئر سٹ سے اس کے فاصلہ پر آکر لڑکی ٹھہر گئی۔ جو سبھی آپسچا دونوں آنے سے کھڑے ہو گئے۔ ایئر سٹ گھاس پر لیٹا ہوا تھا اس پر کسی کی نظر نہ پڑی۔ وہاں آگے بڑھا لید لڑکی سے پیچھے ہٹا ہئی لڑکی کے چہرہ پر طیش اور پریشانی تھی۔ لڑکے کا چہرہ کسی کو یہ معلوم تھا کہ اس دہقان کے فال چہرے پر بھی اتنا اضطراب تھا کہ پروکت ہے۔ ایئر سٹ کو یہ منظر دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ وہ ٹکھٹ اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں نے اسے دیکھا۔ لیکن نے اپنے ہاتھ دھبے چھوڑ دیئے اور ہنسی شتی ایک دھت کے ستے کیجیے جا کھڑی ہوئی۔ دھکا گھبرا کر کنارے کی طرف بھاگ بھلا۔ اور چھانک مار کر غائب ہو گیا۔ ایئر سٹ ۲۰ تہ ہستہ قدرہ اٹھا ہوا لڑکی کے پاس آیا۔ وہ حسن کی بریت جو ت کی دانوں میں دھائے مائل تہ بی کھڑی تھی۔ نظریں زمین دوز تھیں۔ ہاتھ سیاہ بال چہرے پر پریشانی تھی۔

ایئر سٹ سے کہہ: "میں سانی مانگتا ہوں"

لڑکی نے سر نیچا ڈالے پلکیں اٹھا کر کہنی چھٹی آنکھوں سے ایئر سٹ کو ک نظر دیکھا۔ ایک سسکی بھری اور مڑ کر علی دی۔

ایئر سٹ اس کے پیچھے گیا۔

لیکن:

لیکن وہ نہ لگی۔ ۲۰ تہ ایئر سٹ نے اس کا بارو بکڑیا۔ اور ہستہ سے سے چنی حوت ہوڑ کر گیا۔

• نہیر جادو۔ مجھ سے بات تو کر دو •

• آپ مجھ سے کیوں سانی مانگتے ہیں؟ مجھ سے سانی مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ •

• اچھا تو میں تو سے سانی مانگ لیتا ہوں •

• اسے میرے پیچھے آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ •

• تم پر عاشق ہو گا اور کیا؟ •

لڑکی نے زور سے پاؤں زمین پر ملا۔

ایئر سٹ ہنس دیا۔ "کہو تو میں اسے ڈانٹ دے؟"

لڑکی ٹکھٹ جذبہ سے بے زور ہو کر رونے لگی۔

• آپ مجھ سے دل لگی کر رہے ہیں۔ آپ ہم لوگوں کی منسی ڈراتے ہیں •

ایئر سٹ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ لیکن وہ پیچھے ہٹ گئی۔ چنی کہ اس کا تمنا یا ہا چھوٹا سا چہرہ اس کے پریشان

بال ایک سیب کے درخت کے گھائی شگروں میں جا گئے ایئر سٹ نے اس کا ایک ہاتھ اٹھا کر ہنٹوں سے لگا لید دل میں سوچا کہ

یہ حرکت کی تھی قدر کا۔ وہ آخر جو میرے منہ پر کت حیر ہے اور اس شخص اتنی بات سے پیدا ہوا کہ اس کو میرے ہاتھ کو ہونٹوں سے چھو لیا تھا۔ لیکن اس وقت تک ایسا مجھ کے کھڑی تختہ لیکن اب یکا یک تھوڑے کھڑے پانی ایئر سٹ کی طرف دھری۔
 نیچے نیچے سی حور است ایئر سٹ کے بدن میں سر سے پاؤں تک پھیل گئی کچھ گیا کہ اس بزرگ بدن بھولی بھالی مدنیز کو میرے ہونٹوں کے سس سے خوشی ہوئی ہے۔ جنت ہے تاب ہو کہ ہائیں اس کے گرد داخل دیں۔ اور سینے سے بیٹا لگا اس کا منہ چوم لیا۔ پھر کچھ ہم گیا۔
 لیکن کارنگ سند تھا؟ شخص سد تھیں۔ لمبی لمبی مسیماہ پلوں نے بے رنگ رخساروں پر صفت باندھ رکھی تھی ہے جان بازو ملوڈوں کے ساتھ لگے تھے۔ اس کے سینے کے سس سے ایئر سٹ کے بدن میں لپکی سی دوڑ گئی۔ ایک آہ بھر کر کہہ۔ لیکن سمجھ لے پی گرفت سے آزاد کر دیا۔ اس گہری خاموشی میں ایک بلیک بڑ چھپایا۔ پھر لڑائی نے ایئر سٹ کا ہاتھ منہ سے پکڑ لیا۔ پہلے رخسار پھر ہونٹوں سے لٹکایا۔ اور اسے دلوانہ وار چا اور پھر بھاگ کر سیب کے درختوں کے کائی فارتوں میں غائب ہو گئی۔

ایئر سٹ ایک پرانے ٹرے ٹرے درخت پر اس کی تھیں زمین کے ساتھ ساتھ پہیلی ہوئی تھیں منہ گیا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اور اس پریشان تھے۔ ان لگائی لگائی کیوں کو جن میں کی ایک کی کھل کر سفید ستارہ بن گئی تھی۔ ان ہونٹوں کو جنوں سے لیکن کے بالوں کے ارد گرد پھولوں کا ایک تاج کو نمدیا تھا۔ کھوئی کھوئی نظروں سے ٹکڑا جس کے ہاتھوں شکست کائی تھی باخدا جانے بہر کا جادو چل گیا تھا۔ ہر حال دل مسرت اور اس شخص سے لبریز تھا۔ ناگس اور بازو پھر کبھے تھے۔ کچھ سہا ہوا بھی تھا۔ یہ آواز ہے مگر کا ہے کا آواز؟ بچنے اسے کاٹ رہے تھے۔ پھر آواز کو اس کے منہ میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر اور بلیک بڑ چھپا رہے تھے۔ بیٹل ہنس رہے تھے سمجھ کی شعاعیں زمین کے موزاری چڑی تھیں۔ سیب کے شاخوں پہلے ہونے تھے اس کے چاروں طرف بہر کی کیفیات میں پہلے سے زیادہ حش اور پہلے سے زیادہ زندگی آگئی تھی۔ درخت کے تنے سے اٹھا اور باغیچے سے باہر نکل گیا۔ اسے کسی کھلی جگہ اور کھلے آسمان کی ضرورت تھی۔ جہاں چل کر اپنے جذبات سے مفاہمت کرے۔ اس نے جنگل کا رخ کیا۔ جھانسی میں سے ایک میگ پانی نے ایش کے درخت پر سے اڑ کر جنگل والوں کو اس کے ہونے کی خبر کر دی۔

جس شخص کی عمر پانچ سال سے زیادہ ہو۔ اس کے متعلق کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسے کبھی عشق نہیں ہوا جب دھن کی تعلیم لے رہا تھا تو جن کے ساتھ ناچتا تھا ان پر عاشق تھا۔ اسکو کی چھٹیوں میں کئی لڑکیوں پر عاشق ہوا۔ عشق کا لڑ جب ایک دفعہ چڑھنا شروع ہوا تو پھر شاید ہی کبھی اترا۔ جیتہ دکم و بیش دوسرے کسی نہ کسی کی پرستش کرتا رہا۔ لیکن یہ عشق سب سے زیادہ بڑا لگتا یہاں دوسری کا تو سوال ہی نہ تھا۔ یہاں تو بات ہی کچھ اور تھی۔ یہاں تو روح مسوت سے لبریز تھی۔ اور دل میں مردانگی کے تخیل پانے کا احساس تھا۔ ایسے جنگی پھول کو ہاتھوں میں تھامے رہنا جب دل چاہے اسے ہونٹوں سے لگالینا اور اسے خوشی کے لہرے کا پینے ہوئے عروس کرنا۔ اس میں کتنا سرور ہے۔ ہاں مگر اس سرور کے ساتھ ساتھ ایک الجھن بھی ہے۔ اس پھول کو آخر کرے کیا؟ وہ دیکھ اس لڑکی سے کس طرح لے؟ پہلا پیار تو کچھ ٹھنڈے دل سے کچھ ترس کھا کر کیا تھا؟ لیکن اب تو ایسا کرنا ممکن نہیں۔ اب تو جانتا ہے کہ اسے بھی کچھ سے عشق ہے کس جذبہ کے ساتھ اس نے میرے ہاتھ کو چوما تھا۔ کس جذبہ کے ساتھ اسے سینے سے لگایا تھا بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب انھیں خراج عشق ادا کیا جائے تو ان کی فطرت میں ایک گرہ لگی اچھائی ہے۔ لیکن ایئر سٹ ان لوگوں میں سے تھا جو مجبور ہیں کہ کھٹک جاتے ہیں۔ کسی کو گردیدہ دیکھ کر خود سمجھ ہو جاتے ہیں۔ ان کے جذبات میں گہری اور طبیعت میں گہرا پیدا

بھیٹتا ہے وہ فٹن کو ایک مجروحہ کہتے ہیں۔ جس سے ان کی فطرت میں ایک ملبہ پیدا ہو جاتا ہے۔
 لائبرٹس جنگل کے ٹیلوں کے پاس بیٹھا عجیب گنگش میں گرفتار تھا۔ دل کے اندر جو بہاؤ کھل گئی تھی اس کے مزے دینے
 کو بہت توجہ دیتا تھا۔ لیکن وہ اب بھی تھکاوٹ کا کس چیز سے لیکن نہ تھکاوٹ تھا۔ دل سے اتنا ایسی خوبصورت مڑکی بھرا ہوا چہرہ جھپکتی
 ہوئی آنکھیں اس کے دل پر فتح حاصل کر لیا یہ کیا کچھ کم فز کی بات ہے۔ اب غرض کہ اسے کچھ ہے۔ لیکن پھر ایک معنوی بخیدگی کے
 ساتھ سوچتا ہے۔ سب کچھ سہی۔ لیکن تم انجام سے پوری طرح واقف ہو۔ کچھ سے کام لو۔
 اپنے خیالات میں غوص کرنا کلام ہو گئی۔ چناؤں کے ترے ہوئے شاہی دماغ کے ذہیوں پر تاریکی چھ گئی۔ اور قدرت
 کی تکان لے لیا یہ تھارے لئے نئی دنیا ہے۔ جس طرح انسان گریوں کے برسم میں صبح چاند کے اٹھ کر باہر نکل جائے تو چاند پر ہلے
 ٹھہر کر دیکھتے ہیں۔ اور اسے محسوس ہوتا ہے گویا ہر چیز نئی ہے۔

وہ گھنٹیں وہاں بیٹھا رہا۔ لیکن جب سردی محسوس ہونے لگی تو اٹھا۔ پتھروں اور بید کی جڑوں سے پیرے راستہ ٹوٹا
 ہمارے سر پر پہنچا سرک کی پگڑی پر نکلا اور پھر غور کے بارہو ہوتا ہوا ایچے میں داخل ہوا۔ وہاں پونچ کر دیہاتی چھائی اور گھڑی کو
 دیکھا۔ بارہ بجے۔ داسے تھے! چھ گھنٹے پشیردن کی روشنی کچھ کچھ باقی تھی اور پردے چھپا رہے تھے۔ لیکن اب چاند اور صبح تلیج
 مسلط تھی اور کہیں بھی زندگی کے آثار نظر نہ آتے تھے۔ اور پھر اس نے بھگت اپنے عشق و دوستی کو پرتی لفظ نظر سے دیکھ کر
 میں اس گھاگ عورت یعنی مسز نیر کو سب کی زبردنی اس کی سانپ کی سی مڑی ہوئی گردن اس کی تیر سیاہ آنکھ سب باتوں کا ہاتھ
 لیتی ہوئی دکھائی دی۔ جیسی وضع لوگوں کے شہادت انسان کے ناشائستہ طعنے سائی دیتے۔ اکھر جو کا چہرہ عقد سے ال نظر
 آیا۔ صورت دکھ بھری آنکھوں والا لنگڑا جسم جو ایسا تھا جس کا بقدرت تکلیف دہ تھا۔ گارڈ کے شراب خانے میں کیا کیا ہو گئیں
 نہ پھل گئی۔ اور بھی عورتیں جنہیں اکثر سیر کے وقت سرک پر چلتے دیکھا تھا کیا کیا باتیں نہ بنائیں گی۔ اور پھر اس کے اپنے دوست
 کیا کہیں گے۔ رابرٹ مگرون تو رخصت ہونے وقت واقف تھا کہ انداز سے اور طرز کے ساتھ سکواہ تھا۔ اس کا دل گھٹ سے بھر گیا۔
 لمحے بھر کو اسے اس راسخ حسنہ زن دنیا سے نفرت ہو گئی جس میں انسان زندگی گزارنے پر مجبور ہے جس بھانپ کے سہانے کھڑا
 تھا۔ اس کی سیاہی مدھم رنگی۔ اور ایک لڑکی جھلک اس کے پاس سے گزرتی تھی۔ اور بھی میں پھیل گئی۔ چاند نکل آیا۔ لائبرٹس
 نے مڑ کر دیکھا۔ عجیب نظارہ تھا چاند کی لپٹ پر دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن عسرا اور قرعہ گول لائبرٹس نے گھر کی طرف تھم
 اٹھا۔ پگڑی پر ہات اور اور اور خفا سے سترے کی خوشبو آ رہی تھی۔ احاطے میں پوشی بڑے بڑے کالے دھتے سے معلوم
 ہوتے تھے۔ اس سیاہی میں کہیں کہیں ان کے پیلے پیلے سینگوں کے قوس دکھائی دیتے تھے جیسے آسمان سے ہلال و کون کے بل آگے
 ہوں گھر میں کہیں نہ شنی نظر آئی۔ دیے پاؤں ڈیوڑھی تک پہنچا اور ایک پر کے دھت کی تلیجی میں گم ہو کر میگوں کی کھڑکی کی طرف
 سر اٹھا کر دیکھا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ نہ معلوم میگوں سو رہی ہے یا اس کی جھانکی میں پریشان اور بے قرار کوئیں بدل رہی ہے۔ کھڑکی کو
 کھسکا۔ اٹھا کر ایک آؤ بولا۔ بجز زندگی کے ہلکے ہلکے مسلسل دستاویز شوش کے جلدوں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ آؤ کی آواز جیسے
 تلیجی میں گونجتی تھی۔ دن کو گلوں کا چھپتا تھا۔ راستہ کو آؤوں کا لونا۔ لائبرٹس کے دل کے سنگھڑوں کا ان سے بہتر ترجمان کون ہو سکتا
 ہے۔ دفعتاً میگوں نے کھڑکی کے باہر جھلکنا۔ لائبرٹس وہ خوں سے ڈرا ہوا یا اٹھا ہوا تلیجی آؤا۔ لیکن میگوں کچھ نہیں۔

غائب ہو گئی۔ پھر آئی بلکہ کبھی ایشرسٹ اس محلہ کے فلوہر بنوں کے بل آئے بڑھ سبز کڑی سے ٹھوکر لگی۔ دھنک لہا میگوں کے چہرے اور پچیلے ہونے باز دیں جو غرور دانش نظر آ رہے تھے کوئی حرکت نہ ہوئی۔ ایشرسٹ نے فکر کر کے سر ہلکا کر دیا اس کے ساتھ کھڑی رہ کر چپ چاپ اس پر بڑاؤں رکھ کر دیکھا۔ ہاتھ بڑھا کر میگوں تک جا پہنچا۔ میگوں کے ہاتھیں دروازہ کی ایک بڑی سی چابی تھی پھر اس کے گرم ہاتھ ٹھنڈی چابی سمیت زور سے پکڑ لیا میگوں کا چہرہ دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ ہر نون کے پنج میں دانستہ جگہ جگہ سے لہو پاشان تھے کپڑے اس نے بھی نہ تارے تھے۔ بے چاری ایشرسٹ کے انتظار میں جھٹی تھی۔ "خوبصورت میگوں؟ اس کی گرم گرم کمر بڑی اچھی ایشرسٹ کی آنکھوں سے پٹ گئیں۔ بشرے سے کھوئی کھوئی معلوم ہوتی تھی چہرے پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی اس کے چہرہ تک ہاتھ بوجھ جانا بھی کتنی خوش نصیبی ہے! آؤ پھر دلا۔ سوٹ برائڈ کی خوشبو ایشرسٹ کے نغزوں میں سما گئی۔ قدم کالیک کت بھونکا۔ میگوں کی آنکھیاں ڈھیلی پڑ گئیں اور وہ پیچھے ہٹ گئی۔

• گورنمنٹ میگوں؟

"گورنمنٹ جناب؟" وہ جلی گئی۔ ایشرسٹ آہ بھر کر نیچے اترا کر کسی پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ اس کے سوا اب کیا ہو سکتا ہے کہ چپ چاپ جا کر سو رہے۔ لیکن پھر بھی وہ بہت دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اس کے بازو اس میں ٹھنڈے ہو رہے تھے لیکن وہ نیم شب چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھیر رہا تھا۔ وہ گرم آنکھیاں۔ اسے یاد آ رہی تھیں جو چابی اس کی تھپی میں دبا کر اس کے ہاتھ کو پٹ گئی تھیں۔ اور ایشرسٹ پر ایک لڑ سا چھایا ہوا تھا۔

(۵)

رات کو سوہو کا ہی سو گیا تھا۔ لیکن صبح اٹھا تو طبیعت میں گرائی تھی۔ جیسے رات کو کھانا پیٹ بھر کر کھایا ہو۔ گل کی سرگزشت عشق برسوں پہلے کی ایک کہانی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اس دن پھر صبح میں ایک عجیب سی دلگیری تھی۔ بہار کا موسم آج پورے جون پر تھا۔ راتوں رات بھری بھول تمام مرغزار پر چھا گئے تھے۔ ادھر کھڑکی میں سے باغ و سیب کے شگونیوں سے دھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ جیسے کسی نے گلہابی اور سفید رنگ کا لباس پہن لیا ہو۔ جب ایشرسٹ نیچے اترا تو دل ڈر سا رہا تھا کہ میگوں سے سامنا نہ ہو جائے لیکن جب اس کا ناشتہ میگوں کے بجائے مندرجہ کو مبل لے کر آئی تو ایشرسٹ کو ناگوار گذرا۔ ادھیڑی ہوئی۔ آج مندرجہ کو مبل کی تیز آنکھ اور سانپ کی سی گردن پہلے سے بھی زیادہ چمکنا تھی۔ اسے کہیں معلوم تو نہیں ہو گیا؟

• اچھا میٹر ایشرسٹ۔ رات آپ گویا چاند کے ساتھ ساتھ سیر کرتے رہے۔ کھا بھی کیس کھایا یا نہیں؟

ایشرسٹ نے سر ہلا دیا۔

"ہم نے تو آپ کے لئے کھانا رکھ چھوڑا تھا لیکن میں جانوں آپ کا داغ آنا نہ صرف تھا کہ کھانے کا خیال بھی نہ آیا ہو گا؟"

کیا وہ اپنے دلیز کے لیے میں جس پر کیم کی بولی بہت غالب آتی تھی؟ اس کا مذاق اڑا رہی تھی؟ اگر اسے اس بات کا علم ہو جاتے تو کیا! ایشرسٹ نے اس وقت دل سے کہا: "نہیں ہیں میں یہاں سے چلا جانی گا؟"

لیکن ہمشو کو چھلکے کے بعد میٹھ سے لے کر ناٹن پر ٹوڑی گئی۔ دل میں ہوتا تھا کہ کہیں کسی نے اس سے ایسی دیکھ
بت نہ کی ہو جس سے سب بنانا کھیل بھول جائے۔ تاہم حال میں کچھ کھانا کھا کر دے جوڑی سے اس نے فکری ملک نہیں نکلا
وہ حشیہ نظم جو کل سر پر کوسیب کے درختوں کے نیچے اس پر اس قدر چھاتی ہوئی تھی اب اسے اتنی پسلی معلوم ہوئی کہ مستودہ
سجھاؤ تھا اس کی بتیاں بنانا کہ اس نے پاپ سٹگایا اس تھا کہ کڑا کر چوم لینے سے پہلے وہ عشق کی۔ مڑوں سے بے خبر تھا۔
ادب و کوئی بھی کیفیت ایسی نہیں جس سے وہ بے خبر ہو۔ لیکن ان کیفیات کو نظم کرنا گویا پانی کی ہری گت ہے۔ ایک کتاب
لانے کو سنے کے کرے میں گہا۔ وہاں پینچا تو دل زور زور سے دھڑکے لگا۔ میٹھ میں کابستر لگا رہی تھی۔ ایئر سٹ مڈوازہ
میں کھڑا ہے۔ دیکھتا ہے۔ میٹھ نے جھبک کر تکیے کو عین اس کی جگہ پر جہاں ایئر سٹ کے سر رکھنے سے بیک گیا تھا چوم لیا۔
ایئر سٹ کے دل میں پھلت مروت کا ایک طوفان جا ہوا۔ اب اس پر کس طرح ظاہر کرے کہ میں نے دیکھ لیا ہے۔ اگر دے
بلوں واپس لوٹ گیا اور اس نے آہٹ سن پائی تو اور بھی بڑا ہو گا۔ میٹھ نے جیسے کہ ہاتھ میں اٹھایا۔ معلوم ہوتا تھا کہ زبرد
کے نقش کو مٹانا نہیں چاہتی۔ پھر اسے نیچے رکھ دیا۔ اور دروازہ کی طرف مڑی۔

میٹھ۔
ڑکی نے چونک کر اپنے ہاتھ داخلہ دیں پر رکھ لئے۔ میٹھ اس کی آنکھیں ایئر سٹ کے آگیا۔ دیکھ۔ ہی تھیں ایئر
کو ان چھلکی ہوئی آنکھوں کی گہرائی پاکیزگی ادا ان میں رقت انگیز دھماکی جھلک۔ ان کا اس قدر احساس پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔
رک رک کر بولا۔

• دلت تم میرے انتظار میں بیٹھی رہیں۔ میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟
ڑکی کچھ نہ بولی۔

• میں رات جنگل میں بدھ اُدھر پھر تار۔ بڑا سہانا وقت تھا۔ اب میں۔ میں کتب لینے اور آیا تھا۔
میٹھ کا وہ تکیہ کو دوسرے دینا یاد آیا۔ ہمت بڑھی۔ دل میں ایک جوش سا اٹھا۔ قریب آیا اور اس کی آنکھیں چوم
لیں۔ رگوں میں خون تیز تر دوڑنے لگا۔ دل نے کہا۔ • اب تباہ کل جو کچھ ہوا تھا۔ وہ تو نہ تیر۔ خطرہ کی حالت میں سرزد
ہوا تھا۔ لیکن اب؟ اب کس منہ سے کہو گے کہ۔۔۔۔۔ ڑکی نے اپنا ہاتھ جو ٹوٹل سے ہلک رکھا۔ ایئر سٹ کے ہوشیہ کھینچ کر
گئے ادا آخر کلا میٹھ کے جو ٹوٹل سے جاٹے۔ غر بھر میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی کو مکمل احساس عشق کے ساتھ چوم ہو۔ برہمن جس
میں کیف آئے نہ تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک مصیبت سی بھی تھی اس سے دونوں میں سے کس کا دل زیادہ تڑپا ہو گا؟

• رات کو جب سب لوگ سو جائیں تو اس بڑے سے سیب کے درخت کے پاس ملنا۔ میٹھ وعدہ کرو۔
میٹھ نے بڑی دھیمی آواز میں کہا۔ • میں وعدہ کرتی ہوں؟

میٹھ کا رنگ فنی تھا۔ ایئر سٹ نے کچھ اسے دیکھ کر کچھ اس سے وعدہ پر غور کیا۔ ہم گئی۔ ڑکی کو چھوڑ کر خلی منزل
میں آیا۔ جانتا تھا کہ اب کچھ نہیں ہٹ سکتا اس کے عشق کو قبل کر لیا۔ اپنا حشیہ ظاہر کر دیا۔ اب باقی کیدہ گیا ہے۔ اب کتب
ہاتھ بھول ہی گیا تھا۔ خالی ہاتھ میں ہنر کر کے پر جا بیٹھا اس کے سامنے اس کے قدم لے لوگ کلام کالج میں ختم تھے۔ تین

ایشرسٹ کی نظریں بہوت تھیں۔ اتر اچھو ہوا تھا۔ بچتا بھی رہا تھا۔ معلوم کتنی دیر لوہی بٹھا رہا اور پھر جو دیکھا تو دائیں ہاتھ کوٹھا چھپے بٹ کر جو کھڑا تھا۔ صاف معلوم ہوا تھا کہ کیت پر سے ابھی ابھی لوہا ہے۔ جسم کا پوچھ کبھی اس ہانگ پر فائدہ پہنچا بھی اس ہانگ پر۔ چہرے کا رنگ دُوبے سورج کی مانند تھانہ نلی قیس کی آستینیں چڑھ کر کھلی تھیں۔ بازوؤں کی رنگت اور تنگ کچے ہوئے آزدوں کی مانند تھی۔ دل لال ہونٹ کھلے ہوئے تھے اور سانس دھونکنی کی طرح سٹھائی دیتا تھا۔ نلی نلی ہاتھیں سن لکی ہی پٹکیں۔ نظریں ایشرسٹ کے چہرے پر گاڑ رکھی تھیں۔ ایشرسٹ نے طنز سے پوچھا۔

”کیوں جو۔ کوئی خاصت میرے لئے؟“

”اے“

”کیا؟“

”تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ہیں تمہاری ضرورت نہیں؟“

ایشرسٹ پہلے ہی کون سا مسکین صورت تھا۔ ادب تو وہ اب بھی تن کر رہا۔

”تمہاری بڑی اہم بات ہے لیکن میں خدائی وسوسہ نہ بننے کو کس نے کہا؟“

جو ایک دھندلے آگے بٹھا۔ معنی نوجوانوں کے پسینے کی بو ایشرسٹ کے نچھوڑ کر ناگوار گزری۔

”تم یہاں کیوں ٹھہرے ہو؟“

”میری مرضی؟“

”چند باکی استری ہو گئی تو مرضی مرضی سب بھول جائے گی؟“

”تو تمہارا ہاتھ کس نے روکا ہے؟“

”جوتے کچھ نہ کہا۔ صحت سانس مار بھی تیز ہو گیا۔ جوان اور پھرے ہوئے ساند کی طرح آنکھوں سے آگ برسنے لگی

خفہ سے مارے چہرے کے پٹھے اٹھ گئے۔

”سینک میں نہیں چاہتی؟“

”اکھڑ۔ بد تمیز دھقان کی یہ بات سنکر ایشرسٹ کے سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی۔ حرمت اور غصہ اٹھ رہا

ہے۔ گولا ہو گیا۔ اپنے آپ پر قابض نہ رہا۔ یکھٹ اٹھا کر سی پیچے کو دھکیل دیا اور بولا۔

”ایسی کی ایسی تمہاری؟“

”یہ الفاظ منہ سے نکلے تو سامنے سینک نظر پڑی۔ بادی رنگ کھٹکے کا پلاؤ دیں اٹھائے دروازہ ہی کھڑی تھی۔ جلدی سے پاس آئی اور بولی۔

”دیکھو اس کی آنکھیں نیلی ہیں؟“

”جو چل دیا۔ گردن کا رنگ پچ پچ زری ہوا تھا!“

ایشرسٹ نے کتے کے ہونٹوں کو پیار سے چھیڑا۔ کتا بڑے مزے سے میزنگ کی مانند ہوتا نا نہ ہٹے ہوئے سے

لو میں لیٹا ہوا تھا۔

”یہ ابھی سے تمہیں پیار کرنے لگا ہے کبھی تم سے پیار کرتے ہیں۔“

”جو آپ سے کیا کہہ رہا تھا؟“

”کہنا تھا تم یہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن کو تمہاری ضرورت نہیں۔“

”اُنکی نے ہاؤس زور سے زمین پر مارا۔ پھر؟“ ”نکھ اٹھا کر ایک بکارن کی نظروں سے ایئر سٹ کو دیکھا۔ ایئر سٹ کانپٹھا

سٹے کے پر جھٹکے دیکھ لے ہوں۔“

”نہیں! سر جھکا کر گئے کو پیار کیا اور اس کے موٹے بازے جسم سے چہرہ ٹھلنے اندھ چلی گئی۔“

ایئر سٹ بگڑ نڈی کے ساتھ ساتھ چل دیا۔ مرغزار کے بھاگ پر وہ سنگڑا آدی۔ ”گھٹیں جڑا ہوا تھا ایئر سٹ بگڑ

”جسم بڑا اچھا محسوس ہے۔“

”گھاس کے لئے بہت اچھا ہے۔ اس لئے اوک کے درخت ایش کے درختوں سے پہلے ہرے ہوں گے۔ مثلاً ہے

اوک کے درخت ایش سے پہلے۔“

ایئر سٹ نے یونہی پوچھا۔ ”جسم جب نہیں جیتی ہو، نظر آیا تھا تو تم کہاں کھڑے تھے۔؟“

”بس اس رٹے سبب کے درخت کے نیچے کچھ لیجئے۔“

”کیا واقعہ بھی کچھ تھا یا یونہی؟“

”اب یہ تو خدا جالے۔ کم از کم مجھے یہی معلوم ہوا کہ کھڑا ہے۔“

”یہ تو آتا کیوں ہے؟“

”نکڑے آدی نے دیسی آواز میں کہا۔“

”کسی کی برائی نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن کہتے ہیں کہ مشرزد کو مس نسل کا جیتی تھا۔ آپ جلتے ہی کہ جیتی لوگ

”کے آدی کو ہاتھ سے جالے نہیں دیتے۔ انہیں کسی نہ کسی طرح خبر ہو چکی ہوگی کہ مشرزد کو مس کرنے والا ہے۔ چنانچہ اٹھا

ت کو بھید یا کہ جلد تم پاس ہو۔۔۔ میں وہی سمجھتا ہوں۔“

”دیکھئے میں کیسا تھا؟“

”چہرے پر بال ہی بال۔ یوں چلتا تھا جیسے ہاتھ میں فڈل اٹھا رکھا ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں بھوت پریت سب

ہے۔ لیکن صاحب اندھیری رات میں اس کہتے کے جسم پر روئے کھڑے ہوئے تو میں نے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں۔ خود چکا؟

”رت نظر آیا ہو۔“

”چاند نکلا ہوا تھا؟“

”کوئی بارہوی تیرھوی رات تھی۔ چاند ابھی اٹھی چکا تھا۔ اور اللہ خوں کے چپے سہری دکھائی دے

• ہمار خیال ہے بہت خوش ہوتے ہیں:

شکڑے کوئی نے اپنی ڈپٹی پچھپھری اور پانچھپنی نظروں سے ایئر سٹ کو اندر بھی فر سے دیکھنے لگا۔

• صاحب یہ تو خدا جانتا ہے لیکن ہر بہت ہیں مارے مارے کیل بہتے ہیں یہ کہتا ہوں کہ خدا کے ان بھیدوں کو

ہر کی جانیں۔ سبھی لوگوں کو کچھ نظر آتا ہے بعض کو نہیں آتا۔ اب ہمارے جو کواہارے لوگوں کو کچھ سلسلے کی چیز دکھائی دیتی ہے لیکن سینگ کی نظر کی مجال جو کبھی جوک جائے۔ جو ہر گھر دکھائی دے گا۔ بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی نظر آئے گا:

• دوسرے ہے کہ وہ حساس ہے:

• کیا مطلب؟

• میرا مطلب ہے وہ ہر چیز کو عکس کرتی ہے:

• یہ سچ ہے۔ سینگ کا دل بڑا نرم ہے:

ایئر سٹ کو اپنے چہرے پر نمونہ دور تا دور عکس ہوا۔ مٹا کو کی تصویر آگے برسادی۔ • لو پائپ بھرو:

• تحقیقی حصہ بس لاکھوں میں ایک ہے یہ لڑکی:

ایئر سٹ نے جواب میں مختصر سا فقرہ کہا۔ تحقیقی ہیٹ لی اور چل دیا۔

• اس کا دل نرم ہے۔ بجا لیکن ہیں بھلا کس فکر میں ہوں۔ میری نیت کیا ہے۔ اور ادھر کھیتوں میں گھومتا ہوا۔

لیکن اس خیال نے پچھانہ چھوڑا۔ کھیتوں میں بڑے کپے کے پھول آگ۔ ہر تھکے اور فال رنگ کے پھولے گھاس چر رہے تھے۔

ہمان پر اباسین اڑ رہی تھیں۔ واقعی ایش کے درخت ابھی ہرے نہ ہوئے تھے۔ لیکن اوک کے درختوں پر بھورے بھورے

سنہری پھول کھل رہے تھے۔ ہر درخت کا رنگ جدا تھا۔ کسی کی انھی جوائی تھی۔ کوئی اپنے بھورے جوبن پر تھکے لکڑا ہوا ہزار ہا

پر تھکے چھپا رہے تھے۔ چھوٹی چھوٹی تندیوں کا پانی دکھ رہا تھا۔ قدیم زمانے کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ عیش و عشرت کا

نما آئے اللہ ہے..... باغ جنت میں..... ایک بھڑاس کی آستین پر آجیٹی۔ ایک بھڑے دو ہزار بھڑاس پیدا ہوتی ہیں اور

ایک بھڑا مار ڈالو تو گویا جو سب ان شگروں سے آگیں گے۔ وہ دو ہزار بھڑوں کی دستبرد سے محفوظ ہو جائیں گے۔ ہر کون الیا

سنگدل ہو گا جو ایسے خوشگوار موسم میں کسی کی بھی جان لے سکے۔ ایک کھیت میں سرخ رنگ کا ایک جوان سا بھڑا تھا بلکہ

لے لے دیکھا تو جی شل یاد آئی۔ لیکن ساڈلے ایئر سٹ سے کچھ فرض نہ کیا۔ شاید یہ بہت قد کا قد خدا کی اس سنہری چہرہ کا

کی خوبصورتی اور موسیقی سے مست تھا۔ ایئر سٹ نے کھٹے ندی کے پاس ڈھلوان پر جا پہنچا۔ سلسلے ایک پہاڑی چٹانوں کا

تاج پہنے کھڑی تھی۔ بلو بل اس کثرت سے آگ سے تھے کہ ذہن پر ایک نیلی سی دھند چھا گئی تھی۔ اور سیب کے کوئی بیس جڑ

شگروں سے لڑے کھڑے تھے۔ ایئر سٹ گھاس پر لیٹ گیا۔ کھیتوں کے منظر پر اوک کے درختوں اور بڑے بھڑوں کا

سنہری رنگ چڑھا ہوا تھا۔ لیکن یہاں ثیا لے رنگ کی پہاڑی کے دامن میں تو جیسے اسلوا کا حسن زمین پر اتر گیا تھا۔ ایئر سٹ اس

زنگ کو دیکھ کر جو بہت تھک لگوں کا چھپاٹا انداز کا شہدائتہ دیکھ ہی سناں لے رہا تھا بہت دور تک لیٹا رہا۔ شہد کی کیل

کے سوا اور کوئی شائق نہ تھا۔ سورج نے رفتہ رفتہ اپنا رخ بدل لیا اور سیب کے درختوں کے سلسے بلو بل کے پھولوں پر پڑنے

جہاں ہر ساعت پیر پانا تھا کئی بیٹیوں کے پیچے پر پناہ کوہ رک گیا۔ ہر کان لگا کر سننے لگا۔ وہی اہل بیت اب بھی مٹی کی مسمیٰ تھیں۔ اور نیم خوابیدہ سندھ دھیمی آواز میں ذکر کر رہے تھے۔ اس کے سہ سے تھ کی کھودی کا ڈیوڑھی سے اس کے کھنکھ کی نوبت ہو چکی کیا وہ آئے گی؟ کیا سچ پچ؟ تھر تھراتے ہوئے کھبیاں تاب دہ خوں کے درمیان اس کے دل پر ہر طرح کی بگاتی بے معاملہ کر لیا۔ سید کی کوئی شے بھی اس دنیا کی محکم ہوئی تھی یقیناً یہ مقام خانی عاشقوں کے لئے ہے۔ ایشرسٹ اس دہقانی لڑکی کے لئے نہیں۔ صرف دیوتاؤں اور دیویوں کے لئے بنا ہے۔ اگر وہ ذاتی تو کی طبیعت کی ایک اہل بیت ایک مٹی کی ہر احساس نہ ہو گا؟ لیکن پھر بھی اس کے کان اس کی آہٹ سننے کے منتظر تھے۔ وہ معلوم پرندہ مستعد بہت مہربان تھا۔ اس نے ایک نئی سندہ بہت سستی دے دیا تھا۔ اور دخت کی بیٹیوں میں جو بس چاند کی کو بھاگ رہا تھا۔ کچھ کچھ ہر چوٹوں کے ساتھ معلوم ہوتا تھا ہر لحظہ زندہ ترہتے جا رہے ہیں۔ ان کا ہر سر ہر تقری حسن بھی ایشرسٹ کی بے تابی کا ایک جزو بنا جا رہا تھا۔ اس نے ایک نئی جن پرین شگونے کھیل رہے تھے۔ توڑی پھل دلدہ خوں کے شگوفوں کو نرم۔ پاکیزہ۔ مقدس۔ ویز شگونوں کو توڑنا وہ پھر پھینک دینا کیا یہ گنہ غنیم نہیں؟ بکھرت بھاگ کھنڈ ہونے کی آواز آئی۔ سوز پھر جاگ اٹھے اور ڈکرائے بیٹے۔ ایشرسٹ دخت کے ساتھ سہارا لگا لے کھڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بچے کا ڈیوڑھی کے گرد بایں تھے۔ مگر کو دیکھ کر آہستہ سے دھمک دیا۔ اس کی خاموش رفتاری ایک پری کی تھی جو دہ خوں کے پچ میں پھر رہی ہو۔ جب قریب پہنچی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا تاریک جسم ایک چھوٹے سے درخت کا حصہ ہے۔ اس کا سفید چہرہ شگونوں میں ایک شگوفہ ہے وہ چپ چاپ ایشرسٹ کی حرکت دیکھ رہی تھی۔ ایشرسٹ نے دھیمی آواز میں کہا "میں؟" اس کا ہاتھ بڑھائے وہ سیدھی دھڑکاس کے سینے سے آگئی۔ جب اس کا دل اپنے دل کے ساتھ دھڑکا ہوا محسوس کیا تو ایشرسٹ نے اپنے دل کو توڑیںواں اور دوزخ سے بھر پایا۔ چونکہ وہ اس دنیا کی نہ تھی۔ نہ وہاں تھی۔ معلوم تھی۔ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار تھی۔ عشق میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لہ کسی طرح اپنی حفاظت نہ کر سکتی تھی۔ اس تاریکی میں اس کا غلط نہ بنے تو ایہ کیا کہے؟ مگر چونکہ وہ بہتر جن اور بگاتی تھی۔ اور زندہ شگونوں کی طرح ہر طرح کی اس مات کا ایک جزو تھی۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ دے دے سب کا سب قبول کر لے۔ لہ لکھنے کی پلہ اور پلہ کی پلہ دونوں کی پھیل نہ کرے؟ یہ دو جذبے اپنی اپنی طرف اسے کھینچ رہے تھے۔ لڑکی کو زور سے سینے کے ساتھ لگا یا بعد اس کے باہوں کو بوسہ دیا۔ کچھ معلوم نہ ہوا کہ کتنی دیر دونوں یہی خاموش رہے۔ ہاں کھڑے رہے۔ ندی بڑھتی رہی۔ آواز بڑھتی رہی۔ چاند چمک چمک چمک رہا۔ سفید چمک چمک رہا۔ لکھنے کے اندر شگونے زندہ جن کے دل کی دھڑکن سے اب بھی جگ اٹھے۔ ہونٹوں کے وصل نے گفتگو کے مدد سے بند کر رکھے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گفتگو کا میاں کوئی کام نہیں۔ بیاد صرت سر راتی ہے۔ اور سرگوشیاں کوئی تہ ہے۔ بہار بولتی نہیں۔ لیکن بہار کے کچھ ہر بے بول چھوٹی ہوئی کوئلیں۔ ندیوں کی مسک بگائی۔ ان کی خوش آہنگ دالہا نہ تجویہ تقریر و گفتار سے کہیں بڑھ کر نہیں۔ اسی طرح ہمار بعض اوقات زندہ بھی ہو جاتی ہے۔ اور ایک ہمارا سحر کی طرح دہ عاشقوں کے پاس کھڑی ہو کر ان دونوں کے گرد اپنی ہائیں ڈال دیتی ہے۔ اپنی انگلیوں کے مس سے ان پر اپنا جادو پھیر دیتی ہے۔ اور پھر وہ ہونٹوں سے ہونٹ بلائے پھر اس بوسے کے سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ جب لیکن کادل اس کے دل کے ساتھ دھڑک رہا تھا اور لیکن کے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر چمک رہے تھے۔ ایشرسٹ کے دل کو بستی کی سرسرت کے سوا اور کوئی احساس نہ تھا۔ قسمت ہی یہی لکھا تھا کہ وہ اس کی ہونٹوں کو زندہ بننے کے لئے جس کا ہاں کو دے

سکتا ہے؟ لیکن جب سانس لینے کو ان کے ہونٹ جھاپسے تو دلی فضا حائل ہوئی۔ اہلہ عشق کا جذبہ اب پہلے سے زیادہ موہ رہا تھا۔ ایشرسٹ نے آہ بھر کر کہا۔

”لو میگن۔ تم کون آئیں؟“

میگن نے نظراٹھائی۔ کچھ حیران تھی۔ کچھ حیرت

”جناب آپ ہی نے بلایا تھا؟“

”میری جان لیجئے۔ جنب نہ ہو۔“

”تو پھر کیا کہوں؟“

”فرینک؟“

”میں نہیں کہہ سکتی ہرگز نہیں؟“

”تو کیا کہتیں مجھ سے محبت نہیں؟“

”دل پر میرا زندہ نہیں۔ یہاں ہمیشہ آپ کے پاس۔ بنا چاہتی ہوں اور بس۔“

”بس۔“

”مجھے آواز میں جو مشکل سنائی دیتی تھی۔ میگن نے کہا۔“

”آپ کے پاس نہ سنی تھی تو میں ہرجاؤں گی؟“

ایشرسٹ نے ایک لمبا سانس لیا۔

”تو آؤ پھر میرے پاس آؤ۔“

”اوہ۔“

”اس اوہ میں جو ڈرامہ سرت تھی۔ اس سے ایشرسٹ پر نیک نظر بھا گیا۔ ”مجھے آواز میں آگ۔“

”میں نہیں لندن لے چلوں گا۔ میں نہیں سب دنیا کی سیر کر اؤں گا۔ لو میگن میں تم کھانا ہوں کہیں ہر طرح تباہ

خیال رکھوں گا۔ کبھی تم سے درستی کے ساتھ پیش نہ آؤں گا۔“

”اگر میں آپ کے پاس رہ سکوں تو یہی کافی ہے؟“

ایشرسٹ نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

”کل میں لڑکی جھاؤں گا۔ ادھر ہاں سے پیپ لے کر تمہارے لئے کپڑے خریدوں گا۔ ان کپڑوں میں وہ خداداد نمائش

کریں گے۔ پھر ہم چپکے سے لندن چلے جائیں گے۔ اور وہاں پونجی کر اگر نہیں مجھ سے محبت ہوئی تو شادی کریں گے۔“

میگن کے بالوں کی تھر تھر ہٹ سے اس کے سر کی جنبش کا پتہ چلتا تھا۔

”نہیں نہیں میں یہ نہیں کر سکتی۔ میں موت آپ کے پاس نہ بنا چاہتی ہوں۔“

اپنی ہوا آنگی سے خود ہی مسکرا کر ایشرسٹ نے کہا۔

”نہیں بلکہ تمہارا مقابل نہیں۔ لیکن میں مجھ سے جمع کب پیدا ہوئی؟“
 ”جب میں نے آپ کو سر پر رکھ دیکھا اور مجھ سے بھرپور دعا ڈالی پہلی ہی مدت مجھے آپ سے محبت ہو گئی تھی۔“
 ”یہ وہی ہے؟“ ”آپ کا آپ مجھے چاہیں گے؟“
 ”محبت گھنٹوں کے قریب کر ایشرسٹ کے پاؤں جوڑے تھی۔“
 ”ایشرسٹ کا آپ اٹھا فوراً اسکاٹھالیا اور بیچ کر گھر سے لگایا۔ بہت پریشان ہو گیا تھا اس نے کچھ ہلکا سا
 لیکن نے کہا۔ ”آپ مجھے جوڑنے کیوں نہیں دیتے؟“
 ”مجھے تمہارے پاؤں جوڑنے چاہئیں؟“
 ”میں کی سہراہٹ سے ایشرسٹ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ چاند کی مدد سے ایشرسٹ کے قریب لیکن کے چہرے
 کی سفیدی اسی کے کھلے ہوئے ہونٹوں کا لہکا لہکا ہوا رنگ۔ ان میں سب کے شکرزوں کا سداوندہ فیوضی جن تھا۔
 اور پھر کھلتی لیکن نے شکریں بھار کر دیکھے ہٹے انداز میں سامنے دیکھ کر کسا کر اس کی آنکھوں سے اپنا ہاتھ ہٹا دیا۔“

”وہ دیکھو۔“

ایشرسٹ کو روشن مٹی کے ہلکے ہنری رنگ کے چمکے ہوئے پنجے کے درختوں اور ان کے پچھے چاندنی میں اس پر مٹی کے
 سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ چمچے سے اس کو لیکن کی بھی ہوئی اٹھارہ سانی دیا۔
 ”جیسی ہو؟“
 ”کہاں؟“

”وہ درختوں کے نیچے پتھر کے پاس۔“

ایشرسٹ نے براؤن ہو کر ندی کو بھاٹا اور بیچ کے درختوں کی طرف چلا۔ چاندنی کا فریب ہے! کچھ بھی نہیں اچھا
 اور تھارن کے درختوں کے بیچ میں بڑبڑاتا، اور لہتی بھیجتا اور ادھر ادھر بھاگتا اور ٹھوکریں کھٹا پھرا۔ تاہم ایشرسٹ نے ایشرسٹ کے
 درخت کے پاس گیا لیکن وہ جا چکی تھی۔ اسے ایک سرسراہٹ سڑوں کے ڈگوانے اور پھاٹک کے ہند ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ
 چلی گئی۔ صرف وہ پرانا سیب کا درخت وہاں رہ گیا۔ اس نے اپنی بائیں تنے کے گرد ڈال دیں۔ کہاں اس کا نرم جسم کہاں یہ محبت
 تناؤ؟ کھر دی کا لی اس کے چہرے کو چھو ہی تھی۔ کہاں اس کا کھر سا پن۔ کہاں اس کا نرم رخسار؟ صوفیہ جگ کی خوشبو۔ کم
 بیش دیسی تھی۔ اداس کے اداس کے اندر گر دسٹو کرنے پہلے سے زیادہ زندہ۔ چاندنی میں پہلے سے زیادہ روشن۔ دیکھتے اور
 سانس لیتے معلوم ہوتے تھے۔

(۷)

”لہذا اسٹیشن پر۔“ ”لی۔“ ”آکر ایشرسٹ نے سمندر کا رخ کیا اور ساحل کے ساتھ ساتھ ایک ایک کر ٹہلے رہا۔“

اچھے اور کچھ اچھے تعلقات کی اس لکڑی میں بھی طرح وافر تھا۔ پہلے اس کا چنداں خیال نہ تھا اس لئے اسے اس بات کا احساس نہ ہوا کہ یہاں کے باشندے اسے خوب کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ ایک موٹی سی نارنگ جیکٹ، گڑا کھڑا پٹ، اور کچھ چٹائی ڈپٹی پہنے لے لے قدم اٹھائے چلا چلا تھا اس بات سے کھنچے جگر لوگ اس بات کو حیرت سے منگ رہے ہیں۔ اس کا بیگ منٹ میں تھا لیکن وہ اس تلاش میں تھا کہ یہاں اس کی کوئی سا رخ ہو تو ہیں سے روپیہ نکالے۔ جب تک میں پہنچا تو اس کے خوشگوار خیالات کو سپرد چھوڑا۔ انہوں نے بوجھا آب لڑکی میں کسی کو جانتے ہیں؟ جواب ملا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ لندن تار بچید مجھے۔ وہاں سے جواب آئے گا تو ہم بڑی خوشی سے روپیہ ادا کر دیں گے۔ خوش کار وباری دنیا کے مشہور سائنس نے اس کے دوشاں تعورات کو دھندلا کر دیا۔ لیکن تار اس نے بھجوا دیا

ناگھنے کے سامنے عورتوں کے لمبوسات کی ایک دوکان نظر پڑی۔ کتنے کھڑکی میں شے ہوئے کپڑوں کو انوکھے پن کے احساس کے ساتھ دیکھا۔ اپنی جوبہ دہقان کے لئے کپڑے خریدنا خاصا پریشان کن ثابت ہوا۔ دوکان کے اندر گیا ایک جوان عورت سامنے آئی۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور ماتھے پر خا صے خوب کے ہند تھے۔ ایئر سٹ غیر کچھ بولے اسے ٹکڑا۔

”کہئے جناب؟“

”مجھے ایک نو جوان خاتون کے لئے لباس خریدنا ہے۔“

”نو جوان عورت مسکرا دی۔ ایئر سٹ نے کچھ پر تیوری ڈالی۔ پلخت اور بڑھندہ سے اس بات کا احساس ہوا کہ یہ تلاش انوکھی فرمائش ہے۔“

”نو جوان عورت نے جلدی سے کہا

”کس قسم کا لباس چاہئے آپ کو؟ بہت دھندلا؟“

”نہیں مسید حاسادا“

”یہ نو جوان خاتون کس تہ کی ہیں؟“

”معلوم نہیں۔ بس تم سے دعا ہے چھوٹی ہوں گی؟“

”مگر کاتاپ آپ مجھے جتا سکتے ہیں؟“

”میگن کی کرا“

”بس یہی جو عام طرح پر ہوتا ہے؟“

”بہت خوب؟“

جب وہ پہنچی تو ایئر سٹ کھڑکی میں کھے ہوئے لباسوں کو پریشان نظروں سے دیکھتا رہا۔ اور پلخت اسے خیال پیدا ہوا کہ میگن — اس کی میگن۔ سوائے کمر دی پٹی کے سامنے کمرے سے جھڑ جھڑائی ڈپٹی کے یعنی سوائے ان کپڑوں کے جن میں اسے بارہا دیکھا تھا کسی اور لباس میں بہت ہی عجیب معلوم ہوگی۔ نو جوان عورت باند پر ہینڈ سے کپڑے ڈالے دھپائی۔ اسی ایک ایک لباس کو اپنے حصار جم سے لگا کر دکھانے لگی۔ ان میں سے ایک کا خاص رنگ ایئر سٹ کو بہت پسند آیا

لیکن بیگم کو یہ بائیس پہنچے ہوئے تھے نہ کر سکتا تھا۔ وہ جان حوریت چلی گئی اور چند ماہ گزرے انھوں نے لیکن بشرے کا ماغاس ہو گیا تھا۔ کیا کہنے اور کیا کہنے؟ اولیٰ اور جونا اور دستاؤں کی بھی ضرورت تھی اور زرخ کر سب کچھ خرید کر اسے پہنا دیا اور اس لباس نے اسے بالکل ہی بے رنگ بنادیا۔ جیسے اولیٰ کے کپڑے اکثر دھواؤں کو بنا دیتے ہیں۔ تو پھر کیا ہوگا؟ سفر ہی بھی اپنے ہی کپڑے کو بنائے؟ ہاں۔ لیکن ان کپڑوں میں وہ بہت نمایاں صدمہ ہو گئی۔ یہ ہنسی کھیل نہیں۔ خرد و فکر کا مسئلہ ہے۔ وہ جان حوریت کو بے معنی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ کیا معلوم یہ سب کچھ تاریکی ہو اور مجھے ایک بد معاش شخص سمجھتی ہو۔ اس طرح بول رہا تھا لیکن رنگ کا لباس ملے دیکھ دو۔ میں اس وقت فیصلہ نہیں کر سکتا۔ دھیرے کے بعد آؤں گا۔

وہ جان حوریت نے ایک آہ بھری۔

”بہت اچھا۔ بہت خوبصورت لباس ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو اس سے صندلی لباس نہیں مل سکتا۔“

ایشرسٹ نے کہا۔ ”غالباً نہیں۔“ اور چل دیا۔

مشقہ دنیا کے کاروباری ہیں سے ایک بار پھر آنا ہو کر اس نے ایک لباس اس لیا۔ اور پھر اپنے تسکرات میں مشغول ہو گیا۔ تقریباً اس بھولی بھالی پیدری لڑکی کو دیکھا جو اپنی زندگی اس کی زندگی کے ساتھ وابستہ کرنے کو تیار تھی۔ دیکھا کہ وہ دفن رات کے وقت چپکے سے باہر نکلے ہیں۔ چاندنی رات ہے۔ وہ جنگل میں جا رہے ہیں۔ اس کا بازو لڑکی کی کر کے گر رہے۔ لڑکی اپنے سے کپڑے اٹھائے جا رہی ہے۔ علی الصبح وہ کسی دودھ مار جنگل میں پہنچ گئی ہیں۔ لڑکی نے اپنے پرانے کپڑے اتار کئے کپڑے پہن لئے ہیں۔ اسٹیشن پر سٹ کی گاڑی تیار کھڑی ہے جس میں سوا ہو کر وہ اپنے ہنسی مولن کے سفر پر روانہ ہو گئے ہیں اور پھر لندن نے انھیں نکل لیا ہے اور عشق کے خواب بچے ثابت ہو رہے ہیں۔

فرینک ایشرسٹ بالآخر تاریکی کے بعد ہمیں آج دیکھا ہے۔

ایشرسٹ کے ماتھے کے تین صاف ہونگے۔ جو چہرہ میں کے قریب تھا اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور لبرے پر آفتاب کی عینک تھی۔ ایسے شخص کا چہرہ تھا جس کا آفتاب دل آفتاب فلک کے ساتھ مل کر اس کی زندگی کو درخشاں بنائے ہو۔

”اسے فل سیلی ڈے۔“

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”کچھ نہیں۔ یونی گروم رہا تھا۔ پیہ لینے آیا تھا۔ میں جنگل میں رہتا ہوں۔“

”بچے کے لئے کہیں جانا تو نہیں؟ آؤ ہمارے ساتھ پڑ کھا۔ میرے ساتھ میری بہنیں بھی ہیں، نہیں ضرور نکلنا۔“

ایک دوسرے کی بات میں بانہہ ڈالنے دوڑاں دہاں سے دہاں ہٹے اور ایک پہاڑی پر سے ہوتے ہوئے شہر سے

باہر نکل گئے۔ پہلی ڈے کا چہرہ آفتابی تھا۔ تو آواز میں بھی بھرت اور تازگی اور خوش دلی پائی جاتی تھی۔ پھر دیا تھا کہ یہاں حاجا

مقام میں تو سوائے ہانے اور کشتی چلانے کے اور کوئی شغل نہیں۔ مہ تے ہوتے مکانات کی ایک بڑی تعداد کے سامنے آکر ٹھہر گئے

جو سمندر سے فاصلہ نہ کر دیا تھا۔ عین وسط میں ایک پوئل تھا۔ دوڑاں اندر داخل ہوئے۔

حیرے کر سہیں آکر موہہ ہاتھ دھولو۔ پٹے ابھی تیار ہو چاہتے ہیں:
ایشرسٹ نے اپا چہرہ آئینے میں دیکھا۔ فارم ہاؤس میں پندہ دل تک صرف ایک کنگھی اوروہ فیضیوں پر گزرا۔
کیا تھا اندھا ہاں تو کئی گہرے اندکڑی برسنے رکھے تھے۔ سر جاعلیب بات ہے۔ انسان کو احساس بھی ہیں ہوتا کہ ۔
کابے کا احساس؟ یہ اسے ٹھیک معلوم نہ تھا۔

پہلی ڈسے کے ساتھ پیٹنے لگے کرے میں پچ کہنے گیا تو تین آہنی چہرے نظر آئے۔ لگ بہت قد۔ انہیں نیلی
پہلی ڈسے نے کہا۔ یہ فریک ایشرسٹ ہیں۔ یہ مہر کی جھوٹی ہنسوں ہیں: تینوں کے چہرے بھگت دہرا تھے۔
دو بہت ہی جھوٹی تھیں ایک ہر سال کی۔ ایک گیارہ سال کی لیکن تیسری کی عمر تیرہ سال کے لگ بھگ
تھی۔ قد لمبا۔ ہاں بگے رنگ کے۔ سرخ سفید رخسار جن کو سورج نے دھوا دیا تھا۔ بھڑوں منٹ سے بچی۔ دائیں بائیں ذرا
اٹھی ہوئی تھیں۔ اداں کی رنگت سر کے بالوں سے قد سے بڑی تھی۔ آدمیوں تینوں کی پہلی ڈسے کی طرح بلند اور بتا من
تھیں۔ تینوں سیدھی کھڑی ہو گئیں۔ جلدی جلدی ہاتھ بٹایا ایشرسٹ پر ایک تجسس نظر ڈال کر فوراً ہٹ گئیں۔ اوروہ
پہر کے مثل خلی کے متعلق باتیں کرنے لگیں ایک ڈانٹا اوروہ بتی دھاس کی داسیاں معلوم ہوئی تھیں۔ فارم کی زبردستی کے بعد ہی
کی شروع۔ بڑبوش ہے بھگت گفتگو۔ ان کا رسکون تھا جو ابے بھگت انداز شائستگی میں تو رکھا اور میرا اس قدر نوں معلوم ہوا کہ
فارم ہاؤس کا ماحول بھگت کسی دور دراز دنیا کا حلقہ معلوم ہونے لگا۔ جھوٹی ہنسوں کا نام سنیں اور توجہ اندہ ہری کا نام
اسیلا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد سب اس کی طرف متوجہ ہوئی اندہ بولی۔

”آپ ہمارے ساتھ کھلیاں پکڑنے چلیں گے؟ بڑا دعوت رہے گا۔“

اس غیر متوجہ بھگتی پر تعجب ہو کر ایشرسٹ نے کہا۔

”مجھے تو آج سہ پہر واپس جانا ہے۔“

”اچھا؟“

”جائے ملوڑی نہیں کر سکتے؟“

یہ سٹیلا کا فقرہ تھا۔ ایشرسٹ اس کی طرف مڑا اور سر ہلا کر سہرا دیا۔ کیا حق تھا۔ سٹیلا نے انہوں کے بچے میں ہمارا ملوڑی

کر دیکھتے تو بہتر ہو۔ اس کے بعد پھر خاندان ادیتیرے کے متعلق باتیں جو نہ لگیں۔

”آپ بہت دھیرے کر سکتے ہیں۔“

”قریباً دو میل۔“

”سچ پچ۔“

”خوب۔“

”ماقی۔“

تینوں نے نیلی ملی آنکھیں اس کے چہرہ پر چڑی تھیں۔ ایشرٹ کو اپنی نئی اجیسٹ کا احساس تھا۔ فونٹوگرافس میں۔
 پہلے ڈس نے کہا۔

”ایشرٹ تمہیں پھر تپاؤ بڑے کاہلے راتھ بنانے چلو گے؟
 میں تو کتنا رات نہیں بھر جاؤں؟
 ہاں ضرور۔“

لیکن ایشرٹ سسٹے پھر مسکرا کر سر ہلادیا۔ پھر پختہ ہی لڑکیاں اس کے کیلوں اور جسمانی کرتوں کے متعلق دھڑا دھڑا اس سے سوالات پوچھنے لگیں۔ رفتہ رفتہ معلوم ہوا کہ وہ کالج میں کتنی بھی چلتا رہا ہے۔ فٹ بال کی ٹیم میں شامل تھا۔ اعلیٰ کیل میں کی دڑیں آدلی بھی آیا تھا۔ پنج ختم ہونے تک اس نے اپنی ان صفات کی بدولت لڑکیوں کے دل میں گھر کر لیا۔ چھوٹی لڑکیاں مصرعوں کے ہارے ساتھ چلی کر وہ غلہ دیکھتے۔ جہاں ہم کیسے جاتی ہیں۔ چنانچہ طوطوں کی طرح ہمیں نائیں کرتی وہ۔
 ایشرٹ کو ساتھ لے غلہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ پیچھے پیچھے سنیلا اور اس کا بھائی تھا۔ غلہ دوسرے غلہ کی طرح سیلا ہوا اور تھلک تھا۔ خوبی اس میں صرف یہ تھی کہ اندہ ایک پانی کا تھلک تھا جس میں سے کئی حائل پر کر رہتوں میں بند کئے جاسکتے تھے۔ سنیلا اندر فریڈ سے جن کسٹل ساوولی بندیاں موندوں سے بے نیاز تھیں۔ تالاب کے برج میں کھڑے ہو کر ایشرٹ کو خوبصورت کی دعوت دی۔ تاکہ تینوں اکٹھے پھیلیاں پکڑیں۔ ایشرٹ نے ٹوٹی اور بوزے اندر دینے جس کے دل میں احساس حسن ہوا سے وقت گزرتا معلوم نہیں ہوتا۔ درخوبصورت بچے پانی میں کھیل رہے تھے۔ نوجوان ڈانکا کنارے پر کھڑی تھی۔ اور جو کچھ یہ تالاب میں سے نکلتے تھے اسے حیرت اور تعجب سے پکڑتی جاتی تھی۔ ایشرٹ یوں بھی وقت کا اندازہ ٹھیک نہ لگا سکتا تھا جب گھڑی جیب سے نکالی تو حیران رہ گیا۔ تین کب کے برج چکے تھے۔ گویا بنگ بند ہو گیا ہوگا اور روپیہ آج نہ مل سکے گا۔ اس کے بشرے کو دیکھ کر چھوٹی لڑکیاں چلانے لگیں۔

”۱۱۲۔ اب تو آپ کو پھر تپا ہی ہوگا۔“

ایشرٹ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسے سنگین کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ ہمشتر کے وقت میگن سے دھیمی آواز میں کہا تھا۔
 ”میری جان میں سامان خریدنے لڑکی جا رہی ہیں آج شام واپس آجاؤں گا۔ اگر موسم اچھا ہوا تو آج رات ہی چل دیں گے۔ تم تیار رہنا۔ اسے یاد آیا کہ میگن تھوڑا ننھی تھی اور اس کے الفاظ کو سن کر بہت خوش ہوئی تھی۔ وہ دل میں کیا کہے گی؟ پھر پختہ احساس ہوا کہ تیسری لڑکی۔ لمبا قد۔ گوارنگ۔ ڈانکا کا سامن۔ تالاب پر کھڑی تھوڑی آنکھوں سے بخورے دیکھ رہی ہے۔ اطمین کیا معلوم کہ اس کے دل پر کیا گزرتا رہی ہے؟ انہیں کیا معلوم کہ آج رات کے لئے اس کے دل نے کیا ٹھان رکھا تھا؟ اگر انہیں معلوم ہو جائے تو وہ لغزت کا اظہار کر کے اسے تنہا غریب چھوڑ کر خود چلے جائیں۔ اس خیال سے کچھ ایسی ہوتی کچھ شرم آئی۔ گھڑی کو جیب میں ڈال کر پختہ ہوا۔

”۱۱۳۔ اب تو آپ ہمارے ساتھ ہی نہائیں گے۔“

یہ خوبصورت بچے کس قدر بے فکر تھے۔ سنیلا مسکرا رہی تھی۔ سلی ڈسے کہ رہا تھا۔ لطف آگیا بس رات کے کپڑے

ہیں تیس دیکھوں گا؟ اس تمام خوش دلی سے متاثر نہ ہوں، ممکن تھا۔ لیکن میری لہجہ پانی ادرت کے جذبات سے دل دھڑکنے لگا۔
اداسی کے بجائے یہ ہوا۔

”بچے ایک تار بھیجا ہے“

تاہم کے کھیل سے لڑنے کو ہل کوٹ آئے۔ ایئر سٹ نے مسز نیر کو سب کے پڑے پر اس مضمون کا تار بھیجا۔
”اس میں ہے مجھے رات میں بھرنا ہوگا۔ کل آؤں گا؟ اس سے دل کچھ ہلکا ہوگا۔ سو کم بہت خوشگوار تھا۔ علی علی کی مری جم کو بت
اچھی معلوم ہوتی تھی۔ سمندر پر سکون اور شینا سلا تھا اور ایئر سٹ تیرا کی کاشوقین اور لبورت بچوں کی تعریف دو صیف ستاس
کی بخوت کی تسکین ہوتی تھی۔ سٹیلا اور جلی ڈے کے بشاش چہرے کو دیکھ کر خوشی حاصل ہوتی تھی۔ گویا میگوں کے ساتھ
ایک نئی زندگی شروع کرنے سے پہلے اپنی اصلی زندگی کو آخری نظر دیکھ رہا ہے۔ جلی ڈے سے غسل کالیں مستعار ہیں اور
اگلے صبح ہونے سے پہلے ایئر سٹ نے ایک چٹان کی لب میں کھڑے ہو کر کہنے لگے۔ سب سے پہلے ایئر سٹ پانی میں
داخل ہوا۔ اور اپنی زبانی اپنی جو تعریف ان کو سنا چکا تھا۔ اس کو بچ ثابت کرنے کے لئے جان بوجھ کر دلیرانہ تیر کر بہت دور
بھل گیا۔ مگر دیکھا تو پہلی ڈے ساحل کے ساتھ ساتھ تیر رہا تھا۔ دیکھا پانی میں، جھل رہی تھیں، اور دیکھا لگا رہی تھیں اور
جھون پھروں کے سامنے بھی اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیتی تھیں۔ ایئر سٹ عام طور پر ایسے نظارے کو حقدت کی نظر سے دیکھ کر
تھا لیکن اس وقت دیکھوں کی یہ کڑھ دی حقول اور دیکھن معلوم ہوئی۔ کیونکہ اس کے مقابل میں اس کا ہینا ک ل بہت لمبیاں
معلوم ہوتا تھا جب ان کے قریب پہنچا تو سوچے لگے ہیں ایک جیسی ہوں۔ میری شویت کہیں ان کو ناگوار نہ گذرے۔ اس نازک
بدن دو شیزہ کے قریب چلتے ہوئے اسے شرم آتی تھی۔ لیکن سستیانے اسے خود بلیا اہ کہنے لگی تھی تیرنا بکھیرے چھوٹی رگوں
نے اسے اس قدر معصوم رکھا کہ اسے یہ معلوم کرنے کا کہ اسٹیلا اس کے قریب سے مانوس ہو چکی ہے۔ یا نہیں۔ مرنے ہی نہ۔
یخوت سٹیلا چونک کر بچاری۔ ایئر سٹ نے دیکھا تو سٹیلا مریں اور نارنگ بازو پھیلائے جسم ذرا آگے کو جھکائے مگر کڑھائی
میں کھڑی ہے۔ اس کے ترجمے پر دھوپ کی وجہ سے چٹنیں سی پڑ رہی ہیں اور وہ بھی ہوئی ایک طرف کو اشارہ کر رہی ہے۔
”فل کو دیکھو! یہ لکھا کر رہا ہے؟ اسے دیکھو“

ایئر سٹ تار لگیا کر فل خط سے ہیں ہے۔ وہ ایئر سٹ سے سو گز کے فاصلہ پر تھا۔ اس کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ وہ
ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ یخوت اس نے چیخ ماری۔ بازو اٹھائے کئے اور پانی میں ڈوب گیا۔ لڑکی اپنے بھائی کی طرف بڑھی۔ سیکن
ایئر سٹ نے ”دائیں بازو مثیلا“ کہہ کر اسے روک دیا اور دھوکا۔ عمر بھر اس کھتیز کھی نہ تیرا تھا۔ پہلی ڈے سے زیادہ غوط
نکھلنے پایا تھا کہ ایئر سٹ کے اسے پہنچا لیا۔ حادثے کی وجہ سے سطح اعضاء تھی۔ لیکن اسے بچانے میں کوئی دقت پیش نہ آئی کیونکہ
اس نے فاضل اجمت نہ کی۔ آخر وہاں پہنچے جاں ایئر سٹ لڑکی کو روک گیا تھا جب زمین پر پاؤں لگے تو لڑکی بھی آگئی
فل کو اٹھایا اور ساحل پر لے گئے۔ ایئر سٹ اور اسٹیلا اس کے بازوؤں اور ٹانگوں کی بالاش کرتے رہے چھوٹی لڑکیاں بھی ہوئی
پاس کھڑی رہیں۔ تھوڑی دیر میں پہلی ڈے سے سکڑنے لگا۔ اور اس قدر مصلیف کا موجب ہونے پر نعام کا اظہار کرنے لگا۔ ایئر
سے ہوا۔ ”درا ہمارا دو تو میں کپڑے بدل لوں۔ ایئر سٹ ہمارا دینے لگا تو سٹیلا کے تر۔ خشک ہو اور سرخ چہرے چہرے ممکن

برہم چکا تھا۔ نظر پکی تو سوچنے لگیں نے اسے سنیلا کہہ کر بھلا تھا اس نے برا تو نہیں مانا۔

کپڑے پہن رہے تھے ذیلی ڈسے نے بھی آدھریں کہا

”ایئر سٹم فٹ لے موت سے بچا ہے“

”کیا کہہ رہے ہو؟“

کپڑے پہن چکے تو بوتل میں آئے۔ لیکن ابھی کچھ پریشان تھے باقی لوگ تو چائے پی کر بیٹھ گئے۔ سنیلا نے کون سا دیا
مرتبہ اور دئی کے ایک دو بکھرے کھا چکی تو سنیلا بولی۔

آپ نے تو بہت بلادری دکھائی۔

اور فریڈا بولی۔

”آپ کمال کے آدمی ہیں۔“

ایئر سٹم نے دیکھا کہ سنیلا کی نظریں نیچی ہیں۔ مگر اگر اٹھ کھڑا ہو گا کھڑکی کے پاس جا کر تمام اہل ہال سے اس نے
سینا کو دیکھی آدھریں کہے سنند آؤ غوی قسم کھائیں کہ ہم ہمیشہ دوست رہیں گے۔ فریڈا تمہارا چاؤ کھلا ہے اٹھ کھو سنے دیکھا کہ
تینوں نے چاؤ کی نوک لپٹنے جسم میں جھا کر خون کا ایک ایک قطرہ نکالا ہے اور کافذ کے ایک صف پر کچھ لکھ رہی ہیں۔ وہ مرگ درخت
کی طرف چلا۔

”اب نمونے بننے پہاں آئیے۔“ چھوٹی لڑکیوں نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور گھسیٹ کر میز تک لے آئیں میز پر وہ
کافذ پڑا تھا جس پر خون سے ایک انسان کی تصویر بنی تھی۔ اندھون ہی سے تین نام لکھے تھے سنیلا سنیلا۔ سنیلا سنیلا۔
فریڈا سنیلا ڈسے کافذ پر بیٹے ہوئے ہر سے ایسی شکل بن گئی تھی۔ جیسے لکست رے کی خطا میں اور اور پھیل رہی ہوں سنیلا بولی
”یہ پرچہ میں تم ہو۔ تمہیں معلوم ہے۔ اب تو ہم تمہیں چھو میں گی؟“
اور فریڈا بولی۔ ”ارے ہاں واقعی؟“

ایئر سٹم کے لئے کوئی مفرد تھا اس کے گیلے بال اس کی آنکھوں کے سلسلے ملک آئے تھے کسی نے اس کی ناک کو
جیسے کاٹ لیا۔ اس کے بائیں باند پر کسی اندر نے چٹکی بھری اندھانت اس کے رخسار پر آئے۔ اس کے بعد انھوں نے اس کو چھوڑ دیا۔
اور سنیلا بولی۔

”سنیلا اب تمہاری باری ہے۔“

ایئر سٹم کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ اس کا جسم اکڑا ہوا تھا۔ اس طرح سنیلا کا بھی یہی حال تھا سنیلا نے ایک
طفلیہ تھپتھپ لگایا اور فریڈا چلائی۔

”اب چلو بھی بنیں تو سب لڑا کر گرا ہو جائے گا۔“

ایئر سٹم کے جسم میں ایک عجیب و غریب محو سے اشتیاق کی ہر دھڑکی۔ اس نے نیچی آدھریں کہا۔
”کوہنوت۔ بہت مشہور لڑکیاں ہو تم۔“

سبنا پھر جس دی

۱۰ اچھا تو سنیلا اپنے اچھے آدمی کے ساتھ کوئے کر اپنی ناک سے لگا لو آپ کی ناک ہے بھی اس طرف

لوڑی ہوئی:

سنیلا نے سچ پچ اپنا ہاتھ چوم کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ ایئر سٹ نے بڑی محنت کے ساتھ اس خشک نازک ہاتھ کو اپنے دھمکے لایا۔ چھوٹی ڈھکیاں تالی بجائے گئیں۔ فریڈا بولی۔

”بس اب جب موقع آیا ہیں آپ کی جان بچانی ہوگی میں چائے کا ایک اور پیو رہی ہوں سنیلا، لیکن اسی جگہ پہنچی ہے چائے نہیں جیسے تمہارے پہلے چائے دی تھی؟“

چائے کا قدر پھر چلنے لگا۔ ایئر سٹ نے وہ دستاویز تہہ کر کے جیب میں رکھ لی۔ پھر خسرے پر نالگوں پر۔ چھپے شہد کھانے پر اور اسکول نہ جانے کے فائد پر گفتگو ہوئی رہی۔ ایئر سٹ چپکا سنا ہوا۔ صرف کبھی کبھی سنیلا سے جس کے چہرے کی سرخ سفید رنگت پھر غور کر آتی تھی آنکھیں چاہے جو جاتیں اور نظروں ہی نظروں میں ہمدردی کا اعلان ہوتا رہتا ایک اجنبی کے ساتھ ان لاشوں کو گلوں کے متغافلہ سلوک سے ایئر سٹ کے دل کداحت ہوئی۔ ان کے بستے ہوئے چہروں سے آنکھیں نہ ہٹا سکتا۔ چائے کے بعد چھوٹی ڈھکیاں تو سندی کالی کو خشک کرنے کے قفل میں مصروف ہو گئیں۔ ایئر سٹ کڑکی کے قریب جوشست تھی اس پر میچ کر سنیلا سے باتیں کرتا رہا۔ ایئر سٹ کی کھینچی ہوئی آنکھوں کی تعداد پر کوئی کھنڈہ۔ اس پر ایک خوشگوار خواب کی سی کیفیت طاری تھی۔ دقت اور دافقے ادا بہت ادا حقیقت کا احساس معطل دھلتی ہو گیا تھا۔ کل وہ پھر میگوں کے پاس چلا جائے گا۔ اور اس لطف و مسرت کی کوئی نشانی اس کے پاس نہ ہوگی۔ بحر اس کا غلغلے جان بچوں کے خون سے رنگین تھا۔ بچے سنیلا اور غریب میگوں کے برابر ہے۔ وہ کچھ نہیں ہوئی؟ اس کی باتیں تیز تر۔ قدرے خشک اور عجوبہ نام دوستی کے رنگ میں ڈوبی ہوئی۔ ایئر سٹ کی خاموشیوں میں کسی سدا کی آواز کی آواز گونج رہی تھی۔ سنیلا کے غماز میں ایک غمی۔ ایک دھیرنگی پانی نہانی تھی۔ جیسے کسی انسانے کی محبوب پھولوں کی چھوڑی میں بیٹھی ہو۔ سنیلا کے ہٹ میں بہت ملکہا پانی جا چکا تھا۔ اس لئے وہ کھلے پڑا۔ کھانے کے دوران میں سنیلا بولی۔

”میں تو آپ کو فرینک بلایا کروں گی؟“

اور فریڈا اچھا لکھی۔ ”فرینک۔ فرینک۔ فرینک؟“

ایئر سٹ نے مسکرا کر تعظیماً سر جھکا دیا۔

”جب کبھی سنیلا آپ کو سنا ایئر سٹ کہہ کر بلانے سے جرمہ ادا کرنا ہوگا۔ سنا ایئر سٹ کہنا کیا فضول معلوم

ہوتا ہے؟“

ایئر سٹ نے سنیلا کی طرف دیکھا جس کا رنگت حجاب سے سرخ ہو رہا تھا۔ سنیلا جس دی۔ فریڈا بولی۔

”وہ دیکھو۔ وہ دیکھو شرابی ہے۔ اللہ سے شرم۔“

ایئر سٹ نے دائیں بائیں دونوں لڑکیوں کے نہری بال پر لٹے۔ اور بولا۔

”دیکھو رزکیو سنیہ کو مت چھوڑو ورنہ میں تم دونوں کو باندھ دوں گا۔“

ریڈا لہو: ”تم بہت وحشی ہو!“

دوسری سنیہ نے مخاطب کر کہا: ”تم جو سے سنیہ بنے ہو۔“

”تو کیوں ملاؤں؟ سنیہا بہت اچھا نام ہے۔“

ایشرسٹ نے ان کے بال چھوڑ دیئے۔ سنیہا! اس گفتگو کے بعد وہ بھلا کس نام سے پکارے گی! لیکن اہم مسئلہ ہی نہ کیا۔ سونے کا وقت تھا تو ایشرسٹ نے عرض کیا۔
”گڈ نائٹ سنیہ!“

”گڈ نائٹ مسٹر۔ گڈ نائٹ زربک! آج تم نے بہت ہی بہادری دکھائی!“
”اس کا ذکر مت کرو۔“

سنیہا کا مصافحہ سیدھا سادا مصافحہ تھا۔ لیکن لٹو بھر کو اس نے ایشرسٹ کا اتھڑ سے دبایا۔ اور پھر بھینٹ اور گرت ڈھیلی پڑ گئی۔

ایشرسٹ خالی کمرے میں بے حس و حرکت کھڑا ہوا۔ صحت کل رات کا ذکر ہے کہ سب کے ہنر و ادب نے شگوا بچے کھڑا سینگ کو سینے سے چمکائے اس کی آنکھوں اور ہنر و ادب کو جوڑ دیا تھا۔ یہ بات کیا یاد آئی جیسے کسی طوفان کے پتھر سے۔ پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ ہانپنے لگا۔ آج رات ایک نئی زندگی کا آغاز ہونا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کے ساتھ جس کی تنہا صحت یہ بھی کہ کے ساتھ رہے۔ اور یہ سب کچھ ملو ہو گیا۔ جو میں گھنے آگے جا رہا۔ بعض اس لئے کہ — اس نے اپنی گھر کو دیکھا تھا۔ ان معصوم بچوں سے تعلقات کیوں پیدا کر لے۔ جبکہ خود معصومیت ہی کو خیر باد کہنے والا تھا! لیکن پھر سوچا میرا والد اس سے شادی کرنے کا ہے۔ میں نے اسے کہہ بھی دیا تھا۔

دش شمع ہاتھ میں لئے سونے کے کمرے کی طرف چلا۔ پہلی ڈے کا کمرہ رات میں پڑتا تھا۔ اس کے پاس سے گزرا۔ پہلی ڈے اندر سے پکارا۔

تم ہو! ایشرسٹ! اندر آ جاؤ۔“

پہلی ڈے بستر پر بیٹھا پائپ موہ نہیں لئے پڑھا تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“

ایشرسٹ کھلی ہوئی کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔

پہلی ڈے بھونٹ بول اٹھا۔ ”تمہیں معلوم ہے آج دن بھر مجھے بار بار تہما ہی نیل آتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں جب وہ ذہن لگتا ہے تو لگتا ہے زندگی آنکھوں کے سلسلے پھر جاتی ہے لیکن میرے حلقے میں اسی کا بیڑہ جھٹکوں کا توں نہ توں نہ میں سے ابھی بہت دور تھا۔“

”تو بھر تمہیں خیال کیسے ملتا ہے؟“

چلنے پھرنے پر آمادہ ہو کر۔ اور پھر کہنے لگا۔

”عجیب بات ہے مجھے کیمبرو کی ایک لڑکی کا خیال آیا جس سے میں ایک دن — قریباً — اب میں نہیں کیے جانوں
تم بھی مجھ سے۔ میں نے شکر کیا کہ اس کے لئے میں میرا خیر صاف تھا۔ بہر حال تمہاری بدولت میں زندگی۔ وہ اس وقت تک
جو کہ سمجھ میں ہو سکتا ہے۔ وہاں نہ جئے کر کے رہنا۔ پچھتے کوئی نہ ہو۔ کچھ بھی نہ ملے۔ ایئر سٹ جب ہم چلے جاتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟“
ایئر سٹ بولا۔

”میں بڑوں شہلوں کی طرح کچھ جانتے ہیں۔“

والشہ!

”شاید مجھے سے پہلے تمہارا بہت نمٹتے ہوں۔“

”یہ تو بہت غم انگیز خیال ہے۔ بہر حال — میری بہنیں تو اچھا طرح پیش آئیں۔“

”بہت اچھی طرح۔“

”جلی ڈسے اپنا پاپ بتلویا ہے اتھ گردن کے کچھ ایک دھڑے پر رکھے۔ دھڑک کی حرکت سر سے گزرا۔
بچا کی بڑی بہن۔“

”ایلی ڈسے بستر پر دراز تھا۔ جنوں پر سر کر اسٹ تھی چپ پر فتح کی روشنی پڑ رہی تھی۔ ایئر سٹ نے اپنے دھڑے پر نظر
ثالی تو کبھی ہی جسم میں دوڑ گئی۔ اگر زندہ نہ ہوتا تو سمندر کی تہ میں پڑ ہوتا۔ چپ پر سر کر اسٹ نہ ہوتی۔ ایئر سٹ بہت عیش کے لئے
غائب ہو جاتی۔ شاید لیٹا بھی نہ ملے۔ ریت ہی میں دفن ہو گیا ہوتا اور حشر کے لئے دونوں دن کا ہم منتظر رہا۔ دفعہ ایئر سٹ کی
سر کر اسٹ عجیب و غریب چیز معلوم ہونے لگی۔ یہی زندگی کا شہد ہے۔ یہی سب کچھ ہے اٹھ کھڑا ہوا اللہ دیکھی اور میں بولا۔
میرے خیال میں مجھے سوچنا چاہیے۔ شمع بجھا دو!“
ایلی ڈسے نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

”تم جانتے ہو جو کچھ میرے دل میں ہے وہ ادا نہیں کر سکتا۔ بہت بڑی چیز ہے گڈ ٹائمٹ ایئر سٹ۔“

ایئر سٹ کا دل بھر آیا۔ ایلی ڈسے کے ہاتھ کو دبا کر چلی منزل میں آگیا۔ ال کا دھڑا بھی کھٹا تھا۔ اس میں سے گنگے
مکانوں کی تعلق کے سامنے جو چین تھا۔ وہاں جا پہنچا۔ سامان کھنگا کر اسٹ تھا۔ تارے چمک رہے تھے اور ان کی روشنی میں ڈانک
کے پھولوں کی رنگت کہیں کہیں ایسی پر اسرار دکھائی دیتی تھی جیسی رات کے وقت اکثر صوفیوں کی دکھائی دیتی ہے۔ اور جس کا بیان کرنا
ناممکن ہے۔ ایئر سٹ نے اپنا رخ لٹک لٹک لٹک دیا۔ آنکھیں بند کر دیں تو ایلی ڈسے کے کچھ کوسنے سے چہلے سامنے کھڑی دکھائی
دی۔ مجھے کیمبرو کی ایک لڑکی کا خیال آیا جس سے ایک دن — قریباً — میں نے شکر کیا کہ اس کے بارے میں میرا خیر صاف تھا۔
یہ صحت پر کوئی تلک کی شاعر ہے نہ لیا۔ لہذا کس پر پہلے۔ دو دوں میں ہر دو عجیب و غریب روشنی تھی۔ ان کی روشنی میں سمندر کو سحر کو
پھر زندہ ہو گیا۔ ایئر سٹ اس کے ساتھ شگوفوں کی زرخیز سانس لیتی ہوئی سمندر کی کچھ کھینچ رہی تھی
چاندنی کی لہروں سے تھک چکا تھا۔ وہ پھر کھڑا ہوا۔ اس پر مصیبت دہشت انگیز زندگی کی جھٹکا وہ آگ

حضرتینا بولی۔

آپ کے بغیر کیا خاک لطف آئے گا؟

زیبا اٹھ کر کرسی کے کچے چاکھڑی ہوئی۔

آپ چلے نہیں تو میں آپ کے بال کھینچوں گی۔

ایشرسٹ نے سوچا۔ "ایک دن، کبھی۔ اس میں کچھ غور بھی کروں گا۔ ایک دن بعد! اور پھر بولوا۔"

"اچھا اچھا میں چلتا ہوں۔ میری ایال کھینچنے کی ضرورت نہیں۔"

ہٹا۔

اسٹیشن پر پونچ کر اس نے ایک تار اور بھیجے کا ارادہ کیا لیکن لکھ کر بھاڑ ڈالا۔ انھیں کیا بتائے کہ کون نہیں آسکتا

کچھ سے ایک چھوٹی سی گھڑی میں سہل ہو گئے۔ ایشرسٹ سینا اور زینا کے بیچ میں چپکا ہوا بیٹھا تھا گھٹنے سیٹھائے گھٹنوں سے جاگے

تھکاتے ہیں۔ آپ جینکے کا کھیل کیلئے رہے۔ دل بیل گیا۔ سوچا کہ ابھی تک ایک دن مزید غور کرنے میں ضرورت کر دل گا۔ لیکن اب غور

کرنے کو دل ہی نہ چاہتا تھا۔ دن بھر دوڑتے رہے کشتی لڑتے رہے۔ گھٹنے گھٹنے پانی میں بھاگے بھرے رہنے کو کسی کارل نہ

چاہتا تھا (گیت گاتے تھے۔ گیل کیلئے رہے۔ اندر جس قدر سالان غور و زوش ساتھ لائے تھے۔ سب چٹ کر گئے۔ دایسی میں جھوٹی

روکیاں ایشرسٹ کے کندھے سے سرکہ کر سگئیں۔ ایشرسٹ کے گھٹنے سیٹھائے گھٹنوں سے جھوڑے تھے۔ یقین نہ آتا تھا کہ

تیس گھنٹے پہلے وہ ان تین روکیوں میں سے ان کے بال کس قدر قائم تھے) کسی کو جانتا تھا۔ تھک۔ یل میں وہ سیٹھ سے شادی کے معلق

تبادلہ خیالات کرتا تھا۔ سیٹھ نے ایشرسٹ کو اور ایشرسٹ نے سیٹھ کو (مگر ایک خوشنوار احساس برتری کے ساتھ) اپنی اپنی پسند

کے شعرا کے نام بتائے۔ بھگت (ڑکی نے دھیمی آواز میں کہا۔

"دل کہتا ہے۔ آپ حیات بعد الموت کے قابل نہیں۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے فرینک!

ایشرسٹ نے پریشان ہو کر کہا

"نہ قابل ہوں نہ منکر۔ میرا عقیدہ تصور یہ ہے کہ ہم حیات بعد الموت کے متعلق کچھ جانتے ہی نہیں۔

ڑکی نے جلدی سے کہا

میرا وہ عقیدہ کبھی نہیں ہو سکتا زندگی کا سب سے پھر فائدہ ہی کیا؟

ان خوبصورت ابدوں کے شیشوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے ایشرسٹ نے جواب دیا۔

"یہ کیا کہ جس چیز کے وجود کی تمنا ہو اس کے وجود پر انسان ایمان ہی لے لے؟

"لیکن اگر اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں تو انسان کدیلوہ زندہ ہونے کی تمنا ہی کیوں کرتا ہے؟

یہ کہا اور نظر پھر کر ایشرسٹ کی طرف دیکھنے لگی۔

ایشرسٹ اس کے عجیب و غریب کردار کو ناخوش تھا۔ لیکن برتن کی عمر اب خراب لگتی ہوئی تھی۔

"جب تک انسان زندہ ہے اس وقت تک اس زندگی کو دائمی بنانے کا آئندہ متانت ہے۔ یہ آئندہ خود زندگی کا

چہرہ مگر اس سے زیادہ اچھے نہیں:

• تو کیا تم انجیل کو نہیں مانتے؟

ایشرسٹ نے سوچا اس خبر سے صدمہ ہو گا۔

• یسوع مسیح نے پہاڑی پر جو خط لکھا تھا۔ میں اس کو مانتا ہوں کہ وہ بہت دھن ہے۔ اسی کا انشا

ہمیشہ پتے رہیں گے:

• لیکن کیا تم یسوع مسیح کو خدا کا جو نہیں سمجھتے؟

ایشرسٹ نے سر ہلادیا۔

• لڑکی نے اپنا چہرہ جلدی سے کھڑکی کی پشت پر مڑ لیا۔ ایشرسٹ کو یقینت یمن کی دھماکانی، عظیم سب، اپنا فضلہ اور مشر ایشرسٹ پر بھی: اللہ کون ایسا ہے جو اس لڑکی کی طرح یوں اس کے لئے دعا مانگے اس لڑکی کی طرح جو اس وقت خود منتظر ہوگی اور سرگرم کھڑی اس کی ماہ تک رہی ہوگی۔ دل نے کہا: "تم کس قدر ذلیل ہو!"
• یہ خیال بار بار دل میں اٹھتا رہا لیکن اس کی جہن رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی اور کڑی بات ہے اس کی ذلیل بنانا نیت سمجھتی بہت معلوم ہونے لگی اور رنجب کی بات ہے اس کی کھیر یہ نہ آتا تھا کہ واپس یمن کے پاس چلے جاتا۔ ذلیل بہت ہے یا اس سے لئے کا خیال ترک کر دیا۔

• شام کے وقت سب مل کر تاش کھیلے رہے اور جب بچوں کے سونے کا وقت آیا پھر اللہ وہ چلے گئے تو سبھی پہاڑ پر جا بیٹھی۔ ایشرسٹ کھڑکی کے باہر اندھیرے میں بیٹھا شمعوں کے برج میں سے سبیل کو دیکھتا رہا اور سوکے بال ہلکے رنگ کے الٹے کچے وہ لمبی گدی گردن جو انہوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ غم کھاتی تھی (۱)

• سبیل کے پایاؤں بچانے میں کوئی خاص نہ سمجھتی تھی۔ لیکن بلا تکلف بجاتی تھی۔ ایشرسٹ کو وہ ایک دھنس مسرت معلوم ہو رہی تھی۔ جس کے اندر گرد ہلکے نیلے رنگ کا فز جھللاتا تھا گویا انسان نہیں فرشتہ ہے۔ اس لڑکی کی موجودگی میں جس کا لباس سفید جس کا سر فرشتوں جیسا اور جس کا جسم موسیقی کے ساتھ جھک رہا تھا کس کی جرات ہے کہ بے غمان خواہشات یا گراہ خیالات کا دل میں گند بھی ہونے دے۔ وہ شومان کا ایک گیت سجا رہی تھی جس کا نام "دارم" تھا؟ اس کے بعد سبیل ڈسے نے اپنی بانسری نکالی۔ اللہ ظلم ٹوٹ گیا۔ پھر انہوں نے ایشرسٹ کا گانا سنا۔ اور سبیل شومان کی گیتوں کی ایک کتاب کو سامنے رکھ کر اس کے ساتھ پایاؤں بجاتی رہی۔ "ارغ گردن تخت مہاکبت ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ جھوٹی ٹوکریوں نے دھنیلہ رنگ کے قد رنگ کا دل پہنے تھیں، دلی پاؤں کرے میں داخل ہو کر پیادے کے کچے پچھنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ اس کے بعد گھنٹی بج گئی اور تفرل سبیلانے کے بڑا مزہ آیا:

• اس وقت ایشرسٹ کو خندہ آئی۔ اس کے داغ میں طرح طرح کے عیالیت چکر لگا رہے تھے اور وہ بے چینی کے عالم میں گردن میں بدل رہا۔ دندن کے اٹھاندا ان لوگوں سے اس قدر دلچسپ ہو گیا تھا کہ ان کی بے تکلفی سے اپنا غیبت نے اس کے دل میں اس قدر اچھا لگا لیا تھا کہ فام اللہ یمن خود یمن! غلبہ خیال ہو گئی کیا سچ پر اس سے اچھا ہو سکتا کیا سچ پر

اس نے اپنے دل کے اندر اس کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا تھا؛ جنس جس وہ مسرور ہو گیا تھا اس پر جادو چل گیا۔ پہلے کا سبب
 کے طور پر اس کو۔ اس کو اس کی کوس کی ہر ایک اٹھارہ سال بھی نہ ہونے پائی تھی۔ اپنی داشتہ بنا اس خیال کے ہوتے ہی
 ایئرٹ کے پاس سے نفرت ہونے لگی۔ لیکن پھر بھی جسم کی گوی اور خون میں تیزی پیدا ہو گئی۔ دل سے کہا: "میرے بہت بڑا
 کیلیدی نے بہت بڑا کیا؛ خزان کی وسیعتی اس کے پریشان خیالات کے ساتھ مل کر اس کے دل کے اندر جیسے دھڑکنے لگی اسے
 تصویر میں سنیا کا چہرہ نظر آیا۔ پرسکون۔ ہری ہلکے رنگ کے بال۔ چھدر گردن۔ ارد گرد فرشتوں کا سا لہ۔ اس نے سوچا: "میر
 اس قائم تھے۔ میں دیکھ رہا تھا۔ مجھے کیا ہو گیا تھا؟ بدلتی ہوئی۔ "خدا ہم سب پر اپنا فضل بکراہہ مشر ایئرٹ پر بھی؟" میں
 صرف آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں: اور اس نے چہرہ تجھے میں ڈھانپ لیا۔ چمکی بندھ چکی تھی۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا
 واپس چلا جانے کی نصیحت نہ جانے تو لہر بھی آفت!

ہر آنکھ کی اگر اپنے دل کی بھر اس شکل لے تو اس کی بے چینی مٹ جاتی ہے۔ ایئرٹ کی آنکھ لگ گئی جب نیند
 نہ لگتی تھی تو سر پہ ہاتھ اٹھو کیا ہوا۔ جذبہ سے — جینے بھر میں بھول جاتی تھی۔
 آگے دن صبح کے وقت اس نے چمک کے روپے وصول کئے لیکن کپڑوں کی دکان کے پاس بھی نہ سمجھا اس فائنٹی
 رنگ کے لباس کی بجائے اپنی ضرورت کی چند چیزیں خریدیں۔ دن بھر اس کے دل کی عجیب حالت رہی۔ جیسے اپنے آپ سے بدلتا
 ہوا ہے۔ دو دن سے دل میں انگلیں اٹھ رہی تھیں۔ لیکن اب جذبات سے بھر خالی تھا جیسے آنسوؤں کے طوفان سے طے کے
 شعلے سب بجھ گئے ہوں۔ چائے کے بعد سنیٹا نے ایک کتاب اس کے پاس رکھ دی اور کچھ شرا کر پڑی۔

"فرینک تم نے یہ کتاب پڑھی ہے؟"
 فیو کی "سراخ بیور" ایئرٹ مسکرایا۔ سنیٹا اس کے حاتمہ کے متعلق کس قدر فکرمند ہے۔ اس پر کچھ ہنسی آئی۔
 کچھ پیدا آیا۔ اپنی طبیعت کو بھی لگ رہی ہوتی کہ اسے اپنا ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کرے یا کم از کم ان کے عقائد کی حمایت میں
 کچھ ہلے شام کے وقت چھوٹی موٹیاں اور جلی ڈالے اپنے اپنے جال کی موت کر رہے تھے۔ ایئرٹ سنیٹا سے مخاطب ہوا۔
 "مذہب انعام اور صلے کا لالچ دلا نا ہے کنیک زنگی لبر کی تو یہ کچھ بے گناہ یا انعام کے لئے ہیں بیٹیک انکا مکنا
 ہے یہ رجاء حقیقت جیم سے پیدا ہوتا ہے؟"

بعض فریڈمٹی رسی کے ایک ٹکڑے پر گناہیں دے رہی تھی اس نے خلعت نگاہ دوڑائی۔
 "نہیں! اس کی وجہ اور ہے اور اس سے کہیں گہری ہے؟"
 ایئرٹ کے دل میں پھر وہی حکم کی خواہش پیدا ہوئی اور بولا۔
 "کیا واقعی آپ کا خیال ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کسی بات کی وجہ دریافت کرنے کی خاموشی ہی
 سب سے زیادہ مہین ہے اور اس کی وجہ کو نہیں پہنتے شکل ہے؟
 سنیٹا نے ماتھے پر ہڈی ڈال لی۔
 "میں نہیں سمجھتی۔"

ایشرسٹ اپنی ہٹ پر قائم رہا اور لگا۔

”ذرا غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آنسو کے متعلق جیٹرو دی دگ ہونے میں جو یہ محسوس کوئے ہیں کہ ان کی تمام خواہشات میں حیا میں پوری نہیں ہو سکتی۔ برعکس اس کے میں نیکی کا قائل اس لئے ہوں کہ نیکی ایک اچھی چیز ہے۔“
”تو آپ نیکی کے قائل تو ہیں؟“

وہ کتنی خوبصورت معلوم ہوتی تھی اور اس کی صحبت میں نیکی کس قدر سہل اور ایشرسٹ نے اشدھار میں سر چڑھا لیا۔
”اس طرح کی گرہیں لگانا مجھے بھی سکھادو۔“

جب گرہیں لگا رہے تھے تو اصاحت ختم تھی۔ سولے کو چلا تو باقاعدہ اسی کے متعلق سوچنا ہمارے سر درخشاں۔
پوسکون۔ خواہر انہ تصور کے انداز سے اپنا آپ یوں ڈھانپ لیا جیسے اس بلوس میں اب اسے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

مگر دن معلوم ہوا کہ انگھدن وہ لوگ دہلی میں سولہ ہو کر ”ٹو سنس“ جانا چاہتے ہیں۔ اور بری پورائے حاصل کے مقاصد پر ٹپک کر کے کا امداد کرتے ہیں۔ ماضی کو دل سے محو کر دیے کا جو مصمم امداد کر چکا تھا اس نے اسے نسخہ ذکیا انگھٹھٹ کی طرف متوجہ کر کے پہلی ڈسے کے ساتھ لینڈ دیں۔ میٹر گیا۔ سمند کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے اور سٹیٹن کی طرف مڑنے ہی کو تھے کہ ایشرسٹ کا دل دھک سے دھک گیا۔ سینگن — خود سینگن! — پرلی بگڈ نڈی پر چلی جا رہی تھی۔ وہی پہچانا پارنا سایہ اس نے پہن رکھا تھا۔ وہی جیکٹ۔ وہی ٹوپی اور ماہ گیروں کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھی۔ کچھ سوچے کچھ بغیر ایشرسٹ نے یلخت ہاتھ اٹھا کر چہرہ ڈھانپ لیا۔ اور ظاہر یہ کیا گویا آگے میں سے نئی کا کوئی ذہ نکال رہا ہے۔ لیکن آنکھوں کے پیچ میں سے سینگن بھر بھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی چال میں دہقانوں کی سی تپے پھٹتی تھی۔ برعکس اس کے وہ کوئی کھنٹی سی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے قدم متزلزل تھے۔ اور اس کی حالت رحم کی طالب۔ جیسے کوئی کتا اپنے آقا سے جانا ہو گیا ہو۔ اچھینہ جانتا ہو کہ یہ کتا دھڑتا چلا جائے۔ ہاں پس پٹ جائے اور جائے تو کہاں؟ یہ یہاں کیسے آگئی؟ یہاں کیا بنایا ہو گا؟ یہ کس سید میں پھر رہی تھی گاڑی کے پہنے گھومتے چلے گئے اور وہ سینگن سے دھڑتہ رہتا گیا۔ لیکن اس کا دل اس رخصت کیجے رہا تھا اور چھین لہ لہ کر اس سے کہہ رہا تھا کہ بغیر جاؤ۔ گاڑی سے اتر جاؤ۔ اس کے پاس جاؤ۔ جب گاڑی سٹیٹن کی طرف مڑی تو ایشرسٹ سے دھڑا گیا۔ صولہ کھول کر بولا۔ ”میں کچھ بول آیا ہوں۔ تم چلو۔ میرا انتظار نہ کرو۔ میں اگلی گاڑی سے آؤں گا۔“ اور ہمیں کاسل میں آملوں گا۔ یہ کہہ کر گاڑی سے کود پڑا۔ ٹھوکر کھائی۔ گھوم گیا۔ پھر سنبھلا اور چل پڑا۔ پہلی ڈسے لہاس کی بہنیں حیران تھیں کہ یہ کیا ہو گیا۔ لیکن ان کی گاڑی آگے بھل گئی۔

مورٹ سے اسے سینگن بہت دھڑ دھڑائی دے رہی تھی۔ ایشرسٹ چند قدم دھڑا۔ پھر رک گیا۔ اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ جوں جوں سینگن کے قریب آ رہا پہلی ڈسے اور اس کی بہنوں سے دھڑتہ رہتا گیا۔ قدم ڈھیلے پڑنے لگے۔ اسے دیکھ لیا تو پھر کیا ہوا؟ کیا فرق پڑ گیا؟ اس سے جو ملاقات ہو گی اور اس ملاقات کا نتیجہ ہو گا۔ اس کی کراہت کو کچھ نہ کر کے اچھی طرح جان چکا تھا کہ پہلی ڈسے کی بہنوں سے ملنے کے بعد وہ اس نیچے پہنچے چکا ہے کہ سینگن سے شادی کرنا نہیں چاہتا۔ چند دن اس سے عشق کرے گا۔ پھینٹیں ہے گا۔ پھینٹے گا اور پھر اٹھ جائے گا۔ محض اس لئے کہ وہ اپنا سب کچھ دے ڈالے گی۔ اس لئے کہ وہ

سادہ اور سچے سمجھ لے ہے شہنشاہ اور ہے۔ لیکن شہنشاہ کی جہت پر جاتی ہے۔ اس کی لڑائی جو دوسرے پہلے رنگ کا ایک دھڑ سادہ
 ہوئی تھی، مجھ میں نظر آ رہی تھی جس سے سین کی مثل حرکت کا نہ چلا تھا۔ وہ ہر جہت کو دیکھ رہی تھی۔ ہر طرف کی ہر جہت پر چھائی ہوئی تھی
 کی ہو کر اس سے بھی زیادہ دیکھ کاٹھ نصیب ہا ہر گاہ اجماعہ کرتا تھا۔ دل اسی پر محسوس کرتا تھا۔ اور اپنا آپ ذلیل سلوک کا تھا
 مدد کی ایک جگہ کی سیخ اس کے منہ سے نکلی جیسے سنکر ایک ماہ گیر ہر طرف اس کا منہ تھے لگے سارے دیکھا لڑکیوں سا جل منہ
 کے پاس جو دیکھ کر تھی اس کے ساتھ سہا لپے کو ٹھیر گئی۔ اہ سندھ کی طرف دیکھی آ رہی۔ ایٹر مش بھی رک گیا شایر سنے
 سمند اس سے پہلے بھی نہیں دیکھا تھا اس مضطرب کی حالت میں بھی وہ اس لہر سے باز نہیں رہ سکتی۔ ایٹر مش نے سوچا اس
 بے چارے کے لیے بھی کچھ نہیں دیکھا۔ اس کا مستقبل ابھی نہ جانے کس کن معزوں کا سراپا دلوے۔ چند ہفتوں کے عیش کی خاطر اس کی
 زندگی کے چہرے نے ازلوں؟ بے محنت تصور میں سیو کی پسکون آنکھوں سے آنکھیں لیں۔ اس کے ہاتھ بال ہاں سے اس کے ہاتھ
 پہنچا۔ یہ وہ آگ ہے اس کا مطلب ہو گا کہ جس چیزوں کو قابل احترام کہتا ہے۔ ان سب سے اور احترام نفس سے ہاتھ دھو
 بیٹا پڑے گا۔ مگر کیا اہ جلد جلد سسٹیشن کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ لیکن اس بے بس سرکسیر لڑکی کی یاد سے سما کی منظر
 آنکھیں راہ چتروں کے چول کا ہنر نہ رہی تھیں۔ دل کو چھو کا تھا۔ اہ وہ پھر منہ کی طرف بٹنا۔ وہ لڑکی بے نظروں سے اوجھل ہوئی
 تھی وہ دھڑ بھر میں نہیں رہا۔ غائب ہو گیا تھا۔ دل میں ایک بوک سی تھی۔ سب سے خفا ہو کر اس کا جب تھوڑا سا
 کی وجہ سے کوئی پھر اٹھ سے چمن جائے تو یہی حال ہو رہے (دھڑ تڑپنے لگا۔ لیکن شیں کیس دکھائی ہیں۔ اہ گھڑنگہ
 اس کی تلاش میں پھر نا اہ پھر سادہ سمند کی ریت پر بڑا دھنسا لیا گیا۔ جانتا تھا کہ اس سے ملنے کی سہل ہو گی۔ یہ ہے کہ
 اسٹیشن پر جا کر اس کا ہاتھ گرے۔ سنی کہ وہ بالوں پر کرکٹ آئے۔ یاہ لڑکی پر سولہ کرکٹ فارم کو چلا جائے۔ تاکہ وہ واپس آئے تو
 یہ وہاں پہلے ہی موجود۔ لیکن پھر بھی بے حس و حرکت لہا۔ اور اس کے اس باس سے پورا نچنے کے پہلے پورا بائیاں
 تھے کھیلے تھے۔ اس مستحاشی سرگرداں لڑکی پر رحم ضرور آتا تھا۔ لیکن یہ رحم بھی کم دیشی خون کی اس سرگرمی اہ تیر کی ایک
 جزدین گیا جو پہلے جسم میں پیدا کر دی تھی۔ اب دل میں صرف ایک بے حیا جذبہ بالی رہ گیا تھا۔ تو فرسواں کے جذبے
 مغرور ہو چکے تھے۔ دل میں پھر شیں کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس کے بوسوں اس کے نازک اہ گھڑنگہ جسم۔ اس کی وارفتگی اس
 کے کافراں عشق کی گرم جوشی کے لئے دل پھر بے قرار ہو گیا۔ ہنسا بے مدش سبب کے درخوں کی شاخوں تھے۔ اسی ریت کا پھر
 لطف اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ اس کا دل ان خواہشات کی تکمیل کے لئے ہاں مضطرب تھا۔ جیسے کوئی جنگل کا دیتا کسی ہی دیوی
 کے لئے مضطرب ہوتا ہے۔ اس ندی کا پھر کیف شور میرنگ کے پتوں کی دھک۔ وہ پرانی تاریخی چٹانیں۔ لگو لارینفل کی کوک
 آؤڈن کا پلانا۔ سرخ چاند کا ٹھکانا۔ شیں سے شگونی کی زنجیر سفیدی کہ جھانکنا۔ وہ کھر کی ہیں اس کے چہرہ کا نظر آتا ہا تھا
 دہاں پر پھر کر رہا تھا۔ اس کی عشق میں ڈوبی ہوئی تھا ہیں۔ سبب کے درخت تھے دھڑکے ہوئے سینوں کا۔ اپنے
 ہونٹوں سے اس کے پھوٹے ہوئے ہونٹوں کا محسوس کرنا۔ ان تصور سے اس کے دل کو قصور کر لیا۔ لیکن پھر بھی بے حس و حرکت بیٹا
 ہا۔ یہ کیا ہے جو رحم کے جذبات اہ ان بے قرار خواہشات کے ساتھ دست و گریباں ہے۔ اہ جس نے اسے مغرور بنا کر گرم گرم
 ریت پر لٹا رکھا ہے؟ جن ہاتھ والوں والی لڑکیاں۔ ایک دھڑپ چہرہ جس کی تلی آنکھوں میں تھی کا جذبہ جھجک رہا ہے۔ ایک

جنگ ہاتھ جو اس کے ہاتھ کو پہنچا رہا ہے۔ ایک آواز جو جلدی سے اس مکان میں پھرتی رہی ہے کہ آپ کی کمی کے قائل ہیں؟ یہ کچھ
 انداز کے ساتھ ایک عجیب نصاب سے چار دیواری کے اندر ایک باغیچہ پر۔ قدیم انگریزی وسیع کا درجہ میں جو باغیچہ کی رنگ
 کے پھل ہوں۔ کارن ظاہر گلاب کے پھل اور لوند اور لوند کی خوشبو جو ایک محدود فریب۔ انسانی من سے غیر متعلق
 مقصد۔ فرحیکہ ان تمام چروں کا خوشبو نہیں وہ بچپن سے پاکیزہ اور قابل احترام سمجھا تھا عینیت اسے خیال آیا۔ ممکن ہے
 وہ اصرار کرے کہ اس کے دیکھ پائے۔ اٹھ کھڑا ہوا اس محل سمندر کے دوسرے سوے پر ایک چٹان تھی اس پر جا بیٹھا سمندر
 کی چھٹیں اس کے چہرے کو کاشہ سی تھیں۔ اس سے جوش و احساس پھر بچا ہوا گئے۔ فارم کے واپس چلے جاتا اور وہاں جگہوں میں نور
 چٹانوں کے درمیان رہ کر میگوں سے عشق کرنا یعنی روستانی ماحول میں اس درمیان لڑکی کو چاہنا، تعذبات ممکن ہے۔ اسے کسی ہونے
 شہر کے لئے آتا تھا کسی فیلڈ میں رکھتا اس سے اس کی شاعرانہ طبیعت کو صدمہ ہوتا تھا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ وہ لڑکی بے تعلقی منظر
 کھیک جڑ ہے۔ اسے شہر میں لاکر رکھا تو بیت کا جذبہ ایک نفسانی خواہش میں کر دیا جائے گا اور دونوں ہی میں خاموشی ہو جائیگا
 نعلین میں اس کی سادگی اور اس کا گزراؤ اس قدر نمایاں ہو گا کہ اسے محض کھن بکھ کر رکھنا پڑے گا۔ جس سے چوری بچے دل
 بہا لیا جائے۔ وہ چٹان پر بیٹھا ایک سبزی باغیچہ میں تالاب کے اوپر ناگہی لٹکے جس کا پانی اترتا تھا ان خیالات میں محو تھا اور
 یہ سب باتیں اس پر روشن تر ہوتی جا رہی تھیں۔ لیکن ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے میگوں کا باندھا اس کا جسم ڈھیلہ پڑا ہوا ہے۔ آہستہ
 آہستہ بچے کو کچھ دیکھتا ہے اور پھر اس تالاب میں جا کر رہے اور بہرہ کر سمند میں جا بیٹھا ہے میگوں کا چہرہ اور رنگ ہوا ہے۔ اس کی کوئی
 ہوتی لفظوں میں ایک التجا ہے۔ اور اس کے سیاہ بال بچے ہر سے ہیں۔ اس تصور نے دل میں بچے کا ڈبچے ہر چند اسے دل سے
 ہٹانے کی کوشش کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ یہ خیال اسے وہ کہتا تھا کہ اس کا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چٹان سے بچے اتر اور پانی کے
 قریب ایک جلدی جا کر کھڑا ہو گیا شاید سمندر میں نہانے سے اس کا دل ہل جائے اور یہ بخانا تر جائے۔ کچھ نہ اندر دے اور
 تیر کر وہ نکل گیا۔ چاہتا تھا کہ کچھ ہو جائے تاکہ اس سن ہو جائیں اس لئے تیر تیر اور وہ دھڑک کر کھڑے ہوئے۔ پھر دھڑک بھیر کئی
 کھانے سے اسے معلوم ہوا کہ وہ واپس ساحل تک نہ جاسکا اور سمندر کی لہ اسے ہار لے گئی۔ یا پہلی ڈے کی طرف اس کے
 پٹے اٹھ گئے تو کیا ہو گا؟ یہ سوچا کہ وہ واپس پلٹے۔ سوچ رنگ کی چٹانیں بہت دھ معلوم ہوتی تھیں۔ اگر وہ ڈوب گیا تو کسی کی نظر
 اس کے کپڑوں پر پڑے گی۔ پہلی ڈے اس کی بہنوں کو ڈوب کر مل جائے گی۔ لیکن میگوں کو شاید کبھی علم نہ ہونے پائے گا۔ فارم
 کے لوگ کوئی اخبار نہیں خریدتے۔ بل پہلی ڈے کے الفاظ سے پھر یاد آئے۔ "کیمریج میں ایک لڑکی تھی جس سے ہم شاید
 — بہر حال خدا کا شکر ہے کہ اس کی طرف سے میرا خیر صاف ہے۔" مجنوناں خوف کے اس لمحہ میں اس نے تم کھن کر میں میگوں
 کی طرف سے اپنا خیر صاف دیکھو گا۔ لیکن خوف کا انداز۔ احمیتان سے تیرتا ہوا ساحل پر آن پہنچا۔ دھوپ میں ہم سکھایا اور کپڑے
 پہن لئے۔ اس کا دل نرمی تھا لیکن حد تک کس نہ ہوتا تھا۔ جہنم تک اور تازہ ہو گیا تھا۔

ایشرسٹ کی عمر میں رحم کا جذبہ خدمت کے ساتھ مرس نہیں ہوا کرتا۔ جب واپس پہلی ڈے کے کمرے میں پہنچا اور
 چلتے پر خوب ہنپ بھر کر کھسا یا لکھنے معلوم ہوا جیسے ایک بخارا یا تھا جواب اتر چکا ہے۔ ہر شے نئی تھی اور صاف تھی معلوم
 ہوتی تھی۔ چاہے تو اس پر کتنی لگا ہوا۔ فرحیکہ ہر چیز میں اسے بہت مزا آیا۔ تباہی کی خوشبو ایک ایک اتنی اچھی معلوم ہو رہی

خانی کمرے میں بیٹھا تھا۔ ایک جانا بھی اس چیز کو دیکھتا بھی اس کو چھو نہ پھر سہی کے سینے پر دے کی ڈکری اٹھاتی تھی۔
 گھنٹہ گزر رہی تھی۔ ریشم کی ایک ٹیڑھی کو مس کرنا۔ ڈکری میں ایک جھٹکی تھی۔ جو کسی خوشبودار بوٹی سے بھری ہوئی تھی۔ اسے اٹھا کر
 سوگند پھر پیاؤ کے پاس جا بیٹھا اور ایک سانگی سے مختلف مثر بجاتا رہا۔ پھر بچنے لگا۔ کل پھر وہ بچے گی۔ اور میں اس بیٹھا
 اسے دیکھتا رہوں گا۔ اسے دیکھتے رہنے سے دل کو شکنیں حاصل ہوتی ہے۔ جو گناہ اس نے اس کے پاس ڈاکر۔ کھدی بختری وہ بھی
 بڑی بختری اسے اٹھا کر اس کی رون گردانی کرے لگا۔ لیکن لیکن کی اس میں شکل پھر انکھوں کے سامنے پھر گئی۔ اٹھ کر اٹھا کر ٹکی
 میں سے جبکہ کرنا چھو جس جو تھوڑی لہل رہے تھے۔ ان کو بستہ نہاد اور سمند کا نظارہ کرنا۔ اور جو وہ خوں کے نیچے یہاں نیلا اور خوب آمد
 نظر آتا تھا۔ ایک فادر اندر آئی اور جانے کے برتن اٹھا کر لے گئی۔ لیکن وہ درمیان کا وہیں کھڑا شام کی چراؤں کا طلع اٹھاتا رہا۔ اس
 کو طلع میں کو اس کا داغ کسی بات کو سرچنے نہ پائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پہلی ڈسے اور اس کی بیٹیں بھاگ میں سے سمند لگا
 پرتی ہوئی دکھائی دے سہی۔ آگے آگے میں اس کے پیچھے فل اند فل کے پیچھے چھوٹی رنگیاں اپنی اپنی ڈکری اٹھائے چلی آ رہی تھیں
 انہیں دیکھ کر ایئر سٹ اضطرار آنا لگے۔ ہٹ گیا۔ اس کا مجرد اور اس دل ان لوگوں کی طاقت سے گھبراتا بھی تھا اور ان کی بددعا
 شفقت سے تسکین بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ان کے کمر کو محسوس کر کے پڑتا تھا۔ لیکن ان کی پرسکون مصروفیت اور سہی کی دید سے
 مسرت مند نہ ہونا چاہتا تھا۔ پیاؤ کے پیچھے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا کہ سہی اندر داخل ہوئی۔ لیکن کچھ کھڑی کسی جیسے کوئی بیوی
 ہوئی تو پھر ایئر سٹ پر نظر پڑی۔ سرکاری۔ اس کا تبسم کھلی کی طرح سرسبز اور درخشاں تھا جس سے ایئر سٹ کو مسرت بھی ہوئی اور
 کچھ بھی کہی۔

”فریڈک تم کہتے نا؟“

”ہاں آئی نہ ہو سکا؟“

”دیکھو ہم کیسے بیٹھے کے پھول ہیں کر لائے ہیں۔ اب ان کا موسم ختم ہونے کو ہے۔“ سہی نے پھول آگے بڑھا دیئے۔

ایئر سٹ نے انہیں سوگندھا۔ دل میں بہیم سی خواہشات پیدا ہوئیں۔ لیکن پھر سکوت مری بھی گئیں۔ لیکن وہ متفکر چہرہ نظر آیا وہ اوپر
 تلک ہی تھی۔ ماہ گیروں کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھی۔

اس نے مختصر سا جواب دیا۔ ”بہت خوبصورت ہیں اور منہ بھر لیا۔ چھوٹی بچی بیڑیاں چڑھ رہی تھیں۔ ان سے
 پہچا ہوا سہنے کرے میں چلا آیا۔ اور لیٹر پر جاگرا اور دو دوں بازوؤں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ ذرا بعد تک چٹکنے کے بعد۔ لیکن کو چھوڑ
 چٹکنے کے بعد اسے نہ صرف اپنے آپ سے بلکہ کم و بیش پہلی ڈسے اور اس کی بیٹوں اور ان کی آنکھوں گھراؤں کی کسی خوش دلی
 سے بھی نفرت ہونے لگی۔ سمت نے یہ کیا ظلم کیا کہ انہیں یہاں لے آئی اور اس کے اومین عشق کا لگا کھوٹ دیا اور اسے یہ سکھایا
 کہ یہ عشق ادبائشی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ سہی کا کیا حق تھا کہ اس کا وہ فریب محبوب حسن سے یقین دلادے کہ وہ لیکن
 سے کبھی شادی نہیں کرے گا اور اس کے عشق کو ختم ثابت کرے اس کا دل تاسوت اور حسرت اور رحم سے بھر دے۔ لیکن
 بے چارگی تاسوں کے بعد ایس ہو کر واپس چلی گئی ہوگی۔ اور شاید یہ امید وہیں لے کر گھر کو جا رہی ہوگی کہ ایئر سٹ پہلے سے پتہ
 گیا تھا۔ تاسوت اور حسرت سے بے تاب ہو کر ایئر سٹ نے اپنی آہستہ آہستہ کاٹ لیا۔ کھانے پر بیٹھا اور اس اور چپ چپ تھا اسکی

ہاکی کچھ کر کے بھی بزمِ مردہ ہو گئے۔ سب کے سب تھکے ہوئے تھے اس لئے ان کا مزاج برہم تھا۔ چنانچہ شام کے وقت یہ لگنے لگی پارلیمنٹ کی سیٹھ سے آنکھیں چار ہونیں۔ وہ پارلیمنٹ اور عروج دکھا ہونے لگے دیکھ رہی تھی۔ دیر سے تھا اس لئے بسے۔ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ رات بھر بے چین رہا۔ صبح بہت سو رہے۔ خدا۔ ادا ہر نکل گیا ساحلِ سندھ کے۔ کو تنہائی کے عالم میں پرسکون۔ خطہ دشمن سندھ کو دیکھ کر اس کا دل تھکے پسینا منورہ امن سمجھنے کے سنگ کو پہنچے ہی وہ ہنسنے دہننے میں بھول بھی جائے گی۔ پانی راہ خود تو اسے اپنی پیمیزی کا جملے گا ایک دھماکا؛ سنہا کر اس کا علم ہوا۔ آدھ اس جھوٹے نفس کو کسرِ قدر سراپا ہے۔ وہ شیطان کی قابل ہے۔ کچھ شیطان کو بیجا دکھایا یہ خیال آیا تو ایک حرکت بنی۔ لیکن رفتہ رفتہ سندھ راہِ اسان کے سکون اور حسن اور سندھ کی پردوں کی پر فائز کے نقطہ سے متاثر ہو کر اس کو شرمزنگی۔ نہایا اور گھر کو چلا۔

سیٹھ اسکان کے باہر بیٹھے ہیں، ایک سفری اسٹول پر بیٹھی نقور بندہ ہی تھی چپکے سے اس کے پیچھے جا کر جھوٹا قدر چسپ ہے۔ جہم آگے جھکائے۔ موٹلم آٹھ میں تھا۔ اتھے پر لگی سی تیری ڈالے وہ کس قدر پیاری معلوم ہوتی تھی۔

بڑے لاکھ لکھے میں بولا

”سیٹھ لکھے افسوس ہے کہ مات جس نے بہت ہی بد فیضی کی۔“

سیٹھ چونک کر مڑی۔ چہرے پر سرخی دور لگی۔ جب عادت جلد جلد بولی

”اس کا ذکر بہت کرو۔ میں سمجھ گئی تھی کہ کچھ نہ کچھ بات ہوگی۔ لیکن دوستوں میں ایسی باتوں کا تذکرہ ہی خفہ

ہے نا؟“

الشرٹ نے جواب دیا۔

”ہاں دوستوں میں — تو ہم آپس میں دوست ہیں نا؟“

سیٹھ نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ بڑے زور سے ثبات میں سر ہلایا۔ برق صفت سر ریل اور ہوشاں تبسم کے چپکے دانت پھر دکھائی دیئے۔

تین دن کے بعد اشرٹ ان لوگوں کے ساتھ لندن چلا گیا۔ فارم کے لوگوں کو خط نہ لکھا۔ لکھتا تو کیا لکھتا۔ آگے سال اپریل کے آخری دن سیٹھ سے اس کی شادی ہو گئی.....

پہاڑہ طاقت تھے جن کی یاد اب اشرٹ کے دل میں جیکر وہ اپنی شادی کی پچیسویں سالگرہ کے دن گزرے۔ بچہ بیوی کا سہارا لگائے بیٹھا تھا۔ تازہ ہر ہی تھی۔ جہاں اب بچہ جن رکھا تھا۔ یہی وہ مقام ہوگا جہاں میگوں اسے پہلے کے بلاتل کڑی دکھائی دے گی۔ انسان کو زندگی میں کیسے کیسے اتفاقات پیش ہوتے ہیں۔ دل میں تنہا پیدا ہونے کا

بیچے اور بھی ہوتے وہ اسے فرار کو پھر جا کر دیکھے۔ اس میں بہت دقت نہ لگے گا۔ سنیہ ابھی شاید گھنٹے بھر تک نہ لوٹے۔
 چندی پر وہ چہرہ کے درختوں کا جھنڈا اٹھ عقب میں وہ گھاس سے ڈھکی ہوئی ڈھبوں اسے ابھی طرح یاد تھی! اندام
 کے دروازہ رنگ پہنچ کر رک گیا۔ وہ بھڑکی بچی عمارت۔ اس کے درختوں کا وہ خراب۔ وہ انگر کے شگنے بالکل ہوں کے کون تھے
 وہ پانی سنہ رنگ کی چوٹی کی گدی کی گدی کے بچے گھاس پر رکھی تھی۔ جہاں کھڑے ہو کر اس نے سینگ کے ہاتھ سے جا پائی تھی
 گڈنڈی پر چل کر باجے کے بھاگتے تھکے پیچا جو پہلے کی طرح اب بھی سیسہ نازل اور شکستہ تھ۔ درختوں میں ایک سیاہ رنگ کا سونگ
 اور اور پھر اٹھ گیا کچھ پتہ چھیس سلا گڈنڈی کی پھنسی کسی خواب سے جید نہ تھا ہے۔ اور اس بڑے سیب کے درخت کے
 پس سینگ میں کا انتظار کر رہی ہے! خود فراموشی کے عالم میں اپنی بھوری ڈنڑھی کو ہاتھ لگایا اور ماتحت کی دنیا میں واپس آ گیا
 بھاگتے کھول کر باجے میں داخل ہوا اور خاردار جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا آئسے تک جا پہنچا جہاں وہ پہلی سیب کا درخت کھڑا
 تھا۔ بالکل دیکھ کر دیا! ہلکے رنگ کی کالی پہلے سے فہ سے زیادہ تھی۔ دو ایک تخریب بھی شک ہو رہی تھیں لیکن اس کے سوا اس
 میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کل رات ہی کا واقعہ ہے۔ جبکہ سینگ کے بھاگ جانے کے بعد وہ ایک مدھمکے کالی دار
 تھ سے لپٹ گیا تھا۔ اور اس کی خستہ سے جو جس سے شام کو لغت اٹھ گیا تھا اور سر کے اوپر چاندنی میں شگنے سانس لینے
 پہلے زندہ معلوم ہوتے تھے۔ اداس بھلا کا زمانہ تھا۔ کہیں کہیں نکلیاں پھوٹ چکی تھیں۔ بلکہ برو اپنے ناگ اور اپنے تھے بیک
 گڈنڈی کو کس سستانی دے رہی تھی۔ اور پکلی ہوئی تھی۔ اور اس کی ٹھنی گڑھی خوشگوار معلوم ہوتی تھی مقام حیرت ہے کہ
 کہیں کوئی تبدیلی نظر نہ آتی تھی۔ وہی شدہ چلائی ہوئی ندی تھی اور وہی تنگ سانا لاپ جس میں وہ ہر روز صبح کے وقت لیٹ جایا
 کرتا تھا اور پانی اچھا اچھا کر اپنے پہلوؤں اور سینے پر ڈال کر تھک دیوں اور غرا میں بچ کے درختوں کا دی جھنڈا تھا۔ سالانہ کے
 باس دی پھر جہاں بچتے تھے جیسی تھا ان کر رہتا ہے۔ گم کردہ شباب کا خیال آیا۔ عشق کی بربادی کا خیال آیا کہ کس بے مددی سے
 اس کی شیریں نین کو ضائع کر دیا تھا۔ دل میں ایک شیں ایک ہوک انھی میں نے ایئر سٹ کا گھر ٹوٹا دید اس غیر محنت حسن سے
 بھری ہوئی دنیا میں انسان اس نے پیدا کیا گیا ہے کہ جو سرت اسے حاصل ہو اسے دل سے جانا ہونے سے۔ جس طرح یہ
 زمین یہ آسمان جہ نہیں ہونے دیتے! لیکن انسان بے بس ہے!

ندی کے کنارے پہنچا کہ اس چھوٹے سے تالاب پر نظر پڑی سو چہ شباب اور بھلا کیا معلوم دونوں کہاں چلے گئے
 پھر پلچخت ڈر گیا کہ کسی سے سامنا ہو گیا تو یہ خوشگوار تصورات برہم ہو جائیں گے۔ گڈنڈی کی طوط پلٹا اور کسی سوچ میں کھریا
 ہوا چہ اس چور ہے پر جا پہنچا۔

کوٹ کے پاس ایک گڑبڑی ڈنڑھی وہاں شخص ایک چھری کا سہارا لے کھڑے شرف سے باتیں کرتا تھا۔ ایئر سٹ کو
 دیکھ کر وہ پلچخت رک گیا۔ گویا کوئی ہے ادنیٰ کر بیٹھا ہے اور تنہا ٹوٹی کو چھو کر سنگرام سنگرام تا گڈنڈی پر ہویا۔

ایئر سٹ نے مٹی کی اس سبز ڈھیری کی طرف اشارہ کیا اور بھلا۔ "تیریں معلوم ہے یہ کیا ہے؟"
 اور شخص ٹھیک ٹھیک چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ دل میں کسدا ہے۔ "مجھ سے بہتر نہیں جانتاے والا اور کون بل سکتا ہو؟"
 ہلا۔ "یہ ایک قبر ہے!"

ملکین یہاں کیوں؟

بڑھاس کر دیا۔ یہی داستان ہے میں سے کئی دفعہ سنا جاؤں گئی لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ ڈھیری کیا ہے؟
لوگ اسے دوشیزہ کی قبر کہتے ہیں۔

ایئر سٹ نے بنا کوئی تخیلی آگے بڑھا دی۔ پائپ بھول: بندھے نے اپنی ڈوٹی کو سمجھا۔ اور آہستہ آہستہ اپنی ٹی پائپ
بھرنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ہوجھریاں اور بالوں میں سے اوپر کوٹنگ رہی تھیں ابھی چمک دانی تھی۔

• جناب اجلاس ہو تو میں بیٹھ جاؤں۔ آج ضامنک دکھ رہی ہے۔ یہ کہہ کر وہ اسی ڈھیری پر بیٹھ گیا۔
• اس قبر پر بیٹھ ایک کدو بھول پر نہ رہتا ہے۔ کچھ ایسی تنہائی بھی نہیں یہاں۔ سب کو جب سے یہ مورتوں کا جھبہ
شروع ہو رہے۔ اکثر لوگ بدھ سے گزرتے ہیں۔ کچھ زبان کی اور بات تھی۔ اب تو یہاں چل پھل رہتا ہے۔ اس بے چہری
نے خودکشی کر لی تھی۔

ایئر سٹ نے کہا: کچھ گیا۔ جیسی تو چھوڑا ہے میں دفن ہے۔ میرا خیال تھا اب یہ دستور نہیں رہا۔
• مگر یہ تو بڑے عرصہ کی بات ہے۔ ان دنوں پہلے ہاں کا پادری بڑا خدا ترس شخص تھا۔ اچھے سیکس میں میری
پیشین کو چھ سال ہو جائیں گے۔ اور جب یہ واقعہ ہوا۔ اس وقت میں بچا سووی برس میں تھا۔ اب تو کوئی ایسا شخص زندہ نہیں
جسے اس کا حال کچھ سے بڑھ کر معلوم ہو۔ وہ یہاں قریب ہی رہتی تھی۔ اسی فارم میں جہاں ستریز کو موب کے ہاں کام کیا کرتا تھا
اب وہ فارم ملک نہرو کو موب کے پاس ہے میں کبھی کبھی اس کے ہاں بھی متفرق کام کرتا ہوں۔
ایئر سٹ کھانگ کے سہارے کھڑا پائپ سگ رہا تھا۔ دیا سلائی بکھ گئی۔ لیکن ایئر سٹ نے دیر تک خمیدہ ہاتھوں
کو چہرے کے سامنے نہ ہٹایا۔

اس نے کہا: اچھا! لیکن اپنی آواز خود اپنے کانوں کو عجیب معلوم ہوئی۔ جیسے بیٹھی ہوئی ہو۔
• وہ لڑکی لاکھوں میں ایک تھی! جب میں گزرتا ہوں یہاں ایک آدھ پھول ٹال جاتا ہوں غلبہ صحت اور نیک تھی
گو انہوں نے اسے گر جے میں دفن نہ کیا۔ نہ وہیں دفنایا۔ جہاں وہ خود چاہتی تھی۔
بڑھانز دور ٹھہر گیا اسی پائپ بالوں والا مڑا ترا تھا کھول کر اس ڈھیری پر بلو بل کے پھولوں کے پاس بکھ دیا۔
ایئر سٹ نے کہا: اچھا!

لوڑے نے کہا۔ جس یوں سمجھئے کہ کسی سے عشق ہو گیا تھا اس لڑکی کو۔ مگر تعین سے کوئی نہ کہہ سکتا تھا۔ کسی لڑکی کے
دل کا حال اللہ ہی جانتے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ کسی سے عشق تھا۔

قبر پر ہاتھ پھیرا۔ مجھے اس لڑکی سے بہت محبت تھی۔ لیکن وہ خود بھی بہت زیادہ محبت کرنے والی تھی۔ یہی اس میں
خوابی تھی۔ اس نے نظری اور پرائیڈ اور ایئر سٹ نے جس کے ہونٹ اس کی فائضی کے بالوں میں پچھے ہوئے تھے یہی پھر ک
بہت تھے۔

• اچھا؟

وہ عزم بڑھا کا قلعہ ہے۔ بس یہی موسم تھا۔ صبح بھرے یا ذرا چند دن بعد ہو گا۔ شگرفوں کے دن تھے۔ غلام میں ایک کچھ تھا۔ اچھا لڑکا تھا۔ اپنا ذرا کھینچ کر رہتا تھا۔ مجھے بہت پسند تھا۔ میرے تو صاحب کرنی ایسی بات نہیں دیکھی۔ لیکن میرا سامنے اس لڑکی کا سر بھر دیا تھا۔

بڑھنے پانچ منہ سے بنایا۔ زمین پر تھوکا۔ پھر لڑکا۔

’بات ہے جونی کہ لڑکا اچھا ایک یہاں سے چل دیا اور واپس کبھی نہ آیا۔ اس کا تھیلا اور چھوٹی ٹوٹی چیزیں ابھی تک ہاں میں ہمیشہ ہی سو بٹھارہا کہ اس نے اپنی چیزیں منگوا لیں۔ میں۔ ایشیا ایسا ہی کچھ نام تھا اس لڑکے کا؟ ایشیہ سنے پھر کہا۔“ اچھا!‘

بڑھنے پر ٹول پر زبان پھیری۔

’اس وقت سے اس لڑکی کے ہونٹوں پر توجیہ ہر لگ گئی۔ دن بھریوں پھرتی رہتی تھی جیسے حواس بجا۔ ہوں۔ نہ نا ہو گی نہیں نے کبھی کسی کی حالت یوں بدلتے نہیں دیکھی۔ فہم میں ایک اور لڑکا تھا۔ جو تھی۔ وہ اسے جانتا تھا۔ اس سے بہت ہی پریشان رہتی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی حالت بگڑتی گئی۔ بعض اوقات میں شام کے وقت کچھ بڑوں لڑکی باغچے میں بڑے سیب کے درخت کے پاس گھڑی ہوتی۔ اور بالکل سے تنک رہی ہوتی۔ میں دل میں کہتا تھا کہ میں کہہ رہی ہوں کیا ہو گیا ہے۔ لیکن تمہاری حالت زار ہے۔

بڑھنے نے اپنا پانچ پھر سنا دیا اور سوچ کے انداز میں کش لگانے لگا۔

ایشیہ سنے کہا۔“ اچھا!‘

’ایک دن بے یار ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میگن تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے۔ اس کا نام میگن ڈوڈ تھا اور وہ اور اس کی نیرد کو سب دو توں لڑے آئی تھیں۔ میں نے کہا تمہیں ضرور کوئی دکھ ہے کہنے لگی نہیں جہ جے کسی چیز کا دکھ نہیں۔ میں نے نہیں۔ ہے اور ضرور ہے کہنے لگی نہیں تو یہ کہا۔ اس کی آنکھوں سے دو آنسو چھٹ پڑے۔ میں نے کہا کہ پھر تم ملتی ملنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ یہاں دکھ ہوتا ہے۔ لیکن تمہو سے دونوں میں آپ ہی ہٹ جیتے گا۔ پھر کہنے لگی۔ جم اگر کچھ ہے اس سیب کے درخت سے دفن کیجئے۔ میں جیس دیا۔ میں نے کہا تمہیں کہوں کچھ ہونے لگا۔ بچوں کی سی باتیں منہ سے لیا نہیں میں بچوں کی سی باتیں نہ کروں گی۔ میں نے دل میں سوچا لڑکیوں کی باتوں کا کیا ہے۔ آپ ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ یہ کائنات میں نے دل سے نکال دیا۔ لیکن دو دن کے بعد کوئی شام کے چھ بجے میں کچھ بڑوں کو لے کر آیا تھا کہ میں نے اس کے درخت کے پاس کافی سی چیز پڑی دیکھی۔ میں کہا سمجھ ہے۔ پھر حیران آیا۔ بھی کوئی سوز کے بیٹے کی جگہ ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ کیل ہے؟

بڑھا دنگ گیا۔ اس کی آنکھیں اوپر کر تک رہی تھیں۔ نظریں چمک تھی اور دکھ بھر تھا۔

’ننگ میں ایک چٹان ہے۔ اس میں دنگ کرانی کا ایک تالاب سا بن گیا ہے۔ وہاں وہ لڑکی پڑی تھی۔ اسی مقام پر بڑے کو ایک دو مرتبہ ہاتھ بھی دیکھا تھا۔ لڑکی پانی میں ڈوب چکی تھی۔ اس کے سر کے پاس ایک پتھر تھکا تھا۔

جس کا ہنری پھوٹ کا ایک ہوا آگ رہا تھا۔ جسے کو دیکھ کر اس پر ایسا سن آگیا تھا کہ آپ سے کیا کہوں۔ مجھے بچکی طرح پرستوں اور خوبصورت تھا۔ جب ڈاکٹر نے اسے دیکھا تو وہ بولا۔ سننے والی میں ڈوبنا تو نہیں ہے۔ اور کچھ پوچھ کر اس کے جسم سے کچھ ہی معلوم ہوتا تھا۔ میں تو خود نظر بد دیا۔ وہ کتنی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔ جون کا سینہ تھا سبکی اسے سبب کے شگفتہ کی ایک آدھ بستی کہیں سے لی گئی تھی اسے بالوں میں لگا رکھا تھا۔ اسی نے میں بکت ہوں کہ اسے شادی مرگ ہوئی تھی۔ مگر اس ہناؤ گنا سے کیوں مرنی۔ اور پھر پانی بھی ٹرنٹ ڈیڑھ فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن میں آپ سے کیسے کہوں کہ یہ جمل بھلا ہی ہے۔ کچھ ہی معلوم ہے اسے بھی معلوم تھا۔ اور کوئی کہے کہ بھاری نہیں۔ تو میں کبھی نہ ہوں۔ میں نے لوگوں سے کہہ دیا کہ وہ سبب کے وقت تلے دفن ہونا چاہتی تھی۔ لیکن یہ سن کر لوگ اور بھی غلات ہو گئے، انھیں یقین ہو گیا کہ اگر یہ بات ہے تو خود خود کشی کی ہوگی چنانچہ انھوں نے یہاں دفن دیا۔ ہمارے پادری کو ایسی باتوں کا بہت خیال تھا۔

میں نے پھر ڈھیری پر ہاتھ پھیرا۔ اور پھر رک رک کر بولا۔
 ”اگر کیاں مشن کی خاطر کیا کچھ نہیں کر گزرتی۔ وہ بری محبت کرنے والی لڑکی تھی۔ میرے خیال میں اس کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن یقین سے کسی کو کچھ معلوم نہیں۔“
 نادینے کے لئے اس نے نظر اڑا دیا تھا۔ لیکن ایئر سٹ وہاں سے چل دیا تھا۔ اس طرح کہ گویا اور کوئی وہاں موجود ہی نہ تھا۔

پہاڑی کی چوٹی پر جہاں پہنچ کر رکھا تھا اس سے پرے نظروں سے اور بھل وہ زمین پر اوندھا لیت گیا۔ تو اس کی پاکب نہ ہی کا میلہ تھا۔ یہ عشق کی دیوی سا پرنس کا انتقام اس کی پرنسز آنکھوں کو میگوں کا چہرہ دکھائی دیا۔ جس کے سیاہ بچکے ہوتے بالوں میں سبب کے شگفتہ لگے تھے۔ اور اس نے دل سے پوچھا۔
 ”میں نے کیا گناہ کیا تھا؟ میں نے کیا کیا تھا؟ لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ اس کے دل میں جذبات فیروز گل ریز مترنم بارے طوفان بپا کر دیا تھا۔ اس کے اندر میگوں دونوں کے دل میں۔ لیکن کیا حاصل عشق کو محض کسی کی جان لینا مطلوب تھا؟ تو پھر وہ یونانی ہی رہتی پر ہے۔ اور ”پالائس“ کے الفاظ بھی پتے ہیں۔

عشق کا دل دیوانہ ہے

اور اس کے پردوں کی چمک سنہری ہے

اور جب وہ جست بھر کر اڑتا ہے

تو کوئی اس کے جادو کی تاب نہیں لاسکتا۔

وہ تمام زندگی جو پہاڑ اور موج اور آب و ہوا

شباب اور خود سری سے مست ہے

ہر وہ شے جو سینہ زمین سے پھوٹتی ہے

یا سورج کی مشہابی شعاعوں میں سانس لیتی ہے۔

اں یہ سب کچھ ہر روز اور ہر عورت
 سب کے اوپر اے سائپرین۔ اے سائپرین تو حکومت کرتی ہے
 صفت تو۔
 رانی صبح کہتا ہے۔ لیکن حسرت زدہ لیکن: پیاری سے نیچے اترتی ہوئی لیکن پرانے سیب کے درخت کے نیچے
 راہ نکلتی ہوئی! چھان۔ مردہ لیکن جس پر سن کی ہر تبت ہے:
 ایک آواز نکلاں میں پڑی۔
 "ہاں تو تم۔ واؤ دیکھو۔
 ایشرسٹ اٹھا جو کئے جو تصویر کھینچی تھی۔ اے اٹھیں لیا اور چپ چاپ اسے دیکھتا ہوں۔
 "فرنگ اس کا پیش منظر ٹھیک ہے؟"
 "ہاں۔"
 "لیکن پھر بھی کچھ کئی رہ گئی ہے۔ ہے نا؟"
 ایشرسٹ نے اثبات میں سر ہلادیا۔ "کئی؟ سیب کا درخت موسیقی اور سنہری پھول؟"
 ترجمہ: پوس

(کاروان)

نوع انسان کی کہانی

دنیا کی ابتدا

ہماری بہن ایک بہت بڑا گولہ دھند ہے۔

تم کون ہو؟

ہم تو اس سے کہے ہیں؟

ہم کہاں جا رہے ہیں؟

ان سوالات کا جواب اسی سے ہی پڑے کہیں دور ساما، منتظر رہا ہے۔ وہ ہم بہت ہی آہستہ آہستہ لیکن بڑے مستعدان اہمیت

کے ساتھ اس کے تریسپینچ ہے میں

لیکن اچھی تم نے پھر بھی سادہ سے نہیں کی!

ابھی ہیں کچھ بھی معلوم نہیں۔

ابھی ہیں کچھ بھی معلوم نہیں۔ تاہم اتنا کچھ جان گئے ہیں کہ اپنے علم کی بدولت کئی ادب باتیں بہت مشکل ہو گئیں کہ قابل ہو گئے ہیں۔

اس باب میں میں تمہیں یہ بتاؤں گا کہ انسان سے پہلے جہاں تک میں معلوم ہے دنیا کا کیا حال تھا!

اگر ہم یہ اندازہ لگائیں کہ زمین پر جاندار پیدا ہونے کا دور کتنے عرصے سے مکمل ہے، اور اس سے پہلے کون سی مگر

اس کے نیچے کھینچی گئی ہے وہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ انسان یا انسان کے دور کی صورت میں اس کے عرصہ سے رہتی ہے۔

انسان سب سے آخر میں آیا لیکن عقل کے ذریعہ قدرت کی حالتوں کو سمجھنے سے پہلے کیا، اسی لئے ہم مٹیوں یا کتوں یا گھوڑوں

یا دوسرے جانوروں کی بجائے انسان ہی کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو اپنی اپنی جگہ ہر ایک کی تاریخ بہت دل چسپ ہے۔

جہاں تک میں معلوم ہے یہ کہ زمین جس پر ہم آباد ہیں شروع شروع میں شعلہ بار بار آتے کا ایک بہت بڑا گولہ تھا جس کے پیدا ہونے کا

میں دہریوں کے ایک نئے سے بال کی مانند اور ہاتھ زلفہ دار کئی سال بعد جب زمین کی سطح پر پانی تھا اس پر چاند کی ایک بڑی سی تہ نمودار ہوئی۔

ان تجرباتیوں پر مبنی مطالعہ کے پانی میں تھیں ہونے لگے۔ اور گولہ پانی ان نادریوں میں بہنے لگا جو گرم زمین کی داغ بیل

کی بنائی ہوئی مسکن کے پائوں کی انھیں کے رویت اس ٹانگے تک چٹک کی طرح پیسہ یا پھر اس ٹانگے پر پڑا ہوا ہے اس سے وہ بے تحاشہ
 ہوا میں لڑائی لڑتے ہوئے ہیں۔

اس سے بعد ایک جگہ پر آکر بیٹھا۔ بڑے غیور اور جتنی دیر سے جانور سب کے سب مر گئے اس کا سبب آج تک معلوم نہیں ہو سکا
 شاید اب وہاں تک نہ پہنچے ہو گئے۔ یا شاید وہاں کے لوگوں کے کچھ غرضت ممکن ہے وہ اس سے بڑے ہو گئے ہوں کہ نہ تو اس کے قابل رہے ہوں
 نہ چلنے کے نہ بیٹھنے کے۔ اور بڑے بڑے ہونے اور سخت مارنے والی نہ رہے ہوں لیکن وہاں ان کے پیچھے نہ گئے ہوں یہ جان بڑے بڑے
 رینگتے جانور اس لاکھ سال تک اس دنیا پر مستطاب ہے اور کچھ پہل سے چل رہے ہیں۔

ان کی جگہ باہل کی مختلف جانوروں نے لے لی۔ یہ اور جانور انہی رینگتے جانوروں کی طرح ان میں جواز قیہ تھا کہ پہلے کچھ کچھ پڑا
 کا دورہ چلتے تھے اس کے انہیں دور دورہ ہونے والے جانور تھے جس کی جگہ پر ان کے چلنے کے پتے نظر آتے تھے۔ پتہ چلتا تھا کہ ان
 کی جگہ پر آئے۔ ان دور دورہ چلنے والے جانوروں نے میں ایسی علامات دیکھیں جن کی بدولت ان کی نس کو اپنی تمام باقیات پر فطرت
 ہو گئی۔ جب تک یہ جانور چلتے رہے انہیں جسم کے اندر ہی اٹھائے اٹھائے پھرتے۔ باقی سب جانور آہستہ پھرتے پھرتے گزریں اور سردی کے رحم
 پر چھوڑ دیے تھے دور دورہ چلنے والے جانور بہت مدت تک اپنے پھرتے پھرتے اور جب تک وہ طاقت ور ہوں جنہوں کا تہہ بڑھنے کے تھک
 نہ ہو جائیں اور ان کی حفاظت کرتے۔ اس طرح دور دورہ چلنے والے جانوروں کے کچھ کچھ اپنی اپنی جگہ پر چلنے والے جانور آہستہ آہستہ زہرہ رو گئے۔ کسی
 جگہ کو دیکھ کر اس طرح کچھ کو اپنی حفاظت کرنا اور نہ دیکھنا اور چھوڑنا سکھاتی ہے۔

لیکن ان دور دورہ چلنے والے جانوروں کے حالات بہت تغیر کے ساتھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ تمام انہیں اچھی طرح جاننے والے جانور کہتے
 اور گھر پر چلنے جاتے ہیں۔ باقی رہیں اور گھر پر نہ تباہی سے ساتھ رہتے ہیں اور جتنے عام نہیں انہیں تم پر دیا جانے میں جا کر دیکھ سکتے ہو۔
 ان کے شکار پر جانور ان میں سے ایک جانور نے باقی سب کے اٹھ پھرتے ایک رستہ نکال دیا۔ شکار کے کام میں اس
 کی بدولت زندگی کی کٹ کٹ میں اپنی نسل کی رہنمائی کی۔ یہ جانور ان کا کہنا۔

تھا تو یہ بھی دیکھ جانے والا جانور سین خرماک مینا زہرہ اور جانی پھرتے سب سے جڑیا۔ تھا پہلے اچھی ناخنوں سے شکار کرنے
 کی علامت ڈالی۔ جیسے ہوتے پھرتے کی شکل یا کڑ کی کسی بن گئی۔ پھر بے انتہا کوششوں کے بعد کچھ پھرتے پھرتے پھرتے پھرتے پھرتے پھرتے پھرتے
 انسان نہیں۔ انسان کس لاکھ سال ہے اس کا عادی ہے پھر بھی کچھ کو یہ انداز نہیں پڑتا ہے

یہ جانور دیکھنے میں کچھ بندہ کچھ بن ہنس سے ملتا تھا لیکن دانت میں دو ٹوٹے بڑھ کر تھا۔ شاید اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا
 ہر قسم کی آہٹ بولیں نہ لیتا تھا۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک جہ تو حفاظت کی خاطر چھوڑنے کی ایک ڈلی بنا کر سفر کرنا۔ پھر کو خطرہ
 ہے آگے دیکھنے کے لیے عجیب و غریب آوازیں نکالتا۔ کئی لاکھ سال بعد اپنی آوازوں کے گفتگو کرنا سیکھا۔
 تہیں جتنی آزمائش سے آگیا کہ ہم تم سب اسی جانور کی آواز میں لیکن حقیقت یہی ہے۔



وہ سچ جو کبھی جھوٹ نہ ہوگا

میں انسانی زندگی لی بھنوں پر جب قد غور کرتا ہوں، انہی بھیرے روشن تروتا جاتے جس طرح ہم موعے کوٹ بخشش اور نجات کے لئے تیس "نیتیں" مان پرکتے تھے اسی طرح ہیں، کچھ مشکلات کے حل کے لئے، طرز اور محو "داسن" پرانہ تھے
 طرز اور محو ہے جوہر کوئی چیز ساری جھگڑا نہیں ہو سکتی۔ طرز سے۔ نتیجہ کے موعے پر سکا ہٹ یہاں سے ہے درمچ اپنے "نوسوں" سے زندگی کو مدرس بناتے ہے

میں طرز میں اپنا دیتا ہوں، چاہتا ہوں وہ کوئی مشکل دینا نہیں... بہت اذیت اس کا مضبوطی ہے، اذیت کا عہد اور مہربان دیتا ہے
 اسی کا تہم دشمن کو بھی دوست خالی ہے اور ہا جس یہ سکھاتا ہے کہ حقوں اور غلطوں پر مشورہ ان سے ندرت مت کرو۔ کیوں کہ یہ عمر نہی کی نشانی ہے۔

ایک بہت بڑے فرانسس کے ان دانش مندانہ اظہار میں اس کتاب (فحتم) میں اور نصرت چاہتا ہوں خدا حافظ

احمد اذ کتاب "نوع انہی کی کہاں" - معصومہ شہزاد خان لکھن
 مترجم پیرس

بچے کا پہلا سال

لیکن انہوں نے یہاں تک کہ ایک بچہ کی عمر کے پہلے سال کو تقسیم کے دائرہ سے خارج کرتے تھے۔ جب تک کہ ایک بچہ کم از کم پانچ سال کا نہ ہوگا۔ اسے صرف اس یا اس کی زیر نگرانی رکھ جاتا تھا۔ اسے فرض کر لیا جاتا تھا کہ وہ غرضاً یہ بچہ کے کے نیک و بد کو ایسی ہی طرح سمجھتی ہیں کہ انہیں سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن یہ حقیقت تو اس کا یہ خیال تھا کہ کئی سال پہلے کے بچے کی عمر بڑھنے سے وہ بڑھ رہا ہے۔ اس سے اس کی ایک کی عمر بڑھنے کے لئے خوب چھٹائی۔ خدا تریت کی وجہ سے خدا کا دینی معاملات کی نسبت یا بچہ کی جوانی پر حقیقت اس حال میں معلوم ہوتی ہے۔

یہاں بات یہ ہے کہ اکثر لوگ شیر خوار بچوں کی پرورش کے مسئلے میں سائنس کا دخل نہ سمجھتے۔ لیکن اس سے ماں کی انا ہے
 کے دل سے ہے اور وہ دیر قوتہ ان کے ذہن میں موجود ہے۔ مدد دے سکتا ہے لیکن یاد رکھنا ہے کہ اخلاقیات اور دنیاوی چیزیں ہیں۔ یہاں
 محبت اور چیز ہے جن والدین کو اپنے بچوں سے ہے۔ اہل محبت ہے وہاں کی تربیت کے لئے سائنس کے اصولوں پر عمل کرنے سے یہی گہرے چنانچہ
 ہم دیکھتے ہیں کہ مغربوں میں محبت انہی لوگوں میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ جن کے کوئی اور اثر نہیں ہوتا۔ یا جو دوسروں کی انا سے بچوں کو کسی
 چیز سے دور کرنے کی بات ہے بلکہ تقسیم یافتہ والدین سائنس کی معلومات سے غفلت برتنے کی بجائے متاثر کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ان پڑھ لوگوں میں بھی سائنس
 کا پورا پورا ہند بڑھتا جاتا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ بچوں کی اساتذہ روز بروز کم ہوتی جاتی ہیں۔ اگر لوگ پوری احتیاد سے سائنس کی قدر و قیمت کی تعداد وہ
 بھی کم ہو جائے گی بلکہ جو کچھ ذہنہ نہیں ہے ان کی ناخوشی اور جسمانی حالت بہت برتر ہوگی۔

جس کی صحت کے بہرہ وافر لگ ہی وہی ان مسائل کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اللہ حقیقت فرمے کہ یہ رسائل اس کتاب کے دانہ سے غبار ہیں۔ لیکن ہر یہاں جسمانی صحت کے مسائل پاسی حوالہ دیتے ہیں کہ جس صحت ان کا حلقہ ذہنی یا نفسانی زندگی سے ہے۔ لیکن ہر اس وقت بحث کرنا یوں ضروری ہے کہ اول ذکر کے پہلے مسائل میں جسمانی زندگی کی توجہ مرکب شامل ہوتا ہے۔ دوسرے اگر شروع میں پہلے کے جسم کا کام ختم خیال عام کما جائے تو چند ایسے فن نفس کے پیدا ہونے کا احتمال رہتا ہے جو بڑے بڑے ترقی کے رستے میں عادی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہر چند کہ جسمانی صحت پر بحث کرنا ڈاکٹر کی ہی کا حق ہے تاہم اس سلسلے پر ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے متعلق کچھ عرض کریں۔

نفاذ شدہ و بچہ کسی چیز کا عادی نہیں ہوتا۔ اس کی تمام حرکات کسی حالت کی وجہ سے نہیں بلکہ اضطراراً سرزد ہوتی ہیں۔ اگر ماں کے پیٹ پر اس نے صبح صادق کی آنکھیں کھولیں تو وہ گرم و دکھائی نہیں دے گا۔ بچہ اس کے کام آسکے۔ یہاں تک کہ سانس لینا بھی اسے پسند نہیں آئے گا۔ بچہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے پاس کسی چیز کا عادی نہیں ہوتا۔ اس کی تمام حرکات کسی حالت کی وجہ سے نہیں بلکہ اضطراراً سرزد ہوتی ہیں۔ اگر ماں کے پیٹ پر اس نے صبح صادق کی آنکھیں کھولیں تو وہ گرم و دکھائی نہیں دے گا۔ بچہ اس کے کام آسکے۔ یہاں تک کہ سانس لینا بھی اسے پسند نہیں آئے گا۔

ہاں چھٹکی کا بیٹا ہے جب تک کہ اس میں معرفت سے بہت خوش رہتا ہے۔ اسی تمام وقت وہ ایک حقیر عالم میں گذرتا ہے جس سے یوں
 کچھ حاصل ہوتا ہے کہ دن امتحان کا بیشتر سہ نیند میں گذر جاتا ہے۔ ہندوؤں کے جدید بات چال چالی ہے۔ ان میں (شکا دوہ پتا وغیرہ) ^(۱)
 توجہ کے ساتھ گھر میں آئے ملتی ہیں۔ اس کے سوا ان باتوں کا مستحق رہتا ہے میں یہ کہے کہ وہ جس چیزوں کا عادی ہو جاتا ہے اور جس باتوں کا
 عادی ہوا نہیں کو پتہ نہ دے کیا تمام باتیں ہندو ہندو سے اعتقاد پندرہ ہی ایسا کہ انھیں پھر عربی یا سنسکرت ہوتا ہے پھر پڑھتا ہے اور پھر اس
 میں بھٹکتا ہے۔ قابل ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی طرح اپنی سیدگی کا انھیں مانا دے اس کی باتوں کے واسطے وہ اس میں عربی یا سنسکرت کی باتیں کہیں کر
 سکتے ہیں۔ ہم شیر خوار بچے کی طرح بہت بھلا ہوتا ہے کہیے ہیں۔ اس انسان نے اگر کوئی بڑی عظمت سکھائی تو وہ بعد میں اچھی تربیت کے راستے میں
 رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ اس سے شیر خوار کے بچے کی حالت کا عام طور پر خیال رکھنا ہے۔ اگر شروع شروع کی حالت اچھی ہوں تو بہت سہولت
 ہوتی ہے۔ بعد میں اس میں تبدیلی کی حالت آتی رہتی ہے کہ اسے سیکھنا باطل جہت تسلیم ہوتی ہے۔ اس لئے اعمال یا اس کا اثر
 بہت گہرا ہوتا ہے کہ حالت بعد میں کچھ جائیں ان میں یہ پستی کبھی نہیں ہوتی۔ اس لئے نہ عقل کی حالت خاص طور پر توجہ کی سوجھتی ہیں۔

اس مسئلے میں دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہیں۔ اول ادب سے مقدم صحت۔ دوم سیرت۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ بڑا ہو کر ایک ایسا
 انسان ثابت ہو جس کے صنعت پندیدہ ہوں اور جو بچہ گھر میں سے بھر امن علمہ بنا سیکے۔ جس کی بات یہ ہے کہ صحت اور سیرت دونوں کے
 مضامین ایک ہی چیز ایک ہی منہ ہے وہی دوسرے کے منہ ہے۔ یہاں بحث سیرت سے ہے لیکن جو اصول ہم سیرت کی بہتری کے لئے پیش
 کریں گے وہی صحت کے لئے بھی مفید ہی گویا یہ نہیں ہو سکتا کہ جو تندرستی جو یکن اس کے ساتھ جڑے ہوں۔ یا نیک سیرت تو جو یکن اس کا جسم اور امن
 کا شکار ہو۔

آج کل بڑی ترقی آئی ہے کہ کچھ کمزور مفرودہ اوقات پروردہ چاہے اس سے بچے کا باخبر نہ ہو کہ وہ بہت بڑے بچے کے لئے خود
 ایک منہایت مفرودہ ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اخلاقی نقطہ نظر سے بھی یہ بہت منہ ہے۔ شیر خوار بچہ آتا ہے عقل نہیں جتنا خاصا ہم سے کہتے ہیں اس سے
 ایک دھڑکتی ہو جاتا ہے۔ اس سے مطلب نقل آتا ہے تو وہ ہندوستان سے لیکن جب بڑا ہو کر کسی عدوت کے زیادہ اثر نہ ہو تو وہی صحت بنا کر لوگوں
 کے لئے فائدہ کرنا کہ ہندو تو اس سے چار گالے کی بجائے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں لوگوں کا یہ سلوک اسے زہد یا گوارا کرتا ہے اور وہ دنیا کو خود دھن
 اور سہولت کے جذبے سے ستر آسمان سے۔ اگر وہ کسی مہاراجہ کی ہو کر خانا سے سین جاوے تو بے جا اوجہاں اس سے باخبر نہ ہو کہ اس سے ہندو
 اور یہ شخص اس کی ہمت کو ہوتا ہے۔ یہی حال دولت مند لوگوں کا ہوتا ہے کہ بچپن میں بڑا ہوتا ہے تو پھر تمام عمر بڑا ہوتا ہے جس شخص کی پرورش
 شیر خوار کے زمانے میں اخلاقی طریق پروردہ ہوا ہو کر اگر وہی اقتدار سے آؤندی اور جس میں ہوتا ہے وہ اگر بے مباحثت ہے تو لوگوں کی مفرودہ ہے تو جی
 سے کو اختیار ہوتا ہے اس لئے اخلاقی تعمیر ہزاروں ہی سے شروع کر دینی چاہئے تاکہ نہ غلط فہمیت پیدا ہو۔ نہ بعد میں انہیں مجروح ہونا پڑے اگر
 شروع میں اس کا تدارک نہ کیا جائے تو بعد میں بچے کی عادات کو شکست دے اس کے دل میں غمے اور شک کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

گویا بچے کی تربیت اس طرح کرنی چاہئے کہ نہ تو اسے ناچار اور پناہ پر لوگوں سے بھاگنا پڑے نہ اس کی طرف سے بالکل یہ ہے تو بھوکا
 جائے شغاباں صحت کے لئے مفرودہ ہے اس میں کوئی نہ کرنی چاہئے۔ بچے کو جو ادب یا سنسکرت سے تکلیف پہنچ رہی ہو تو اسے کھانا دینا چاہئے۔ تاکہ
 اسے بھری نہ لگے اور وہ بھیک نہ جائے لیکن اگر بچہ بڑی جوانی تکلیف دے نہ تو شروع کرے کہ اسے رشتہ دینا چاہئے نہ وہ اسے با خدمت کھانے
 کا عادی ہو جائے گا۔ جب اس کی دیکھ بھال کی جائے تو بہت زیادہ چارواں ہوتا ہے کہ انھیں کن فضول بھوک مفرودہ جو بات مناسب ہو کہ کوئی چاہئے اور

حضرت سے زیادہ محبت اور سرداری کا اظہار نہ کرنا چاہئے، بچوں کی پردہ نشاں باز و بچوں سے نہیں ملنا سنتا، اس لیے کہ اس کی پہچان نہ کیا وہ بچہ نہیں بلکہ بڑی عمر کا انسان ہے۔

بچوں میں جڑوں کی کسی مادی میں تپید نہیں ہو سکتی، لیکن جہاں یہ خیال غلط نہ تھا چاہے کڑی لڑائی ہو، بات نہ کہہ سکتے تھے، جہاں کی مادی سے کہہ سکتے تھے، اس بات ثابت ہو۔ عاید کہ بچہ مذہب دار بن جائے۔ وہ نہ مادی سے کہہ سکتے، ایسی کو مادی ہوگا، اور بچہ دیکھتے تو وہ خود بھی اس قابل نہیں کہ اس میں اس قدر اہمیت کا احساس پیدا کیا جائے۔

بچوں کی پردہ نشاں میں سب سے مشکل بات یہ ہے کہ والدین کو گفت و گو کے میں بن رہنا پڑتا ہے، یہ بھی صحیح کہ دوست رکھنے کے لئے ہر وقت اس کی محنت کرتی رہتی ہے، اور اس کی خاطر بڑی بڑی چیزیں بھی بیٹھتی رہتی ہیں، اس لئے کہ مرد و عورت کو دھیرے دھیرے بہت زیادہ محنت ہو، لیکن یہ ہے کہ جہاں ان بن کر محبت زیادہ ہوتی ہے وہاں ان کی فکر پر پردہ پڑ جاتا ہے، جن والدین کو اپنے بچوں سے بہت محبت ہے۔ ان کے نزدیک اولاد کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے اگر احتیاط نہ رہتی جلتے تو بچہ بھی اس بات کو محسوس کرنے لگتا ہے، اور جتنا کہ والدین سمجھتے ہیں اتنا ہی احمق بھی اپنے آپ کو سمجھتا ہے جب اسے خود بڑی کی حالت پڑ جاتی ہے، والدین کو اگر والدین کی طرح اس کی خوش آمد نہیں کرتے تو اسے بایں ہوا پڑتا ہے، اس لئے یہ فرد کی ہے کہ نہ صرف پہلے سال بلکہ بعد میں بھی جب بھی بچہ بہار ہو والدین خندہ پیشانی اور بظاہر بے فکر کی حالت میں اس کا علاج کریں۔ اور بات کا متکرر نہ بنائیں۔

پہلے زمانے میں بچوں کو مجبور کر کے بہت لگا جاتا تھا، اور ان سے لادھبت کیا جاتا تھا، ان کے حصار کو حرکت کرنے کا موقع نہ دیا جاتا تھا، کچھ سے محبت سے زیادہ گرم ہوتے تھے، فطری حرکات پر پابندیاں عالم کی جاتی تھیں، لیکن ساتھ ہی ان کو ہر وقت گڑبگڑ، اٹھنے، اٹھنے، پھرتے تھے ان کے سامنے گانے گاتے پھرتے تھے۔ اس میں جو بھی تھیں، چہ اپانی لائق مشق بننے لگتے تھے، یہ بہت غلط طریقہ تھا اس سے بچے بڑے جلد جلتے تھے اور ہر وقت ان باپ کے گانے گانے لگا رہتے تھے، صحیح، مگر یہ کہ بچے کی فطری حرکات و خواہشات پر پابندیاں عائد کیے نہ گئے، ان سے متبادر کئے دیکھے، بچے کے لئے آپ جو تکلیف اٹھاتے ہیں اس سے بچے کہے خبر نہ لیا ہے، خدمت کرنے کا چاہا سے نہ پڑنے دیکھے، جہاں تک ممکن ہو ایسی کامیابی کا لطف اسے محسوس نہ لگے، دیکھے جو خدا اس کی اپنی کوشش کا نتیجہ ہو، جدید تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہے کہ فطری خواہشات کی تکالیف سے آزاد کیا جائے۔ لیکن اس کے لئے یہ فرد کی ہے کہ خود دیکھے کہ دل میں انجذابا احساس پیدا کیا جائے، احساس احساس کا پیدا کرنا، پہلے سال میں نسبتاً آسان جتنا ہے، مثلاً بچے کو سلا، بڑے گود میں ڈالنا چاہئے، بازوؤں میں تھام کر، سوجا سوجا، نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس کے پاس تک نہ ٹھہرنا چاہئے، اگر آپ ایک مرتبہ دیں کریں گے تو بچہ دوسری مرتبہ بھی یہی چاہے گا اور غرض عرصے میں بچہ سلا، ایک کیفیت بن جائے گا، بچے کو از حال اپنا کو بتر میں سلا دینا چاہئے، اور ایک دو باتیں کہ اس کے لئے ایسا مجبور دینا چاہئے، لیکن یہ وہ چیزیں ہیں کہ دیکھتے ہیں کہ وہ خود بخود چوبچ رہ جائے گا، اس کے بعد جادو دیکھتے تو اس کی نیند سدا ہوگا، لادھبت اسے ایک تو اس کی سیرت بڑھ جائے گی۔ دوسرے وہ سوسے لادھبتی کم۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ لادھبت بچہ اس کے پیش سے گئی، عادت ساتھ نہیں لانا، اس کی عادات فطری اور اعتدالی ہوتی ہیں، چنانچہ اسے اشیاء کا کوئی احساس نہیں ہوتا، اشیاء کے احساس کے لئے یہ ضروری ہے کہ کچھ اشیاء کو چھوئے، اور اشیاء کو چھاننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اشیاء کو بار بار تکرر ہو، سونہ رشتہ دہشتہ کی حاصل جتنا ہے، پائوں کے تھوڑے عرصے میں بچہ پتھر کے س، ان کی چھائی یا لادھبت کی بڑی سے اس کو خوشبو اور اس کی ناک کی آواز سے اس میں جاتا ہے۔ ان یا پتھر سے کو دیکھنے کی قابلیت بعد میں پیدا ہوتی ہے، لیکن لادھبت بچے کی انگلیں بھی اس قابل نہیں ہوتیں کہ

پچھتہ ہونے کے بعد یہ وقت آج کے وقت اور بہت دور ہے۔ اس کی وجہ سے اتنا ہی رہتی ہے جب وہ جس میں ہر روز صبح
 چھ بجے صبح کو اٹھ کر کھانے سے شروع کرتی ہے۔ انسان کی عورتی فضا اس کی ذہنی قابلیت پر ہے لیکن عورتیں جیسے کہ عمر کے بچے کی طرح کھانسی جی
 کالی ہوتی ہے جس کے ذہن میں یہ اصل پر قادر ہو کہ اس کے سر توں سے کچھ ہوتا ہے۔ ہاتھوں کے بچے جیسا کہ بعد زندگی کے بعد انسان کے
 قابل ہو جاتا ہے کہ ان کی سرسختی لڑائی ہوتی ہے اور تجربے پر منحصر نہیں ہوتی۔ انہی کا یہ اگر حسن جلتا پرتی کہ کسی کی خوشیوں اور مسکینوں
 متعلقہ ہو جاتا ہے۔ یہاں کی عمر کے بچے عورتیں جیسے عام طور پر لکھیا جاتا ہے اس کا کھانے رہنے میں بھی ملکت ہے۔ اس سے خیر خواہی ملتی ہے۔ اگر
 بچے کو بہت زیادہ بھلیا جانے والا سمجھا جائے۔

جب بچہ دوسری چیز کا مطالعہ تو سمجھنا سیکھتا ہے۔ اس شخص کے مستقبل اس کے جذبات اور اس کے تیز ہونے سے ہے۔ اس کو
 پہنچ کر اس اور بچے میں خوش تعلقات کا امکان شروع ہو جاتا ہے۔ بچہ اس کو کچھ کڑی کڑی کاغذدار کر سکتا ہے۔ اس کے لئے۔ اور نہ صرف اس کی رائے بلکہ
 اس طرح سے متاثر ہوتا ہے۔ محض اس کے بعد تین اور تین کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ میرے اپنے بچے میں اس خواہش کے وہ تمام ادا ہونے چاہئے
 کی عمر میں ظاہر ہوئے۔ میرا ایک ذہنی مضبوطی ہوئی تھی۔ بڑی شکلوں سے اس کے لئے۔ انہی اور انہی کا یا محض یہ سنا کہ اس کی ہدی دینے کے
 صاحب یہ خواہش پیدا ہو جانے کو ایک ذرا متوجہ رہنا کہ اس کے لئے۔ اور تفریق اور حالت کا جو ہے۔ بچے کے تمام تفریق میں اس سے ہر کام
 لیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس صاحب کو اس کا مطالعہ کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ اس کے پہلے سال میں بچے کی ذہنی حالت اس سے
 بہت حد تک متاثر ہو جاتی ہے۔ تفریق جیسا کہ ہم مقرر ہوئی ہے لیکن تفریق نہ کر اس کو مدد مل سکتی ہے کہ اس کی قدرتی حالت ہے۔ اس کا
 جس کے ساتھ کہ بچہ کو اس کے معاملے کے لئے بہت زیادہ زور دیا جائے۔ جب بچہ پہلے اور نہ تمام ادا ہونے کے لئے تو کسی
 معقول شخص کو اس کی کارگزاری کو سنبھالنے میں آسانی نہ کرنا چاہئے۔ جب بھی بچہ سمجھتا ہے کہ اس کی شکل کو اس کی تفریق ضرور کرنی
 چاہئے۔ بچے کو اس کا اپنی دلانا پہنچنے کو اس کی خواہش کتاب کے ساتھ بدلا دی ہے۔

عام اور پرہیز میں خواہش کتاب اتنی زبردست ہوتی ہے کہ اس کے لئے ممکن صاف متاثر کیا جائے گا۔ اس کی سب کچھ اور
 ہی کر سکتا ہے۔ شکیبائی کے نظموں چلنے یا پاؤں پاؤں چلنے یا اسی طرح کی دیگر حالت سکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ باتیں کرنا ابھی شروع کر اسے
 سکھاتے ہیں۔ لیکن یہ خیال ہے کہ بالادہ انسان سکھانے کی کوشش کرنا فی ضرورت ہے۔ بچے اپنی تلی کی رفتار کو سمجھ سکتے ہیں۔ اسے تیز تر بنانے
 کی کوشش کرنا چاہئے ہے۔ دوسرے دم تک انسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس میں پس آتی ہیں۔ ان پر قابو پاتا ہے اور اس سے مزید کوشش کے لئے حوصلہ ہوتا
 ہے۔ اس سے بہتر طریقہ شوق کے بڑھانے کا اور کوئی نہیں۔ مشکلات ذاتی زیادہ ہوتی چاہیں کہ کام کرنا کہ شوق ہی ہو جاتا ہے اور نہ اتنی کہ بہت کر
 اگلا نہیں کہ کچھ لیتے اسی بات سے میں جرم قرار دیتے ہیں۔ بڑوں کو صرف یہ کہنا چاہئے کہ ایک اور بچہ کہ اس کے دکھائیں۔ شفا اس کے لئے ایک دوسرے
 جھنجھٹا ہوا ہے اور پھر بچے کو پھر دوسرے کو اس کی نقل اتارنے کی کوشش نہ کرے۔ وہاں دوسرے لوگ سرانجام دیں۔ دوسرے شوق پر تازہ یا نہ کام کر
 سکے ہیں۔ لیکن جب تک بچہ کام خود نہ کرے۔ اسے تعلیم نہیں کہا جاسکتا۔

باقاعدگی اور وقت کی پابندی شروع ہونے اور طبعاً پہلے سال میں بہت ضروری ہیں۔ نیشنل فوڈک اور دفع حاجت کے لئے
 شروع ہونے کے باقاعدگی کی حالت ذاتی پہلے۔ اگر وہ پیش کے حالات اور حالت کا اس میں ذاتی نقطہ نظر سے بہت ضروری ہے اگر ایک ہی بات کا تعلق
 ہے پیش آتی ہے تو یہ اس کے پہنچنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ذہن پر ضرورت سے نیا نہ دہر نہیں لانا پڑتا۔ اس کی محسوس کرتا ہے کہ میں جھنجھٹا ہوں

یہ کہ جس سے بھی جتنا ہے۔ اسے تسکین کی ضرورت ہے اگر اسے یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ہر بات بابت ہو گئی ہے ساتھ ہوتی ہے اللہ کوئی نئی بات بھلتا
اس کی زندگی میں عقل جس حال میں تھی۔ اور وہ اس رشتے سے۔ ذرا غریبی ہوتی ہے کوئی نئی باتوں کا شوق یہ بہت کم ہے لیکن زندگی کے پہلے سال میں ہر نئی
بات میں بچے کو کچھ کچھ حس ہوتا ہے جس سے اسے جہاں تک ملے ہوئے ہو گا۔ دیکھ جائے

اگرچہ پہلے چھ ماہ تک تو اپنا نظریاتی اور محسوس اس پر غور نہ ہونے دیتے۔ وہ نہ تو بھی نظر ہو جائے گا۔ اولیٰ ایسی بات کہ کوئی چاہے جس کو
بچے کی طبیعت میں یہ جان پیدا ہو کہ بچے کو ٹھیک نیند آئے۔ اس کا پیٹ خوب ہو تو بچے کے سامنے ہے ہوائی کا پارٹی چاہے۔ اسے یہ احساس نہ ہوتا
چاہے کہ اس کی طبیعت کچھ بڑھ گئی ہے وہ نہ تو معمولی باتوں میں بھی آپ کی خوشامد مارے ترقیب کا عملی ہوش مند ہوگا۔ اس حالت کا خیال نہ وہ نہ کہ پہلے سال
میں بلکہ بعد میں بھی دیکھ چاہے۔ اگرچہ اس اصول پر پیش از پیش کہ بچہ نہ چاہے۔ بچے کے دل میں یہ احساس بھی نہ پیدا ہونے دینا چاہے کہ اس کے
عملی اعمال مثلاً کچھ پتیاں جو اس کے لئے سورت کا رجب میں آپ کی محنت کا باعث ہیں۔ اگر اس میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو وہ خوشامد کا شوق
رہتا ہے۔ حالانکہ اسے ایسی باتیں تو کہ وہ غیر ترقیب کے کوئی چاہیں

یہ بھی خیال مت کیجئے کہ بچے میں اتنی عقل کہاں جو ان باتوں کو سمجھ سکے کہ وہ میں اللہ اس کا علم ہو۔ دیکھیں جہاں یہ کوئی بات
اس کے دستانے میں ملے گا نہ جوں جوں اس کی دہانت بڑوں سے کم نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ شرم کے ایک سال یہ دیکھتا ہے پھر پھر ایک سال کے عرصہ
میں اتنا نہیں سیکھتا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بچے کی دانت بہت تیز ہوتی ہے۔

ظہر یہ کہ بچے کو یہ کہہ کر پاؤں ایک دن اسے پڑا ہوئے ہے اور دنیا کے لا بد ہر میں عہدہ میں اس کی موجودہ سہولتوں پر یا اپنی خوشی پر
اس کی آئندہ بہتری کو قربان مت کیجئے اس سے اسے بہت نقصان پہنچتا ہے۔ ٹھیک تربیت دینے کے لئے محبت اور علم دونوں کا ہونا ضروری ہے
ماخوذ از کتاب تعلیم خصوصی اطفال لفظ میں۔

مصنف برٹش رول — ترجمہ پیرسبر

دیہات میں بوائے سکاؤٹ کا کام

ملکیوں کا بادشاہ

ایک دن قراقرظ کے اسکول میں آیا۔ سب لوگ اسے جانتے تھے۔ جو بچے پہلے اس کی صورت دیکھیں ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے۔ پڑھنا، لکھنا، بھولنا، اور سب کی فطری مدد دینے پر آمادگی جہاں بیٹے بیان کر رہے ہوتے وہ اس کی صورت دیکھ کر ہنستے۔ سقاؤٹ نے کچھ کچھ سے بڑھ کر ایک چکر لگایا۔ پھر اپنے پیچھے سے مڑی مڑی باتیں کہنے لگا۔ "کسی کے ہاتھوں میں مڑیاں دیکھیں۔ نہ ناک میں تھو، نہ کسی کے چہرے پر میل، نہ کسی کی ناک بہہ رہی ہے نہ ناس میں ہنسنے ہوئے ہیں (اسی) یہ کیا؟ اس بچے کے ناس میں تھو ہے ہنسنے میں۔ لیکن اس کی بات ہے! لیکن نہیں یہ کوئی نئی بات ہوگی) اور ہاں نہ کسی کا پیٹ بڑھا ہوا ہے، نہ چہرے پر زردی ہے، نہ آنکھیں غلاب میں، نہ کمرے سے ہیں۔ سب کے چہروں پر خوشی اور مسکراہٹ ہے۔ معلوم ہوتا ہے اصلاح اور ترقی کے لئے جو ہم نے کوشش کی تھی وہ بے نتیجہ ثابت نہیں ہوئی۔"

چونکہ جماعت کے ایک شوخ لڑکے نے کہا: "بڑے بیان یہ ہم پر منتروڑہ پڑھ کر کہا پھونک رہے ہو؟"

سقاؤٹ یوں چونک اٹھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ "لا۔ سلام سے لوگو! ہاں میں ایک خواب دیکھ رہا تھا۔"

"تو بڑے بیان! اس میں حیرانی کی بات کیا ہے۔ ابا جان کہتے ہیں کہ تم خواب دیکھتے کہ وہ دی ہو لیکن تم تو خواب نہیں دیکھتے۔"

ہم تو سب جاگ رہے ہیں۔

"تو پھر مزہ میرے خوابوں میں ہے ایک خواب تھا ثابت ہے۔"

ایک شخص نے لڑکے سے کہا: "واہ!۔ لو اب سقاؤٹ میاں ہیں ایک کہانی سنائیں گے۔"

سقاؤٹ کے آنسو سے ماسٹر صاحب کا چہرہ بھی اپنے شاگردوں کی طرح خوشی سے دھنک اٹھا۔ انہوں نے پوچھا: "کچھ آپ کا کون سا خواب سنا تھا؟"

"میں چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک ایسا اسکول دیکھ رہا ہوں جس میں گندگی نام کو بھی نہیں جہاں نہ کوئی بچہ بیمار ہے، نہ کسی نے سفلے جاندی کے زبردستی نہیں دیکھے ہیں۔ یہی خواب تھا ثابت ہے۔"

ماسٹر صاحب نے کہا: "یہ تو کچھ بھی بات نہیں۔ میسوں سے ہمارے اسکول کی یہی حالت ہے۔ کبھی کبھی کوئی نیا بچہ اسکول میں داخل ہوتا ہے تو یہی تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے لیکن ہم جلد ہی اسے بھی راہ پر لے آتے ہیں۔"

میں اس موقع پر ایک صورت داخل ہوئی۔ وہ چپ چاپ اور شرابی ہوئی تھی لیکن حق حجت چالاک اور اکثر یہاں آیا کرتی تھی اس

لکھنے لگے مگر نے حال کی تعداد بروز جمعہ ہی جاتی تھی۔ چار بادشاہ نے سب کو حکم دیا کہ اپنے اپنے گھر میں کہے جانے والے ہرے و خرم سب کے پاس خود آئیں گے اور تم میں سے بہادروں کو زمین پر لڑائی میں بھرتی کر لیں گے یہ سن کر سب لوگ اپنے اپنے دیہات، اور شہروں کو واپس گئے اور پہلے ساتھ جہاز کی بھی بیٹھے گئے اور اس طرح ہر شاہ کی تمام سلطنت میں دبا پھیل گئی اور چندی روز میں ہزاروں لوگ موت کے گھاٹ اتار گئے اور بادشاہ نے اپنی سلطنت کے گوشوں، امیروں، وزیروں کو بلایا۔ انہوں نے کہا: "بادشاہ سلامت! ہم سے تمام فوجاں جمع کیے ہیں۔ ہم سے گھر دیاں ہونے میں ہم اب جنگ نہیں کر سکتے۔ تم نے بہادر سپاہیوں کی فوج تیار کرنے کے لئے جو زمین کی تھا اس نے نہ صرف اس فوج کی کورباہ کر ڈالا بلکہ ہم سے لڑ میں بھی تباہی پھیل گئی اور بادشاہ نے کہا: "انکس اب کئی سال تک ہم جنگ نہیں کر سکتے۔" اور سب ڈھبے اپنے اپنے گھر میں کہنے لگے۔

اس خوفناک حال کا حالہ دیکھ کر بادشاہ کے کانٹے لگ گئے اور پوچھا کہ اس کے امیر و وزیر ایسے طاقتور دشمن کے حملے سے بچ جانے پر سے بہادر کیا دینے کے جس وقت بادشاہ کے پاس پہنچے تو حکیموں کا ہوا شاہ بھی بہن کہن کر کہا ان کے پاس آیا اور اپنی غمی غمی تری بکا کر تری آواز میں کہنے لگے کہ حال کی سختی دیکھ کر بادشاہ سلامت! کیسے میرا انجام! میں نے اپنا کام انجام دے دیا ہے۔ اس کی بیعت میں کرب لگ بیٹھے تھے: "نہ حکیموں کے نئے بادشاہ! خدا ہی کی قسم جو تم نے کیا کام سر انجام دیا ہے، خدا سے دشمن اگر مرے میں توبہ سے مرے ہی اس میں تیری خوشنودی کیا دل ہے، تو جبراً خدا کا بھیس ہے۔"

حکیموں کے بادشاہ نے کہا: "میں ہرگز دغا باز نہیں۔"

بادشاہ نے کہا: "مجاہد کرو۔"

حکیموں کے بادشاہ نے کہا: "میں مجاہد کرنا نہیں سکتا۔ جب اس ملک کے دیہات اور شہروں سے فوجاں بادشاہ کی راجدھانی کی طرف روانہ ہوئے تو ہم بھی ان کی پیروی میں ان کے باب اہان کے ٹوڑی اور پیلیں پر میٹھ کر ان کے ساتھ دلوں پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں ہر جگہ اپنے نیچے لڑنے اور بڑی بے جا مشابہت سے اپنے بھتیجے کے رو اہان کے پیل اور گھوڑے جہاں جی چاہتا پالانہ اور لید کر دیتے اور کوئی شخص زمین صاف نہ کرتا۔ اتفاق سے ان میں ایک شخص ایک ایسی جگہ سے آیا تھا جہاں بیٹھ بیٹھ جہاں تھا اپنے ساتھ اس بیماری کے جراثیم بھی لیا آیا تھا ہم سب یعنی میں اور میرا گھر پہلے لڑنے والے اور کٹھ پر بیٹھے اس کے ہمدان لوگوں کے کانوں اور منایوں اہان کے جڑوں اور آنکھوں پر جا بیٹھے۔ ہم گندی جگہوں پر بیٹھنے کے بعد تو اپنے پاؤں صاف کرتے اور نہ جوتے انکس۔ پہلے تو ہم نے دستوں کی بیماری پھیلائی پھر جب ہم نے منہ کوئی شخص اپنے ساتھ بیٹھنے کے جو شیم برپا لایا، تو ہم نے سہی بھی پھینک دی۔ یہ کہہ کر حکیموں کے بادشاہ نے پھر اپنی تری بکا کر کہا: "اے خدا! اور نصرت پند بادشاہ باب میں اپنا انجام اٹھا لیں۔"

یہ سن کر سب لوگ خون سے تر آئے اور بادشاہ نے کہا: "جنگ تم انعام کے حقدار ہو، اپنے دل کے مطابق تمہیں انعام دے گا۔ اور تمہیں میری مشائیں پر بیٹھے اور جہاں جی چاہے اٹھنے کی اجازت ہوگی۔"

اب وہی بلحا میں نے بادشاہ کے حکم کی شرطیں ان لینے کی عافیت کی تھی اپنی جگہ سے اٹھا ہوا: "بادشاہ سلامت! میری راجدھانی، کہ آپ نے حکیموں کے بادشاہ سے جراتور کیا ہے اس سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھے۔"

بادشاہ نے پوچھا: "ہم سے میں یہ کیوں؟"

اس کے جواب میں وہ بلحا جو شہر سترہا ہی تھا اس دن تم لوگوں نے جنگ جو جیتا تھا کہنے لگا: "جب آپ نے حکیموں کے بادشاہ

اخبار میں خسررتے

یہ ایک اشتہار ہے لیکن چونکہ عام شہرہ بازوں سے بہت زیادہ عرصہ ہی میں یہ بتایا مناسب معلوم ہوا ہے شاید آپ سمجھنا نہ پتے۔

میں اشتہار دینے والا ایک دورانہ دنیا کا ایڈیٹر ہوں چند دن سے سارا ایک چھوٹا سا اشتہار میں سمون کا اخبار میں منسلک ہے کہ میں مقدم اور سب ایڈیٹر کی خدمت سے یہ بتایا آپ کی نظر سے بھی گذرے گا اس کے جواب میں کئی امیدواروں سے پاس سپہ کے اور بعض کو تو وہ وغیرہ جاننے کے بعد مزید بھی کو کیا گیا لیکن میں اس سے کون جی سے وقفہ سے زیادہ لکھنے نہ پایا آئسے ساتھ ہی یہ خطا فہمیاں پیدا ہوئیں اشتہار کا مطلب وہ کچھ اور تھکے۔ ہمارا مطلب کچھ اور تھا مختصر اشتہار میں سب باتیں وضاحت کے ساتھ بیان کرنا مشکل تھا جب دفتر رفتہ سارا اصل مفہوم ان پر واضح ہوا ان کی غلط تفہات پر یہ پیشینہ میں تو تفہات کی وجہ سے تلخ کاشی اور بعض اوقات دست دراز کی تک نوبت ہوئی۔ اس کے بعد یاد آ رہی کہ ان اشتہات میں ہمارے مزید یہ کہ کر پڑے دسے قابل اولیٰ کے بغیر چلے گئے یا ہم نے ان کو دسے اور کر باہر نکال دیا۔ اندوہ باہر کھڑے غم سے لگایا کہ میں پر ہادی امیر نے ہم کو اشتہا دوسرے دن دفتر ہالے سے روک دیا اور اخبار بغیر ایڈیٹر کے شائع کرتا پڑا چونکہ اس قسم کی غلط فہمیاں مسلسل آج تک بند نہیں سراسر اس لئے نہ ہادی معلوم ہوا کہ ہم اپنے مختصر اور منسلک اشتہار کے منہم کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں کہ ہمیں کس قسم کے آدمی کی حماقت سے اس کے بعد جس کا دل چسے ہماری طرف توجہ کرے جس کا دل نہ چاہے وہ بے شک کوئی پس لاف لکے گا اسے مقابلے میں اپنا اخبار نہ کالے۔

ایسا ہمارے لئے سب سے بڑھ کر نہ اور سیب کہ وہ کام چہ رہے ہر ایک فوجان کو ہم نے شروع ہی سے کام دیا چار دن کے بعد اس سے ایک نوٹ لکھنے کو کہا تو پھر کھلے کر میں مترجم ہوں سب ایڈیٹر نہیں ہوں ایک دوسرے صاحب کو تھکے کے کہا تو بھلے میں سب ایڈیٹر ہوں مترجم نہیں ہوں پھر تھکے گئے کہ یہ تجلیہ کاروں کے مترجم اور سب ایڈیٹر کو الگ الگ دنا دینی تھکتے ہیں حالانکہ ہمارے اخبار میں یہ قاعدہ نہیں ہم سے لکھنے کے کہ آپ نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ دوسرے صاحب نے کہنے سے آپ سے اشتہار میں غلطی کا استعمال غلط ہے ایک تیسرے صاحب نے ہمارے بیان اور ہمارے حرف و نحو کو نقل کرنا شروع کیا اس لئے ہم اشتہار کے دیتے ہیں کہ ان لوگوں کی ہم کو ہرگز ضرورت نہیں جو ایک سے دوسرا کام کہنے کو اپنی ہلکے گتے میں اور اس کے لئے حدت و تحویلیاں دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں جو لازم ہوں گے انہیں تو دقتاً و قلعاً اتھ کی دکان سے پان بھی لے لیں پڑیں گے اور اگر انہیں بحث ہی کہنے کی عادت ہے تو ہمارے کچھ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سب ایڈیٹر کے ہمنے یہ ہیں۔ ایڈیٹر کا ہم مختلف اخبار میں ایک عمدہ دارا نام جو ایڈیٹر کرپان وغیرہ لاکر دیتا

دوست کے نام

۱۳۸۳

سے میرے کرائی کے ساتھ!

چند حصے میں لے لیا۔ یہی خبر پڑی کہ کراچی میں غنیمت لیلہ کی ایک بہن کا گھر بڑی بے جودانہ دقتاً تصدیق کی گئی تھی۔ اس کا ہتھکڑیاں اور اس کے رکھ رکھاؤ ان الہی جنات میں سب سے زیادہ دلچسپی کا باعث بن گیا۔ آپ کو اس کا حال معلوم ہوا تو آپ نے اس کا حال معلوم کرنے کے لیے اس کے گھر پر پہنچ گئے۔ آپ کو اس کا حال معلوم ہوا تو آپ نے اس کا حال معلوم کرنے کے لیے اس کے گھر پر پہنچ گئے۔ آپ کو اس کا حال معلوم ہوا تو آپ نے اس کا حال معلوم کرنے کے لیے اس کے گھر پر پہنچ گئے۔

لیکن مسئلہ دوہرا ہے۔ کیا اس کام میں کسی نے آپ کی عزت نہیں کی، کیا کسی مقامی اخبار نے علی کریم نیس کی کو پاکستان پر اتنا کلام کیا ہے۔ اور آپ بھی خوش گوارانہ انداز میں لاشعری پر کیا ہے؟ کسی نے جتنے شہرِ روما اندیشوں کی ساری لاشعری نہیں کی؟ کسی نے سترہ پندرہ برس آپ کے لئے مسجد میں دعا کرتے ہوئے آپ کے مہربانوں کو کسی پر نفرت نہیں کی؟ اور آپ پر کفر اور شرک اور کھلم کھافتہ لکھ کر لوگوں کو آپ کے خلاف نہیں کیا یا؟ اور کچھ نہیں تو کیا کسی نے کسی مصلحت میں افسر نے مسجد کی اور تہذیب کے دکھ رکھانے کے ساتھ آپ کو بد شاعر نہیں دیا کہ خود دار

ہاں ایک شخص نے اسے اس وقت تیرا ہے؟

ابو بکر بن باقر سے پرکھنے لگا کیا منافقت کے مرتبے پر نہیں تھک چکا ہے یا نہ سمجھتا ہے جو خواہی آپ کے برقی ادارے سے۔ ہے آپ کی آزاد نش

مستحق جنس الزانیہ اور جب تک بچے ہوئے نظر آئے تو آپ پر پہنچے بغیر نہیں رہے۔

گراپ کو اپنی مندرجہ ذیل جنسیں اپنی تزکری سب سے صاف تنگ کن جگہ ہوگی یا چھریزادی اور دلپ کی رہی جوگی اسی آپ کو گامی

مکان یاستانی دیوی ہوگی رندہ جس میں شوق طاق پراپ کو فرقتہ و فراموشی ایک مہاجر کی کہن ہوگا۔ یہ خاص کھیل کر کے می سرور اور بکامی

۱۔ چھ ماہ پر پڑا پڑن برس رہا ہے اور آنکھیاں پل رہی ہیں۔

پچھلے سال کا ماضی یہاں شریفیت کے لئے ————— ہمارے باغ میں کہ جس جھڑن کہا کرتے تھے اس میں جو تقریباً ۴۰ ماہ کا تھا،
 یہاں ایک عظیم الشان پارٹی ہوئی۔ اس دن جو پاکستانی مامور پہنچے وہ ان کا نام "گھنٹاں غلہ" رکھا گیا۔ اسی دن ایک اور
 پرچہ کرناغ میں چھوٹی سڑک انہوں کی حب صحت محراب اساتذہ کے پاس کی پیشانی پر نصب کیا گیا لیکن اس کی کثرت یہ کہ یہاں غلہ غلہ تھی کہ
 اس کے انگوٹوں کو بھی کسی ایک طرف کی تشریب آوری پر اپنا کھلے کھلے شرم کا ثبوت "گھنٹاں غلہ" کی بے ذوق ترکیب سے قطع نظر کیجئے اور اس
 کے مصنوعی پس کر جانے کے جس کی بدولت نہ وہ غریب کہاں سے ہم سے انوس میں آئے جو وہ پہلے وقت ہفتوں کے سلیب میں اپنا گروا اور جوتا
 سر کیجئے کہ اس باغ میں سوجھ بوجھ میں رہتا تھا اور پھر بھی کئی کئی کھیتوں کے جڑیں کے وقت غلہ میں سے ہر ایک پھل نہیں کھینچنے
 تھے ہیں۔ لیکن جب ان بوسے کی پانی گھبراہٹوں نے اسے یوں ایک نیاں جو پڑھتوں کی لفظ اور ان دونوں صورتوں میں سے ایک سے ایک
 شان و موقع سے اس سے بدصورت کتابت کی غنائش اس میں نہ آسکتی تھی۔ مسلمان کی قوم اور قوم جو کئی پشتوں سے ان غنائشوں کی طرف سے
 جس نے تہذیب پاک کے ہزاروں سننے اس مقامی اور ہندو کے لئے کہ ان کی بدولت اسے بھی ان کو آخری کا ہمارا چاہا کا خطا ہے۔ لیکن ان کی ایک
 جدید اور میل غلہ کے صوبہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ مامور کا شہر اور شہر کہاں ہر گز میں ایک غرضوں سے جس سے وہ جہاں میر تقی میر کا جہم سے انہوں سے
 جوئے جن کے لئے ہندوستان بھر کے جادو تمنا لئے تھے کہ ان کے لئے اس پر یہاں کہ اس قدر پیہ پیہ پر اس شہر میں مسلم قوم کی طرف سے
 عقیدت اور محبت کے موت و حیات کے لئے پڑیں اور ان کے بھی دائرے نما ہوں اور نشست بے ڈھنگی ہو۔ آپ دیکھئے تو یہ کیا آپ کو اس کی تہ میں جھٹکا
 کا اور غلہ غلہ آئے اور آپ پر ضرور ہر جہت اور غلہ غلہ سے پھرے کہ اس کے پاس ہاؤسٹائٹ کران۔ اور لوگ آپ کو پھانسیاں کئے اور سفین ایسے ہی ہوتے کہ
 اسی غلہ گیری پر آپ کو پڑنے لگتے یا آپ سے توقع لگتے کہ آپ ہر قباحت کو شرم میں یا شرم میں کہیں۔ اور آپ پر پاکستان میں کیلئے لکھے کا اعلام لکھا اور
 آپ کی دفا شہری پر پت آئے۔

اب آپ ان انجن کے چکر میں اپنے آپ کو کسی منبر پر پائیں اور آپ کے سامنے آپ کے ہر قدم میں ہر ایک اور آپ کو دہن کو کھلنے کی
 اجازت دی تو آپ جو جیسے میں مدد مل رہے تھے ہیں یہ کہنے سے کیوں کر بڑا شرم لگے کہ اسے سناؤں! تمہارے ابا اور اجداد غلہ غلہ اور غم
 اور ادب کا وہ ذاتی لکھنے کے کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ کئی اور غلہ غلہ، تسلیت اور تسخ، کئی کس طرح سے انہوں نے جو سے
 متن کیلئے۔ ان کے ایوان میں آویزاں وہیں کی جگہ، ان کے مطلق اور ذہن پر کچھ، ان کے روشن اور مطلق، ان کی مسجد اور لکھنؤ
 ان کے فرماں اور سکون اور مہر دیں، ان کی قیروں اور ان کے کتبوں کو دیکھو۔ مگر یہاں کا کوئی تمام، سلطنت افلاس، مسرت یا ماتم، حسن یا
 یکسوئی، عظمت یا عظمت کا کوئی تمام ایسا ہے جہاں انہوں نے کلمہ لکھا یا جو امان کے علم کے سین و جیل موت کے لافانی لغوین چرب و قطاس و
 شگ پر پڑت ذکر سے ہوں۔ اب جب کہ وہ لے تھیں اپنے کلمہ کے، یا اور غلہ غلہ کے لئے یہاں سے ان کے ہی سے دی ہیں تھیں کا اور اس
 جہت کو کہتے جاتے نہ ہو گئے اور عبد کریم کے لئے یہاں سے کلامی تھا جسے وہ قیوں تھا کہ ان کا لہاں اور اجداد اور رسلان تھا کہ
 مسجد اور تہا سے مزار ان تہا سے مزار ان تہا سے نوٹس پڑھوں پر جہاں جہاں تھا جسے ان کے اچھے کے غلہ غلہ کے اساتذہ کا ہمدون
 کریں گے اور جو انہیں اور انہیں انہوں نے یہاں میں پیدا کی ہیں انہیں سچ نہ کہنے دیں گے کہ جہاں کسی کو تہا دی تقریر نظر
 آئے جہاں نے کیے ہیں ان کا ہمارا ہے اسی قوم کا ہمارا ہے جس نے دنیا میں خوش ٹیلی لارجر پیدا کیا اور جہاں کی اپنی من آفرینی پر جلا کر تہا

یہ کہنے سے آپ کی طرح بنائیں گے، لیکن کیا آپ کی بات کافی ہے؟ کیا اگرچہ میں یہی دیکھ رہا ہوں؟

خیر خوش روئی و شفقت اور اچلی نکلنے کا اسی بڑے محبوب و معبود اور مہربان کی وجہ سے، جس میں عجایب و کرامات آپ تصویروں کی تائید سے
 ۱۰ شام کو ۷ بجے، یہ ایک کلمہ دوست و مخلصانہ کی فریت سے عشق و رستہ ہے گا۔ یہی اسی اکیسویں سب سے ایک انگ کوئی جو نہیں
 آپ کو کہے اشتیاجات سے کام لیا پڑے گا اور عجب نہیں کہ اگر آپ کامل و محض کو عزت و احترام کریں

[illegible]

ان حالات میں چٹائی کے لیے کاغذ کا استعمال بہت کم ہے کہ کوئی بات نہ کہجی جاتی ہے اس کی تصویریں میں؟ ہر وقت ٹکڑے تصویروں کی انھیں معلوم ہوتے ہیں۔ اور پہلے ان کی تصویریں بنانے سے ہی آواز نہیں چوکتا اور صرف مردی شیش بلکھتے ہیں۔ غریب چشم سینہ چاک اور بعض وقتاً عرصہ کے جنگ لگائی دے جاتے ہیں۔ گریٹین سے لے کر کھانا شیش چوکتا ہے۔ کیرے چٹائی کی تصویریں میں کسے ڈوبیاں پھنسلے بہت ہوتے ہیں۔ اور کبھی میں شیش آگاری جو یا ڈوئی لٹلے لباس کا حصہ یا آواز کے مادہ سامان کا۔ لیکن چٹائی کی دہ سے ایک بہت مزہ نکل آتی ہے وہ یہ کہ بے دے کے ہی ایک ہمارا ہوتا ہے اسے دفن کر دیا تو یہ جانا یا اٹھ جائے گی اور پھر ہی سمجھ ہی ایک ہی مزہ سے بیش کے لئے پاک ہو جائے گی۔ ہائی ری مشین کی قدیم تصویریں یا ایرانی مسودوں کے قدیم نسخے جو چند لوگوں کے پاس بلکہ ترکہ محفوظ ہیں یا جن کی ڈیبا انکس کے صاحب فاسلے کی تقسیم کے بہت چٹائی کوں بنائے گئے ہیں ان کو کسی ادھک کے یا تو بیچ کر عام وصول کئے جاسکتے ہیں۔ کیا کاجی میں لوگوں کا یہ خیال نہیں؟ اگر نہیں تو کاجی سب سے اگلی تنگ کوئی جگہ ہوگی۔

فرختے بیت کہ پہلے نہ نہ فرخت
 مدد جو رو جہاں کم زتب نام نہست
 اگر یہ صلی میاں ہم ہے قواسم دوست پر چہ سب سے ایک قتلک ملی مگر کی تو پھر اسے دوست ہم سب کہ دماں ہا لیجئے یا کراچی
 کو اکتھو سچ کیجئے کہ ہم سب اس میں سما جائیں۔
 کراچی میں آپ نے بہت کچھ سوج پیدا کر دیا مگر آپ کے انعام اور محبت ماننے کے سب لوگ تامل ہیں گے ہنسے ہنسے نہیں
 صحت کی حالت ہوئی ہنسے ہنسے ابابال و عتدلاقرب عینہ ~~چکا~~ ان سے کہئے کہ
 منزلیں راہبر ماں دور کی دشوار رہی ہے
 کوئی اس قافلہ میں قافلہ ساز رہی ہے

(تنویش برٹش کانزوی کمر ۱۹۳۷ء)

کے

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ لوگوں کی کئی قسمیں ہیں مثلاً فی کے بچے، غافلوں کے بچے، وغیرہ کو میری مراد دھرم انسان کے ہیں سے ہے، جن کی کارکردگی نہیں
ہیں، کوئی پیدا یا بچہ سے اور کوئی غصہ بچہ سے، کوئی بھول سا بچہ ہے، کوئی چاند سا بچہ ہے، عین سب سے وقت تک کی باتیں ہیں، جب تک کہ خود اپنی گڑبڑ سے ہی مایا
ہو جائے۔ جہاں یہ ہے، وہ سب بچے کے ہاں تو خاص کام کر سکتے ہیں، جیسے ان سب خطابات سے ہے، یا نہ ہو کر ایک اہم کام کی شکل اختیار کر لی
یہ جو میں نے آپ پر عرض ہے کہ یہ امر ہے، پر پہلے کے پانچوں خاص کام کہنے لگ جاتے ہیں، یہ میں نے ادا کیا، کے قربانی کی جا پر کھلے ہوئے، نہ حاشا
دکھائیں اس بات کا قائل نہیں۔

نہتے ہیں یہ کہ سنا بھی ہے، ادا کیا بھی ہے لیکن کچھ تک سنا ہے اس کی قوت حافظہ کے اور کسی قوت کا ثبوت نہیں مل سکتی، لہذا یہ اتنا ق حوالہ کرنا کامیاب نہیں ہو سکتا کہ وہاں سے چپ کا نام اس کے جناب اس بچے کے سامنے کھانے کا ہے یہ شعر پڑھے میں اپنا چھپے ہیں، انیاں بولی ہیں گفتگو کے لیے چل کر گھومنے کے بغیر کسی کی کسی آواز میں نکالی میں اس کے بل کھنکھ کر کہا میں بائیں شکل پھانے کے ٹوٹے پیٹ کے ہیں، لیکن کیا محال ہے اس بچے کی کھجور میں ذرا بھی فرق آیا ہو یا جس سر پر اس نے شرع کیا تھا اس کے ذرا بھی نیچا تھا موجود تھا جیسے، یا پھر دیکھتا ہے اور سننے کے وقت؟

بچہ نہ ملے گا شاید کوئی دوا یا کدو کا حویب اس کے سامنے کسی دسی نسیم کا شرع ہو دسی دھواں کدو کا وقت کدو خوری ساموں لڑکی کر سکتے ہیں اور یہ فرض ان کے حقایق پر قائم ہے۔ ان کو سنا جا کر تو دسی، بیچے، جہنا، امر تو دسی سے فقیر ہے سنی سے سنی منہ بنا کر بند ہے لہذا واد میں ان کے سامنے دیر لائے اور کچھ نہ ہو تو شغل ہے گاڑی کے طور پر ان کے اندر میں ایک جھینا، دیکھئے یہ جھینا بھی کچھ بہت کسی ہے لار کی ایسی ایک دوسرا کیا عرض کر دینا صنی ذرا مسما آپ ہلا دیئے لڑکا چاہو جاتا ہے اور جب تک دم میں دم ہے اس کی سے ایک ایسی بے شری کر فضا، کدو شری تحقیق یہ ہے کہ دنیا میں شاید اس کی مثال محال ہے اور جب آپ نے سنا یہ اپنا کچھ جو شری آکر برقرار رکھ کر ایک عدد وہ بڑا گراں مستعدان میں میں ایک بہت ہی تیز کدو کی سی ٹی کی ہوئی ہے تو میں پھر خدا حافظ، اس سے بڑھ کر میری صحت کے لئے مستعد چیز دنیا میں اور کوئی نہیں سوائے شاید اس بڑے کھیلنے کے جس کے منہ پر ایک سیڑھی دانائی ملی ہوئی ہے اور جس میں منہ سے جھانک رہی جاتی ہے خوش قسمت میں وہ رنگ جوا لند یہ کہہ سکتے ہیں۔ بد قسمت میں کدو ہے بارے جو قدرت کی طرف سے اس ڈیوٹی پر مقرر ہوئے ہیں کہ جب کسی عورت یا دوست کے لیے گڑھیں تو دیکھے موقع پر ان کے ذاتی خیالات کچھ کی کیوں نہ ہوں وہ یہ ضرور کہیں کر کیا پایا یا کچھ ہے۔

یہ ساتھ کے گھر ایک حرا صاحب رہتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے چوچوں کے والد ہیں۔ بڑے بچے کی عمر نو سال ہے۔ بہت شریف آدمی ہیں۔ ان کے بچے بھی سب سے بہت زیادہ نیاں ہیں۔ جب ان میں سے ایک دکانہ آجانی کے سب سے بچے بیٹے رہتے ہیں۔ جب وہ دکانہ سے نکلتے ہیں۔

اب اور تب

جب میں بہت پرانا ہوئے۔ دوست یابی کی کوئی امید باقی نہ رہے تو زندگی کی تمام سرخیں محدود ہو کر بس میں تنگ و جانی تہی کر چلی گئی۔
میر پر جس طرح کا غم تھا وہ تھا اب اس کے چند دس لکھ بیٹے دو بیٹے کے بعد کہ کچھ پریش کر لیا یا کہ مجھے تانیں ترشوں لگے۔
کچھ کالج لکھ رہا تھا جسے اب کئی برس ہو چکے ہیں۔ شباب کا رنگ نہ ملا رہا توں میرے حیات تھے کچھ گند گیا۔ اب سب غم کے محدود
باقی ہیں وہ سوائے تہی کے کہ نہ کہ وہ کچھ ہے۔ اہم سے اس کا امتحان کیا توں لاہور میں تھا میں تھا اس کے بعد میری زندگی وہیں گئی۔ سر
پسٹریا ہی ہے اب ہم۔۔۔ ہر چند کہیں کہہ رہی ہیں۔ طالب علمی کا سب سے بڑی کام نہ تھا۔ نرم نرم کہ میں پرگندہ کر گیا تب میں پروردگار
صاحب فرماں ہوئی اب میں مرمت اس قدر نصیب ہے کہ اکثر رکھا دیا غسل کر لیا تانیں ترشوں لگے۔

تھم گئے دروازے بڑی کے ایک کمرے ادنیٰ کے ایک کمرے تک محدود ہے اور دونوں کے درمیان کا ہر مٹا یک کہیں کا وہ معلوم

— ۴ —

کبھی رانی ہے بہت دل چسپی تھی۔ مگر ذرا دل بے جا اس کی تلاوت کیا کہ اب اس کے اندر میں صاحب سے ملے ہوئے ڈرتا
کہ کہیں نہ کہیں سلام وستانی کی گنج مار رہی ہے۔ بال میں سے گزرتا قیامت ہے۔ دہم کا یہ حال ہے کہ ہر سونے کے پیچھے ایک باڈی ٹیچا ہوا معلوم ہوتا
کالج کے جلسوں میں اپنی دریدہ دہنی سے بہت شگرماتا تھا۔ صدمہ نہ تھے سے میرے گھر آیا کہ میں کہہ دین سب پر غور و فکر
وہ معاملہ ہے اب جب کہیں جلسہ کا سن پاتا ہوں ایک ننگ سا صنعت بن پر طاری ہوتا ہے جاتا ہوں کہ کڑی صدارت کی سولی پر چڑھتا ہوگا اور
میں ایسی کہانی کا فیسرو نہیں لگا سکتا۔

خاصی صاحب قبلے لگے دن کالج میں ایک مشاعرہ کیا۔ مجھ سے بدگمانی تھی کہ مجھے اپنے معین مقابل ایک نمایاں اور بلند مقام پر
اند میری ہر حرکت پر نگاہ رکھی۔ میرے ارد گرد میں گرم تھی اس میں نہیں چنگا کی طرح اپنی ہنسی پر جا بھاٹھا تھا۔

میں دن کالج میں تھیں ہوا کئی پور پورا داسی تھا جانی۔ بانٹا کچھ کے دن چھوڑ دیا۔ کوئی بڑا صاحبان لڑ بہتیاں دن کے بارہ بجے
تک نظر آتی رہیں گی۔ دن بھر کالج میں چوس چوس کر جا بھاٹھا کے ڈیر لگا دیں گے۔ ہر رشتہ رشتہ آثار و بنا دیکھنا کچھ شاعرانہ دکھ اٹھار کر لیں گے۔
کسی کو ایک کسی اور شعلہ میں آگیا نہیں کھانا کھانے لگا اور کھانا کھا چکے پر کوں اور چیلوں کی ایک سچی آباد کرنا جائے کھانا کہ دنیا میں نام ہر قرا
اب یہ حالی ہے کہ میں نے کچھ کی ایک میں رہتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ اس میں چلی کے دن بال و کھانے کو ہر بات کو کھانے کی

میفک اشیا کے متعلق چند عام اصول

(پروفیسر منبری برگ ان کا فلسفہ غندہ)

ہنسی کے کیا معنی ہیں؟ کسی شخص چیز میں ہنسنا وہاں غرضوں سے ہے، ہر گئی کسی کے منہ پر ہنسے پر بھی کسی کے سر پر ہنسے پر بھی کسی کے شمع کی بہت کھانی پر ہنس دیتے ہیں۔ ان سب میں شرک بات کوئی ہے؟ ہم نے جو پہلے سے لڑائی اس پر ہی کہہ چکے ہیں ان کے ہیں جو ایک روح کی طرح مختلف جسم میں اگر مختلف شکلیں اختیار کرتی ہے وہ بالکل تضیک میں اس قدر خود پیدا کرتی ہے؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر اوسط سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہمارا اپنا مدفع صرف کہہ سکتے ہیں جو پیشہ ان کے ہاتھوں سے نکل نکل کر پھوٹن کے سامنے آکر ہوا امدان کی منہی اڑتا رہا۔

جان غندہ یا مدفع غرضت یا غندہ میفک جو نام بھی آپ اس پر کیے گئے تجویز کریں۔ اس نام کو خلق کے اموروں پر کسی تعریف کے بندہ میں جو بڑا دنیا فصول ہے۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ روح غندہ ایک غندہ چیز ہے۔ اس لئے میں اس کا ادب و احترام کرنا چاہئے۔ وہ ایک آدھ قمر ہے میں اس کی تمام ہستی کو کھ ڈان اس کی توہین کرنا ہے ہر صورت میں کر سکتے ہیں کہ اس کا نظارہ کریں کہ وہ کس طرح پیدا ہوتی ہے۔ وہ کس طرح نشوونما پاتی ہے۔ دیکھیں کہ کس کس وقت کس طرح کی شکلیں اختیار کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ ہم اس دیرپا آشنائی کی وجہ سے اس کو بھی طرح جانتے ہیں۔ اور میں اس بات کی ضرورت ہی نہ ہے۔ کہ کوئی ایک فقرے کی حدود کے اندر اس کو بند کر کے ہمارے سامنے کاغذ پر رکھ دے۔ اور ممکن ہے یہ آشنائی ہمارے لئے بہت ہی مفید ثابت ہو۔ کیونکہ روح غندہ کی بھی ایک منطق ہے۔ وہ بھی اپنا ایک مفرد طریق عمل رکھتی ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی آزاد و وارفتہ کیوں نہ ہو۔ کیونکہ کئی میفک باتیں ایسی ہیں جن کو ایک نام نہ جانتے ہیں۔ امدان سے محنت اخذ ہوتا ہے۔ جن پر ایک قوم کی قوم ہنس پڑتی ہے۔ جن پر ایک ملک کا ملک دہرا ہوتا ہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اگر ہم روح غندہ سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ تو ساتھ ہی ہمیں ہمارے اس کے تخمین کا بھی کچھ دیکھ کر طبع حاصل نہ ہو جائے۔ ہنسی خود زخمی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور زن کی بہت ہی قریبی رشتہ دار ہے۔ تو ممکن ہے یہ زندگی امدان پر بھی بہت سی روشنی ڈالے۔

شروع شروع میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہنسی کے متعلق تین بنیادی اصول بیان کر دے جو میں ان اموروں کا غور میفک اشیا سے بہت تعلق نہیں لیکن ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے میدان تضیک کی حدود قائم کی جاسکتی ہیں۔

فصل۔ دوران بحث میں سب سے پہلی بات جس کی غور میں اپنی توجہ مبذول کرنی چاہئے یہ ہے کہ کوئی سامان تضیک انسانی دائرہ کو باہر نہیں پاتا۔ کسی دنیا یا پادشاہی کا منظر ممکن ہے کہ غریب صحت ہو ممکن ہے کہ دلفریب دل کش ہو یا ممکن ہے کہ باطنی ہی حیرت دہنا ہو لیکن میفک ہرگز نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ بعض انکسارت میں ایک ہانک دیکھ کر یہ قیاد نہیں آجائے۔ لیکن اس کی ہر صورت ہی ہوتی ہے۔ کہ ہادی نگاہ کو اس ہانک

[illegible]

اور یہ بات میں گاہیں کو یا ضرورت ہے یہ ہے کہ اگر دشمن کے وقت بہت غور و جستجو میں آیا معلوم ہوتا ہے کہ کیا کوئی منہل چیز
اچھا اور پیارا نہیں کر سکتی جب تک مداح لسانی ممکن سکون و قنوت کا عالم ہی نہ ہو۔ اس سے یہ نہ گھبراوے کہ ہر ایک ایسے شخص کی ہنسی نہیں ادا
سکتے تھے۔ ہر آدمی کی ہنسی نہیں ادا کی جاسکتی۔ ہر آدمی کے ہمارے اہل و عیال کے وقت بہت مہم و مہم۔ لیکن یہ بات غور و جستجو میں نہیں ادا کی جاسکتی۔
مردم پر ہر آدمی کی ہنسی نہیں ادا کی جاسکتی۔ ہر آدمی کے ہمارے اہل و عیال کے وقت بہت مہم و مہم۔ لیکن یہ بات غور و جستجو میں نہیں ادا کی جاسکتی۔
ہر آدمی کے ہمارے اہل و عیال کے وقت بہت مہم و مہم۔ لیکن یہ بات غور و جستجو میں نہیں ادا کی جاسکتی۔

لیکن ہمیں کسے یہ بات بھی ضروری ہے کہ ایک انسان کا دماغ اور انسانوں کے دماغ سے بھلا فائدہ ہو اور یہ کیا سخت ہے جو وہ
لاطلب ہے۔ اگر آپ اپنے آپ کو داخل تھا اور آپ نے فراموش کر لی کہ آپ محکمہ ایشیاء سے تعلق نہیں رکھتے۔ ہمیں کسے یہ بات بھی ضروری ہے کہ ایک
بدولت میں شرکت و فائز کا حق ضروری ہے۔ آپ کو ہمیں کی تازہ کر کے دے۔ یہ بات دہرائی گئی ہے اور شدہ آواز میں۔ خود اس آواز

عالم میں پہلے سے نظر نہ تھی ہے۔ اس سے بڑا کچھ یا اپنی رفتار بدل دیتا۔ اس کے اسان میں کیا اور خدا سے من میں یکسانیت سے پہلے کی قابلیت رکھتی یا شاید وہ کسی اور جن میں فرق تھا یعنی اس کا خیال فرما رہا تھا۔ جس کے جس میں اتنی لپک اور عید کی کی قابلیت نہ تھی کہ وہ خیال کے پھر عاشر جو پہلے پہلے جگہ سے ہٹے اور اس کا خیال یہ اس کے اس کے اعصاب پہ پہلے ضل صحت سے کہنے کی حرکت ہی میں معرفت سے ملانے نیز طاقت کے بعد چاہتے تھے جس سب تھا کہ وہ گردا گرد میں رہتی تھی کہ وہیں کبھی نہ تھی۔

اب ایک ایسے شخص کی مثال دیکھیں جس کا اصول نہایت ہی باقاعدہ اور چمکانے والا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی اپنے معمول سے سرسراخیز نہیں نکلتا۔ اس کی تمام شیا ایک متعین اور ترتیب سے چلی رہتی ہیں۔ اور بہت ہی آہستہ آہستہ ہی اس کا استعمال کرتے ہیں۔ اب فرمیں لیجئے کوئی شریر اگر ان تمام چیزوں کی ترتیب کو بدل دیتا ہے۔ اب اس شخص سے یہ سے نکلا جائے گا کہ اس کے اندر میں چاہتا ہے جب وہ انداز میں سے لب کی تپانے کا تپانے سے اس کی فکر۔ موزن کا قائل ملتا ہے جب وہ اس پر پہنچے ہفتے تو وہ سے زمین پر جا کر تپانے کے ایک اس سے کوئی کام ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ علت اس کو مجبور کرتا ہے کہ جب سے کسی پہنچنے کی ضرورت نہ تو وہ ایک خاص جگہ پر پہنچ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اب اگر غفلت معمول کو کسی دہان موجود نہیں کر چاہے تھا کہ وہ اپنی اس حرکت کو روک لیتا یا نہ تو اس لئے یہ یاد کیا جائے کہ شین کی طرح یہ خدا مستقیم مقارن کر لیا جو شخص اس قسم کی شرارت کا شکار نہ ہوتا ہے اس کی حالت بھی ایک طرح سے اس شخص کی سی ہے۔ جو وہ سے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے۔ سامان عظیم دو مل کاٹوں میں ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ان دونوں اشخاص میں ان خاص موصوفوں پر بل کھانے یا لپک جانے کی قابلیت کافی مقدار میں نہیں ہوتی۔ اور چونکہ ہم ایک انسان سے اس بات کی توقع کرتے ہیں۔ کہ وہ نہایت ہی بیداری سے حرکت کرے۔ اس میں مقررہ جاننے کی قابلیت پائی جاتے۔ اس سے ہمیں ان پر ہنسی آتی ہے۔ ان دونوں اشخاص کی مضحکہ خیز کیفیتوں یہ فرق صرف اس لئے کہ ایک حالت میں تو کھانے کا سامان سر آٹھانے کے مہیا کیا تھا۔ اور دوسری حالت میں ایک لڑکی کی شرارت نے ان دونوں بات سے ان دونوں میں اور ان کے جاننے کی قابلیت کی کو تپانے میں آئی۔ لیکن ان دونوں میں یہ بات بھی مشترک ہے کہ جو مضحکہ خیز روٹا ہوا اس کی علت خارجی تھی۔ یعنی ان اشخاص کی اپنی ذات میں پیدا نہ ہوئی تھی۔ اب اگر اس ملک کی کو تپانے کے خبر کے لئے سر ملک میں کسی پتھر کے پتھر سے جسے یا کسی شریر لڑکی کی شرارت کی ضرورت نہ ہو۔ بلکہ یہ کو تپانے قدرتی اور طبی طریقے پر خود اپنے خزانے میں سے اپنے شہر کے لئے کئی مواقع نکالے تو سامان عظیم کی علت خارجی نہ رہے گی بلکہ داخل بن جائے گی۔ ایک ایسے شخص کی مثال لیجئے جس کو داغ لینے گذشتہ افعال کے متعلق معرفت رہتا ہے۔ اور اس بات کی طرف بھی تو ہمیں آتا کہ وہ فی الحال کیا کر رہا ہے۔ یعنی اس کے خیالات زمانہ حال سے ہمیشہ ایک قدم پیچھے رہتے ہیں۔ اگر آپ اس سے کوئی سوال پوچھتے ہیں تو وہ اس کا وہی جواب دیتا ہے جو کہ اس نے کسی اور شخص کو کسی اور بات کے متعلق دیا تھا۔ اگر اس کے سامنے ایک گاڑی آکر ٹھہر جاتی ہے تو وہ اس پر اسی طرح چڑھتا ہے جیسے وہ اس کو دیکھتا ہے جس طرح وہ صبح اپنے مکان کی سیڑھیوں پر چڑھا تھا۔ یعنی چڑھتا ہے جیسے وہ اس کے حواس اور عقل دونوں میں ایک پلک اور عید کی کی ایسی ہی اند کو تپانے ہے۔ کہ وہ زمانہ حال میں وہ آوازیں سنتا ہے جو کچھ عرصہ پہلے وہ نہیں سنا تھا اور وہ کچھ دیکھتا ہے جو اس کے کب لاوجل ہو چکا۔ اس کے حواس اور اس کی عقل میں اتنی پلک نہیں کہ وہ ان پر زور ڈال کر ان کو گردش کے حالات کے ساتھ مطابقت دیتا رہتا۔ جب کہ اس پر واجب یہ ہے کہ اس کے افعال حقیقت حاضر کے موافق ہوں۔ ایسی حالت میں سامان عظیم (اور اس کی علت ظہور) خواس شخص کی ذات کے اندر موجود ہے۔ ایسا شخص بعض اوقات بہت ہی مضحکہ انگیز ہوتا ہے۔ اور اگر آپ نہ غور کریں تو آپ کو شیخ علی کی کئی ایسی باتیں یاد آجائیں گی جو اس خیال کی ترجمانی کریں گی۔

خیال کی برعادی کا جو تجربہ ہو میں آتا ہے۔ اس کا منصف ہر بعض اوقات دیگر وجوہ سے اور بھی زیادہ وقت پر تہہ ہے۔ مثلاً غلبہ کر۔
 شخص کے خیالات کے یوں غیر عادی رہے کی ساری تاریخ سے واقفیت ہو اس کی وائٹلی گویا آپ لی سنگھوں کے صفحہ پیداموہ آپ اس بات سے
 بھی واقف ہوں کہ وہ بھی بڑی ترقی پہنچے ہے۔ دوسری وجہ سے ترقی کر رہی ہے تو آپ کو اور بھی زیادہ ہنسی ملے گی۔ ذرا غور کیجئے ایک شخص بات دن صبر
 اور فراہم کے تحت پڑھتا رہتا ہے اور چھپ گئے اس کا دل دماغ غش کی داشت صبر اور دی طور ہوئی ایسے خودی اور دیگر خیالات میں سوار
 رہتا ہے۔ کچھ کہیں اور نہ لاکر کر کے اتنا حاذب اور کش معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی تھیرا کرنے لگ جاتا ہے اب وہ اپنے آپ کو معلوم نہیں کرتا
 ہے۔ اور اس کے خیالات اور اس سے کسی طرف مائل ہوتے ہوئے باطل اسی کی طرح ہو گئے ہیں۔ اگرچہ اس کی بھی حالت ہی تو کیسے کہیں اب
 تھے گا کہ وہ اگر اور لوگوں کی صحبت میں شریک ہوگا تو اس طرح گویا ایک مسلسل خواب اس پر جاری ہے۔ وہ وہی خواب میں رہتا رہتا ہے اس کی باتیں
 اس طرح ہی ہوں گی جیسے کوئی نیند میں رہا ہو۔ اب اس کی تمام حرکتیں کسی دوسری دنیا سے تعلق رکھتی ہیں ایسے شخص میں سا ان تھنیک کس قدر مرث
 عین ہوتا ہے۔ جب آپ اس سے وقت پر چلتے ہیں تو وہ ایک شعر پڑھ دیتا ہے کہ کبھی آپ کو اپنا محبوب فراموش کرنے کا ایک قییدہ دیکھ گئے تھے جاتے
 ایسے شخص کے خیال کی تیر فرازی میں یہ بات نہ سمجھ کر اس کا خیال غیر حاضر تو ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ کسی اور جگہ حاضر بھی ہے جہاں وہ موجودات
 بے خبر ہے۔ وہاں تعلقات سے باخبر بھی ہے۔ یہی صورت ہی نہیں کہ وہ گورڈ پیش میں بے کار ہے۔ بلکہ وہ ایک اور دنیا میں مصروف بھی ہے۔ ایسی ہی
 اس شخص سے زیادہ مضحک ہے۔ میں نے خیال کے متعلق آپ کو مرث بھی جانتے میں کہ فریاد ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ فریاد ہے کہاں؟ مگر جب آپ
 کہ اس بات کا علم حاصل کرنا اوقات موجود سے بے خبر اس کا دماغ کس بات میں مصروف ہے تو وہ زیادہ مضحک ہو جاتا ہے۔ ایسے اشخاص کو کون عام
 میں جنونی اور پاگل کہتے ہیں۔ ان دنیاؤں کو دیکھ کر جب میں ہنسی آتی ہے تو ہر اسے سناہتی میں وہی تار رازاں ہوتے ہیں جو کسی ایسے شخص کو دیکھ کر
 اذال ہوتے تھے۔ جو ایک شریر اور کسی کے شرارت کا حقہ منہ ہوتا ہے یا جو بازار میں دوڑتا جا پھسل کر گر پڑتا ہے۔ یہ ویسا ہی ایک نصب العین کی
 طرف دوڑ رہے تھے۔ اور اس ملک و دوسری کسی سمت و حرکت حقیقت سے ٹکرا کر گر پڑتے ہیں۔ حق فریاد ہے کہ ایسے لوگوں سے اس بات میں بڑھے
 ہوئے ہیں۔ کہ ان کی بے خبری یا قاعدہ منظم و مضبوط ہوتی ہے۔ اور ایک خاص مرکز کے گرد چکر مارتی رہتی ہے۔ ان کے سوانح اور ان کے حالات ملت
 د معلوم کے ایک خاص مسئلے میں جڑے ہوئے ہیں۔ جو باہش انسانوں کی متعلق سے کسی طرح کم نہیں۔ ان کی عقل میں کچک کی ایک ایسی کمی ہے
 جس کے ہوتے ہوئے وہ اپنے حواس کو اپنی دنیا سے موڑ کر اس دنیا کے حواس کے ساتھ معاشرت نہیں کر سکتے۔

ذکرہ بالا شخص کے ایک خاص خیال میں اس قدر ہٹ اور منہ ہے کہ وہ دماغ میں سے باہر نہیں نکلتا۔ اس کے خیالات اس کے دماغ
 میں جڑے نہیں پاسکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ شخص مضحک حرکتوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ اب ذرا اس سے آگے چلے اور فریاد کیجئے کہ عقل ایک خاص
 خیال کی ہٹ کر انسانی دماغ سے ہے۔ وہی عقل بعض برائیوں کو ان کی سیرت سے بے نیاز پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ عقلیاں و دشم کی ہیں۔ بعض
 برائیاں ایسی ہیں کہ روح انسانی اپنی تمام قوتوں و طاقتوں کو ساتھ لے کر ان میں کو پڑتی ہے اور اپنی حیات سے ان برائیوں کو گویا زندگی بخش کر ان کو اپنے
 ساتھ ساتھ گھسیٹتی چلی جاتی ہے۔ اور اس طرح سے مختلف شکلوں میں انہیں ظاہر کرتی رہتی ہے۔ ایسی برائیاں وہ دانیگر اور اعلیٰ تیز ہوتی ہیں۔ برہان
 اس کے مضحک برائی گویا ایک چٹکا سا ہوتا ہے۔ جن میں انسان کو کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ جیسے اس کے کہ ہم میں ملوں کہ ہلے کہ ہم پر سوار ہو جاتی
 ہے۔ جیسے اس کے کہ ہم اسے اپنے رنگ ترخ میں رنگ دیں۔ وہ ہمیں اپنی کیا نیچ کا جامہ پہنا رہی ہے۔ تو اس کا مٹی کی ہی نفی صورت اسی سے
 ہے۔ جن کے کہ لڑا سے میں چند ایسی برائیاں کا نشانہ کیجیگا اور ہر خاص اس سے سوہم ہو سکتی ہیں۔ لیکن وہ فحش اس طرح سے کر کے کہ جو بدن بن

پاکستان میں تعلیم کا مستقبل

یہ کہیں اس قدر قابلِ مسرت ہے کہ سب سے پہلے جب کہ پاکستان کانفرنس منعقد ہوئی تو تعلیمی کانفرنس بھی جو سال گذشتہ ماہ نومبر میں کراچی میں ہوئی یہ وہ وقت تھا جب سرحد پار سے صاحبِ سرین کی آگے آتا تھا معاہدہ تھا۔ اور کثیر الاصل روزِ پدز اس قدر یادِ فراغت پر آتا تھا۔ اٹھارہ برس قبل وہ بر کسی دور کی طرف منبطل کی جا رہی تھی ادھر دینِ عمر تین سیاسی مسائل کے مقابلے میں تعلیم کا نعرہ بے کمری گونج رہا تھا۔ یہ کانفرنس اس وقت منعقد ہوئی تھی کہ پاکستان کے بعد تو کیا ایک سال گزرتا تھا اس عرصہ میں یہ تعلیمی کانفرنس کوئی غیر رقمِ مخصوص کی گئی تھی اس لئے اس کے لئے اس وقت کے حکومتوں اور کارکنوں کی تعدادیں کوئی نمایاں اضافہ نہ تھا۔ ہمارے نظامِ تعلیم اور طریقِ امتحان میں کوئی اتھارہ برپا تھا اور نہ راجا کھنڈن اور کارکنوں کی کوئی جماعت، نواز خانہ کے لئے غفلت، جہاد کو نہ کرنے کے لئے میدانِ عمل میں اس کی یکنی یہ سب کچھ نہ ہونے کے برابر تھا۔ جو اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس لئے آزادی کے پہلے سال کو رائٹنگ کور یا تو وہ بغور غلط ہے اس لئے کہ اس عرصہ میں تعلیمی مسائل پر جو بحثیں ہوئیں ان سے کراؤ کم نہیں بھی ہوئی تھی اور سبیدار کی دشمنیت سے خود غرض بھی ہوا کہ سال ہی میں پاکستان کے طول و عرض سے ماہرینِ تعلیم کا اجتماع منعقد ہوا تاکہ پاکستان کے تعلیمی مسائل کو سامنے لاکر ان کا حل تلاش کیا جاسکے۔

اگرچہ ایک فرسودہ سا استعمال استعمال کرنے کی اجازت دی جائے تو میں کہوں گا کہ ہمارے تعلیمی آزادی کا نام لکھ کر بھی بے غرض اس کی ملکیت احساسِ فقر و محتاج پیدا کرتی ہے لیکن جلدی یا میں بھی اس پر کوئی گرفت استعمال کرنا چاہئے گا ورنہ اس کی حیثیت مردہ دعوات سے زیادہ نہ رہے گی استعمال کی کوئی حد نہیں ہے۔ پورے کئی نسلوں پرچ کر کے کہ دو بار نسلوں بن سکتے ہیں کوئی خاص درس لگایا جاسکتا ہے جہاں سے کوئی قائم نہ ہو یا سوچ سمجھ کر کوئی کسی سود مند کاروبار میں لگایا جاسکتا ہے تعلیمی آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ ہم جس طرح چاہیں جس کو چاہیں پڑھائیں تعلیمی آزادی کا مطلب یہ ہے نصابِ تعلیم اور طریقِ تعلیم یکوڑوں کے، مکمل نصابِ تعلیم میں حسب ضرورت مناسب رد و بدل کرنے کی آزادی، سات کروڑ نیکان خدا کو جہالت کی تاریکی سے نکالنے کے لئے نہایت تفصیل و احاطہ کیا کہنے کی ضرورت ہے اس مسئلے میں مفصل تعلیمی رپورٹوں کی ترتیب و تدوین بھی ایک امر ناگزیر ہے پاکستان کے ماہرین تعلیم خواہ حضرات میں جن خواہ اوپر ریشورس جن خواہ خالص علمی طبقوں میں کئی ماہ سے غیر معمولی غور و اہمیت ہے اس قسم کی رپورٹیں مرتب کرنے کی کوششوں میں ضرورت میں ان کوششوں کے نتائج ماحولی برآمد ہو سکتے کا سبب یہ ہے کہ نہ صرف تعلیمی مسائل سمجھ میں بلکہ ہمارے سامنے تعلیم کا نصابِ امین بھی مکمل طور پر واضح نہیں بہت سی حقیقی اور افسانہ جیز ہیں جو حقیقی اور بہم جیزوں سے کچھ اس طرح خلط ملط ہو چکی ہیں کہ اتنا بے شکل ہو گیا ہے۔

موجودہ طریقہ تعلیم کو گذشتہ کئی برسوں سے متفق آباد مردم قرار دیا جاتا رہا ہے موجودہ نظام تعلیم سے بے گینائی و بدولی کے احاسات ہر طبقہ موجودہ اگرچہ ان جذبات کے اسباب و دلائل مختلف شعبوں میں مختلف تھے یہی وجہ ہے کہ پاکستان بننے ہی کو گلے نہ ڈرا اس طرط کو بد کی اور موجودہ نظام تعلیم کے۔

دوسری کئی شکست دینی و اخلاقی معنائیں کے واسطے ہے۔ غایت کے عالمی ادنیٰ ملاحظہ کر محض تفسیر دینی سے قیور کئے ہیں۔ درجہ ان تک ان سے بھی پڑتا ہے وہ اتناں کے دینی شاعر ہونے کی تفسیر ہے۔ لیکن اگر کئے ہیں ان کا کہنے کے علاوہ اور بڑی بڑی کہیں ہیں۔ اور عطا بر ملا جیستہ ڈ۔ — قاری مفت گمان کے ذریعہ پڑھائی جاسکتی ہے۔ قاری نے کہیں سے سادہ۔ پڑھنے کا محض ایک درجہ ہے۔ دینی ملاحظہ کر بتا دے اصل طریق فکر۔ تاریخ نمبر کا اعلیٰ نظر دین کے ارتقاء کے لئے کی حیثیت سے پڑھنا یا بسنے یا معنی کلمات کے لئے محسوس کی حیثیت ہے۔

یہ کہیں میں ایک ایسے مقام پر لے جاتی ہیں جن میں ایک طرف زمانہ ان تک لاپوش کیا جاوے اسلام اور دوسری طرف قوت اور عزتوں کا جتنی تاخیر جتنی ممکن نظر آئے۔ اس پر زبردست اختلاف ہے کہ کس طرف اسلام غیر اپنی لغویں اس کے لئے انکار دیکر کہ پڑھنے کا محسوس کی حیثیت رکھتا ہے، کیا ہم دیر دم لے کر ساتھ ساتھ اسلامی بھی ہو سکتے ہیں؟ کسی نے بھی یہ سوال نہیں کیا کہ کیا یہاں سے دینی اس کی ہر تاہل و نہی ہے؟ سوال پیش یہ آیا گیا ہے کہ آیا اس میں اور نہ ہو سکتے ہیں؟

میرا کہنے میں کیا جا چکا ہے کہ ان سوالوں کے جوابات مختلف اور متضاد ہیں لیکن کسی نہ کسی طرف ان سب کو ایک جہتی میں پڑا جاوے گا۔ نہ ہلکا نظام تعلیم ہاری اہلیات کا بار اٹھانے کی استعداد سے محروم ہو جائے گا۔ نہ سیر کے زمانے میں بھی اس قسم کے سوالات لئے گئے تھے اور اس قسم کی کہیں اور پکیر گئیں اس وقت بھی اسلام پھر اپنی تفسیر یہ ملاحظہ کرنا ہے کہ اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو سرسبز بہارستان میں اسلام کی تین لکھی کا اہم دہرے ہیں اس سے ظاہر ہو گا کہ آج بھی ہمیں روحانی اور دینی سکون حاصل نہیں۔

اس مسئلے کا حل یا تو وقت کے اہل نظر ہو سکتے ہیں اس میں دیر نہ لے۔ زبردست جنگ کے ذریعہ اس میں خوشی ہے کہ توجہ سے زیادہ توجہ پر لگی یا قابل قیادت کے توسط سے جو اس وقت موجود معلوم نہیں جاتی جب تک یہ نہیں جوتہ تعلیمی مباحث کا توجہ نہ دیا جاوے گا کہ نہیں ہے بلکہ اشتغال کی صحت میں کام ہو رہا ہے۔ اشتغال کی غلطی بھی سے کام میں اگر ہم مختلف ذریعہ نگاہ کو تسلیم کے لئے غلطیوں میں اضافہ کرتے گئے تو ہمارا لکھتے ہیں سہ ہمارے توجہ پر لگے خود اس بارگاہ کی شاید محفل نہ ہو سکتے۔ ہر توجہ کو اس شدہ سے پیش کیا جاتا ہے اور اسے لازمی قرار دینے والے پاس قدر و دریا جاکے کہ معلوم ہو گا کہ اسے نظام کے تحت جو طالب علم بھی کامیاب ہو کر نکلے وہ ایک ہی وسیع طاق کے مطابق چلاوے گا جو اب تک انگریزی اور فارسی عربی و دینیات اسلامی تاریخ، فکری تربیت اور سائنس ان سب کو لازمی معنائیں قرار دینے والے کی تجویز پیش کی جا چکی ہیں کہا گیا ہے کہ انہیں نہ صرف لائون اور سکول میں بلکہ مقابلے کے اجتماعوں میں بھی لازمی قرار دے دیا جائے ہمارے سامنے جو خواہ اس وقت درپیش ہے وہ یہ نہیں ہے کہ ہماری تعلیم کا مواد بہت کم ہو گا بلکہ یہ کہ بہت بھاری ہو گا اس قدر بھاری کیا تو تعلیم حاصل ناکم ہوگی یا بالکل بفلو ہوگی۔

تعلیمی مقررین میں انگریزی کے مسئلے بہت کم ہو گئے کہ کیا سنا جاتا ہے جس فاسٹی سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ انگریزی بھی جاری رہے گی۔ لیکن انگریزی کی پرورش حالت سے احتراز کیا جاتا ہے۔ اس کے میں اقوامی تہذیب اور امت کا احساس ہے لیکن اس کی معاشری ہمت پہلے ہی بہت کم ہو چکی ہے اور اس کی فکری وقت سے اگرچہ اعلا تہذیب انکار نہیں کیا جاتا ہے لیکن بعض لوگ اسے پند نہیں کرتے ان حالات میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اب اس کا مستقبل کیا ہو گا یا نہ کیا یا اس کا مستقبل بھی ہے یا نہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریزی کے حالات جو سامنا نہ نہیں پایا جاتا ہے خواہ وہ فکری اور حقیقی ہمارا خواہ اجتماعی ہو اس کا بالآخر اثر یہ ہو گا کہ اس ضمن میں تعلیم کا ماحول گر جائے گا۔ ایسے ماہرین تعلیم بھی موجود ہیں جو اس قسم کی صحبت حال کو قابل از خواہ تصور نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ ہر منصوبہ و ہدف و سامان کے ہندو کے مقابلے کا ابتدا علمی اور تہذیبی کارنامہ ہے۔ گاہکہ ہمیں دماغ حال کو زائد قیام بنانے کی ضرورت ہے تاکہ انگریزی کی مراجعت

ایڈیٹنگ کا فن

اگر وہی قسمتی سے ہے جس معذات بھی ایسے دن ہوں جو اس معنوں کو پختہ کر ادا کر میں تو ان میں سے کم از کم ایک بزرگوار تو ایسے فرد ہوں گے جنہیں یہ سانسے نفرت ہے اور اللہ ربّ عزّت میں کوئی نالہ محسوس نہیں کرتے۔ باقی معذات میں بھی بعض ایسے ہوں گے جو کسی بھی اس عباد کا ارتکاب تو کر لیتے ہیں لیکن، تباہ جرم نہیں کیا چاہتے اور اکثر اذیت اپنے سینا تشریف سے جالے کی تادیب میں فرمایا کرتے ہیں۔۔۔

ٹشٹ م کو کوئی شغل نہیں تھا۔ تب ساتھی میری بیوی روضہ کا مین کے لہروں کو بہت پسند کرتی تھی میں نے سوچا کہ لاڈ ہم بھی چلے چلیں چنانچہ ہم.....

لیکن اس جگہ تو میں ان حساب کے غفلت جہاد کرنا چاہتا ہوں جنہیں سینا سے نفرت ہے نہ دوسرے گروہ کہ جسے بیوی کے سوا تمام تھوچے میں لطف آتا ہے اس لطف و مسرت سے محروم کرنا چاہتا ہوں۔ میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر سینا دائمی آرٹ کہلنے کے قابل ہے اور اس کے کمالات کا کوئی جہاد منظور اور اس کے آرٹ کا کوئی مخصوص وسیع اظہار ہے تو وہ کیا ہے؟ مصنف کے کمالات کا مظہر خطوط اور رنگ ہیں۔ شاعر الفاظ کے ذریعے اپنا مطلب ظاہر کرتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ علم کارکن چیزوں سے کام لیتا ہے، اس کے پاس کسی قسم کا مواد ہو جو ہے اور اس میں اس کے کمالات کا انداز کہاں تک وسیع ہے۔

اس قسم کے مسائل کا جواب دینے سے پہلے میں یہ دیکھنا چاہئے کہ فلم کیوں کر بنایا جاتا ہے کیونکہ اس طرح ہیں یہ بتانے میں آسانی ہوگی کہ سینا میں کس قدر وسعت ہے آپ جانتے ہیں کہ فلم متحرک کیرے کی تعداد کے ایک سلسلہ کا نام ہے۔ جو یکے بعد دیگرے دکھائی جاتی ہیں۔ یا ان کے لئے کہ سینا کے شاٹ جب ترتیب و تسلسل کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں تو انہیں فلم کہا جاتا ہے۔ شاٹ فلم کے ایک ایسے ٹکڑے کا نام ہے جس کی تصویر متحرک کیرہ میں ایک وقت ہی ہوتی ہے جہاں تسلسل تو، شاٹ فلم جو جاتا ہے جب کیرہ دوبارہ چلنے لگتا ہے تو دوسرا شاٹ شروع ہو جاتا ہے۔

تقریباً پچھلے کچھ فلم کا موضوع ہو) کے انتخاب کے بعد دوسرا مرحلہ فلم کے کامر تب کرنا ہے میں یہ تو بہ تفصیل نہیں بیان کرنا چاہتا کہ فلم نام کتنے مرحلوں کے گزرنے کے بعد تکمیل کی منزل تک پہنچتا ہے بلکہ میں صرف اس قدر عرض کروں گا کہ فلم نامے میں کتنے یا موضوع فلم کی تمام روشناؤں کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور اسے شاٹوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہر شاٹ کا حال پورے تفصیل کے ساتھ سمجھا جاتا ہے اس کی تمام جزئیات کو واضح طور پر بیان کیا جاتا ہے گویا وہ تمام اجزا میں کی ترکیب سے فلم کی تکمیل ہوتی ہے، اسی ترتیب اور تقدم و تاخر کے ساتھ فلم بن کر لے جاتے ہیں جس ترتیب کے ساتھ انہیں پردے پر دکھانا منظور ہے۔ ہر شاٹ کے متعلق پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ہدایات دی جاتی ہیں اور بتایا جاتا ہے کہ شاٹ کا موضوع

[illegible]

ایک کہان میں جو فلر کے لئے لکھی گئی ہے، ایک نثر ہے۔

یہ اس کے مکان میں اکڑا کر کاٹا تھا۔ یہ جلدیثیت مفرحہ کے مسمیٰ اور اعلیٰ رطب پر لڑی طرح کا حصہ ہے۔ لیکن مسمیٰ بنم کی صورت میں منتقل کر دینا ممکن ہے۔ ہادئش کے قلم سے جب یہ طرہ نکالتا تو اس کے ذہن میں اشکال و صورتیں بلکہ طالع لکھ کر اسی صحت میں مسلم لکھنے ممکن ہو سکتا تھا کہ ٹکڑے والے کے ذہن میں اتفاق کے بدلے تضاد رہیں۔ اگر ایسا یہ زمین عدو ہے جس کے مسمیٰ کوئی مرتبہ کہ جی اگر گنم میں یہ کہ اس مکان پر پانچ چھ مرتبہ آنا دکھایا جائے تو کس جواز اکثر لا منہم پر مامور لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر کا منہم ادارے کا یہ طریقہ ہے دوسرے عدو ہے ایک قلم میں یہ شکل اس طرح طے کی تھی کہ ذیہ مکان میں قدم بختہ ہے آجے غرضی سے اس کی طرف روٹھے ہیں اور کتا اچھا ادم ملتا اس کی جانب پلکا ہے اس طرح تلاش میں کو معلوم ہوا تھا ہے۔ کہ ذیہ اس مکان میں نوادرو نہیں جڈا کرتا ہے۔

میں نے ان کے پاس تمام فہم کیا جس کا وہ بجز مدد مل چکا ہے۔ مشہور زیادہ سے زیادہ طریقہ پر ادا کیا ہے مکان میں مذہبی کے لئے ہے
میں اور نہ کوئی پانچویں ان کے قہاروں کے سوا مکان میں کوئی نہ تھا۔ یہ ایک مکان میں داخل ہو کر جوئے پر چڑھا ہوا ہے۔ کچھ دیر سیکر فوجا رہا تھا۔
چلے خیال آئے کہ یہ پاس روحانی نہیں وہ بغیر کسی پس پیشی کے، مختلف ہے، دوسرے کمرے میں جا کر اور نہایت بے تعلقی سے ایک راز نگاہ
کہ ایک رومال نکال کر اسے

لیکن یہ تو ایسی مثالیں ہیں کہ کہانی پہلے موجود تھی۔ بعد میں اسے لکھ کر صورت میں لو حال لایا گیا اور بہتر یہ ہے کہ تصاویر سے کہانی مرتب کی جائے۔ عیا نقیور بنزیر لایو کیجے کہ جو کہانی کے ہر حصہ کو مزین دیتی ہے اس کے برعکس کہانی تو نیچا، ادھ، تصویر کو داخل فرم کر لینا سنت فعلی ہے۔ میں یہاں سمیع ایچے غفلوں کی ایک ظہرت پیش کرتا ہوں۔ جس کی ترتیب میں کسی خاص غور و فکر سے کام نہیں لایا گیا۔ ایک نقاد نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے یہی آہستہ بطور دلیل پیش کی ہے۔

دی کرد و پرتکن۔ دی کیبٹ آف ڈاکٹر کیل ۱۱۰ بی۔ اے و دمن آف پریس۔ ہانگ شیڈ و دی سائٹس جیٹز۔ وایل۔ دی پلگرم برین

اددی میزیک سرگ۔

یہ سب کے سب کامیاب فلم ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی کسی تامل یا ڈرامے سے اغویا ممتاز نہیں۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ جب کسی تامل کو فلم کے قاسب میں ڈھالا جائے تو کیوں کامیابی جیتی ہے۔ مثال کے طور پر پرس - کوئی بڑے فلم میں یہ ایک قریب جاپانہ تعریف کیا گیا ہے کہ کہانی کو مسرت انجام بنا دیا گیا ہے لیکن اس سے ذرا قطع نظر کر کے دیکھو تو بھی فلم اکثر خستہوں سے کامیاب نظر آئے گی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ محاسن ہارڈ می کے جو مطالب مخاطب ہیں ان کے ہیں۔ انہیں تصاویر میں ظاہر کر کے لے کر انہیں بھیج کر دے دینے کی ضرورت دوسری آواز تعزیدی پر

نظم کا تصور کے فن میں اتنی ہی مہارت، لکھنا و حق تعالیٰ بہت درون و اندک کے فن میں اتنی ہی تسلی سے اہل سے ہاں اس مہارت و عقابیت سے وہ دم تھا۔ اس علم کے بہترین محقق جن میں علامہ زکریا رانکال مرتب کیا ہے، دیکھتے تو ہیں۔ سے یہ وہ آپ سے بڑی کی کتاب کا بعد سامعہ ازیشنا کہہ کیے گا۔ اب اس کا مقابلہ ایک عالم، بڑا بڑا سے کیے گئے ہیں تو وہ بھی نابل سے ہی، تو جسے لیکن جو شہر میں پیش کرنا جو اس کے اعتبار سے وہ کتاب بہت مختلف حیثیت سے جانتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس فکر کا ڈاگریڈ ارنٹ ویش میں سمجھ سے جس کا ستارہ لامین فن میں کیا جاسکے لیکن یہ سب خیال میں غلطی کا سامانی کا از غزال میں نہ اس سے کہ میں میں، نابل سے ایک تھے، اس میں پیش کرتا ہوں۔

یہ ایک ذہنی درس اگرچہ ہو گیا اور اس کا ایک دھماکا سے لڑیں پر کامیاب تھا۔ اب معلوم ہو سکے کہ پھر سے اس حرکت و حرکت کڑی ہے۔ ہمارے پیش خدمت کا دہرائے کی بات تھی جو اٹھا، اس کا جو روبرو ہو گیا تھا، اس کے لوگوں کو دیکھ کر تو اس معلوم ہوتا تھا کہ جس کے ذہن کے عکس ہوا ہیں اس کے کدے زلالوں کے ساتھ بہت ہو گئے ہیں۔ یہ تو نہیں کہیں کہی، انی میں، وہ بیٹے کے ساتھ تھا۔

مارد ماننے میں کھڑا تھا، انھوں نے پرے پرک سے گئے۔ اسے میں جس قدر وقت تھا، وہیں نہیں بکھرتا تھا، اس میں نظر سے گذر کر بندہ کے پیر وئی تھے، جب سہنی تھیں۔ اور اس عیت میں غرت کی قدر نہ بڑھ گیا۔ اس کے چہرہ پر سترہ کی حرکت چوائی ہوئی تھی، اس کا وہاں گدھا بھی کہہ سے کیا مدد ہوتا تھا، اس کا راز پڑھتا تھا، وہ ایک سن دیکھتا تھا کہ کیا اس کے گدھا کی طرح کی طرح، وہ اس کے چہرہ کے چہرہ کی طرح نہ بھڑکے، اس کی فعلی محسوس کہہ کہ انی تا دے کے مطابق یہ بھاگتا ہو گیا۔ راز سے وہ اٹھا، اور پتھان کے چہرے پر جو مہدی کی طرح زندہ ہوا تھا، نظریں گاڑیں۔ اور بلند آوازیں دیکھا۔

مراد یعنی

ایڈجسٹ میں دم آگے بڑھ کر ناس کے پچھڑا ہو گیا، راز نے شات پتھان کی طرٹ اشارہ کیے کیا۔ اسے اور اسے پہلے کی طرح سے متحرک و ملین میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

مراد یعنی حکم کی یادداشت رکھ لی۔ راز کی معاوضہ کے بدلے اسے یہ کوشش یا من کا مضبوط جسم اور غسرت آمیز چہرہ نظر آتا تھا۔ اس نے ہم باز انھوں سے متوجہ پتھان پر سڑاؤ اس کی نگاہوں میں غصہ کی جھلکوں کو دیکھتے ہیں۔ اور اس کے ارد گردی قدر اور چڑھ گئے۔

کیا اس سے زیادہ واضح اور سینا کے مقاصد سے اس قدر مطابقت رکھنے والا کوئی نابل تھا جاسکتا ہے۔ ہر نفاجہ کے خود ایک تصویر ہے جس میں سبکی حرکت کہتے نظر آتے ہیں۔ پر جب نظم نگار کا قلم ان تصویروں میں رنگ بھرتا ہے تو ادنی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً راز ایک جگہ کہتا ہے سحر میں نہیں ایک آرتا جاتا ہوں، میرا آپ بھی قتل کیا گیا تھا اور غانا مرا شیا بھی کسی دن میری طرح قتل کر دیا جائے گا۔

اب علم کا کی جلت ہوا کی دیکھ کر ناس کے من سے یہ الفاظ کھولنے کی بجائے اس کے باپ دادا کی تصویر دکھائی جاتی ہے جو نہایت ہنزدوں طریق پر ہمداری نظر سے گذرتے ہیں، زندہ انسانی تصویر کے سلسلے جس کی اپنی شبیہ ہے نظر جاتا ہے یہ عجیب پر حرکت منظر ہے راز کی آنکھوں میں انجا اور انتہام کی کی جلی کیفیت نظر آتی ہے تاکہ میں کچھ انگ بھی دیکھ میں کچھ اور بھی دیکھ میں۔

ایک جگہ دوسرے محکمہ کے ناس کے کوشاں کر کہا۔ میں راز ہوں اور زار ہوں گا۔ علم نگار نے یہاں بھی اپنی معنی آفریں قلم کے عجیب کرشمے دکھائے ہیں۔ ناس کا ہاگ لگانے کے ہمارے کوسے میں پہنچا ہے قاتل پیچھے پیچھے ہیں راز بھاگ کر چہرہ پر چڑھ جاتا ہے اور قاتل کے سامنے تن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر رازنا ہوا تھیلہ کے کہتا ہے۔

• جس زمرہ میں وہ رہیں گا:

فلسفہ کے تفریق میں کسی جنبش کے اس منظر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ جب بدل کے، اتفاقاً جو کچھ تصاویر سے کم نہ تھے تو اس واضح تر کیلئے ایسے فلمی فلموں کا بیانیہ پرکے سمجھ سکتے تھے۔

فلم میں مرنے، شکار سے جتنے وہ پراسانی اور سے قاب میں داخل عاتی میں ایک تصویر پر سے پر عرصہ دکھا کر قاب میں جہاں ہے اور اس کی جگہ دوسری تصویر سے جتنے وہ دیکھ دیکھ اور سنے کے پیکر اسیار کسندالی شکلیں اپنے حالات کی ترجمان کہہ جاتی ہیں۔ ہر تصویر واضح اور غیر مبہم سمجھ سکتی ہے جن کی شرح بین کسل کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ جن خود کو انہیں کھینچتا ہے لیکن یاد رکھنا ہے کہ ہر خیال کو سینکڑوں طریقوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک مہم جو کو ان کسل کے لئے ہر اور تصویر میں مل سکتی ہیں۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ پسے خود فکر کے بعد تصاویر کا انتخاب کیا جائے اور وہی تصاویر منتخب کی جائیں جو سب سے زیادہ واضح ہوں اور یہاں سے سمجھ دہنی کو پوری طرح ادا کر سکیں گے۔ منتخب ہونے والے سائنس کے ہے یا جتنا ہے مگر یہ انسان کی طرح جو اس قسم کے کھٹکے لیکن اس کی آنکھ ہے پر دانتاشانی کی شکل نہیں، بلکہ ہر چیز کا سادہ اور سادہ سے کتبہ اور فلماں کو بڑی آسانی یہ ہے کہ کیرہ کی وسیع طاقت اور وقت سے سہارا لینے کے لئے مجبور ہے۔

دوسرے کیلئے کہ ہمارے سامنے رہا رٹ ہی کا سلسلہ ہے۔ آسانائی اس منظر کا پوری طرح سمجھ کر ناچنے والے اور بالائے پر جہاں ہے تاکہ ان کی سے تمام منظر اسی طرح دیکھ سکے۔ پھر بھی اس کی خواہش یہ ہوگی کہ دانشا کو قریب سے دیکھنے و دیکھنے کے جوہر میں ہی مل کر ایک ایک چیز پر نظر ڈالنے کے لئے آسانائی کی توجہ پوری طرح تصرف کرتا ہے۔ آسانائی انہیں چیریں کو دیکھتا دیکھتا کہ کتبہ میں فلم ڈائریکٹر انہیں دکھانا چاہتا ہے اور پھر ان مناظر کا انتخاب اس ڈھنگ سے کیا جاتا ہے۔ آسانائی انہیں سرت دیکھتا ہی نہیں بلکہ وہ اس کے ذہن پر نقش ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی مقام پر فلم کار کے جوہر کھتے ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ فلم میں جو قدرت ہے وہ پھر اس میں نہیں۔ فلم کی قدرت کا دائرہ اس اعتبار سے بھی وسیع ہے کہ وہ جو نیات اور تفصیلات کو نہایت واضح طور پر پیش کرنے کی غرض سے، کتبہ، فلم کا کیرہ کی مدد سے ہر چیز کی گہرائیوں تک اور جتنا ہے اور تصویر کی روح کہے نقاب کو دیتا ہے چاہے ایک نقاد دیکھتا ہے کہ

کیرہ ہمیشہ زندگی کی گہرائیوں میں اتر جانے کی کوشش کرتا ہے اور اسی اسی پوشیدہ چیزوں تک پہنچتا اور انہیں بے نقاب کر دیتا جاتا ہے۔ ہمیں عام آسانائی کی نظر نہیں دیکھ سکتی۔ کیرہ کی قدرت کا دائرہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ جو چیز بھی اس کے سامنے آتی ہے وہ اسے سادہ اور سادہ پر مکتفا کر لیتا ہے۔ جب ہم بھی تصویر کو دیکھتے ہیں تو بہت دیر کے بعد بھی غامض کوشش کرنے ہماری نگاہ کسی خاص نقطہ پر مرکوز ہوتی ہے اور ہم تصویر کے محاسن کو کھینچنے لگتے ہیں۔ لیکن فلم میں نہ اتنا وقت صرف کرنے کی ضرورت ہے نہ تصویر کی خوبیاں سمجھنے کے لئے کوئی کوشش کرنا ضروری ہے۔

فلم کو ایک اور بھی سہولت حاصل ہے جو اس سے بھی بڑھ کر کہیں اہم ہے۔ فلم اپنے لئے الگ زمان و مکان پیدا کر سکتا ہے جو حقیقی زمان و مکان سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ سچ یا کسی حد تک یہ بات ہے کہ اتنا اوزان کو واضح کرنے کے لئے پر وہ گزرا جاتا ہے یا اٹھایا جاتا ہے۔ لیکن فلم اس بارے میں تشریح پر سبقت لے گیا ہے۔ سچ پر ہر چیز ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک حرکت کرتا ہے اور یہ کیفیت ہوتی ہے کہ کوئی اہم واقعہ اسی وقت رونما ہوتا ہے کہ کسی ایکٹور یا رولر کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ اس بعد مکانی کو جان دوں نقاط کے درمیان غامض ہے دور کہ وہ یا اس وقت کو جو فاصلہ طے کرنے میں صرف ہوتا ہے مثلاً اسے اور آسانائی کے لئے اس کے سامنے کچھ چاہتا ہے کہ جب کیرہ ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ کی جانب حرکت کر رہا ہو تو وہ اپنے ذہن کو معطل کر دے۔

اب دوسری مدت طہارہ کیلئے اس میں مکان کی کڑی سانی سے شادیت لے۔ ایک شاٹ اس وقت تیسرے صبح کی حرکت پر نقطہ صبح پڑتا ہے۔ اور اس وقت جب وہ نقطہ پہنچ جائے پر دول شاٹ فاسد جلتے ہیں۔ اور تھوڑی دیر سے آب کی ساری اور ایک نقطہ پر گزرتا ہوتا ہے۔ وقت کو ایک ہمارا لکھتے ہیں۔ جس کے صبح کے اہم حصے میں درجن مرد و عورتوں کی ہر ساری کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک نیازان پیدا کرتی ہے جس میں صبح کے اہم حصے میں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ جاتے ہیں۔ لیکن وقت سے دناظر جلتے اور دوسری جگہ بت دکھائی دے اور مختلف مقامات میں ایک وقت دو مختلف کیفیتیں نظر آئیں اور وہ یہ بھی کہ سلسلہ کے وقت کا اس وقت میں تقسیم ہو جلتے۔ اور وہاں پہلو پہلو جیتے نظر آتے۔ آہستہ دیکھا ہوا کلام میں جب کوئی اب منظر دکھایا جاتا ہے کہ ایک حرکت ایک وقت زدہ کی شکل لے آخری طے میں دوسری حرکت کوئی اسے سخت دھلتے چلائے تو فلم کار اپنے فن کے ایسے ہی محانت و خواب دکھایا رہے۔

جس طرح آہندہ میں نیازان پیدا کئے تھے۔ اسی طرح یا مکان بھی ملحق کیا جاسکتا ہے۔ تقریباً لکھتے ہیں ڈائریکٹر جدید سے مناظر فلم بند کرتے ہیں جو مختلف مقامات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کے درمیان بعد مکانی حال ہے لیکن نہ ان تمام اجزاء کو ایک نیا۔ فلمی زبان میں بھی پیدا کرتے ہیں۔ ایک روسی ناسن کی بات نامہ سے فلم سازی کے فن میں بغیر۔ رکھتے ہیں ۱۹۲۲ میں تجربے کے بعد پر جب ذیل مختلف شاٹ مسجح کئے گئے۔

۱۔ ایک زوجان بائیں جانب سے دہنی جانب جاتا دکھائی دیتا ہے۔

۲۔ دوسری جانب سے ایک عورت آتی ہے۔

۳۔ وہ دونوں ملتے اور ہاتھ ملاتے ہیں۔ زوجان اٹھتی ہے۔ اشارہ کرتے ہیں۔

۴۔ ایک وسیع سیہ رنگ کی عمارت دکھائی جاتی ہے جس کی سیڑھیاں بہت دراز ہیں۔ وہ بڑے پیر سے چڑھ کر مکان میں داخل ہو جاتے ہیں۔

یہ تمام مناظر الگ الگ مقامات پر ملتے گئے تھے۔ اور پھر انہیں متوازن حد درجہ سے فلم کے پر پر سے پر دکھایا گیا اور دیکھے جانے کو ایک بہت واقعہ نظر آیا کہ ایک زوجان مرد اور ایک عورت آپس میں جاتے ہیں۔ مرد پاس کے مکان کی طرف اشارہ کر کے اندر چلنے کی دعوت دیتا ہے اور دونوں مکان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سارے اجزاء الگ الگ مقامات سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً وہ زوجان ماسکو کی ایک ہینک عمارت کے قریب تھا اور عورت شہر کے دوسرے حصے میں تھی۔ معالجہ انہوں نے ایک تجربے کے پاس کیا جو ان دونوں مقامات سے بہت دور واقع ہے۔ پیدا رنگ کی عمارت کا شاٹ کسی امریکن فلم سے لیا گیا تھا اور حقیقت یہ پیدا رنگ کی عمارت امریکہ کا مشہور فقر پیدا تھا۔ اور سیڑھیاں جن سے وہ چڑھ کر مکان میں داخل ہوئے ایک گراہ کی سیڑھیاں تھیں۔ اب دیکھئے کہ سولہ لاکھ کے مختلف ٹکڑے ملتے ہیں۔ ایک نیا۔ فلمی زبان میں پیدا ہو گیا جو صحن ناسن سراب اور حقیقت کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ یہی چیز ہے جسے تخلیق حجازیہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

پھر کچھ سب سے پہلا فلم نامہ جس نے فلمی زبان کا تین اہم احاطہ سے پیش کیا۔ گراہ دینکے مر ملک میں اکثر ناگزیر کچھ سب سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور فائدہ کچھ نہ اٹھائیں۔ اس سے گہرہ کی قدرت کے امکانات بھی بہت وسیع ہو جاتے ہیں۔ کچھ سال جو برون پڑی تھی اس سے لگے سال کام لیا جاسکتا ہے۔ ایک دیکھئے قلب مینار سے کوہکے اور دیکھئے مادی میں آگرتے ہیں۔ آپ کسی ٹکڑے سے باہر قدم رکھتے۔ اپنے آپ کو بشالاد باغ میں پائے گا۔ خواہ آپ نے کمر سے باہر نکلتے کئی سال پہلے یا کئی سال بعد نالاد باغ میں قدم رکھا ہوگا۔

اب آپ پر واضح ہو گیا کہ نظم کے ہندس قدر سچ ہیں۔ امدان کا دائرہ کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوا ہے۔ نظم کا قطعہ نگاہ ایک نہیں گئی ہیں۔
 وہ جس زویر سے چسپے و بنا پر نظر ڈالے۔ جس لنگھ سے چسپے شاہد کسے۔ اور ساری جزئیات کو ایک ایک کے دلچھا جائے اس میں یہ بھی قسمت
 ہے کہ نیا زمانہ زمانہ پیدا کسے۔ اس پر سزا دیکر کہ لاریکیز کی دل ہش کے سا کسی کھلا بیچ نہیں نظم کے ساتھ ماری کا ثبات اور سزا کا مقام
 سلسلہ پر ہے اسے اختیار کسے کہ زمانہ و زمان کے ماس میں تھوڑا سا رنگ بدلے ہیں ان میں سے بچے چاہے تنہا کسے کہ وہ بچے چھوڑ دے
 اہلہ و عقب بہت اہم ہے۔ در ایک نظم پر کیا موقوف ہے ہر فن میں مختلف کرامت حاصل ہے۔ میں پہلے شکل کے طور پر مسعودی و آصفیہ میں کے
 ایک شاٹ کا ذکر کر چکا ہوں۔ اس نظم کا لاریکیز پر دل چل گیا تھا۔ اور یہ پہلے نظم تھا کہ چارل کی نگرانی میں تیار ہوا۔ لیکن اس میں اس نے پاٹ نہیں کیا جو
 ایک نہایت ہی معمولی فقرہ پاٹ کے۔ جہاں تک لاریکیز کے فرائض کا تعلق ہے۔ یہ نظم بہت کامیاب ثابت ہوا ہے۔ میں نے جو مثال پیش کی تھی۔
 وہ آپ کو یاد ہوگی۔ اس آپ کے دہن سے اس شخص کا خیال گزرتا تھا کہ جس نے دوازے سال نگاہ کی ایک مردانہ لاریکیز پر گزارا۔ اس نے کار
 اٹھایا۔ اچھر میں دیکھ رہا محنت کے مکان میں مردانہ کار کا پایا جہاں وہ سناں کا اس پر اٹھا رہا تھا۔ دیکھ کر ایک کتہ بیچ انار بیاں ہے۔ من اٹھا
 کی بدولت جڑی باقوں میں کیا کیا رزائیں ہو کر جاسکتی ہیں اور کیا کیا مسمیٰ پنہاں کے جاسکتے ہیں۔ ان ہمارے سن میں جس کا لاریکیز ڈی ڈیو گزرتا تھا
 ایک عمدتہ دکھائی گئی جس کا وہ کسی علت میں اغوا تھا۔ وہ بچاری ماس اتھار میں مٹی کے بے کہ دیکھیں جو منہ سے نکلیا بیٹھ کر کہے۔ یہی صورت اس
 کا چہرہ دکھایا گیا ہے۔ باد تھ جنہیں وہ بار بار ڈوٹتی ہے لیکن اس کا بے پناہ اثر ہو کہ ہے۔ تنویر میں منہ کے تھوڑے مقام ہے جو کہتے تھے کہ تن میں سے ڈاکٹر
 نے صورت کی محبت کسے ہیں جو سب سے زیادہ موثر ثابت ہوں

ایک اور مثال سنئے۔ بچائی گرمیوں میں۔ دانت پر فاریس۔ ہم ایک نظم لاہور میں دکھایا گیا تھا چارل جنہیں لاریکیز کا دائرہ لاریکیز ہر خطا پاٹ
 ہوا کہ تھا۔ کہانی کا موضوع تو کچھ ایسا تھا۔ لاریکیز کا تعلق تھا لیکن منہ کی حیثیت سے یہ نظم میں درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا اور لاریکیز نے اپنی قابلیت کے جو کچھ دکھائے تھے
 ان کے لاف سے بہت قابلِ تحریف تھا۔ اس میں سے ایک داند پیش کرتا ہوں۔

ایک ماری ایک عہدہ دکھا کہ وہ دیکر اس کا ایک آسنٹ ایک صندوق میں داخل ہوتا ہے۔ صندوق کے سپروڈ میں سداغ میں جو ایک دوسرے
 کے قریب واقع ہیں۔ ان سداغ میں سے صندوق میں اس سداغ تھاریں داخل کی جاتی ہیں کہ اس کا رخ ہوتا نامعلوم ہو کہ ہے تو اس کی نکال لی جاتی ہیں۔ لیکن
 اس کا بال تک بچا نہیں ہوتا۔ تو اس نکال لی جاتی ہیں اور صندوق کا ڈھکا اٹھا یا جاتا ہے کہ وہ صیغہ دسا لم نہیں آتا ہے۔ ایک حرف ماری کی نیت دل جاتی ہے
 اور وہ اداہ کرتا ہے اسے کہیں کی کہیں میں سچ پر تزل کر ڈالے۔ اب غریب کچے کھیل دیکھنے والی اداہ قتل سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ تھوڑی سی اس کے لئے پہلے
 کی تیا بیٹھنے سے اسے مچنی سے انتقاد کر رہے تھے۔ کہ جب صندوق کا ڈھکا اٹھا تھا اسے متھو اس بے صبری کر بڑھانا اور لانیچہ ہونے والی کی ترجمانی کر رہا ہے۔
 صندوق سے تھوڑی نکال کر اس طرح بیٹھ کر ماری کی نکال لی جاتی ہیں کہ ان کے نیچے اوپر کی جانب ہیں۔ اور انہیں درمیں پر سنسی چھٹی میں لاریکیز کی اس مقام پر یہ نگرانی کر
 کسی طرح دیکھنے والوں پر اصرار اب وجہ تابی اداہ تھیب کی کیفیت ظہری ہونے کے پناہ اس کے ایک ایسا شاٹ لیا جس نے حادثاتوں کو عجیب میں بھیج دیا
 گزرتی تھا کر دیا۔

ماری بیٹھ کر ٹھہرے اور اس کے ساتھ تھوڑی لاریکیز اس میں لکھ کر لکھتے ہیں کہ دیکھا گیا کہ ماری کا سر تھوڑے کے متعلق کے میں اوپر
 نظر کے تھوڑے کے ساتھ بچل ہیں اس کے ان میں ایک لڑائی کی مینا ہو رہی ہے۔ اور میں چک رہے ہیں ان کے اوپر ماری کا چہرہ دکھائی دیتا
 ہے اس شاٹ نے دیکھنے والوں پر دیکھنے کی کیفیت ماری نکلی۔ جو آدکشا کے عجیب زمانہ کاٹ سے پیدا ہوا کرتا ہے۔

[illegible][illegible]

دہلی شلوں سے معلوم ہوئی کہ جو تیس برسوں کے انتخاب میں تاج دہلی میں ہوگا اسی میں سے ایک شخص کو چار برس سے میں نے ملوایا ہے۔
 قلعہ کارکن میں انتخاب کی دوا دینا پڑتی ہے۔ یہ میرے کی کار فرمایاں نہیں جہد طلبہ کا۔ اس میں کسی رتبہ میں ہیں میری دیکھ ہی ہے اور اس کا بھی سکتا ہے
 لیکن یہ بظاہر قلعہ کارکن کی دوا ہے۔ کہ وہ کیا دیکھ کر کیا دیکھتا ہے۔

فلم کے مناظر ایسے ناخن جوں جوں رتی کرتا جلتا ہے تو ہمارے سامنے نئے نئے عجیب و غریب مناظر پیش آتے ہیں جن کی جدت وہ فلموں کی حریات کو نمایاں
 لکے میٹھ کر دکھاتا ہے جن نئے نئے طریقوں کے معنی اور بیکر اور یہ قدرت حاصل ہو گئی ہے کہ وہ انہماک اور انعامات پر کی انکشاف نہیں کرتا کہ ہم ان تمام انعامات اور انہماکیاں وہ
 دماغ کے پیش کرتا ہے جن میں رنگ بکھرے اور اور انعامات زیادہ قہر کے متعلق ہیں انہیں ہمارے ذہن پر نقش کر دیتا ہے۔

تصور کرو کہ اس وقت وہ نمایاں طور پر پیش کرنے کا ایک طریقہ - ٹھونپ یا تقریبی ٹاٹ ہے۔ ٹھیر میچے ٹہلے تقریبی ٹاٹ سے دسلی ٹاٹ تک پہنچا ہے اور دسلی ٹاٹ سے ٹہلے نو بیدی پر پہنچا ہے گریا میں جوں جوں حرکت کی اہمیت کم ہوتی جاتی ہے وہ میچے ٹہلے جاتے ہیں جب تصور درجہ بہت سے بہتے غالب ہو جاتی ہے تو تماشائی کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ معمول سے رفتہ رفتہ عیاں ہو رہا ہے۔ اور جب وہ آہستہ آہستہ ٹھیر میچے سے آواز بات اس کے برعکس ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض اوقات ٹھیر میچے سے آواز اور پورے منظر کا نظم عکاسی سے بعض اوقات سدا وسیع منظر سامنے ہو سکتا ہے۔ تمام جزئیات دکھائی دیتی ہیں۔ اور پھر کسی ایک جگہ پر تماشائی کی توجہ مرکوز کی کر دی جاتی ہے سنی کوئی چیز جسے نمایاں کیا مقصود ہو ایک چھوٹے سے طبقہ میں اس طرح دکھائی جاتی ہے کہ وہ ہماری توجہ طلب کرتی ہے پھر کسی ایک ٹاٹ اور دوسرے ٹاٹ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان مختلف طریقوں کا نظم سازی میں جو اہمیت حاصل ہے وہ چنداں محکج بیان نہیں۔

اب خدیجی نے ایڈیٹنگ کیلئے جیسے نظم سادی کا لازمی مرحلہ سمجھا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب ساسلہ کے کوٹلم بند کر دیا جاتا ہے، تو سلاؤ کو لاکھ لاکھ کرٹاٹ میں پیر کرٹاٹ میں کسی قدر قطع و بید ہوتی ہے اس کے بعد اسے ٹائٹ مناسب ترتیب و تسلسل سے ہرز سے ہلے میں۔ اگلے سال امریکہ میں دیکھ لیں کہ یہ کونساں اہمیت نہیں دی جاتی۔ نظم کے جملوں اور نچے عام طور پر جاتا ہے انہیں ایڈیٹر کیلئے

جی تہہ اس کے کام کو نظم سازی کے دوسرے عنوان کے مقابلے میں لکھا جیسے ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ لایعز کو نیا روحانی مختلف صفت نہیں ان باتوں
وہ مشین کی طرح ایک ہر دھڑ سے اور نہ ہے جس کے کاغذ پر چلے سنی مختلف شات میں جڑے ہیں لیکن اس کے کہ جو دیا جاتا ہے لیکن کسی اور حسن
ڈائریکٹوین کو اتنی ہیست دیتے ہیں کہ اسے تدوین کی جیسے تحریر لکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک تدوین میں حیثیت کی ایک اور تفسیقی وقت کے علم پر دیکھنے
مزدت ہے۔ یہ بھی ان معنوں کے اعلان کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ ان کے نزدیک تدوین کا وہ درجہ نہ تھا جسے وہ اس کے یہ وسیع معنی مراد کے تھیں۔
بہن باتوں کے لئے لکھے ایک عنوان قائم کرنے پر ان کے ایک مرتبہ سہاوت نے کہا تھا کہ تمام فنون لطیفہ میں درجہ میں مرتبہ ہی وہ اس کے ہول مراد
اس کی ترتیب کا سبب یہ ضروری ہے کہ وہ اس میں سے خاص مناسبت ہر قسم کا اسراف مختلف لکھ میں نہیں وہ کیوں اس کی سطح پر ترتیب دیتا ہے
معنی کے نزدیک ان میں مدد میں جنہیں نے کے مطابق مرتب کرتے ہیں۔

اس پر دیکھتا ہے کہ اگر علم کے پاس کس قسم کا مواد موجود ہے اور اس کی ترتیب کا طریقہ کیا ہے۔ لکھنے کے نزدیک نظم کا وہ اس کے
اجزائی مختلف شات ہیں ان کی ترتیب کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں ایک خاص تسلسل سے جسے تدوین کی تفسیقی وقت معلوم کر سکتی ہے دیکھا جائے۔ وہ ترتیب
تک کہ جس کے کام لوگوں کے نزدیک نظم سازی کا فن، کیڑوں کی حلات و سخاوت سے شروع ہوتا ہے۔ شات پر نظم سمجھا ہے جن میں یہ حاصل مراد کی لڑائی
کے ساتھ ہیں۔ نظم ساز کا اصل کام اس وقت شروع ہوتا ہے جب ڈائریکٹر نظم کے مختلف ٹکڑوں کو آپس میں جوڑنے کے مقابلے میں لکھنا نہیں چاہے ہر
جیسے دیے دیے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

نظم لایعز کے دوسرے باتیں ہوتی ہیں ایک تو اس اور کاغذ کو شات کتا الجہے دوسرے یہ بات کہ شات کس ترتیب سے جوڑے جائیں ان
دو باتوں میں سے ترتیب کو زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ نظم کے معنی کا انحصار اجزائے شات کی تساق و انس کے باہمی ربط پر ہے جس طرح ایک جملے کے
معنی کا انحصار الفاظ کی ترتیب پر ہے اسی طرح نظم کے معنی بھی اجزائی ترتیب کے مطابق ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ دیکھ لیں: "کھٹلا آدمی
کہا تھا، آدمی نے کھٹلا کو مار ڈالا۔" دیکھئے لفظوں کی ترتیب میں عجز سے اس پر لے لے لے جملے کے معنی بدل گئے۔ یہ مثال نظم پر پہلی طرح
منطبق ہوتی ہے۔ ایک تبسم چہرے کا شات لیکن دوسرا شات ایک بچے کا ہر جملے سے لیں ہر جملہ تیسرا شات اسی چہرے کا لیکن اب تبسم کی
جگہ پر پردہ لپڑے ہوئے ہوں۔ اگر یہ تینوں شات اسی ترتیب سے دیکھئے جائیں تو آپ ان کو دیکھ کر یہ سمجھیں گے کہ یہ شخص بچے کو دیکھ کر خوش نہیں ہوا
اب ساری ترتیب الٹ دیکھئے یعنی آخری شات پہلے آجائے اس کے بعد پھر کھٹلا نظر آئے پھر تبسم چہرہ دکھائی دے تو اس کے معنی باطل بدل جائیں
گئے۔ اسی مثال سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جو شخص نظم کے اجزائی ترتیب دیکھے (اسے ڈائریکٹر کہہ لیجئے یا لایعز کے نام سے پکارتے) ہر حال وہی
نظم کا جنم دیتا ہے۔ نظم کی کامیابی میں لایعز کی ہر منفی کو کوئی دخل نہیں۔

بہن روسی ڈائریکٹر تدوین کی قدرت کے اس حلقہ تافل میں کہ ان میں سے ایک نے تدوین کی رفتار میں کدوا لکھنے کے لئے
ایک دھپ تجربہ کیلئے اس نے کئی نظم سے مشہور روسی لایعز موسیوین کے کئی "کھٹاپ" یعنی کرسی شات لئے۔ اس کے عنوان پر بھی ایسے منتخب کؤ
لکھے جن میں لایعز کے چہرے پر کئی مرتبہ کے اشارات نظر نہیں آتے ہیں۔ پھر اس نے اپنی نظم کے دوسرے ٹکڑوں کے ساتھ نین مختلف طریقوں پر شات
جوڑ دیا۔ ایک کھٹاپ کے ساتھ ایک شات جوڑا۔ جس میں لایعز پر شور مچا رہا ہے کہ ایک پیٹ پیٹ کی گئی تھی۔ ان دونوں کے ملنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا
کہ موسیوین لایعز پر شور مچا رہا ہے دوسری مرتبہ اس نے اسی کھٹاپ کے ساتھ ایک شات جوڑا جس میں ایک مردہ عورت کا ماتم دکھایا
کیا تھا۔ تیسری مرتبہ اس نے ایک لڑکی کا شات لایعز کے ساتھ لکھ لیا۔ اس سے موسیوین لایعز کے کھٹاپ سے جوڑ دیا۔ اس ڈائریکٹر نے منفی

کی مہر سنائی کے سلسلے کے ننگا کی با جب داستان بن افتاد میں بان کی تھی۔

جب یہ تینوں تصویریں دیے تو گول لڑکائی گیس جو کس ماز سے واقف تھے تو ان پر ریت اٹھ اڑ رہا اور اگر کھانکے محال میں کی تصویریں
نہ نہ تھکتے تھے۔ انہیں پہلی تصویر میں ایٹھ کے چہرے پر نظر انداز ہونے کے آثار نہ تھے۔ اور یا معلوم ہوا کہ سب کے پاٹ کو چل پہلے وہ اس
کی طرف اب کھڑی ہوئی تو غور سے دیکھا کہ دوسری تصویر پر انہیں ایٹھ کے چہرے پر مڑی ہوئی کی کیفیت نظر آئی گویا مرد کو عزت کا ثابت دیکھ کر
اسے بہت تعلق تھا چہرے پر تصویر میں سنیں ایٹھ کے ہونٹوں پر دکھارے تھے دکھائی دیا جو گویا دھکی کر کھینچے ہوئے تھا لیکن ہر حالت میں تصویریں
میں ایک ہی چہرہ ہے جس سے اصل کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا۔

اس کے سننے لے ہوئے کو فلم سازی میں جتنے وقت حصہ دیتے ہیں ان میں سب درولی نہ کوئی نسبت حاصل ہے۔ بڑا ایٹھ ہے پر میں ان لوگوں
کی تعداد زیادہ ہے جو ایٹھ کو اتنے حقیقت نہیں سمجھتے تاہم ان کا لانا پٹا کما کرتا ہے۔ ڈاکا، غفار اس کے ساق و ساق پر ہے اور یہ ظاہر ہے
کہ فلم کے جزائی ترتیب میں ایٹھ کو مسکن کوئی دخل نہیں۔

لیکن فلم کے مختلف اجزاء کو ترتیب کر دینا کسی لائق نہیں۔ ایٹھ میں یہ کچھ اور بھی ہونی چاہیے کہ جزائی کی عبادی کئی مونسوٹ میں طرح مونسوٹی
میں نہ صحت مردوں کا ہمارا چہرہ دیکھ کر ان کی کمی جی جاتا ہے پیدا کرتی ہے کسی طرح فلم میں بھی مشافہ کی کمی مٹی سے خاص خاص تناسب۔ یہ ایک
پیدا ہوتا ہے اور ان سے دیکھنے والوں پر مختلف قسم کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ ایک تناسب کا سوال دراز ہے مگر اس سے وہ اس قابل ہے کہ اس
سے شغف رکھنے والے لوگ جن کا مطالعہ کر رہے ہیں وہ زیادہ دیکھتے ہیں اس جانب اور لایہ میں صحت چند مذہبی باتیں بیان کر کے پراستیا کر دیں گے۔
میں اس جگہ صحت و دشائیں میں کوں گا۔ یہ شائیں یہ کوں لے یہ ظاہر کر کے لے جیت کی میں کہ محقق متاخذ کے لئے ایک شغف میں
کیا تبدیلی ہوتی ہے میں شائیں سے جسے میں واقف ہوں کہ اس طرح بدلتی رہی پہلے اس سے نشا یہ میں معلوم ہوتا ہے کہ مناظر کو فلم بند کرنے
میں مریض و محل کے اعتبار سے کیا کیا خاص طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔

صوفان

• مزدوری بناوٹ ذکر دی گئی :

۱۔ تصویر آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی ہے۔ درمیان پر لائی کھڑکیوں اور جندھنیں بڑی نظر آتی ہیں۔

۲۔ کیرہ گھما کر اسے منظر کا شٹ لیا جاتا ہے اور لیزر کے سامنے سے ایک لمبا پتہ گھماتا ہے۔ جس پر مزدوروں کی لاشیں بڑی ہیں۔

۳۔ ان میں ایک صحت بھی ہے جس کا سر پہلے کی طرف جھکا ہوا ہے ایک ٹٹے ٹٹے ٹٹے ٹٹے کے ساتھ ایک پٹا ہوا جھنڈا لٹکا ہوا ہے

یہ شٹ اگلے شٹ میں تحلیل ہو جاتا ہے۔

۴۔ قرب سے شٹ لیا جاتا ہے۔ عورت جس کا سر پہلے کی طرف جھکا ہوا ہے۔ لیزر کی طرف تھوڑا تھوڑا دھکیلتی ہے۔ یہ شٹ اگلے

شٹ میں تحلیل ہو جاتا ہے۔

۵۔ پٹا جھنڈا ہوا میں ہسٹا ہوتا ہے۔

یہ ترکیب انتہائی ناقص کی مثال ہے جس میں سکون بلکہ سکون اور غم پایا جاتا ہے ایک شٹ دوسرے شٹ میں اس نے تحلیل ہو جاتا ہے

ہمارے ملک کے سامنے آہستہ آہستہ اسے اس سکون کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے۔ کیرہ گھما کر اسے منظر کا شٹ لیا جاتا ہے اور تصویر کے آہستہ

آہستہ آہستہ ہر نقاب ہر جھلک سے بھی یہی واضح کرنا مقصود ہے کہ غم کا یہ مختصر سا قصہ جیات خود ایک واقعہ کی سی اہمیت رکھتا ہے اب ایک پُر شاہراہ
نہا مرغیہ داخلی شائیں پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ ایک گشتے سے مزدور ملے ناچم غیر مدنی نظر آتے وہ لیز کی جانب بٹختہ دکائی دیتے ہیں سب کے سب یکے بعد دیگرے یہاں کے
سانس سے گزر جاتے ہیں۔

۲۔ ایک مرد صابک اپنی سلاخ پر سے کوئلے اور بجائے ہوا چھو جاتے پھر یک بیک ٹھہر جاتے اور پکارا اٹھتے۔
صنایں ۱۔

”سب سے پہلی دکان کو بچاؤ“

۳۔ ایک مزدور کرین پر چڑھ جاتا ہے۔

۴۔ مرد و ماں ہمراہیں بند مہلتے بھاپ کی سینی بجتی ہے۔

۵۔ مزدور جو کرین پر چڑھ چاہے اسے جھک کیسے دیکھتا ہے۔

۶۔ مزدور بھاگتے دکھائی دیتے ہیں یہ شات اوپر سے لیا گیا ہے۔

۷۔ مزدور جو کرین پر ہے پوری قوت سے چلاتا ہے

۸۔ پہلی دکان کو بچاؤ“

۹۔ اوپر سے شات لیا گیا ہے، بھاگتے ہوئے مزدور ٹھہر جاتے ہیں تھوڑی دیر قوت کتے ہیں اور پھر بھاگ نکلتے ہیں۔

۱۰۔ ایک عورت ان سے شکار کر پڑتی ہے۔

۱۱۔ طور پ دکھایا جاتا ہے عورت گر کر پھراٹھ کھڑی ہوتی ہے اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیتی ہے۔

۱۲۔ مزدور بھاگتے دکھائی دیتے ہیں۔

اگر ان میں سے کوئی شات پر روک پینے اصلی وقت سے آدھ سیکنڈ زیادہ دکھایا جائے تو سامان تاب خاک میں مل جائے گا اور جرات پیدا

کرنا مقصود ہے پیدا نہیں ہوگا۔

اب اس سے بھی زیادہ آسان مثال لیجئے یہ مثال بھی پلوکن نے ہی پیش کی ہے اور کسی بازار کے حادثے کے متعلق ہے حادثہ اس طرح

دکھایا گیا ہے۔

۱۔ ایک بازار دکھائی دیتا ہے جس میں گاڑیاں ہتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ ایک ماہاجر بازار کو عبور کرتا ہے اس کی پشت کیسے کی جانب ہے

پاس سے ایک موٹر کار گزرتی ہے جس کے اندر خیرے کے درمیان حاکم ہوجا رہا ہے۔

۲۔ موٹر ڈرائیور کے چہرے کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے وہ بریک پر قدم رکھتا ہے اور گھٹکی مڑا کر نظر آتا ہے۔

۳۔ جو قریب حادثے کا شمار ہوتا ہے اس کے چہرے کی ایک جھلک نظر آتی ہے اس نے پیچھے مارنے کے لئے مڑ کر دیا ہے۔

۴۔ یہ شات موٹر ڈرائیور کی نشست سے لیا گیا ہے۔

گھسٹے ہوئے پیسے کے قریب ہاتھیں نظر آتی ہیں۔

۱۔ روئے کے پیچھے غور سے دیکھا دیتے ہیں۔

۲۔ کڑی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کے پاس لاشیہ پڑی ہے۔

۳۔ اس واقعہ میں گھومنے والے لاشیہ اور دیکھنے والے کے پہلے ایک منٹ تک کھلا دکھایا جاتا تھا تاہم انظر فل میں ل جاتا۔

۴۔ یہ آئینہ تمدن کی شاہین ہیں۔ یہ مغربوں غم کے لئے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ عورتیں کسی نام شہیرہ کی اپنی ہوتی نظر ڈالی جائے۔

۵۔ اصطلاح میں تحقیق تمدن کہتے ہیں۔ میں یہ یاد رکھتا ہوں کہ میں رسالے میں جب ایک کشتی لکھی تھی۔

۶۔ میں گذشتہ اسباق میں دی واسطہ پر مبنی تھی۔ نام ایک فلم کا ذکر کر چکا ہوں۔ اس فلم میں ایک واقعہ بھی ہے کہ چند اشخاص تھیں جن میں

۷۔ تماشائے سب سے پہلے ایک بیٹہ اور سب سے بڑا ان پر عمل کر رہا ہے۔ اب اس عمل کا اثر فلم کے ذریعے دکھانا مقصود ہے۔ فلم کے لئے حقیقتاً یہ موضوع بہت

۸۔ مشکل ہے۔ صبح میں پیدا کرنے کے لئے پہلے حال کے چہرے ہوتی تھیں۔ اس کی انھیں چند اشخاص کے چہرے پر رکھی ہوئی ہیں۔ اور وہ انہیں گھور گھور کر

۹۔ دیکھ رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور تصویر اس طرح دکھائی گئی کہ وہاں تصویریں ایک دوسرے کے بیچ میں جھلکتی نظر آتی ہیں۔ اس دوسری تصویر میں

۱۰۔ پہلے پہلے اپنے مقامات جیسے تختے میں حرکت دیکھنے کے لئے ہیں۔ یہ نشانات دوسرے نشانات میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ ان میں وہ تماشائی نظر آتے ہیں جن کا

۱۱۔ ذکر پہلے ہے جب عالم لاچرہ آہستہ آہستہ غائب ہو جاتا ہے کہ یہ پہلے دکھائے گئے تھے۔ اور دوسرے سے تماشائیوں کے چہرے ابھرنے لگتے ہیں اور پھر کمرہ قریب

۱۲۔ آتا ہے۔ یہ تمام نشانات خاص آہنگ و تناسب سے کیے بعد دیگرے دکھائے جاتے ہیں اور ایک دوسرے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح پہلے پر دکھ

۱۳۔ لگ شیشیوں نظر آتی ہیں۔ کئی دیکھنے والا پھلا کر بیکھر رہا ہے۔ کئی دیکھنے والے کئی دیکھنے والے آتے جاتے ہیں۔ ان کی جھمکنا ہے۔ چنانچہ اس کا اٹھنا ہے۔

۱۴۔ حیرت انگیز تھا۔ ایڈیٹر تماشائیوں پر اس قسم کے جراثیم طاری کر دیتا ہے۔ اس آئینہ میں چنانچہ اس کے کمال فن کی مثالیں دیکھا کر ہنسی

۱۵۔ ہے۔ یاد میں نے اپنی فلم دی اینڈ آف سینٹ پیٹر برگ سے ایک مثال پیش کی ہے جسے اسی کے انشائیہ بیان کرتے ہیں۔ وہ ٹھکانے کو جنگ کے مناظر دکھاتا تھا

۱۶۔ میں میں ایک ہولناک دھاوا دکھاتا تھا۔ یہ دھاوا کئی پوری وقت کے ساتھ فلم کے پس پردہ پر نمودار ہو چکے تھے۔ میں نے بہت سا ڈائنامیٹ زمین میں دفن

۱۷۔ کر دیا۔ پھر اسے اٹایا۔ اس کا لاشٹ لیا۔ اس سے بڑا دھاوا کر دیا۔ ہوا کی لہریں اس کے پس پردہ پر نمودار ہو گئیں۔ یہ لہریں کسی نام کا دکھاتا ہے۔ یہ حسن ایک بے جا سی حرکت دکھائی دی۔ میرے

۱۸۔ تجربے کے بعد انظر فل میں فلم کے پس پردہ دھاوا دکھانا اس کے تمام اثرات دکھانے میں کامیاب ہو گیا۔ اور وہ بھی یوں کر ڈائنامیٹ کے دھکے کا جوشا دکھایا

۱۹۔ اس کو کہی کہ اس کا استعمال کرنے کی ضرورت میں آئی۔ میں نے ایک مشن سے دو چھوٹے کبابی پیدا کیے۔ اور شورش و فساد کا اثر پیدا کرنے کے لئے معجزہ جیگر

۲۰۔ سے کام لیا۔ اس مشن کے درمیان میں لے ایک بڑا لاشٹ بھی داخل کر دیا۔ میں نے اس سے پہلے کسی زمانہ میں دیکھا تھا۔ اس طرح پہلے پر وہ مرنے لگی

۲۱۔ لگی تھی۔ میں پیدا کرنا چاہتا تھا۔ دھاوا کر دیا۔ ہوا کی لہریں اس کے پس پردہ پر نمودار ہو گئیں۔ یہ لہریں کسی نام کا دکھاتا ہے۔ یہ حسن ایک بے جا سی حرکت دکھائی دی۔ میرے

۲۲۔ ایڈیٹر نے دیکھا۔ آپ پیدا کر دیتے ہیں۔ اس فلم میں بھی یہی مشن ہے۔۔۔ فلم کے معنوں کی یہی افکار فلم کو دینا چاہئے۔ میرا یہ معنوں سب کے مبدیات سے متعلق

۲۳۔ لکھا ہے۔ ہندوستانی میں دیکھ کر وہ کہتے ہیں۔ انہیں کئی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ غرض قسمتی سے وہ میری دینا کے سبب بہتر فلم دکھانے لگے ہیں۔

۲۴۔ جن کی وجہ سے وہ میری خوش قسمت انسان کے جیسے جیسے شہر و علاقے بھی قابلِ فک ہوتے جاتے ہیں۔ انہیں انہوں کو سینکڑوں ندرستہ معنوں اور قدامت پسند

۲۵۔ مذہب کے نزدیک کچھ لوگ اکثر دیکھتے ہیں۔ وہ بھی انسانی ذہن و عقل کی حکمت پرین کا یہی ہے۔ یہ سب ان کے دیکھنے سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

۲۶۔ ایسے جیسے پہلے اس طرح کی مجاہدین کو میری دوسری فلموں کے ساتھ کارڈ بکس کے کاپ کر کے معنوں قیمت معلوم ہو گا۔ (ریڈنگ ٹیبل)

انگلستان کا جدید تھیٹر
پرس

چونکہ مجھے تیسرا احساس کے لئے خاص دل چسپی ہے اس لئے سفرِ یورپ کے دوران میں میں نے اپنی فرست کا بیشتر حصہ اسی کے مطالعہ میں صرف کیا۔ اس سے میرا مقصد صرف اپنی پیاس بجھانا تھا۔ یہ ارادہ ہرگز نہ تھا کہ ہندوستان و اس آکر اس کے متعلق کوئی نتیجہ کر دوں گا۔ یا کسی مسئلے یا اجتہاد پر کوئی مسئلہ مضامین شروع کروں گا۔ میرے جواب میں سے یہ اتنا زلی تاج ۷۲ تجربہ ہندوستان بلکہ کے متعلق بہت وسیع ہے۔ یورپ کے تیسروں کے متعلق بھی ان کی معلومات کا ذخیرہ حیرت انگیز ہے وہ اور میں اپنے پائے لاکھ یعنی گزٹ لاکھ لاہور میں پروفیسر گروت سونڈ ہی کے زیر قیادت ایک کلب بنا کر برسوں سے بلکہ کے شوق کر رہا کہ ہے میں۔ چنانچہ اس موضوع پر لکھے لکھے ایتنا نصاب کہ خطا محکمہ اور دہلی پر کبھی انہیں سے اس کے متعلق تبادلہ خیالات کرنا۔ بالی سے پروفیسر سونڈی۔ سو میرا انہیں کچھ بتنا سوجھ کر چار دیکھا ہے۔ انہیں حالات میں ہرگز اس بات کے لئے تیار نہ تھا کہ یورپ کے تیسروں کے متعلق کوئی مضمون لکھا اور حق تو یہ ہے کہ اگر تیار صاحب کی یہ ماسک نہ جوتی کہ میرے بعض بعض مشابہت کا دیکھیں نیز نگہ خیال کے لئے دل چسپی باعث ہو سکتے ہیں تو یہ ضرور بھی ظہور میں آتا۔

ایک آئینہ درستان کا تھیرا لٹسپ کے مقابلے میں اس قدر معجزہ کہ لٹسپ کے تھیرا کا ہندوستانی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنا بے معنی بات ہے اور ایک ہندوستانی رسالے میں اس کا محض بیان کرنا بے فوٹا ہے اور سرے سے موضوع اس قدر وسیع ہے کہ میں کسی طرح بھی اس سے عہدہ برائ نہیں کر سکتا۔ لہذا اگر آپ اس تحریر کے کسی طرح بھی مستفید یا محنت اندوز نہ ہوں تو کم از کم میرے اس تاق کے شاہد تو ضرور وہی جس کا اظہار میں شروع ہی میں کر رہا ہوں۔

اس وقت میں صرف ایک تھیٹر کا ذکر کر دوں گا۔ میں کا نام ٹیٹل دل تھیٹر (Festival Theatre) ہے اور جو کیسنگ
(انگلستان) ہی میں ہے۔ خوبصورت ہے اس تھیٹر کا افتتاح میں اس وقت ہوا جب میں کیمبرج پہنچا۔ لیکن اس کے لئے ایکسٹرا مت سے تیار ہوا
تھی۔ اور اس کے شروع ہونے سے پہلے جو جریمات وقتاً فوقتاً اس کے متعلق اخباروں میں شائع ہوتے تھے ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ کم از کم انگلستان
میں اس تھیٹر کی نظیر نہ ہوگی۔ مجھے یاد ہے کہ جب پہلی دفعہ میں نے لندن سے کیمبرج کا سفر کیا تو سفر کے دوران میں ٹرانس کے کالوں میں اس تھیٹر کے آئندہ
پروگرام کا حال بہت اہمک سے پڑھا اور اتفاقاً یونیورسٹی کے کچھ ہی سہاگمیل دکھایا گیا۔ اور اس دن سے لے کر آج تک میں نے سب کچھ دیکھے
ہیں اور آج کل جہاں یورپ کی ادبی باتیں یاد آ رہی ہیں وہاں ٹیٹل دل تھیٹر کا ذکر بھی کرنا ضرور آئے گا۔
شروع ہی میں اس تھیٹر کے افراغی و متعاضدان انعام میں بیان کرتے تھے۔

عین دل خیر کی زندگی لا مقصد یہ کہ کمر تک اندر نہ ملے غمراہان نہ ملے سیخ
پڑتے نہ۔ اس بات کا مطلق خیال نہ رکھے کہ اگر کوئی اس کی عادت پڑی ہو
ہو وہ تو اسے جو محض آزمائش کی لئے لے کر ہے میں ارجحاً اس کو بحیثیت تماہل کے ملاحظہ
کرتے ہیں، البتہ کہ من کے نقطہ نظر سے نہ پر غور نہیں کرتے۔ اس کے دماغ میں مہارول
کا تصور نہ ہو۔ دینا کے سب سے دلچسپ ہونے میں اسے دھلا سے بائیں کے مجاہدہ دنانے
میں جو تیز معنی جھاتی اور اس کے سے غلط ہونے میں اس میں اسے تیز دھلا سے کو
تلاش کر تھکے سو رہے جو کہ ان تیزوں کا علم ہوا کہ یہ راہ راہ لپیٹوں کے ساتھ ہے۔
جن کے کو ایک نلے کا فن پر مبنی ہیں۔ کھانا وہ بڑے جھاس نہ کے دل عادی ہیں اور
فی الواقع ان کے سے غلط سے غلط نہ ہونے کے سب سے میں نے پکا ہے میں وہ ایسا
کے سے کام میں کہ یہ نکار خیروں میں عادت نہ۔ خستہ اس کے سامان پہل مہی سے
عادت ہے اور بعد میں اس کے راہ راہ لپیٹوں میں ہو سکتا ہے۔

اس میں وہ باتوں کی طرف اشارہ ہے کہ عام تہذیبی تفسیر اصل نہ ہے محض لے طے ہے اور صرف مانت اساتذہ کی اسفل فراموش ت کوئی ناکرناہی اپنا متعجب کہانہ لکھ دیکھ کر کہ ایک دھنگ سے دوسری بات ہے کہ تفسیروں کا نام غیر ہندو سیچ کی تفسیروں کے لئے خود اساتذہ کی جیسے تفسیری نفاذات لکھ میں بھی فرسودہ الہ ہے کہ اس سے یہ دونوں باتیں بہت متکلف تفسیر طلب میں لیکن نعمتوں کو سر تدر طول دینا کہ تفسیر سلجھ جائے میری طاقت اور برزنگ خیالی کی صفات سے انفرادی ہے۔

انفصاف کے کام تھیں تو میں سے ہر ایک میں ایک ہی کھیل ہر رات میسوں بلکوب اور وقت برسوں ہوتا رہا ہے لیکن وہ اصل کی تعداد سے شمار ہوتی ہے اس لئے اب اگر نامکن ہوتا ہے۔ کھیل بہت ہی مقبول ہوتا تو لڑکھڑکھالہ دو سال تک آدمی کا زور نہ رہتا ہے اور کوئی بڑا کھیل نہیں مہسے پڑتا کہ تو دوسرے ہی دن خیر ہو جائے۔ جب ایک کس ختم ہو جائے تو چھ دوسرے کھیل تیار کیا جاتا ہے اور وہ بھی اسی طرح اپنی مقبولیت کی حد تک دکھایا جاتا ہے ہر رات اس کے نیشنل دل تھیں ہر ایک کھیل مرتبہ بھرتک ہوتا رہتا ہے جب کوئی دوسری میں چٹیاں ہیں تو تھیں ہی بند ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ تھیں تو غیر سٹی ہی کے سر پر قائم ہے۔ کیونکہ یہاں کھیلوں کا جو میدان ہے اس کے مطابق لیکن وہ بھی ایسے ہی تربیت یافتہ آدمی ہوتے جابگیر۔ جو غیر تربیتوں میں پائے جاتے ہیں اسی لئے اس تھیں کا قیام لندن کی بڑے شہر کی جیسے کیرج ہی میں مناسب سمجھا گیا۔

کھیلوں کے انتخاب میں بہت ہی وسعت نظر سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک رات کو میرے حیدر کھیل جو عام تھکڑوں کے الگ اس ڈار کے پاس سے قبول نہیں کرتے کہیں ان کی حقیقت کا سراغ نہ س کے ناپسندیدہ مواد کا روادار میں نقصان نہ اٹھانا پڑے پیش کے جانے میں دیکھ لیا ان میں فن کے اعتبار سے کوئی خاص خوبی ہے اور دوسری طرف قدیم سے قدیم کھیلوں کے دھلنے میں اہرین تھکڑ کمال فن کا ثبوت دیتے ہیں اور ان دونوں کے مابین ڈار سے کے ہر شہسود اور ایک ایک نہ ایک نمونہ ضرور پیش کیا جاتا ہے اور اس میں ملک و قوم کی کوئی قید نہیں۔ چنانچہ یہاں میں نے جو سن اور فرنگی اور امریکی اور سپانوی اور آسٹریائی اور نارویجی سبھی مصنوعات کے کھیل دیکھے ہیں البتہ ہرے سب انگریزی زبان میں ہیں۔ البتہ اس کے علاوہ فرنگی اور ہندی لادریں وغیرہ سب اصناف کو عام شامل کرنے کی عادت ہے۔

سب کی سن کا حال خاص طور پر بیان کرنا مرد کی ہے کہ یہی چیز ان لاچار امتیاز ہے۔ انہوں نے کہ یہ سب کچھ کوئی بھی تصویر نہیں دیکھ سکتا۔
 نالی کی طرح منظر میں آسکے۔ یہ ہم تصویر سے نہیں پرانے۔ اس تصویر میں سب پر جو سن کا جملہ ایک قدیر پرانی نگین کا ایک سین ہے۔ سچے
 بہت سا حد سیر کی جگہ سے رک گیا ہے۔ ہم حیرت لگاتے ہیں وہ صحن صحت بیان کرنے کو کہتی ہے۔

پس بات قابل ذکر یہ ہے کہ سچا اور حیرت کے درمیان بڑی بڑیاں ہیں تو تصویر میں سب سے دوسرے کو نظر آتی ہیں (سچے کے
 اور جو بڑیاں دکھائی دے۔ یہ سب وہ سین کا حصہ ہیں۔ لیکن جن بڑیوں کا میں اس وقت ذکر کر رہا ہوں وہ تصویر سچا مستقبل حصہ ہیں)۔ گویا اگر آپ
 تماشائیوں کی پہلی نگاہ میں آئے ہوں۔ تو سچا آپ کے پاس سے نہ سچا اپنی شروع ہوتی ہے حتیٰ کہ آپ سچا کی سب سے بڑی سچ پر سب سے بڑی
 اس سچ کا سچ حصہ سچ کی بڑیوں اور سین کی بڑیوں کے درمیان دکھائی دے رہا ہے۔ اس حصے پر آپ غور سے دیکھیں تو سچ کی شکل میں ایک خط
 سا کھینچا ہوا ہے۔ یہ ایک دائرہ ہے جس کا سچ حصہ بھی بڑیوں کے سچے پر اکڑ چکا ہے۔ اس دائرہ کے اندر جس قدر حصہ سچا لکھا ہے وہ بات سچے سے
 علیرہ ہے اور یہ وقت ضرورت اس حصے کو گھمایا جا سکتا ہے۔

سچا ساری کی ساری ایک ہی ہمارے سچ نہیں بلکہ اس کا بقیہ نصف حصہ اندر ہی ایک جگہ اور کواکھا ہوا ہے۔

اس تصویر میں سب سے پہلے جو ایک سفید سا روئے نظر آتا ہے وہ اصل ایک سفید دیوار ہے جو میری نہیں بلکہ گول ہے جیسے مسبق
 ہوئی شمع کو ہند کے جھونکے سے نکالنے کے لئے ہاتھ کو گرم کر کے شمع کے کپے رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ دیوار کھول بیٹوں کی بنی ہوئی ہے۔ ہر ایک میں کی آواز
 اس سے کوئی شک نہیں کہ اس پر بہت ہی پختہ سفید رنگ کا پتھر ہے جس پر کسی چیز کی شکل سے خواہ وہ کتنا بہت حال ہے اس دیوار کو اسکا
 میں سائیکلوراما (Cyclorama) لکھتے ہیں اور سب کے ہدیہ خیزوں میں اس کا مکتبہ مدعو ہے۔

تھیر کا وہ حصہ جہاں تماشائی بیٹھے ہیں۔ تصویر میں دکھایا گیا ہے (یہ گیارہ منظر ہے جو ایک کورسٹ پر سے دکھائی دیتا ہے) اس سے
 آپ اس بات کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں کہ تھیر کی لمبائی بہت کم ہے۔ ایکڑوں کو گواہ گواہ چلا نہیں پاتا۔ نہ تقریر کی وہ تمام غریباں جو آواز کے
 لئے آواز چلاؤ پر تھیر میں شائع ہو جاتیں۔ تھیر کے اس حصے کی شکل گھڑے کے نعل کی مانند ہے۔ دوسرا حصہ اوپر کی منزل میں ہیں اور فرش کی نشیں
 تبدیل ہو کر اٹھتی جاتی ہیں۔ گویا فرش نہیں فرش کی بجائے بہت سی بڑیاں ہیں اور ہر بڑی پر کسیوں کی ایک نگار رکھی ہے۔ ہر طرف دور سے
 آمد و رفت کے لئے قابل چھوڑ دئے ہیں۔

یہ تر عمارت کا حال تھا لیکن اس تھیر کا سب سے فردی جزو جس کی وجہ سے اس کو انگلستان کے بالی تمام تھیروں پر تفوق حاصل
 ہے اور جو اس کے لئے خاص طور پر بنایا گیا ہے وہ یہاں کی روشنی کا انتظام ہے۔ قہر وائیس یعنی وہ سب کچھ سچے کے کنارے پر ایکڑوں کے قدوں
 میں لگے ہوئے ہیں اور جن کا درجہ ایکڑوں کی طرف ہوتا ہے۔ وہ قطعاً مفقود ہیں۔ سب سے روشنی کے لئے کامرت ایک ہی ذریعہ ہے سب سے اوپر
 کی گیلی میں چار بڑے بڑے سب سے ہیں (تصویر ملاحظہ فرمائیے) جن کا رخ سچ کی طرف ہے اور جو بڑی قیاس کے ساتھ ایسے ذریعے پر لگے گئے ہیں کہ ان
 کی روشنی سچ یا ایکڑوں پر گر پڑتی ہے لیکن سائیکلوراما پر نہیں پڑتی۔ اور ایکڑوں کے ساتھ سائیکلوراما پر پڑا کریں۔

سچے کے اوپر ایک ٹی سائیکلوراما کے ساتھ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر اس پر سے کوئی چیز گرائی جائے تو سچے
 کے صحن وسط میں آگتی ہے۔ اس پر بڑیوں کی نگاہیں ملتی ہیں۔ یعنی کا رخ تو باطل ہے کی طرف ہے لیکن چونکہ سب سے ایسے ہیں جن کی روشنی سائیکلوراما
 پر پڑتی ہے اور نہیں۔ سات سات پسوں کی ایک ایک تھا ہے۔ ان سات پسوں کے ساتھ تو سب قریح کے سات سات رنگوں کے فیض ملے ہیں۔

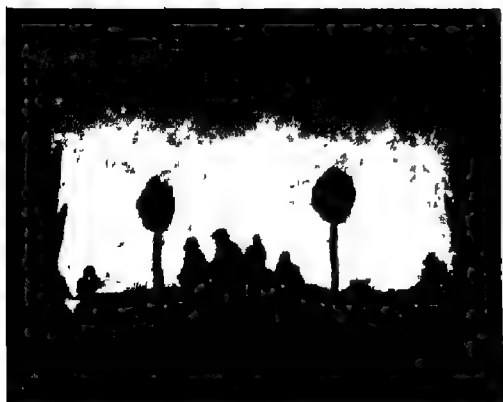
2



1



2



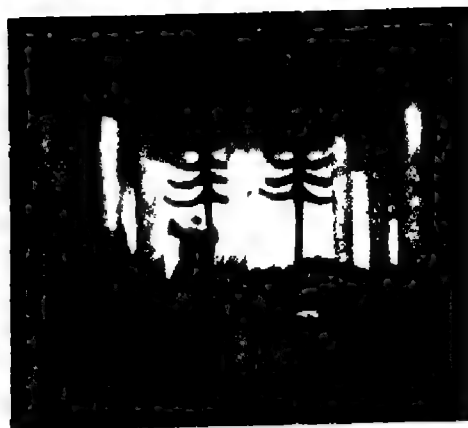
2



6



5



8



7



اور جو انہی ست رنگوں میں سے مختلف رنگ و قصبہ کے ان کو مختلف تناسب میں مل کر بنا دیا۔ ایک رنگ بنایا ہو گا اس سے اس سے بیکور یا برص قسم کے رنگ کی روشنی ڈالنی مطلوب ہو ناں جا سکتی ہے۔

ان پسوں کے علاوہ ایک ہی لپ ہیں جو مختلف موقعوں پر ملے ہیں جن کا ان میں سے ایک نہیں۔

سائیکلورامک پسوں کی روشنی اس قدر ہوتی ہے کہ گلاس کے ساتھ عام قسم کے شیشے کے عائنوں یا تو حرات کی دوسرے وقت جلتے ہیں یا ان کا رنگ دمچڑھ جاتا ہے اس لئے ان میں ایک تو اس قسم کا شیشہ استعمال کیا جاتا ہے جو چیز میں مستقل اور جو بہت صاف عائن صرت ایک اور بات کا ذکر کرتا ہے اس کے بعد اس سیلے کے گرد ایک ہلکے اور لکے رنگے دھڑلے میں ایک لپ کے جانے کا جن سے یہ صرت یہ جو اس جن کے ساتھ ایسا انتظام بھی ہے کہ لپ کی روشنی نہایت آست بہت باطل کی ہے معلوم طور پر دمچڑھنے کی جا سکتی ہے تمام پسوں کے ساتھ ایک خاص قسم میں جلتے ہیں۔ جہاں جنوں کی تعداد کی تعداد میں اور جہاں سے بھیز کا وہ روشنی کا کام کرتا ہے اس امر کی کسی شے پر سے شیشہ باطل نظر نہیں آتا۔ لیکن مٹا کر جو اچھل کر وہاں یہ کام کرتے ہیں ان کے تجربے کا یہ کام ہے کہ اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے مختلف جنوں کو دیکھ کر ان کا اندازہ لگائیے ہیں کہ سائیکلورامک پسوں اور کس شدت کی روشنی چڑھی ہوگی یا ان کو کسی رنگ کا کپڑا دکھا دیجئے وہ کپڑے کے جنوں کو اوپر سے سر کا کر آپ سے فہم دیکھیں کہ اس وقت سائیکلورامک پر جو رنگ ہے اس میں اور اس پر کمرے کے رنگ میں سرورق و ت نہیں آتا۔ اس میں بھی غلطی نہیں کرتے۔ یہ پسوں کے دوران میں جب ڈائریکٹر مختلف رنگ آزاد کرتا ہے تو ہل اور کپڑے کے درمیان میں غلطی شیشہ کی ذوق دیتے ہیں ڈائریکٹر تو شیشوں کی شست پر مینا ہوتا ہے۔ ہر روز روشنی سے کمرے میں ہوتا ہے۔ ڈائریکٹر دیوار کے ساتھ کمرے کے سرورق مائل کمرائی رنگ مطلوب ہے ہر روز روشنی اپنی انہوں سے بعض جنوں کو اوپر سے سر کا کر اس کی تھیں کہ کمرے کا لاکھ سا بیکور یا بیکور سے نظر نہیں آتا۔

تصویر نمبر ۲ میں سائیکلورامک کو دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ رنگ کی گھریاں اور رنگ پھیلی جا رہی ہیں۔ جب تک لگے یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ دیکھا ہے لگے اس بات کا گھنٹہ نہ تھا۔

یہ تمام وہ سامان ہے جس کی مدد سے وہاں کے فداوند بھیڑ دینے کے لئے تین درجے پیش کرتے ہیں۔ سیزنی کے متعلق ان کے بعض خیالات اس کے ہیں جو دوسرے پر پیش کی ہوئی سیزنی تو فیروزیں سے ذیل تصویر بھی وہاں استعمال نہیں کرتا۔ اس کا ذکر یہ جانے دیجئے۔ فیٹی دل تصویر کا رجحان زیادہ تر ایسی سیزنی کی طرف ہے جس میں اتنا صاف کی مادی سے بڑے سے ڈالام نقل سکے۔ تصویر نمبر ۳ کا سین بعض لکھائی کے تندوں کو جو ڈکرتا یا لگتا ہے لیکن سیزنیوں اور ستروں کے ساتھ سے پاکیزگی اور رخصت نکلتی ہے سائیکلورامک اس سین میں آسانی ہے۔

تصویر نمبر ۲ ایک محل کا منظر ہے کمرے پر دوں میں سے سائیکلورامک کھائی دے رہا ہے۔ یہ ایک ڈرامے کا آخری سین ہے مکمل اس منظر پر غم ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ اپنی سلطنت چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ یہ ادا میں کیا گیا کہ بادشاہ سیلے پر کنگ کو بڑھتا بڑھتا سیزنیوں پر سے اتر کر تختوں میں سے ہوتا ہوا تخت پر سے اتر لگ گیا۔ فیٹی دل کی یہ خاص جہت ہے کہ اکثر اوقات ایجنٹس ٹائٹل میں سے ہر کچھ پر آتے ہیں اور اسی طرح بہر لگ جاتے ہیں البتہ یہ صرت دہی کیا جاتا ہے جہاں مردوں معلوم ہو۔

تصویر نمبر ۴ ان کی سیزنی کی سادگی کا ایک اور نمونہ ہے یہ منظر ایک خوشنما باغ ہے آسمان (یعنی سائیکلورامک) کا رنگ شہابی ہے جو بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ درخت بہت ہی نکلتا اور سادگی سے پیش کئے گئے ہیں۔

تصور ہرگز دس منٹ میں بہت ہی گھٹا نکل دکھانا مقصود تھا اس سین پر صرف تین منٹ سے روشنی ڈالی گئی تھی۔ ایک تو سائیکلو گراف تھا جس کے علاوہ دائیں بائیں دو چھپے ہوئے پسوں سے روشنی کی شعاعیں ستروں پر پڑ رہی تھیں اس لیے شاد ستروں میں دو تین دھنوں کو کھڑا کر دیا یہ ستروں اور کئی ڈاوسوں میں استعمال ہوں گے۔ اس کے وقت گھنٹہ میں لیکن ہمارے پیدائش مطلوب تھا وہ ہو گیا۔

ایک ڈائٹنگ مین کے لئے جو انتظامات کرنے پڑے۔ ان کو سوچتے ہوئے اور غور کرتے ہوئے لیکن اس میں غلطی سے مشکل کو حل کر دیا کہ اس کے دل پر جو پسوں کی نگاہیں ملتی تھیں ان کا سایہ سائیکلو گراف پر ڈال دیا یعنی ان تمام پسوں کو اس کے پیچھے ایک اور پس روشنی کر دیا تو تصویر ہرگز دس منٹ سے ظاہر ہے۔

تصور ہرگز میں ایک دوسرے کا آخری منظر ہے۔ ڈرامے کی کہانی معرکہ ترقی سے متعلق تھی ہے۔ وہاں کی میاں باکرے کا رہے ہیں۔ مرنے سے پہلے وہاں رہا ہے۔ بالی سب تھی۔ لیکن چونکہ آخری سین ہے وہاں کی خبروں سے کب کے آشنا ہو چکے ہیں اس لئے اس سے کوئی ہرج مہج نہ ہوتا۔ بہت روشنی کی اس ترتیب سے سین میں ایک خاص غریب پیدا ہو گئی ہے۔

سائیکلو گراف روشنی کی بجائے اس کے ڈائٹنگ کی مثال اور پیش کی جا چکی ہے اس کی ایک اور مثال بھی ملاحظہ کیجئے جو میرے خیال میں بہت بہترین کامیاب ہے۔ (تصویر نمبر ۲) شیکسپیر کے رچرڈ سوم کا وہ سین ہے جہاں رچرڈ سوم جلا ہے۔ اس طرح طرح کے پریشان خواب دیکھ رہا ہے بہت ٹاک صورتیں دکھائی دے رہی ہیں سچ پر ایک لپٹ کسی چیز کے پیچھے چھپا کر رکھ دیا ہے اس کی وجہ سے جیسے سائیکلو گراف پر پڑے ہیں ان سے بہت اور وقت میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

اور بہت سے مناظر میں کئے گئے ہیں۔ لیکن امید نہیں کہ رنگ خیال میں ان سب کے متعلق تعداد پر جاننے کی گنجائش ہو اور اعداد کے بغیر کچھ بیان کرے سکتی ہو اس لئے اس قدر کہیں ختم کئے دیتا ہوں اس امید پر کہ ان چند مثالوں سے قارئین کو اس تصویر کے طرز پر کچھ لکھ سہ کچھ اضافہ ضرور ہو گیا ہو گا۔

مرن ایک کھیل کے دسین تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں ایک ترتیف ہی باطل زلزلے طرزی ہے اس کے علاوہ میں طرزی سے یہ ڈرامہ پیش کیا گیا وہ بھی سچے فن کی عین صحت طرازیوں پر روشنی ڈالتا ہے اس کھیل کا نام (The adding machine) یعنی جمع کرنے والی مشین ہے اس کھیل میں جو پیغام مضمر ہے وہ یہ ہے کہ امریکہ اور اس سے کم دے پر انگلستان اور یورپ کے بعض اہل ممالک میں جویرت ایگزومادی ترقی ہوئی ہے اس کا ایک نتیجہ بھی ہے کہ ہزار افراد (مثلاً ملک اور زون) ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن کی زندگی باطل ایک مشین کی طرح چلتی ہے گویا روح اس کی تمام لطافتیں مرنے ہیں۔ زندگی میں کوئی دل چسپی نہیں۔ کام میں کوئی لطف نہیں۔ برسوں تک ایک ہی فقر میں ایک بے مدتی سی معروفت میں مبتلا ہیں۔ ہر صبح اسی وقت پر اٹھنا۔ اسی وقت پر کام کرنا۔ اسی کوئی پر مٹھنا۔ وہیں سند سے جمع کئے دہندہ ہر شام اسی گھر کو واپس آنا۔ کوئی تفریح نہیں۔ کوئی لکھے خیالات نہیں۔ کوئی ترقی کی امید نہیں۔ اس لادارہ دنیا میں ترقی باطل مفقود ہے۔ بے رنگ۔ یکسانیت چھائی ہوئی ہے جس کی وجہ سے ایک ملک اور دوسرے ملک یا ایک فرد اور دوسرے فرد میں کوئی تضاد نہیں۔ ہر جگہ سب کے سب جادوؤں کی طرح ایک ہی لائحہ سے اپنے جاتے ہیں۔ سب ایک ہی جیسی باتیں کرتے ہیں ایک ہی جیسے خیالات دہکتے ہیں غرضیکہ کہ ہر ایک کی طرح پیدائش سے مرگ تک ایک ہی نقطہ کے گرد چکر دھرتے رہتے ہیں۔

لئے میں جس ملک کی زندگی میں گئی ہے اس کا نام مشریر دینی منفر ہے۔ ڈرامے کے بیشتر اڈوں کے ناموں کی بجائے اسی طرح منفر

میں نے جیسے ہی کسی کوئی اتار دیا، یہ نہیں کسی کی کوئی خاص شخصیت نہیں، گریہ رازی روح، شفا میں نہیں، جانور، بلکہ مشین ہے، ایک باہل، "مرسدس" جیپا۔ ان میں قیصر کا ہم کرچر، اس کے ساتھ ہر ایک پر ایک ایک میل ۱۵۰ دیا جائے اور کوئی طریقہ نہیں، کسی نے اتار دیا تو وہ نہ سروس سے تعبیر کیا گیا بلکہ صرف چونکا کیل کے "سیرو" یعنی جھونکا، ان اتار ان خاص شیعوں کے ایک خاص مشین کو باقی شیعوں سے پرہیز کرتا تھا، اس سے "اسلام" پر یاد رکھ دیا۔

کھیل کا پلاٹ۔ اور اس کی سنجیدگی پر ادا کئے اور ملک و دین کے ساتھ قربان کر دیا۔ اس وقت اپنے خاندان کے معصوم بچوں پر
تقصیلات میں کی جیسی ممکن ہے کرتی تھیں، اس سے کوئی خاص فرق نہیں (پہلے میں منتر مغز کی خواب گاہ کا ہے۔ یہاں بری دولتوں پر
ساتھ ساتھ لٹھیں ہیں۔ بری دولت ہے اور برکت میں ان کو کوئی ڈپٹی نہ ہوتا ہے۔ کیا خدمت یہ کہ اس ملک کے چاروں کو ذہنی و فیزیکی بے فکری
ہے بلکہ گھر پر بھی اس کو کوئی کام کوئی خوشی نصیب نہیں۔ ایک سین میں بری نہایت سے تھیں بلکہ ادا کئے ساتھ ہل رہی ہے اور میان کو طرح طرح
کی باتوں پر ملامت کر رہی ہے یہاں سامنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس تمام سین میں میان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلتا۔ صرف کبھی کبھی جب
کے بھر کے لئے بری آواز سے کہنے کے کھڑے ہوتے ہیں اس وقت میں منتر مغز کے دل میں اپنے حدود سے خیالات گھسنے لگتے رہتے ہیں اس کو یوں ادا
کیا گیا کہ جہاں بری کی چپ ہوتی ہے پر سہ کے پیچھے پہنچنے کی بجائے ایگزیکٹوری اور مذاق اور نہایت سی دور کا ذہن مندوں کا کیسے منی سلسلہ چلنے
لگ جاتے ہیں منی کی کچھ خاموشی چھا جاتی اور بری چور ہونے لگتا ہے۔ اس دھماکے میں منتر مغز بے گناہ تھا۔ صرف بلے قرار دیئے تھے کبھی بچا لاپلا
کر لیتا تھا اور پھر بھی نہیں ڈوب مانتا تھا۔ جو ایگزیکٹوری سہ کے پیچھے رہتے تھے ان کی آوازیں ایک کبلی کے آئے کے ذریعے سے تمام اہل میں
گونجتی تھیں۔ گویا پانچ آوازوں والا سبب اور سرگوشیاں کر رہا ہے۔ ہندوؤں کے دہرے سے مطلب یہ تھا کہ منتر مغز کی روح دھڑک رہی کہ ہر رنگ
لاہری صوفیہ کی درجہ سے اتنی مردہ ہو چکی تھی کہ خیالات کے پیدا ہونے کی طاقت اس دور سب ہو چکی ہے کہ دفتر کے دن بھر کے کام کے
مکان سے اٹھ کر نہیں سوجھتا۔ دل دماغ پر اس مشین کی طرح طرز زندگی سے اس قدر قابو پایا ہے۔

درسا میں دفتر کا ہے۔ چمکے سیاہ رنگ کے پردے کے ہمنے میں بیٹھ کے عین وسط میں ایک بہت ادھکا سا دُورِ غازیک ہے دو دروازے منسل ہیں جن پر بچنے سے آدمی کے پاؤں زمین سے تین فٹ کے قریب اٹھنے دیتے ہیں ایک دروازے منظرِ میٹھے پر دوسری طرف ایک کام کرنے والی محنت بھی ہے ڈیک کے عین اوپر ایک لپ تگ در ہے۔ لپ تو مکانی نہیں دیتا لیکن اس میں سے جو چلی پھلی تیز روشنی کا ایک محو دلی جیسا مدینے ڈیک پر ہے وہاں رنگ کی تار ایک فن میں نمایاں نظر آتا ہے یہ سب مکان بیٹھ کے اس حصے پر ہے جو ٹھیکہ یا مکان ہے مشرِ صفر اور دلی دروازے نے افسوس پر سیاہ رنگ کے عجیب رنگ کے جس میں دلی کے سامنے بل کا ماس کا ایک دو چرہ ایک بل کو دکھائی دے۔ رقم لہنا ہمارے بل کو کس کو قائل میں دکھائی ہے پھر دوسرے بل کو اتنی ہے اس کو بھی وہی پڑھتی ہے فریکسٹر اور یہی کہتی ہے۔ مشرِ صفر ہر رقم کو دہرائے اور سامنے جو دروازے کی فہرست دیکھی ہے اس پر نشان لگاتا جانتے یہ رقمیں جس بجے میں ہلی اور دہرائی جاتی ہیں اس سے ممکن ہے وہ دلی جیتی ہے سچ میں کہیں کہیں ٹھہر جاتے ہیں ایک دوسرے سے ہم کام نہیں ہوتے مگر نیز نظر آتا ہے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں جس سے ان کی زندگی کی مردہ ہوسل اور شکست خوردہ انگلیں آتے چلنے لگتے۔ معرفت کا یہ عالم ہے کہ مشرِ صفر کی گشتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا یہاں شاید برسوں سے اسی لاکھ کے سامنے بیٹھا کام کر رہا ہے لیکن کبھی جی بھر کے اس کا چہرہ دیکھنے کی زبنت نہیں آتی۔ دلی میں یہاں سیدھا کھانے کی سہولت میری جتنی ہو گئی آخراستے سالوں سے کام کر رہی ایک گھنٹی سے آج تک محنت ایک مرتبہ لنگھو کا موقع ملا ہے یوں کہ ایک دن میں لے لے کے لئے وہاں کو کھانا اور اس کے کپاکہ "فراڈش" دیکر کیا ہوا اور غصہ کر اس کو خیال کئے گا کہ شخص اس بات کا سمجھتا ہے کہ اس کی خواہ میں اضافہ کیا جائے۔

مٹے ہی مذکی سیٹی جیتی ہے۔ ان کا نام ختم ہو گیا۔ دونوں ایک ساتھ ٹھہریں پرے آتے ہیں۔ دونوں کی حالت میں اس دور کا ماحول
 پیا کھنے سے مرث ہی تھا، مقصد تھا کہ ان کی زندگیاں باطن میں کی آند ہو گئی ہیں۔ رکی باہر لی جاتی ہے مٹر صفر چلے ہی کہے کہ ایک کہیں آند
 داخل ہوتا ہے۔ ہلے ختم نہ اند میں پڑ جیتا ہے کہ کہیاں ہلزم ہلے آتے سال ہو گئے کہ کیا نام کہے جو؟ ویرہ ویرہ۔ اور اس میں مٹر صفر
 سے کہتا ہے کہ جو ہم تم یہاں کہتے ہو یہی نہیں سمجھ لے گا۔ اس کہنے ایک ایسی مٹین ایجاد ہو چکی ہے جو ہم سے کہیں تیز تر لہر لیتی ہے وہ مٹین
 میں لے نکالی ہے اس کے تم آج سے فرصت کے جلتے ہو۔ یہ سب کچھ بہت تیز تر آند ہے مٹر صفر کو احتجاج کرتا ہے کہ نہیں انا اس بہت
 کے دستان میں دونوں کی آوازیں بند تر ہو جاتی ہیں یہی کہتے مٹے مٹے ہیں مٹر صفر اند ایک کہیں دونوں اس طرح چلے ہیں کہ آئینے کو مٹی رہتی ہے
 لیکن وہ دونوں اپنی جگہ پر قائم ہیں آوازیں اند بھی بند ہو جاتی ہیں گستاخو بہ طو تیز یہ کہی ہے سچا پر سرخ۔ اور سیدنگ کی مٹشیں کچھ مٹی کچھ بجن
 ہے۔ پر سے کچھ کچھ ہے۔ ایک ڈراؤنی سرگوشیاں شروع کہتے ہیں۔ جو قدرت سے سب تر ہو جاتی ہیں۔ اتفاقاً کچھ ہی کہیں نہیں کہتے کہیں
 ایک گھنٹی بجی شروع ہو جاتی ہے تم قسم کے شور مٹائی دیتے ہیں مٹر صفر میں سے کاکی افکار اس کے دل کا رہے ہے ایک پر لکے کوڑا کہتے
 آواز میں اور شور مٹا کہشیں کی چلک اور سچے کا گھنٹا سب کچھ بہت تیز ہو گیا ہے تماشائیوں کے دل دھچکنے لگے ہیں مٹر صفر رستا پتلا خود پر کا اٹانا
 یک کنت ایک دھکا دھکا آواز آتا ہے (یہ آواز کس کے ایک مثال کہ دھکے زمین پر کرید کی گئی تھی) اور تمام جھاغ گل ہو جاتے ہیں مٹل مٹا
 اور تکی چھا جاتی ہے اور پھر جود باہر لپ روشن ہوئے ہیں تو پر نہ گر چکا ہوتا ہے تماشائیوں کے دل کی دھچکن دھت ہو جاتی ہے تو دھ سے داد
 دیتے ہیں۔

یہ اس حیرت لگنے کی ایک جھلک ہے مٹل ڈھکے کس تفصیل سے بیان کرنے کی بہت اور فرصت کہاں!

(یزنگ خیال)

یہ کہنا کہ پنجاب نے یوپی سے کب فیض نہیں کیا یا یہ کہ پنجاب یوپی کی روایات سے ایک قلم قلم قلم کر کے پرکھا حوس ہے۔ کذب و دہماتہ ہو گا۔ یوپی کے اساتذہ قدیم میں سے کون سا ایسا ہو گا جو پنجاب نے ایک بار، سو بار، اجڑا بار، ہشتیں پرکھا۔ وہ کون سا ایسا دیوان ہے جس کی حد تک گروانی نہیں کی۔ وہ کون سا ایسا شاعر ہے جو غرض جان نہ کر نہیں رکھا۔ لیکن یوپی کے چشمے تنگ ہو چکے ہیں اس کی بجائے کسے کسے اب دامن جالما ہے سو ہے۔ اب

پنجاب کی دہریہ بزرگ اس کو اپنی قوت ماسیہ کے کوئی مزید نہیں کر سکتی۔ یہی ہے، اب اردو کا ایک سنگ محاسب ہے جو بھی کبھی ایک ہیئت کی پستلا رہا ہے اور۔
 میں۔ اب یہی مرت و عزم اس کا سکنا ہے۔ رہنمائی میں کر سکتا۔ ادب میں جتنا کہ اس کا چل چلا ہے اس کا مزیا اعداد اس کی غلطہ عقیدہ سب انھما کی
 کتابیاں میں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان ایک خود بھی جتنی تو اس کے انھما کی فرستائیں ہیں۔ لیکن یہ جہاں ایک شہرت کی بجائے وہی ہے۔ اس میں سوال کی ادب کی
 کا خیال کرنا فضول ہے۔

اس انھما کے تحت میں کوئی سی ایسی خیرہ انھما کے دیکھ لیجئے جو کسی نے اپنے مرتب کے ہرے رسالے میں بھی ہر اہم و خیرہ رسالے پر ہے تو دنیا
 کے مسووں سے کچھ بحث نہیں۔ سادگی ترتیب سے کچھ رسالے نہیں سنی کی مرادیت سے کچھ نہیں ہیں گزیر پر ہے انھما کی نسبت و خیرات نہیں۔ اس کی خیر
 یہ کہ ترتیب۔ اس کی دینی سب کچھ پر نظر میں اگر انھما کے آواز ان کا دائیں انھما اس میں مطلب کا خوب نہیں۔ اگر وہ جسے تو انھما کی ترتیب پر انھما میں
 اصل سے مقابلہ کا حوصلہ نہیں، اعتبار کر لے کر اس کے اس میں۔ موت، رجن کے اقراعت پر ذہبے۔ اس کا رسالے پر اس انھما پر اس وقت پر اس غلط
 پر مطلق گری ہوئی ہیں۔ وہ ہیں یہ دست نہیں اور ہیئت میں یہ مدد نہیں کسی اور چیز کو چاہیں۔ یہ اصل دعا کے متعلق پہلے منہ سے وہ انھما بھی کچھ
 کی توفیق پیدا کر سکیں۔ رمان کہیں سے کہاں پہنچ گیا۔ انھما ان اردو میں نہیں ملے کر گیا۔ لیکن عورت اپنی سزا ملک اور ملک کے پھر میں ہیں۔ وہ زبان اردو
 کو شک کا ایک سبب سمجھتے ہیں۔ جو وہی یا مضمون غیب ہے ادب میں کا تھیں ان پر بھی ضروری ہے جو عبادت کی منزل سے سب سے نکل چکے ہیں۔

گزشتہ سال کے اردو ان پر کئی رسائل سے زبان کے انھما میں کئے تھے لیکن ہر ایک اس قسم کے اقراعت سے نکلے گا ہی ہو چکے ہیں۔ ہر پر
 کے عورت اس شخص سے خود نہیں کرتا چاہتے۔ اس انھما کے رسالے میں اب یہی کے پاس ہیں ایک کھوئے ہوئے گیسے گرو چلے ہیں کا یہ عالم ہے کہ خود
 اس سے کھل نہیں سکتے ادب کی کو کھینچ نہیں دیتے۔ بے ہر نقادوں کا ہزار ہیں، وہ گیا ہے کہ جہاں پنجاب کا کوئی مسوون چھے اس کے ہر چھوٹے سے چھوٹے نسبت
 کو ہر بڑے سے بڑی ذہن کے ساتھ کر سکیں۔ اہل فکر کی ہر قوت کو صحن تکیر و ذہن کے حصار سے پاس ادب اس کے بعد ایک "قبرت انھما" مرتب کئے جس
 تنقید کی گروہات مار دیں۔ مطالب یا جن یا جن کی طرف انھما کے رسالے مرتب لکھیں سے دیکھیں۔ ادب اگر باوجود اپنی نااہلی کے مرتب ہوئے ہر چارہ
 نہ مروت اپنی بے چارگی کو "اچھا ہے" یا "خوب ہے" جیسے سنی انھما سے دھات کا اپنی کرم باقی کو قبرت انھما کی طوالت سے پورا کرنے کی کوشش کریں
 یا اگر کسی ریوے بک مثال سے کسی تحریر یا لکھلا کی کوئی انھما کتاب مبادیات انھما کے متعلق دستیاب ہو جائے تو اس کے ضرورہ خیالات کے پھر سڑوں
 سے اپنی تھوڑی بہت ستر لپٹی کسکے یہ کچھ نہیں کہ اب ہم علم و فن کی تمام آفاتوں سے مزین ہیں۔ ادب کیا مشرق ادب کیا مغرب دنیا بھر کا ادب ہمارے ہی گوشہ
 چشم سے کیا بنے کہ ہادی دہریہ پر پڑا ہوا ہے۔

اگر اپنی کے سب رسالے اسی جہل سے مرتب ہوئے کہ اس مضمون کا کتنا مضرب ہو سکتا۔ لیکن ان میں سے چند رسالے ایسے بھی ہیں جن کی
 ہر شامت کے ساتھ نہایت خوش گوار قرات ناہتہ ہوتی ہیں۔ ادب میں پنجاب کا ہر وہ ادب آشنا ہے اہل فکر کا اس بہت ہے بہت شوق سے پڑھا ہے۔
 انھما کا مقام ہے کہ ایسے رسالوں کے مرتب کرنے والے بھی باوجود اپنے علم اپنے ذہن اور اپنی شانت طبع کے ہر ایک کے احوال سے متاثر ہونے لگے نہیں رہ
 سکتے۔ ہمارا دوسرے فن اس وقت ان کی طرف ہے ادب ان میں سے دور رسالے قاصد پر ایسے ہیں جن سے محال ہونا خود ہمارے لئے نفع کا باعث ہے۔ ہمارے
 مراد علی گڑھ میگزین "اور" جاموہ۔ ہے۔

علی گڑھ کا خط مردم خیز خط ہے۔ ادب اس کی زمین کا ہر ذہن کا قابل احترام ہے۔ ہندوستان میں جہاں بھی کوئی ایسا شخص ہے جو تہذیب، معیہ
 کے ساتھ نکلے میں پریشان نہیں ہوتا لیکن پھر بھی اردو زبان کو اپنے لئے روح پرورد فقہد کرتا ہے وہ علی گڑھ کے نام کو اسم اعظم علی گڑھ کی مطبوعات

تقریباً ہر کتاب کی صحت و سادگی ان کا جو سبب مل اداں کا تجربہ ہی ہمیں میر زندگی کی تعریف و توصیف سے جانتا ہے۔ پھر کیا یہ حیرت کا مقصد نہیں ہے کہ زبان کا جنون ان کی صحت میں کبھی مٹ کر رہا ہے۔ اوروہ بھی تفتیش کے تحت سے بے لکڑہر کہ نظر و تفتیش سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس زبان، انداز کا جو صحت میں صحت سے بے شمار کاموں نے فہرست افلاک میں "نزل" کا "جیسے" لکھا کبھی مثال کر لیا اور کہہ دیا کہ یہ ترکیب صحیح نہیں۔ "بنا قافیہ کی مبرائی تھی"۔ یہی وہ ادعا اور تہمت ہے جس کی ایک مونی کسی تہذیب کے "کڑا مال" پر مبنی ہوئی ہے۔ اسے کاش کہ لاف میں تنقید کا روح سبب اپنے لیے کبھی نہ سمجھتا۔ اسے کاش اس کی کبھی کبھار اپنے احاد طالب علمانہ بنایا کریں اور شعاع و شعور کے ساتھ یہ شعر گایا کریں۔

کس عنایت کو نزل کو مقصود کیا ہے اس قدر بہت کہ بیک جبر سے ہی یہ

ملین سے پڑھ لکھی ہوئی ہیں گئے کہ ترکیب صحیح نہیں۔ کابنا قافیہ کی مبرائی تھی۔

عالم کے جس تجربہ کا اداں پر تہذیب صحیح ہے اس کی مبرائی زبان کی کمی دل چاہیوں ہو جو، جس میں ہمیں ہمیں ہر ماں نفس کرنا سوراہا سمجھتے ہیں اس میں ادب کا اس قدر پلٹتے ہی ہم ان کی صحت سے چسپ کر کے لوتیا رہیں

زادہ کی تنقید کا وہ نہ صرف صحت سے زیادہ پورا ہے اور "مسلحہ" اور "قوی یہ بت" اور "اصلاح" دیکھتے ہیں اور "سبب" ٹوٹی ہے اور "سبب" اسی ہے۔ اور اسی قسم کی آیات کے قائل ہیں کہ وہ "سبب" پر عمل کر کے کی کوشش بہت نمایاں ہے لیکن چونکہ یہ خاں کا اس قدر مستقل "انداز" ہے اور اس کے افراسی و مقاصد میں شہ ہے اس کے "سبب" اس پر اعتراض کرنے کا حق ناہیا حاصل نہیں تاہم اتنا "امن" کے بغیر نہیں رہ سکے کہ نقد و تلک کے اعتبار سے اس "تہذیب" اور "مقصود" بہت کم ہے اور پڑھنے والے کو اس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ اور اس احساس کے کہ تنقید کا اپنے پیچھے میں دل زرد نہ رکھتے ہیں۔ اور یہ احساس لا ریب و دل میں جہاں میں امت کو دیکھنے کے لیے کھلائی کا عجب اثر ہے۔

"پہاں کا ورے" خاص طور پر قابل بحث میں مل گیا۔ میں ادب کا ورے دلوں نے ان کا کر لیا ہے۔ اور میں نے باطل بکا کر لیا ہے کہ یہ کماورے میں پنجاب کی پیداوار ہیں۔ یہاں تک کہ میں ان سے پیدا اتفاق ہے مثلاً پنجاب کے لوگ "کچھ جانا ہے" کی بجائے "میں نے جانا ہے" اور "میری کھوپڑی" "آتا تھا" کی بجائے "کچھ کوس" "آتا تھا" "ہلے میں لیکن یہ دونوں رسلے اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ پنجاب نے اردو کو اپنا لیا ہے اور اس قسم کے تصرفات لاد میں اور جوں جوں پنجاب میں اردو ترقی کرے گی ایسے تصرفات کی تعداد بیکسے کم ہونے کے اور بڑھے گی۔ اس کے ثبوت اور حجتوں کو دیکھنے کی کسی زبان کی تاریخ اور آثار کا مطالعہ کیجئے اس کے بعد اگر آپ ذرا بلند نظری سے کام لیں تو آپ پر روشن ہو جائے گا کہ اگر اردو کو پنجاب میں نشو و نما نصیب ہوئی ہے تو ان تصرفات کے بغیر عارہ نہیں بلکہ ان ہی کی بدولت پنجاب میں اردو کی جڑیں مضبوط ہوئی گی۔ اور وہ ایک انکسائی زبان کے درجہ سے ایک نظری زبان کے درجہ تک پہنچے گی۔ وہ وقت ان پہنچا ہے جب کہ آپ اردو لغت کی کتابوں میں مکتبہ اور دہلی کے محاوروں کے پہلو پہلو پنجاب کے محاوروں کے بھی مثال کریں۔ چہ جائیکہ آپ ان کو افلاک قرار دیں۔ پنجاب کے تعلیم یافتہ (جو افوں کی قلاب یہ حالت ہو چکے ہیں کہ جہاں کوئی محاورہ با "کچھ جانا ہے" کہتا ہے پڑے کچھ لوگ اسے صحت کرتے ہیں کہ یہ کیا چرچا تو ان کی زبان بلبل سے ہو۔ اپنا "پنجابی" "مکوں" کی طرح باقی کہہ، "وین" مت بول۔ کاروان کی اس اشاعت میں پنجاب تاثیر کی نظم کا پہلا سفر ہے

ترسنے الفت جو سے کرتی ہے تو کریم سے

ان سے کہا گیا کہ "ترسنے" ... کرتی ہے: کی بجائے "تجو کرافت" جو سے کرتی ہے۔ "کچھ" "انہوں نے فرمایا" ہرگز نہیں۔ "ترسنے" انہوں نے کرتی ہے "میں" ترسنے زیادہ ہے۔ میں مصد کے ساتھ "نے" استعمال کرتا بھی میں اور نہیں کہی کہ "مصر" یہ جملے کے ترسنے کے مطابق جہا

بہاؤی کا منہ کے منہ مطلب نظر آتا ہے وہاں میں بحیثیت پنجابی اور وہ ان کے سے استہان نہ جاتی سمجھا ہوں یونہی کے معنوت میں حق سے محروم ہیں۔
وہ مجبور ہیں تو جن میں یکساں رہیں۔

علی گڑھ میں اور جامعہ اور ان میں ہندوستانی تہذیب کے علم رو اور اور آج کے وہ جس شخص میں یہ رسالے ترتیب پاتے ہیں۔
وہ ہندوستان کی بہترین علمی شخص ہے اور ان کے مزاج و معارف حضرات ہاں ہاں کے نایف و بے تجربہ ہیں۔ وہ جس سے اکثر ایسے ہیں جن کو
ان حضرات سے ذاتی تعارف کا فخر حاصل ہے اور صاف گوئی ہے کہ ان کا سن اصدان اور ان کی بات فخری ہاں سے نہ کیا ستم وہاں کی صحبت کی یاد ہر
چند کہ وہ صحبت بہت فخر کنی، بالید کی روح کا موجب ہے۔ اس حوالہ سارے وقت کا یہ عالم ہے وہاں تو قوت میں کچھ نہیں۔ ہم یہ قوت رکھتے ہیں
کہ یہ دو سلسلے ہوتاں جو میں نے ملنے کی رسم کی کہ ان کے ادب و انشا کے مقصد میں ہے۔ یہ میرا کہہ کر میں کہ ہم ان کے نصیحت سے ملنے کے لئے
مصلحت حمایت کا کام دیتے۔ وہ سب کی اور ملیا دیتی تھوڑے باہر دم کہہ کر مل بہ وہاں میں اور ان کے متقبل یہ قرار کریں گے۔ وہ ایسے رویے سے ایسے
ایسے اصولوں کی نگہبانی کریں گے جن کی تائید ہمیشہ درجہ تک تصنیف سے۔ ہر مسئلہ کی بدولت خود درجہ تک تصنیف اور اس کے ہر سو کر رہ
جائے گی۔ یہ کہ دنیا پر بہ ثابت ہو جائے کہ اگر ایک زندہ زبان سے جو بڑھ رہی، چول رہی ہے

میا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں یہاں اس زبان کو اپنے خون سے پکے کویتا ہے اس کے نظم ہے اس سے وہ رہی کہ جسے کہ
سارا خون رہی ہے۔ اور اس کے منہ میں اور بارہا وہ ہڈیوں کو صراہا جائے کہ وہ ہڈیوں کے مغز میں کلیں کو آپ سے رہائی کی قوت رکھتے ہیں
دہڑنی کہ آپ کی شان کے شایان ہیں کچھ ہم یہ قوت رکھتے ہیں کہ آپ ہم سب کو نہاں کو طرف اور ان میں رہی رہی نہایت رہی۔ یہ وہی سے
ہم اور وہی زہت کو بڑھائیں گے کہ یہ کہ قطعاً سلسلے کے کندہاں پر ت سے تھلے تھلے چلے جائیں گے۔

نقوش پیرس

ہمارے زمانے کا ادیب

نتیجہ
منظر علی سید

پطرس مہتمم نے یہ مقالہ ۱۹۳۵ء میں نیا دہلی کے سالانہ جلسہ منعقدہ ہے پور میں پڑھا تھا۔ اس میں انھوں نے اردو ادب کے جدید دور، یعنی اقبال کے فوراً بعد کے زمانے کو موضوعِ مباحثہ بنا لیا۔ اور ایسے غصہ میں سمجھتے تھے کہ انہیں اس دور سے نفرت تھی۔ اس مضمون کی اصل خوبی تو ان کی انگریزی افغان پروازی ہے جس کا اردو ترجمہ خود ہی کرتے تو اس نے زیرِ غور نہ تھا جس اس نے کیا گیا ہے کہ وہ لوگ بھی جو انگریزی سے زیادہ واقف ہیں، ان کے اندازِ نظر، جدید اردو ادب سے بارے میں ان کے نقطہٴ نظر سے واقف ہو جائیں۔

چونکہ پطرس مہتمم اپنا تعلق اس دور سے ادیبوں کو رکھتا تھا۔ نئے ادیب کی حیثیت سے اور اس سے بھی زیادہ نئے ادیبوں کے مسائل کی حقیقت سے، اس نے اس معاملے کی ضرورت اور اس کے ساتھ ساتھ شاعرِ محبوب معلوم ہو۔ پطرس نے اپنے نوجوان ساتھیوں کو ایک پھاڑی پہنچا دی تھی کہ کوشش نہ کی ہے (یہ ایک بات کہ دو ایک عربیوں کو بھی اسے ساتھ لے گئے ہیں) اور ان پر بلی بلی نکالیاں بھی پھینکی ہیں۔

لیکن ہے آپ اس مضمون کو محض تبرکِ کعبہ مکرر واقعہ یہ ہے کہ چند ایک حکم لے اس میں ہر لحاظ سے اچھے ہیں۔

گیارہ سال پہلے، جب اقبال اپنے اصلاحات سے حالِ بالا میں جا کر ملے تو دورِ روزِ دیکھ کے زمانوں سے کئی ایک دوست ان کے گرد اکٹھے ہوئے۔ غالب اور میر جتنی سبکی اور گراہی، حتیٰ کہ نظیری، رومی اور حافظ بھی۔ چنانچہ فنگور دانی سے ہونے لگی۔ کچھ لمحے کو لگو کی حالت میں بھی گزرے۔ مثلاً جب خودی کے مسئلے پر ایک عالمانہ بحث رومی اور اقبال کے درمیان شروع ہوئی تو باقی لوگ دیکھنے لگے اور وقتِ برائے پر اقبال کی تہا لگادی کے دوران میں تو غالب کے خرافے بھی سنائی دیے۔ لگو بھی طور پر یہ صحبت ہے حدِ سازگار رہی۔ جانے بچانے اقتباسات، کتابوں سے یا حافض سے باوازا بلند پائے گئے اور شبِ روز کی بے زمان لہروں پر مکتبِ انظارِ گفت کا غلاب ہوتا رہا۔ بہت سے قافیے سامنے آئے اور ان میں سے کئی ایک مل نہ ہو سکے۔ اس کے باوجود

نہم بعیرت کے تازہ اور نئی کھنڈیں ملنے لگیں۔ ان روایات ہوسے احوال تہذیبیہ سے۔ تہذیبیہ تہذیب کے لئے اس پر نظر ہے۔
 ذرا اس نے ملاحظہ کر دیا۔

[illegible]

اس فیصلہ تعلیق کی وجوہات گونا گوں اور پیچیدہ ہیں۔ ادویہ کی نگر سے دیکھیں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمارے ادیبین جن تعلیم تعلیم کے تحت دنیا بانی ہے۔ یہ سب اُن کی تصور ہے۔ یہی تعلیم پچاس ایک سال میں و شہر میں ادیبانہ تعلیم کے اس انداز تصور سے دور ہٹ گئی ہے جو غالب علم کو اس دنیا اور اس دنیا کے لئے انبیاء و متفرد کی مناسب مقدار کی مدد سے تیار کرتا تھا۔ یہ ان کے سہماں غائب ہو چکے ہیں اور اس کے ساتھ انبیاء و متفرد بھی۔ یہی ایک کارندہ ہے جو ہمارے نظام تعلیم کے سر انجام دیا ہے۔ باقی اس طرح میں و ہماری تعلیم ایک نئے تصور کی تلاش میں جو پرانے تصور کی جگہ لے سکے، تجویزوں یا نامک ٹوٹیوں کا ایک سلسلہ ہے اور یہ نامک ٹوٹیاں اب بھی جاری ہیں۔

مگر یہ خیال پر ہی طرح مچ نہیں۔ بنیادی وجوہ اس سے کہیں زیادہ گہری ہیں۔ دنیا بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اور
 ٹھننے والا بھی نئی نسل کی طرح اس بڑھتے ہوئے پھیلنے کو محسوس کرتا ہے۔ اس نصف صدی میں بہت سے ہند اور پشتے ٹوٹ پھوٹ
 گئے ہیں۔ روایتی لفظ جو معاشرے کو بقا اور استحکام بخشتی تھیں، اسی وقت تک کار آمد تھیں جب تک معاشرے کا ناک نقشہ درست تھا۔
 ناک نقشہ پھیل پھیل کر میں نئے نسل ہو گیا ہے۔ جیسے پانی کی سطح پر تیل کے ٹریے۔ تدریج معاشرے نے اس کا کوئی ربط نہیں کیونکہ تدریج

معاشرہ باقی نہیں رہا۔ وہ اپنے آپ کو ایک نئے اور ہر لحاظ بدستے ہوئے معاشرے میں گھرا ہوا دیکھتا ہے جس سے مربوط ہونا اس کے لئے لازم ہے۔ اور وہ بالکل ہی کھلے ہوئے جانا نہیں چاہتا۔ وہ چوری طرح اس کا شعور نہیں دیکھتا۔ طریقہ بات اس کو معلوم ہو چکی ہے کہ کھیل میں اس کو کچھ نہیں دیا۔ نئی دنیا میں کوئی مناسب مقام اس کو حاصل کرنا ہے۔ ماضی کی کئی چیزیں اس کو ایسا کرنے سے بدکتی ہیں اور وہ ماضی مردہ و کافروں کا ہے۔ اس لئے نئی پود کا سب سے بڑا اتفاقاً بننا دلت ہے، رسم و رواج کے خلاف، قوت اور اختیار کے خلاف، والدین اور پولیس کے خلاف۔ وہ قدیم انبیاء اور شعراء و دونوں سے دور ہاگتا ہے بلکہ ہر اُس چیز سے جو اسے ماضی کی یاد دلائے۔ یہ جنگ کبھی کبھار خدا اور غیر واضح سی ہو جاتی ہے اور پرکار کے نقطے آپس میں گٹھ ہو جاتے ہیں۔ مگر خیر اب قوم جنگ میں ہوتا ہے۔

اردو ادب کو ایسے ماضی سے تعلق کر کے کہے کہ ایک بڑی قربانی تو دینی ریہی ہے۔ وہ بیک جنبشِ نظر اعلیٰ قیامت اور جہنم و ملائکہ کے درمیان سے، جو فن کار مصنف کو نازک اور کار آمد ترین کات اظہار بنتا ہے، محروم ہو گیا ہے۔ لفظ محض چند آمازوں اور لکڑوں کا نام نہیں جو مٹ جانے کے بعد پھر پیدا کی جاسکیں۔ ان میں ہمارے پیشروں کی جذباتی واقعات۔ اندہ نسیانی مشابہت منظر ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک، انسانی قوی سے کے طبع میں ایک خطا کا حکم رکھتا ہے۔ اگر طبع کا ایک خطم جو جائے تو ہم اُس کی جگہ دوسرا خط نہیں کھینچ سکتے، اسی خط کو پھر سے دریافت کرنا ہمارے کا۔ آج کے لکھنے والے کو اس دہرے سے نئی چیزوں کو سننے نام دے دیے ہیں۔ اُسے ان چیزوں کو جو پہلے معلوم و محسوس نہیں تھیں پھر سے جاننا اور پہچاننا ہے۔ ماضی سے دست بردار ہو کر اُس نے اپنی تخلیق شخصیت پر ایک بوجھ ڈال دیا ہے جس سے اُس کی فنی مشکلات و دہند ہو گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس کو ایک وقت نازک اور اکھر واضح اور اعلیٰ لاگو کر گئے ہیں۔ ہزار شعروں میں مضطرب دیکھنے ہیں۔ اعلیٰ جس سے اُس نے پہلے ہی اپنی حق سب اس سے پہلو چرائے ہیں۔ (دوسرے) دینی سن دس نے، جو اس بات سے واقف تھے کہ زندہ زمانوں میں تمیحاب اور حواہوں کا ایک ذخیرہ ماضی ہوتا ہے جسے تعلیم یافتہ افراد اپنا کر اپنی تحریر و تفسیر میں رنگ اور زور پیدا کرنے ہیں، چند سال پہلے ایک کتاب کی صورت میں انگریزی زبان کے پس منظر کا لفظ بھیجنا تھا۔ ادبی حواہوں کے زیر عنوان انھوں نے بائبل کے مستند ترجمے کا، شیکسپیر کا اور بچوں کے کیتوں کا تذکرہ کیا تھا اور انگریزی روایت کے تحت تو یہ تہوار معدود شخصیتوں کے انقلاب و متغیبات اور مشہور اشتہارات گنائے تھے۔ حتیٰ کہ ایک شخص نے کسے پتے جمیوں پر بھی لکھا تھا۔ آج سے چار برس پہلے اسی انداز سے، اردو کا ناکندہ کتنی آسانی سے بیان ہو سکتا تھا، آج یہ کام کتنا مشکل ہے!

اردو ادیب کو یہی ایک مشکل و سریش نہیں۔ وہ دو زبانیں پڑھتا اور بولتا ہے اور جب یہ دو زبانیں اردو اور انگریزی کا سادہ اختلاف رکھتی ہیں تو یہ خوبی کتنی بڑی خرابی بن جاتی ہے۔ علماء اور باہر بن تعلیم تاریخ اور تجربے کی مدد سے کئی ایک ناقابل تردید دلائل پیش کر کے ارشاد کر دیں گے کہ دو زبانوں کی مہارت بہت بڑی نعمت ہے۔ بین الاقوامیت کے قائل یہ کہیں گے کہ ہر بیرونی زبان دو گوئی و نہایت ہے، اسی ملک کے لئے جس کی وہ زبان ہے۔ اور اس کے لئے بھی جس نے اُسے اختیار کیا۔ اُن کا ارشاد بجا ہے کہ ہر نئی زبان ذہن میں ایک نیا دریا کھول دیتی ہے اور کون ہے جو روشنی کو پسند نہیں کرتا۔ انسانوں کی اکثریت کے لئے اس کے اثرات خوشگوار ہوں گے مگر افسوس کہ لکھنے والے کو اپنا دماغ ہی روشنی میں کرنا، کچھ کام بھی کرنا ہے۔ اعلیٰ خیال

یہ بھی کہ عذرا مہرئی دنا اور بیگے دل میں ہلکے روست محاش کو جذبہ وی ہے یعنی ہر گز وہ کھڑائی بد کے مجھ جیسے اور ایسے علم
پاک تھا کرے غریب کے حدودہ بھی ایک خواہش بد بوش ہے۔ ماہر کی ہر ۱۰ لکڑا لے کر بجائے اس کھلے گی کھینچ سکتی ہے تا
پلی سے ایسے پر نکال کر کھڑائی پر مجاہد جاسے۔

ماہرے اور واپس کو بارہ لے واقعات سمجھتے ہیں مسادہ اندر کڑا بہت: ہاں لکھنے میں ہوتے لکھنے میں شہدے ہر
کڑاں کو رائے جیش کھڑائی: کھلا دیکھ کر میں جہ کی نہیں پڑتی جیسے۔ ہر نظر اس سے لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے
ان میں وہ سنا۔ وہ لکھنے کی تیز ہر دوس میں آتا اور گرد پائی پڑا پڑا لکھتا ہو جاتا ہے۔ اس کے لکھنے میں ہی دنا جاتی ہے۔
دیکھنے دیکھنے کے لیے سبہ تھا۔ جہر میں ہی اور جھانسنے کے لئے جہر ہر دوس میں آتا ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔
جہر ہر دوس میں آتا ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔
اس کے ساتھ ہر دوس میں آتا ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔
اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔
تغزروں ہر دوس میں آتا ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔ اس میں ہی دنا جاتی ہے۔

کچھ عصمتِ چغتائی کے بارے میں

امت جہان کے لئے انسانوں میں ایک لڑکی اور ساری کے مستقل کہتی ہے کہ: عیدہ موٹی ٹی ٹی لڑکی، کمزور قصہ سے زیادہ کہتی ہے چاہیے۔ لوگ جسم دیکھتے ہیں۔ بہ سنس دیکھتے ہی کیا ہر وقت خواب رہتا ہے۔ جب میں نے نصرت کی لٹیاں اور چوہیں دو لوں مجھے ختم کر لے اور جو چند رہا ہے اور سنا میں اس کے دھمیں اور متفرق میں نے ان پر از رو قیود و تعارف رکھے ہیں ان سے یہ وہ بوجھ اور استغناء کے رنگ میں یہ فقرہ بھر دیا۔ لوگ بہہ دیکھتے ہیں۔ سنس دیکھتے ہی کیا ہر وقت خواب رہتا ہے۔

اس نعمت کے حامل کو کھینچ کر ان کو پھیلایا۔ اور اس پر گھڑا، ماضیانہ رنگ پر بھیجے، نعمت کے بعض کمالات اور نعمتوں کی بعض کمائیوں کو بیان کرتے ہوئے اچھا خاصہ سادہ و سادہ حال درج کر کے دیکھائی دے گا کہ جو مستحق الفاہ و عطاات ستم و دشمنی میں قسم قسم کی تیاریاں جیسے حرات میں دہن کا لٹا، اور غنہ و مزدوری کے واسطے ہم اکثر غلط فیصلوں پر کوئی توجہ کا صادر کر دیتے ہیں حال سے آگے نکل کر اصل چیز کو جانچنے اور قس کے تحت اپنے آپ میں نہیں دیتے۔ مٹا اور مشہور دل گدازی کا یہ دل سے نکال دیتے اس لئے جہاں ان کا ذکر کرتے ہیں وہ سنے والے دروں، یہ مٹو، ایک پاکیزہ و رت کے لئے پہلے ہی سے تیار ہو جیتے ہیں۔ جس میں مشغلہ تفتیش کو کسی کی طرف سے ملے ہیں۔ چنانچہ ان کا بیان بیکار است یا افغانی قبیلے کے بزرگ برہم ہو جاتے ہیں۔ بہن بھائیوں کا سایہ بارہا نہ پلستے کہ پاک محبت کا سب سے اونچا درجہ ہے لہذا بہن بھائی کے رعایت کو بجز اس جبہء عالم کے سن، انھیں کسی کی تمنا نہیں یا حکم یا حکم کا سب سے مزید بھی مانتے ہیں۔ نعمت چھائی کے رہا بھی ادا ہوا ہے، ایسے ہی لیتے ہوئے تو ادا بیان کی سہجین ان سے محروم وہ غافلین ان کی نصیحت اس سے کہیں زیادہ دور رس ہے۔ وہ صلہوں کے قریب ہی نہیں آتے اور صبر و دل و دربار کی کوئی کیفیت کسی میں نہیں ہے وہ دیکھتے ہیں اور پھر ہوتے نہیں گہرائی میں ایسے اتنا پرواز کا بغیر حوصلہ ستارہ، دقت نظر اور حجت بیان کے کدھر نہیں۔ اسی ادب کی خوش قسمت ہے کہ نعمت کو یہ تینوں نعمتیں میسر ہیں۔

برفلاں اس کے احساسِ عروجی کے ساتھ گھبراتا ہے کہ اس جہاتِ اہرقتِ نظر میں سے عصمت کے نقادوں کو حصہ وافر نہیں ملے۔ ان احوال اس کا ذکر بنانے کیجئے جن کو عصمت کی تحریروں میں اپنے اطلاقِ اصداپ و دونوں کی تباہی نظر آتی ہے وہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جن کے خیال گوشت سے چپکے ہوئے نہیں ہیں۔ جنہوں نے ذہنوں میں ایک موٹی موٹی ٹیکریوں والی جلدوں جاری کی ہے کہ ان چیزوں کا ذکر محال ہے ان کا حرام ہے۔ ان کو حرام ذکر کر مقرر کر چکے ہیں کہ گمشدہ ہے۔ حرام کا ذکر محال ہی ہے یہی جائز ہے۔ حرام کا بچہ قدرت کو مستطرب ہے تو ہم کہے ہمارے اس کا مستطرب نہیں۔ اریہ نہایت کا حال ہے؟ محض ایک ڈھونگ! آلا رہا حرامی کا غلط آراہی! پس پس میں ملاحظہ پر کئی عجوبہ کرنا کہ اب کسی کی

کیا جال ہے؟ ہم سب بھی کھلوں گے، دل بیٹا تھے اب بھی کھلوں گے، دل بہوئیں گے ایسے لوگوں سے اس وقت بحث نہیں کیونکہ۔

وہ دن میں جہاں سے ان کو بھی

کوئی ان کی نسبت نہیں آتی

شکایت ان سے ہے۔ اور اپنی کی شکایت ہے، پیاز کی سی نہیں۔۔۔ جو عصمت جتانی کے تہذیبی ادب میں ان کے صفاتیہ کو پڑھ کر دھڑکے میں ایک مایہ کی ٹھوس کرکے جس سے دل میں انگلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی نئی دلی محنتی محنت تھکے کہ وہ بھی ہم پر کر بیلوں کے چکر میں پھنس جاتے ہیں۔ ان کے سحر کے عصمت و وضوح اور ان کے لبوں میں سے سب سے زیادہ گراہن میں محنت ہے۔ عروا کے قزل کے خرابوں اور مردوں سے چپا ہوا۔ عورت دل بہنے سنا ہے، صفت نازک ہے، ایک سر ہے، لڑو ہے، کم مثل ہے، مجموعہ اعضا وہ ہے۔۔۔۔۔ جہاں آپ نے عورت کا نام لیا، ان میں سے دو چار ترسے گئے، سنی دین اگلے کے بدلے رکھ دیتے۔ پانچویں ذیب میں اگر ایک سنا اور یہ دیا پور نہیں فرماتے ہیں۔

عصمت کے افسانے کو عصمت کے دل کی طرح پڑھیں اور دھڑکے میں شاعری

نہیں کر سکتے اور ان کی بات میں شاعری ہے تو اسی حد تک جہاں تک شاعری کو بھی بات میں

داخل ہوتا ہے، لکھو یہ افسانے اس جوہر سے متشابہ معلوم ہوتے ہیں جو عورت میں ہے۔ اس

کی روح میں ہے، اس کے دل میں ہے۔ اس کے ظاہر میں ہے۔ اس کے باطن میں ہے۔

اب یہ معلوم اس طرح ان کے تصور سے عصمت کا سبیل کس قسم کی چیزوں پر بھار رکھا ہے۔ یہ معلوم ہوتا تو دور ہم بھی کھتا جہاں ان کے عصمت کے افسانے میں ہے لیکن ان کے رنگیں تصورات و مفروضات کے غلط کہہ میں ہیں کیونکہ باریابی ہو سکتی ہے اور کوئی ایسی ڈکٹری بھی نہیں جس میں عورت کے وہ معنی مل جائیں جو اس تنقید کی تہ میں کام کر رہے ہیں۔ ویسے کا قطع ہے۔

عصمت کا نام آتے ہی مردانہ نگاروں کو دورے پڑتے تھے ہیں۔ شرمندہ ہو رہے ہیں

آپ ہی آپ فصیح جوتے جا رہے ہیں یہ دیا پور بھی اسی وقت کو مٹانے کا ایک نتیجہ ہے۔

یہی۔ عورت کے ایک دور سے تصور سے ہمیں عورت کی ناقدانہ نظر سبک گئی۔ دکھانے تو پہلے تھے عصمت کے افسانوں کا جوہر لیکن آفریں کر گئے کہ یہ عورت ناقص اعتقاد ہے ڈاکٹر جانسن کے کہنے کی طرح کہ وہ انہوں کے بل کھڑا ہو جائے تو تھک و تھیں ہی کا نہیں بلکہ ہم ان کی دینی مردوں کے لئے شرم و فحاش کا موجب ہے۔

ایک اور مقدمہ درپختہ کار دیا پور نہیں نے بھی معلوم ہوتا ہے، انشا پر رازوں کے ریڈ میں زار و مارہ الگ الگ کر رکھے ہیں عصمت کے مستقل ذمے میں کہ۔ اپنی جنس کے اعتبار سے اردو میں کم و بیش انہیں وہی مرتبہ حاصل ہے جو ایک زمانہ میں اردو ادب میں جارج ایلیٹ کو نصیب ہوا، گویا ادب بھی کوئی جنس کا ورثہ منشا ہے جس میں عورتوں کے بیچ عیدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ جارج ایلیٹ کا ترجمہ سلم۔ لیکن لیلا اس کا نام لے دینے سے تک ہی ملا اور بھجوں تو کوئی کیا مرے گا۔ اب یہ امر ایک علیحدہ بحث کا محتاج ہے کہ کیا کوئی اب اتنا زار و مارہ ہے۔۔۔۔۔ خارجی ادب نہ کامی اور اطلاقی نہیں، بلکہ داخلی ادب جی ادب بنیادی۔ جو انشا پر راز و اندروں کے ادب سے تیز کرکے ہمارے قورہ کیلئے ہے؟ ان سوالوں کا جواب کچھ بھی ہو، بہر حال اس طرح کا ہرگز نہیں کہ اس کی بنا پر جنس کو جنس کے اعتبار سے، الگ الگ فرقہ داروں میں بٹھا کر دیا جائے۔

ای طرح جہاں کسی نسبت میں نہ تھا، اور باوجود اہل حق و باطل کی تباہی کی منہوں جسے نے کسی میں دھن، یہ تھا کہ اہل حق و باطل کے درمیان
 رکھے والے تھا دوں کے سرست کا معرودہ۔ اہل حق و باطل کی تباہی کی منہوں جسے نے کسی میں دھن، یہ تھا کہ اہل حق و باطل کے درمیان
 اہل حق و باطل کے سرست کا معرودہ۔ اہل حق و باطل کی تباہی کی منہوں جسے نے کسی میں دھن، یہ تھا کہ اہل حق و باطل کے درمیان
 پھر اس کے بعد بھی یہاں نہیں رہا، اور اہل حق و باطل کی تباہی کی منہوں جسے نے کسی میں دھن، یہ تھا کہ اہل حق و باطل کے درمیان
 مطلب تو نہیں کہ یہ اہل حق و باطل کی تباہی کی منہوں جسے نے کسی میں دھن، یہ تھا کہ اہل حق و باطل کے درمیان

[illegible]

حضرت کے دامنِ معنوں میں ڈالے۔ اپنے اس پہلے خزنِ قسم کی جڑیں تال میں ان میں ڈالے۔ سب سے کڑی جڑیں اس کی واپس آئی۔

پس اولیٰ کہ ڈرامے کی ٹیلیک عرصت کے قابو میں نہیں آئی۔ یہ ایسے کچھ کر کے بھی تنگ نہ ہو سکتا۔ قدرت حاصل نہیں ملتی۔ پلاٹ کو نہ صرف تسلیم کرنا تھا۔ تو لپ کر تپنی سے نہیں کہہ سکتے۔ یونہی دانتوں سے چرچا کر چھوٹے بنا ڈالتی ہیں چنانچہ پیرسٹر جا کا دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی ایسے سب پھینکے دے گئے بغیر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے ڈرامی دوامیتوں کے درمیان کہیں بھی رک جائے۔ جیسے اس درندہ گزشتہ سے کیا حاصل، کچھ نہ ہو دیا کہ سبھی پٹ بھٹائے تو کیا مضائقہ ہے۔ ڈرامے کو ڈرامہ نہ سمجھئے، کہانی سمجھ کر پڑھئے اور دماغ کی بجائے کہانی لے لے ڈرامے کا لباس کسی عزت سے نہیں بلکہ محض تنوع کی خاطر اس میں رکھا ہے۔ لیکن انہیں کہ وہ اداسی سے بھی مشغول مل نہیں ہوتی۔ کہانی کو ڈرامے کی شکل دی جائے۔ ایک جڑ چرچا اور چرچا کرنا پڑتا ہے۔ اصد یہ کہ تصور اول سے آخر تک مع اپنے نیا ب و فرادے کے تمام تر افراد و اقدار ہی کے افعال و افعال کے فیصلے بیان کرنا پڑتا ہے۔ معصی سے یہ آزادی پھر نہیں جاتی ہے کہ ساتھ کہ وہ اردن کے جذبات، حیالات کو اپنی زبان سے واضح کرتا ہے۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پابندی حضرت کے بس کا درگ نہیں۔ انسان ہر وقت حضرت کو کسی افٹ یا تحس کے واضح کہنے میں وقت پیش نہیں آتی۔ انہیں انسانہ لڑیں کے اس حق سے ناگوار تھا ناخواب آتا ہے کہ جب جاؤ گے پھر سے

میں غلام کس کاں کو بھی نہیں کرنا روہِ جہنم کی سنے دیکھا ہوں۔ اس کاں اور فی دوح کس سے گزرتا ہوں۔ ایک عمارت اس ڈھلے
میں ایسا ہے اس سے ساغرِ میم ڈرا چکا۔ سب کی دوسے مشت ۴۰۰ سے کوس۔ یہ وہ منجی تھا سے پہنچے ہے امن۔ وہ اس سے نہیں
نظر سے شادی کرے گی۔ غفار کراں نہ کرنا جانا کا کھوں ہوتا ہے

یہو جس میں بہا می مدنی بہ نہیں کرنا کی
غفار۔ (دوسرے) یہ وہ نہیں خرم جی، مدنی، مارا گئی
رفیعہ۔ میں اس میں بھی جاؤں گی۔ سات تھری
غفار۔ رات ات جڑ سے کاسا میں باہر رہن۔ مہلے بھی پڑا ہوا ہے
سے میں راحت ہوتی۔

فائدہ۔ (یہ وہی پہلی) انکس تو میو لے لے کر رہ
غفار۔ (یہ وہی) یا میو لے کر رہ
فائدہ۔ (یہ وہی) نہ ہیں رہ گئی
رفیعہ۔ ان سے میں لڑا کر لکھوں گی ..

دھڑ ریشاں ہوا سے کھانا ہے۔

غفار۔ (یہ وہی) یہ۔ تمہارا یہ مطلب ہے کہ مجھے لکھو رہی ..
رفیعہ۔ (یہ وہی) میں بھی یہاں شاعری سراج کوئی

غفار۔ (یہ وہی) شاعریاں سننا چاہتا ہوں اور یہ کہ مجھے یہ لکھنا چاہیے ہے۔
غفار۔ (یہ وہی) تو یہ کہ مجھے یہ لکھنا چاہیے ہے۔
غفار۔ (یہ وہی) تو یہ کہ مجھے یہ لکھنا چاہیے ہے۔
غفار۔ (یہ وہی) تو یہ کہ مجھے یہ لکھنا چاہیے ہے۔

فائدہ۔ (یہ وہی) تو یہ کہ مجھے یہ لکھنا چاہیے ہے۔

غفار۔ (یہ وہی) تو یہ کہ مجھے یہ لکھنا چاہیے ہے۔

فائدہ۔ (یہ وہی) تو یہ کہ مجھے یہ لکھنا چاہیے ہے۔
ایک خدا کی ہے!

غفار۔ (یہ وہی) تو یہ کہ مجھے یہ لکھنا چاہیے ہے۔
تم خوش ہو۔

عصمت اس سین کو لاک میں سمجھ کر لکھیں تو شاید ڈرامہ (یہ وہی) میں ان کا نام نہ لے سکتا ہوں کہ ان کے ہونٹوں پر مجھے سکا رہا
نظر نہیں آتی۔ اور جب معنی پہنچنے والی باتیں لکھے اور خود اسے سننے کی کوئی بات نظر نہ آئے تو اسے سوچنا ہے۔

کچھ ایسے ہی لکچرین دراصل سے مدد ملے، انسانی میں بھی پایا جاتا ہے جن میں عصمت نے اہل جدید ٹیکنالوجی کے لوگوں کو ایسے کی کوشش کی ہے۔ ایسے انسانوں میں نہ چاٹ کی چڑیں ہی ٹھیک سمجھتی ہیں نہ ریکارڈنگ کا ناک نقشہ کی درست ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی ٹیگزیوں میں سے کیا بول کے محرمہ صحت کاٹ کر توڑتے ہیں۔ اور پھر وہ انہی سے ٹیگزیوں کی طرح رسی دیاں کا رنگ دے کر محرمہ صحت کی بابت جانی ہے۔ پنکھ اور "شادی" پلہ کر دی پر مٹی اثر کرتے ہیں۔ "یہ ایک" میں تو بڑا ڈوٹ کے آرمر اینڈ دی میں "کے پہلے سین پر کچھ اس طرح سے ہاتھ صاف کیا ہے کہ سب کی تھانیں ہیں

سیلیا اور سیل انڈر فٹوں" اور پھر ان کی دنیا عصمت کی دنیا ہیں۔ اس میں وہ صحتی جتنی ہیں اس کی تہ کو وہ حسب منہیں گی تہ دکھا دیتے گا۔ لیکن ان کی دنیا وہی ہے جو ان کے بہتر انسانی میں جو ان کی "اس" یا "بھل بھلیاں" سانس، بیار اور تن میں جاتی جاتی ہے۔ یہ وہ دنیا ہے جس میں خود تہ پر سے کچھ سے غصے حیرت رتی ہیں جس میں زبوں پر اور دیواروں کی آڑ میں آنکھ چولی کھلی جاتی ہے۔ جس میں راہی پلنگہ دیونا پر پٹیاں رکھی ہیں۔ بہتر ایوں کی جان بھی کھڑکیاں کرتی ہیں۔ ہر وہ کیاں گریسی پھٹی ہیں۔ "دنیائیں ٹریکباں لگاتی ہیں جس میں کھٹکے بکے ماں کے پیٹ سے چھپتی کی طرح چپکے ہوئے چوڑے چوڑے ہاتھ ہیں۔ اس کے گرد و شب میں وہ اس سے تعلقی اور احساس ہم آہنگی کے ساتھ ٹھوٹی پھرتی ہیں۔ کہ اس کا ایک جز معلوم ہوتا ہے جس کو "ہم" کہتے ہیں اس کے ساتھ وہی چار خفا کھینچ کر اس دنیا کو کاغذ پر لے آتی ہیں عصمت کے بہترین انسانوں میں آپ کو فضا اور احوال کے لیے بہتر تفصیل ڈسکرپشن (DESCRIPTION) کہیں نہیں ملے۔ میں جوابات ہے وہ ایسے پتے کی ہے، کہ ان فضا سے تعلق اور فضا کی شکایت یہ نہیں ہوتی۔ سانس کے شہر، شہر کے فترے میں۔۔۔

"سوجن جو بیلے زاویے پر پہنچ گیا کہ معلوم ہوا تھا چھ سات سو درجہ میں جو کہ تاک کر بڑھائے گھر میں ہی رہتی ہیں پھلے پرستے ہوئے ہیں۔ زمین دھڑکھٹولی، جو پ کے مڑ سے ٹھیکٹی اور اسے پوچھ "ہیل پر جو پ اور جوڑا اور ٹھنکی کوشش کی تر دھار ہم فٹوں کی آوار چھت پر سے آئی۔" خدا غالت کہے پیاری بیٹیوں کو "سانس نہ بے جیا ہو کو کو ساجو کھمے کے چھو کر دل کے سنگ چھت پر آنکھ پھوٹی اور کبھی اڑا رہی تھی "دنیا میں ایسی بیویں ہوں تو کوئی کام نہ کہتے۔ اسے لو وہ بہر ہوئی اور لاڈلہ جڑھ گئیں کہتے پر۔ ذرا در سے چھو کرے اور چھو کر یوں کاؤں آپہنچا۔ پھر کیا مجال ہے جو کوئی آنکھ چھپا سکے۔"

اتنے تقریباً سے الفاظ میں اس سے زیادہ کوئی کیا رنگ بھرے گا اور رنگ بھی ایسے کہ نہ ضرورت سے زیادہ شرح نہ ضرورت سے زیادہ دہم۔ یہی حال "خیرا" میں کے ایک نمونہ ہے۔۔۔

چھوٹے تال سے گذر کر پیار سے ہستہ ہستہ دونوں گھٹنے گھٹنے ہر پاری تہر کی رملک پر چلنے لگے۔ یہ کہ خجست جارا قباب کے ایسا دانت میں کیسے پڑا تھا کہ نرم ہونے کا نام ہی نہ دیتا تھا۔ گری تو جیسے تیسے کٹ جاتی ہے۔ چاہو جتنا ہنڈ، پیاد پر سے ٹھٹھاپانی جبتنا چاہو پی۔ نو۔ زکڑوں کی ضرورت نہ کچھ۔ رز کو زور و حوتی کا بھی مر مہل منت نہ ہوتا پر ہوتا تھا۔ یاہ سرت کا ڈھانچا اس کے کچھری بیسے پیٹ پر سے پھیل کر کوہے کی لہریوں پر رستہ

سے ملک ہانا تھا۔ مرد متھہ زیادہ تھا۔ منہ سے تن میں ڈبکی نکلتی، کناروں پر کڑواں
بھونکنے لگے اور اُسکے چہا کوں سے سر کھٹکے۔

اور محسوس سے بھی متغیر نہ کیا۔

اندھری سناں، تیں بجے تھے گیس۔ چوٹی، دیاں، اردو، بھٹے، حاصل کرنے کے لہز
مارے مگر کوئی بھر تیرے میر سے کھیت میں بھٹے گھڑ جاتی، بڑا گھاس چیل لاتی کھنبوں
کو بھی دن کے اور دو دھڑا شروع کر دیا۔ کون، جکتا، بھٹا، کاجی، اوس میں ہی ایک لہنا
ہوئی۔ در سہری بلے لہنا ہی نہ لہی تھی۔ صیں جب بوڑھی ہو جاتی ہے تو تیرے ہی
نہیں چلتا۔ نہ اس کی کمر جیکے ڈال چوٹی ہوں۔

ان انقلابات میں باغ پاپ چھوچھو تھے ایک سا بچا پائے جاتے ہیں۔ س سے ان کو کہاں نقل بھی کر دیا۔ اردو ہی قسم کے ایک ایک دور
نقروں کے کلسے تو کھی جگہ ہیں۔

یہ وہاں پر مفسوں اور انھوں کی دنیا ہے۔ یہاں ایمروں، نکات پندوں اور تراسیہ لوگوں کی دنیا نہیں۔ س میں قلعے ہیں مفسوں
ہیں اور فلاحوں کا حال عصمت کتنی برہم ہو کر رہ چکی ہے۔ س سے کریمان کرتی ہیں، جہاتیں میں، اجہ، دیاں میں، بھٹا پائیاں میں، بیماریاں میں
اور وہ بچے ہیں، ایک ٹیڑھی ان میں۔ زندگی کا ایک خط ہے جو دبا ہے پس دتا، انگلیں، بھرتی میں، اجالی ایسے لٹے دکھاتی ہے۔ دس میں غزرتیں
چٹکیں لیتی ہیں۔ اور نفس انسانی کا یہ سلطان اور آرائی کرتا ہے جن انسانوں کو میں نے کھت کسے کہتے تھے ان میں آپ کو بہت بڑی جندی
یا بہت پرستی تھی۔ ان کی نظر اسے گی۔ حق امن، فائز شمس آسودگی یا مسرت عالیہ پس نہ لے گی۔ وہ وہاں۔ دل ہی نے جو کہہ گی روح دل پر چمکے اس
میں ٹیڑھی کی کو شش ہے نہ کامیابی کی۔ لیکن اس کی خون آپ کو کہیں میں، اور ناظر آئے گا۔ اس طرح روڑا نہ جیسے یہ بڑی تھی کہانی اور تیرے۔
لبالب اور اجلا ہوا اور ٹکڑا ہوا اور رستہ جیتا ہوا۔

ان انسانوں کا موضوع کیا ہے۔ نگے دھتوں کے لوگ ان انسانوں کو (اگر ایسے انسانے نہیں دیکھ آتے تو) عقیدہ انسانے یا عقیدہ انسانے
ہی سمجھو۔ کچھ بلبل عشق کے معنی اس قدر پھیل چکے ہیں کہ عشق سے یہاں کام نہ چلے گا۔ بظاہر محض کا عشق، احمیوں کا عشق، عذروں کا عشق، افسوں کا
عشق، اور پرستوں کا عشق۔ سبھی طرح کے عشق ہمارے ہاں پائے جاتے ہیں اور ہر ایک کا مزاج جدا ہے۔ اس لئے عشق کے مفاسد سے نہ بچنے
دلے کا مفہوم کیا ہو۔ اور سننے والے کیا کچھ بیٹھیں؟ جنسی سوک، پرکھے کوئی غرض، اعراض نہیں، بلکہ محض اس سے بھی بات نہیں کہی، کیونکہ جنسی
نہو کہ تو دانستے ہی اس سے لے کر کئے قیام تک کبھی کوئی گئی ہے۔ عصمت کے انسانوں میں جو جذبہ مرد عورت کو ایک دوسرے کی طرف کھینچتا ہے اس
کی کسی قدر اور تخصیص کرنی چاہئے۔ ایک بات کو ظاہر ہے اور وہ یہ کہ اس جذبے میں شاعرانہ دھاتوں کی رنگینی نہیں پائی جاتی۔ اس کا ردان سے
کوئی تعلق نہیں۔ عصمت کے کسی انسانے میں مردانہ عزت کے حسن کا بھی ذکر نہیں آتا۔ کیونکہ جو جذبہ ان کے پیش نظر ہے اس کی تحریک کے لئے حسن
کی ضرورت نہیں۔ یہ محض خون کی تاریک حرارت اور جسم کی مہلکا دینے والی گرمی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جب اسان کے جسم میں یہ آگ بجتی ہے تو وہ کبھی
اس کو کھینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ اس آگ سے کوئی پیچیدہ نفسیاتی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ صرف تند و تیز شراب کا سا نشہ اور روتیں ہیں

مصنف خود کرنے سے پہلے دو ایک باتیں عصمت کی زبان کے متعلق بھی کہنا چاہتا ہوں کیونکہ ان کے مغزی مذاق میں کبھی ہمارے لئے ایک ہیایت ہے۔ عصمت کی انشا پر فارسی اور عربی ۱۷ اثر بہ نسبت اردو کے بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اھ یہ بے نیازی الفاظ کبھی صاف نہیں۔ بھرتیوں اور فقرات کی سافت میں بھی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ان کی تحریر پر ایک آدھ لاف حاصل سی تغلی کے اخرجی و ایکب اور انگریزی اسباب خیال سے بھی پاک ہے۔ اس زمانے کے اکثر انشا پر و نڈوں کو بہ دھماپی تعلیم یا حمل کے س سے مضر نہیں کہ ان کے کلام میں دھما و قفا انگریزی کے مگر بھی سنائی دے جاتی ہیں۔ اردو میں مغربی نیماات روز بروز بڑھتی جاتی ہیں۔ جنابنچام مصنفوں میں بھی اھ کچھ نہیں آ رہا شدہ ترکیبوں کی گتفیاں تو کڑی جاتی ہیں۔ عصمت انگریزی کے غیروثر و نڈوں سے مبرا ہیں۔ یہ تو تانا مانا ممکن ہے کہ وہ کیا لفظ ہے جو ان کی تحریر میں پیدا ہوتا اور اس یا کہ اس کی وجہ سے پیدا ہوا۔ لیکن انشا ضرور ہے کہ اس کی بدولت نہ طبع ضرور کے بہت سے ایسے الفاظ لازم میں لے آئی ہیں جو آج تک پر سے سے اھر نہ نکلے تھے۔ درجن کو اب انہوں نے نئے نئے معالاب کے احباب کے قابل بنادیا ہے۔ دیا اور اور انشا کو ایک نئی جوائی نصیب ہوئی۔ اھر غاڈ نشین الفاظ کا تازہ ہوا میں سانس لیے کامرتع مار۔ عصمت کے فقرات میں بول چال کی سی لطافت اور روانی ہے اور جملوں کا زیرو کم ہدف وہ کاما شہر متنا زیر دیکھے۔ اس لئے ان کے فقرات کا سانس بھی نہیں چھو تدا۔ اداں میں نیشہ نہ شعلات اور شعلت نہیں آتے پاتے۔ مختصر یہ کہ انا کے انتخاب اور فقرات کی سافت ان روزوں دستور سے وہ انشا کی زبان کو زندگی کے زیب نرسے آتی ہیں۔ جس کے لئے ہمیں ان کامنوں ہونا چاہئے۔ اس نیک کام میں عصمت کے علاوہ چند اور قابل قدماں زبان انشا پر داکھی ترکیب میں۔ درپس تو یہ ہے کہ یہ کام اہل زبان کے سوا کسی دوسرے کے لئے کچھ ایسا آسان بھی نہیں لیکن عصمت کے احسان کا بوجھ کچھ اس وجہ سے ہلکا نہیں ہوتا۔

عصمت کوئی تمام ادیب نہیں۔ اردو ادب میں حوا تیا زبان کو حاصل ہے۔ اس سے منکر ہونا کچھ جینی اور نکل سے کم نہ ہوا۔ ادب مصنف نیاات خود اس امتیاز کا اعتراف ہے۔ لیکن بھول نہ جانا چاہئے کہ ہمارا انا نہ ابھی سن۔ شریاسن بلورغ نہیں پہنچا۔ آج کل جبکہ نظروں کو عصمت نصیب ہو رہی ہے۔ ادو دنیا بھر کا ادب کتاب کی طرح ہمارے سامنے کھلا پڑا ہے۔ اردو ادب کے قدروا لوں میں یہ حوصلہ پیدا ہونا چاہئے کہ وہ دھما و قفا اپنے ادب کا دنیا کے بہترین ادب سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تا کہ مناسب احساس کندہ ہونے پائے۔ مقامی تعصبات کی حقیقت واضح ہوتی رہے اور دل میں اھلک پیدا ہو۔ ہمارے ادب جدید کے پات سرزد ہونے چکے ہیں۔ لیکن اس میں ابھی جسے بڑے پھل نہیں ملے مانتی صندی کہنے کے بعد ہمیں اس بات کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی تاہل نہ ہونا چاہئے کہ عصمت کی شخصیت دو ادب کے لئے باعث فخر ہے۔ نہوں کے بعض ایسی پرانی تفیلوں میں رننے ڈال دے میں کہ جب تک وہ گھڑی تھیں کئی ستے انکوں سے اوچل تھے اس کا زمانہ گئے۔ اردو خزانوں میں کہ نہیں بجا اردو کے ادیبوں کو بھی ان کامنوں ہونا چاہئے۔

(ساتی دہلی فروری ۱۹۳۵ء)

ہیبت ناک افسانے

ہیبت ناک افسانے کا پیکٹ جب ہواں پہنچا میں گھر پر موجود تھا میری عمر سو چودھویں تھی چند انگریز افسانے جو کتابوں کے لئے خریدنے کے سلسلے میں ہر مہر کی بے تکلفی کو جائز سمجھتے تھے۔ ایک قریبی بی۔ یہ دوست امداد بنگلہ نہیں جلتے بجز چند ایسے بے غلطے یا رضح کی حالت میں وقتاً فوقتاً میری زبان سے نکل جاتے ہیں اور جو بدیاہ سننے کی وجہ سے بغیر یاد ہو گئے ہیں اور ان کی قابلیت میں شک ہے۔ مگر یہ اخبار انقلاب کا نام پہچان لیتے ہیں۔ وہ بھی اگر خطاطی میں لکھا گیا ہو۔ چنانچہ پس پہچان کر ایک نئے حصے کتاب کی وضاحت دیکھ کر اپنی اپنی رائے قائم کر رہے تھے۔ سرورق پر جو کچھ میری تصویر بنی ہوئی ہے ایک صاحب نے یہ اندازہ لگایا کہ کتاب

میں بھی کبھی کسی کا سر پر غور نہ تھا

نہ ہے۔ الیسیا کے ادیب (عمر خاں) گوتم بدھ (دیو) اکثر اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے صاحب نے جو اسی کے متعلق کوئی تصنیف ہے۔ ایک بڑے جادو کی کتاب معلوم ہوتی ہے (جندوستان کے طریقوں کا یہاں بڑا اثر ہے) پتھانوں نے کتاب کی سرخ رنگت دیکھ کر اس کی شہادت قائم کر کے۔

میں نے کتاب کو مشرور سے آخر تک پڑھا۔ گویہ سب کی سب کہانیاں ہیں پہلے انگریزی میں پڑھا چکا ہوں۔ اعلان میں سے کہانی صورت میں شائع ہوئے تھے خود امتحان سے سن چکا ہوں۔ وہ مختلف قسم کی دفعہ جیاں جو مجھے کبھی کسی تعریف کو مسلسل پورا کر سکتی ہیں سب کی سب یہاں بچا تھیں۔ کتابت ایسی شگفتہ کن نظر گذرانا چھین نہ ہو۔ تحریریں زور و سلاست اور روانی اور بصیرت و چھوٹ پڑے۔ اور پھر امتحان کے نام میں وہ جادو جس سے ہندوستان یا انگلستان میں کہیں بھی سفر نہ ہو۔

یہ کتاب تیرہ بیتابک انسانوں کا مجموعہ ہے جن کے مصنف کا عہدہ تھا کہ پڑھنے والوں کے جسم پر دو گئے کمرے ہو جائیں شائے میں درد و کرب غوت و دہشت یا پھر مرگ و ابتلا کی ایسی غریب تصویر کشی جائے کہ بدن پر ایک سنسنی سی طاری ہو۔ ایڈیٹر گراہین پورے پڑھنے والے ایسے انسانوں سے بخوبی آشنا ہوں گے۔ حق تو یہ ہے کہ تو اس فن کا استاد تھا اور یہ جو اس کی لغت ادب کی کثرت فرانس میں نظر آتی ہے عجب نہیں کہ اس کا بیشتر حصہ تو ہی کی بدولت ہو۔ کیونکہ فرانس کی ادبیات پر جو کا اثر

مسلم سے درادب کا شاید ہی کوئی ایسا تجربہ ہو۔ جس کی کسی نہ کسی صورت میں اس نے اپنا رنگ نہ پھیر رکھا ہو۔ پیرس میں ایک خاص تھینر
ای بات کے لئے وقت سے کہ جس میں دہشت انگیز کہیں دکھانے چاہیں۔ اس کہانی نے اس قسم کے ڈراموں کا اچھا خاصہ تجربہ دیت
کر رکھا ہے۔ تھینر کی دیوڑھی میں چیدہ چیدہ ڈراموں کے مشہور مناظر کی تصاویر کو براں میں کہیں کوئی بد نصیب صحت کی آخری انگڑا پنا
رہا ہے۔ چہرہ ہوا ہے اللہ نکمیں ہر چھوٹی پڑتی ہیں کہیں کوئی سفک کی حسینہ کی آنکھیں نکال رہا ہے۔ بیٹا ہنستے گرد
ہو چکے ہوئے ہے۔ دائیں ہاتھ میں خون آلود چھری ہے اور لڑکی کی ہیکھوں سے ہو کی دھاری بہ رہی ہیں۔ گھیل کو بیت نام بندے
کے لئے جو قد بزرگ ہی میں آسکتی ہیں ان سب پر عمل کیا جاتا ہے۔ گیز اپنی شکل مضبوط اپنی آواز اور اپنی حرکات کے ذریعے ایک
خون سے کا پتی ہوتی نفس پیدا کر لیتے ہیں۔ پردہ اٹھنے سے پہلے ہی گھٹی نہیں بچائی جاتی بلکہ چراغ گل کر کے کڑی کے تختے پر دستک دی
جاتی ہے۔ اس سے بہت اور بھی زیادہ سو جاتی ہے۔

اس بات میں بحث کی گنجائش نہیں کہ درود کو کیا خون و دہشت کے مناظر انسانوں سے ایک خاص قسم کی توٹی حاصل
ہوتی ہے۔ یہ بظہر نظر خود اپنی تردید کرنا ہر معصوم ہوتا ہے کہ جس کو درد کیا جائے اس سے خوشی کیسے حاصل ہوتی۔ لیکن یہ ہمارے
متداول الفاظ کی کم بائگی کا نتیجہ ہے۔ اس خیال کو جو اس فقرہ سے ظاہر کیا گیا ہے الفاظ کے اس گورکھ صندے سے باہر نکلنے کی
گوشش کرتی چاہیے۔ اسی وجہ سے بعض ماہرین لغیات دکھ۔ درد و کرب و غیرہ اس قسم کے الفاظ کے استعمال سے مجتنب رہتے ہیں
کیونکہ وہ کب کے اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ بہت سی ایسی کیفیات جن کو ہم عام زبان میں دکھ۔ درد و غیرہ سے معلوم کرتے ہیں۔ بسا
اوقات اس قدر تسکین بخشنے ہوتی ہیں کہ لوگ ان کے دمول کے لئے جہد و جد کرتے ہیں۔ اور ان میں اپنی سرت و صورت دیتے ہیں۔ لیکن
آپ کے پڑوس میں کئی ایسی عورتیں ہوں گی جو اس تکاش میں رہتی ہیں کہ کسی نہ کسی کی موت کی خبر سن پائیں اور جن اعدا و طاغیوں نے
ہرگز ان کو ہبا کر اپنی تن پوری کر لیں۔ جرائم اور اموات کی گھنڈی سے گھنڈی تغصبات کی تاحوت و رپ اور مرکب کے نئی اختراعات کی
مقبولیت کا باعث ہے۔ لوگوں کو ان کے پڑوس میں ایک خاص لطف آتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ یا میں بعض دہشت نامک انسانوں سے لطف
اندوز ہوتے ہیں تو ہمیں اس کا معزز کرتے ہوئے بعض اس وجہ سے متاثر نہ ہونا چاہیے کہ کہیں لوگ اس کو باری طینت کے کسی شخص پر محمول
نہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ قدیم زمانہ میں زمین تو مہ کے جوہر اپنے اکھنڈوں میں پہلوؤں کی لڑائیاں اسی جذبے کے تحت دیکھے آتے تھے۔ ہر تہی
ایک نہ ایک حریف کی موت پر جا کر ختم ہوتی تھی۔ اور کشت و خون کا یہ نظارہ ہر با لوگوں کو خوشی کے بارے دیوانہ بنا دیا کرتا تھا۔ ہماری زندگی
اس تہذیب کی متعل نہیں۔ لیکن انسانوں اور ڈراموں سے لطف اندوز ہونا اب بھی ہمارے بس میں ہے۔ اور اگر ہم اس جذبے کو کن کی گیمیا
سے کشید کر کے بھر کر اپنے اعصاب میں ایک کیف انگیز تھر تھراہٹ پیدا کر لیتے ہیں تو کم از کم میں تو کسی طرح بھی نادم نہیں آپ اپنے
دل کو ٹٹول لیجئے۔

اعصاب میں ایک تھر تھراہٹ! بس یہی ان انسانوں کا مقصد ہے۔ اللہ جس کامیابی جس خوبی اور جس فن کے ساتھ اس
کتاب کے مصنف نے اس مقصد کی تکمیل چاہی ہے۔ اس کی تعریف اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ امتیاز جیسے ذی مطالعہ اہل قلم
کو اس کے ترجمے کی خواہش ہوئی۔ ان لوگوں کے سامنے جو اردو ادب کے شاہیر سے ناقت ہیں اس سے زیادہ قابل وقاحت ضلالت نہیں
پیش کی جاسکتی۔ مصنف کی سب سے بڑی خوبی خود ترجمہ نے کتاب کے دیباچہ میں واضح کر دی ہے۔

ادھر کرکندھے پر اٹھا رکھی تھی۔ نیچے کی جگہ اسے سر کے نیچے رکھ لیا۔ ٹھکن سے جو دھبہ ہوا تھا بھر کا تھا۔ ہڈیاں اڑنے لگیں۔ اسان پر تانوں کو ایک ایک کر کے ابھرتے ہوئے دیکھے۔

شرک کے دولہا وطن جنگل بیابان پر آتا۔ بیڑوں پر چڑیاں نیند میں چپ چاپ تھیں۔ وہ بہت فاصلہ پر گاؤں ایک بہت بڑا سیاہ دھبہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ یہاں سکون اور سٹلنے میں لینے لینے خوب بڑھے گاؤں بھر آیا۔

اسے کچھ معلوم نہ تھا میرے ماں باپ کون تھے۔ قدرت کو تو اب کالے کالے کسی زندہ رہنے کے لیے تھا۔ اسی کے ہاں پروان چڑھا تھا بچہ ہی ساتھ لادواں سے نکل بھاگا۔ ادھر ادھر اس ٹکڑی میں پھرنے لگا کہیں کچھ کام مل جائے جس سے مدد مل سکا۔ ہوسکے برسی کنن زندگی گذر رہی تھی۔ دکھوں کے سہاویںے کا کوئی نراناہ دیکھا تھا جازوں کی لمبی لمبی راتیں چٹکیوں کی دلیلوں سے پر کر کاٹ دی تھیں۔ سوال کے لئے ہاتھ پھیلائی دلت اٹھائی تھی۔ چہا تھا کہ مر جائے۔ اسی نیند سرے کے بھر گئی۔ انکھیں دکھلنے لگیں۔ لوگوں سے اب تک واسطہ پڑا تھا بے درد تھے۔ شکاری تھے سب سے بڑی مصیبت تھی کہ معلوم ہوتا تھا ہر ایک اس سے فتنہ۔ بکے دیکھ پاتے تو صباگ جاتے۔ کتے اس کو جھینڑوں میں دیکھ کر بھر نکلتے۔

پھر کبھی کبھی کسی کا بڑا نہ چاہا تھا سیدھی سادی اور ایک طبیعت پانی تھی۔ جسے مصیبتوں نے مردہ بنا دیا تھا۔

وہ زبان ہے جو قلم میں پیدا ہوئی اور جو بولوں تک۔ اہل زبان کے لئے باعث فخر و ناز رہی۔ شمالی ہندوستان کے قلم نویس نے گویہ زبان رتن نامہ سرشار۔ داغ اور میر تقی میر احمد اور محمد حسن آزاد سے درخشاں ہیں۔ اور اسی خزانے کے سنگوں سے جنسین غمزدہ اہل زبان محض مسکوں کی طرح اپنے اکتھوں میں مل کر خوش ہو رہے ہیں۔ اب لاہور کا ادیب فرانس اور انگلستان کا شاعر ادب خریہ فرید کرہندوستان میں مشکل کر رہا ہے۔ اس قدیم دولت سے ادب جدید کے بازار میں اپنی ساکھ قائم رکھنا صرف اختیار ہی کا کام تھا۔ اب ایک اور صحنے کو پرے۔ جو دہلی اور لکھنؤ دونوں سے بے نیاز ہے بلکہ جو اکثر پرانی دماغ کے بزرگوں کو اپنی جدت سے برہم کر دے گا۔

اس دلد میں بہت دیر تک کام کرتا رہا تھا۔ اتنی دیر تک کہ آخر کار جب میں نے میر سے نظری اٹھائیں تو کیونکھا ہوں کہ شفق شاہ سے میر اسطافہ کا گروہ لالہ زہرا میں رہا ہے۔ ذرا دیر تک میں بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ داغ پر کسل کی وہ کیفیت طاری تھی جو کبھی بڑی ذہنی عنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ سب سے تعلق نظروں سے ادھر ادھر تھکا رہا۔ دہم دھن میں ہر جزوہندی دھندلی اور سب سے وضع نظر آ رہی تھی۔ اگرچہ روشنی تھی تو ان جگہوں پر جہاں غروب ہوتے ہوئے سورج کی آخری شاخیں میز کھینچے اور تصویر پر سے منکس ہو کر روشنی کے دھبے ڈالی تھیں۔ کتاؤں کی الماری پر ایک انسانی کھوپڑی رکھی تھی۔ اس پر شاخیں فرد خاص وقت سے منکس ہو کر پڑ رہی ہوں گی۔ کیونکہ میں نے نظری اٹھائیں تو وہ مجھے ایسے روشن طور پر نظر آئی کہ گال کی ہڈی سے لے کر جڑوں کے زبردست نامے تک ہر حصہ بخوبی واضح تھا۔ شام کا دھندلکا بڑی سرعت سے گرا ہوا تھا۔ ادھر ہر جزوہ جیسے تھکے جا رہا تھا۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ رفتہ رفتہ مگر قطعی طور پر اس سرری زندگی کی چنگاری چمک اٹھی ہے۔ وہ گوشت پرست سے جدا حال ہے۔ دانتوں پر آہٹ سرک آئے ہیں۔ حلقوں میں آنکھیں چڑھی گئی ہیں۔ بہت جلد کسی انوکھے سحر سے مجھے ایسا نظر آنے لگا کہ میرے سامنے ندی کی میں گویا ایک سر معلق ہے اور میری طرف تک رہا ہے۔ وہ سر جی ہوئی نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے پر استہزاکا ایک تہم تھا۔ کوئی اس اسم کا گریہ نہ تھا جو

دَافَتِ گِجَبَات

بھائی..... تم سے کیا کہوں جیت روزِ دُعا سے ہوتی جاتی ہے۔ دل میں ایک بے نام سار کا رہتا ہے میں اوتھانی اور بھی
بڑھتی ہے محنت اسبابِ دل کر ایک عجیبے وطنِ بے ادبیت میں۔ میں نظر آؤں جس تک ہوں۔ ناہیوں نے مجھے دل بھارت بنا دیا ہے۔ اس
نے مسجینا دقت ایک پیالی لاؤٹ جانا، زلف کی طرح بھی کر دیتا ہے۔ سے شاعری نہ سمجھا۔ یہ حقیقت ہے گھٹنوں، ملامتوں میں مغللوں، رہتا ہوں
بیکر خیال آتا ہے کہ یہ سبے فائدہ ہے۔ یہ وہ سوچتا رہتا ہوں اور کسی تجربہ پر نہیں پہنچتا۔ رات کو سوپ بجا دیتا ہوں کہ سب سو جاؤں اور پھر صبح
دیتا ہوں کہ نیند نہیں آتی۔ آدمی رات کے وقت گھر کے سب لوگ دن بھر کی گفت اور ترکان کے بعد خواب راحت میں ہوتے ہیں۔ میں اپنے
آپ میں اس وقت حیات کی ایک بیماری اور جذبات کی ایک بے قدرانی پاتا ہوں جو مجھے سونے نہیں دیتی۔

کہیں روزِ چند غریب چٹانِ مزدور باب بکا رہے ہیں اور پتو کے کسی در و درگ گیت کی نزارِ زوہ لوار باب کی سادہ کھیتی، رات کی
تنہائی اور خاموشی دل کے تاروں میں ایک جیسے دھواں خیز دیے ہیں جس کو گھٹنوں تک بے مس و حرکت پڑا ہوا رہتا ہوں مضطرب روح مولا
کو ہٹاؤں کہ شتِ عشق و حسن کی داستانِ سن کر اور مضطرب ہو جاتی ہے۔ بار بار یہی تصور آتا ہے کہ ایک جنگجو، غیور اور نڈر مفاد خان نے اپنی بندوبست
کو کندھے سے اتار کر پتھروں پر رکھ دیا ہے اور ایک نیلے پرچے ہلے تھلے سے مترا فزوں میں اپنے عشق کی کہانی کہہ رہا ہے۔ غیر کی آغوشِ کوہ کی پرور
حیدر کے خوب صورت سدوں بازوؤں کو نسوانیت نے ٹھیک ٹھیک کیل ہے وہ اس کی معصوم نگاہوں میں ایک جبریت آگئی ہے نکالے اس کے جوانی بھری
سینے کو قدرت نے اچھا دیا ہے۔ اور وہ اپنے چاہنے والے کو بزدلی کے بھوت کے خوف کے طعنے دے رہی ہے رعبِ جن میں تھی مرنے والے اسے اقتباب
کی نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ پھر غصہ میں آکر اس نے اپنی گھاس کی گھڑی اور صافائی کو سر پر رکھ لیا ہے۔ اندھنی کے بیچ میں سے گذر کر اس پار چلی گئی
ہے۔ رہا بے کے تاروں میں ایک اضطراب، ایک فکشل سانی دیتی ہے۔ غرت ملامت خان نے اپنی بندوبست کو اٹھا کر معتبر گرفت میں پکڑا لیا ہے اور
ایک پتھر پکڑا اور گرد کی چوٹیوں کو، پتھر کے نیلوں کو سب درجہ پہاڑیوں کو پیش کی نظر دے دیکھ رہا ہے اس کی آنکھوں میں خون ہے اور آگ ہے۔
اس نے بندوبست میں ایک کارکس بکرا ہے اور اس بجز اور بیکھ کو بہان میں اس کے گیت کی عبور میں دایلوں میں گئی لگتی کہ موت کو تماش کر رہی ہیں
ایک جنگ جوی موت کو، ایک فاتح کی موت کو، عشق اس میدانِ دکھ میں آواہ، سرگراں پھر رہا ہے اس سب میں کہیں ایک بے رحم محنت کی خاطر اپنی
جان مرغاٹی اور مجاہدوں کے حملے کرے۔ یہ سب بے خبر اور زلف کے پہاڑ محبت کی اس دار فطرت کو دیکھ رہے ہیں۔ اور موت کی طرح خاموش اور ہشت
انچیز ہیں۔ اس موت کی طرح حیات کا عالم ہے کہ نہیں آتی۔ رہا ب کی کھیتی بے مددی سے دل کے ٹکڑے کر رہی ہے۔

مجھ اس وقت ایک عجیب اور اتفاقی، ایک غریب، ایک بے کسی کا احساس ہوتا ہے گویا ایک زمانہ ۱۱ ماہ گزر چکا ہو۔ غم کو سوائے افق کی ناشکرے بج کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ وہ تکان لے منزل سے اب اس کو یہ ہے گویا میں صحرائی دشت، مدائن کی پہاڑی میں ایک لڑکا ہوں۔ اور تاروں کی درمیان دنیا تک اپنی آواز پہنچانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ وہی سب سے نزدیک معلوم ہوتے ہیں۔ چاند کھڑکے، رشتوں کے ایک جھنڈ میں سے چمک رہا ہے اور گائیات میں یا چاندنی ہے جو چپ چاپ خاموشی سے بر۔ تی ہے یا آریک سے شیا جن میں مانتے لپٹے پر اسرار اقتضا کی ہمت کر چھا۔ کھلے۔ رخصتیں اس دو کے گیت سے، ایک لے حد بے قراری پیدا کر دی ہے۔ میرے دل میں اس وقت ڈر نہیں جتا۔ خوف نہیں تھا فقط ایک اضطراب ہوتا ہے ایک ناقابل بیان بے قراری ہوتی ہے۔ لپٹ آپ کو بستر پر سون کی حالت میں مردہ کی طرح دیکھ کر دل غمخیز میں پرک و تک کھا تا ہے کہ میں بے بس کیوں ہوں۔ بس یہ ہے بسی کا احساس مذہب میں ایک حاکم پیدا دیتا ہے اور تہائی ایک مٹھران پیدا کر ایک جگہ پر بند ہوتا ہے۔

مذہب باب کی مڑی جی ہو جاتی ہے۔ اور گیت میں نے آہستہ آہستہ چاندنی میں تحلیل ہو کر خاموش ہو جاتی ہے۔ رات کا طقس چڑھا لی سردی پر سکون کی چادر ڈال دیتا ہے۔ آنسو چلوں پر سوکھ جاتے ہیں اور آغوشیں بند ہو جاتی ہیں۔ قدرت کے دل میں رجم آجائے تو ہم کے جھپٹے تھپک تھپک کر سلا دیتے ہیں۔ غینہ آئی جاتی ہے۔ مگر آہ! اُس بیداری کے بعد!

(نقوش جرنل، ۱۹۲۱ء)

تنزل

مجھے نہیں معلوم ہوا، انجام کیا ہوگا، جس تیز روی سے میں غزل کی طرف جا رہا ہوں اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ دل و دماغ کے مہلک ثابت ہونے سے مجھے خود بھی اس بات کا یقین ہے۔ میں ہیشہ سے اس کا قائل ہوں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ میں بے بس ہوں۔ میں مجسمہ رہوں۔ میں اپنے آپ کو نہیں مدد سکتا۔ ایک زبردست کشش۔ ایک مہر گر جاذبیت مجھے طاقت اور پستی کی طرف کھینچنے لگے جا رہی ہے آہ! بہت کھڑکے عرصہ کا دکھ ہے کہ میں اپنے آپ کو ایک نہایت عالی مقام پاتا تھا۔ یہ آئینہ نظر انداز کرنا ہوتا تھا اس قدر وسیع تھا کہ اس پر نظر ڈالتے ہوئے میرا غ چکر لگتا تھا مجھے مرنے والی نگاہ لوگ دیکھ سکتے تھے اللہ میں کو تاہ بنوں سے اعلان تھا۔ اب میری یہ حالت ہے کہ کسی اللہ کو تو کیا۔ میں خود اپنے آپ کا معاملہ نہیں کر سکتا۔

مجھے معلوم ہے کہ بہت عرصہ نہیں گزرنے نہیں پائے گا جب یہ سہ حیات نہ ہو جائیں گے۔ شاید میرے محاسن مجھے جواب دے جائیں میں اپنے آپ کو زندہ مانتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مردوں سے بدتر ہوں۔ کیونکہ جو شخص مر جاتا ہے وہ کہیں نہ کہیں نکلنے کو لگ جاتا ہے اور میرا حال یہ ہے کہ دنیا میں کوئی سہارا نہیں۔ آرام و سکون میرے لئے ناکامیت سے ہیں۔ نہ مجھے اس وقت کوئی جامع مفید ہو سکتا ہے اور نہ میں خود ہی اپنی رہنمائی کر سکتا ہوں۔ چارہ گو کہ مجھ پر رحم آسکتا ہے اسے میرے نزدیک آسنے کی بہت سہولت نہیں پڑ سکتی۔ زندگی میں یہ ایک — مرنے ایک لغزش کا نتیجہ ہے۔ آپ نہیں سمجھتے؟ خوب! بات یہ ہے کہ میں جامع سمجھ کے بنیاد سے گرا ہوں۔

(نورتن - اکتوبر ۱۹۹۲ء)

آئینہ دل

نہیں کہہ سکتا کیا سامں دیا رتہ کی بھونکی پہلی مٹی کی دہلیز میں سماں نے کھسکے سنگی فاونٹینوں کی حاشیوں میں ریت کی لہریں اور نفیس
لوہکے معصوم بے پرواہی سے سسل دے ہیں جہاں کا طوفان قسطنوں دریا کی کٹے پٹیلوں سے زیادہ نہیں موتا۔

گریہ کیے خوش نما آواز پر بڑھانوں کو اب تک کسی ابلیہ ہاتھ سے نہیں چھوایا اور چراغِ ارحمت کے سوسے سے بے سہاڑا ہے جس
پر لایا گیا نہ ناول، نہ نئی زبان میں ہیں جہاں پر اپنے سوسے جھپٹتے اس کو کبھی بھی گم نہ دیتے ہیں اور اس میں سے اب زندہ آزاد، ایک بے
ساختہ دیں بے اعتبار ہم کو فاس میں سے مل جاتا ہے جیسے کسی بادِ قنار پر لکے پارِ یاب کی بھلا۔

اکٹھنی جوانی کا ہاتھ لگیوں دکھائی دیا ہے جیسے ایک دریا جس کی نہریوں سے مدد پر سلی سکنے سے خراب سا سزا ہے جس کے احاطہ
لیوں میں نہ رہیں سکتی ہیں۔ اور سلی کو تھک کر قابضِ آب جانی ہیں۔ جہاں ایک حد طر پنہاں ہے، ایک مختصر زمانہ۔

جیسے بڑیا، ایک زندہ سس کے انگوٹوں میں ہے۔ ہر ایک کا مالِ شہدہ انگوٹے کا سوا معصوم ہوتا ہے۔ نئے اپنی نسی کے مسموم سفر
میں اور مہتاب کو نافرمان غزل سے دیکھ رہے ہیں۔

اس وقت کی حالت نہ ہو مجھ جب عشق ہو دی غزلوں روئے دہا اور تو دیر یا کو اب کر دیتے ہے۔ جب غزل کی ہر کشتی اُدھر ہر ترزا کو پستی سے
اور مہدی سے پھرستی تک یوں دھکیل کر۔ جانی ہے جیسے تیر بند اسی جہاں سے ایک بھنورہ فاقہ اسے طاقت و انسان کو اپنی طرف یوں پہنچ لیتا
جسے قسمت کی بھورت۔

برہنہ ہستی کے تار میں پھر پھر کھڑک کا ایک تہہ ہر زمانہ ہے۔ دل خستہ مغزوں کی طرح چکر کھاتے ہوئے اٹھتے ہیں اور پی سر چکر
الٹی تیری میں دیر کم کشتیوں کی طرح پھیلے جانے ہیں۔ سوش و حواس سرائے کے عجم میں کہیں غائب ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دل چرنے والے سر
بے شر کے سوا اور کچھ مگر س نہیں ہوتا۔

آہ اگر جب دیا اپنے کنا دل کی مدد کو تو دیکھ کر اپنے جوشِ سستی میں آواز ہو جاتا ہے۔ تب اس کی ہر ہر ایک بے معنی تلاش میں کوسوں
سُرخ پڑ جاتی ہیں۔ تراش کا دم ٹوٹ جاتا ہے بے رحم زمین قطرہ قطرہ کر کے اس کو چوس لیتی ہے۔ اس کا طوفان میں جو رہتا ہے پھر اس کی روانی
جاتی ہے اور آخر کار اس کا پانی سوک جاتا ہے پھر داں مروجہ رنگے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ہر جگہ کہ نہیں رہتا قریباں ہر جگہ ہے اور ایک ٹران
ما، ایک بھیاں لگ دھشت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

جست کی دردناک سے جب کاروں میں ایک بے قرار کی ایک مدد کی کیفیت پیدا دیتی ہے جب سراپی جان سے چڑا کر کہے جہان اور
 بے تابانہ ایک دوسرے سے سرخڑاتے ہیں۔ جب برہا کی جان نازک اپنی باہر سے بڑھ کر پیچ، مٹتی ہے اور اس کے تار (ٹ) جہان میں بے شکل، نکلے
 فائر کر دیتی ہے پھر وہ برہا برہا نہیں رہتا بلکہ فائر ایک عام میں ڈور (تار) مٹ کر جاتا ہے۔ یہ ہے عشق کی نامرادی۔"

(محرم، نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء)

آسمان

مجھے یاد ہے کہ بچپن سے زمانے میں میں اپنے کو آسمان سے لڑا کرتا تھا۔ آسمان کا رنگ دیکھ کر آسمان کا وسعت، فلک کا انداز میں صحت آسمان کو یوں
 ان کی طرح دکھاتا تھا۔ آسمان کی جندی سے ماؤں کی نظرت انسان کو اس کی عظمت کا احساس صحت اسی طرح ہو سکتا تھا کہ میں اس جندی کو گہرائی بنا کر دیکھتا تھا
 جب میں آئیے کو یوں ہی آسمان سے ملنے اپنی فکر کو آسمان فلک میں پھیلنے سے اپنے کی کوشش کرتا تو ہر ایک قدم ایک صوبہ آباد کے گنبد سے پر جتا اور ہر ایک
 سرسبز گنبد کے غزالی کی گوند سے ملتا تھا اور ہر سلامتی کی یوں وہیں پہنچا کر میرا دل دھڑک رہا جاتا تھا میری آنکھیں بند ہو جاتی تھیں۔ عقل سے ہم آہنگی نے
 اس قریب ولسم کو گہرا کیا۔ اب میں آسمان کی صحت دکھا ہی چکا کہ وہ بھی سکتا ہے۔ اب اس کی حقیقت کے متعلق ہر ذہن سرسبز نہیں کر سکتا ہوں۔ اب میں اس کو کوئی
 دفعہ اپنے آپ سے لاشعور بھی سمجھتا ہوں تو اس کی سچی ہی نہیں۔

گو ایک رات ایسی بھی آئی ہے جب ایسے نام بے معنی بے نیت سے نا آشنا کر دیتی ہے دل ایک خاموش اندھے نوا غصہ بیداری بن کر
 آنکھوں میں بھرتا ہے۔ کسی نہا آہستہ غم، بکیر کی سرلی تان رات کی گہری تاریکی میں سے محبت کو مجھ تک ایک رقیق سی بے قراری اور ایک غنیمت سی روش
 ہر گز سچی سے درختوں میں بھاگی سرسبز ثقت کے عالی شکوہ گنبد میں کسی سانچے سے لاکھ پڑا سدا گنبد معلوم ہوتی ہے گویا غنیمت کی تو سرسبز یا اہم
 کی سرگرمی جو ایک غنیمت شان کا ثبات کے خاموش اندھیرے اور تاریک، اندھ کے دانے بکیر غنیمت کر دیتی ہے۔ سدا میں ایک اجڑی روشنی غنیمت نظر آتی ہے۔
 کالے آسمان کی سبب سیاہی ایک لازوال اور بکیر غنیمت کی طرح دنیا و دنیا پر چھائی ہوئی ہے اور سدا میں غیر محدود جندی پرانگ کے تقارن کی طرح صحت
 و زندگی معلوم ہوتے ہیں۔ اس وقت میں اس دور و زمانہ اور پر بیت عظمت کے نیچے ایک وہ حق اور ایک روح ہے ایر کی طرح گم ہو جاتا ہوں۔ مجھے اس
 محسوس ہوتا ہے کہ ہر ایک سدا رات کا ایک خاموش، دھبے بھرا آئینہ ہے۔ جو صبح کے دن رات میں کسی بھول کی جیوں پر سورج کی کرنوں میں سکڑا ہوا گہرا
 آسمان ایک بیکار غنیمت کی طرح ہر ایک صحت کا دی دکھائی دیتا ہے اور میں اپنے آپ کو اس میں گھریا ہوا پاتا ہوں جب کوئی لڑکا ہوا ایک وہ ایک دور سے
 کے ساتھ آسمان کی دست و پانچ پر ایک افق سے لے کر دوسرے افق تک ایک طویل خط آتش کھینچتا تھا تاریکی میں کہیں نہا ہوا گہرا ہے تو میں آسانی زور
 سے غور نہ ہر گز اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہوں

اس وقت میں قدرت سے رحم کا طلب کار تھا ہوں۔ اس وقت میں اپنی تمام زندگی میں سے انہوں کے سوا اور کوئی چیز آسمان کے
 صحنہ میں پیش نہیں کر سکتا۔ میرے ہونٹوں پر ایک ہر سکت ہوتی ہے اور میری روح ایک حیرت پر کن کر رہا جاتا ہے اس وقت میں آسمان کی سیاہ
 وسعت و رحمت کو دیکھ کر بھول جاتا ہوں کہ کدالہ اید میں کیا فرق ہے ؟
 (مغزین۔ جنوری ۲۰۱۱ء)

ایک رات

بنت کے بارہ بجے والے ہیں۔ آدھ گھنٹہ ہوا میں غماص سے غارغ ہو چکا ہوں۔ اور درگاہ کو بھی میں مکمل خاموشی اور سکون ہے۔ کچھ بجے
 دروازے میں سے باہر کا ایک منظر دکھائی دے رہا ہے جس پر اس قدر سکوت طاری ہے کہ کبھی کبھی ہوا کا ایک جھونکا میرے چہرے پر دھرتے ایک لمبے
 سی ٹپکی پیدا کر دیتا ہے۔ آدھ گھنٹہ ہوا میں کبھی دروازے کا ایک ٹپکا نہیں آتا۔ آدھ گھنٹہ ہوا میں کبھی دروازے کا ایک ٹپکا نہیں آتا۔ آدھ گھنٹہ ہوا میں کبھی دروازے کا ایک ٹپکا نہیں آتا۔
 جب یہ آواز ایک لمحے کے لیے نہ پہنچے تو اس چپ چاپ میں دشت کی سی سرسبز مٹی کی ٹپکے ملتی ہے۔ ان میرا دل ایک لمحے کے لیے زلزلہ
 سے دھڑکنے لگتا ہے۔ سکوت کی بجائے ان آوازوں سے اپنے دل کو جلتا ہوں تو پھر خاموشی اور روشنی اور گہری کی بجائے ایک اور بھی گہرا جی
 ہے۔ میرا دل بھی ہوئی تصویروں کا سکون اور ان کی بجائے جس حرکت و رقص کو دیکھ کر کسی قبرستان پر بھی ایک منظر تصور میں آکر ڈالتا ہے۔ این معلوم ہوتا
 ہے جیسے کہ اس کی تمام چیزیں اس وقت سو رہی ہیں اور میں اس وقت سگریٹ پینا چاہتا ہوں لیکن میں اس آواز سے خوف کھاتا ہوں جو دیا سنانی
 جلتے وقت اس سنان کے کھینٹ فخر کو اپنی درشتی سے پریشان کر دے گی۔ اس بل کاتی ہوئی جوش کی بجائے ایک دھارے کے جھلکے جو سکتے
 ہوئے سگریٹ سے ایک نازک اور پراسرار ناس کی طرح نکل کر میرے سامنے کہیں تاریکی میں گائب ہو جاتی گی میں دروازے میں سے چمن کی کالی کالی جھلکیاں
 کو کچھ دیر دیکھتا رہتا ہوں۔ آدھ گھنٹہ ہوا میں کبھی دروازے کا ایک ٹپکا نہیں آتا۔ آدھ گھنٹہ ہوا میں کبھی دروازے کا ایک ٹپکا نہیں آتا۔ آدھ گھنٹہ ہوا میں کبھی دروازے کا ایک ٹپکا نہیں آتا۔
 لمپ کی روشنی مدہم ہوتی جا رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آہستہ سے اٹھ کر دے پاؤں دروازے تک جا کر اسے اپنے سے بند کر دوں۔ لیکن میں ڈاؤنی کالی
 مات سے ڈرتا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ میں میرے حواس کی ہوشربائی کے لیے وہ قسم سے سحر موکنا کی تدبیر کے ساتھ ذل جانیں اور میں اس سکوت
 کے سمندر میں آہستہ سے ڈوب کر غائب رہ جاؤں۔ مجھے صحت لیے لیے بچھے ہوئے گئے سیاہ فہرں والے دل دکھائی دے رہے ہیں اس حسین کے
 جس نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا جو۔ ان کی ڈراؤنی سیاہی میری آنکھوں میں چا رہی ہے جن میری آنکھوں سے اوجھل ہے اور خیال میں ایک
 کائناتی ہونی امید کی طرح ڈرڈر کر جھجک رہا ہے۔ ہمارے کمرے سے جھونکنے میں ملن میں ٹون کی سی ٹھڈیک پیدا کر دیتے ہیں۔ کبھی کبھی میرے لمبے کے
 لیے بل کر میری آنکھوں کے سامنے کھلتے ہیں تو مجھ پر ایک تھر تھرائے والا ڈرکاری ہو جاتا ہے۔ ان کے دیکھ کر بہت زدم ہو جاتی ہیں۔ اہم تھا ان کو
 شائے ہستے کا پتہ ہے۔ فرش پر میرا یاہ گبل اس سکون سے پڑا ہے گیا رات نے اس پر اپنی لمبی لمبی انگلیاں پھیر کر ہمارے ایک جھونکنے کے ساتھ اپنے
 سے اپنی خاموشی کا دھیاس طمس پھونک دیا ہے میں اس کو ہاتھ کھٹکتے ہوئے سمجھتا ہوں گویا پراسرار چپ چپ دینا کا کوئی کیمیاںک سامنے لکھت
 ہے اپنی دشت دکھائے گا۔ اہم میں بہت ناک پیچ ہانسنے کی کوشش کر دوں گا۔ جو میرے منہ سے نہ نکلے گی۔ میرا گمان ان تصورات سے خشک ہو رہا ہے۔

میں اپنے سر کے ہونٹوں پر زبان پھرتا ہوں۔ لیکن وہ خشک مہجٹے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میں کسی چیز کو دیکھوں اور رات کی خاموشی وہ میرے سکون میں کوئی اضطراب پیدا مہجٹے لیکن میں اپنے آپ کو کسی جادو میں جکڑے ہوئے پانا ہوں۔ جو میری آنکھوں کو ذرا سے کھولے ہوئے ہے۔ جو میرے سینے کو دبا رہا ہے اور جگے سانس نہیں لینے دیتا۔ گھڑی کی سوئیاں جن پر میں نے کوئی حرکت نہیں رکھی اب کسی ادھ جگہ میں رات کے ساتھ ساتھ وہ بھی چپ چاپ آہستہ آہستہ سانس کی طرح آگے ہوتی۔ سی پی۔ کیا کرے کی دیواریں بھی اسی طرح قریب ہوتی جا رہی ہیں۔ کیا کائنات چاروں طرف سے آہستہ آہستہ آگے کر رہا ہے جیسے پچھلے میری طرف آرہی ہے۔ اور کیا خاموشی اور تاریکی کے علاوہ کچھ اس تنہا بھیاں تک مرت کے لیے یہاں باندھ رکھا ہے۔

باہر سڑک پر ایک ٹانگا گزر رہا ہے۔ یہ گھٹسک کی ٹاپوں کی آواز ہے۔ یہ سپیروں کی۔ مدد آدمی آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ شاید تھیسٹر سے واپس آئے ہیں گھر آگے تھیسٹر میں فدا جانے کو ناکھیل تھا۔ سڑک میں نے سماں رکھے ہیں؟ دیا سلائی کی ڈبیا تو اس جیب میں ہے۔ میں اب سڑک پی رہا ہوں۔ اور رات اب میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ سوائے اس کے کہ میں اب سو جادو اور صبح پھر اٹھوں۔

(نیز گنجیال)

ایک غیر مطبوعہ کتاب کا دیباچہ

یہ کتاب سطور معائنہ کا مجموعہ ہے جو ۱۹۶۱ء کی ۲۱ اپریل پاکستانی دبیر شرمکینی، لاہور میں ہیر کے خیالات و مشاہدات کے آئینہ دار میں ہر سچے سمجھنے والے کو چھوڑ کر باقی معنوں کی ترتیب بلحاظ اہمیت درجہ حفاظت میں معلوم کیا لغویں سرزور میں پاکستانی معائنہ چند ایک ادبی و غیر معنوں ہم تراخی سے ترجمہ کئے گئے ہیں۔ شرمکینی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ یہ کام انہوں نے غرض اسلوبی سے انجام دیا۔

مجھے کا خیال ایلڈو آر۔ مرڈو (EDWARD R. MURROW) کی ایک تائید پس آئی ہے۔ *THIS I BELIEVE* سے یہ "جوا" در صاحب مرحوم ریڈیو ایلڈیو ڈیٹن کے مشاہیر میں سے ہیں کو لیا براؤٹنگ سسٹم کے دائیں پرڈیٹن میں حالت و مددہ مصروف کاری اور بین الاقوامی معاملات کے بارے میں ان کا تجربہ سمجھا جاتا ہے اور انہیں سائنس سے بھی ان کو بہت دلچسپی ہے۔ ان کے لوگ ان کے ترتیب دستہ پر ڈراما، نغمہ، سسٹم اور دیکھتے ہیں اور ان سے اتنے پر محنت ہیں۔

مرڈو صاحب سے بے حد متاثر ہوں کہ کبھی جنگ عظیم میں اہل اعلیٰ نے بہت تابت قوی دکھائی اور باوجود بے ہوشی کے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور یہی نہیں کہ تیغ و تلک کے جوہر دکھائے بلکہ اپنے قدیم اصولوں اور مذہبوں کی پابندی میں بھی کبیر غم نہیں کھایا۔ چنانچہ جب من عدل و انصاف و جودیت کے کاموں میں ان کے امتحان کی فہمت آئی ہر آخر نے بلا۔ جو کچھ پچھے قدیم اصولوں کی پیروی کی۔ اور دستہ و خطرہ کے لئے میں بھی جب کہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی مانت میں بہت میں میج نہ نکالی جائے اپنی روایات کو پس پشت ڈالا۔ اس سے مرڈو صاحب نے یہ بوجھ نکالا کہ کسی قوم کا عمل اور اصل اس کے عین عقائد پر ہی ہوتا ہے۔ اور وہی کسی بحران کے زمانے میں برزے کا راستہ ہیں۔ یہاں سے انہیں تاسی ہوئی کہ مرڈو کے عقائد کیا ہیں؟ اور اس غرض کے لئے انہوں نے بڑے بڑے لوگوں کی طرف رجوع کیا اور ان سے کہا کہ آپ اپنے عقائد اور خیالات کا مختصر سا خاکہ کچھ لکھ دیجئے۔ اس کے جواب میں جو معائنہ وصول ہوئے انہیں پہلے ایک اور پھر ایک دوسری کتاب میں شائع کیا۔ دونوں کتابیں غور سے پڑھی گئیں چند معائنہ ان میں سے اس کتاب میں بھی شامل ہیں اور امید ہے دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

مکتبہ فرینکلن نے ایسا ہی سوال میری وساطت سے پاکستان کے مشاہیر کے سامنے پیش کیا۔ جن مہربانوں نے اس کے جواب میں مضمون عطا فرمایا میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

پاکستانی اور امریکنی معائنہ یکجا شائع ہوں تو ان کا مقابلہ کرنے کو چاہتا ہے۔ دونوں ملکوں کا آپس میں جو تفاوت ہے وہ ظاہر ہے ایک، میرنگ، ایک، غریب ملک۔ ایک آزادی کا عادی، دوسرے کا تعارف آزادی سے باطل ہی گیا۔ ایک دبیر سمجھ کا ملک، دوسرا ملک

چمپا اور موسیٰ کے رافنائے

ویباچھ

مہا نند (جیدھال) سالک و بندہ کی کے اختراق بہت کچھ ہی میں بند ہیں اور مقرر فرماں میں کی سورتا ہی سے مہر دم۔ لیکن چہرہ نہوت کے جہاں اس کی قطعہ اڑی کے مہنن احسان میں وہ بیٹہ چشم تیا کی تیل بنے رہی گئے۔

یہ انتخاب بہت محبت سے مرتب کیا گیا ہے۔ کہ جب تک زندان کی چار دیواری سالک کی اہل نظر سے پوشیدہ رکھے۔ سالک کے شدید دل کی کے مذہب دل کی مہیا پاشی سے محرم نہ رہیں۔ اگر وہ "مہنام" "من می کا شیا" "عزت نشین مہشر" "ابن طوت" اس وقت حاست و بندہ سہاڑا دھوتا۔ توفیق نہیں کہ وہ اپنی "من می" کے نقاب کو لیں چاک چاک دیکھیں اگر سکتا۔ کیونکہ اس کی نقادانہ نظر وہ سگاہ انتخاب لگی ہی اور نکتہ میں ثابت ہوتی۔ ایک وقت اور مدت ایک وقت۔ جب وہ ایک پیش بہا تعینات کو کھول کر اپنے سامنے میز پر رکھ لیتا۔

وہ شخص جو ادب و عفت کے خیال سے روز روز مصروفیت کی سنگلاخ زمین اور سیاست کے گھاردار میں گامزن ہوا۔ جذبہ وفا کو ہمیشہ اپنے سینے میں لئے پھر اگلا درمل گشت میں یہی رنگ و باغیلا بادیر دشت میں آگے بھی اس کی آبلہ پاتی ہے اس سے اپنی ذات برسون لعل اندازہ رکھ رہے اور اس سے اہل بد و نیک اشک ریز و غمزہ ہیں۔

انسان نگاہ میں وفا کو ہمیشہ "عشق کی دہن" سمجھا رہا۔ اور مدت کے دل کو حواہ "غلبہ پارکسن" ہی کیوں نہ ہو اس کا محفل عروسی "اس کی چمپائے اپنے سامی کے قدموں میں جان دی۔ اس کی خدائی دفا صدارت کو پامال کر گئی۔" "بیولا" کی آہ و مار کی لے دیا، اس کے دل سے "اے" اور "موسمی" کے عشق کا شعلہ اب تک مات کی بہت اور تاریکی میں سہار کی برقیانی چوٹیوں پر روشنی نظر آتا ہے۔

ہمارے شعر و سخن کے کٹینے میں عشق کو اپنا چہرہ اکثر دلوانوں کا سا نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ عشق جنوں کو پنا ایک دوسرا نام سمجھتا ہے۔ سنا بہا دیا چکا ہندی "میں عکس اور عکس کس۔ اسم اللہ سنی دونوں سامنے کھڑے ہیں۔ اور ہر نظر غریب نظارہ ہمارے پیش نکا ہے وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہاتھ پر تیری چڑھائے "ایک نفاذانہ اور تربانہ انداز میں کھڑے ہو کر اس پر تبصرہ کو ہیں۔ ہم صرف یہی کر سکتے ہیں کہ اپنی آنکھیں بند کریں۔ اپنے حس کو محنت کی جی گرم کریں اور کتاب کا اپنے بے جان ہاتھ سے گزرتے ہیں۔

سالک کی فکر رسالوں میں مزد کوئی نہ کوئی تار دیا پھیر جاتی ہے۔ جو نفع کے گھاؤں جو جہلنے کے بعد بھی تھر تھرتا رہتا ہے۔ اور بار بار اس نے یہ محسوس کیا ہے کہ ایسے تاریکی ہیں جن کو مضر اب نے نہیں چھو۔ پھر بھی ہم آہنگ ہیں اور کاتب سہم ہیں۔ "بیولا" ایک چھوٹا سا لانا ہے لیکن "بیولا" کو جیسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ سالک نے مجھ سے کہی نہیں کہا۔ لیکن مجھ میں دفا شعار ہر روز شیزہ اس عصمت و عفت کی دیوی کے ہاتھ

پر تک ایسا نظر آتا ہے۔ رشتہ کی کشش، نیچے ہی دیکھتے نیچے آتے ہیں۔ غائب ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے چہرے پر عشق کی دلزدہ دشت اب تک نہیں رہی ہے۔

ساکت کو تہلے جذبات کا بہت شوق ہے۔ تہذیب و تمدن کے دائرے کے اندر لاہور صحت کی خوشنما جھول میں اس نے جذبات کو پا کچوں دیکھا تھا۔ انہیں مسماہیاں پڑھیں۔ دل و دماغ اور سرگنہ کے جھنڈوں کے بیچ میں لے آرائی کی عریانی مستی اور پاکیزگی کو آواز چھڑ دیا۔ جہاں مرد و رتہ وادہ محبت و محبت ہوتی ہے جہاں کے طوفان صحت بلا غیر ہیں اور دوسرے صحت و خوشنما

لیکن سالک کا دل حیات کی نزاکتوں اور جذبات کی عکاسی سے نا آشنا نہیں۔ اس کے سینے میں بے شمار شے بکے ہیں۔ اور ہر شے کی محسوسات بھی۔ مگر غضب یہ ہے کہ وہ آفات و مصائب کو دیر انداز برداشت کرنے والا اور مرد و س شہرت کو اپنی عظمت کی گونج کی بجائے جان عیدہ جو اس کے قلم کے لیے سائنسی اہل ہے۔ یعنی اہل اس کی طبیعت کی نازکی کا بہترین نمونہ ہے۔ ایک سرگرمی ہے جو کبھی جذبہ ہنگ نہیں ہوتی۔

میں یہ کہہ دیتا کہ سالک بار ایک نقطہ سے دو عالم بیکہ ہے جس کے سر کاہم دیے ہیں۔ ہندوستان کے اکثر افسانہ پردازوں کے لیے بے نقرے کاہم ہے۔ اس کے علاوہ اس کی شہرت بھی اور شہرت بھی اور شہرت کو سمجھنے سے زیادہ دھڑکاؤ دیتی ہے لیکن بے اس کے بے سالک کی "چراغ" کھڑا کرنا پڑے گا اور وہ اس ادیب کو طرہ انداز شاعر شری مقال "اس آئینہ و ابرو" کے ذوق سخن کا ایک دوسرا پہلو ہے۔

میری یہ فرمایا تحریر کی سالک کی کافرا جسرانی کے ہر کاہم ہے۔ اس نے بن محسوس کرتا ہوں کہ حیات ابی کا دامن میرے ہاتھوں میں ہے۔ بے اس کی محبت و شہرت کی آگ بھڑکی یہ فہم حاصل نہ تھا کہ میرے اندر خلاء نے جس طرح صوفیوں کی اکثر سالک کے ہمراہ پر کیے تھے دیکھا ہے۔

آج وہ حیات میں ہے اور شاید اب بھی سکرا رہے ہیں۔ نیاز نہ آئیں۔ پھر اس سکراہٹ کو دیکھیں۔

نغمہ زار

ابوالاثر حفیظ جالندھری کی کتاب کا دیباچہ

ہمارے نثر پرورش کرنے والے غنائی ایک ساحر پیدائش سے ہم کے شاعروں اور ہندوستان کے ادبی حلقوں کو سہجہ کہ ہے جس کے قلم کی ایک بے پرواہی سے ہر قسم کی مدح کا پُریدار ہو جاتی ہے۔ قدرت کی رعیناں، تصویریں بن کر انھوں کے سامنے آتی ہیں اور غالب ہو جاتی ہیں اور طاقت اور نزاکت شاعری کا جھلکا ہوا ہلیں میں کرکٹس کرنے لگ جاتی ہیں۔

سائنس، ٹیٹ، گمشدہ گمشاؤں میں گھسیتی ہوئی بجلی، نوروں کی جھنکار، سپیوں کی پکار، زبردستی کی ٹھنڈی ہوا، جیسے ہلنے پہلے، انھوں میں گھسے دیہ، بد مزاج کے آنسو، دل کو اٹھاؤ کی دھڑکن، یہ ایک دست کینٹ ہو کر وہ دیکھتے ہیں میں حنیف گانا پڑتا ہے، جب اس کا دل بھراؤں ہے تو وہ آنسو بہا دیتا ہے، جب اس کے دل میں ایک ہوک اٹھتی ہے تو وہ اپنے سروں میں لاپتا ہے اور سننے والوں کا بچوس دیتا ہے۔

یہ اس کے کام کا محور ہے۔ چند دہائیوں میں خشک طبیعتوں کو جا بجا اس میں فن کے نقابیں، دیکھنے والے عیاں نظر آئیں گی، اہل ذوق دیکھیں گے اور جانیں گے کہ ایک دادرہ عاشق مزاج مشت کے آواز، سمندر میں خود بھی کس طرح ڈھنگا ہے، وہ دوسروں کے دل میں کس طرح ہلکا ہے حنیف ایک ایسا شاعر ہے جس کے قدم پاؤں سے ابراہیم جاپڑتے ہیں۔ لیکن یہ ایک ماہ گم کر دہ کی آواز بھی نہیں، ایک دست کی نغمہیں ہیں۔ گھسے میں جو، کیف میں سرش، جوتیا بھی ہے اور پانا بھی ہے۔ پیالے میں بھی بھر کر دیتا ہے، دیریں بھی لٹھا ہوا ہے۔ ایک آواز جو گانا ہے اور اٹھاؤ اس کی زبان پر ملے ہیں۔

ہمارے شاعر ہوں سے ترک شیرازی پرست ہیں۔ ایک ایسی شراب ہر سے بے خود ہوئے کا بہانہ کر رہے ہیں جو خود پرستے ہیں نہ اداوں کو پلا سکتے ہیں۔ شاعری ایک فریب ہے لیکن اس قطع کا کیا نام ہے جو کسی کو دھوکہ دے سکے؟

حنیف کی نثر ہندوستان کی دہلیں پر ہے اوروہ اس جھلک پر فٹا ہے جو باریک آئین میں سے دکھائی دیتی ہے لیکن وہ ترک شیرازی کی لٹھی سے باطل آواز نہیں ہوا اس کو گھسیوں سے گھسی گھسی دیکھ سیتا ہے۔ یہ بے وفائی آخر کب تک؟ عاشق کو نظر باز؟

پیرس

۱۹۷۵ء

جھوٹے

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی کتاب کا دیباچہ

ایسی ہی سچی کتاب یہ جو چھوٹے بچوں کے لئے لکھی گئی ہے ویسا بڑے کا وجود پڑھنے والے بچوں کے ساتھ قدرت نے والدین کی اور اس کے استاد کی پر بھی رکھا ہے صوفی تبسم کو مصنف کتاب ہونے کے علاوہ والدین ہیں جس میں والد استاد ہیں، یہ گوارا ہوا کہ بچوں کو تو سبلا جائے اور والدین استاد ہیں کی پروا نہ کی جائے۔ اس لئے قریب پانچ سو بچوں کو خطیں سنیں اور میں والدین وغیرہ کو باتوں میں لگائے رکھوں۔

بچوں کا بہانہ اسل ہے۔ بڑوں کا پہلنا سہل نہیں۔ بچوں نے قریب پڑھا کہ "بچوں سچوں چاہا، گھر ہی پہ چڑھا، یاد دوش ہونے پر بڑے کہیں گے سچوں سرنے تو کسی منت میں دیکھا نہیں۔ اور اگر چاہتے ہو، درجہ پہ تو بڑے تائید کر کے کی زبان نہیں۔ وہ جو گھڑی پہ چڑھا تو آٹھویں، ہوا بہراں اس تک بدی کا نتیجہ کیا؟ اس سے بچوں کو کون سا سبق حاصل ہوا؟

یہ سب سوال نہایت ہی دیر دانا سوال ہیں۔ بالفاظ دیگر ان لوگوں کے سوال ہیں۔ بڑا بچہ بھولنے میں۔ جو یہ سب سے بڑے ہیں کہ بچہ بڑا سے ان کا بچہ نہیں ہوتا۔ اس غائب اب نہ دہرائی جائیں گی۔ بلکہ نہ کی علامت یہ بات ہے وہ بچوں کو چاہئے

خدا کا شکر ہے، صوفی تبسم کو ایک ایسی دانائی عطا ہوئی ہے کہ ادا کی لذت سے ابھی محروم نہیں ہونے۔ وہ جانتے ہیں کہ بچوں کا ذہن وہ عجیب و غریب دنیا ہے جن میں پیریں پر ناگ ناپتے ہیں اور قیام برکاتی ہیں اور ڈراموں پر ہمیں علم نہیں آتا۔ اہلک اور لے کی وہ تمام لذتیں سما جاتی ہیں جو بڑے جو کہ ان سین کی کرامت سے بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ یہ وہ دنیا ہے جس میں گریاں اور جافور اور پر محبت اور انسان سب ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ایک دوسرے کے دو گھر ہیں۔ گویا سب مخلوق ایک ہی خدا کی مخلوق ہوتی ہے۔ بڑے ہو کر ذہن انسانی ہزار فلسفہ دانش کش اور خیال آفرین کے بعد بھی مشکل سے اس سطح پر پہنچتا ہے۔

اس لئے قابل رشک ہیں صوفی تبسم کو بلا حکت اس زمین دنیا میں چھپا رہے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ صوفی تبسم انجمنی فونی سنہ سنہ اور سنہ میں۔ اور فارسی غزل استادانہ کہتے ہیں اور جذبہ اور ادائی بازیوں کو خوب سمجھتے ہیں یہ مجرم عیان کی شاعری ہیں اور ادا دان ہے اور یوں اور رنلے میں انہوں نے بڑے بڑے استاد کا تہن کیسے لیکن یہ نہ سمجھے کہ اس دن وہ باطل ہی خالی اللہ ہوں کہ بچے ہیں اور جن میں کہے کہہ دیتے ہیں۔ فرمے چکے تو معلوم ہوا کہ یہ تمام تالیفیں اور دن اد اہلک اور عاقلی خراکتوں پر قادر ہونے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس لئے صوفی تبسم کی پختہ کاری اور طباطبائی کے شراہ اس میں جا بجا اس کو نظر آئیں گے۔ ایسے کام ادا جو سہل متعہ کا وہ ہے۔ جیسے سہل متعہ سہل ملتی ہو تہا اسی طرح سہل متعہ بھی سہل نہیں ہوتا۔ دکان کو صوفی تبسم کا بچہ ہوتا ہے انسان کے قدردان ہوتا ہے یہ کہنے کے قابل ہیں کہ وہ سہل متعہ عزت گذشتہ مزاج تو از حال علی ذلت۔ تہن

ایران میں حبشی

نیم۔ راسد کی منظموں کے دوسرے مجموعہ کی تمہید

راشد صاحب! یہ موجود جب چپ جائے گا تو آپ ایک نوجوئے منت حبیبین گئے۔ طے اس پر میرا نام بھی اپنے قلم سے لکھ دیں گے۔ ادیس فخر سے لوگوں کو دکھانا پھر رہا گا۔ اور اسے باوجود اپنا ہی محول سمجھوں گا۔ کہ میرا ایک شاگرد اردو کے دورِ حاضر کا بہت بڑا شاعر و محقق ادیب بھی ہوں گے۔ وہی پر کفر و عداوت آپ کی شاعری پر اپنا حق جھار رہا ہوں جنہیں گے بھی اور اسے صفت اللہ تعالیٰ سے کھرا کر معاف بھی کر دیں گے لیکن یہ تو آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا کہ قبل از وقت اس کتاب کے پرکھنے کے لئے آپ کو معلوم ہے کہ میں جنہیں کس شوق کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ اس کی غلام گردنوں میں اسٹائٹس اٹھانے پھر اہل کو دیکھ

کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے
ادمان کو بیچ میں لا کر دوزخ و آفات میں آپ سے کیسی مرے مرنے کی مجلس یوں لے کر کیلئے ٹرایا میں ہوتی ہیں۔ اور میرا اپنے آپ کی شاعری کو کھانے کھینے کے بدلنے سے اور اسے کتنی عشق بازی کی ہے۔ ان باتوں میں تو آپ کے نام ایک محنت بھی اس عاشقی میں کچھ ڈالوں اور آپ سے ملے جو محنت ہے اس کا عیب پوشش رنگین پر۔ اپنی بے سود نقاد پر ٹی ل ہوں تاکہ کوئی بات میرے پاس کھینے کے قابل نہ ہو اسے دیکھنے کے قابل مقرر نہ کریں۔
فطرتیں کے کرم مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تہا سے نام کے

راشد صاحب! وہ دن آپ کو یاد ہے جب آپ کی تنقید گفتات "شاعری ہوتی" تھی اور میں آپ کے گھر پر قلم و جرسنگو میں دلہا نہ آپ کو مبارک باد دینے آیا تھا۔ ان دنوں بھی جدید شعراء پر جس مجلس برابر ہو رہی تھی۔ اور ان کی تہ نہ آزادی اور عرصہ کی بے ماہ روی پر ہمتیاں کسی جاتی تھیں لیکن آج یہ کیفیت ہر لوگ پانی و شمع کی شاعری سے اکتاتے جا رہے ہیں۔ جسے کہ خزاں بھی جب تک نے شباب نئی نظر اور اسے اسلوب کی حامل نہ ہو جرم میں تو تیر نہیں پانی۔

اس انقلاب میں کئی قوتوں کا ہاتھ ہے جسے مدد اپنے مقام پر بیان کرے گا لیکن جن لوگوں کو آپ کے ہم عصر ہونے کا فخر حاصل ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ جدید کے اکثر شعراء کے آپ اور فیض اور آپ ہی جیسے محدود سے چند باقیوں سے حمایت پائی ہے وہ نہ معلوم ہماری شاعری کی کشتی اور کشتی و سر و فعل میں کبھی رہتی۔ مگر آپ کے اپنے دیباچے میں دکھائے آپ لوگوں کی تربیت میں نئے نئے علوم کو داخل تھا جس سے متقدمین بدلے ہوئے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ دور جدید کے ادبی اور معاشرتی طوائف اور زلازلوں کی بدولت آپ کو ایک نئی پیش دیکھ ہوئی۔ اور آپ لوگوں نے وہ افق دیکھے۔

جماس سے تین نظموں سے اوجھل تھے ماضی میں تھا کہ آپ کی شاعری ایک نیا انداز تھا اور نئی زبان ملنے لگا تھا (بقول آپ کے نئی حیثیت) اپنے ساتھ نہ لاتی تھیں آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی فیض کتبہ فریقہ تارود کی بہت بڑی جگہ اسٹور کے احاطہ میں تھی تو کچھ ایسا شہسہ کہ ان کے بعض مقتدین کچھ زیادہ سی پی لگے یہ جاہلیت جو جادویش میں بھی ہے لیکن فیض کی کمی و بیشی کے مسئلہ میں طوائف جاتی ہیں ہر چہ اگر ہر پھول میں لہر نہیں آتی تو ماسی کے منجھے میں آپ کا چمکا اور ان شاعر کو بہت جلد پکارتے۔ اس سے ثابت نہیں ہوگا کہ وہ کسی شاعر کے منجھے میں بھی جلتے۔ رستم کا سا بدیہی مقرر تھا اس سے تو قصہ یہ واضح کرنا تھا کہ آپ سے بے شمار چراغ پرہے کو ان کے ادب کے تعریف نگار کے اہل کیا علاقہ تھا۔

بیان میں اپنی لامتناہی یک دل چپ کر رہے ہیں۔ کپ فوری سنا ہوئے۔ اس عنوان کے تحت میں جو تیرہ تفسیر کے لیے کیا جا کر دئے ہیں ان سے اس جذبے اور اعلیٰ نہیں تھا۔ جسے عزیز محنتوں نے ایک مطلع میں یوں بیان کیا ہے ۔

دیگر کہ ہر دو دیوار کا چپا ہوتا

وہ میرے لیے ہیں، وہ غنی زناں ہیں

در اعلیٰ ایمان ہوتا ہے، ہر چہ کہ ایمان آپ کا جغرافیائی وطن نہیں، اور تہسپران اور مابعد لائق و مضبوط ہے تاہم جس ذہنی اور عباداتی دنیا میں آپ کی شوق
بہا لگاتے ہیں وہ ایمان سے دور نہیں بلکہ وہ تہذیبستان سے دور تو ہوگی، سحری اور حافظہ اور خاتمِ ابدی اور نظری کی دنیا میں یہ بھی کیوں کر
ہوتے؟ ایمان آپ کو اسے شمس اور کارمائی وطن ہے، ہندوستان میں جو پر دیوں کی کسی عکاسی نہیں پر چھائی رہتی ہے وہ سے ایمان اور عربستان
کی ذہنی یا جسمانی مساحت سے جدا کرتے تھے۔ آپ کے قصبات اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کو ایران میں بیانی کا نہیں بلکہ ایک نئی عینیت کا احساس ہوا
میں دوسرے ان میں آپ ایمان سے دور وہ بھی کب سے میں کو میں اپنی نظر آتا ہوں، جس میں ہوں نہیں ہے۔

بس ایک ہی مشہرت کا جاں ہے کہ جس میں

ہم ایٹائی اسیر ہو کر زاپ رہے ہیں

اردو میں زبان بھی آپس کے مضافی سمجائی کی زبان ہے اجنبی کی نہیں۔۔۔

خدا کے برتر

یہ مادیوش بزرگ کی سرزمین

یہ نوشیر جان عادل کی داد کا ہیں

تصرف و حکمت و ادب کے نگار خانے

آپ کے قلم نے آپ کے لئے ایران میں امنی انقلاب کیا لیکن آپ لاوی پلازہ پر کارکی کہہ رہے ہیں ایک جی ہول اور نجان محمد

سے ملنے آیا ہوں۔

یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ جب آپ انگریز کی دہائی میں کراچی میں پہنچے تو اہل سلعہ کو اس طرح آپ کا نام پہنچا اور سنی کی یادوں نے آپ کے دل پر کچھ ایسی رنگ دی کہ آپ ہندوستان اور عزیز وطن کو بھول گئے اور آپ کے سامعہ میں بھی ایسی ہی روح پیدا ہوئی۔ بعد اس میں غلامیہ میں سے کرم کی کوئی جہتی آگیا تھا۔ اس میں ایک نئی کنگ پیدا ہوئی اور فرسکے پتہ پھرے ہوئے تھے۔ لے نیک نے ان کے آپ کو بھولایا۔

ایشیائین کو آپ نے دیکھا کہ —

تیرے سرسراؤں کی اک ٹاڈ کا دل میں
اور پتی، جس کی ماہوں پر تیرا گیسے جا رہے ہیں
تو آپ بخت پر نہ کرے گا کہسے —

بے دیکھے درخشندہ شہسروں کی
دینے مہینوں کو معبود کرنا
ہر اک برج و بارو پر ایسے عجیبان پڑھا دو
گھوڑوں میں ہم اسکے سوا
سب صداؤں کی شمعیں بجھا دو!
کر باہر فیصلوں کے نیچے
کئی دن سے دہزن ہیں طیر نکلن

یہ چرنا دینے والے اشار آپ کے مجھ میں کتنے گہرے ہیں۔ اسے ان وطنی شاعر کی جیسے ہیں، ادنیٰ شاعر بھی، اہلانی بھی ۱۰ اور
اشتراکی بھی لیکن جہاں تک میری نگاہ پہنچتی ہے، ایشیائی شاعر آپ کے سر کوئی نظر نہیں آتا۔
کیا یہ احساس ایک قسم کا سیاسی احساس ہے؟ کیا یہ کہنا کافی ہے کہ اس درد میں راستہ سیاست کا رخ کیا؟ کیا آپ کی اس روش کی
نظریں سیاسی کہلائیں گی؟ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں تو ابلیکت کے سما کسی کو پسند نہ آئے گا۔ آپ کا شمار سیاسی شاعروں میں کرنا کو ردی معلوم ہوتا ہے
کسی نازک مزاج کی لباس سے تشبیہ پر گزرد ہوگی کیوں کہ اکثر مقام ایسے ہیں جہاں ہر چند کہ آپ سیاست کے ردیان پکھڑے دکھائی دیتے ہیں، لیکن آپ کی نظر
ادھ بندیوں پر پڑ رہی ہے، ادھ روش کی بجائے گہرائیاں آپ کو ایسی نظر آتی ہیں۔ جو ضمنی سیاست کی تہ سے غائب تھیں۔ مثال کے طور پر یہ کیا کرے؟ کیسے بھر
بظاہر میرانی سیاست کے ایک درد کا ارتعاش ہے۔ شروع شروع میں تو اس نظم کا شروع واضح ادھ معلوم ہوتا ہے لیکن بار بار بارہ نظر کی حالت پر جھتی جاتی ہے
بات آخرت ادھ سے شروع ہوتی، کتنی لیکن ذیل کے شمار ایسی خود بینی کا ایسی جو اپنی سنہا چنے ساتھ لاتی ہے، ادھ میں کی گزرت جنوں کی کسی گرفت

— ۴ —

مگر وہ تیری حد سے گندی ہوئی راز داری
میں نے تجھے

اپنے انکار کے قید خانے میں

مقصود سا کر دیا تھا

وہ زندان جہاں غم پر کر دکھائی

نقد اپنا چہرہ دکھائی تیرے تجھ کو

جہاں ہر قید سے کوئی

سچے الہام کے شہید گردیں دیکھتا ہے

جہاں ایک چھوٹا سا وطن جمی بیابان تھا
 جس میں موت کے انکار کی اک کرن کا لہجہ ہو
 اسی کا تصور کہ اب وہ

کہنے لہا بق بق بق
 رنے دے کس بق بق
 دے بق بق بق

اس نظم کو سیاسی کہہ لے گا اور دنیا میں کل مذاق ہے یہ تو ایک مرثیہ ہے جو اپنے خدادید سوں پر لکھا ہے جو خود ہی اپنے زمانہ کی جڑ سے
 ہیں۔ بس چوں کا نقشہ جو تہاں عفت کی تہاں ہے۔

آپ کے نیاز مند ہیں یہی اس بات سے بے خبر نہ تھے اور اب آپ کی مجلس نے دوبارہ اس کی نصیحت کی۔ آپ کا مزاج شاعری بہت متعلک تیرکت و سنت سے رنگ چڑھتا ہے۔ یہ کہ لاف کا پرمول کچھ دوسری کو جذبات پر گرفتہ کا وجہ بات کی یہ قریض محض سرت ہے اس پر بہت بوجھ لانا نہ چاہئے۔ پسے شوکت کیلئے ان استاد کو کھیرا کر جو طغیہ زبان کے ماہر تھے۔ ادھر میں اس سے مزید بھی کر سکتے۔ دیکھا محض کہ سبب اوقات اس کی شاعری کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ ہمارے میٹر شعرا خصوصاً پنجاب کے اردو شعرا کے ان سلیکٹن مضمون کا سامنے ہیں۔ ادھر لکھتے نہیں جیسے ہیں اداس مقصد کے لئے کڑا پنے نعت کو بیان اور اس کا تہہ دستار پنا دیتے ہیں۔ بڑوں بات بھی ہر قسم سے سرنگم۔ کلمہ کہ کسی میں کہ در فرسدا کر لیتے ہیں۔ سالہا سال میں شعر مجرم مجرم کے پڑتا باب

یہی فیروز جو کھڑا تھا تو کہتے تھے اے لڑکی صبا

تراول تو ہے مگر ٹاٹا تجھے کیا لے گا عاری

مژدہ منہ نامہ کاس میں بخیر و امان کہاں ہے۔ زور زلفہ احساس مہاکر مجھ جتنا بھی تقاس سے منت کا غنہ کہیں بڑھ کر کہا اتفاقا ہے دل کش بھی کہ
سچی ملک نہیں پہنچنے دیتے ہمارے جدید شعراء اس بارے میں اگر تقاضات پڑھیں۔ منت میں کوئی جبریت دکھاتے بھی ہیں تو بس اتنی کہ وہ یہ ایران سے
ہندوستان کا غنہ بطور سوغات کے لے آئے ہیں یا ان کے سلسلے کے ناسی اتفاقاً کوئی ترکیب سے شغریں جڑوئیت ہیں۔ اتفاقاً کے بارے میں وہ بھی ملک منت پاتا
کے قاضی ہیں کہ جو شہرہ ہمارا۔ کبھی برص کی باریک نہیں کر سکتا اور جس غنہ کی قسمت میں نثر کی خدمت ملے ہے اس کی رسانی آسان و غریب بھی نہ ہوگی کسی
سے ہماری شاعری پر کئی ماحولیں مدد دے گی بھی جیسے محوئے ملا کوئی نظر نہیں آتا۔ نہ معلوم قدس اور عرفی کتب تک ہماری شاعری کو پہنچانے سے پہلے
پورے کی اور وہ دن کب آئے گا جب ہمارے شعراء اپنی زبان کو نوادیں گے۔ اہتمام پاکستان کے بعد کہ وہ ملک میں کی ہماری زبان اور ہمارے لوگ پاکستان میں
میں توانیت میں ہیں۔ اور اگر سب متان میں ہیں تو ان سے دشت و فٹ چلو۔ نہ معلوم ہماری اپنی زبان آگے کیا شکل اختیار کرے گی۔ خبر میں ایک آپ کی کو کلمہ
ایک لہجہ کاس مام میں ہم سبھی ننگے ہیں۔ قیمت بلو شکہ کہ آپ پڑھنے والوں کو مصنف کو جس طرح ملتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ امتدادی بھی کہتے ہیں۔ دہلی بھی فن
کرگما بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ کچھ آپ کے اداریوں میں اور "دلاک" اور "بیس مہدی" اور "مہین" اور "کود ماوی" اور "سب گوارا" ہیں۔ جہ میں آپ کی قوت
کی داد دیتا ہوں کہ آپ کے ہرے کو لانی اتفاقاً کو بھی ایسا ملے کہ کر لے کہ غنہ زاد معلوم ہوتے ہیں آپ سب بھی بخیر و امان چلے جاتے ہیں اور ہر غنہ
بجائے ہے سب

شہرہ قبسے کے صفات امدان
 جہان میں اسہالی گلوں لکے
 اس کے گانے کہ نئی جہانگیروں کی بدولت آپ یہ بھی عطا کر سکتے ہیں —
 منہ کے ہلے کا نظم سچے ہونے پر جن
 کہ جن کا سایہ بھی برجن کے لئے
 ہے درویش بڑاں
 وہ سمجھتے ہیں
 کہیں یہ کون ہے
 پچھلے
 ہم کہہ رہے فرشتہ سازنگ
 اب اسی برہمن کے ہاتھوں
 کہ جس کے صدیوں پر لے بیٹھے
 آج بھی کہہ رہے ہیں ہم
 جواب بھی چلے
 آدھ لے ہم سے لڑ کر خان

ایسے شہروں سے محروم نہ جانے کے منظور ہوگا۔

باتی ہی شدت اس کی ریت آپ میں آواز ہی سے پانی جاتی ہے اس کے لئے ہماری تہذیبی زبان میں کوئی مناسب لفظ نہیں ملتا۔ بیان
 دربان کے اعتبار سے بھی اسے ہر شے کہہ دیتے ہیں۔ لیکن کچھ خاص ایسے خفا کی ہے جس میں ہوش اور جذبے کے علاوہ کچھ دہشتی بھی پائی جاتی ہے
 جیسے کوئی کسی سے انتقام لے رہا ہو جب شدت اس حد تک پہنچے کہ کچھ بڑا کچھ بڑا ہو جائے شاعر اپنی کیا دہلی کو زندہ نکالتا ہے جیسے بچہ ضد میں اگر چہ یہ
 توڑ ڈالے۔ شروع شروع میں یہ منہ زدوی غالب آپ کے شباب کا تھا تاہم آج وہ چرنگ ہمارے بیشتر صید شہر ارجان میں یا جانی کے دلوں میں اٹھیں لے لے کر پھینکا
 گیا۔ اور علاوہ ہمارا آواز ہی سیاسی یا سماجی یا فنی کی پیاس سے پریشان ہر ایک منظر ہمارے لئے اس سلسلے میں آپ تنہا نہیں مگر آپ
 کی محبوب خلیں وہی ہیں جن میں اس شدت پر شاعری غالب آئی اور اسے اپنے پیچھے سے بڑھنے دیا۔ مثلاً میں کہتا ہوں کہ قدرت میں آپ اس شدت پر
 قابو نہ پکے جن کا "درویش" اور "تیل کے سوراگر" میں قائل ہونا پڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شاعری پختگی کے اس درجہ تک پہنچی ہے۔ جہاں
 دہشتی سے آپ کا نظم ہوا جاتا ہے۔ درویش اور سوراگر میں نہیں انہیں دیکھ دلوں میں گر جاتی ہیں۔ گدہ گدہ کا یہ شاعری کی جان ہے ان نظموں
 میں بار بار ہوش اور جذبے کے شدت کے اظہاروں کو دہلے نہیں پایا۔

مرسہ (آج) اور مرسہ دو

مرسہ (آج) اور مرسہ دو

کو دیکھی ہیں میں نے ہزاروں انہی چوٹیوں پر شعاعیں
میں سخی درمیں جن میں جن میں شعلے جیسے ساغی کے ساتھ دو تین معرکوں میں پیٹ کے رکھ دیا ہے احمد شمس کا یہ یاد بھی آپ کیا ہوگا۔

یہ درویش

جن کے اب وہ

وہ محراب کے دیوار کی ریت پر

تک کے رہنے والے

اس کی طرح تھے

تبی ورت، و ناک تیرا میں فطانت

جو تسلیم کبھی یازی ناک

بیشک کھود میں تیرا کمانے لے

بال و پلٹنے تھے

جن میں تھی سرور و بزم کی خاطر

حوالہ ہی کی بقا بھی گرا

جوانوں میں چلتے تھے

کچھ تھے عاشق سے

سوئے روبر

صبح فرما کہیں بھی نہیں ہے

وہ جن کے لئے عزت کی نہایت تھی

کوشا ہیں کا اعتبار شائستگی مد سے بڑھنے نہ پاسے

بھلا صدک کس کو خبر ہے؟

”لاشوں“ کا ذکر آیا تو میں نے سمجھا کہ آپ پھر میرے لئے، نہ معلوم کیا درشت کلامی کریں گے لیکن منظم تھ سے نہ چھوٹا ادھر آخری جملے نے اپنی
طانت سے وہ اثر پیدا کر دیا جو درشت سے نہ ہو سکتا، اس جملے میں ”درویش“ کیا بہ اعتبار صفت، اور کیا بہ اعتبار دردت، قلب اور مزاج شاعری کے کمال
کلام ہے۔

آپ نے کیا فرمایا کہ ”بعض قطعے بعض منظم فقرات ہیں جن میں زیادہ ذہنی تصویر کشی پر ہے یا کسی دلقے کو بیان کرنے کا اس سے
وہ تاثر پیدا ہو سکے جو شاعر کے دل پر ہوا تھا۔ بعض نظموں کی حیثیت ایک یا انکار سے کی سی ہے بعض خود کلامی سے زیادہ نہیں: یہ برگری بھی جدید شاعری
کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ آپ نے اس نئے اسلوب کو جن کے آپ بائیں میں ہیں ہر طرح آزمایا ہے جس کی شائیں اس مجرور میں جا بجا پائی جاتی ہیں۔ آپ
نے ملنے کو جس بے تکلفی سے اپنی نظموں میں بنایا ہے وہ یقیناً پڑھنے والوں کی نظر سے چھپی نہ رہے گی۔ ہادی شاعری میں داستان گوئی نئی چیز نہیں

اور جہاں دستک نیا امانت اور ہاں مکالمے سے سز سبب۔ لیکن قدامت کے مکالمے اللہ ہی اللہ ہے..... کی ترتیب سے سوچی سڑک پر لاٹھے چھٹتے تھے۔

یہ بڑی بھاری رقی مٹی دہل

دہل کر رقی مٹی عرض کرنا دہل

دس ملے بٹا لیکن جدید شادی میں مکالمہ ایک چمپا رسا ملے جہاں شعور کے جذبات کے ساتھ بے کاشیہ و لہذا مٹی کے حالات اگر دہل کی آپس میں لیکن سب کو ایک ساتھ بننا پڑتا ہے یہ ہم آپ کو اس تجربے میں جا بجا پیش آتی۔ اور آپ نے اسے جا بجا چمک دستی سے سر کیا ہے۔ آپ دست مضامین میں قدرتی منظر کا ذکر نہ کرنا قبول کئے۔ حالانکہ یہ خوبی آپ کی نظروں میں ہست سنیاں ہے۔

زبستان کے دن تھے

مکالمہ ہوتی رہی مٹی سر شام سے برت باری

دریچے کے باہر سید کے ابار سے لگ گئے تھے

گربت کا نقش سین تھا بدی

.....

مگر رات ہوتے ہی چاروں طرف بے کراں غائبی چھا گئی

جیہاں کے دور دورہ سرور و صوبہ کی شاخوں پہ

تنگے گھرے پنہ سے بن کر ٹٹے تھے

زمین ان کے بچھے ہوئے بلی و پر سے

کنت آدو سا مل ساجتی ملی جا رہی تھی

ہدی شاعری —

سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ لی

بن گیا دہلے آب پر لالی!

سے کہتی مدد مل گئی ہے۔

آپ نے یاد دلایا کہ آپ کی تئیں قسم قسم کے نقوش کا مجموعہ ہیں تو لامحالہ ہر آؤنگ یاد آیا۔ اس کی نظروں میں بھی اشلے پہلچ خود کلاہی اسلے کہانیاں غریبہ ایک فردا ن پائی جاتی ہے اسے بھی وہی شکلات ہیں، آئی تئیں جو عابا آپ کو بھی پیش آتی ہوں گی۔ اس کے کلام کو بھی بعض اوقات ایسا اختصار اختیار کرنا پڑتا تھا کہ سن کر کہنا تفسیر شکل ہو جائے لیکن اس کی قوت تخلیق بھی ایسی تھی کہ اسے چٹے لکھائی کی طرح ہر صحنے پر کرمناؤ دیکھتی ملی جاتی تھی۔

نیریاک

۱۱ ستمبر ۱۹۷۱ء

”پہلوس“

پچھے چوری

ہاجرہ مسرور کی کتاب پچھے چوری کا دیباچہ

جب جیسا کہ صلی پران ہونے والی ادیبوں کی فہرست میں گئی عمر زندگی کے نام پچھلے سے معجز یہ بین نقد بدل کر جن میں حوا میں بھی شامل تھیں اس سوال نے گد گدایا کر کیا عورتوں کا ادب ہر دور سے جدا ہوتا ہے؟

انسان ہمیشہ سے یہی پرچھتا چلا آیا ہے کہ عورت اور مرد میں کیا فرق ہے؟ جو فرق آنکھوں کو نظر آیا اس سے مطمئن نہ ہوا بلکہ اس سے تو یقین اور بھی بڑھی کہ ظاہر کا یہ حال ہے تو باطن میں خدا جانے کتنے مصلے ہوں گے۔

عورت مرد نہیں بن سکتی۔ مرد عورت نہیں ہو سکتا۔ آدمی دنیا آدمی دنیائے عجمی۔ اندھیرے میں ایک دوسرے کو چھوئی آہ ٹوٹتی چلی آ رہی ہے لیکن جب عورتیں بھی ادب کی دنیا میں مردوں کی ہمدرد بن کر رہنے لگیں تو اندھیرا کچھ کم ہو گیا۔ اب سے برصغیر کا ادب کی فطرت کا سفر اور غماز کوئی نہیں۔ یہ تو پچھلے سے ہی زیادہ پردہ لے لے چکے ہیں اور ادب کی مردوں کی نقل کی گئی ہے۔ اب وہ اپنے اپنے راستے سے آئیں یا ادب کے کسی دھات کی مسک پر ادب کے ساتھ ہوں۔ جہاں سب ہم سفر ہیں انہیں ایک ساتھ لے جاتا ہے اور ایک سے دوسرا پیچھا نہیں جاتا۔ لیکن جب غور مٹا دی گئی آدمی کی کچی باتیں کچھ نہیں تو مردوں سے الگ نظر آتے ہیں۔

ایک جدید انگریزی ناول کی سرورق کہتی ہے: میں ایک محنت منی میری زندگی کیا ہے۔ ایک ہی معجزہ سی سی جی شخصیت اور انسانی رشتوں کے دھاتوں سے بنی ہوئی ہے۔ جس کا سب سے زیادہ کچھ نہیں۔ عورتوں کے ادب کا رخ سے دیکھتے تو یہ لگتا ہے کہ ایسا غلط معلوم نہیں ہوتا۔ اور عورت کی فہرست میں گئی ہر آپ کو ایسے ملیں گے جن کی روح کائنات کے قتل میں آسورگی دھونڈتی پھرتی ہے یا انسانی رشتوں کو توڑ کر نہ زور گھر کے کھڑے سب کچھ پھینڈ جاتا ہے۔ لیکن عورتوں کی جذباتی دنیا شخصی اور ذاتی ماحول تک ہی محدود ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ادب عورتوں سے جرت بہ انسان اور ناول میں حاصل کیا ہے کسی اور صنف ادب میں نہیں کر سکتیں۔ معلوم ہوتا ہے فطرت نسوانی شخصی اور ذاتی رشتوں کے جال ہی میں الجھتی رہتی ہے اور یہ جال سب سے زیادہ دل جمعی اور فراغت کے ساتھ ناول اور انٹیلی جی میں بنا جاسکتا ہے۔

شخصی رشتوں کی دنیا محدود ہے لیکن پایا نہیں۔ اس کی گہرائیاں آفاق کی دستوں سے گرم نہیں اس لئے یہ نہ سیکھ کر عورتوں کا ادب مردوں کے مقابلے میں سہیہ و بار بار ہے گا۔ فطرت نسوانی نے پہنائی اور وسعت کی پٹے اور حرام کر لیا جو محنت کی پٹے اور حرام نہیں کر سکتی۔

یہ خصوصیت میں شخصی رشتوں میں انہماک۔ آپ کو پہلی اکثر ادب عورتوں میں ملے گی۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنی فطرت کو جانتی نہیں۔ بلکہ ظہور اور دیانت ظہور سے نکلتی ہے، پتہ پچھلے تو اس معاملے میں ان کا نام اعمال مردوں سے زیادہ روشن ہے۔ ہمارے ہاں ادب عورتوں

کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔ شخصی اور ذاتی رشتوں کی تعداد میں جات، اولیہ رشتہ کی کمزوری نہیں ہے۔ اس سے ہمارے مولد اسبکہ بھی یا
کھڑی کے گھونٹ لٹے پٹے ہیں اور سب اردو ادب کو ان کی بدولت تازہ و جاندار بنا رہا ہے۔

بجز سودا کا یہ مجرور نامہ ہر ایک ادیب کو چھوٹا ہے۔ پچھلے برسوں میں بھی انہوں نے اپنی سوانحی نظرت کی کو خوبیاں ہے۔ یہاں بھی وہ اپنی نظرت
کی کو بخیر ہیں۔ ان کی نظر پہلے سے کہیں زیادہ بلند ہو رہی ہے۔ لیکن شخصی اور ذاتی رشتوں کے جال وہ یہاں بھی بن رہے ہیں۔ ان کے ادب پر اس کا
ان رشتوں کی دنیا بھی ایک حیرت انگیز سایہ ہے۔ ان میں انسان ایک اور سرگڑھ کیجئے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں انہوں میں جو تہ ہے
کو ایک احمق سے کیجئے اور دوسرے سے دیکھتے ہیں اور زندگی اس جال میں تنہی تنہی رہتی ہے۔ شوہن اس کا قول ہے کہ ان لوگوں کی مثال ان خسار
پشتوں کی سی ہے جنہیں سردی لگ رہی ہو، ٹھنڈے لگے ہیں، تو گرم ہونے کو ایک دوسرے کے قریب مرک آتے ہیں۔ لائن پچھتے ہیں تو ایک دوسرے
سے پسے رہ جاتے ہیں۔ اور پھر ٹھنڈے لگتے ہیں۔

کیا آپ کو یہی نقشہ آپ کی دنیا کا دکھ ہے کہ " میں نظر نہیں آتا؟ اس میں شرمناک بری کے وہ بیان ایک نازا ادیب
قرب۔ ایک نیرادہ ایک شہسب ہے جسے اجڑے بہت رزاکت سے بیان کیا ہے۔ اس کہانی میں اجڑے چھلے چھلے ہے وہ جاپوں کو اس بے تعلقی
سے مع کر کے چلی گئی ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد منافرت کے اس بیٹھے تھپتھپانے سے ٹھنڈے ٹھنڈے ہیں قریب خود کو کوہ بیان کرنے چلی تھیں اور
شاید کہانی کے آخر میں ظاہر ہو جائے لیکن کوئی پٹے والا اس کہانی کی، نشان کی کو دیکھ کر مانا نہ فرمے کہ یہ کہانی کا قافلہ جو جھلے کہانی کا انجام خواہ کچھ ہی ہو
تو اجڑے کو اس پر پریم نہ جھڑپا ہے۔ بلکہ اسے بھی قدردان کی کھینچ رہے ہیں۔

کاہلہ بھی ایک شرمناک بری کی کہانی ہے۔ یہاں بھی بری کے دل میں محتاج اور تسلیم لے چلے پٹے جلتے ہیں اور قریب خود کی نہیں
تو ایک بے بسی مزید ہے لیکن بری سے ظاہر نہیں کر سکی کہ شہسب سے ظاہر کرنا بھی آ نہیں۔ اس اکھاڑ کو میاں بری دول میں سے کوئی بھی ٹھیک شروع
نہیں کر سکتا۔ شہسب بھی چٹکیاں لے لگ بھی بری کی خاموشی سے، ان جلتے گا۔ بری بھی ہنس مے گی۔ کہیں اس کے آئینہ میں آئیں گے اور ان دو ہم بستر
اجنبیوں کی غمروں ہی ایک دوسرے سے بے خبر گزرتی چلی جائے گی۔

ایک بھی کہ آپ محروم امت کا اضافہ کرنا چاہیں تو نہ اضافہ کر س سے الٹا ہر جانا نہ اضافہ کر سکتے ہیں لیکن یہاں بھی اس کے علاوہ تعلقات اور
رشتوں اور محول کی کئی انجینیں ہیں جن کا حال نامہ دہرے پچھلے ہیں سناٹی چلی جاتی ہے۔

"جے جاتے کیوں دلی کینتوں سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ ... گلے اس مکان میں

نہ کر آریں معلوم ہوتا ہے کہ میں بھی کہانیوں والی شہزادی ہوں جسے اس کے باپ نے مارنا

ہو کر جیل کے قلعے میں قید کر دیا تھا۔ ... میرے اندر ہی اندر کرنی والے کھٹکے گا۔ ...

میری جان حمان نہیں اور بڑی ماں۔ جی میں؟ یا کہ سب کے پٹنگ ٹھیکٹ ٹھیکٹ کر گڈ

ڈکھوں۔ ... گلے میں جیسے کوئی نشہ میں دھنکا ہوا گڈا، مسیت اور بے پروا اور

کچھ ایک دم احساس ہوا میری باہیں بھی ٹھک گئی ہیں پانی بھرے بھرے ہیں، سینے

پر بے کار پڑے پٹے، پہلو میں بے قدی سے لگے لگے اور سر پر ادا جلتے جلتے۔

ایسے جال اجڑے بہت ہی پھرتا ہے۔ تعلیمی سے ہی لیتی ہیں۔ ہمارے دیکھے تو معلوم ہو جائے کہ کتنی گھٹیاں تھیں اس جال میں اور

معلوم ہوا ہے کہ پہلے انہیں اپنے صانع میں کیوں کر سلجایا جائیگا اور انہوں نے سب پرچہ میں کیا ہے وہ اس سے پہلے کی اصل قدر کی نشان دہی کر سکتے ہیں۔ یہاں پر بتا دے گا کہ ہم کتنا شہل ہے اور اجڑا ہے اپنے عقیدے کی بدولت سے، پہلے کتنا سہل بنا دیا ہے۔

اس کو میں کم از کم دو کہانیاں سے سرگوشیاں "اور" لاطلاق "۔" ایسی ہیں۔ پہلے وہ کہانیاں ہیں جن پر غور کرنا چاہیے۔ دونوں کا ہر ایک دوسرے سے جملہ سے سرگوشیاں "ایک کردار کی مسلسل توجہ ہے جو اپنی زندگی میں اس کی باتیں سنا کر ہر لمحے اسے غافل مانی جاتی ہے۔ بکار کی سی تیز رفتاری سے کہانی میں ایک بے پناہ وقت شدت اور حرارت پیدا کر دیتی ہے۔ ہر سراگاز کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ کہانی کا خطیہ انداز شروع شروع میں کھتا ہے۔ جیسے کوئی شیر یا شیر کا دھڑا پکا کر جس میں ڈانے کی کوشش کر رہا ہو یقیناً جب گیتا کی گشتہ زندگی کے احوال ایک ایک لمحے کے ساتھ ہیں۔ ان کہانیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں اور رفت با رفت رفت نے کھاتے تک جا پہنچتی ہے۔ یہ حالت کا ناز و نفرت سے پڑے لیکن پھر یہ کہانیاں نے موجودہ زمانی فطرت کے کہانی میں کہیں بھی گھٹ نہیں آنے دی۔ "لاطلاق" میں ایک نادانی ہے ایک پرتی — دونوں میں سے جسے چاہیں آپ کہانی کا مرکز سمجھیں۔ جس میں مرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہانی پرتی کو سنا ہے کہ کبھی بے یقین کبھی پرتی بھی نادانی کی طرح ابھی ہوئی زندگی میں ایک الجھن معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں سے لے کر پہلے تک کے کھڑے ہوتے۔ زندگی کے ٹکڑوں کو باہر سے ایک مختصر افسانے کی حدود کے اندر اس طرحی اور جسی کتاب سے سنا ہے اس کی نشان دہی میں شہل سے لے گی۔ ان دونوں کوئی کہانی ہی نہیں، اصلیت اور حسی کے اعتبار سے اس سے کہتی ہے تو کم از کم یہی نظر سے بائیں گزری۔ اس افسانے میں بڑھ کر مرنے کی کہانیوں کو دیکھ کر کبھی ایک اور ناول نگار عورت کا ایک کردار یا ناول نگار کی طرح عکس انسانی رشتوں کا سماج بنا دیا ہے۔ یہ ایک ایک کر کے اس کے اگلے چھوٹے چلے گئے۔

"اس کی روح ایسی زبان اور اجازت کی کہ اس دنیا کے مقابلے میں یہ دلی ماحول کوئی حقیقت ہی معلوم نہ ہوتی تھی۔ کہاں نے دل میں اپنے بچے کا ڈنڈے اور ایسے معلوم ہوا جیسے سر و سال کی ایک منہ زور ندی ہے کہ یہی چلے جاتی ہے اور اس کی سطح پر چلے آکر رہے ہوتے وقت کی مانند نظر کریں گھر کی ہے۔ جو ان کے چلنے اور زندگی کو بدلنے سے وقت کوئی بچہ تک مار کر کھادے۔ کچھ کو زندہ ہے لیکن ایک طوفانی سطح پر بے اختیار چلے جاتی ہے اس پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ فرار اور اٹھائیاں چکاں کیں۔ چہرے اس کے کہ نہ بھاڑتی ہوئی لہریں اسے نگھ جائیں۔"

ہمیں ہر اسے کئی افسانہ نگاروں سے زیادہ حاس انداز میں ان کی نظر اور نگاہ سے متاثر ہے۔ ان کے افسانوں میں اکثر کہانیاں ایسی آجاتی ہیں جو ان افسانہ نگاروں میں نہیں ملتیں۔ ان کی یہ اداسی حسی سے حال نہیں کہ ان کے کم از کم تین افسانے حال سے اسی کی طرف چلتے ہیں جب کوئی انسانی اکھاڑ نہیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے تو ان کا ذہن ٹھنڈا شروع کرتا ہے کہ کیا وہ کہانیاں سے شروع ہوا۔ یہ تجسس حسی کی ہی ایک اہم کام ہے۔ یہی انہیں اسی کی طرف سے جاتا ہے کہ یہی اگلے ہوتے دھانگ کے سر سے آکر اسی ہی میں ملتے ہیں مافی رشتوں میں جس کا رشتہ سب سے زیادہ پیچیدہ ہو کہ جس میں کا پڑا ایک ایسا پڑ ہے جس میں لاکھوں قسم کے کڑے اپنے اپنے اگلے پہل ملتے ہیں اور کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس سے بے گارہ کیا کالے گا۔ اس کی جڑیں دل اور دماغ اور اعصاب اور گوشت میں نہ معلوم کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ جس نے جہاں تک چڑ کر دیکھا جانی

ہے کہ بلاخرائی، جسبروئے کردوں کا جسی شعور جمالی مناجہ ہے بہت کے نکل جاتا ہے اور جرح کے احساس میں بھی اثر انگیز اور جیدگی رہی
جن کی وجہ سے ان کے انہی افسانے اردوں سے زیادہ دقیق اور عین معلوم ہوتے ہیں۔ جن کے منہی تعلقات میں خراج اعدوں سے زیادہ ہے۔ اور ان
تعلقات کی رنگین بھی زیادہ لطیف اور نگاہ مرعوب ہیں۔

ساری عمر میں اپنی صورت شعاری کی وجہ سے مدائنی، اور مصنوعی ادبی زبان سے بہت طرب اسوں، ہی میں۔ چنانچہ انہوں نے جب
نکھنا شروع کیا تو بیچے جاتے، اساتذہ کے سامان کے قلم سے کچھ۔ نگار۔ جرح کی زبان میں جیتی جاگتی زبان ہے جو جیدگی مطلب کی طرف مکتبی ہے۔ اعتماداً
کر اپنی طرف دیکھی نہیں رہتی اور اس اضران کی وجہ سے بے تعلق وہ باتیں کہہ جاتی ہے جو مصنوعی ادبی زبان کے غشیانہ میں جھک کر جاتی یا ہلے
تعلقات سے ادا ہوتی ہے۔

یہیں اور فکا زحیرہ کٹائی بڑا یوں نہ ہو کچھ کی باتیں بہر حال ان گنت ہوتی ہیں اور فکا اکثر بار بار کر دیتے ہیں اسی سے ادیبوں کو
بار بار استعاروں اور تشبیہوں سے کام لینا پڑتا ہے اور بالخصوص ان کی طرف نگاہ کا پڑان کی تشبیہوں ہی سے چلتا ہے۔ مجھے تو جرح کی تشبیہوں پر ایک
نظر ڈالیں۔

کوئی ساتھ دینے والا ہو کر لپٹے آنسو لالوں پر چٹکائی بن کر نہیں رہ سکتے۔
• لٹاٹ بھی کہیں جھپتی ہے؟ جاسن چاہے کہیں بھی چھپا کر کھائی جائے کم حرکت منک اور داہٹ چٹائی کھارتی ہے۔
• آپا کی ہاتھیں کیا تھیں بس ڈگڈگی تھیں کسب بند کی طرح اس کے گرد لپچتے۔
• مہی نکلے مطلب کے نہیں جھٹے قلم۔ دستانی میں ڈوڑر لگتے مجھو۔ درخت ب پرندہ کے کرکچر تو یوں ہی کہتے ہی بے معنی نقطہ کاغذ
پر پھیل جاتے ہیں۔

• بہت بڑی کا ایک ایسا جالا ہے جو اگر کوئی کھردوں میں گھسنے پر جسم سے پٹ جاتے تو چمٹا لے لے اور جرح کہیں نہ کہیں ذرا بہت چٹا
ہی رہ جاتا ہے۔

• تم کہنا پاتے تھیں کہ تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے یہ تو مرث اتنا ہے جیسے کسی کو تمہیں بغیر دستے کی کنار پر کھادی جائے۔
• حرم تاسی ٹھنڈی نقرہ کی جو جیسے کسی بنگالی تمنا زہ لا چڑھا۔

• اس کے احساں پر جیسے سزا براہم بنو رہا تھا۔ گناؤں اور کڑاؤں سے ٹپ ٹپ گدا ہتھارہ کوئی بڑا نہر ملا جواب دینا چاہتی تھی لیکن
اس کے دہن کے نیال نہر کا گھول دھڑکتے ہوئے فترے کو بھروسہ میں پڑی ہوئی سیپ کی طرح کھا ڈالتا۔۔۔

• جہ کتنے مزے کی بات ہے کہ جن دو کیوں کے لئے نواہستے ہیں وہی چند روز بعد ایسی مضر ہو جاتی ہیں جیسے تاریکی کا چھٹا۔۔۔
• مکتبی شکل سے تو انہیں بات کرنے کا ایک موضوع لا تھا۔ لیکن انہوں نے ایک دوسرے پر تیرا ب بھینکنے کی کوشش میں اسے بھی
فہم کر دیا۔۔۔۔۔

• مگر وہ دونوں اس سے محفوظ ہونے کا خیال نہیں کر سکتے تھے۔ جیسے دونوں کی زندگی میں سوائے خیم کے کچھ چھوٹا ہی نہ ہو۔۔۔۔۔
• وہ اس کی نظر سے دور ہوتے ہی اپنی ہستی کو الیہ لے لیں اور وہ الگ محسوس کرنے لگتی۔ جیسے بیٹھ گیا کہ میں ریت کے پہلوؤں
میں رہی ہوئی لگا۔۔۔۔۔

”شادی کے بعد ایک سال ایسا گزرا جیسے کوئی نئی چیز یا پچھلے چہرے کی یاد ”تس سے“ ”سے پر جائے۔“
 وہ جتنی بھی عمر ہو، اتنی ہی بلی بھینس۔ سوتی میں لہا کا ڈال کر جیسے میٹا لہا بارگھیاں پڑ جاتی ہیں۔۔۔
 ماننا پسے گا کہ جہرہ کی نشیبیں میسرالو کھیں اور بندھے؛ غالی کے ساتھ ہی بے تکلف ان کے دہن میں پی آتی ہیں۔ جس ادیب کو
 اپنی سوچی ہوئی، اپنی دیکھی ہوئی، اپنی جیتی ہوئی ملت کھینی ہو ان کا کام گھڑی گھڑائی نشیبوں سے برہن کر میں سنتے ہے، اور جو گھڑی گھڑائی ”تشیبیں“ تنکلا
 کرتے ہیں وہ اپنے دل کی بات کیونکر کہہ پاتے ہوں گے۔
 اس مجوسے میں ایک؟۔۔۔ سفون ایسا بھی ہے جسے شاید افسار نہ کہہ سکیں۔ میرا میں چلتا تو اس کی جگہ بھی ہاجرہ کی دانہ سی کھنے پر مجبور کرتا
 لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسے جہرہ کی مردت کا کدو بھی پس نہ آئے گی ان کی حیثیت کا اصل جہرہ جہان کے تین فوجوں میں چھاپے نہیں ہو، انسانہ کھنے پر
 مجبور کسے گا۔ اور انیس انسانہ کھنے غیر میں نہ آئے گا۔
 جب تک ان کا جو کھا مجبور نہ چھے، ہیں بھی میں۔ نہ آئے گا
 ”پھر بس۔“

سفرِ انگلستان
(خطوں کے پرانے میں)

ارتقاءِ علم و ترقی

تیار مکان یا خط جو کاغذ میں ایک ایسے مقام سے لکھ دوں ہوں جو دونوں سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ اور اندازہ لگاؤں میں اس نے بھی ہے۔ نہ تیار اس کے فاصلے پر ہوں جو مشور سے ذرا ہزار میل دور ہے اور ابھی منزل مقصود کا پتہ ہی نہیں ہے کہے میں سفر دور سے پہلے کا سفر اس کے مقابلے میں پہل قدمی رہ سکو رہتا ہے۔

میرزا: سنا کہ ابتدا سے تیرہ لڑکیاں تھیں تو کبھی والوں کی طرف سے ان میں سے کسی ایک کو جہیز پر پہنچ جائیں حال انگریزوں کے ہوا۔ پھر پھر آگے ہی ڈانڈا دل ہو۔ تھوڑے دن میں مل گیا۔ ہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ وہ عورت ہے جو جہیزوں کے قوانین کے مطابق ہر جہاز کی روانگی سے میسر ہونا ضروری ہے۔ اس مسئلے کا کیفیت میں یو پی بیان کر سکتا ہوں کہ جس کی بغیر چلتی ہے۔ اسے وہاں نہیں لیتے ہیں۔ جس کی بغیر جہاز سے بھی نہیں ہی روک لیتے ہیں۔

[illegible]

مذہب جہاں دوا دہن اور جہاد سے بھی اور ماحول پر سے بھی مدد مل رہی ہے شروع ہوئے۔ کئی ذہنی شرکا معلوم ہوتا تھا کہ یوں سے دوا مل جائے گی، تھلا جی تھے، دل کھل کر "دوا لائے" ان میں سے ان کا اضطراب دیکھنے کے قابل تھا جو اپنی سب چیزوں کو منڈل رہے ہیں اور دوا مل نہیں سکتے اور جب کسی حضرت کا دوا ملتا تھا سے چوٹ کے سمندر میں گر جاتا تو ان کی سخت قابل دیدہ ہوتی۔ سب ماحول انگوٹوں سے اور جہاں ہو گیا تو یہ جواب بد گیزی تھا۔ اب جہاد کی کیفیت یہ ہے کہ ہر فرد شہر کو کسی بھیجئے جہاز پر بیٹھئے اور سمندر کو دیکھ رہا ہے ہر سے سے ظہر جتا ہے کہ دل میں کہہ رہے ہیں۔ "اے جہاد تو کیا یہ سمندر ہے۔" (مگر اب ہم سمندر میں ہیں۔ یہی بہت سمجھئے۔) جو دوست ہیں وہ سمندر سے

کچھ ہیں اور اچھے صدفیں، لہذا اسانہ نیرا کے متعلق نہایت واقفکارانہ انداز لکھ رہے پروانی کے بچے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ ایک کہنے میں
میں کچھ بچی سمند کو دیکھ رہا تھا۔

تھوڑے عرصے میں ساحل سے بہت دور نکل گئے جو انہیں روکنے لگی اور مندریں یوں حوم رونے لگا جیسے کسی گھٹیا سے سمندر نے
کوئی نصیر کھینچی ہے۔ بھوک کے اہلے آنتیں قل ہوا اندر پڑے گئیں اور اسے جبری سے کھانے کا انتظار کرنے لگا۔ میں دور افتاد
ہے مٹی نظر دل سے دیکھتا ہوں کہ ایک کھیت معلوم ہوا جیسے افق کچھ ترن حواس و تیا سے جیسے ترانہ کی ڈھنگی ایک طرف کو جھکی ہوئی نظر آتی
ہے۔ لے بھر کے بعد آپ دوسری طرف کو جھک گئے۔ ایک دو منٹ نہ گزرتے تھے کہ ایسے معلوم ہوا جیسے کسی نے دھن مٹھنوں اور گھنوں
کے پیچ ڈھیلے کر دیئے ہوں۔ حصہ میں ایک برف کا گولا بہت زور سے نیچے کوڑا۔ انٹریوں نے اچھل کر پھیر پڑیں کے ایک ٹھنسا ماما اور
کھر پڑنے کے اندر بیٹھنے آہستہ بہتہ ہندولم کی طرح جھولنا شروع کیا۔ اور پھر نے۔

یہ اجتماعے عشق حق۔ ہم بھاگے ہوئے ایسے کر رہے ہیں۔ پتے ہر بستر و پخت بیٹ کو اس شخص کے خاندان بھر کو کو سننے لگے
میں نے ہیں ولایت آنے کا مشورہ دیا تھا بس اعتبار، کچھ پوچھ مت۔ دیا میں ایسی کلیف دہ بیدی کوئی نہ ہوگی صحت بھی ہو سنگار معلوم
ہوئے گنتی ہے۔ کچھ کر رہے ہیں پتے ہرے چل رہا پر مشتبہ ہی گزرتے ہوں گے کہ زونک دودھ سے در دروں کے کھلے۔ بعد ہند بولے کی آواز میں
آنے لگیں اور تھوڑی دیر میں ہر طرف سے قے کی غزائیں بلند ہوئیں۔ معلوم ہوا تھا جیسے وہاں خانہ وادہ جدا ہے۔ جب کہ کسی گھنٹی بھی تو نام
جواز پخت پڑا تھا۔ کہے زمانہ کہ دیگر۔ تیغ نہ رکشی۔

پانچ دن رات میں بستر پر پڑا۔ دوسرے دن شام کو ڈاکٹر کو بلایا۔ ایک نریشی کوٹنا سلا ہے۔ شکل بر لڈ مائے سے بہت
مٹی ہے۔ انہوں نے آتے ہی بے تحاشہ پنج شروع کر دی اور سوار جس منٹ تک بک چلا گیا۔ انا کھ میں آیا کہ کھنٹش کریں گے جانا چکیہ
اس سے قوند ہوگئی لیکن دانہ برابر جھولا جھول رہا تھا۔ سمند میں بہت بڑی بڑی بریں اٹھ رہی تھیں اور جہیز پر جیسے دودھ کی کیفیت طلوی
ہر طرح حوفاں بڑھتا ہی چلا جاتا تھا۔ پچھلے دن کچھ افادہ ہوا قوم بہت کر کے تختہ جہیز پر بیٹھا۔ اہ ایک کسی پر سیت گئے۔ پوری طرح اور
بھی کئی کشتی گان ناز پوری بڑی ہر شکل رہے تھے۔ ٹیکس چوں کی سی بنی ہوئی۔ چال ایسی جیسے ہوں میں نہ اڑنا ہوا جدا ہو۔ جہاں بیٹھے تھے
بیٹھے ہی اٹکیں بند کر لیتے تھے۔ لیکن طوفان کے سختے ہی طبیعت خراٹھیک ہوگئی اور ایک آدھ گھنٹہ کے اندر ہی اس قدر سور کی
بھوک لگے جتنی کہ جھرمزہ لگی تھی۔ جہاز روڈ میں پانچ دو کھلنے پر جمع ہوتے ہیں۔ مجھے نہیں یاد کہ کسی وقت بھی کھانے کے کمرے میں
ہے تابانہ داخل نہ ہوا ہوں۔

کھانے کے کمرے کی دنیا ہی زالی ہے۔ ہندوستانی صحابیوں کے لئے اس کمرے کے اندر طرح طرح کی اچھی چیزیں ہوتی ہیں
اور مختل کے سالن و جہیز۔ کچھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ ملتے جملتے علاقہ کھانے کی تبدیلیاں کرتے ہیں۔ یہ وہ ساتھ ہی ساتھ پھری کھانے
کے استعمال کی مشن کہیں نہیں کرتے۔ اور انگریزی کھانے کے کلاب و قوامہ کیوں ہیں۔ سیکرہ پتے۔ ویشن خضوت کے لئے اور بھی مصیبت ہو
اور بار پختہ ہیں اس میں گوشت کھانے کوئی آمیزش نہیں اس میں کئی قوتیں فلسفے پر چلی ہیں کچا ہے یا کھن میں منکر کم میں اٹھے تو نہیں
پہلے۔ ٹھنڈا ہندو زہر میں ہوا۔ بار و قہم کے کھانے بہتے ہیں۔ لیکن ان کے ہاں وہ کھانے کے کھانے ایک دہائی ہوئی ترکاریوں سے زیادہ
انہیں ہوتا۔ پوتلوں کی طرح سے پھری اور کھانے دھوؤں کا کھانے ہاتھ میں ختم ہے بہتے ہیں اور دایں ہاتھ کے ساتھ چمکے کھانے

جانتے ہیں اسس کریم کے کچے کو تک لکھیا ہی خالی دیتے ہیں اور پھر تنک کے دھکے اسس کریم کھانے لگ جاتے ہیں۔ پھر کھانے کھانے
بروقت صوم نفوس سے دایں بائیں مہلتے رہتے ہیں۔ کسی کو دایں بائیں اتھو جس چھری پڑے دیکھو تو خود بھی دایکھا ہاتھ میں پھلنی اور یہ
جھکی کو دیکھا کو بائیں ہاتھ میں خالص ہونے سے تو بائیں ہاتھ میں تنک کرلی۔ سوز کا ٹوٹت ہر روز کھانے پر جوتا ہے۔ لیکن سوانی اسٹک ورن
نے کھایا نہیں۔ جسے بھی جدا حافظہ تنگیان ہو۔

مدن چنے تو ساحل پر تھے۔ ہم جہاز دیکھنے لے کر ایک نیکی کرایہ پرلی جس پر سارہ کریم صحت امداد کے گرد و آفاق ۲۵
میل گھومے اس کا کایہ کوئی ایک فنڈ کے قریب بندہ غوطہ لگنے والے لڑکے بتر اکھس کی کہیں نظر آئے۔ خاصا جانے مندریں
پوئی گیس ہاتھ تھے یا اب ان کی نسل ہی ناپید ہو گئی ہے۔ مدن سندھستان کے عام شہروں کی نسبت بہت تنہا شہر ہے۔ لیکن بہت
بے مدنی سامعہ ہے۔ پارسیوں کی دوکانیں جا بجا نظر آتی ہیں مدن میں پتھ کرکٹ وغیرہ خریدے اور خط پوسٹ کئے نہیں ایک
پوسٹ کھنڈ بھی تھا جس پر میرے جہاز کی تصویر تھی «مید ہے مادہ»۔

یہاں سے ستمبر کو دن کے ۱۲ بجے روانہ ہوئے اور بحیرہ احمر میں داخل ہوئے جہاں کی گرمی و قحط سے بہت ہی کہتے ہیں
رات کو کمرے کے اندر نہیں سویا جاتا۔ دن بھر سب سے اوپر کھتے پڑ کر سی بھائے جیڈ ہتہ جون امداد کو دیں ستر بھی کر سوتا
ہمیں۔ طلوع اور غروب کے نظارے لیا اوقات بہت ہی شاندار ہوتے ہیں۔ وسیع سمندر وسیع آسمان اور آفتاب بہت بڑا
آتش گول جب صبح ہوتی ہے یا شام پڑتی ہے تو مدح سے پھیلنے لگ جاتی ہے۔

ایک دن رات کو جزیرہ حیرم کے پاس سے گزرے۔ جزیرے کے ایک سرے پر فائٹ ہوس نے جس کی روشنی ایک ایک
منٹ کے وقف کے بعد چمکتی ہے اور جزیرے سے لے کر جہاز تک ایک چمکتا ہوا تار راہ سا بچھا دیتی ہے گھٹاؤپ اندھیرے میں جزیرے
کے پہلوں کی مدح سی نظر دکھائی دیتی تھی۔ یہ تمام نظارہ کچھ ایسا پراسرار معلوم ہوتا تھا کہ مجھے جزیرہ نہ سمجھ سکے۔

جب سے سمندر کا طوفان بند ہوا ہے ہر روز رات کو سنا کا تماش اور ناچ ہوتا ہے کھلے پری دعویٰ بقول جانے ہے ایک
پروگرام میں بتیں اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ تماش جہاز کے قریب ہوتا ہے ذکر بندہ کو ہے میں۔ امداد ہوتا ہے۔ چھ اٹھا صاف
ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ ایک بہت بڑا گروہ ہونوں ہنزہ جیڈ کے بریک ہے۔ سوائے ایک فلم کے (THE BACK BITER) بھائی کی سب
میرے لئے نیا تھیں۔ اس پروگرام کی فلم ایک ہیر لڈ لڈ کا ک تھا۔ دل بہلا دے کو کافی سلمان ہے۔ باقاعدہ مینا نہ سمجھو۔

اب ہم بحیرہ احمر میں ہیں۔ کئے اور مدینے کے عرض البلسے اور گند چکے ہیں شروع شروع میں ساحل حیرم کے پاس اکثر
جزیرے نظر آتے تھے۔ اب کوئی ساحل نظر نہیں آتا۔ کل دوپہر کو تو یہ بیٹنے کی توقع ہے۔ پھر یوں ہڈت سعید۔ جہاں خطہ مشکرد گ
ہما بہت خوشگوار و زرخیز افزا ہے۔ سمندر کا رنگ باسل سلٹ کا سا ہے۔ چھوٹی چھوٹی لہریں اٹھ رہی ہیں افاق تک جا بجا سفید جھگ
کے گلے سے دکھائی دے رہے ہیں۔ جہاز تنہا سا انگٹانے لگ گیا ہے جس کی وجہ سے کھٹا مشکل ہو گیا ہے۔

مدن ہونے سے پہلے ہمیں یاد ہو گا کہ میں نے اسی کہنی کے پاس پکٹش وغیرہ مگائے تھے ان میں کھٹا تھا کہ جہاز پر ٹکری ہوئی
اور کھیں جاتی ہے۔ اب معلوم ہو گیا ہے ایک حد تک ٹھیک ہے سفر تو اگر دی جلی بھی لیتے ہیں اور کچھ بھی لیتے ہیں مدن جہاز کے اندر اور
فلم میں مشا رہے۔

بہت سی باتیں کہنے کو ہیں۔ خطوں کے بس کا رنگ نہیں۔ دلپس اللہ والا بیچوں کا دستاویز تھا ہزارہا بیٹھے ہیں جو عمر بھر نہ
سہیں گے۔ تیرا تو فی صاحب۔ حمید علی صاحب۔ سالک صاحب۔ جگل صاحب۔ منشی صاحب۔ خیر صاحب۔ حنیف صاحب۔ سب کو
میرا یا خدا نہ سلام، بہت یاد کرتے ہیں۔ کیا کروں۔

عاکر
نجاری

(۲)

لڑی ۲۲ فروری ۱۹۶۹ء

اختیار بھائی: میں تم کو دس یا روپ کے کسی اور مقام سے خط لکھتا لیکن اس لئے کہ لکھا کہ روپ کا سفر ایک ہنگام تھا جس
میں میں ہندوستان کو سفر بنا بھول ہی گیا اور دوسرے انٹی اند سوئٹز لینڈ میں ہندوستانی ڈاک کا کچھ ایسا انتظام ہے کہ وہاں کا لکھا ہوا خط ہم
کو اس خط سے جلدی۔ لہذا پچھلے خط میں نے آپ کو سوئٹز سے لکھا تھا اور لہذا سوئٹز میں سوئٹز کی حد پارٹ میں ہمارا پہلا دن کے
دس بجے پہنچا کشتیوں میں سوار ہو کر سامانی پر رہے۔ پورٹ سعید کی حد میں بائیں رخ و رخ اندر تو بھرت ہیں۔ حفظان صحت کے اصول
کے مطابق مغرب کی تعلیم کا ہے لیکن ازرقی طرز تعمیر کا رنگ غالب ہے۔ بازار صاف ستھرے اور ستارہ ہیں۔ دوکانیں خوش رنگ ہیں۔ خوب
ہیں اس بات پر ہمارا کہ قہرہ خانوں کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے اور دن کے دس بجے بھی ان میں سے قہرہ بھر تھی کہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کے
لوگ بالکل بے کاری ہیں۔ انگریزی سوٹ بریز ترکی یا انگریزی وضع کی بھوس کی ٹوبیاں، ہزاروں کی تعداد میں لوگ بیٹھے کافی پار رہے ہیں دھتے
کے کش لگا رہے ہیں اور جی رگمیل رہے ہیں۔ دوکاندار بہت خوش اور چالو سی کے ساتھ دعوت دیتے ہیں۔ اگر آپ بے نیازی کے
انداز میں چل دیں تو محض ٹھکیاں سناتے ہیں۔ بے سند گائیڈ بازار میں چلن شکل کر دیتے ہیں اور انداز بے حیائی کے مشغل کے متعلق بتاتا
ہے باگاہ گفتگو کرتے ہیں۔ آپ جیس جیس ہو کر ان سے کن رہ کر سن تو ٹھکیاں میں لگ جاتے ہیں۔

بارونیک ہمارا اجازت والد سے روانہ ہوا اور ہم بھرہ دم میں داخل ہوئے۔ سب نے گرم پوشے پہن لئے جو موسم کچھ تازہ تھا
تاہم روپ کی تعلیم لازم تھی۔ تین دن کے بعد ہم برٹری (Barnes) پہنچے۔ وہاں بھی ساحل پر مرکز شہر کا ایک چکر لگایا۔ برٹری میں (زیت
بہت ہی مستحضر ہوتا ہے چنانچہ ہم نے ایک بہت بڑا ٹوکرا کوئی دس گزے میں خرید لیا اور پیٹ بھر کے کھلایا۔ یہاں ہم نے پہلا تجربہ
نوجوان پولیس کے سپاہیوں کو دیکھا۔ فوجی سپاہی کی وضع رہا تو ہنسے مٹی جلتی ہے۔ سر پر دیسی ہی ٹوپی اور اس میں ایک پر جس کا نالو یہ
ہالکین کی مشان دکھایا ہے۔ پولیس کے افسر نے سچلے ڈوکرا آت و آگشت کی سی ٹوپیال اپنے سر پر خاندان علی مددی میں نے کھڑے
تھے جس پر پتیل کی آرائش جب بہار دکھادی تھی۔ سلید و سٹائل اور چکر اور تلوار جب بازو میں کٹ کٹ کوئے گزرتے تھے تو ہاتھیں
مدھن ہو جاتی تھیں۔

ایک دن کے بعد شام کے وقت ہم دیکس پہنچے اور وہاں چار ڈاکو انداز اکڑ دیس ایک مجوزہ ہے۔ ایک ٹیم ہے ایک ہوا
اگر خراب ہے۔ اطلاع کی آتشیں شرب کے نشے کی ایک ترنگ ہے جو بے عمر ہے۔ اس صند کی شہزادی کے متعلق آپ نے جو کچھ
خاطرات خاصے صاحب پرچ ہے تقریب اس کے حسن کی یاد میں سے لگتی اور تیار کیا ہو کر یہاں کی دھلی کالساں میں اپنے ملک و قری

ہدایت میں خوش نڈی، خوش سبتہ، مردانہ اور اخلاق، خوبصورت اور بڑے بڑے لچال لچکے ہیں اور ان کو کچھ دھڑکے سے سندرے میں کٹر لنگ مردانہ بھی میں سرنگے بھرتے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ ان کے بالوں کی خوبصورتی کو کوشش سے ورشٹاؤنی میں چھپا بھی سکتا ہے، اخلاق اور حال ہے کہ سارا دن بے کے کالوں میں پیرسسیاں پیرسسیاں (PERMISSION) کی آواز آتی رہے گی جو گریزی سکے EXCUSE ME کے رولات ہے، لیکن جس بے جس طرح میں جسم کے ساتھ کہا جاتا ہے وہ تو انٹیلیجنٹ اور چھبر نصب نہیں ہو سکتا۔ رات کو دس ایک دہائی ہے جس کا سنگھ کئی ایسی زبان بیان کر سکتی ہے جس میں کھسریں اور VIOLIN اور QUITAR اور BONJO ڈس کی ہنری خوبصورت، نازک جھکے گندھے، ہفت رنگ کی روشنی میں رنگ جن کی زندگی سادہ کام بہت کام ایک فہم مضمون ہیں ہے۔ استاد ادا کی قسم میں منہ کھل جاتا تھا۔ اے میں کیا کروں ہندوستان میں کوئی بھی تو ایسی جگہ نہیں جس کا نام ہے کہ میں یہ کہوں کہ دس اس سے ہزار گن ہو، اگرچہ ہندوستان کا تو گریزی کیلئے دنیا بھر میں کوئی ایسا مقام نہیں ہے دن بھر (Pula San Marco) (رضی کا ایک بہت شہر چک ہے) ای کی گریزی انگوں کی سائی گریزی آرتا ہوتا تھا رات کو گریزی کمال (Grand Canal) کے کنارے جیسے لے میں جو متد ہوتا تھا، ٹیکہ ان بھا سینٹ لک کا گرجا (Ducal Palace) اس کا ڈیو یاد کیجئے میں گریزی ان کے حالات ان شاء اللہ خصوصاً مکرر کرنا گندہ یہ حقہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

دس کا مشیر تو بے جلتے ہیں دنیا بھر میں شہر ہے ای کے وہ وہ عجائبات دیکھے کہ ان کے قسم سے انھیں مہنگی فروری دلی کی گریزی دس کو خیر باد کہا اللہ سیلان (MILAN) ایڈیاں کی چند ملر لکے ملر وہ کوئی بات قابل بین نہیں اور ان کے ذکر سے میں لپٹے خط کو خشک بنا نہیں چاہتا۔ اور پھر اس کے بعد لندن کی کوہستان دلواری اور سٹریٹنڈ کی دلفریب نمایاں سب سے دلی سلم ہوئی میں بیٹھ کے ہنر گے فرانس میں داخل ہوتے تو پیرسیا کی جگر پادال مسو (PARDON MONSIEUR) اور پادال دم (PARDON MADAME) ہنر لے لی۔ فرانس میں یہ قاعدہ ہے کہ جب دعاوی ایک دوسرے کے پاس سے گزرتے ہیں تو دونوں ہی فقرہ دہرائے ہیں۔ بسپ کی ٹرین (CORRIDOR TRAIN) ہوتی ہے کہ نہ بہت مہلتا تھا اس لئے کہ گریزی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آتے جاتے رہتے تھے یہ خاص شوقیہ دوسرے کے ٹھیک چکر لگاتا تھا بس سرنگا کے، چھوے دسکا بہت، پادال میں پادال عام پادال میں، پادال عام کتا ہا بھل جاتا تھا۔ عجیب لطف تھا۔ فرانس کے لوگ ٹرین میں ہنر مریں تو گو آپ ان کی زبان سے ناواقف ہیں اور انھیں اس بات کا علم بھی ہوتا ہے کہ مرد و باجمت، آپ کی ہلوت دیکھ کر مسکرا دیں گے اور کئی نکتہ کی بات شروع کر دیں گے۔ میرے ساتھ ایک عام تھیں وہ فراموشی ہی جاتی تھیں اور کرائی جاتی تھیں۔ میں اگر ہنری دلتا جاتا تھا اور مسکراتا تھا۔ میں ان کی بات سمجھتا تھا نہ میری بات سمجھتی تھیں۔ تاہم ایک رشتہ سا قائم ہو گیا تھا جو ہر نوع بہت خوشگوار تھا۔

ای ٹرین میں اگر ہنری آوی دوسرے کا ہر م جاتا تھا۔ پانچ دن میں ٹھہرنے ٹرین کے ایک کمرے میں بیٹھا، اچھے چھوڑی چھوڑا ہنر کی مشابہت کا مطالعہ کر رہا ہے۔ آپ نے کسی وقت پرورد me محبت سے جھگڑا کیا تو غور نہ کیجئے ہنری دلواری میں آپ کی ہلوت ایک نظر دیکھا اور پھر مطالعے میں مصروف ہو گئے۔ خدا شاہد ہے کہ اطالیہ، سٹریٹنڈ اور فرانس دیکھنے کے بعد اگر کوئی کہہ لے کہ کوئی میں چاہتا ہوں میں چھوڑے کی قسمت ہے، دقت ہے، خدا اس لئے کہ ہم پیرسیاں دوسرا پادال کے لئے کوئی مشور

کرنے کا یہ بعد میں معلوم ہوتا تھا۔ ذیل انگریزوں۔ یوں میں دو ہفتہ کی لکڑی کے باشندے (ریاں یوی) جو سونہر زینہ کی سیاحت سے واپس آئے تھے وہ بتاتے تھے کہ (Kashmir) پر ب دنیا کا پکڑا ہے تھے ان سے دعائی ہو گئی۔ وہ بھی چکل لندن میں ہیں۔ برطان کی اپنی سوگوار ہے۔ آج شام کو انہوں نے مجھے کھانے اور سیر کی دعوت دی ہے۔ اغلب تجربے جائیں گے۔ افریقہ، سیون، چین اور امریکہ دیکھ چکے ہیں۔ ہندوستان جانا فتنہ لکھتے ہیں۔ فی الحال یورپ کی سیاحت کر رہے ہیں۔

غیر ہندوستان کو متفر کروں۔ ہولے ہولے لندن نیچا۔ لندن کی وسعت اور عظمت کی کہانیاں تم کوئی سن چکے ہو۔ لیکن شہ بھیجے ہوئی کو وہ نہیں سکتا۔ بھلا جہاں بازار میں لاکھوں سوئرب اور ٹریس اور بس گازیوں اور جانے کیا کیا ہے شحات بھائی جادی ہوں یہاں دماغ کو فرست نہیں لیتی۔ اور دل بے چارہ کس شہر میں ہے دل میں ہوئیں تو جب انھیں حب و دیش پر ہائے دیش کی کیسا ہوتا ہے!

یہاں آتے ہی ضرورت سے فارغ ہو کر تجربوں کے استہارہ دیکھے۔ ہم کی جی *EVERY MANS THEATRE* میں *Alms of the man* جو رہا ہے سخت دیرینہ ہے۔ لیکن بھلا ہم دیکھے کیوں باز نہ گئے *Old man* *Light of Asia* میں *KING JOHN* جو رہا ہے وہ بھی دیکھیں۔ *(PHILHARMOUR)* میں *Alms of the man* بہت شان سے شروع ہوتی ہے اور دیکھنے کے قابل چیز ہے۔ ایکنگ تو خیر چھوٹی سب (بے ہودہ ہیں) لیکن *Alms of the man* بہت نرس سے پیدا کر گیا ہے۔ طر تو آپ نا جو میں ضرور دیکھیں گے لیکن اندر کرے جو جو سستی تیاں تھی وہاں بھی ہو۔ گوتم کی پیدائش میں انہوں نے سورج سورج کی پیدائش کا ساغ پیا گئے کی کوشش کی ہے اور اس دور میں جو جو سستی بھی تھی اس میں بڑی کچھ شہسار تیاں صاف ستائی دیتی تھیں۔ اس میں آپ فرما رہے ہیں بھلا نہ کہیں اور یوں بھی اور چھڑا کے سلسلے پر درگرم میں ہندوستانی راگن کا رنگ نمایاں تھا۔ ایک مقام پر گوتم بھلاپ ایک خوب دیکھا ہے وہاں پرانی چھڑا تو بالکل خاموش تھا صرف *Alms of the man* کی اندر بہت بڑا دائرہ *Alms of the man* ہوتا ہے صرف اس کے آگے اس سے نہیں آتا۔ بھلاپ کے جس طرح ستار بکلتے ہیں تیا کی گھبر تھر تھرائی ہوئی مری بہت ہی موزن معلوم ہوتی تھیں۔ ایک مقام پر کچھ بنگلہ سا تھا وہاں سب اور چھڑا بجلنے والے اپنے گھر سے بھی مریں نکلتے تھے۔ اتفاقاً نہ کھنے لاپتے تھے۔ یہ تصویریں جو آپ کو بھیج رہا ہوں۔ تھلے کے بعد مفت لٹی ہیں۔ لٹی کی معنی وہاں ایک علاقہ میں رکھی ہیں جو چاہے جتنی چاہے اٹھ کے لے جاتے۔ باقی سنیا، تھیرنوں وغیرہ کے تعلق جو سوالات آپ کے دل میں آئیں وہ یا تو مجھ سے پوچھ لیں یا میرے آنے تک ملوی رہ گئے۔ میں فی الحال لندن میں تیا تیر ہوں۔ چند دن بعد کیمبرج جاؤں گا۔

لندن میں ہندوستانی عباد کی انجن میں بھی گیا۔ وہاں کی خاطر وہاں کا بر بھی بن گیا۔ لیکن وہاں کی فضا میرے لئے ناموافق ہے۔ بھلا جہاں طرح طرح کا نیو اپنی جاتی بد فیزیوں پر ایک ایسا انگریزی اخلاق کا غلط چرٹا ہے فرعون بے سادہ نا بھرا ہوا ہاں بھاری کے پیٹ میں درد و جہان جو بغیر ڈی بھائیوں کا ذکر ہی جانے دیجئے

راز و رقیامت اگر غم است اینست

کہ مدئے مردم غم عالم دوبارہ باید دید

حدت لکھنؤ میں سعید میں بہشت اسلامی دوسرے ہمسے داخل ہوا تھا اور حال یہ ہوا کہ بعض اپنی طرفت کی وجہ سے ابھی تک مسلم ہیں

ہذا سلام خود با شنگہ سوم ہوتے (سالک صاحب کو یہ فقرہ سنائیے)
 میرا یہ خط احباب کو سنلایا۔ جنگ سے کن کریم قدیس میں نہ بجا ہندو کی سپہیل جو ہائی تیرے پہلے مدد سے سک
 کویری ملنے سے بہت بہت پیار کرنا (کلامہ کیا ہے؟ پیارینا! لیکن سالک کو پیار لینا۔ کچھ بے سہی سا حلوم ہو گیا ہے۔ سالک سے پد
 لینا کچھ کامداری سے مدد ہو رہی ہے۔
 میرے دوستے منشی صاحب کے کچھ روپے نکلتے ہیں۔ تین یا شاید چار۔ آئی دعو ان کے لئے چاکلیٹ کا ایک ڈبہ فرمایا گیا
 اہم کیا کر سکتا ہوں۔ حنیف صاحب کی نفیس ونیس میں بہت یاد آئی۔ مثلاً گشتی میں سو رہ کر میں۔ ٹنگہ رکے سے ملے۔ مگنہد
 تیرا مولوی صاحب اہم براہد مہترم میر علی صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیجئے۔ گروہادی بابو۔ ماسے صاحب۔ اختر
 صاحب۔ ... اہم منشی رشیدین کو نواز۔

حکیم دوست حسن سے کہئے نینگ خیال خدا کے لئے سمجھا لے۔ یہ سلام ابھی تک تہذیب کی گنجینہ۔ حکیم مد شمع کو میرا سلام
 پہنچا دیجئے۔ اہم کہئے کہ یہاں لندن میں ایک ہندوستانی تیسر کی سخت ضرورت ہے۔ کچھ اس کے متعلق بھی غور فرمائیں۔
 آخر صاحب کو سلام۔ باقی جو تھو خیراٹے اس سے کہئے تمہاری لئے نہیں سلام بھیجا ہے۔ آئندہ میں ایک ہر سہ ہندو
 مکہ چھوڑا ہوں۔ اس کی ہزاروں ہزار کاپیاں پھراؤں گا۔ میرا پتہ یہ ہے۔

(۳)

ایسا بھائی! غالباً میں نے تمہیں آخری خط لندن سے لکھا تھا۔ پھر اس ایک کاروباری خط کے جو کیمبرج سے اس کے بعد بھیجا
 اس وقت دلی کی کیفیت یہ تھی کہ حکومتان میں نووارد تھو ہر ایک چر کو لکھا ہر شانت سے دیکھتا تھا لیکن اندھ ہی اندھ گھاروں کی مانند
 تھو لکھا اس سا ہوتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں مرحوب کے دینی تھیں۔ اہم لباقات اگر زدن کی اہم صوم کیمبرج کی لکھنؤ کیمبرج کی لکھنؤ کی لکھنؤ
 سیکھے کلابے حد ستان تھا لیکن کوئی سیکھنے والا لکھتا تھا۔ اس لئے ان چند ہندوستانیوں کے جو رہنے واقف تھے اہم کی حکومتان میں قائم
 ہوئے کچھ ورم گند چکا تھا۔ لیکن ان کے دے میں ایک تھن۔ ایک رحمت۔ ایک سلی پی۔ ایک کھوکھلا ہٹ۔ باقی جاتی تھی جس سے ہر کوئی
 بھاگتا ہوں۔

اب یہ حالت ہے کہ کیمبرج کے علمی، ادبی، معاشرتی مشاغل میں ہنگ ہوں اہم جس سہرت اہم سلیف سے میں نے یہاں
 کی زندگی اختیار کی ہے اس پر میں خود حیران ہوں۔ ہندوستانیوں سے رفتہ رفتہ قطع تعلق ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ آج کسی ہندوستانی
 سے بہت کئے ہندو حواں دہ ہے۔ انہی دوستوں کا حلقہ لکھنؤ میں وسیع ہو رہا ہے اہم گزراوقات کا ایک خاص ٹھنک بنتا چلا جا رہا ہے
 دل دھارنے لے لے ایک عیدنا اختیار کر لیا ہے اہم سرگرمی اس میاں پر پڑی اتنے کے لئے وقف ہے۔

جب میں کیمبرج میں پہنچا تو تمام کالج بند تھے۔ باز رہے دلی اہم ہر طرف خاموشی بھائی ہوئی تھی۔ اس ورم میں میں نے چھوٹی
 چھوٹی ضروریات ہم پہنچائیں اہم کیمبرج کے گرد و نواح سے خوب اچھی طرح واقف ہو گیا۔ جب کالج کھلے تو اہم معلوم ہوتا تھا جیسے دایں ہائیں
 اہم ہر طرف ہندو ہندو ہندو کی کثرت کھل گئے جن میں سے جویم کے جویم کالے کالے لکھنؤ میں ہم شہر پر چھل گئے لکھنؤ میں
 گون۔ بھاسا چہرہ ہانے گا کس گون کیا کالے چھترے چال میں لے رہا تھی۔ چہرے ہماک تھیں۔ مسندہ دنیا دہا نیلے بے ہزار چہرے

اسیے ہیں۔ چونکہ مسمیٰ نے سانس کیا لیا ایک چھیک ساری جس سے کمرج بھر میں ایک لڑک سا گیا جیسے کسی گھری سدا کی اسب گزریں ایک لذت چلنے لگ جائیں۔ اس بھر بچال میں میں بھی ایک طرت کو دیکھ دیے جلا جا رہا تھا سینے میں ایک کتب زکرتی حد دل پہ ایک ادا کی جھائی ہوتا تھی یا الہی اسب کیا ہو گا۔ یہ تو دنیا ہی زالی ہے ادا یہ ہے یا مدد و دگر نہ ہم سخن ہم نہ کیا سولہ دود بھر اسب دل کی تو تیرے کے کوئی سہلا انیس۔ ہنسنے کے ہنسنے گھر سے نہ آتا تو اپنی تہائی گاہ بھی زیادہ عکس کرنے

جب لیکچر شروع ہوئے تو اس الہی نے کشمکش کی حسرت اختیار کر لی۔ وہ یوں کہ بعض لیکچروں میں تو نویں میں ایک حرکت ادا میں پندار عکس ہونے لگی۔ اور بعض لیکچروں میں یہ حالت تھی کہ اسب کمرے بیٹھا ہوں پس ہاتھ میں ہے انکس لیکچر ہر جی ہوئی ہیں۔ اسب پر تیرے ہی ہے۔ ہم تن گوش ہوں۔ ایک سبک لفظ کا حق سے سن رہا ہوں اور ہر فقرے کو دل میں دہرنا ہوتا نہ گزرتا ہے ادا کی کسی چیز پر فاقا نہیں پاتا۔ کچھ سمجھ لگتا ہوں لیکن نہیں سمجھ سکتا۔ خیالت میں ایک گونج سی ہے جس میں کچھ اڈال سکتا۔ ایسے لیکچر کے خلسے پر مجھ ساول سکتا، دیکھ رہا ان کمرج میں نہ ہونا ہو گا۔ اپنی کم لگتی پر ہے اتنا دم، اندھ لگے بہ دوستان میں صدف سے ان کا بیجا انیس۔ دل میں خفنگ سے نہ مرادے، نخت علم کو تنہا صدر۔ غصہ دیکھ، اظہار ادا سر جھکا ہوا ایک نیم روہ۔ ایچس انسان بہتہ بہتہ دم ادا کے لائبریری کی طوت جا رہا ہے یہ وہ انسان ہے جو ہندوستان نان میں انگریزی کا ماہر نفعی عریں لا محدود قابلیتوں کا مالک سمجھا جاتا تھا، دھوکا، اتھا سب دھوکا، اے میرے بچوں کے رفیق انہم عصر اسب دیا۔

نتیجہ تھا کہ ہم نے ایک تیسویں کی زندگی بسر کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اپنے آپ کو ریڑھ کی ماہریری کے ایک کونے میں گم کر دیا۔ بے کے سبب سخی جب تہا لکھا کچھ جس آیت کے جب میں یہ معلوم ہو گا کہ لندن کے عجائب خانہ کی ماہریری کی طرح یہاں کی می دامت میں جو کتاب چھے اس کی ایک کاپی کی حقد ہے اس کتب خانے میں یوں ہاتھ پاؤں مالچے جیسے ضلیم ترو دوبر ن کو تیرے عہد کرنے کی کوشش کرو۔ غرضیکہ ایک پتلا چھٹا ہوا تھا۔ ایک دیوانگی کی طاری تھی۔ چاہتا تھا کہ چتر سے لے کر روڈی تک شعر و سخن کی تمام دنیا پر ایک بجلی سی چلے اور دشمن متعیر ہو دی کی پوری ایک لمحے کے اندر میرے دل پر نقش ہو جائے ہو مگر ممکن تھا۔ چنانچہ دیا لگنے ایک خطرناک حسرت اختیار کر لی۔ کمرج کے طوفان نے میرے دم میں بھی نہ جھنجھوئے ادا معلوم اس سمند میں طوٹے کھلنے لگا۔

اس کے بعد مجھے کیا پیش آیا؟ اس کے متعلق مجھے یہاں کے طریقہ تعلیم کے متعلق ذرا تفصیل سے لکھنا پڑے گا۔ یہاں کے کالجوں کی تعداد چودہ پندرہ کے قریب ہے۔ ہر کالج کا انگریزی لیکچر ٹر پھر کے ایک خاص موضوع پر مقرر ہوتا ہے میں ایک دن دند اور بعض اوقات ہفتہ میں دو دفعہ۔

بعض کالجوں میں انگریزی کے دو تین لیکچر ہیں اور بعض لیکچر ایک سے زیادہ موضوع پر مقرر دیتے ہیں۔ اس طرح انگریزی لیکچر ابھر میں ایک ہفتہ کے اندر تیس پینتیس لیکچر ہوتے ہیں ہر کالج میں ایک لکچر انگریزی کا انچارج ہوتا ہے جس کو فائز کرنا اور سیر ہے چکا جا رہا ہے۔

بالکل محنت دے۔ واقفیت سے دوستی اور دوستی سے بے شکمی کی نسبت آتی۔ ایک آدھ محنت سے محبت دھول دے گی حلقہ بزم
گنہگار بنے۔

لکھنؤ میں دوستوں کی جمعیتیں کہیں وہ خوش فہمی سے سرکاری اور سرکاری سے دوستی نہ کرنا۔ وہ دوستوں سے ملنا۔ وقت بہت گھر کا
لوہا صحت اور عمل سے ملنا۔ وہ پڑھنے کی مجلسیں وہ دوا و شاعری کے شے ہوتے۔ استیاز ایک ہرک کی دل میں اشتی ہے پیرے بھی
کی خوش فہمی سے ملنے کی مجلسیں میرے سالک کہ نہ ہی سن ترسیاں دانہ دوستوں سے ملنے اور دوستوں سے ملنے وہ حقیقت کی شہرہ دار
(انہ کی ماہ)

خیران بانی کو دو سال کے لئے بھلا ہونے گا۔ ۱۔ وزنہ گی کا یہ دھنگ ہے کہ کالج کے اسٹڈنٹ ہیں وہ کہتے ہیں
ہیں۔ لکھنؤ کے ایک سٹوڈنٹ کو۔ دلی جگہوں میں صرف سات کا کھانا کھا کھاتا ہے۔ ہمارے اسٹڈنٹ ہیں یہ دستہ ہے کہ اسٹڈنٹ کے ہوتے
طلبہ کی تعلیم کے زیر ہے۔ شہرہ دار ہے کہ ان دو میں سے لکھتے کھاتے ہیں۔ انہ شام کا کھانا سب کے طلبہ انہ سنا دے
ساتھ کھانے کے ال ہیں ہوتا ہے چائے کا اکثر یہ حال ہے کہ وہاں کہیں دعو ہوں یا کوئی میرے ال بھلا ہے۔

مجھ کے وقت ڈسٹریکٹ مین، پاسا ریلوے اسٹیشن کے لئے غنہ دار ہوتے تھے جاتے ہوئے نظرتے ہیں۔ غنہ دار ہوتے
انہ سب کے بزرگ بزرگ کی شرم دیا کے ایک دوسرے کے سامنے ہلتے ہیں۔ پھر کان میں دھڑکی۔ نو بجے کے بعد سب گونہ ہوتے
ہوتے پیدل اور پائیسکوں پر چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر ایک کے منہ لے کے ساتھ ایک ڈگری لگی ہوئی ہے جس میں کتیاں
دفعہ ڈال دیتے ہیں۔ نو بجے کے ایک بجے تک لکچروں کے اوقات ہوتے ہیں۔ اس دوران میں کیمبرج کا نظام تین عرصے تک ہوتا
ہے۔ گونہ (۲) نوٹ گونہ (۳) جلدی۔ دس بجے ایک لکچر اس کالج میں ختم ہوا۔ اور دس بجے دوسرا لکچر دوسرے کالج میں شروع ہوتا ہے۔
چنانچہ اوقات انا دنوں میں سبے کا شام ہوتے ہوئے جانا ہوتا ہے۔ لکچر اسٹڈنٹ کے یہ ایک سمریٹ ہوتا۔ جو بزرگ جانی ہیں
ہستہ ہی تو بصورت ہوں گے۔ شکر اور زمانہ دوسلی کے لکچر بزرگ پڑھتے ہیں۔ ان اہلک اس جوش اس نشاط اس ہفت کے
ساتھ کہ اکثر کلاسوں میں ملتا ہے (میں کا طریقہ یہ ہے کہ (میں بزرگ درندہ پاؤں ہوتے ہیں) ایک سٹڈنٹ یا رشتہ
(TILL JARD) میں ملتا ہے اس انداز کے خلاف تاریخ تنقید پر بھی لکچر دیتے ہیں۔ لیکن جس موضوع پر ہوتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا
ہے کہ کلاس میں صرف نوٹ دی۔ ایک سٹڈنٹ (LAW) میں لکھے اور فقیرے اعلیٰ درجہ کا تفسیر۔ غنہ دار کی تفسیر۔ نصیحت گونی اور
بلند تھی ان پر غنہ دار کہ مطلب کہ بات بہت کم کہتے ہیں اس لئے کہ وہ کالج میں پڑھتے ہیں لیکن میں نے ان کے سمون کا ذکر نہیں کیا
تک ڈاکٹر دیو (LAW) ہیں۔ جو ان لیکن ۵۔ ۶۔ ۷ کی نظری کے ایک۔ اور جدید ان کا خاص غنہ دار ہے۔ یہ غنہ دار
کی تفسیر و تفسیر پر لکھتے ہیں۔ بلکہ بڑے موجودہ غنہ دار کے بچے اور جوتے ہیں۔ ان میں سے ایک چارے کسی بھی شے ہے) لیکن
اپنے موضوع میں اس غنہ دار ہے ہوتے ہیں کہ ہستی غنہ دار کی بات ان کے ہوتوں پر آتی ہیں۔ جو شخص ان کے لکچر میں غنہ دار ہے بھی اچھی
طرح سمجھ لے تھی اور یہ کہ وہ دن سال کے بعد انکسٹن کے بہترین تھے۔ وہ ان میں شام ہو گا لیکن اسے وہ دو فقرے:

میں ان کے پاس بھی ہوتے ہیں اور وہ اپنا جواب غنہ دار دیکھنے کے حساب سے دیتا ہے۔ چارے پیرے ساتھ بہت محنت کرتے
ہیں لیکن میں نے یہ کہہ دیا ہے کہ ان میں سے ایک ہے کہ میرا ان کے بار بار شام کو بھی ہوتے ہیں

کے شروع ہوتے ہی ایک لذتِ ظاہر ہو جاتے ہیں ان کو GOWN MAN کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر شہر کے اہل باشندے ہیں وہ سب کے سب دوکاندار بشیر یا مزدور پیشہ ہیں۔ ان کو TOWN'S MAN اور ٹاؤن کی اصطلاح میں لٹاؤنی کہا جاتا ہے۔ سب لوگ کچھ طبقے کے ہوتے ہیں۔ کیمبرج میں کالج کی حدود کے باہر شہر نہ مفقود ہیں۔

انڈر گریڈ UNDER GRADE لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگرچہ جوں بولی نہیں رہتے خصوصاً ٹوپی پٹنا گناہ کھتے ہیں۔ ٹی کا کٹے اور ملازمین کی بھولن یا ان کا لباس ہے۔ بیٹوں پر۔ بڑے بڑے سیاسی کے داغ۔ گولن کی بے عورتی کو غر کھتے ہیں۔ چنانچہ جان بوجھ کر اس میں جابجا سوراخ کرنے ہیں۔ اس سے یہ بھی منع ہوتا ہے کہ وارڈ۔ حلقہ نہیں۔ ان کے متاعل کی کثرت کا کچھ نہ بوجھو۔ ستم قسم کے جنون ہیں۔ پکھتے ہیں۔ سہر و صیاحت کی ایک کلب بناتے ہیں جس میں جنرل پلڑے تک ہوتے ہیں۔ کھلیاں بچھتے۔ گوشت کھیتے ہیں۔ اشتیاق چھتے ہیں۔ طرح طرح کے ساز بجاتے ہیں۔ نپتے ہیں۔ گویا جادو ہیں۔ مبلغ کا کام کھتے ہیں۔ تصویر کشی کرتے ہیں۔ بعض رو سا بہت اعلیٰ درجہ کی پوشاک پہنتے ہیں۔ بعض کسی سیاسی کلب کے ممبر ہیں جہاں ہمیشہ کسی نہ کسی سیاسی لیڈر کے لیچر ہوتے رہتے ہیں۔ بعض ایک پانڈو کرایہ پر لے آتے ہیں۔ بعض نے دو موٹر کاریں رکھی ہوئی ہیں اور کسی موٹر کار کلب کے ممبر ہیں جس کے مائندے دنیا کی ہر بڑی شہر پر ل جاتے ہیں۔ بعض کی زندگی گھمڈور کے لئے وقف ہے۔ بعض صبح سے شام تک لیبارٹری میں بھاڑ بھونکتے ہیں۔ ڈرامینک کھیں بے شمار ہیں۔ بعض صرف اوپرا اور سیمپل کامیڈی کرتے ہیں۔ بعض صرف پوٹائی کیل۔ بعض سیدھی سادی کامیڈی۔ سیریز ڈرامے وغیرہ سب خود بناتے ہیں۔ یا کم از کم وضع کرتے ہیں۔ فرینک ایک تعلیمی میلہ جس میں جو کام ہوتا ہے اس کے ساتھ اہلک و انضباط۔ یہاں کے دبڑے اہل ہیں۔ اور ان سب کی بہر میں وہ حیرت انگیز لاتعداد۔ اگر ہی ہے جس کو Taborion کہتے ہیں۔ ہفتہ ہر پہنچے بہادری والی مصروفیت میں گزرتا ہے۔ دن کو کھائی ہوئی ناگلیں۔ رات کو بند کمرے۔ لاش چراغ اور کھل ہوئی گتائیں۔ آوار کے دن کیمبرج کی سب آبادی۔ سب مصروفیت۔ سب چل پھل خدا جانے کہاں عائب ہو جاتی ہے۔ استاد یہاں کی آؤد ایک مجرہ ہے۔ دن کے گیارہ بجے میلوں گھوم جاتا۔ ایک دن جس سے زیادہ آدمی نہ پاؤ گے۔ وہ بھی سیاہ پوش۔ رست رفترا سوائے گرجاؤں کے گھنٹوں کے اور زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ بازاروں کو دیکھو تو پو کا عالم۔ آہیں مبرنے کو دل چاہے لگتا ہے۔ شام کے وقت دن کی کسر پوری کوی جاتی ہے اور مرد و زن کے جوڑے ہزاروں کی تعداد میں چل دی کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اکثر ٹیل ازدواج کے مراحل طے کرنے میں مصروف ہوتے ہیں اور وہ شغل ہے جو انگلستان میں شادی سے پہلے بھی جاری ہے اور شادی کے بعد بھی۔ شادی کا ارادہ نہ ہو جب بھی۔ حق تو یہی ہے کہ اسے شادی سے کچھ جدا تعلق نہیں اور جو کیمبرج کے لوگ تمام تر بچے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے اس کے قریب ترین پہلو بھی دیکھتے ہیں آتے ہیں۔

کیمبرج آکسفورڈ کی نسبت بہت زیادہ قدامت پرست ہے۔ چنانچہ گویا ہاں رنگینوں کے دوکان ہیں۔ لیکن ہاں کی طلبائیاں نہ تو نیند سنی کی مبر شہر کی جاتی ہیں نہ کسی ڈگری کی حصار۔ البتہ لیکچر میں آتی ہیں اور امتحاؤں میں بیٹھ سکتی ہیں لیکن امتحان پاس کرنے کے بعد ان کو ڈگری نہیں ملتی۔ باوجود اس کے اگر بڑی کی پاس میں پس میں ساٹھ روپیاں پڑتی ہیں۔ اگر اتفاق سے لکچر کوئی ساتھ بیٹھ جائے اس شامت آ جاتی ہے۔ ہم لوگ ایک ٹکٹ کھول کر نوٹ میں شروع کر دیتے ہیں اور

نزداد سے زیادہ میز کا ایک مربع فٹ استوں کر رکھیں۔ وہ چلے تو گھر سے اونٹری کی دم کھول کر سڑک دکھائی۔ پھر دستا نے اتر کر دیکھی ہیں۔ پھر کوٹ مندر کر بیچ کی پشت پر بھیلے ہیں۔ دستاؤں کی اس لڑائی اندر کہہ دیجی ہیں۔ پھر سینہ بیگ کھل کر اس میں سے چنل اور دال نکال لی ہیں۔ دال سے ناک بولکھی ہیں۔ سینہ بیگ کے مبرے سے ۶ ٹین میں اپنے چھوٹے کھانزہ بھیج دیں۔ کپڑے پر سے زعفران کے گھٹکے سنبھالے ہیں۔ پھر کچھ جھک کر کپڑے کو پڑوسی کی ناک میں دے کر بہت خوبصورتی کا سلیقہ سے نوٹ لینے شروع کر دیتے ہیں۔ دوست کے بعد ان کے قلم میں سب سے زیادہ جاتی ہے۔ طرعا ذکر آتا ہے۔ اپنا قلم یا سنبھال پیش کیجئے گا۔ خود گھٹکے بھر کھیاں مارے رہتے ہیں۔ ایک ایسے عجیب تجربے کے بعد اب میں ایک فائنو سنبھال لے کر دھکاتا ہوں۔

یہ صحت کیمرچر پر غور کیا ہے۔ ہاں کا ہر خودہ پھر تاریخ انجیس کی ایک نئی روش نسل ہے۔ یہ وہ سالانہ ہے جسے کہیں پہلے جان اوروڈوس نے امریکہ میں اوروڈوینوس کی بنیاد ڈالی: آئینہ کریم ویل GROW WELL سٹرن STRENGTH کورج کیوٹل۔ ہزار بجیں۔ جی۔ سن۔ تھیکرے۔ میکے نے نیوٹن، بی۔ درمیں، ایل۔ وڈو، جرنیل، ایرو، ولیم پٹ، گیسے اور ٹل کب نہیں کر چکے ہیں۔ اور جہاں انگن کی آئینہ نسل کے کئی شاخیں ہیں وقت ضمیمہ حاصل کر رہے ہیں۔ اس بارستان میں خدستان کا ایک راجہ یا پھر ایک بے رنگ بھول کیا حقیقت رکھتا ہے۔ غریب ماں باپ کا بیٹا ایک خاتم قوم کا زود انیم اور ناشوق کی مشوروں کا رٹھنے والا، فتنہ آزد کا دلدادہ، جیلے اور سدا کی مشورتن، زینہ ارادہ گزشتاں کا فریاد، الشیخ کے حقیقت افانوں میں رہا ہوا۔ خیر عیش و عشرت کا خواہشمند، اتحاد اسلامی کے غلبہ دیکھنے والا، میں سب کا حقیقت رکھتا ہوں۔ خدا احمد سے رکھے خدا احمد سے وطن کو واپس لے جائے۔ آپ میرے لئے یہی وہ کیجئے۔

دو سال کے بعد "میرے مولا" جانے دیئے مجھے: دھاکر

اس دکان میں ایک دو دفعہ لنڈ بھی گیا۔ گھیدے کو اور ادھر لڑے۔۔۔۔۔ کو ایکٹ کرتے دیکھا۔ لیکن تھیں لوں کے متعلق پھر کسی خط میں لکھوں گا۔ ایک دن پورا زخم کے ساتھ گڈاں اصناف کی حیت میں پروفیسر جوز اور یونیورسٹی کالج کے ساتھ سے دن بھر اندر پختہ اور بچائی کی اصوات کے متعلق ہنریت نیاک سے ملا۔ انہوں نے میرے حروف ابجد کو سراہ میں نے ان کی قرأت کو مزید کیا۔ بعض اصوات کے متعلق کچھ تیز بحث ہوئی کہ حل کے کون کون سے کوئے میں سے نکلتے ہیں۔ بہت جلد سے اٹھائی ملی وقت گزرتی لگی۔ لیکن میں صحت مند رہی۔

ایک دن لنڈ سے اٹھی کا خط آیا۔ "ارے تم؟" "ارے میں ہاں؟" "افہ" اس قسم کے جذبات کے انہد کے بعد جناب نے زہد کھا کھا کر کسی دن شام کے سات بجے کے بعد کھانے پر ہم سے آکر جو حضرت یہ کچھ بیچے تھے کہیں لندن میں ہوں اور خیر سے بیگلوں کا سفر ہے۔ بچا تھا، ہم نے انہیں جواب میں لکھا: "بچے بچلے ہمارے ہم جیسے شرفاء لنڈ سے کیا واسطہ۔ انہے ہم کچھ بچے ہیں جن کی گھر کا یہ یہاں کے ہم سے ملو۔ چنانچہ ایک دن خاتم کے تین بچے کے قریب آپ والد ہستے۔" "ارے یار بھائی" "ارے یہ اچھی بات ہے۔"

دو بیٹوں کے ڈھنگ پر پہلے گھر سے سداوہ شام تک بغیر ایک دوسرے کی بات سننے کے دونوں ایک ساتھ بیٹے چلے گئے۔ کبھی گھر کے لگے جیسے۔ کبھی شہر پہنچے لگ جاتے۔ فوٹو کے ہنگامہ، جب خوب تھکے رہا کرتے گئے۔ ہندوستان کی حالت زار پر بہت افسوس کیا گیا۔ اس آج سب لوگوں کو انگلستان آئے ہیں۔ عرصہ میں بغلت و غریب کے ہاں شایاں کئے گئے۔ شام کی کھانسی سے وہ نندن پہنچ گئے۔ وہاں آئے کا وعدہ کر کے گئے۔ تو پھر چھوٹے اٹھی کا کیا حال ہے! ہر بالکل وہی تیزی سے باہر دہی۔

اس بچے کی ڈاک میں تیار خط۔ ہر شخص کا خط، زبیرہ کا خط، بچوں کی تصویریں سب ایک ساتھ ہیں۔ سنی ہندوستانی میں ہے جو کچھ محبوب ترین اور عزیز ترین ہے وہ ایک کنت پیمت چھوڑ کر یہ ہے۔ پڑا گرا جنگل کے اندر کا بہت بہت شکر ہے ان کی غزل نے مجھے گھنٹوں مست رکھا، جنگل میرے بھائی اور حقیقت میرے بھائی اور اتنا میرے بھائی اور سالک میرے بھائی خط ضرور لکھتے ہاں کہ تم سب لوگ باری باری بھی خط لکھو تو بہت سے مجھے اپنے احباب کی ایک جتنی جاگتی تصویریں جایا کرے اور تم میں سے ہر ایک کو بیٹے میں ایک دفعہ خط لکھنا پڑے اور میرے بھائی کو تم خود ہی سوچ کر مجھے بھیجئے۔ ایک خط والد کو، ایک خط دہی صاحب کو ایک خط اپنی رفیقہ حیات کو، ایک رفیقہ صاحب کو لکھنا ہوتا ہے۔ اسے میرے بھائی کو! میں تم سے ہر ایک کو بھیجئے کیسے خط لکھ سکتا ہوں (میری آواز اس وقت بھڑکی ہوئی ہے) لہذا اسے میرے بھائی کو! اسلامی اخوت کا ثبوت دو اور خط لکھو۔

میں نے اس اپیل کو بہت دقت انگیز بنائے کی کوشش کی ہے لیکن مجھے شبہ ہے کہ دلدرا شاکت میں اس کی ہنسی لڑائی جائے گی۔ اور میرے جذبات کو فانیانہ بھروسہ کرنے کی از حد سی کی جائے گی۔ فلک خط باز کو کیا کہوں؟ سالک صاحب! اساذی و محی! خدا کے لئے خط لکھو۔ جنگل کے حلقے تو پار پار دیا۔ خدا اسے خوش رکھے۔

خاکسار بخاری

عمانویں کالج کیرج

۵ نومبر ۱۹۲۶ء

میکیکو کے کوچہ بازار

ہندو سرحد شاہ پوری میں ۱۹۴۷ء کی سٹیٹ سیکرٹریٹ کے لائبریری میں میکیکو کی باتوں کے خانہ کی قیمت
سے تشریف لے گئے تو انہیں جوہر شہاب الدین خیر احمد کے نام حسب ذیل خط بھیجا:

محرم و مستحق، سلام مستنون

ڈان کے کیت تازہ برہمنی یہ چرچہ کہ جسے غرض ہونی لگا کہ میں بانا ہنن اور نرگول کے ہم شاہی قوم کے علم پر رکے جائیں گے۔ اس سلسلے
میں میکیکو کے بعض طعنے لگے ہوئے ہیں۔ بدل چاہیے۔ ان کا مقررہ محل کچھ نہیں ملتا۔ عین یہ کہ کئی بات آپ کے نام کی نقل کئے۔
جہاں تک کہ لکھا گیا ہے۔ یہاں کسی بڑا یا بڑا ملک کا نام کسی ذمہ شخص سے منسوب نہیں ہوا۔ اسے لاہور کی طرح نہیں کہ جو شخص دو تین سال کے
لئے یہاں کشتہ ہوا۔ وہ کسی کسی ملک کو کہنے نام سے مزین کر گیا۔ چنانچہ وہ جہاں کی ملکوں اور ملکوں کے نام اب دیکھ میں کہ کسی کو یا وہی نہیں کہ کسی کے نام منسوب
ہم کئے تھے اور اگر وہ اب تک ذمہ ہی تو کہنے کے نام یا بڑا نام پہنچے ہیں۔ میکیکو کی تاریخ یہ ہے۔ تین سو سال تک یہاں ہمالیہ علاقہ رہے۔ دو لوگوں کا خون
چرا۔ شہزادے کے گھر میں ایک سے بڑا شہزادہ آزادی حاصل کی۔ اس کے تقریباً سو سال تک فائدہ چلی رہی جس میں ہلکے ہلکے اور ہلکے
ہلکے اور عوام میں وہاں دونوں قسم کے لوگ پیدا ہوئے۔ شہزادے میں ایک انقلابی فکر و تخیل کے مظاہر برپا ہوا جو کچھ سال تک رہا اور جس میں میکیکو
کے بیشتر لوگ رہا رہے گئے۔ اس سو دو سو سال کی تاریخ میں کئی مہمان و ملوک اور شاہی قوم ہلکے ہلکے اور اکثر قوم کی راہ میں شہید ہوئے۔ یعنی قوم کے
دشمنوں یا خداؤں یا کرتاؤں یا نیکو لوگوں اور اہل ہنس کی گولی یا تلوں کا نشانہ بنے۔ ان سب کے نام آج بازاروں کی زینت ہیں۔ بعض ناموں ہی سے میکیکو کے
قومی عروج کی تاریخ مرتب ہو سکتی ہے۔ عین نام تو بالخصوص جا بجا لے رہی ہیں۔

ایداگو (Morales) اور یاس (Morales) (Morales) جہاں ان میں سے دو شاہی کے متعلق میں یہاں کے مظاہر علم آزادی بلند کیا
تھا۔ تیسرا ایسویں صدی کے وسط میں میکیکو کا پرنسٹن تھا اس نے نیا کلاسیک یونین متعلقہ میں بنایا تھا۔ ادنیٰ اصطلاحات مرتب کی تھیں اس کے علاوہ ہر
شہید پرنسٹن کا ہم کسی نہ کسی بازو پر ثبت ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور ادارہ ان کے لیے بہت پسند آیا۔ وہ یہ کہ کئی بازاروں کے نام ہستان قوم کی اہم تاریخوں
کے منسوب ہیں۔ آپ کو دوہرا پیرس میں بھی ایک شہر باندا کا نام "مہرستہ"۔ یہاں یہ دم عام ہے۔ ہر پڑے شہر میں ایک ایک باندا کا نام "ہرستی"
مرد ہوا۔ اس تاریخ کو میکیکو کی حکومت نے فرانسیسیوں کو شکست دی تھی۔ ایداگو (Morales) نے آزادی کا اعلان ۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو کیا
تھا چنانچہ ایک باندا کا نام "۱۹ ستمبر"۔ اسی طرح ایک باندا کا نام "۱۰ نومبر"۔ یہ باندا کی اپنی یا سیاست جب میکیکو آتا ہے تو لاہور ایک د

وقتِ تعمیر اس کے ریل کی پرکھت نہیں۔ ایک بار اس کا نام آرٹیکل ۲۳ (۱۲۳) — ۱۹۷۷ء کے ایکٹ کے تحت لائیویشن کی طرف
 اشارہ ہے جو کہ ایسی ترمیم ہے جس میں اس لائیویشن کی دفعہ ۲۳ میں "رویل کے حقوق" اور "مقتضیات" کے لفظ "میں" اس بار اس کا نام گویا
 اس بات کی یادگاہ ہے کہ سیکورٹی لائیویشن موزوں کی دولت اور جرم ہے۔

شہر کے ایک اور علاقے میں سب بازاروں کے نام دیئے گئے۔ اہل علم کے ناموں پر گئے۔ یہ شفا ٹیپس، ڈارن، ریتلی، کوپٹین وغیرہ۔ ایک اور علاقہ میں سب بازاروں کے نام جنوبی ادھی کے نام پر رکھے گئے۔ یہ تلابری، ابٹان، کیو، گوانی، لدا وغیرہ۔ لیکن جہاں کسی بازار کا نام پہلے ہی کوئی خاص تاریخ یا کسی شہر کی کوئی اور بہت رکھتے ہوئے، یعنی نہیں دے، سو وہ یہ تاریخی بہت قومی جو یا محض مقامی اور خواہ کوئی ادبی یا کوئی اور بہت ہو۔ اس کی مثال لاہور میں یہ ہے کہ تاریخی بازار جوک وزیران، یہ انداز کی گئی ایسے مہم بدلے جانی کیوں کہ ان میں مقامی تاریخ کے کوئی چپ بہت نکلتے ہیں۔ یہاں ہر شہر کی مقامی تاریخ میں خاص طور پر دل چسپی پیدا کی جاتی ہے۔ ہر شہر کا اپنا ایک عجیب و غریب مقامی تاریخ، متعدد تاریخ، یا دیگر یادگاریں اور علاوہ ہر مقامی صنعت و تجارت کے نمونے خاص طور پر رکھے جاتے ہیں تاکہ سیاحت اور شہر کی تمام خصوصیات سے آگاہ ہو جائے اور اہل شہر خود بھی جان لیں کہ ان کے شہر کی تاریخ کیسے اور کیسے کی گئی۔ یہی بات صنعت و تجارت اور فن و ادکاری گری کے کیا بہت رکھتی ہے۔

تاریخ اسلام کے شمار شمار کے ناموں سے پڑے اور عالم اسلام میں بہت سے شہر شفا مکتہ، ہدیۃ العباد، قریطہ، غنم، ایسے شہر ہیں، جو قوم کے ذہن میں حکم ہو جائیں۔ اس سب قوی کو تقویت پہنچے گی۔ علیٰ ہذا تہذیب اسلامی اگر مشہور، عمارتِ اہدایوں کی مومن احسان ہے۔ شفا جلال الدین رومی، خواجہ معین الدین چشتی، یا شہر میں حافض، عریضام اور ہاسے اپنے شعور میں غالب، ذوق، محبت، آزاد و غیرہ وغیرہ مزید کر دیا جائے تو ہماری تاریخ اور تہذیب کے کئی اہم پسندیدہ نغلیں گے۔ جن سے ہماری قوم کو آگاہ ہوتا چاہیے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس نقطہ نظر سے گزیر اور مشورہ کے طور پر ناموں کی ایک فہرست جمع کی جائے اس فہرست کو پاکستان کے تمام صوبوں اور صوبوں کی معرفت میونسپل کمیٹیوں کے پاس بھیجا جائے اور ان کی توجہ بالاماحت اس مقدمہ کی طرف مبذول کر لی جائے جس کی تہ میں سچا احاس فرض کے لئے ہر جگہ ہر شہر یا لوگوں کی کمیٹیاں بنائی جائیں جو شہر کے تمام بازاروں کے ناموں پر غور کر کے میری ناقص سلسلے کے ہر ایک نام پاکستان کی مذمت و اظہار و احسن انجام دے سکتی ہے۔ اسی لئے یہ مشورہ آپ کے گوش گزار کرنے کی جرات کی علاوہ براں انگریزی الفاظ مثلاً، اسٹریٹ وغیرہ کی محنت سے بھی نجات حاصل کر لی چاہئے۔ مصلحت کی دلی میں ہر ملک اور بازار کا نام موجود تھا۔ لیکن

تمہیں ————— ۴۸ ————— پری نمبر

روڈ مارٹر میں استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ بار بار ہاک ہا مارم، تمام پختہ کی، کچھ دیر دیر دیر۔ کئی اکتافہ اس کے لیے میڈیا اسٹیشن نے ہ
سکتے تھے مگر روڈ مارٹر میں دیر دیر کام دیں۔

ہمیشہ آپ کی فریت اور سیرکالانہا
نظاری

خطوط

بنام عبدالمجید سالک۔

بریل۔ ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء

برادر محترم۔ سلام بخیر۔ لاہور کا نقشہ قلمی بن گیا ہوا۔ آپ کی ۹ شہر سر شہر پڑھ کر افسوس ہوا کہ خط مکمل ہوا کہ
ہا کیوں ہی حدان میں نہ م رات کا خط بھی ملا جس میں حقیقتاً دہشتا کی ایک تازہ تاریخ گولی کا بعد مختلف کی علامت ہوا۔ سدا عورتوں کا۔ ناشد
نہ بعد شہر پر ایک شہر میں کے جس نے قلمی حقیقتاً دہشتا کی ۹ شہر سر شہر پڑھ کر افسوس ہوا کہ خط مکمل ہوا کہ

خست۔ وہ وہی کیا ہر دین غلط ہے

کچھ نہ کہا حقیقتاً نہیں یا شکر اویا

ہاں یہ خط درج شدہ بریل میں ہے اس واقعہ کی تاریخ بھی۔ چرچت دروں (شہر) رات کے چھاروں کی کتابیں بھی ہیں جن سے شب درو میں کچھ
تھیں پیدا ہوئی۔ آپ کو خط لکھنے سے طبیعت کا یہ حال تھا کہ انسان صاحب کو بھی ایک خط لکھ دیا اگر نہیں جواب کی توقع ہوتی تو اس میں ہوگی ایک اور
بوند نظر آئے سنے کی بہر حال معنی انہیں مطالب کر کے بھی مبع ملاقات کا امر آواہی کیا لکھ دیا ایک سبب درکش کے ہاں ملک راق آنند کی ایک تازہ
تغیث انڈین پیر فٹو آئی۔ کتاب منقر ہے وہیں کھڑے پڑھ لی برائے طلاق اور شان درشکوہ سے چھپی ہے۔ لیکن جہل اور تعصب کا عجیب و
غریب واقعہ ہے۔ آندہ اخیر اور بنگالی پیر کو بہت سراہا ہے لیکن نہ دستاویز کے عنوان کے تحت میں بہت کچھ نہ لکھا ہے۔ خواجہ احمد عباس اور پکھلی
راج کپور کو پیر کا نام قرار دیا ہے آفا حشر کے متعلق لکھا ہے۔

A HACK WRITER CALLED AGHA NASHR A THIRD RATE POETASTER اس کی قسم کی اور خرافات کہ کر آندہ حشر کو تین یا سڑوں میں ٹھہرا دیتے تین بن میں آگ لگ گئی۔
سالہا سال سے اتنا زہرے الہا کرتا چلا آیا ہوں کہ آدھم تم بل کر آندہ پیر کو ایک کتاب لکھیں اور میں بھی اور آخری میں بھی۔ ہمارے انتقال کے بعد
کوئی یہ کام نہ کر پائے گا۔ جس اور ہمارے پاس موجود ہے اور حشر کو تین یا سڑوں میں ٹھہرا دیتے تین بن میں آگ لگ گئی۔
ظلم سازی انہیں ایسی چڑھے کہ ان کی علم کی دستاویز خواب ادا فسانہ ہو کر رہ گئی ہے ان کے بغیر یہ کام بجا کیلئے کے جس کا نہیں۔ ذریعہ سب ان کے
پاس ہے اور وہ متعدد کھیلوں سے واقف ہیں جن کا کچھ موت نام معلوم ہے۔ آپ کو یہ داستان درد اس لئے سار ہوں کہ ان کی طبیعت میں
اکا ہیٹ پھرے نہ پیدا ہو سکے کہ آپ اس کام کا پیر لکھیں نہیں اٹھاتے۔ مانا کہ آپ کتاب کی میں میں اور میں خیر بارک میں اور معلوم یہ بعد کب تک
رہے گا نام یہ شکل ایسی نہیں کہ سب پکا نہ سکیں جب تک ہم لوگ زندہ ہیں یہ امر محال نہیں۔ موت کے بعد میں حاصل ہوگی تو کوئی اسے نہ پکا نہ

کے کا لیکن "ہاں غلط" تو "چھٹک" گئے ہیں۔

بدوستان سے خواتین ہے اس کی خبر کھن رکاری دروازے سے کوئی پہنچی ہے تفتیش سے تفتیش سے ہی اس کے طبیعت سے رہتی ہے نہ معلوم نہ وہ صاحب کے سر میں آیا سوا اس لیے کہ حق و راستی اور صلح کو کسی سے انہوں نے بھیجیں نہ کوئی میں شاید آئندہ الیکشن کی میں نے عمل و فرائض کی یہ اگر کسی ہے اجاروں سے صلح محتسبہ کو نڈن سلطان کے ڈنڈوں کے تحت ہے۔ صاحب کو گن کا کامی دنا سر پر پاکستان کی بہت اہم پاکستان کے لیڈروں کی دانائی اور مہر کی کے یہاں۔ اب لوگ قافل میں اور پیش از پیش کا دوسرا ان کے صورت سے چلے جاتے ہیں۔ خدا کا نندہ بدوستان کے ان میں مرد و زن سب اپنا کر یہ حاکم ہے ہیں۔

بقیہ احمدی صاحب کا سلام پہنچا۔ خداوندی خوش رکھے۔ ان کے حالات افسوس کہ بہت مختصر ہوئی ہے، ہم بار نہ صحت یابی انہیں میرا سلام متفق ہی پہنچا دیکھئے۔

غالب

بقاری

(۲)

یہاں، ۱۹ ستمبر ۱۹۶۶ء

براہر محترم سلام سنوں۔ جیسے آپ مع انجمن اہل بیت پہنچ گئے ہوں گے۔ انقلاب کے مصلح ہر جانے کے بعد آپ اغلباً مسلم قانون میں غارت گین ہوں گے ہم جب کبھی شہر جانا اور دوستوں سے ملاقات ہوا انہیں میرا سلام کہئے "چند دن جسے میں نے امتیاز کو خط لکھا تھا جواب سے سب معمول ہوئے اور شاید خودم ہوں اور کچھ نہیں تو کم از کم میری خودی ہی کا احساس ان تک پہنچا دیکھے کہ شمس کے کاروبار میں اس سے بھی بالاتر بات فکری ہو چکے۔ کیا صوفی صاحب بدستور فرماشل میں عمران میں یا کجری، دو کی سرکاری کوٹھیل میں سے کسی کو کھلی میں پہنچ گئے ہیں نہ معلوم نہیں کون ہے۔ آخری اطلاع ڈاکٹر صادق کے متعلق تھی اور کیا شریف صاحب کراچی میں یا لاہور واپس آئے؟ ان سوالات سے مکملہ مصلحت کو کرنا مطلب نہیں محض احباب کے مستقر و محل کا نقشہ ذہن میں جانا چاہتا ہوں اسی طرح کے سوالات کو بھی صاحب اور عابد علی صاحب کے متعلق بھی پوچھا جاتا ہے۔ آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ عابد صاحب نے زندگی میں چند دفعہ ڈرامے پیدا کئے ہیں۔ یہ ابتدائی سفر سے بھی بلے خبر ہوں۔ اس لئے مکمل کاغذ کو تک سمجھیں نہ آیا۔ فیض حکیم کے متعلق آخری اطلاع تھی کہ وہ اقبال کینیڈا کی کے ڈاکٹر ہیں۔ کیا یہ کسی بھی پب رہی ہے اور لاہور میں ہے؟ میں نے فیض صاحب سے اس کا نام پلچر پر یہاں کے ایک مستند مکتف کے لئے ایک مضمون کھایا تھا وہ مغرب اور اسیفانی عالم کے رشتہات تعلیم کی محبت میں کتابی شکل میں شائع ہو گا اور یہ پہلا موقع ہو گا کہ اسلام پر کسی پاکستانی کا مدلل مضمون اس ملک میں عزت و اہم کے ساتھ چھپے یہاں کی ایک یونیورسٹی میں صاحب قدیم اور حقوق انسانی کے مضمون پر دسمبر میں ایک مناظرہ ہو گا۔ اس سلسلے میں بھی میں نے فیض حکیم صاحب کے لئے بے حد سعی کی کہ اسلام کی حتمی زندگی وہ کریں۔ آخر اس میں کامیاب ہوا۔ فیض صاحب کا کرایہ دیگر یونیورسٹی سے کی گئی تھی کہ *Mc Gill* یونیورسٹی ویلے دے کہ اسلامیات کے علماء اور تاریخ تحصیل بزرگوں کو سال دو سال کے لئے یہاں بلانا چاہتی ہے مغرب دہلی کے ہر طرح سے انقلاب

انھیں کہنے پاکستان کا دورہ کریں گے میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ آپ سے بھی وہاں کے مسیحیوں سے مل جائے ملک کی سیاحت کیجئے میں —
 "MODERN ISLAM IN INDIA" کے مصنف ہیں۔ آغا سید وہاں بھی لڑتے تھے ہیں چودہری ظفر اللہ
 خان صاحب آج کل یہاں ہیں۔ مباحثہ کتب کے لئے دوسرے سینکڑے مسیحی تیار کر رہے ہیں اور سب انتہائی دوسری معنویت میں خدا کے نام
 اس قبضے سے عزت کے ساتھ اور جو اس میں رہتا ہے۔ ایک اور یونیورسٹی میں ایک مسیحی آپ پرتی پر سیرت کرنا چاہتی ہے لیکن کسی ایسی فی یونیورسٹی
 کے ساتھ مل کر جروت اور پنجاب و فوج غریبی میں پنجاب کے کتب کے کتب کو کرنا میں۔ خدا کا نام ہے جس نے اس کی خلوت اور پنجاب یونیورسٹی کے
 اتنا کہ کائنات پر جو کہ وہ برآمدہ اٹھائے میں یہ شخص جو انڈین سائنس فائنل کالج میرے مدرسہ میں رہتے ہیں اور رہتے ہیں۔
 آپ کے لاجوں میں جو برآمدہ ہوئے لافیاں آئے تو کئی ہیں، وہ جو جاتی ہیں تاکہ جب تک آپ رجب میں تھے آپ کی موجودگی سے
 یہ وہ امدان کے تعلق سے کہ اب اطمینان تھا۔ سب لوگ لڑچکی کی سمیت بہت سے ہیں لاجوں کا دعویٰ آپ پرتی آپ کیلئے ہے۔
 مہر صاحب کہاں میں اور کیا کر رہے ہیں۔ انھیں اب بھی اپنی بیوی کے ساتھ ہیں کہ کبھی بعد میں رہتے ہیں کہ کبھی نہیں رہتے
 ہوں گے انہیں بھی میرا سلام کہئے گا۔

آج اٹھارہ دن ہے۔ وہی چارٹ نہ ہوں۔ یہ مشغول ملک اور ہر ملے میں سوہان روح متا چلا رہے ہیں۔ لگے نئے سے پیس کے سفر
 کے لئے شیکے گا اور شروع کر دوں گا۔ چلے نیچے سب کے سب زادہ الیحا۔ جو چلے یہ۔ لال شام ملی ڈرن پر بری۔ نہ تو ٹیوٹر ہوئی۔ چھ شہر چھ چھ پانی
 مہر نامہ چھ کر گیا۔ دوسرے مل لیا۔ غرضیکہ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے شام
 خاک ر
 بخاری

(۲)

12 E 65 4 STREET NEWYORK

۲۲ مارچ ۱۹۷۹ء

برادر محترم سلام مسنون۔ یہ معلوم آپ کا کیا حال ہے مجھے سے آپ کا خط نہیں آیا۔ یہ آپ کا شیوہ نہیں۔ اس لئے آپ کے متعلق تشویش
 ہے۔ خدا آپ کو اپنے حفظہ و امان میں رکھے۔ چند دن سے بیماری کی بیماری سننے میں آئی ہے۔ سہ ماہی چارے کو کھانا ہو گیا اور کھانا آیا تھا کہ اب
 بہتر ہیں۔ اسے میں اب کی دوسری گزرتے نہ معلوم اب ان کا کیا حال ہے۔ میں پیرس سے یہاں۔ فردری کو پہنچا۔ بالکل ڈر۔ پہلے انھوں نے ہوا گیا
 اس سے صحت یابی تو خرمن کا دواؤں کوٹ کر گیا۔ اس میں چکر لگنے لگے اور صاحب فرانس ہونا پڑا۔ اب بااصل سندرت ہیں۔ زبیدہ کو عرصہ سے ادنیٰ گیریا
 کی شکایت ہے۔ وہ آج کل پنجاب میں ہیں۔ یہ ہے آپ سے ملاقات ہوئی ہوئی دیکھ لیں آپ کو اچھی نہ لگے کہ ہوں آج کل کام میں گھرا ہوا ہوں۔
 سیکرٹری کوئل اور ڈس آر مینٹ کمیشن میں ہونے کی وجہ سے معروفیت بہت بڑھ گئی ہے۔ پاکستان کے کئی لوگ آگ میں ہیں ہر وقت یہی فکر رہتی
 ہے کہ کوئی کھانا کھانے پر بلوائے۔ اس صاحب کمیشن وزیر کے میرے معاون مقرر ہوئے تھے۔ جنھوں نے کئی جلسے مارچ میں یہاں پہنچے۔ وزیر خارجہ

انہیں اپنے ساتھ جلاوسلار کے دوسرے پرستے گئے تھے جب راجہ واپس پہنچے تو انہیں یہاں پر سے ہٹنے، دو ہسپتال لٹ گئیں اور ان کے ساتھ اور خیر ملی، غرضیکہ بوجہ پریشان رہا باب زندگی کا نقشہ بھر کر بیٹھ گیا ہے۔

پہلی تاریخ موت تھی لی کہ ہم کی صاحبہم رخصت ہو گئے، یہ وہ سلسلہ تھا، اسے بھی کی بیٹھے جہلم سے مزید اٹھارہ آئی صوفی رہے کا ایک نادر سلام عبداللہ بن مولوی صدر الدین مرحوم کی وصالت سے پہنچا عید یہاں وچاؤ غیر رسمی میں نصیحت پہنچے یہی عقربہ واپس جا رہے تھے، عباس دہلی سے یو این بلائے کی کوشش کر رہے تھے وہ انہیں تربیت ہی خوب جو بیٹھ رہا تھیں یہاں اپنی لیکچر بازی ختم کر رہے تھے اب دانشمندی میں سست رہے تھے، آگے سفر ہو رہا تھا لیکن اسے اور دو چار دن کے بعد راجہ کا عالم ہو گیا تھا۔

ہزاروں اطاعت و فخر میں اب سب توں مانگ رہے تھے، یہ سب یہاں رہتے رہا ہی تھی، یہ رپت کا فخری سنبھالا تھا یوں فخری کے ساتھ سے بہار کا موسم شروع ہو چکا ہے، عقربہ مکان کی دریا پر چلیں سر میں مضمحل دیکھ رہے تھے، وہ بھی بھری ہل گئی، دن یاد آتا ہے، داسب ظلم تھے تو مارچ کے مہینے میں امتحان کے خیال سے رخصت ہو گئے تھے، تعلیمات کا اشتہار تھا، بہار کی ہوا میں یوں بھی چلتی تھیں، جی، اور کاروبار میں بہ فوج جاری رہتا تھا، کیا اب بھی رادی کے کس پار قبو جہاں کے باغ میں کوئی کی سند سستانی دیتی ہے، کیا اب بھی ظلم کا موسم تیرا ہے، جب بیماری کے عالم میں، اگلے مالی الذہن تھا تو سب لاس اور لاس شرب کے کئی وقتے تھوڑی تھوڑی دیر کو مارا، میر جاگ اٹھے تھے، راجہ کا ساعت کی بزم عشاق، دلی مسوئل میں وہ، فرمان لا جو، بے مل مرحوم، فرزند علی و جہم رات پان کی وجہ سے طلبہ لسان دے تھے، شش محنت ٹانگی، نتیجہ پورے رانی انارکلی میں مسلم احمد شجاعت کامران، باب کا گناہ، تاثیر کی لیل پائی، درجہ جنتی چوراف من سرت دموت کی قسم وہ ہیں میں، ڈیگ پر بھی کاشکار جنگ کی پوسٹاڑھیں، پھر گارنٹ کا کی لاج کا دور، صوفی کی بچائی عزتیں، سب دیگ کی تھیں۔ اسے کاش کوئی ازرب خوان اور ان پریشان کا تیرا رہا باغ دوسرے۔

فہمے دیم خون رولی دہ دہی بود
خوشی عقل و مایں منکد لا یعقل بود

دش بر باد و جہاں بکرات سترم
بس چشم کہ پر سب درک باق

آپ کی غیرت کا طالب ہوں اور آپ کے خط کا منتظر۔

فکسار
بھاری

خداش و دہرہ ال از بلا گہ ارد

میرا بھی جانب الی و فاکلہ دار

نمبر ۲۰، اپریل ۱۹۷۷ء

برادر محترم، سلام سنو، گرامی نامہ پہلے تاریخ لیکن کتبہ اہل اپریل شرف معصود یا ایک خالوں نہیں پر پولیس میں ایک ہی مکتوب سے آپ خبروں کا ایسا بھر لاؤ کہ دیکھتے ہیں کہ بیٹوں کی تشنگی منٹ جاتی ہے، جب سے پیرس آیا، منکد توں میں مستغرق رہا، منکد اس

آپ اور سلطان پر کچھ ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے

اور کچھ ہے کچھ مشکوٰۃ اور کچھ ہے کچھ بھیجے۔ یہاں کا شاپہ از مدبر؟ ہوتا ہے۔

فاکد

بخاری

۶

نورال۔ ۸ فردین مسٹر

بروز نوم سلام سنون۔ جب نیرہ گھنٹہ پہنچا تو جہان سے بیار اتر آئے آرامی میں ایک قیدی اور کٹ بھی جہاز ہی میں رہ گیا اور اس کے
کے لئے کی گئی امید میں (سخت گزار اور بخار۔ یہ ہاسپتال سے گئے اب انا قبے لندن میں جو میں گئے ٹیٹا بنا۔ جہاز والوں نے ایک ایسے
خوش میں پھر کیا۔ جو مصافحات میں واقع تھا بڑی سی عمارت جیسے کسی انگریز میں کا محل ہو۔ اور گروسٹ بارغ۔ دن بھر میں کے آفتاب خانے میں
بیٹھا رہا۔ اس وقت آتش سے جوندن میں رہتے ہیں طاقت یا نیلی فن کی دشت زکی موسم بہت تھو خیاں تھا نزلے میں کچھ سخت ہو جائے گی۔ لیکن
نہ مونی۔ فاجر کسی کو گندھنے کی اطلاع نہ دی تھی البتہ روم سے ایر پورٹ پر اسلم ملک اور اس کی بیوی نے آئے گھنٹہ بھر کا وقت ان کی صیت میں
گزارا۔ کراچی سے میرے ہی جہاز میں طیب میں واپس نا۔ وہاں سے گئے۔ قابلہ کے ایر پورٹ پر ان کی بیگ صاحبہ دروازہ محمد سعید کی صاحبزادی) انہیں
پینے کی پانی تھیں۔ اس سے کچھ گپ رہی۔ دیارک ابھی فانی فانی ہے ابھی تک کسی دوست سے تجدید مرا کی صحت نہیں لی جو بڑی ظفر اللہ
ذیل یہاں سے مینا اپنے ہیں آج پہلی تیرہ روز تیرا۔ جاتے ہی کام میں مصروف ہو گیا۔ کچھ عجیب اور کچھ دل بہانے کے مسہ دیت دیکھ
تفکرات ہو رہے۔ آج ہارون کا لانا آیا ہے کہیں شادی مارچ کے آخر میں کرنا چاہتا ہوں اسے میں نے کھلے کر زبیدہ اور منصور کے ساتھ مشورہ
کے فریج کا کھنڈہ کچھ پیچھے منصور کی شادی کے اخراجات کا قسط اسے میں نے یہاں سے بھیج دیا ہے اس سے مدد ملے گی۔ وہ کہتا ہے کہ شادی
بیسے اپریل کے مارچ ہی کے مہینے میں مناسب ہوگی خدا کہے اس وقت تک میں کچھ پونجی جمع کر سکوں نے احوال تو بخیر ہیں مجاہد کر رہے ہے۔
خدا وہ ہے کہ کرم کے لوگ اس دست سب خیر ہوں کے اور زبیدہ اکیلی ہوں گی۔ خیریت دیا ذات کرتے رہے گا۔ جب میں کراچی سے روانہ ہوا تھا تو
اسے بھی بخار اور زکام تھا۔ شادی کی ہانگ دوڑنے لائی تھا لایا۔ منصور اور زبیدہ غلبا غلبا نہانے دلی چلے گئے۔ ہارون لاہور میں ہے بلکہ آج
کل اور سے پر ہے وہ ۲۲ فروری تک اور سے پر ہے گا۔ ذوالفقار کے اوقات جیسے مودت ہیں وہ آپ دیتے ہیں

کراچی آنے کا وہ لطف نہ آیا جس کی امید تھی لگ پروردہ اور ان کی گفتگو اکثر متفکر تھی۔ علاوہ برائ شادی کے تفکرات بیشہ و ماغ پر
عادوی رہے۔ روم تیرہ لاہور تو گیا لیکن لاہور سے ٹکٹی یا طبع ہونے کی فراغت نصیب نہ ہوئی۔ تاہم غیبت ہے کہ سب احباب سے (بجز ایک عابد علی
کے جو برات میں بھی شامل نہ ہوئے) ملاقات تو ہو گئی۔ اب دیکھئے اگلے دو ایک سال میں نانا ہر ایک سے کیا سلوک کرتا ہے۔ آپ کی محبت بدستور
نہیں کاسر چھوڑ تھی۔ جو تھپتھپے نصیب ہوئے وہ آپ ہی کی بدولت نصیب ہوئے اور شادی کے انعام میں بھی آپ ہی کی ذات سے بہت کچھ ڈھارس
نیز بھی رہی عہد میں بالکل ہی چمک گیا ہوتا۔ خدا آپ کو سلامت اور شادان رکھے۔ مجید لاہور کی محبت بھی حاصل وطن تھی۔ ان سے میسری

جانب سے خدمت کر دیکھے گا کہ وہ خدا کا رکھنے والے قریں گھر پر جو نہ تھا ان کی بجائی سب سے بڑا وہاں کے خالق خدا کی امت کی یاد سے طبیعت تا ادب یہاں سے لی۔ خدا ان کے دماغ کو اور جلا سے۔ ان پر سلام ہو نیز مذہبی صاحب پر بھی جن کی کتاب پر بھی جو آپ کو انہوں نے تحفہ دی تھی) وہ دیر سے گھر پہنچے آپ وہاں سے وصول کر لیں گے۔

شعبہ ہندی یونیورسٹی میں ڈاکٹر قسیم موگے میں کو میراج خورشیدی میں ان کا منصب آرٹ پیکچر اسکا ہے بھی ان سے عنایت میں ہوئی۔ پوسٹ میں ان کے سب سے بڑے صاحب فلسفے میں تصویروں کی ایک نمائش کا افتتاح کر رہے۔ ڈاکٹر خورشیدی کی بڑی سنے کے خائن سے پہلے کھیلے پر جایا ہے۔ اور وہ ہے شاہد کو بھی ساتھ لے جانے والے۔ انہیں وہاں بہت سے محکمہ ادب ہندوستان میں گئے۔ تندرہ ان پر خطا آئی ہے اور ان کا دل بڑھ رہا ہے۔ آخری عمر میں تنہائی کا عالم اور تھکن معاش میں وطن سے اس قدر دور۔ ان پر ترس آتا ہے۔ طبیعت میں ان کی حواس بے غیظہ عبدالحکیم کی کسی خوشدلی ان میں نہیں رہتے وہ فرسنگ داس گاؤں کی زبیر سپہر! یہ معنی نیروارک پہنچنے والا ہے اس سے احتیاط نظر ہے بالی آئندہ! توجہ سے لے کر اور ان کے متفرانوں کا انتخاب۔ حواس کو یاد دہانی کیلئے ہے۔ اس سے کو سلام پڑھا انہوں نے کہ ان میں بھی مستبیدار ہے۔

فائدہ

بکری

(۷)

یہ ایک

۱۹ فروری ۱۹۴۷ء

بہادر قریب بہادر مشفق تاپ لے بیچا: ہاں اس کے مطابق آپ ۱۵۴ فروری ۱۹۴۷ء کو گریں بلکہ اگر یہاں پہنچ گئے۔ میرا یہ خط آپ کے خط کا جواب نہیں بلکہ جو بجز خط ہے۔ اس ایک مژدہ سے آپ کو دے رہا ہوں۔ بیٹیوں کی توپ کے عمل حالات مطلوب ہیں کس لئے بنائی؟ کہاں بنائی؟ کیا توپ مار کا نام اور کو انک معلوم ہیں؟ توپ کا اصل مالک کون تھا؟ توپ کی حرکتیں ہے؟ جو تے جو تے لاہور کے صاحب خانے کے سامنے کیسے پہنچ گئی؟

اس ریسرچ کا محتاج لین بھان ایک جرنل کی استاات کرتی ہے۔ ان حضرت کی کیفیت یہ ہے کہ انہیں پاکستان کی کسی چیز کا مطالعہ بھی معلوم نہیں۔ بجز بھٹیوں کی توپ کے اور اس توپ کے بارے میں ایسا شغف ہے کہ شغف دہشت کی حد تک پہنچ گیا۔ کتاب "بحر" میں اس کا حال انہوں نے بہت دیکھا ہے۔ (اسے کہتے تھے کہم کی توپ) ہیں) اس کے مفصل حالات ان ملک پہنچا کر وہ پھیلے غمناک ہیں۔ جگہ شاید انہیں معلوم دیکھا کا فخر رکھ کر اپنی لائبریری میں محفوظ رکھوا دیں۔ پہلے خیال آیا کہ لاہور کے صاحب خانے کے ہتھ صاحب کون ہیں اور جواب جلد دینا انہیں گوارا ہوگا یا میرا خط حکام کی سطوں ہی میں نہیں پڑے گا تا رہے۔

ان کے مفصل حالات آپ کو خود ہی معلوم ہوں گے۔ آپ کا دماغ ادھانہ طور پر دلی ذہن سے کم نہیں اور وہ معلوم ہونے تو آپ کا ہی میں کسی ماہر

عہد ماضی کر میں گئے۔ جناب قاضی محمد یحییٰ

عالمی ادبی تحریکوں کی تاریخ

دیکھ کر چل گیا ہے

یعنی جس کی کہے انشاء کار لیا گیا۔ کالج کام کی اور دیکھے شاد کا کچھ ہی تجربہ ہم اندازہ کر کے بھوکا کھانہ اور تھک کر انہماک و کلام کام یہ تجربہ مازنہ میں ہی مفید ہو سکتا ہے۔ شاد کا معاملہ کہ قرآن کا کلام طبع میں کالج کام میں وقت کھریے اور فریج کے اندر رکھیں مازنہ جہنم آتی میں بکریا دیا سحر کجوں، اگر کوئی استعمال ہوتا ہے۔ اپنی میں شادی پر پابندی لے کر نہ سمجھے فریج حاصل کی ہو۔ وہ اس سے بہ تر نوع خلق ہوگا اس پر مصلح معلوم ہو سکتا ہے میں نے اسے جواب یہ بھی دیا کہ مجھے اور خرمینیں البتہ مزید سے شرور کے کسی کی، خدا نکر حاصل کرے۔ روپے کا جو خرچہ کرے اس کے محتاج سے میرے لئے اور خرچ یا آخر میں اور خرچ میں لے کر اس کے متعلق تشویش نہ ہونی چاہئے۔ اور محض اس خیال سے کہ وہ نہ کرنا چاہئے بعد کے استعمال انشاء کار ہو جائے گا۔ باقی حالات آپ پر اور مزید یہ پوچھ کر آئیں۔ ان کے نزدیک شادی و پارٹی کچھ اور کچھ اس کے ذہنی پران کے اسے خوش گوار نہیں بلکہ کسی عیب کی ہو جو جب ہے اس کے فائدے کو نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اپنی پروردگار اور امر و نہی کا پائے البتہ کوئی دیگر حالات اس میں تو بہت ہے ان کا بے علم نہیں۔ اگر تیری میں کوئی کوتاہی یا کوئی کام نہ ہو پر نہ کہ انہماک میں نہ ہو کوئی کام اس سے اور پڑھائی نہ کرنا چاہئے۔ دین کا فائدہ کچھ نہ دینا نہ اس کا کس لئے نہیں لے مازنہ میں نہایت حالت نہ تھا۔ صحیح حالات آپ کو نہ ضرور سے معلوم ہوں گے جب وہ کوئی دیکھیں گے گا۔

جواب لیو اور کھل تازہ ہے : بیدار سورج اور دیکھ کر فرما لیں کہ کوسلام سنئے۔

فوت کی صبح میں ہم نہیں بے روزگاری

تمام سے مبرا اور شام ہے جو آپ کے ہاتھ لگتی تھی اور ۔۔۔ یہ سچوں کا سیوا ہے

بکارتی

①

نمبر ۱۰، ۱۶ اپریل ۱۹۵۲ء

باز قوم مسلم سقون۔ رومی اور طائفہ ان بھی کتاب کے ساتھ ہی بل لیا تھا۔ خیال قاسم کے متعلق عیسیٰ و خلیفوں کا لیکن وصیت نہ تھی۔ عیسیٰ صاحب کو بہ حال میرا دلی شکر پہنچا دیجئے۔ نکلان کی وجہ سے کئی دن اور شایں روشن نہیں۔ اور صحبت اہل ایمان میں کلام آگیا آپ آغاز دعویٰ کر سکتے۔ کفر یہ کہایا جو کبھی کبھار ملنے سے آجائے تو میں کتنی دیر تک یہاں مت رہتا ہوں۔

تقریباً دو سو روپے اجمار کے برابر ہے۔ میرے دو ملکان میں سے نہ تھا کہ محنت کی ضرورت اس حد تک محسوس ہوگی
میں کھانا تیار کیا۔ انہماک ہے اور یہاں ہم نے سترہ گروہوں کی آبادی ہے کہ کم سامان۔ یہی کہے بہر حال ساری خوش فہمی یہ بھی کیوں ثابت ہوئی؟ یہ بھی
نہیں تھا کہ جو لوگ غرضات میں سے مستغنی نہ ہوں اور اب جو اس کے سبب وغیرہ مقرر ہوں۔ ان کی ریکارڈنگ کیسے سامان میں کی غرض میں ہی نہیں غرضات میں ہیں

نہ ہوا پر حجت اللہ، نہ لکھ جوت، حضرت دیگر کی طرح سیاسی زندگی سے سداوت پر آیا۔ بلکہ پرکھن ساقاؤں سے کہ ہم پر غرض نہیں ہے، یہ سب آؤں ہم
 آیا کہ ہم پر کتب پرستہ سے کہ ہم پر حال کے دیکھ کر دیے جائے۔ غرض سوا دین کی ہے کہ ہم پر پلاٹن روس و ان کا دین داروں کا جلسہ آگے دیکھتے خدمت
 امدادی فرمائیے، منسلک ۱۸۰۰ء بھی نہیں یہ دیکھتے قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر کون کچھ لائن فرود ہوئی، اگلے ایک سال کی قریب مینی ہم پر کتب پرستہ سے
 مل جائے گی، خدا کے ایسی ہی ہو کہ کچھ بہت مل جائے اور اپنا مستقبل بعد سے بہت اسکے ساتھ ملے، دیکھتے سے کہ سوا۔

ساتھ ہی ساتھ قرآن معاش جاری ہے اور اور ہاتھ دار باہن آؤ، خدا سے ایسا فرما ہی، سرکاری ملازمت پر آپ نہ کرنا کہ انصاف ہے
 کتب گسارانی میری سر خدمت پر لکھ کر رہے گا، غرض کہ کچھ نہ، ہوتا ہے بلکہ اپنے آپ کو مشغیت میں سے ثابت کہ مل عمل ہے، سوا کی حالت
 ہم کی روپ ہی میں کرنی پڑے گی، دین میں بجز سرکاری ملازمت کے کیلئے جس کے کہ مشغی وک قابل عمل اور جب یہی خدمت سے ملے کہ لابی کیا
 ملے ہے، پیش کی میاؤں ساتھ ہی ساتھ کہوت بھی ہمارے ہوجاتی، تو کسی ستر پر رستا، لیکن سخت ہانی کا کیا علاج؟۔ اچھے تو میں حوس میں، یا کہ زکرم شہ
 بہتر آئیں، دیکھ چاہو کیا کہہ کر ملے کا لڑھا ہوا دین و سوا کا لڑھا ہو۔

زیادہ کے خدا سے معلوم ہوا کہ دین کی شادی ساریس پر لکھ کر ہوگی اور آپ میں میں شریک جس کے، جو کہ اللہ، آپ کی ہمتانی زیادہ اور
 ہوں کہ حاصل ہوئی کہ تشریف نشان کیوں ہیں یہ ہم مل دین افلا ہے، جو سوا آؤ، لیکن جو ہمیں انداز کیا تھا وہ منسوی شادی پر خیر کہ لکھ، جو کہ جن بات حق
 اسے جو توں کر کے بارون کے لئے بھیجی، اب محض قلند رہن، آئندہ معاش کا بھی بھی نہیں نہیں، غرض کہ جو کہ کیا تھا وہ کچھ زیادہ، نہ تھا، میں نے معلوم
 کہاں چلا گیا؟ کسی دن وقت سے اس پر توہ کر دیں گا، ممکن ہے میں نے کہیں دفن کر رکھا ہو اور بھول گیا ہو، میں نے غصہ سے کہ آپ کو خط نہ لکھا، خیال تھا کہ
 آپ شاید مرزا غالب کے خط میں سفر ہو، خبر کی یہاں دیر سے ہو چکی ہیں، وہ تو ہوتی ہیں ان کا ملاوہ علیہ الکرہ لابی طرح کچھ میں نہیں، تاہم بہر حال
 کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، جو خدمت قریش خروال راہ

آپ کی سید کا طالب

فانکار

بھاری

بیاد رکھ، ۵ مئی ۱۹۵۲ء

باد مرقوم، آپ کا بے تاریخ خط آؤ، اس سے پیشہ تو خط بھی موصول، ۱۰، جس میں مین ایمان کے کو اکت شامل (مشمول) ہوتے، اجمار
 صاحب کے خط میں سے سب سے پہلے، اواسط تحقیقات کی کہ ایسے گروہوں میں کچھ کی کیا کیا لکھا تھیں ہوتی ہیں، کیوں کہ ابھی تک میں ان سے سابقہ
 نہ پڑا تھا (آپ نے فرمایا ہے کہ ان کا ایک سابقہ حال ہی میں مقدمہ کر امریکہ جا چکا ہے، معلوم نہ ہوا کہ وہ کون ہے؟ تھیں ل جلسہ تو اس سے ہیں ایسی
 سامی میں مدد ملے، جو حالات سرسری طور پر معلوم ہوئے ہیں وہ ہیں جس کو نے اپنے گروہوں میں میں اپنے گروہ سے کیا، وہ حاصل ہے، وہ کہ کہ عوام مناسی
 طبع پر بھیجی جاتے ہیں، خدا شہانے کا فریاد اسے بھی تھا کہ جاتا ہے گویا انہیں غنوں کو بھی لکھا جاتا ہے، ان لوگوں کو جو غیر مانگ سے آئے ہیں لیکن یہاں

پیش کی یعنی میں جنہیں مٹوں گا اور وہ اسباب کو میرے پیکر مہیا کرے گا اور اس سے مراد اس کی حاصل کسکے کے بعد دیکھیں گے اس وقت سے بدو دوسری جا پڑی اور میں
کچھ نماؤں گا۔ میں وہ بھی اسباب کی طرف رجوع کریں گے۔ اور ان کی توہمیں ہزاروں دس میں آپ کی لافہ ہوگا۔ ان سے شکست مرہہ کیجئے۔ یہاں آکر ان
کی طبیعت میں چند تنگنہ پھرنے سے اللہ اس کے دہن کو اپنی جگہ ہونی میں کی انہیں سالہا سال سے خدمت تھی۔ آپ نے سچا کو کچھ پیچھوئی تھی۔ مگر آپ کی نہیں سستا
آپ کی جہاں تھی کا اکثر تذکرہ اور گزشتہ سچ سے علم پرست تھیں سچا رتہ یہی رشتہ ہے۔ ایسا دفعہ ہم چسپہ شمولی طرح روشن ہوئے سینک کچھ
جب ہواؤں کا۔ تا مورا کشتے سے زیادہ دھواں ان کی قسمت میں تھی تھہ کوئی فکر نہ لاسان بھی نکر نہ آیا۔ چنانچہ سالہا سال سے اس مسئلہ ہے میں۔ آپ کو جن
پشموں نے یہ سب کیا ہے۔ ان کی تازگی کچھ کم ہے۔ پانے پائی۔ اس پر ہی انہیں شہید گھنوں باتیں کہتے رہے۔ آپ کو ہزار ہا دھواں دے کر آپ سے مدد محبت پھر
نہ کیا۔ اس نے بھی میں۔ لے کچھ سے رشید اور میری۔ زندگی سے بہتر نہ لے لے۔ سے وقت آؤں کر وقت ماؤں کر دی

کناؤں کا چہرہ شکر۔ تاریخ اب کی صحتی کناؤں میں سے وقت اب حیات ہے پاس ہے۔ باتیں جب سیر میں ہو گئی۔ پہلے ایک مہری فاکر بنا
میں نے حاصل کناؤں کی عزت کچھ نہ تھی۔ سب ہی سے لے کر اندر تک لیکن یہ مدد بھی ہو ہے۔ اب تو پہلے چند قدم قول رہا ہوں
اب کے آپ نے لہری فاکر میں لے کر فاکر۔ خاصے کے معنے میں آپ نے کچھ موشوں کا سارہ حاصل کر لیا ہے۔ دو چار دن سے زیادہ اور
اور نہیں سستے۔ اس نے باق کرم میں غرضی تھی جو تو ہم دیکھنے سے ہیں۔ آج کل آپ کے کام کاج کا کیا حال ہے کیا اب بھی آپ کا وہی منصب ہے۔ جو
سابقہ وزارت کے زمانے میں تھا؟

مجید ہوری رشید اختر ندوی اور حضرت اور دیگر اجاب کہ سلام سپنے۔ امید ہے کہ ابی لازم اب کچھ ہوگا اور توشیح کی کوئی وجہ باقی نہ ہوگی۔
ابن میر محمد بانہ سلام کیجئے۔

فاکر

بخاری

نویادک ۲۲ اکتوبر ۱۳۳۷ھ

برادر محرم سلام مسنون۔

گرمی نامرطابا۔ بیماری میں آپ اکثر یاد آئے۔ جہاں گرمی یہ روایات کے لئے خوب ہے۔ لیکن قدرت کو کوئی ایسا انتظام نہ کرنا چاہئے کہ انسان بیمار
ہو کر اپنے ہی وطن میں۔ اور وطن ہو تو اپنی ہی مٹی میں۔ علاج ترہاں سے بہتر نہ پاسی نہیں لیکن روح کے زخم کچھ نہیں پالتے۔ روح کی سحالی اسباب ہی سے ہو
سکتی ہے آپ خطا جلدی تھے تو اچھا ہوتا۔ میں جواب نہ دے سکتا لیکن آپ کی آواز تو سن لیتا۔ جہاں اب بھی آپ کا فطرت کا مہربان ہوا۔ آپ نے خوب
پرچا کر عادت کیا تھی۔ جو ہم جیسے اہل دل میں وہ کب تک دل کو منجائے دہیں گے اس سے پہلے تو کوئی آثار نہ تھے لیکن یہ پچھو سال کچھ پر سب گراں گذرا۔ پاکستان
کا سفر نامہ تھوڑا تھا کہ اس سے کچھ آہم نہ ملا۔ اخراجات بہت زیادہ ہوئے واپس پہنچا تو زمین بزرگ کی تنگ نظری سے جو خطرے لاحق تھے وہ سب ہم ثابت
ہوئے۔ پھر تفراد کم ہوئی۔ پھر ٹرانزٹ کاؤش ملا..... جب کچھ سے ایس ہسپتال میں لے آتا ایک آدمی کھڑا کیا اور اسے تخت کر لیا

ہے۔ ایک کہانی انہوں نے اس دوران میں کہی تھی۔ یہ وہ بات ہے جسے آپ کی سے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے ایک دوست نے کہا کہ ہمیں کوئی ایسا
بھٹکا ہوا نہیں ملے گا جو یہ مدت سہی سے کرے۔ اس کا پسے تجویزی میں ترجمہ کریں اور پھر دیکھیں کہ کیا کر لیں۔ خدا کے الیاسی ہوا کہ ان کی سب توقعات پوری
ہو گئی۔ لیکن یہ سب اختیار وقت اور صبح کا آغاز وہاں سے ہی جاتی دکھائی ہے۔ جو مرکز تک لاہور کوڑا لائے کہ وہی اس قسم کے انسان کو نبی کے ۴۔
اس کے آپ بیتی جاننے والے تھے۔ جلد انت کاٹنے کی روٹی... وہ خود دیکھو

آپ ۱۱۷۰ سے ۱۱۸۰ تک رہے۔ یہ وہی کہانی جس کی کہے تھے کہ شیعہ معنی حوالی نام ہے۔ یہ ان کی بیوی اور دیگر عورتوں نے ایک مضمون لکھا
تھا ہے۔ اس سے پہلے محنت انہوں نے کافوں کے ترکیبی نسخے شائع کر چکے ہیں۔ کہ خیال کی طرف متوجہ ہوئی ہیں۔ بین الاقوامی پن اور ریت اور تعلیمات
تینوں پر مدد کر ایک پتھر سے لے کر ایک پتھر میں قیاد کر لیا کہ وہی خطے ۴۰۰ سال پہلے تھے۔ کئی مرتبہ سے پہل کی لیکن ہرگز شک کر نہیں کیا۔ پھر چند سے اور احباب
کی دعا سے ان کا 'مشتاق' ہوا۔ وہ بھی تیری نہ جوا سے بھی ترک کر دیا۔ اس نے چار سے پانچ عجیب کہوت سی بھی گئی۔ سٹوڈیو اور گھر کے آگے سے
پھر نہیں نکلا۔ زبیر کے خلیفے معلوم ہوا کہ احباب اور باہن کو بھی ملینا پڑا تھا۔ حادجہ کے یہ بڑے کر بہت رنج ہوا لیکن کیا کروں اختیار تک عرض نیا
نفس کے سب رستے نہ معلوم ہوتے ہیں بھی آپ سے عشق اللہ ہو تو یہ سلام کہے گا

دو تین دن ہوئے تھے۔ ندین (جن ڈاکٹر عبداللہ بن مرحوم) اس کے بعد دوسرے دن سے لاہور کا دورہ کر دیا۔ صوفی کی بے ساختہ سے
مول کے کچھ اس میں عید الدین کی ہی تنگ نفاذی شامل تھی لیکن اس سے قطع نظر کچھ حقیقت بھی ان کے بیان میں مزید تھی۔ عید کی نظر میں لاہور سے حد درجہ
نہ ہے۔ کیا وہ بیک کے بعد متب تک کرتے ہیں اور ہر راہ و گواہ دیکھتے ہیں۔ کچھ حال کا بدلہ بھی بیان کیا۔ اس کی زندگی بھی سدا و عروس دہی ہے لیکن
اگر نامہ شیعہ لاہور دیکھتے معلوم ہوتے ہیں۔

چاہتا ہوں کہ پلٹ کر ہم سے ٹکٹ بک کھواسے۔ اور پھر یہ کام نہیں کیا لیکن اب یہ گناہ کہہ دو کہی دن چاہتا ہے کسی کو ٹھنڈی کر ڈالنا دیکھنے میں نے
ہاشمی سے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ آپ لوگ خیال رکھیں تو ممکن ہے کہ کوئی سبیل نکل سکے۔ تاکہ اس طرح جب یہ خود بخود رستی و درویشی میں قیامت گر گئی ہوگی۔
تاہم کئی عقل کا اندازہ یہی ۴۰۰ سال پہلے اس جاسے تو عجیب ہیں۔ عمر میں ۲۰-۳۰ سال۔ اب - ان - لکھے کو تیار ہوں۔ مزید تاکید کی جا رہی ہے۔
اور باتیں بھی کہنے کی ہیں۔ لیکن آگہ خط میں ان کا ذکر کروں گا۔ آپ کو جب بھی حاشیے بیٹھا ہوں پھر اسے ختم کرنا ہوں۔ درد عاشق کی داستان
سے محبوب غم نہ ہوئی ہے۔ حسرت اور عید لاہوری اور اختصار مدوی اور عباس اور دیگر احباب کو میر نام اور شوق یاد دلا دیکھے گا۔ تازہ تازہ خبر آئی
ہے کہ ڈان پر قلاب نال ہوا ڈان اور حکومت کے باہمی عشق کے رموز آج تک سمجھ نہیں آئے۔ مرانی کا شریا دیا کہ

عشق لال کے دونوں ہیں مرغوب

سحر وصل و شام تنہائی

خدا رکھے رہے۔

فکار

بھاری

ان کا بھی سب سے اہمیت ہے لیکن اس کے نتیجے میں لادھہ کیا ہے۔ ایک کتاب "PUNJAB PRELUDE" نامی میرے پاس دی ہو چکی ہے۔
۱۔ حق کا نام میں ۱۹۷۱ء کو لکھنؤ میں پراچائی تیس ستاد اب بھی پڑھائی ہیں۔ پاکستان اور پنجاب پورہ ہیں اور سندھستان
۲۔ بار بار ثابت کرتی ہیں کہ پنجابی اور انگریز دونوں ایک ہی نسل سے ہیں۔ ایک باب "پاشن مناسپ کے قاتلان پر" (تیرہ ماہ) ہے اور پیاد سے نکلا ہے
۳۔ ایک حصہ سے بھی واقف ہیں۔ ایک حصہ جسے "ایڈنگل ٹریل" کے متعلق ہے۔ صیرتہ سے اسے انڈیو سے ٹریل کا حال بھی بیان کیا ہے۔

ناگوار

بھاری

تو یہاں کے اخبار میں جو چھپی ہے کہ ان میں میں روز بدل مہنے والی ہے نہ کہ رول کے اندر میں مدلی سے ان اپنے خدا دوان میں دے گئے
ایک وقت سے پکھلے۔ ہم یہاں پاکستان کی سہولت پاکستانیوں سے دنا ہے ابارہ اور اقربا کی سہولت اور سلاقی کے لئے دست بدار تھے ہیں۔

(۱۵)

اور میرے

برادر کو سلام سنوں۔ گرامی نامہ جو فرمایا تھا۔ یہ آپ کے مفضل تر مظلوم میں تھا۔ مذہبیت لکھ آیا۔ اور دین نے بھی چوڑی مسافت مرے
کر کے کی۔ مضمون کے مستحق و حق یہ ہے کہ کس پاکستان کے ان اخباروں کا ذکر یہ ہے کہ وہ دل پس سے خالی نہ ہوگا جو موجود پاکستانی معاشرے سے شائع ہونے لگے
اعلان کی صحافتی و جزو کا کچھ حال معلوم ہو عزیزان اخباروں کا ذکر بھی مناسب ہوگا۔ جو پاکستانی معاشرے سے شائع ہوئے تھے لیکن جن کا پاکستانی
سے گہرا تعلق تھا مثلاً "لغات"۔ "تاکہ" کے بعد یہ بھی کہنا لازماً ہے کہ میرا یہ مضمون کچھ مفضل سا ہے۔ دراصل پاکستانی صحافت کا حال بیان کر رہا ہے۔ اب
پس منظر بیان کرنے کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہے یہ آپ کے حق مذاق اور احساس پر مبنی ہے۔ ان سے بعد کہ کسوں نے بھی کوئی نہیں ابرہ
دے کہ قارئین انگریز اور امریکی ہوں گے۔ اور میں بھی ہے یہ اب کتاب میں شامل ہوگا۔ اس سے پاکستانی معاشرت پر روشنی ڈالنا مقصود ہوگا۔ فرطیں
ماہیاتی مالک کے بارے میں اکثر باتوں سے خبریں اور معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ایشیائی لوگ کس قسم کے لوگ ہیں کیا کر رہے ہیں کیا سوچ رہے ہیں
غیر جاب ہے یہ دور کس کے ہاتھ میں ہے۔ دیر و دیر و۔ ان خیالات کے ذریعہ ان صحافت کے بارے میں بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس اور ممبر کا ایشیا
تعلیل کیلئے کون کر رہا ہے؟ کون لوگ اس سے اثر پذیر ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہی باتیں کو کچھ لوگ اخبار خریدتے ہیں اور دیگر اخبار لکھی یا حقوق
ہے کہنے لوگ اخبار پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ کس طبقہ کے ہیں کس قسم کی خبریں سب سے زیادہ جانب دار ہو رہی ہیں۔ کس قسم کی خبریں ناواری مقصود۔ کون سے طبقہ
کے اثر سے یا مل ہی امن و یا محروم ہیں اس نوعی باتیں یہاں لکھی گئے ہیں اور دل چاہے ہیں کہ لوگوں کو یہاں کرید رہی ہے کہ ایشیائی مالک
انے حال ہی میں آدمی حاصل کی ہے۔ اپنی آزادی کو کیا لایا ہے پتا ہے میں اس کے تحت میں آپ ہنستے ہیں صحافت ایک خاص اہمیت دیتی ہے لوگ
مکے متعلق سہولت پر چھ رہتے ہیں مثلاً کے طور پر جب میں کوئی میں تھا اس کے پہلی مرتبہ احساس ہوگا کہ میں کے متعلق میں بڑی جتن بھی نہیں بھڑی
اجتماعات کے لاکھوں ہی میں جہی ہیں۔ اور ملک میں اس کے علاوہ ہزاروں سیاسی جماعتوں میں بھی مختلف ادارہ اخبار کیا جاتا

ملک تاثیر میں ہوں گے۔ وہ افکار و امور اور بعد ازاں کچھ دیر میں ملکی مقنن ہے وہ بھی اس وقت تک اس میں
اس طرح پر آپ کو صحت آزادی طرہ کی ہوں۔ وہ سب کو ایسی ہوگی۔ اور ہرگز اس طرح نہ ہوگی۔ وہ نہ ہی اس کے علاوہ مدد ہوگی۔ آپ کو فرصت ملے گی
ہے کہ جو۔ لیکن یہاں بھی ایک تاثیر کو محسوس کیا گیا ہے۔ ان فرصت میں آپ کی یہ کیا۔ وہ ہرگز ہے
اور اس کے اندر طے نہ لے۔ درمیان فرما سکتے ہیں۔ اور ان کا قیام میں ہے۔ اس بات کو آدھرا کرنا اور قیام کی رحمت گرا ان فرمایا ہے۔ یہاں سے اپنا
نہ کاربہ اور دیگر ناکیسیج ایجے۔ یہی یاد دہانہ۔ اور گنہگار ہے۔ آپ میں بھی اس طرح نہ لگوا۔ اس کی کوئی کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ سب ایک معاش کے
مصلحت میں لگتا ہے۔ یہ جب تک ایک دین میں میرے ہیں کہ اس کی کیا سہاوت ہے۔ اس کے لئے آپ کے خیال میں اس شام میرے ہرگز نہیں کہ وہ یہ
کے قریب گاڑی حالت ہے۔ مکان اس میں سے میل ہے۔ اس کی بجائے آپ کو رانا کی معاش کے ساتھ اس کی کوئی سہاوت ہے۔ اس میں ہرگز نہ لگے۔ اس کا کار
بکلی

۱۳۴۱ھ بمطابق ۱۹۲۲ء

انجمنی

انجمنی

را اور عزم مسلم منہن۔ گرامی نامہ کا معاملہ متعلق روک تھام کی مادی ہوئی جاتی ہے۔ اس میں بہت کچھ اضمحلوب ہو رہی ہے۔ اگر ہمارے ہرگز
نے تھاپٹ سے کام لیا اور عزم جسم کا باہر کی تو ممکن ہے ہاں کہ جس تک نہ لے سکتے۔ کیوں کہ یہاں تو معاملہ بعض ہٹ کا ہٹ سے ہے۔ یہی تک کہ فیصلہ نہیں ہو سکتا
وقت سے کچھ نہ کہ افغان کا اظہار ہو رہا ہے۔ خاکسار افغان بعض ہماری طرف سے اور نہ بعض ان کی طرف سے نہ اس میں کچھ شبہ کی گمان نہیں ہے۔ اس لئے ابھی
مصلحت معاش نہیں ہوا۔ اس کی وجہ سے متعلق اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ وہ سب کچھ تاخیر ہو رہی ہے۔ لیکن بہر حال اپنی تیزی سے کر رہی ہے۔ اس لئے اس کے متعلق کچھ ایسا
من مقرر نہیں۔ یہاں باہر سے اور دوسرے کی چند چند ضرورت سے ہوتے ہیں۔ اگر افغان سے معاملہ صوبہ مشاغل نہ ہوا تو وہ علاقہ یہاں کام کرنے کے لئے نہ لے سکتا ہے۔ یہاں بھی اس کے
اداسی معاش کو لاوا جائیسے آگاہ کریں گے۔ اور لاگو عمل کے متعلق مشورہ دیں گے۔ اس پر اس کو تیار کر لیا گیا ہے۔

میرے ہنر مان میں سے ایک سائنس دان تھا۔ بڑے بڑے ہنر مند ہونے پر اس کے قریب ہو گیا۔ اور اس کی یہ بھی کوئی ہنر مند پر اس کے برابر ہو گئی۔ اس سے مدد
تھا کہ اسے کٹاؤ اور کٹاؤ۔ کہنے کی وجہ سے تھک دینے لگا تھا۔ عمر بھر اس کے صحت نہ دی۔ اب اس کی ہے آہ فرشتہ بھی پاک مژدہ لٹنے کے
بہترین نمونے لگاتے ہیں۔ اس نے زندگی میں چاہا کہ وہاں پانچ چھ دن ڈینک گرن میں فرصت اور خوشی کے گدھے۔ پھر اس کی کیا کٹی ہوئی کی
بات نہیں۔ جو مضطرب گشت کیا تھا اس کا سہارا ہوا۔ شہر ہے کہ سلطان نہ ہو۔ اور اس شہر پر رہتے ہیں لیکن وہ وہاں جا رہے ہیں۔ اس نے اطمینان کا ہوں۔
سمت میں ہے۔ رحمت کے باہر میں ہوں سے جو کام سرکاری ہوئی ہے۔ اس سے ہوتے ہیں۔ ان کو بنانے کی کوئی گراہوں اب اس سے ہوتا ہے کہ اس میں کیا ہوگی

طریقہ کی طرف سے۔

بہرہ فیضان کے پاس ہوا۔ مرنے سے پہلے انہی دفعہ سمندر کو دیکھ کر کہتا تھا کہ اب اچھی سو سو سال زندہ رہیں گے تاہم
 خاک
 خدای
 ۱۹ اکتوبر

(۲۴)

۳۲ ہلالی

برادر قہر، سلام سنوں گویا ہمارا ملازمی جی میں تھا۔ اب کھانا میں برا نکلا کرتا رہا۔ اسی کے جواب میں تاریخ مہنی۔
 آفتاب انکار و دوا کے باب میں عسکر دنا دم ہیں کچھ لڑاٹ کچھ معرفت الہ پریشاں علامہ جہاں میں نے یہ کام کر کے ہے۔ وہ وقت
 لب لباب وقت طلب پایا۔ آپ کی بری اور بے قراری حق بجانب نہ اور جہاں کی صبح کو اٹھتا ہوں۔ تین چار دن ٹھہر دوں گا۔ تھک دین بعد از تکلیف کا رسا تھا
 بیٹا آؤں گا یہ دھرم کی دانا ہوا تو آپ کے عقد و عقد کو شاں سے خارج تو کیا کریں گے کچھ اندازت میں گئے۔ وہ میرے سر آسمان میں کام تو یہ مجھے ہی کرنا ہے اور
 مرد گردن کا لیکن نہ ان بھڑکتے۔ اس جیسے میں یہ کام ہر روز قہر جیسے گا۔ دماغی امانت۔

دو مریاں جو آپ نے پل رگھی میں ان کے حالات سے کچھ آگاہی ہوئی میں انرا ساتھ ہر جرح سے خیال رکھوں گا۔
 اب صاحب اپنے باسے میں خوشی ہو رہا ہوا کرتے ہیں جب مہدی کی عارضی ہے تو جہاں سے پتہ نہ ہے وہ کیوں مستقل ہو سکتا ہے
 اور مہدی عارضی یوں ہے کہ ابھی اس کام کے مستقبل کا فیصلہ نہیں ہوا ممکن ہے یہ کام رہے نہ رہے۔ اب یہ قسم کے اہل علم کی عزت جو کسی اور قسم کے آدمی
 کے فضلے یہ کام سپرد کیا جاسے یہ تمام معاملے فیصلے کے متعلق ہیں۔ اور اس فیصلے میں ابھی کچھ عرصہ لگے گا۔ اس دوران میں اب صاحب لاہم اکثر کڑھ پایا گیا۔
 میں جس کسی کی شرارت منتر نہیں کیونکہ ان کو تا ہیوں کا علم خود براہ راست کچھ کہہ دے تاہم ان کو ہم گھیسے پئے جاتے ہیں۔ اب یہ استدلال ان کا عجیب و غریب ہے۔
 ہر کسے کے بغیر اس نہیں کیا اس لئے یہ مستقل ہونے کا حق دار ہوں۔ اگرچہ چڑی دی ہے تو وہ ہونی چاہیئے اور خواہ خواہ ایذا طلبی کسے رہتے ہیں اپنے پاؤں
 پر کھڑا ہونا تو سیکھنے ہی نہیں۔ سفارش اور دستگیری کے عادی ہو چکے ہیں دوسروں کا عالم وہ بے انصاف اور بچے آپ کو مظلوم اور سہری کا سختی سمجھ رہے
 ہیں۔ مگر اکثر ان کی بصیرت کام نہیں دیتی۔ کبھی خدا کا شکر نہیں کہتے بلکہ کوشش کی ہی رہتے ہیں ایسے شخص کا سلطان کرنا یا اس میں جت پیدا کرنا مشکل ہے کیونکہ اب
 شعلیں ہر وقت مدد کا طالب ہوتا ہے۔ اور جب تک زندگی اس کے لئے وقف نہ کی جائے وہ خوش نہیں ہوتا۔

بائی منالقات۔ کیا آپ کو دہلی جایا جاسے؟ بے حشر ہے

فلسفہ

بخاری

”اگرچہ مغلستان مغل آرا کی کہانی غاصب برادریوں کے ہر صراحت

[illegible]

۱۵۔۔۔۔۔ چتر گڑ کی خٹاک

آپ فرماتے ہیں کہ روزِ موت طلب ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ طلبِ نہیں بلکہ انفرادی

۱۲ کتب و دستاویز

۳۰۔ درختوں کے پتوں سے پانی کی بجائے

میرے ساتھ ساتھ دینا دے گا۔ میں ساق کی دیا کی۔ آپ فرماتے ہیں ایک ہے کی کمی ہے۔ آپ کی اصلاح کے مندرجہ گو میں اس بات کا بھی قائل نہیں ہوا کہ ایک ہے۔ کی کمی ہے۔ کی قسم باوجود اسے ذہن میں کہتے ہیں۔ جہاں اس کی شکل ملتی ہے اور وہ ایک ہی استعمال ہوتا ہے۔ بہار اصلاح منظر۔

منقہ یہ کہ ان اتفاق ۱۰ بہتر بھی ہو ہے۔ ۱۱ نہ غرض ہی ہے (۱۲) جو میسر آ پ کہ اصلاح سے متفق نہ ہوں جب بھی ختم ہو رہی ہے کہ آپ کے اقوام میں بھی وہی مشہور پیدا ہوا ہے کہ اتفاق کے بغیر چارہ نہیں رہتا (۱۳) اس کو اتفاق کہتے ہیں (۱۴) ہر حال میں اس کو بہت مشکل ہے !

۳۰ جن سے (کار پڑا دے) میں واپس لوٹا۔ نیراجی جی میں اس کو Ganga Rona ملے ہیں، کیا
ہیں نہیں ہو سکتا کہ آپ اساتما چندرن کے لئے آکاش برسات جہن ہے۔

الہامی! سناؤ جو منہ منہ ہے..... الخ۔ مضمون کا معاملہ مستحق تہ اسلانیات کا یہ ایک فخریہ یا بیانیہ ہے جس کے تحت کیا مہر صاحب ادبیاں صاحب کی نگاہ پر سننے کے متعلق بھی مہر صاحب نے فرمایا ہے۔ اس موضوع پر تو جو سوال سے آپ نے تم کو مخاطب کیا ہے۔

تاکس

بخاری

۲۲ دسمبر

مقام بھائی۔ گورنمنٹ کلاس سال کے بہت سی کچھ مدت نظر آئے۔ اس سے خالی آج میں کی صرف ایک تقریر کی ہے۔ "معلوم نہیں کہ کب
 مجھے گی اس مسئلہ پر کام میں تاخیر ہوئے۔ یہ جواب ہے آپ کے اس خط کا جواب کہ آپ نے کہا تھا کہ جس کے جواب سے آپ پیرس جو گئے ہوئے
 پچھلے دنوں اب ان مقام سے ہم کو کامیابی کا فرماں مل رہا ہے۔ ہم جو آپ کو ڈاکٹر، راجہ، اور مرزا صاحب سے مل کر کامیابی کا فرماں
 مل رہی تھی اور امید تھی کہ اس کا ذکر بھی آیا۔ یہ سب کچھ کہہ کر میں نے جو جواب دیا ہے۔ یہی وہی جواب ہے جس پر میں نے شروع میں
 بذکرہ علی مولیٰ سے جواب دیا تھا کہ یہ بات ہوگی۔ لیکن پھر اقبال اور ابو الکلام کے ان کوئی شخص ایسا نہ ملے۔ جو عالم اسلام اور اس کی تحریکوں اور رنگ
 ن کا آئینہ دار ہو۔ یہ نسل ہی آپ جتنی جانتے تھے

اس خط کے دیکھتے ہی رائے بہادر صاحب سے ملے، امان سے پوچھے کہ کوئی رٹا، ٹٹا نہیں۔ اگر وہ تو اس کا مادہ دیکھے، تفسیرات
 سے معلوم ہوں گی۔ ضرورت ہو تو میری صاحب کو بھی شال کر لیجئے
 اب کے کمر میں پھر انہیں پکڑ لے۔ بشریٰ شعی قانبا، اسے برستی کے خطے میں دہلی آئیں گے۔ جس سے امتیاز بھی بہتیت وینز کا انفرنس کی
 ٹیٹ کے شور کے جائیں۔ آپ دیر کا انفرنس کی ایک ڈیٹ کے شہر کے دوست کی حیثیت سے آجلیئے۔
 فاکس
 زیدہ سلام کہتی ہے۔

بھائی

بھئی انتخاب صحیح کے لئے مواقع بہت، امان کہتے ہیں۔ دن، انتخاب۔ پہلے دن خالی مدد بہت ہے۔ یہ عنوان نظر آیا

ماہر ہے کہ اگر کسی کی اکثریت

ہنر کی بھی ایک ہی کہی۔ گراس کے لئے سہ روزہ ہے۔ تعلیمات کی اکثریت خیال "مشہور فرقہ ہے

ابو الکلام نے شاہ وعلیم آبادی کا ایک شعر سنایا تھا کہ بھی سن لیجئے۔ طلب ہے۔

ہوئی پ دھبے ترپے میں ہر منہ تیرے

دو اور کوئی نہیں عاشقانِ حیدر تیرے

بھائی

(۲۷)

۲۳ دسمبر

بھادر مقرر۔ یاد آوری کا شکریہ۔ خط کے منہ سے آگاہ ہوا اس کو کہ میں نے صحتاً کید کام کی کثرت اور تنہائی کے بعد سے اکثر غرضی و فاضل ہوں
 یہ کہہ گئے ہیں۔ اور یہ کہتا ہوں کہ ان میں حتی الوسع جمل نہیں دیتا۔ تاہم کوئی کام نہ اس میں پوشیدہ نہ ہو کہ آپ کے پاس ہر کاؤنٹیل وہ بھی اپنی ہر دقت

فصل ایک صبح سویرے کے اعلان ہو چکی تھی کہ آج کو قوم کو شہر اور تقریر یا کسی کے بعد ہوا۔ جب اعلان ہوئے میں گھر پاس آیا تو قریب ایمان اور مسرت کی کیفیت تھی۔
 پانچ گھنٹے میں اندر داخل ہوئے۔ پھر پڑھنے کے بعد آج کے سال کوئی آواز سنائی دیتی تھی جب ۱۰ بجے گھر میں پہنچے تو کوئی بھی جاننا نہ تھا۔ پاکستان کے نام سے بھی لگے کا وقت تھے۔ شہر تو اسی سے سب سے نئی قوم۔ شہر میں سے سب سے بڑے قریہ کا ملک۔ ڈیڑھ سو سال پہلے۔ ریڈیو کی صف میں کل نہیں تھی۔ لیکن پانچ بجے کے بعد میں پاکستان کو فوٹو دے رہا تھا۔ ی کہ بہت گھٹی اور اہم سہ سے میں اس کی حیثیت صدی بابت معدک فروز تھی۔ اصحاب جبکہ لاٹریس نے دیا ہو کہ ایک تقریر کی بنائی ہے کہ اس میں بھی پاکستان میں عربی سے وہ سب سے کسی کو اس کے حق شریعت پر مشر کرنے کا خیال تک نہیں آتا۔ نظامت طبع پاکستان کا۔ شاد ہے کہ لاٹریس کے بعد کچھ دوسرے چاند اور سلیکٹ کے خلاف سب کا مدعا کر کے اس پاکیزہ رپورٹ تھیں۔ یہاں کے عوام بھی چھٹی طرح کا دار اور میں چاہتے تھے۔ ایک کی نظریں کی موت بنے ہر طرف آتے ہی تیار کے میدان میں حیرت آنچ کام کیا کہ تمام دینا آگست بدنام ہوئی۔ اس لئے یہاں کا مدعا ہمارے لئے بہت مفید ہو گا۔ دوسروں میں کام کرنے کے سرکاری میدان میں سے سے متاثر کرتے ہیں۔ اب کچھ تاحیب ہوئی۔ ہر جان سالہ کی تاحیب تیرہ۔ جتنوں کی ۱۰ بھی آجی پوری حوت نے نہیں ہوا۔ دیکھے پہلے رنگ پاکستان کو بندہ رستان کا شکار اور غور وادہ کھتے تھے اور جب بھی انتخاب کی عزت آئے۔ رنگ کچھ پاکستان اور بندہ رستان دونوں میں سے صوف ایک کا ہونا ہے۔ رتہ رتہ کو کوڑے لکھ کر کیا کہ پاکستان سے رستان کا چھٹا کھائی نہیں۔ تمام سیم مالک کا چھٹا کھائی ہے۔ پھر اس کے صوفیان تک (بہت آئی اگر رنگ بندہ رستان کے ساتھ پاکستان کا ہونا اور ہندو کی کھینے کے اب آئے وہاں کے فضل سے کم اور کم پڑے کے میں طاقتور میاں میں پاکستان کو کسی ہمیشہ صوف آؤں میں غار سے لے کر پاکستان میں نے اسے ایک شین صوف کیا اور سب آجید ہو گئے۔

فانار
 بخاری

یہ عمر جوانی سے ۱۹۵۷ء

برادر محرم۔ آپ کے خط سے میری ندامت ہوئی۔ جب آپ کا خیال آتا تھا تو شرم کے مار سے گھر کر کے پاؤں مسدود ہو جاتے تھے لیکن یقین لینے کہ اپنی خاموشی کی سزا بھی سب سے زیادہ گہری کو جتی رہی۔ احباب بیدار ہو جاتے تھے کہ میری تنہائی بڑھتی گئی۔ بیسین کی شکست کے بعد کسی کو خط لکھا بھی تو جواب نہ آیا۔ کیونکہ وہاں تو جہاں چھتر اس عصر میں خشک ہو چکا تھا۔ بکے ندامت اور تباہی کا مدھی نہ لایا لیکن سالک کی وفا شادی جیسا سختان سے توان کر جاتی ہے۔ خدا آپ کو زندہ سلامت اور خوش و خوش دے کہ آئیں کہ سستی آپ ہی کے دم سے زندہ ہے۔ ہندو لائی بائیں افقیں مروی ہیں اور جہر نہیں چلیں وہ زندہ ہو گا۔

ہیں۔

جوانی سے ۱۹۵۷ء میں یہاں پہنچا تو ریا جیسے لاشکو نے ساتھ لایا۔ کئی ہفتہ رمضان شباب کا مدعا کرنا۔ اور زندگی کے باقی اوقات سب سے لے کر دے کر شائے شامی ہرے۔ زندگی کا مدعا پھر تک سے پہنچے تھے۔ لیکن جب تک اس میں شکر شاں ہے باقی شیر نیاں ملام ہیں۔ لیکن کی چھکائیوں اور طور و بانیاں۔ دن رات اسی ذرا کے شیشہ کات کی نذر رہ گئے۔ اس عرصے میں مکان کی کوش دی۔ یکے بعد دیگرے مدعا پڑا۔ بے۔ ہندو لائی تھے لیکن یقین ہو گیا کہ پادشہ میں رہا۔ پھر پڑنے کے لئے لاکھن ہو گیا۔ ایک پادشہ اس حالت اس عرصے میں ہو گیا۔ کوئی پھر لے کوئی چھ۔

جس پر بعض اور پامرد ایک ہفت میں چھویں منزل پر پہنچ گئے تھے۔ لیکن ایک دن ۱۰۵۰ھ میں دہلی کے جہاں سے بعض غریبوں نے پورے ملک میں
تہذیب و تمدن کے لیے جس درجہ میں پہنچ گئے تھے۔ لیکن ایک دن ۱۰۵۰ھ میں دہلی کے جہاں سے بعض غریبوں نے پورے ملک میں
جس پر دہلی کا وہ اب سب سے ایک دن ۱۰۵۰ھ میں دہلی کے جہاں سے بعض غریبوں نے پورے ملک میں
کے اس کے مزاج پر ایک ہفتہ میں پہنچ گئے تھے۔ لیکن ایک دن ۱۰۵۰ھ میں دہلی کے جہاں سے بعض غریبوں نے پورے ملک میں
پاروں میں صرف تاریکی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یہاں کے مسلمانوں کے ہاں ہر گز کی زندگی جہالت کی گتھی بندھی ہے۔ اس کو جس قدر بھی کوئی دیکھ کر
بیشمار ہر گز کا کچھ بوجھ کے ہاتھ کے چاچے کے ہاتھ میں مبارک حاصل کر لیں وہ جو ہاتھ سے ہر ہر سے بھرے ہیں وہ صاف صاف کے سناٹے
اکٹا کر لے لے رہے تھے اس میں کبھی مبارک حاصل نہ ہوئی۔ ہر شے اپنے آپ پر ترس آتا تھا کہ اللہ جن کے ہاتھ پر کئی دن کی بات ہے۔ اور
دیکھو چاچے کی زندگی استیصال اور سترگی کا مجموعہ ہے۔

ستمبر ۱۸۵۰ء میں سلطان کراچی پہلے آیا۔ ایک جشن کو عزم نہ کیا۔ لیکن ساتھ ہی جہاں سے پہلے کا زمانہ آگیا۔ ڈیٹیشن کا زمانہ پاکستان
سے کچھ پہلے۔ سات آٹھ برس گزر گئے تھے۔ لیکن صبح نصیب سے شمع کے سات کھیلے ایک سکس میں پہنچے۔ جہاں سے میں نے کچھ پڑھے۔ دن کو
دیش لہرے وقت سے شروع ہوا۔ قادیان کے غریبوں کا صاحب جہاں سے ابھی تک میں اور رہتے تھے۔ اور اس وقت کے لیے سب سے پہلے
ان پہنچتے تھے۔ شب زندہ دار تھے۔ فجر نہ پڑھے کہ دنیا و عاقبت دونوں میں سرخوئی حاصل کر لیا۔ شعلہ ہوتا ہے۔ چاچے ہمارے ہاں مل تھا کہ اتالیقی ہرگز
پہلے اور ہم دھوئے دے جانے اور ہم کے۔ پہلی غم جوئی تو کشمیر کا شعلہ پھر پڑھنے لگا۔ اس میں کے ڈیٹیشن اس میں ختم نہ لے کے جدا ہو گئے۔ اور
دیکھ بیرون کا سونا پڑھنے کے بعد پاکستان لے گئے۔ تو مولیٰ اور ان کا نانا آچینا۔ دیکھئے تو ڈاکٹر لاکھ کا تغیر لکھا چھوڑ گئے۔ خداوند کے کچھ ہفتہ لاکھ رہا
سے روز جس کے آپ پہلے تیرا مہمان کا سانس لیا۔ میں یہ بھی کب تک۔ سات دن چکر میں ہیں سات آٹھ سال۔

دہلی دہلی کی زندگی کا عادی ہو گیا ہوں۔ جب میں یہاں پہنچا تو دیکھ کر (اچھے میاں کے مطابق) مردہ پایا۔ اس سے ختم میں کی گئی یا مدت
مقصود نہیں۔ برصغیر کا اتفاق اٹکا ہوتا ہے۔ میری طبیعت ایسی ہے کہ جس سے کام نہ کریں نہیں سنتا۔ بھلا ہوا سا بخار دے چکا ہے تو کھتا ہوں کہ عادت
فریوی سے محروم ہوں۔ اور مردہ طاری ہوا ہے۔ یہاں حالت یہ تھی کہ یو۔ این کا فیصلہ کوئی پہنچا دیا۔ کراچی کے کچھ پروڈکٹ دے دیا۔ اللہ اللہ خیر طاری ہوا
مصلحت ایک ٹاکسائڈ بن کر رہ گیا ہے۔ کار مارا خاص۔ بزم کار سے کچھ نہ تھا کام پھیلایا۔ تو اس کا بوجھ میرے کندھوں پر پڑا۔ اپنی وقت بندی کی شکایت
کس سے کرلی۔ یہاں کام وقت بہت زیادہ مانگتا ہے۔ ساتھ ہوں کے ساتھ دندہ ہر ایک کا دوش کسی دیکھی ہوئے پانچم بن جاتا ہے۔ سارا وقت دندہ
فینڈ جب سست بننا ہوئی ہے۔ ساتھ ہوں میں سے ہر ایک کو سلام کیجئے۔ مناسب دنگل کے بعد حریت دریافت کیجئے۔ یو کی کون کا حال پوچھنے کا
کی دھرت دیکھئے۔ ہر دم کا ڈاکٹریٹس کیجئے۔ حرفت مطلب زبان پر لیں نہ لایے کہ بارہ ہو پھر ہفتوں جواب کا انتظار کیجئے۔ اس دو دن میں مسئلے رکھئے۔ اور
نکار دیکھئے کہ پیسے پل سے میں یا کہیں نہ لگے۔ ٹک گئے ہوں تو دھن کا زور آتش سیال باقرا تیزاب جیا حکم کرتا ہے۔ کام میں لائے۔ لاکھ مل پارٹیوں
میں حاضر کیجئے۔ یہ لاکھ مل پارٹیاں بھی خدا جانے کس موزی لے ایما دل کی تھیں۔ جب حکومتیں ہوا کرتی تھیں۔ تو کوئی باقی دسترخوان پر پوری ہوجاتی
تھیں۔ محض شاہ ایسی طرفت دے کہ نادر شاہ کا دل پیچ جاتے کہ یہ موزی سیاست لیکن یہاں تو کوئی بغیر پی حکومت کے اشارے کے ان کی ملک نہیں ہوتا۔
پھر بھی کم بہت مینا تھیں۔ وقت اللہ پر مینا تھیں کہتے سہتے ہیں۔ شراب میں کبھی حلالہ وہ تھا لیکن عہدت پچھلے کے تھے ایک شخص مرزا ملازم دیکھا
چلتا ہے۔ دہلی و دہلی کے بعد کوئی آپ سے تو مانع ہوتا ہے۔ اماں آپ دیکھتے دیکھتے وہ دامن بچا لے پچھلے ملک پہنچے۔ پھر پھر جیو اتنی

[illegible]

صوت کے متعلق پریٹ فی رتبہ ہے ڈاکٹر مل سے چھٹا مائیس ہوتا۔ عدالت پاکستان کا بعد اس کے صحاح محلہ کے رجسٹریٹ۔ بداشت کرتی ہے۔ دہلیہ کی میس ایسی ہی کہ عدا اگر ان پڑھنی تو رتبہ ہی خراب ہوتا۔ زیادہ میس کے نہیں تاہم ان کا طرز نہ کرنی پڑتی ہے۔ جو کہ برطان سے عدا کا شبہ ہوا۔ پھر معریں خرابی پیدا ہوئی چنا کو برتے ایک۔ ایک ٹیٹ ہوتا رہتا ہے۔ تاک میں دم آگیا ہے۔ ان اقول ہاؤز بڑ سے مراد بڑ۔ کچے گاہے چار کی ناقص پریٹان مرلی

امام سے ملنے کے بعد فرمایا: تمہاری موت کا ایک تین نہیں آتا۔ آج صبح تک شادی پانچ سو تین سو ایک تیرہ ہوا۔ جواب دیا: حضرت صلواتی علیہ السلام نے بھی خط میں لکھا کہ مجھ کو موت آج ہی ملے گی۔ دعا تھا کہ مجھ سے عذر ہو۔ بخیر ہے اس کی پھول کر یہاں سے کچھ کاٹتے بیچے۔ اسے بھی ایک دو خط لکھے۔ مگر میں نے اس کا جواب دیا: جو پاکستانی یہاں آتے ہیں ان سے داستانیں سننا رہتا ہوں لیکن دعا ہے کہ وہ کھانا کھائے یا ان کو کھانا دیا جائے۔ بات کوئی نہیں کرے گا۔ یا تو ایک برس سے نہیں ملتا، یا وہ کسی شہر کو آ رہا ہوں جو صبر و تحمل میں وہ دوسری طرف سے تھک رہا ہوں۔ ساتھ ساتھ کسی بھی کام میں آتی آتی ہوں۔ پاکستان میں سے کوئی مل آتا ہے۔ عبدالغفور، ذیل ایک کچا خاں، عبدالقادر (رائیس) غلام محمد وغیرہ یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان سے چند مجلس کا ذکر ہوا کرتی ہیں۔ لیکن بلاوسوں کو اس سے کیا تسکین ہو سکتی ہے۔

بڑھاپا بھی تہہ ہے۔ اس کا احساس مجھے ابھی تک نہیں ہوا۔ میں آؤ تراخے کر کبھی دکھائی دے رہے ہیں۔ وزیراعظم کے ساتھ حواہ بیک کا جلد ہو گیا تھا۔ اس سے صحت پر سخت چوٹ پڑی کسی دن دین گھنٹے سے زیادہ نہ سویا اور عظیم ذمہ داری کی وجہ سے اعصاب پر کبھی بہت اثر پڑا۔ اس کے بعد آج تک تعیل نصیب نہ ہوئی۔ اکثر برلن میں تیس مئی کے لئے پریشان ہوا، ہنگامہ بکھر کر جزل ہنس گیا، اس سال وہاں ہوگی ماٹا دھمکے پرچ میں رتس کے لگ بھگ دو تین ہفتوں سے راجھی کا جکر کا ٹکڑا، لیکن دیکھئے حالات کیا کر رہے تھے۔

آپ کی زندگی میں بھی انتقام کی دعوات سے انقلاب آگیا ہوگا۔ خدا کرے آپ کی بہت میں غم نہ آئے اپنے حالات سے بچے مطلع رکھئے گا
انصار اللہ میں اب خدا کو کام میں کرتا ہی رہوں گا۔ خطا فرم نہ سکے۔ کوئی سسرل جائیں تو وہ بھی بھیج دیئے۔ کوئی کتاب کام کی ہو تو وہ بھی۔ منصور سے
کہئے گا دن آفس کی معرفت ڈیوٹیک بیگ میں بھجوا دے گا۔

ماکار

ستھاری

اس فطرتِ نظر ثانی کی قوا احساسِ مہاک روٹنا دیا ہے۔ اللہ پروردگار کے سوا کونسی چیز کا ذکر کیا ہے۔ اسے مکمل تصویر بن سکے۔ پہلا غلط ہے۔
اس لئے دیکھو! اس معلوم ہوتا ہے

بنام مولانا غلام رسول مہر

یہ مکتبہ فقیری تہذیب کے متقاضی ہیں۔

۱۔ اس مکتبہ میں بھاری صاحب کی خدمات آل انڈیا بڑے مستند علمی مجلس غور و خجارت کے مدبران کے گریڈ کا معاشرہ میں ہوا ہے۔ ان کا رجسٹر صاحب کی خدمات دوسرے مکتبہ میں منتقل ہو جاتی ہیں وہ پی سادہ خواہ سے زیادہ خواہ وصول کرتے ہیں نئے مکتبہ میں ترقی کے زیادہ مواقع ہیں فنانس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دوم سادہ مکتبہ میں صرف اپنی لازمتوں کا رشتہ استوار رکھتے ہیں بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بڑے اسی طرح سید ہر سے ہیں جس طرح اہل علم میں رہتے ہوئے مستفید ہوتے ان حالات میں اس تہذیب کی حکومت پنجاب لاہور جہان یہ تھا کہ کسی ایسے شخص کو گریڈ سے مستفید ہونے کا موقع نہ دیا جائے جو اہل مکتبہ میں برسرِ کار ہیں

۲۔ اس وقت سربراہ زندگیات عالم دہم نے وفات کا کم کر رکھی تھی۔ وہیں بعد علمی مرحوم وزیر تعلیمات تھے۔ میں نے میاں صاحب اور دار صاحب دونوں سے۔ میں کیا تھا کہ اول جس شخص کی خدمات سے کوئی اور اٹھ کر فائدہ اٹھانے پر آمادہ ہو جائے لہذا وہ وسیع صلاحیتوں کا مالک ہو گا اور اسے ان چیزوں کی مراد دینی چاہیے۔ جسے بخاری صاحب کی غیر معمولی شخصیت میں کی تھی۔ اور کہا تھا کہ ان کے مسئلے کو تشنہ سمجھا جائے وہ ان کے لیے مری۔ اس سے منظر کرنی اور بخاری صاحب کو گریڈ مل گیا۔

۳۔ دس مہینوں ذہنی ڈائریکٹر عیادت تھے کہ جن اصحاب ان سے ملنے کا موقع میرا زیادہ عزت میں گئے موصوف بنو قاطبہ، دربن، علاق کے انسپکٹر آف یہ حقیقت عرض کرنا نہ قابلِ تہ مناسب ہو گا۔ مہینوں سے حالات سب سے زیادہ تکیات جنوبی دہلی کی بحال کے جاٹ ممبر۔ اسے پیش کی تھی جو اتحاد پارٹی کا مالک اہم منصب تھے اور چودہری چھوٹو رام کو اصرار تھا کہ اس مہینوں کو ڈپٹی ڈائریکٹر سے متاثر کیا جائے۔ اس سلسلے میں بڑی تک دود کی ضرورت پڑی آئی۔ یہاں تک کہ جو۔ یہی چھوٹو رام کی خدمت میں بھی تمام تفصیلات عرض کر کے انہیں راضی کیا گیا کہ مہینوں مہینوں وقت کے فائدے بہترین شخص ہیں مہینوں مہینوں بخاری صاحب اور بعض دوسرے اصحاب کے عزیز و دوست تھے ان سب نے اس دورِ اعتبار میں مہینوں کے لئے ہر ممکن کوشش کی تھی۔ یہاں تک کہ بخاری صاحب نے ان کے معاملے کو اپنے معاملہ پر بھی مقدم رکھا۔ اس کا نتیجہ بھی حسبِ مراد نکلا یعنی مہینوں اپنے عہدہ پر برقرار رہے۔ ۴۔ دہم پور میں حالات نہ ہو سکے کا معاملہ یہ کہ بخاری صاحب اپنے حقوق کے سلسلے میں ڈائریکٹر صاحب تعلیمات وزیر تعلیمات وزیر اعظم سے ملنے کے لئے شلہ گئے تھے۔ میں اس زمانے میں اپنے بھائی کے پاس مسند میں ٹھہرا ہوا تھا جو دہم پور کو ہٹان شلہ سے قریب ہے فون کے ذریعے سے مل چکا تھا کہ بخاری صاحب موٹر میں واپس ہوں گے۔ تو میں دہم پور پہنچ کر ان سے مل لوں گا۔ بخاری صاحب کو شلہ سے آئے ہیں وہ پہلی اور کسی قدر

مرزا جو یہ! میں دھرم پر دیشین پر بنیاد پر جب کوں مرنائی تھی تادی کو بھیج کر دیانت کر دیتا بخاری صاحب میٹر۔
سے گئے نیک کر اس بڑک پر مرزا سے کرتے رہے جو کون در سار کی طرف جاتی تھے میں باؤس جو سناہ لگا گیا۔ وہ
باؤس جو کرا لگا پیچھے وہاں سے سار دیشی فن کتے سبے پانویس۔ دھرم پر میں تھا اس سے فن پر چھٹو۔ ہم کی سنا
پچھریں کے فن کاظم جو اتروہ کال سے تین میں سوار ہو کر دیے چکے تھے۔

نہ بخاری صاحب سے ایک کتب لے آ رہے تھے اہل اس دیہہ بھی ملے دوسرے سے
یہ سب سے بعد پاک کر دیا جائے۔

اس آخری اشارہ کا دھرم پر تھا کہ کسی کے ہاتھ پر چائے کر اس کی اشاعت سربراہ خٹان مصمت تھی میں
سے اسے پاک کر دیا اور اراؤ نہیں بلکہ اتفاقاً محفوظ کیا۔ اس کی اشاعت کسی بھی مصمت کے خلاف نہیں اور
یہ سب عیر دوست کی اشاعت کا ایک مرتع ہے جس کی تحریر کو میں دقت ایک میں قیمت تھی کی قیمت حاصل ہے

①

ہر پرتوی مدح و ذمہ نئی دہلی

بروز اخبار

مشق ترمیم از معلوم کیا بات ہوئی دھرم پر میں آپ لکھائی نہ دئے سار کی طرف اور بڑی طرف کے مقام اقبال پر میں آدھ گھنٹہ انتظار
کرتا رہا باؤس جو کرا لگا گیا۔ کالک پیچ کر آپ کو سار دیشی فن کیا اور سار سبے فوجی تک تین مہر تیلی فن کیا لیکن آپ سار میں شریف فرما تھے اس سے جی
منا ہے کہ آپ فرد دھرم پر دیشی سے لگے ہوں گے۔ ادا ہاں میرے نظر ہوں گے۔ مجھ سے نہ لکرا آپ کہلے انتہا کثرت ہوئی ہوگی جس سے لگے میں
بہت ناوم ہوں اور صفائی کا خراج سار میں معلوم ہو کہ میری بصارت سے لگے دھرم پر میں آپ مرزا بڑک پر ہوں گے لیکن لگے لغز نہ کئے۔

ہر مل شہ کی داستان سن لیجئے۔ ڈائریٹر صاحب سے ملا پھر میاں صاحب قبل سے ملا دونوں نے مافی بھری کہ جس سلیکشن کر دئے دیا جائے گا
اس سے پر کر میں بنیاد میں داپس آؤں یا نہ آؤں تو کتب آؤں بحث ہی نہ ہوئی۔ بلکہ اس بات کا ذکر لک نہ کیا۔ میں نے بھی اسے چھڑا کر مناسب نہ سمجھا کیونکہ
معلوم ہو کہ اس وقت میں لے داپس کئے کا مادہ ظاہر کیا تو میاں صاحب کو انگوں دقتی پیش آئیں گے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ انہیں اس وقت
مشکلات میں مبتلا کیا جائے جب انہوں نے لگے بغیر داپس سلیکشن کر دئے مینے مادہ کر لیا تو سی پراکتا کرنا چاہئے میاں صاحب کا دیر از حد شہانہ
اور ان کا سلوک بہت ہی اچھا تھا۔ خدا ان کو خوش رکھے انہوں نے ہر طرح سے میری تسلی کر دی۔ ذرا مہتمم صاحب سے بھی ملا انہوں نے بھی امداد کا وعدہ
کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کپ کو شہر جانے کی تعلیم دی جائے یا نہ، بخاری صاحب کی خدمت معلوم نہیں ہوئی۔ لیکن فی الحقیقت اس کی خدمت
ابھی تک موجود ہے۔ جاننے سے فائدہ نہ ہو لیکن دیکھنے سے غالباً نقصان ہو گا۔ اس لئے مجھ پر اتنا کام کیجئے کہ ایک دن کے لئے مشورہ چلے جائے میاں

صاحب سے مل کر اپنے کھٹن گھٹن کے متعلق انہوں نے کہا فیصلہ کیا اور میرے خیاب عا میں آئے اور کہہ سہایت میں رہیں۔ وہ بھی اگر ضرورت پڑے تو ایسے۔ وہ خبر۔ یہاں صاحب سے ملنے سے پہلے میں میں صاحب سے مل کر لیئے۔

اس کے علاوہ ایک اور کام ہے اور وہ شاید میرے کام سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ علوم ہوتا ہے اور بعض شریہ رنگ اور بعض نیک مگر خلاقی میں مبتلا لوگ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ میں میں کو موجودہ صدمہ سے نوازا جاوے۔ دار کھانا کھانے کے کام سے خوش ہیں یہاں صاحب نے اس سے خوش اور مطمئن ہیں یہ کیا وجہ ہے درخواست خواہ میں میں صاحب پر کلک کا ٹیکہ لگایا جائے؟ لیکن اہل غرض کا بعد از وہ کب پہنچ چکا ہے۔ جب میں تسمہ سے روزانہ معاملات تسوین تک لے آئے آپ سے ملاقات ہو جاتی تو مشرتوات میں اسی بات پر مرتبہ اب حقیقت یہ ہے کہ حکومت خواہ وہ ان کی خواہ مند وہ ان کی ابتدا انہوں کا وجود تو ضروری ہے اگر یہ ممکن ہو تو کیا وجہ ہے۔ ایسے حدود کی صحت کی حاکم بر ملائی نہیں اور بعد میں میں اور صاحب کے کس میں میں اس وقت کسی ذمہ میں بھی نہیں مل سکتا۔ ان کو بلا کر خفیہ سے حقیقت شیعہ سے بھی پاک ہے اور ان کی دیانت اور اصابت دل سے مسلم ہے۔ اور پھر کوئی ایسا مسلمان انفرمٹی میں نہیں جس کی جگہ نہ کیا جاسکے تو یہ کیا وجہ ہے کہ انہیں خواہ مخواہ پریشان کر دیا جائے۔ وہ اس قدر دیر میں کہ مستطیع تک پہنچے پناہ ہیں۔ زمانہ سے مل لیئے اور اس کام کو میرے کام سے بھی ضروری سمجھ کر ان کو دیا کیجئے۔ میں آپ کی عتابوں کا بے انتہا محنت میں آپ نے میرے لئے بہت زحمت برداشت کی اور آپ کا احسان میں عمر بھر بھولوں گا۔ فرمیں دو مردوں باقی و غرض کہ میں ایک تو اس خط کی رسید فرمادہ بھیجے دوسرا سے پڑھ کر پاک کر دیجئے۔

فانک
بخاری

(۲)

۲۰ مہر مہوی راج روڈ، نیرودہ

وہ حرجن

مقرر درست۔ سلام۔ میں ایک معافی کی عرضی پہلے آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ اب گرامی نامہ کہنے پر بارہ مگر ہا میں یقین پائیے میں از حد شرمندہ ہوں کہ آپ کو اس قدر زحمت ہوئی۔ واللہ اس میں میں بالکل بے قصہ ہوں۔ دھرم پور میں آپ کو تلاش کیا۔ سادہ کی سرگ اور بڑی مرگ کے تمام اتصال پر طویل انتظار کیا۔ لاہور پہنچ کر دو تین مرتبہ آپ کے نام سے آپ کو پرنسپل ٹیلی فون کیا اور ایک آواز ملنے کا اور دوسرے آپ کو اس قدر تکلیف دینے کا ان دونوں باتوں کا انتہائی انوس دل میں لے کر آیا۔ اللہ بے معاف کر دیکھئے میں از حد نادام ہوں کہ آپ جیسے مشفق کرم فرما کر اس قدر رنج پہنچایا اور بعد بھی اس حالت میں کہ آپ میرے کام کے لئے اس قدر تکلیف اٹھا رہے تھے۔ میں نے اپنی طرف سے ہر ممکن احتیاط لیتی اور ہر پیش قدمی کی لیکن میری بد قسمتی اور انتہائی بد قسمتی کہ جیسے اس کے کہ آپ کا شکر عطا پائی زبان سے آپ کی خدمت میں ادا کر سکتا تھا آپ کو پریشان کیا۔

میں کل ایک مغضب خط لکھ چکا ہوں اب اپنے کسی کام یا غرض کی علت اشدہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ میں نے آپ کو کہیں کہ آپ کے دوزخ افتا سمجھئے۔ بہر حال اگر آپ جو کچھ فی یا غفلت میری طرف سے سرزد ہوئی ہے اسی کے لیے مجھے معاف کر دیں تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت

کھن کا

بعد میں کراچی میں انصاف اور مساوی کا احساس ہوا۔ یہ انصاف میری بد قسمتی کے سوا کچھ نہیں۔ اور آپ کی ہڈی کی کوئی قیمت میں ان نہیں کر سکتا۔ سوائے اپنے عزیزان کے

گر قبول اقتضا ہو ضرورت

خانہ

بخاری

خاموشی کے پتے پر کھانچے

(۳)

مرتبہ ہی مدد دینی دلی

برادر محترم۔ سلام صحت۔ ہے جسے آپ کو دن کے اچھے دنوں میں آپ کی طرف سے جواب کا منتظر ہوں گا۔ اس میں ایک فقرہ آیا ہے کہ

بنتھا اس فقرہ کے آج پھر آپ کی خدمت میں پیش ہوا ہوں۔ آپسی کاموں میں اس وقت میرا اس لئے مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ
۱۔ اگر آپ داپسی ایک وقت دیکھ سکتے ہیں تو اس سے صاحب برصورت اور بیانی ہوں گا ایک کے پیچھے دوسرا بھی معصوم نظر میں پڑ جائے گا
۲۔ اگر میں داپسی نہ آؤں اور میں گریڈ مل جائے تو اس گریڈ میں داپس کوئی اقدام مستحکم ہو گا پھر ایک کی بجائے دو آدمیوں کا بھروسہ ہو جائے گا
۳۔ ان صاحب برصورت کو یہ شکل زیادہ مرقب ہو گی۔

۴۔ بعض کو انت یہاں ایسے ہیں کہ اگر میں فی الحال کچھ عرصے یہاں اور کچھ چاروں طرف مناسب نہ ہو گا۔
۵۔ داپسی کا مسئلہ صرف وقت چھوڑا جاسکتا ہے بلکہ داپسی کا حق میرے پاس ہے جب چاہوں داپس آسکتا ہوں کوئی مجھے روک نہیں سکتا اور
کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں جب داپسی کا موقع آئے گا تو اس وقت اس مسئلے کو بھی چھوڑا جاسکتا ہے کہ کس عہدے پر داپس آؤں۔
(۵) گریڈ کا مسئلہ جو لائی کے شروع میں ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد اگر اتنے بڑے بھی داپسی کا سامنا ہو گیا تو جو مصالحت آپ کے پیش نظر
ہیں ان کو گزشتہ پیچھے رکھیں۔

۶۔ فی الحال میری داپسی کی وجہ سے صاحب برصورت کو تھینا بعض قسٹیں پیش آئیں گی جن کی وجہ سے وہ پریشان ہوں گے اور ان کی
قتل و قتلہ بظاہر ہو جائے گی کچھ عرصہ بعد حالت میں زیادہ بہتر کی گنجائش ہو گی۔

۷۔ سب باتوں پر اچھی طرح غور کر کے بعد میں اس تجربے پر پہنچاؤں گا کہ باقی سب باتوں سے قطع نظر کہ گریڈ کے معاملے کو کچھ
اور بہت کم کر لینا چاہئے اصل چیز یہ ہے داپسی کا مسئلہ ایسا ہے کہ ہر وقت اٹھایا جاسکتا ہے اور اسی وجہ سے اٹھایا
جاسکتا ہے جنہذا کج رہتہ کج اٹھائے گریڈ کے معاملے میں کچھ راہیں حائل ہو جائیں گی اور ممکن ہے غلامی کی رو میں اصل مقصد ہی بہرہ جات

یہ صحت رات تک سلیٹن گریڈ کا فیصلہ نہیں ہوا۔ اس کا اختتام عداوت ایسی کی حد تک پہنچ جاتا ہے اس کے پہلے وہ بھی مسلم کی

چاہتا ہوں۔

ان یمنوں اور آپ بھائی اہل میں تو میں کو اس کے ہی سے سکون اور صحت جو تو خود ہی باؤں کو منہ آکر سے پہلے آتشیں ہو
میں نے نہ بدتر مافی پشالی پر کھو دیا ہے اسی پر سے تباہ بھیجے تارے میں تاخیر۔ مو۔ سلام شوق۔

فانار

بھاری

۵

۔ تہہ دھڑ سے پر جئے ہم ۔ ۔ ۔
۱۱۔ سائنٹ بنہ امر کو آتے دیکھ کر میری تہمتی کو آپ کو گھر رستے میں مائل تھا۔

بھاری

۱۲۔ آپ کا جواب میری کسی ایسے کاغذ پر دیتے ہیں جو انگریز لوگ حراج مزوریہ کے سلسلے میں استعمال کرتے ہیں۔ ایا معلوم ہو گیا ہے
کہ آپ ہم کو عرصے بیت اللہ میں بھی خط لکھتے تھے؟ میں لہذا ایک سادہ کاغذ بھی درساں خدمت ہے۔

۱۳۔ مزید یہ کہ سالک ایکلے تھے۔ مہر ہاتھ نہ تھا دوسرے سنی ظاہر ہیں۔

۱۴۔ بھاری صاحب اس وقت میں بیلن روڈ پر اس مکان میں رہتے تھے۔ شاہ ابو محالی دسلے چوک اور لیونگ روڈ والے چوک کے
تقریباً وسط میں تھا۔ میں اس کے قریب رمضان بلڈنگ میں موجود قوی دوا خانہ کی بلائی منزل میں تھا سالک صاحب کی روڈ پر سیم تھے بھاری صاحب
اپنے مکان کے پکارتے میں بیٹھے تھے۔ وہ دیکھا کہ سالک صاحب آسے ہیں لیکن وہ راستے میں میرے ان ٹھہر گئے۔
۱۵۔ جو کہ مکتا ہوتا تھا پھل سے مضمون لکھنے کی سیپوں پر کھ دیتا تھا بھاری صاحب کے نزدیک وہ کاغذ حراج مزوریہ کے سلسلے میں استعمال

کے تکرار جواب اس پر سکون

کامیابی ٹھہر۔

(۳)

و تعلق مدائن اولی

ہر مکتوب

سلام منوں۔ جی امی تمہارے کا شکریہ۔ آپ کے خطائے پر میں نے دو صاحب اکٹھا کیے۔ مزید گفت و شنید وہ لانا باہر راستہ آپ کے کریں گے۔ کوئی خدمت میرے ہاتھ نہیں تیری خواہ وہ بڑی تھی نہ کہ ۱۰۰۔ ایک لکھ کا بہت بہت عکس آپ کے تعلق کے جسے آپ نے اب تک میرے تعلق بطوری زندگی کی زینت میں اور میں ان کا ذکر بہت فرہنگ کرنا ہوں۔ صاحب اگر عادیاتوں علم و فاضل کا معاملہ میں نے ثابت پڑھا اور دقت طلب ہے فحاشات ہوتی تو فیضاً و عرفاً کرتا۔

فائدہ

بھاری

(۴)

ہو میں مدائن

درگت (سلسلہ ۱)

تعلق میں جنب چٹائی صاحب سلام منوں! یکم سراج الدین صاحب کا جواب اکیسے ان کے خطا مطلقاً ترجمہ یہ ہے۔

• آپ کے خطا مکتوب یہ آپ کی بڑی لڑائی ہے کہ آپ کو اس قصہ کا رشتہ لگتے ہیں۔ چٹائی صاحب کے کلمہ دیکھ کر میں ان کی بھی بہت منوں ہوں کہ وہ باوجود اس امر کے کہ میں نے تعلق میرا علم بہت محدود ہے اپنی کتاب کی تہذیب کو جسے لکھنا چاہتے ہیں۔ میں اسے آپ کو بہت مشورہ سمجھتی ہوں اور کوشش کروں گی کہ ان کے کمال کو کمال داتا و تحمین دے سکوں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ زیادہ سے زیادہ لکھنے والی کی مصلحت دی جائے گی علامہ بگل لکھتے مرقعہ کی ایک طرح لکھا دیکھتے کیونکہ میرا نسخہ میرے پاس موجود نہیں ہے۔

اب ان کو مرتب کی نئی پالیسی (میں جس مکتوب میں اب آپ اسے شائع کرنا چاہتے ہیں) ابھی ادیکھے۔ عبدالرحیم صاحب وہ مجھ پر میرے پاس لائے گئے ہیں میں سواری دیا میرے لئے خالی چھپے ہوئے تھے۔ وہ یکم سراج الدین صاحب کو بھیجا دیکھے اس کے علاوہ میرا مشنہ یہ ہے کہ پہلی پالیسی کے دیباچے کوئی گزیر صاحب اور ناگزیر اقبال کے مسئلے میں بھی نہیں دیکھتا کہ وہ ان کے پیش نظر میں کو پہلے کیا کچھ کہا ہو گا ہے، اگر اس صحن میں آپ کے مرقعہ پر اہل بات یا رساں میں نہیں کوئی ریوچیا ہوا وہ اس کی نقل آپ کے پاس موجود ہو نہ بھی بھیج دیکھے۔ ایسی چیز ہونے لگی

کا اجلاس روزنامہ جتھے۔ اجلاس ۲۵ میل دوسرے۔ صبح جاتے ہیں رات کے ساڑھے سات بجے اٹھتے ہیں۔ ایک گنت امامہ کیا کہ آپ کو راتوں
کسی خانے میں جو مستری اور جہیز دہائی کی طاقت تھا، لاہور کے محلے میں اتنے تابے بھی کر ان کی حقیقت کھل گئی ہے اور تہہ لاپی اور ہتھم جت کی
لیکچر تریک معلوم ہوئے۔ اس لئے اتنا قدر (یعنی حق) کا انکار کیا کہ آپ کو خطاطی سکھیں۔ جو مدد ساپ کر چاہے اس کے متعلق میں کیا بات ایسی
کہ مکتا میں جو پائل اصلے سنی نہ گئی ہو لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ایک مرتبہ نہیں سو مرتبہ آپ کے گھر کا نقشہ آنکھوں نے ملنے پھر گیا۔ آپ
کی بے نظری، آپ کی حیا نہیں، آپ کی جیس انہیں کی حیا نہیں۔ معلوم اب آپ پر کیا گزرتی ہے۔ فیض آپ کی بار بار ایک ایسا طہر سوس ہوتا تھا۔
میں کو سب کسی طرف پر نہیں کر سکتے۔ میری بدردی بے کار ہے تاہم اگر اس سے آپ کا فہم لہ بھر بھی کم ہو جائے تو مجھے اہتمام ہوگا۔ خدان کو
جہودت میں جو کچھ سے ادا ضابطہ کی زندگی کا اختتام آپ پر آسان کرے۔ مرنے والے جاتے ہیں زندوں کا خیال نہیں کرتے۔

سینے پر مجھ میں نے مستری سے ایک نادر طبع امیں کو ایک دلی خط لکھا تھا خیال تھا دودستوں کے دل کو اس سے شک ہوگی امیں
سے کہا بھی تھا کہ خطا جلیب میں نشر کر دینا اگر وہ آپ کی نظر سے گنہا ہے تو میری زندگی کا نقشہ آپ کو معلوم ہوگا۔ نئے ملک میں گھر بڑا کرنا خصوصاً اس عمر
میں جب کہ عذیم ماسع ہو چکی ہوں اصول کا وہ جہودت تنزل پر ہم ایک جہم ہے۔ حال کچھ صحت سہست کی مدد ہو رہی گئی ہے۔ صحت کے متعلق
تشویش رہی اور تشویش سے زیادہ مصروفیت۔ یا انسان ڈاکٹر کا ہمد ہے یا غمہ خنک کرشن کرے۔ دلوں باتیں شکل سے بکا ہوتی ہیں۔ دھڑل
کی گویں میٹر ہنڈنگ نہیں۔

عید الدین سے ایک مفصل طاقت ہوئی تھی۔ لیکن یہ اب دوسرے پرانی بات ہے زما اسلی کا کام ادا ہلے کو پران سے ان کے دل
کا حال منیل گا۔

آپ کو خط کی آتی عزت نہ ہوگی جتنی مجھے ہے سالک کو میرا پیار اور سلام کہئے گا انہیں بھی خط لکھتا ہے ہر سنے قلمے کو الف سے گاہ
کچھ۔ قادی، عاشقی، تاثیر اور دیگر احباب آج کل کس بحر میں شعر لکھتے ہیں؟

غلام بخاری

(یہ خط سالانہ نقوش ۱۹۵۵ میں شائع ہو چکا ہے)

صوفی میرے بھائی، امیں فیض کی معرفت آپ کو شاید میرا پیغام پہنچا ہو، اگر مجھے یہاں اس سال کے دوران، ایک ایئرورسٹی میں
اور وہ زبان اور ادب کی تاریخ اور تقاریر چند لکھ دینے میں چاہتا ہوں، اس کے لئے مکمل تیاری کروں آپ کی خدمت میں بریل امیں یہ درخواست
کی تھی کہ ان امیں کتابوں کی فہرست (تیس یا پالیس) لکھ دیجئے جنہیں پڑھ لینا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ ان میں کلیات، اساتذہ، استفادہ کی کتابیں
(اور عدد اور تجزی) سب شامل ہوں گی۔ چنانچہ آپ بھی فہرست مرتب کر کے وقت اس بات پر نگاہ رکھئے۔ جب یہ فہرست میرے پاس پہنچ جائے
گی تو دیکھوں گا کہ اس میں سے کون کون سی کتابیں یہاں موجود ہیں۔ بالی پاکستان سے منگوائیں گی، ان کا حال صرف فہرست کتب مطلوب ہے جو آپ کو

بہتر کوئی حرب نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ اس دشمن کے ہر ہنگامے پر گریبے دست لگی ہیں۔ ایسے کہ جب آپ کے گھر پر
کالباؤٹنگ۔ آپ کے ہنگامے میں داخل ہوں گے دست دیا ہوں۔

ہمنا لاہور از دھرمات ہے کہ اس میں نفقت یا تاخیر نہ کیجے۔ سن ۱۹۴۵ء میں چار عین بنام ایک ہی خطبہ میں جو گورنر
میں نہیں آتا۔ اظہار لکھتے ہیں ان نصیب ہوتے اور دوسرے کو ہاتھ پہنچتے۔ یہ دیکھ کر آپ کو حیرت آگئی۔

دست کو ہر احکم لکھ گھر میں نام تھا کہ اس دن پاپ اور ہم مل خاکن کا دعویٰ آئے۔ آئیں اور صبر نہ کیجئے اپنے
ظہور سے (۱۹۴۵ء)

میرا پتہ یہ آتی ہے، UNITED NATIONS, NEW YORK, U.S.A. برنامہ

فائدہ

بھلائی

۱۹۴۵ء

(۳)

برادر عزیز غلام میں وہ اثر کہاں سے لالہ جو آپ کے دل پر چھو رہا ہے۔۔۔ اور دوسرے دست ساجت کے آپ کے خط سے مودوم
ہوں۔ یہ معلوم آپ کو کیا ہو گیا ہے؟

لکھنے کی تاریخ اب اردو اور مراٹھی کی سی معنوں کی کتاب کی آمد۔ وہ فوری ضرورت ہے میں کے لکھوں سب سے
زباں بھروسہ آپ پر تھا۔ لیکن آپ نے وہ چپ سادھی ہے کہ میں بے بسی ہو گیا ہوں

فائدہ

نیویارک

کھائی

۱۲ اکتوبر ۱۹۵۸ء

بنام سیدہ شرم رضا

(۱)

یہ سیدہ شرم رضا۔ گلوبل پیرس

شفیقہ دیکھی۔ سلام سنوں! رو آئے ہیں ادنیٰ سے پیرس پہنچ گیا۔ یہاں سے لندن جاؤں گا اور وہاں سے ہفتہ عشرے کے

اندانشہ اللہ بزرگ

دن کالج جیسے مدرسہ کے خواہ حالات تھے یا باعث تشویش ہی کہیں نہ ہوں۔ لیکن کئی سنی عالم کا احباب سے مل کر ایسا اطمینان ہو کر بے لوث کی طرح اسے کو ان میں برس در برس اٹھائے پھروں گا اور تنگی اس سے پردہ میں کے محافل میں کچھ تا پھر وہ گا۔ اس مرتبہ کے سے کئی حکامات ہو گئی اپنی خوش قسمتی پر ناز تھا۔ اللہ سے اپنی حردی کا اتر بھی کیا کہ اس سے پہلے آپ سے نیاز کیوں حاصل نہ ہا تھا آپ میں انصاف اور محبت سے جیت تھے۔ اس کی دل کئی دہن سے خوشیں ملتی۔ روح شریک کے ملک۔ اہم قبول کیجئے۔

سے نت آخوس کو وقت خوش کردی

کچھ پنا قدم کئے اور کئی خدمت میرے لائق ہو رہا تھا مل ارشاد کیجئے۔ پریس صاحب سے کئی میرا سلام کیجئے۔

نہدہ فاکار

احمد شاہ بخاری

۲۳ فروری ۱۹۵۳ء

بگیم آمنہ مجید ملک کے نام

①

زید رک

۵ اکتوبر ۱۹۵۱ء

عزیز حسن۔ دو جے وارث جیسے تھے نہ معلوم وہ دنیا سے اٹھ گیا۔ یادوں پر تزلزل چا گئی یا بڑھاپے نے سب کو آن دیا۔ بہر حال کچھ نہ کچھ انقلاب طرور اٹھایا۔ دفتری خطا اور تار و مدار بڑھاتے کسی دوست کا خط نہیں آتا۔ حال میں ریاض احمد صاحب (ریڈیو انجینئر) آگے توان کی زبانی معلوم ہوا کہ مجید صاحب بہت غصہ صاحب فرار ہوئے۔ زمانے کا رنگ بدل گیا ہوتا تو میں اتنا غصہ ایک عزیز دوست کی طالت سے بے خبر نہ رہتا آپ ہی مجھے کچھ بھیجیں کہ مجید صاحب بیمار ہیں دیکھئے۔ گنتی کی دعا پر آپ تو کیا تکیہ کرتے ہیں لیکن وہ ستوں بھائیوں اور عقیدت مندوں کو اپنے دل میں شریک کہنے کا ایک بہانہ ہوتا۔ کچھ غصہ ہوا ایک شمس سے سرسری ناکھا کہ مجید صاحب کو دل کی تکلیف ہے میں نے سن کر صبر معمول نہیں میں اٹا ہوا من کا یہ دہم یا مان سرپل کے طوق سے ایک لطیف بن چکے۔ مجھوں نے خبر سنائی وہ کچھ تفصیل بھی نہ بتا سکے لیکن جب ریاض صاحب کو مفصل حال معلوم ہوا تو بہت تشویش ہوئی اور میں از حد افسوس ہو گیا۔ مجید صاحب کے کئی نقشے دہن میں آتے ہیں اور آتے ہیں۔ ایک سے ایک بے دخل لیکن یہ نقشہ سچ میں نہیں آتا کہ وہ بتر بردار ہوں۔ خدا کا حامی و ناصر ہو اور خدا انہیں اور آپ کو ہر پریشانی سے ماموں و مصون رکھے انہیں میرا بہت بہت پیار دیکھئے۔ اسے کاش میں ان کے پاس ہوتا۔ افسان کا دل بہلا سکتا۔ ہوسکے کہ ان کی خیریت کے متعلق دو حرف کچھ بھیجے تاکہ مجھے کم از کم اس قدر بقدا احساس نہ ہو اور میں آپ کی تشویش میں آپ کا ان کا شریک ہوں۔

میں کام کرتے کرتے جھک گیا۔ خیال تھا کہ میں نے اسے ڈاکٹر الہم کشمیر کی ایجنٹ کے میں معرفت ہوں گے میں پیچے سے ایک ہیہ قلیل

مکھی گوشہ عافیت میں گذرے پھلواؤں کا۔ اور صحت پھر روڑوں کا۔ لیکن گلاہم کے سینچے ہی وہ سب کچھ رہا جو کہ میں ہم سے مل نہ سکا۔ اب زہری میں ہیں
پہنچا ہے وہاں پہلی تین چار بیٹے رہے۔ گھر درمیان میں کرسمس ہوا قدر بھی ہو گا۔ لیکن نہیں معلوم کتنا طویل یا کتنا مختصر۔ نہ معلوم پاکستان کب آتا
نقیب ہو۔ دل سنبھلا اس سے۔

اجاب کی یاد بھی دل سے گزرتی ہوئی۔ کبھی کبھی کوئی حلیہ کا ان تک پہنچ جاتا ہے تو طبیعت دن بھر گرتی ہو جاتی ہے حد اکثر یہ
کیفیت رہتی ہے کہ ان میرے بھیا کو بھیج دے گی کہ سالن آیا۔

جہاں بہت سے اچھے اچھے پائے ہیں کہ کہنے میں تو ان میں ہر ایک عالم اجل اور تنازعہ اور اللہ جانے کیا کیا ہے لیکن خط
مکھی کو نہیں آتا۔ کسی زمانے میں ایسے ہی بے بس لوگوں کے لئے شاہ عالمی دروازے اور چاندنی چوک دیو میں ایک کتاب عاشقانہ خط و کتابت کے
نام سے بنا کرتی تھی۔ کئی عشق اس کتاب کی بدولت پہنچے اور سرخرو ہوئے وہ کتاب بھی اب مایاب ہے

نقیب کہو کہ گڑا صم پرستوں کا
توں کی ہو گئی ایسی ہی تو فیکوں کر ہو

نہ معلوم خلیفہ حکیم صاحب کا کیا حال ہے اور وہ کہاں ہیں میں نے اس میں کسی مرتبہ ان کا ذکر کیا تھا اس کی گنج ان تک بھی پہنچی ہوگی
لیکن ان کی جانب سے تالیف تک بھی نہ تالیف دی۔ بیگم شاہ قلم صاحبہ دس قدر ادب سے ان کا نام لے دیا (محل) کو میرا سلام پہنچے۔ خدا کرے میرے
نہ پہنچے۔ آپ کی تشریف عید صاحب کے بارے میں اور جہلی ہو۔ اور آپ اطمینان سے مجھے ان کا اور اپنا اور اجنبی دور کا حال بتا سکیں۔
آپ کا خاکسار بھائی

بھاری

بیگم فیض کے نام

①

نورث

نور پریل ۶۵۸

پاری ایس

سنت خوب ہے کہ تم میرا انتقام مرثیہ بھاری، بھاری ہو، نہ مرثیہ صاحب نہ پرنس، تم میری ہم مردوں کے بارگاہ سے ہوئی
میں جیہ بے تعلقی رہتے بیٹھیں۔ بچے بڑوں کے ہر گز سے دور رہے۔ لیکن خیراتی کالی ہے۔ میں بیش سے حق تلفی کا قائل ہوں
مہفتت اور قریب سے ملانی چاہئے اس کا اثر زیادہ دیر پا جاتا ہے کہ خدا بھی شبہ نہیں کہ تم ابھی سے اپنے لئے پرانہ دم بھانڈ کے لئے مودب
اور محتاط رہے لا عجب کہی ہو۔

میترو فیض کے نام

۴۔ ریڈیو ٹریس نیویگ

6190-22,20

پابائی نہ ڈالو۔ کافی عرصہ سوچا۔ ۶ مارچ کو خط لکھا۔ قرینہ کی دس نو سوئی کے۔ مٹ جواب ہے۔ اس کوئی ہوا تو فی کاباب ہوگی
جی بہت سیہ کہ ان دنوں یہ صحت اچھی نہیں۔ سنی اس کے باوجود بکے لکھ کر پتہ لگا۔ اس نے خط درگاہت ۱۵۰ سندسٹام اب میں تقدست جہل او
جہد اعلیٰ ملنے لکھ کر جواب کئے بیٹو کیا موں۔

میں تمہیں دعا اپنے دوست سے کھراہوں جو اقوام متحدہ کے باڈیٹ و کمرٹ میں دو ایسی منڈلی پر واقع ہے جس سے اس وقت دنیا میں ایک مستقل مائینارسی کھجور سے دو کھجور کی سی لگتی ہے جیسے پس کی آبی پے کا دن پر کھن جو اس طرح اتفاقاً نہایت حادث ہے۔ سورج کی روشنی کو کھول میں سے اندر کی ہے برکہ لکھیاں دیریا کی جانب کھنٹی ہیں جو اوپر سے نظر آتے ہیں۔ وہ سے دس دن کی ایک شش ہے جو سال سے کچھ فاصلے پر پڑتا ہے اس میں لکھے۔ اسے یہاں دیریا کے ایک جگہ ہے۔ اس وقت جب میں کھراہوں تو بڑی بڑی کشتیاں اور تیل کے بڑے عیاسی تیرتے چرتے ہیں۔ پانی وہاں سے بہک رہا ہے۔ وہ نیچے کی طرف لگے ان پلوں سے اسے اپنی نظر آ رہا ہے جھیل کے ایٹ پر مے لگے ہیں۔ اس کا نام اینز برگ ہے۔ اسے ان سب میں خصوصاً بڑا بڑک اٹن ہے۔ یہ آتما سی مندر ہے جتنا دس دن کی مغربی شاخ پر جارج واشنگٹن کے لیے جس کی تصویر تمہارے منہ پر دیکھی ہوگی

موسم سرما کی آمد آدھے اچھا لگی ہوئی ہے۔ نیرنگ شہر میں بھی بہت نہیں پڑی کہیں سمبر کے آغا اور جنوری غدی میں پھینک
یہاں خسران کا موسم سے دل کش رہا ہے۔ امریکی لوگ اسے "FALL" کہتے ہیں۔ بہتر میں جاتا ہے۔ اس موسم میں دختر کے پتے چلے زور
اور پھر نابھ کی طرح سرخ ہوجاتے ہیں۔ جنگلیں میں جیسے آگ کی لگ لگی ہو رہاں کہیں درخت اٹے جاتے ہیں۔ دیو جی بس ریزہ کا کاغذ غصہ مہر کے لیے جیسے
اس نے پیارے پیارے۔ نخل میں پڑے رنگ کر سو کھنکھنے کے پھیلا دے ہوں۔ بڑی سرنگ کے دولوں طوت بعد رنگ داری متاثر دکائی دیتے ہیں سرنگ
پر کاڑی چلتے ہیں بڑا اعلیٰ آتا ہے ادب جی چاہتا ہے کہ غنوں ان کٹھے جنگلیں میں میوہ کا لالہ ہیں۔ جھیل میں پڑتے ہوئے تیش تک کے دختر کے گلے کا
نہر کیا جاسے۔ اس سال بھی فصل خزاں خوب رہی۔ عوام پر موسم خوشگوار رہا۔ کئی روز تک لگا آوار جنگلیں میں گھر رہا جانتا تھا۔ اور سیر کی جا سکتی تھی۔

جب تم نے مجھے خط لکھا تو رندری اچھی ولایت سے واپس آ چکی تھیں اور بابا بھی وہیں تھے۔ اب تک تو وہ کبھی لوٹ کئے ہوں گے، انہی میرا سلام کہنا اور مجھ کو پیار دینا۔ مجھے یہ بھی بتانا کہ تم نے اب تک تیرا سیکھ لیا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو اس کی مشق کرتی رہو۔ ایک ایسی تفریح ہے جو حاصل نہ کی جائے تو زندگی میں ایک طرار سامعوس مباح ہے۔ تمہارا بندہ علیا تو خط ہی چتا ہوں گا۔

جب بھی پیا ہے مجھے خاکِ مکن مگر مکن ضرور

اور دیکھو سب کریم ہی جانب سے ایک بار پھر مار دیتا۔ بھوکا مت۔

تجارت و بازرگانی

اسے ایسے بخاری

مجھے چتے میں نے اس حاکم کی پشانی پر جوتہ ٹھکڑے سے مہربانی کر کے میں فٹ کر لیا اور آندھ بھی لگی۔ اسی سے مجھے کچھ دینا لگا۔ اسے دیکھ کر میرے گدے کا تیر سے میں ایک آدھا دھڑا میں لڑا میں چھوڑا میں اور یہاں کی ایک اور بوسلی میں کام کر کے اس کے قبضے میں سے دم نکلی پھر پر ہی خدا لگی۔
(انگریزی سے ترجمہ)

نیدرلینڈز کی تاج کے نام

(۱)

نیدرلینڈز۔ دوسرے انگریزوں کی نصرت اور کامیابیوں کی خبریں سن کر وہاں کی کسی چھوٹی مقام پر گئے اور وہاں کا کچھ مہاراج کو پرنس کو ٹنٹ ملا۔
جلد چلنا ہے۔

جون جون کا ایک کے ان قریب آئے جلتے ہیں۔ دل میں مجب استغنی پیدا ہو رہی ہیں۔ یہاں کے آٹھ سال تک سے وہ ابتر ہو کر گزرتے ہیں۔
ہر ایک کے ساتھ تھوڑے آپ آپ میں چلے آتے جو کسی کبھی ٹھہر کر معلوم اس دنیائی دوسری طبیعت کی آب و ہوا میں ہی نہ جلی گئی تھی۔ لیکن یہ
سوقا ہوں کہ جہاں کے علاقے وہ آتے تھے کبھی ڈھیلے پڑ جلتے ہیں کبھی تن جلتے ہیں لیکن مرمت سے پہلے ڈھلتے نہیں۔ اے اللہ اللہ کہ تم ہمارے دلوں کی موت
سے بہت دھڑکیں اس امید کی بنیاد پر آج کے خیال سے ہر مرمت کے اطمینان کے کوئی جذبہ دل میں نہیں اٹھاتا۔ بات ان کی خلیہ وہ ہیں اور رستہ
کی خلیہ مائیں اسی حجاب کی طرح ہر نہ گزریاں پھر یاد آتی ہیں۔

بہت ٹھک گیا ہوں۔ گیارہ سال بڑھ چکی کے ایک دن کی بھی نصرت نہیں لی۔ موسم گرما کی تین بجنے کی چھایاں اور دھندوں کی گرم خلیں پھر
بارش ہے۔ زبردست جلتے پڑتی خوش میں کہیں بیان نہیں آسکتا۔ حجاب کو کم ہوں گا سلام نسوں جواہر یا سن کر پاد۔ کل عید صاحب اب تاثیر سے طاقت ہوئی
خدا شایہ کی زندگی کو کامران بلے بہت سی باتیں کہنے کو دل چاہتا ہے لیکن اب ان کے سے کوئی مرتے نصیب ہوں گے۔ ہر فرسبہ کو چھوٹنے کے لئے شاید
دوسرے پر بھی لاہور آجائیں۔ کیا تم اس خط کے حجاب میں خطا ہو گے؟
فائدہ

بھکاری

۲۔ نصیب

(۲)

عالم جون

پروٹین پیر۔ حبیبیہ ۲ جون پیر کو ملی سے ہوا ہے۔ رینج پیر اور رینج پیر پارٹیکلر ہے۔ اس لئے میں آخری وقت میں انہوں نے
پروٹین میرے حوالے کر دی ہے۔ وقت بھر رہا ہے۔ میری قیادت تیار ہے۔ اس لئے ہمارے کھانے کا کام اس کا انہوں سے ہے۔ کام ایک آدھا بات
آپ ایسی ضرورت میں گے کہ دل پر ضرورت نہ ہوگا۔ فرصت ہو اس لئے کہ وہ کچھ اپنی دھندے سے مشغول ہے۔ گا۔ فرصت نہ ہوگا۔
Recapitulation

کتابی

گورنمنٹ ہائی اسکول

- ترجمہ -

[illegible]

کی حالت پوری پریشان تھی۔ وہ ہوشی پر نہ تھ۔ نہ ٹوٹی کچھ تھی۔ اس کے غلٹ اڑوں کی حالت غماخی کا شکار ہو چکی تھی۔ بری روئے سے ان کے کتے بوجھ
 آگیا۔ کتے کو بڑھ کر اب تم جسے ہر گز نہ مانو۔ باوجود فرح بخش باد گلزار است۔ بیابان چنگ حجاز سے اتر کر تیز است۔ دنگ کاغذ علی شہر کا رستہ ڈھونڈ
 نکالنے میں شرمہ ملال ہیں۔ بات پر یاں نہ لگاتے۔

یہی ہر شے کے حالات میں قدر خفہ ہے کہ جو میں نے یہ حال اب میں نے اس طرح سے دیکھ کر اس میں کسی
خفا کے لئے اس وقت آپ کو بتا رہا ہوں کہ میں نے یہ حال اب میں نے اس طرح سے دیکھ کر اس میں کسی
یہ ہے کہ میں نے یہ حال اب میں نے اس طرح سے دیکھ کر اس میں کسی
اس میں کہ میں نے یہ حال اب میں نے اس طرح سے دیکھ کر اس میں کسی
مفتوح ہے۔

ہر اسی لڑکے سے خواہشیں منہ پڑتا ہے لیکن نہ آتا کہ خدا و کتابت کے ماننے ہو۔ اللہ

آپ کا مئی کا پتہ معلوم نہ ہو سکا تاہم اُنے پتہ پر خط بھیج دیا۔ منجانب آپ مقرب آلے دہلی میں۔

بہار

خداک ۵۵، اگست ۶۵۸

ذہریہ مستی اور غماز، اختیاری پریشانیوں کا لعل، کمال کو بہت مدد دیا۔ یہ قدرہست کی عجیب قسم طرحی ہے کہ کرم میا انسان جس نے عمر بھر زندگی کے لطیف اور مدحجن اور کچھ پہنچے سے سرور کا لکھا اور فغانا میں اپنے فرائض کو بخند ہی سے سرور کا جام دیا دانے کے ہاتھوں میں لکھتیت اٹھا۔ کچھ میا آدمی تو معلوم کرتے ہیں کہ اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ قضا و قضا کی کسی کی مخالفت یا ایذا رسانی کا وہ بے حسن طبیعت اور حسن اخلاق کا اصول یہ ہرگز نہیں کہ دلگ تہذیبی مخالفت پر آادہ میں یا تم سے انصاف کرنے میں متاثر ہیں۔

..... یہ وہاں رہا ہے کہ اس میں دوستیوں اور عقائدوں کے خون نہ گئے ہوں۔ شاید لوگ اس زمانے میں کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہیں۔

جس کی جرح سے جس دلاور نے مروی تب باتوں پر فاسد بنے۔ خدا تعالیٰ قدرت دے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنے علیہیت اور اپنی بڑی ادب کی محبت اور طاقت کی بدولت اپنی پریشانیوں پر غلبہ پاؤ گے۔ میں تمہارا ایک حنفی دوست ہوں اور جسے اس اوصاف اور فادہ، لیکن اکثریری محبت تمہارے کسی کام کی سنجیدگی ہے تو یقین جانو کہ وہ تم سے دیکھی دیکھ رہی ہے نہ کہ سکتا ہوں میں ایسا شخص نہیں جیسے آسانی سلیم الطبع کہا جاسکے۔ میری کہانیاں تم پر اور سب دوستوں پر واضح ہیں۔ کیونکہ تم سب کو ان سے بالا چڑھا ہے اور تم سب سے دانا و قویٰ بنے۔ اکثر انہیں دنگ دنگ کیسے لیکن میرا علم ہے کہ تجزہ اور خود میرا رجحان طبیعت یہ تھا ہے کہ دنیا میں کوئی سے بڑھ کر ادب کوئی نعمت نہیں۔ اسی لئے کوئی دوست نہیں جاسے یا وہ مر جائے تو کسی باتوں اور کئی دن اس کا احترام میں۔ انوس کہ کہہ دوستانہ اب محرم نہ گئے ہیں۔ تقریباً ہر ایک فقرات و اجوس کی کتاب میں اپنا حصہ اور لیکن نہیں سکتا تاہم سب ملک جیسے لوگ معتقدانہ خدا میں سے ہیں۔ وہ تمہارے پاس نہ آئیں تو آخر میں چلے جایا کہ۔ اس سے غم ظاہر کیا کہ وہ جو مصائب پہاڑ سے ٹکراتے ہیں وہ اسے میری غنیمت سمجھ دہی گئے۔ یعنی وہ ایسا بھی

ماہی پکے ہل گئے۔ لٹا روگ ہیں اعلان کی محبت بھی مرحوم کا نام اس کی سب سے بڑھ کر انہی تین بکلیت اور حفاظت نعمت ہی ملائی ہے اہل ایک ہجرت
ہوئی تھیں تہاڑی سترین امیدوں کا بحر ہو گئی ان کی صحبت میں نظرات کو بھول جاؤ۔ آئینہ کے لئے نہیں تو کمرہ لکھم ہر روز چند گھنٹوں ہی کے لئے سہم جو لوگ تھیں
ایمان سے محروم کر رہے ہیں۔ غرض وہ بھیجیں تو ان کو خدا سے آدھا ایمان بھی نصیب نہیں۔

کتاب میں سے کتب فروش کی دکان پر منتخب کی تھیں اور ان دن سے لہا تھا کہ پڑھیں مگر تہہ سے پتہ پر پہنچی دیکھ ہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ تھیں
کوئی خط یا پرندہ ملا۔ بیوں کی کتاب میں سے اس خیال سے بھیجی تھی کہ شاید اس کا ادب و شہرت ہو۔ ان بیوں کے نام کے جو بیال پائی ہیں۔ مجھے کیا
معلوم تھا کہ خود مطلب ہی سب سے پہلے اس کی قدر ان ہل گئے۔

اس سال کے آخر تک رومانی۔ اس کے کنارہ کش ہونے کا ارادہ ہے۔ کو بیال پر کھڑی نے بد فیضی کا وعدہ کر لیا ہے اس کے علاوہ ایک آدم
سبیل کچھ راہ کرتی پڑے گئے۔ مدد آملی میں جو کئی واقع ہو گئی اس کا سارا مصلحت ہو گا۔ دیکھ جائے پڑے ہیں ایک بیال ایک بدبوندہ نے کراچی میں کچھ ٹکڑوں
کی تہہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور یہاں کے اکثر قابل سہمی لیکن دنیا بھر سے زیادہ میں جیتے ہیں۔ مالک صاحب کا خط آیا، انہوں نے ایمان قلب لے لئے ترجمے کی
راہ نکال لی ہے۔ دھڑا دھڑا ترجمے کر رہے ہیں۔ اذہب غنیمت ہے ترجموں کے علاوہ موت کا خوف ان پر غرور سے زیادہ طاری رہتا ہے تاہم انہیں یہ سہم
ہے کہ زندگی سے جو کچھ حاصل ہو سکتا تھا وہ ہزار حالاً محکمہ مذکورہ ان کو یہ شکایت ہوئی چاہئے آپ اور وہ دونوں پرش دوستوں اور سب لوگوں کے منظور نظر
رہے ہیں۔ یہ بھی کسی کسی کو نصیب جاتا ہے۔ خدا آپ کو سب سے بڑی نعمت اور بڑے حد تک کو بیال میں لکھ رہا ہے۔ اس کے لئے میرے پاس کوئی
کتاب بیال نہیں۔ مگر ہمت پیش آئی کہ کسی شخص سے دوست کی معرفت ایسی کتابیں لی انہی کو جمع کر لے۔ بلکہ جو چیز کی تک پھر تیار کر سکوں۔ صوفی تہہ ذہن میں
آئے۔ انہوں نے ہرگز تو تہہ کی سبک نہ کیا میں جو اسے کا نام مستحق سے سزا کا نام دے سکے چنانچہ سزا کہیں ان کے اور کسی لکھ جائیں لکھ دے سب سے
دور کر لیں اور اس کے لئے خدمت نکال لیں لکھا لیجئے۔ میں نے تو اسے آپ کو تکلیف دہی کئی کو آپ اپنے قسط میں گرفتار ہو گئے۔ اور انسانی کا
ترجمہ میں پھر بھی کرنا چاہتا ہوں بلکہ یہ میری زندگی کی بہت بڑی آندہ ہے۔ غلطیوں کا حکم صاحب سے امید نہیں کہ وہ میری مدد کریں گے۔ آپ اور فیض
صاحب خود ہی انسانی کا انتخاب کریں گے۔ صاحب کو میرا سلام اور یا سمن کو میرا پیار پہنچے۔ حاضرہ ملتے رہا لیجئے۔ آپ کا خادم

بھڑی

۵ مارچ



الکری ۵ مارچ ۱۹۵۷ء

ذیاستیادہ۔ واپس پہنچنے کے چند دن بعد آپ کو ایک خط لکھا تھا جو ہر چند کہ جواب طلب نہ تھا تاہم متقاضی خوشی تو آپ کا منتظر رہا لیکن اب تک
آپ کے خط سے محروم ہوں۔ خیال تھا آپ اپنے ادبی عہد کے متعلق مزید کچھ بتائیں گے۔ کیا اور کیا بنا۔ دو ایک کتابیں بھی آپ کو بھجوائی تھیں۔ بہت اچھی
دیکھیں لیکن میری خاص شادی کا ثبوت مردان سے ملا ہو گا۔ انہیں کو کتاب میں جسے آئینہ کی ڈاک سے بھجوائی پڑی تھی۔ سہائی ڈاک سے بھجوائے تو پانچ ماہ
کی کتاب پر کم بیش اتنا ہی خرچ ہو گا کہ جیب اجازت دے تو عقل اجازت نہیں دیتی۔ یہ (۵۵۵۵) کے آغاز کے بارے میں نے اپنے ملکہ دوستوں
سے کہا کہ بھائی صاحب نے مکہ وہ خدمت سے زیادہ بہرہ نکلے۔ سب کہتے تھے کہ اس کے متعلق کئی نظریے ہیں۔ میں غلام کا قادی ہوں اور غلام تو اس

بہترین دوسری آدمی ہے۔ دیر و غیرہ۔ آؤ ضمیمہ کیا ہے ان سے پوچھنا کہ ان کے یہ خودی کو گیسٹ ڈاؤن گا۔ اگلے جتنے کہ ایک کتاب (جدید حسنی کی) ان کے ساتھ بھولوں کے حال ہی میں نقل ہے اس کا نام ہے "نظر بد" یعنی "Soul & Eye" ایک اور شہم فکر نے بھی لکھا ہے اس میں آٹھ اور نظریے متعلق جو وقتوں میں رائج ہیں انہیں بکا کر دیا ہے۔ نظریہ میں ان میں سے ایک ہے اس کی تاریخ بھی مختصر طور پر لکھ دی ہے کہ باقی بھی مختصر سے مفید اور ان کی یہ کتاب غریب ہے کہ کسٹ پر لکھنے سے یا ایک کھلی پڑھنے سے نظریہ بد یا اس کے اور نظریے غریب بھائی پر مصنف نے صاف صاف بیان کیا ہے کہ یہ غلط ہے اور اس دہم کا انگریز میں کوئی جواب نہیں دیا کتاب کا انگریزی عنوان ہے "Soul & Eye or the Soul & Eye"۔ "Lore of Vision" میر غریب ہے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ یا خلاصہ ہے حدیثیات ہنگامہ باقی کتاب پچھنے پر آپ خود اذکار دیکھ لیں۔

تیس سال سے جو ہر روز میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ میں ہر روز ایک کتاب یا دو کتاب کی تاریخ یہ وہ ہے جس کی مصنف نے اس کتاب میں (کیا کہ نہ) صلی صاحب (خود ہی) کو نظم کے انسان ہیں اس کتاب میں کابل کی (اور انگریزی) (اور) بہت سے نظریات بھی ہے وہ آئے پر لکھ کر کون سی کتابیں ہیں اس کے موجد ہیں۔ جو نہ ہلنگ نہ پاکستان سے منظر اول کا۔ اور کتاب اس میں کہ کبھی کو شہر کی حضرت بھی ہوگی۔ امید ہے کہ یہ تاریخ در کس کے۔ کچھ وہ ان کے ترجموں کا مستطاب جو آپ کے مکان پر بعد طعام پڑھا گیا ہے اس میں جس اقبال اور عمر اور آپ کے طعنات پہل کر لی تھی۔ اس کا کیا جواب دہ سے چھوڑا تو اس کے بعد اس کے برکات لکھے اس پر بھی کوئی ڈالے۔ میں بے چینی سے اس کا منتظر ہوں۔

چند منہوں کی بات ہے میں ایک طرح کے موٹے پر پر ہر عام کہنت ہے جو میں ہو گیا اس کے بعد دلگیر تیرہ پر ہی واقعہ پیش آیا۔ دیکھتے ڈاکڑوں کو دکھایا۔ قطر خواہ علاج جاری ہے۔ لیکن کچھ ٹیکہ تینیں نہیں ہو سکی۔ کیونکہ قطر خواہ باطل دست ہیں۔ تمام اہل ظلمات کی کثرت کو مجرم ٹھہراتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں طرح صحت کی بے مرضی کے اسباب مغربی میں متاثر نہیں ہوں بلکہ بے مرضی بھی آئے والی نسلوں کے لئے مہم دہے گی۔ لیکن عدم قی۔ میں سمجھتا تھا کہ "میں کھانا" دیر و داتاؤں کے ساتھ ختم ہو گیا۔ مسلم ہو کر اس رسم کے زور رکھنے والے بھی باقی ہیں۔

سلکت یعنی۔ سستی ان میں کو جب میں میرا سلام لکھے گا چنانچہ صاحب کے ہم کلام ہونے کا خواہش تھے تو ان سے کہتے رہے کہ وہ اپنے ذرا خط لکھیں کہ ان کے یہاں آئے میں کیا رلاؤں میں آتی۔ غیظ صاحب میں تو۔ یو۔ گ۔ مل۔ ی۔ کر دیکھا گا۔

ہاں بھائی، آؤ فائبر اور نصیحت پر کو بھی میرا سلام کہتے گا۔

حجاب: یسین کو میرا سلام دیا۔

فاکار

بھائی

(۶)

پاکستان اور اس بنیاد پر

۱۲ اگست

ڈیرا ستیاز جتھائیں میں آپ لکھنا دانتے اس ایک سال کے عرصے میں کئی تنہائیاں جو پر گریں لیکن پچھلے پچھلے معروضاتوں اور بدولتوں سے لکھی شکر۔ امانوں کو پروردہ کیا کسی خط لکھنے کی نیت باندھی تو شرمیل کو سننے کی قوت نہ تھی۔ حال میں مالک صاحب کے مدین طاعت کے راز ہم باقی رہے

بنام اجسر مسرور

یہ دہریدارک

۹ ستمبر ۱۹۵۶ء

مسرور —

آپ کے خط سے طبیعت بھی بلی سین تھکی گئی رہی۔ رسالوں کا حال آپ سے بیان کیا ہے وہ کمرپیش دی معلوم ہوتا ہے جو مری کو دکھائی دے، زمانے میں کھائیں ادب دہن کر خفا سے وہ ہوشیار ہے کہ باوجود آغے سے ٹپکے کے رگڑ میں دھڑلے پھرنے سے بار نہیں، مگر آپ نے نام گلا زمین میں لگ کر میں بھی پھول اگتے ہیں حب شاعری زلفی کا دار و مدار ایک جاہل اور عابر سطل پر تھا جب بھی اس نے ایسے جیلے تھیل رکھے تھے کہ ح کے ہاؤنٹی ماہیں اس پر کھلی تھیں۔ سب سے یادکش کش تھوڑے عرصے میں مکوں میں ہے حان منڈی کے بیز کوئی چیز تک ہی نہیں سکتی یہاں کوئی آپ سے بچے کر آپ کا سیاب شاعر یا بلوگر ہیں یا نا سیاب تو مطلب موت ہی ہو تھو کہ آپ نے پیسے لکھتے یا نہیں۔ نہ یہ کہ آپ کو سن دروغ صبح سخن غیب ہمایا نہیں۔

یہاں تک آپ کے ساتھ ہول مٹی مٹھن سے جو گریز آپ نے کیا ہے اس سے بچنے پر دل نہیں آئے دیا لیکن میں سمجھتا تھا آپ کے خط سے اصحاب کا حال معلوم ہوگا۔ نہ کہ صاحب اور نہ کہ آپ کے شب و روز کا کوئی نقشہ آپ کے خط میں نظر آئے گا۔ جو طاقت کا کام دے۔ کچھ آپ کے خط سے واضح کی سیر ہوگی اور اس عزیز شہر کی غیرت معلوم ہوگی۔ کیا اس کے بغیر میں اب بھی سید سے کہہ دیتے اور اپنے رشتہ خوشبو سے لہے کر شے ہیں۔ کیا اب بھی رادی مٹھوں کی یاد میں کسکتا رہتا ہے یا امرول کی گہری اور دیک سبزی اب بھی غنائی بادلوں کے ساتھ آتی ہے اور برسات میں ملاتی ہے؟ آنکھیں ان سوالوں کا جواب دھڑکتے ہوئے ہیں لیکن نا کام رہیں۔ یا شاید بے نظر ہو چکی ہیں اور ہیں معلوم بھی نہیں۔ پھر خفا ٹکے کا نتیجہ ہم تو ان مجلسوں کا حال غمزہ بیان کیجئے جن کی یاد دل سے کبھی جو نہیں ہوتی نہ معلوم مجھ پر ب کا حشر کیا ہوگا۔ دنیا کے ہر کونے میں دل کا ایک پارہ کسی نہ کسی گلی میں رخ بسلی کی طرہ ترپ رہا ہے۔ یہ سب ٹھٹھے کب بلیا ہوں گے۔

ہائے دہن میں اس فکر کا بے نام وصال

کر گزرتا کہ کب اس جا میں ہو کر کیوں کر ہو؟

میں چند دن کے لیے سیل دھبنا کام کے پہلے سے آگیا ہوں۔ مخالفت میں تنگ کندھیاں ہیں۔ انجھو کی ہلیوں سے مٹی ہوئی۔ دن بھر کہہ جاؤں لہر ہاؤنٹ پر جی جی جی دھوپ میں چمکتی رہتی ہے دن ڈھلے ہی غما میں اور بھیل پر ایک پڑا سدا سناٹ چھا جاتی ہے۔ یہاں روح کو صحت نصیب ہوتی ہے کہ کئی پرچہ کتاب قلم ہلاتے ہیں اس لئے سال میں دو تین مرتبہ یہاں غمزہ آجاتا ہوں۔ تھے تھے تنگ خیال و دل کا پس چلا جاؤں گا۔ خاکار

بکائی

احمد عظیم قساوی کے نام

بھول دیا کر شفا

میکو۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۶ء

میری نیک صاحب! آپ کا نام لاہور میں اور لاہور کے ایک شخص نے اپنے ہاتھوں سے لکھ کر دیا اور منظر داؤد کیا تھا کہ اب کی دیکھتے

بن اکلم الرحمن

نویارک، ۲۰ دسمبر ۱۹۵۵ء

عزیز و شفیع، سلام سنون !

گراں "براویہ" کا اردو سر آنگھوں پر کام دل چاہیے سلیم ہوتا ہے۔ یہ حال ایسی منت نہیں دراجی سے کافی پہلے دھڑلے "براویہ" یا ایسی قسم کے عنوان سے بولکھل کتابیں اور مجھے شائے پہنچے ہیں۔ سلیم آپ کے زیر نظر کون سی کتب اس ماہ کی ہیں اور لے آپ کے زیر نظر کتب میں پہنچیں گی تو پورا حال سلیم ہوگا

آپ کا نام جب "بان برتہ" ہے تو آپ کے والد مرحوم دشن لیل الرحمن کی یاد تازہ ہوا ہے میں ان کا خاتمہ ہوا منتظر ہوں کہ اس سرور صومعہ لاش کا خوش چین تھا۔ آپ نے جس خاندان میں تربیت پائی ہے وہ آپ کے حسن اسباق اور موصفات کا ہیڑ جیت کے لیے نکلیں ہے اور ہے "م" کے علاوہ آپ کو ہی "ات الدردن" مانا، اور تہذیب کا سرور میں اس کے ساتھ صاحب دیکھی اور صاحب کے ساتھ آپ سے اپنا بیت تھا (لے فلسفہ) ہے وہ آپ کی زندگی بھر کا مددگار ہے۔

آپ کی سہو کا طالب
حاکم بک ساری

بن اکلم علی خاں

①

شفیع و عادل غلام صاحب سلام سنون

مجھے سہو ہمارے نے آپ کے خطوط میں مسوہ کی رسید آپ کو بھی مسوہ رہی مطلب تہذیب لے لے چکے ہیں اور ان سب پر میں نے نظر ثانی کی ہے۔ کسی معنون کو منتظر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کیونکہ اگر ایک آدمی معنون پیمانے سے ذرا ہول ہے لیکن نہ اتنا کثیف استعمال کے بغیر عارہ نہ ہوتا ترجموں میں بہت سی عکاسات تھی جو اکثر ترجموں میں پائی جاتی ہے اسے میں نے وہ کر کے کی کوشش کی ہے۔ دہذب اوقات آپ کو مطلب ہی فہم ہوا جاتا تھا

تہذیب تقریباً تیار ہے۔ بعض انتقار اس بات کا ہے کہ آپ نے تہذیب میں سالہا سالہ کیا ہے اسے بھی دیکھ کر تہذیب کے بارے میں میرا مشورہ یہ ہے کہ پہلا حصہ پاکستانی دوسرا امریکن ہونا چاہئے۔ پاکستانی حصے میں پہلا معنون "تہذیب" کا اور امریکن حصے میں پہلا معنون "آزاد" کا۔ باقی مضامین کی ترتیب ابجد کے لحاظ سے۔ تاکہ کسی کو شکایت نہ ہو کہ مشعل پہلے میرے سامنے کیوں آئی۔ کیا آپ کو اس سے اتفاق ہے؟

ایک بات اور زمین میں آئی۔ وہ یہ کہ جہاں جہاں (خواہ امریکن حصے میں خواہ پاکستانی حصے میں) معنون انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ وہاں معنون کے انگریزی تو میں نے اندر بخشنا دیکھ دیا جائے۔ انگریزی سے ترجمہ تاکہ لوگ (مخصوصاً امریکی اجمیت کو خود صاحب معنون کی اختراع نہ کہیں۔

مضامین نگار میں خود شامل مضامین مناسب نہیں سمجھا، میرے لیے تہذیب نگار مناسب ہے اور اس۔ مطلب لا منتظر۔ فاکسار بھارتی

کہا نتیجہ مضامین ابھی غیر مزید سامنے کے انتظار کے بھیج دوں تا کہ امتات شروع ہو جائے:

(۲)

مشفق سلام سنوں!

ابھی ابھی آپ کا جبری خط مورخہ ۱۰ ستمبر مورخہ ۱۰ ستمبر کے ہا۔

مضامین کی ترتیب کے متعلق میں حال ہی میں آپ کو ایک ناکام چٹا چلا ہوا اس کے متعلق جو میرا مشورہ ہے اس کے دہرا لے لی ضرورت نہیں۔

امید ہے اب اس سے متفق ہوں گے۔

اب ابھی ڈاک سے انشائے اللہ دیا اور ارسال خدمت کر دیا اور مسودہ دست لکھی، اپنی سبھی لکھی۔

نیویارک۔ ۹ ستمبر ۱۹۵۸

فاکس

بھائی

(۳)

مشفق صاحب علی خاں صاحب سلام سنوں!

آج ہی ایک پیوہ پکٹا جیسے جبری آپ کے نام روانہ کر دیا ہے جس میں ۲۱۔ پاکستانیوں کے مسودے اور ۳۰ فی پاکستانیوں کے شامل ہیں نیز اشتراکی اسٹیل انگریزی بھی اسی پکٹ میں بھیج دی ہے۔ ۳۰ تہ ذی قعدہ سے مزدور طبقہ فرمائیے میں متکرار مل ۳۰ دیا ہے اسودہ منسلک ہوا ہے۔

ترجموں پر نیز دیگر مضامین پر میں نے مئی ۱۹۵۸ میں بڑے غور سے نظر ثانی کی ہے مگر میں نے بعض حصے کو اپنی بساط سے بڑھ کر پائے بعض جگہ ذرا گھاس کاٹی مضامین پر لکھی ABSTRACT ہیں۔ اگر ان میں ردائی اور مسامحت بھی نہ ہو تو ان کا پڑھنا اعلان سے لطف اندوز ہونا یا اصل ہی مشکل ہو جاتا ہے ہر حال اب جس حالت میں مسودات آپ تک پہنچ رہے ہیں امید ہے آپ انہیں خاطر خواہ پا لیں گے۔

تاخیر کے لئے میں آپ سے نام ہیں اولیٰ تو اس کی وجہ سے ادھی بیلے کے اکھاڑ کی وجہ سے فرصت کم رہی پھر ایک طویل دیا پوچھا تھا، جسے حالات کے تغیر و تبدل نے بے کار بنا دیا۔ دوسری مرتبہ کھا تو پھر وہی کیفیت ہوئی آخر تک اگر میں نے ایک فقرے سے دیا ہے ہی پرکتا کی ہے۔ آپ پڑھیں گے آئینہ اندازہ ہو جائے گا کہ میرے دیا ہے کس وقت کے ادھ کس موضوع پر تھے۔ اب ان کا موقع نہیں۔

مضامین کو ابھی کے لئے سامنے آپ خود ترتیب دے لیجئے۔ اور اپنے نظم و نسق کے مطابق کتابت موقع پر شروع کر دیجئے۔ اب تو سب جملے طے ہو چکے اب زیادہ تاخیر کے لئے کوئی جواز باقی نہیں رہا۔

جب میں نے سنا کہ کتبہ فریٹکن کے آدھ کتاب میں قلمبند دست ہوئی۔ آپ یقیناً اس کام کے لئے بہت محنت ہیں، میرے ہائی کئی خدمت ہو کر مجھ سے دریغ نہ رکھیں۔ بلکہ خادمہ دینے لگیں۔

فاکس

بھائی

(نوٹ: دیر غلامہ ۲۵ دسمبر ۱۹۵۸ کو میں اس روز لاہور پہنچا جس شام پیرس کی فنانس کی غریبہ کو پاکستان سے نشر ہوئی یہ خطا اس کتاب سے متعلق

جس میں کافر مطبوعہ دیا پوچھ اس رسالہ میں درج ہے اور یہ کتاب کتبہ جدیدہ چھاپ ۱۰ ہے)

بنام عبدالقدیر رشت

عزیزِ شگت سلاطین

سہم سہن! آپ جتنے ہی کہ ادب سے بے فکر ہو کر رہے۔ خیال نہ کر اسی دست کی سیاحی میں کئی لیکن خرافات و عوام کو گمراہی
اور کتابیں دیکھ کر اس کی ہی نہیں۔ اہلِ لکڑی کی ہی نہیں۔ بلِ عالمی مکر و فرست کہاں!

بچے، اسی کی طرح بچہ بچہ ہی جلدی جلدی کھانا کھایا اور کسی مدد پر نکل گئے شہر کو اپنی دوش میں مادہ دھسے۔ شہر کا طرح افراد و تہ
یا بچہ سہارا سہارا، طبیعت پختی ہوئی ہوا، مزہ، ہم ہی کہ اسے دھن کی خاطر نہایت شگفتہ بھی اور پھر دھن سے باتیں کئے جیسے ہیں۔ اس دست اس شہر
میں خرافاتوں کے ہونے کو دیکھا، سب سے بڑا فریبند کے زبانی دالے ہیں کہ کئی ہم کچھ دیکھ رہے، سعادت آنا معائنہ مئے ہیں کہ دھن کے پر ما
دھن کا مٹش خداوندانِ بیات کا حکم دھسے کہ بعض باتیں کچھ جادو، ایسا حال میں وہ کہ ادب کے متعلق کیا کہیں۔
بات بڑی ہے کچھ دھن کی کہ بٹسے نہ بنے

دنا دنا ادب کی جو کتابیں نظر سے گزری ہیں ان سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آج سے چند سال پہلے آپ کا ادب بے فرسہ اور حقیقی کا نام سے بڑی
طرح اچھا تھا جس میں زندگی کے فضائل و عیال تھے، تنوع و معجزوں کی ترجمانی، خوشیوں میں نہیں، واقعات کی دنیا میں پھٹ پاتی ہیں۔ ان میں کئی اشار
نشر نہیں ہوا۔ اچھا مصرعے دھڑکتے دلی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں حیات کے نشیب و فراز، زندگی کی خوش و قسمت اور انسانی مسئلہ کی امید
فرما کر لی نہیں پھر نہیں۔

میں جوں زندگی کے تھامے دھتے گئے، ہمارے یہاں کے اکثر ادیبوں نے ماہ گریز چھوڑ کر زندگی کو اپنا یا نہیں لے نہ دنا زک زبان کے ذریعے
مکی ادب کر آٹ کی فنیات سے دوچار کیا۔ ماہ گریز پاکستان میں ہی دنا کے سایہ میں ادب کی شروعات ہوئی، اندکی ادب کا اعتبار سے ایک ایسے
اتلازادہ ہے جس کی مثال سرحدستان کی تاریخ میں نہیں ہی سے مل سکتی ہے۔

دعائیت کا دور گزر چکا۔ اب ادب ادب زندگی کے تنوع و عیال، خوشی و غم کا ادراک رکھتا ہے۔ انسانی عظمت اور انسانی کائناتوں کے
انہماک سے محروم ہے اور یا ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں صحت منساب جب تک نظر رہے گا اس کا ہم ترین موضوع انسان ہی ہوگا۔
سبھی زندگی میں ادب کی حیثیت نگاہ کی ہی ہوتی ہے۔ معاشرہ کی رفتاری اور انسانی سیر کے لئے ان تمام اثرات کو دوسرے اثرات کی نسبت
انسانی حضرات میں زیادہ اہم ہونا چاہیے۔ وہ طائر کے مٹی اور مٹی سے ادب میں زندگی کو اپنا لے لے لے کے دانش و ادب کا علم ان کی خدمات سے انہیں بہت
بہتر کر سکتے۔

ہم دوس کے ہنگامی ادب کی استوار کردہ عملدین کو شاد دینا چاہتے ہیں اور ایسا ادب کی پشت پناہی کر سکتے ہیں جو انسانی ہمت کے لئے
نیا دنا دنا ہم۔

لاش میرے پاس دنت ہوتا اور میں نیا دہ کچھ آپ کو بتا سکتا لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملے۔

پطرس کے مضامین

یعنی مضامین

اے۔ ایس۔ بخاری

بی۔ اے (کینیڈا) ایم۔ اے پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور
سابق ڈائریکٹر جنرل برادری کاسٹنگ

فہرست مضامین

۴۷۲	انوارِ حقیقت
۴۷۴	دیباچہ
۴۷۵	ہاشمیں رضا
۴۸۴	سورسے جوں آنکھ میری کل
۴۹۰	لکھے
۴۹۳	اردو کی آخری کتاب
۴۹۵	میں ایک میاں ہوں
۵۰۱	محبوبہ چودھری
۵۰۸	انجام بخیر
۵۱۲	سینما کا عشق
۵۱۷	میل اور میں
۵۲۰	مرحوم کی یاد میں
۵۲۱	لاہور کا جغرافیہ

اظهارِ عقیدت

میں اپنے اساد و محترم بروفسر مرزا محمد سعید صاحب جیلوی
کا ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب پر نظر ثانی کی اور اسے
معص لغزشوں سے پاک کیا۔
میں اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ مجھے اب بھی اُن سے
میںف تلمذ حاصل ہے۔

بطرس

دیباچہ

اگر یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت بھیجی ہے تو بھروسہ کیا ہے مگر آپ نے کہیں سے جرائی ہے۔ تو میں آپ کے ذوق کی داد دیتا ہوں۔ اپنے پیسوں سے خریدی ہے۔ تو مجھے آپ سے بددلی ہے۔ اب بھرتی ہے کہ آپ اس کتاب کو اچھا سمجھ کر اپنی حماقت کو حق بجانب ثابت کریں۔

ابن مفاہین کے افراد سب خیالی ہیں۔ حتیٰ کہ جی کے یے وقتا فوقتا دماغ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ وہ بھی ترجمہ کہیں کہیں نہیں ہیں۔ آپ تو اس نکتے کو چھوٹے بگھنے ہیں۔ لیکن کئی پڑھنے والے ایسے بھی ہیں۔ جنہوں نے اس سے پہلے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ ان کی غلط فہمی اگر دور ہو جائے تو کیا ہر جہ ہے۔

جو صاحب اس کتاب کو کسی غیر ملکی زبان میں ترجمہ کرنا چاہیں۔ وہ پہلے اس ملک کے لوگوں سے اجازت حاصل کریں۔

”پطرس“

ہاسٹل میں پڑھنا

ہم نے کامیابی میں مسلم قومیہ پائی۔ درختہ رفتہ بی۔ اسے بھی پاس کر لیا۔ لیکن اس نصف صدی کے دہائیوں میں جو کامیابیوں کو ملتی تھی وہ ہاسٹل میں داخل ہونے کی اجازت نہیں صرف ایک ہی دوسری۔

خدا کا یہ فضل ہم پر کب کس طرح ہوا۔ یہ سوال ایک داستان کا محتاج ہے۔

جب ہم نے انٹرنس پاس کیا تو مقامی سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب خاص طور پر مہنگے بادوسہ کے لئے آئے۔ قسیمی رشتہ داروں نے دعوتیں دیں۔ محلے والوں میں مشعل بانی کی آمد ہم سے گھر والوں پر ایک نعمت کی بات کو اگھٹات ہوا۔ کہ وہ لڑکا جس کا تعلق ایک اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے ایک بیگناہ نالائقی فرزند سمجھے رہے تھے، حاصل لامحدود تالیفیں کا مالک ہے۔ جس کی نفوذ و پارے شہر آئے والی صدوں کی سہودی کا انحصار ہے۔ چنانچہ ہماری آئندہ فذگی کے مستقل طرح طرح کی تجویزوں پر خود کیا جانے لگا۔

قرڈوڈن میں پاس ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی نے ہم کو ذیلیف دیامنا سب نہ بھا۔ چونکہ ہمارے حاحاں نے خدا کے فضل سے آج تک کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا دیا۔ اس لئے وظیفے کا سزا محض صاف اُن رشتہ داروں کے لئے جو رشتے کے لحاظ سے خانہ کی مخالفت میں جیتے تھے۔ غرض بات کا باعث بن گیا۔ اور مرکزی رشتہ داروں نے تو اس کو پاس وضع اور حفظ مراتب کھ کر تفتوں کی تفریق بجا ت کو بعد سرالہ۔ بہر حال ہمارے خاندان میں ناخود روپے کی ممتات تھی۔ اس لئے بلا تکلف یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ نہ صرف ہماری بھرپور قوم ہاد شاید بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسے ہر نادر طالب علم کی تعلیم جاری رکھی جائے۔

اس بارے میں ہم سے بھی مشورہ دیا گیا۔ مگر ہمیں اس سے پیٹے ہمارے کسی مسئلے میں ہم سے رائے طلب نہ کی گئی تھی۔ لیکن اب تو محنت بہت مختلف تھی۔ اب تو ایک غیر جانب دار اور لیاہی دار مصنف یعنی یونیورسٹی ہماری بیدار مغزی کو تصدیق کر چکی تھی۔ اب بعد میں کیونکر نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ ہمارا مشورہ یہ تھا کہ ہمیں خود اولاست ملج دیا جائے۔ ہم نے مختلف لیڈروں کی تقریروں کے حوالے سے یہ ثابت کیا کہ ہندوستان کا طریقہ تعلیم بہت ناقص ہے۔ اخبارات میں سے اشتہار دکھا دکھا کر یہ واضح کیا کہ ولایت میں کامیابی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ فرصت کے اوقات میں بہت لمبی لمبی ٹیپس دے کر بیک وقت جرنلزم۔ نوٹو گرافی۔ تصنیف و تالیف۔ و ذہنی سلامتی میسج سازی۔ ایجنٹوں کا کام بخیر کے لیے شمار مفید اور کم خرچ بلا فیضی پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اور دھڑلے سے کے اندر انسان ہر فی ہوا ہی سکتا ہے۔

لیکن یہی آخری کو فرادہ کر دیا گیا۔ کیونکہ ولایت جیسے کے لئے ہمارے تہمیں کوئی روایات موجود نہ تھیں۔ یہاں۔ یہ مگر دواغ میں سے کسی کا لاکھ ایچ ایک دواغ دیا گیا۔ اس لئے ہمارے شکر کی بیلک دواغ کے حالات سے قطعاً ناواقف تھی۔

اس لئے بعد پھر ہم سے اسے طلب نہ کی گئی۔ اور ہمارے والدہ ہرٹا ماسٹر صاحب اور تحصیل دار صاحب ان تینوں نے مل کر۔ مصداق کی کہ ہیں لاہور بھی دیا جائے۔ جب ہم نے بہتر سنی تو شہر میں شریعہ میں ہیں سمجھنا۔ ویسی ہوئی۔ لیکن جب دھر دھر کے لوگوں سے۔ دھر کے حالات سے تو معلوم ہوا کہ لائی اور لاہور میں جنڈاں فری نہیں۔ بعض واقعات کا۔ مدتوں نے سینکڑوں کے حالات بہت ہی ڈالی بعض نے ہفتہ واروں کے معاصد سے آگاہ کیا۔ بعض نے ٹھنڈی شکر وغیرہ کے مٹا کر لکھا یا بعض نے شکر بنے اور شکر کا داکہ ارمان یا کھینچنا کا نقشہ کھینچا۔ چنانچہ جب لاہور کا حیرانہ پوری طرح باہر سے دیکھی ہوئی تو ثابت ہوا کہ شکر اور مقام ہے اور اصل درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بعد محذوں۔ اس پر ہم سے اپنی زندگی کا پروگرام وضع کرنا شروع کر دیا۔ جس میں ہم سے پڑھنے کو مگر تو ضرور دی گئی۔ لیکن ایک۔ جب حد تک۔ تاکہ طبیعت پر کوئی ناخوشاں ہو جو نہ پڑھے اور فطرت اپنا کام میں دھونے کے ساتھ کر سکے۔

لیکن تحصیل دار صاحب اور پیدائش صاحب کی ایک نئی نئی ایک محدود ذہنی۔ اور وہ صرف ایک معلم اور کچھ مشورہ دے دیتے تو اس کے کوہ جود بھیج دیا جائے تو بہت خوب تھا۔ لیکن انھوں نے تو تفصیلات میں دخل دینا شروع کر دیا۔ اور اس کی زندگی اور گھر کی زندگی کا مقابلہ کر کے ہم سے والدہ پر یہ ثابت کر دیا کہ پاکیزگی اور طہارت کا ایک کھد اور اس کی ہر صفت کا ایک دائرہ ہے ایک قوت ہے وہ جو بہت زبان۔ اس پر انھوں نے بے شمار خطبات میں سے کچھ لیا جیسا کہ گھر والوں کو نصیحتیں مہاجر کی کا لکھ کا اسل جلازمہ تھا تو ہم کی ایک ہستی ہے اور طلباء باہر کے شہروں سے لاہور جاتے ہیں اگر ان کی پوری نگہداشت نہ کی جائے تو وہ لایا تو شراب کے نشے میں جوڑ کر رکھ کر کسی نالی میں گرے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ یا کسی چوٹے خانے میں ہزاروں دوپے ہارے خود کشی کر لیتے ہیں۔ یا فرسٹ ایر کا انھما پاس کرنے سے پہلے سو پارہ سا دواغ کر بیٹھتے ہیں۔

چنانچہ گھر والوں کی ہر سوچنے کی عادت پڑ گئی۔ کہ اس کے کوہ جود میں تو دخل کیا جائے۔ لیکن اس میں نہ کیا جائے گا۔ بلکہ اس کے گھر میں ہرگز نہیں کا لکھ مگر ہر گز نہیں۔ وہ بہت عظیم۔ مگر یہ ناممکن۔ جب انھوں نے اپنی زندگی کا منصب اسی میں بنالیا کہ کوئی ایسی ترکیب سوچ جائے جو سے لاکھ اسل کی زندگی محفوظ رہے۔ تو کسی ترکیب۔ کا سوچ جانا کیا مشکل تھا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ چنانچہ از حد غور و خوض کے بعد لاہور میں ہمارے ایک ماموں دیانت کئے کئے امدادی کو ہمارا سر پرست بنا دیا گیا۔ جیسے دل میں ان کی ہمت پیدا کرنے کے لئے بہت سے شجرہ کی دوق گردانی سے گھر پر یہ ثابت کیا گیا کہ وہ واقعی میرے ماموں ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ میں ایک شیر خوار بچہ تھا تو وہ گھر سے بے انتہا محبت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ ہم پچھلے چلے گئے اور میں ماموں کے گھر۔

اس سے تحصیل معلم کا جو ایک دواغ ہمارا ماموں میں لکھ ملتا تھا۔ وہ کچھ جیڑا سا گیا۔ ہم نے سوچا۔ یہ ماموں لوگ اپنی سرپرستی کے زمرہ میں خالین سے بھی زیادہ احتیاط کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے ماموں اور روحانی قوت کے کوٹھنے پھولنے کا کوئی نہ ملے گا اور تعلیم کا اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ چنانچہ وہی ہوا۔ جس کا ہمیں ثقت تھا۔ ہم روز بروز مر جاتے تھے۔ گئے۔ وہ ہمارے دماغ پر پھونڈی سی جھنجھکی بیٹھا جانے کی ہمازت کہی کھما دل جاتی تھی۔ لیکن اس شرط پر کہ چون کہ لمبی سا مہینہ جاؤں۔ اس صحت میں میں جھلو سینا سے کیا انداز کہ مکتا تھا۔ قیامت کے معاملے میں ہماری معلومات سنا دے گا۔ اس لئے ہم نے اپنی تینا نہیں ڈالیا۔ بلکہ ہمارے

ماہوں کا ایک مشہور قول ہے کہ ٹوہٹا وہی ہے جو تیراں ہو۔ جیسے تیراں آٹا ہو وہ بازمِ گھستائی نہیں۔ گھر پر آنے جانے والے دوستوں کو کہتا تھا ماہوں کے ہاتھ میں تھا کوٹ کر ڈال دیا پسند جائے اور بال سنے لمبے رکھے جائیں اور ان کے سعلی مہیات بہت کڑی تھیں۔ بچے میں دوبارہ گھر خط لکھنا ضروری تھا۔ گھڑت غیل نامے میں چھپ کر پڑھتے تھے۔ کانے بنانے کی سکھ و انست تھی۔

یہ سچا بہانہ زندگی ہمیں ماس نہ آئی۔ یوں تو دو سنوہرے سے حالت بھی ہو جاتی تھی سیر کو بھی چلے جاتے تھے۔ ہنس بول بھی لیتے تھے۔ لیکن دھجورہ زندگی میں ایک کڑوی ایک ذراچی راک وارفٹ ہو جاہے۔ وہ ہمدردی نہ ہوئی۔ رفتہ رفتہ ہم نے اپنے ماحول پر خود کو ناشر و ج کیا۔ کہ ماحول جہاں ہم کو مگر وقت کھرہیں ہوتے ہیں۔ کس وقت باہر جاتے ہیں۔ کس کمرے سے کون کمرے تک کھنکھائی آواز نہیں پہنچ سکتی۔ کس دروازے سے کمرے کے کس کو نے میں جھانکنا ملتی ہے۔ کھوکھو کون سا دروازہ رات کے وقت باہر سے کھوکھو جاسکتا ہے۔ کون سا ملازم مہمان ہے۔ کون سا فلک جھلٹ ہے۔ جب تیرہ بجے اور سلاٹ سے ان باتوں کا اجماعی حرج خازن ہو گیا تو ہم نے اس زندگی میں بھی فساد و فساد کے لئے میدان کھانٹیں پیدا کر لیں۔ بلیں پھر بھی چم روز رکھتے تھے کو لاش میں۔ بسنے والے طلبا کس طرح ایسے پاؤں پر کھڑے ہو کر زندگی کی شاہراہ پر چل رہے ہیں۔ ہم ان کی زندگی پر رشک کرنے لگے۔ ابھی نہ زندگی کو سہ جہازے کی خاموشی ہمارے محل میں بوند بوند بھٹکتی لگتی۔ ہم نے اس سے کہا۔ والدین کی نافرمانی کسی مذہب میں جواز نہیں۔ بیٹی ان کی حدت میں۔ درخواست کرنا ان کے سامنے اپنی ناقص راہ کا اظہار کرنا۔ ان کو صحیح واقعات سے آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنے نفس میں کی دالکی سے باز نہیں رکھ سکتی۔

چنانچہ جب مگر سوں کی تعصبات میں جس وطن کو دایس کی وجہ مختصر مگر جامع اور مؤثر تقریریں ایسے دماغ میں تیز کر رکھیں۔
گھروالوں کو داسل پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ داسل کی آزادی فوجوں کے لئے از حد خطر ہوتی ہے۔ اس غلط فہم کو دور کرنے کے لئے
ہزارہا واقعات ایسے تصنیف کیے جو سب سے داسل کے قواعد کی سختی اور ان کے اعلیٰ درجہ پر جو جنے سے بڑھ کر انتظام و نظم و تشدد
کی چند مثالیں وقت بخیر اور بہت خیر چرائے ہیں مثلاً: ایک انکھس سند کر کے ایک اخباری ادا بیار سے استغفار کا واقع بیان کب کا
ایک وطن شام کے وقت بھی را داسل سے داسل آ کر تھا۔ جیسے جیسے پاؤں میں موج آگئی۔ دو منٹ دیر سے ہوا۔ حدت و منعت۔ بس
صاحب اس پر سے بڑھ کر انتظام و تشدد کے واقعے کو اُس کے والد کو بولایا۔ پولیس سے تحقیقات کرنے کو لہا۔ اور پھر جہر کے لئے
اُس کا جب خرچ بند کر دیا۔ تو بس ہر حال!

لیکن یہ واقعہ سن کر گھر کے لوگ سیرنڈنٹ صاحب کے مخالف ہو گئے۔ دھشل کی خوبی اُن پر واضح نہ ہوئی۔ پھر ایک دن موقع ملا کہ بجائے محمد دا واقعہ بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ شامت اعمال بچار سینما دیکھنے چلا گیا تصور اس سے یہ ہنسا کہ ایک دہپے والے درجے میں جانے کی بجائے وہ دودھ پے والے درجے میں چلا گیا۔ بس اتنی ہی غفلت خراج پر اُسے عمر بھر سینما جانے کی ممانعت ہو گئی لیکن اس سے جی گھر والے متاثر نہ ہوئے۔ ان کے رویے سے مجھے فوراً احساس ہوا کہ ایک نپے اندہ دودھ پے کو بجائے آٹھ گنے اور ایک دہپہ کتنا چاہئے تھا۔

انہی ناکام و شششور میں تعطیلات گزر گئیں۔ اودھم نے پھر ماموں کی چمکوت پر اکو سجدہ کیا۔

ماہ مہیاہ عید نکلی ہی تھی۔ پچھلے سال دانش کی محنتوں جو دلائل ہم نے پیش کی تھیں۔ وہ اب بھی نہایت بروی معصومہ سننے والی تھی۔ اب کہ ہم نے اس موضوع پر ایک پیکر دیا۔ کہ جو شخص دانش کی زندگی سے خود بخود اس کی شخصیت ناممکن وہ جانی ہے۔ دانش سے باہر شخصیت اپنے نہیں بناتی چند در تو ہم اس پر مضامین لکھ کر دیتے رہے اور نصیحت کے نقطہ نظر سے اس پر بہت کچھ روشنی ڈالی۔ لیکن کسی محسوس یہ کہ بغیر شاہ کے کام نہ چلے گا۔ اور جب شاہیں دینے کی نوبت آئی۔ تو ذرا دقت محسوس ہوئی۔ کمال کے جن طلبہ کے تعلق میرا ایمان تھا کہ وہ زبردست شخصیتوں کے مالک ہیں۔ ان کی زندگی کچھ ایسی نہ تھی۔ کہ والدین کے سلسلے بطور نمونے کے پیش کی جا سکے۔ ہر وہ شخص جسے کمال میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جانتا ہے کہ "والدین غرض؟ کے لئے دواغبات کو ایک نئے بعدا چھنے پر اپنے میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں آتی ہے۔ یہی اس کے برائے کا سوچ جانا الہام اور اتفاق پر منحصر ہے۔ جس روشنی خیال بیٹے والدین کو کچھ اس طرح ملتی کہ دیتے ہیں کہ ہر شے ان کے نام ہی آرہی ہے یعنی آرڈر چلا آتا ہے۔"

بنادان آن چمن ن روزی رساند

کردا انھماں میسراں بماند

جب ہم ڈیڑھ بیسے تک شخصیت اور دانش کی زندگی پر اس کا کھسارہاں وہ محسوسوں پر دھنا فوتی اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے تو ایک دن والد نے پوچھا۔

"تمہارا شخصیت سے آواز مطلب کیا ہے؟"

میں تو خدا سے ہی چاہتا تھا کہ وہ مجھے عرض و معروض کا موقع دیں۔ میں نے کہا۔ میں کچھ نا! مثلاً ایک طالب علم ہے۔ وہ کمال میں پڑھتا ہے۔ اب ایک تو اس کا دماغ ہے۔ ایک اس کا جسم ہے۔ جسم کی صحت بھی ضروری ہے اور دماغ کی صحت تو ضروری ہے ہی۔ لیکن ان کے علاوہ ایک اصابت بھی ہوتی ہے۔ جس سے آدمی گویا بچتا جاتا ہے۔ میں اس کو شخصیت کہتا ہوں۔ اس کا تعلق نہ جسم سے ہوتا ہے نہ دماغ سے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کی جسمانی صحت بالکل غلاب ہو اور اس کا دماغ بھی بالکل بیکار ہو۔ لیکن پھر بھی اس کی شخصیت ————— ذخیرہ دماغ تو بیکار نہیں ہو جاتا ہے۔ ورنہ انسان غلط ہوتا ہے۔ ————— لیکن پھر بھی اگر جو بھی ————— گو یا شخصیت ایک ایسی چیز ہے ————— غریبے میں اچھا ایک منٹ میں آپ کو بتاتا ہوں؟

ایک منٹ کی بجائے والد نے مجھے آدھ گھنٹے کی صحت دی۔ جس کے دوران میں وہ خاموشی کے ساتھ میرے جواب کا انتظار کرتے رہے ماس کے بعد میں ہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔

تین چار دن کے بعد مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مجھے شخصیت نہیں کہنا چاہئے۔ شخصیت ایک بے رنگ لفظ ہے۔ سیرت کے لفظ سے نیکی لگتی ہے۔ چنانچہ میں نے سیرت کو اپنا کھیل کلام بنالیا۔ لیکن یہ بھی مفید ثابت نہ ہوا۔ والد کہنے لگے۔ کیا سیرت کہنا مطلب چال چلی ہے؟ اور؟

میں نے کہا۔ چال چلی ہی کہہ لیجئے؟

"تو گرا دماغی اور جسمانی صحت کے علاوہ چال چلی ہی اچھا بنانا چاہئے؟"

میں نے کہا۔ بس ہی تو میرا مطلب ہے؟

اور یہ حال چلی ہاسٹل میں رہنے سے بہت اچھا ہو جاتا ہے؛
میں نے نسبتاً خفیفہ داز سے کہا: "جی ہاں؟"

"یعنی ہاسٹل میں رہنے والے طالب علم ناز و دوز کے زیادہ باندھوتے ہیں۔ ملک کی زیادہ خدمت کرتے ہیں۔
لےتے ہیں۔ نیک نیا دہ ہوتے ہیں؟"

میں نے کہا: "جی ہاں؟"

کھلے گئے: "دہ کیوں؟"

اس سوال کا جواب ایک دفعہ پرنسپل صاحب نے تقسیم انعام کے جلسے میں نہایت منہاحت کے ساتھ بیان کیا تھا۔
ہے اس وقت تو جیسے سنا ہوتا

اس کے بعد پھر سال بھر میں ماموں کے گھر میں ۲ زندگی ہے وہاں کے بھی گور جانیں گئیں: "گاتا رہا۔"

پھر سال میری درخواست کا یہی حشر ہوتا رہا۔ کیسی میں نے بہت نہ دہی۔ ہر سال ناکامی کا سنا دیکھنا پڑتا۔ لیکن اگلے
لی چھٹیوں میں پہلے سے بھی نیا دہ شد و د کے ساتھ تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ ہر دفعہ نئی ٹی وی میں پیش کرتا۔ نئی ٹی وی میں
جب کیفیت اور سیرت اے مضمون سے کام نہ چلا تو اگلے سال ہاسٹل کی زندگی کے انضباط اور باقاعدگی پر تبصرہ کیا۔

۷ سال یہ دلیل پیش کی کہ ہاسٹل میں رہنے سے پروفیسروں کے ساتھ ملنے جلنے کے سوتے زیادہ ملتے رہتے ہیں۔ اور ان
لے "ملاقاتوں سے انسان پارس ہو جاتا ہے۔ اس سے اگلے سال یہ مطلب یوں ہوا کیا کہ ہاسٹل کی آبد ہما بڑی اچھی
غائی کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ کتھیاں اور پھر مارنے کے لئے کئی کئی افسر مقرر ہیں۔ اس سے اگلے سال یوں

لے جب بڑے بڑے حکام کا لے کا سائز کرنے آتے ہیں۔ تو ہاسٹل میں بہتے دلے طلبا سے فرد افراد ملتا ہوا ملتا ہے۔ اس
بتا ہے۔ لیکن جو جو زمانہ گزرا گیا۔ میری تقریر میں جوش بڑھ گیا۔ عقولیت کم ہوتی گئی۔ شروع شروع میں ہاسٹل
رے باقاعدہ بحث کیا کرتے تھے۔ کہ جو سے کے بعد انھوں نے ایک لفظی انکار کا مدیہ اختیار کیا۔ پھر ایک آدھ سال
ہا ملتا رہے۔ اور آخر میں یہ فوبت آن پہنچی کہ وہ ہاسٹل کا نام سنتے ہی ایک طنز آمیز تھقے کے ساتھ بے تشریفی
م سے دیا کرتے تھے۔

ان کے اس سلوک سے آپ یہ اندازہ نہ لگائیے۔ کہ ان کی شفقت کچھ کم ہو گئی تھی۔ ہرگز نہیں حقیقت صرف اتنی ہے
حادثات کی وجہ سے گھر میں میرا انتظار کچھ کم ہو گیا تھا۔

اتفاق یہ ہوا کہ میں نے جب پہلی مرتبہ بی۔ اے کا امتحان دیا۔ تو نفل ہو گیا۔ اگلے سال ایک مرتبہ میری واقعہ پیش کیا۔
بھی جب تین چار دفعہ بھی ہوا۔ تو گھر والوں نے میری انگلیوں میں دل جیسی لہنی چھوڑ دی۔ بی۔ اے میں پہلے درجے میں
جس سے میری شکو میں ایک سوز تو ضرور آگیا تھا۔ لیکن کلام میں وہ پہلے جیسی شرکت اور میری دلے کی وہ پہلے جیسی
تھی تھی۔

میں زمانہ طالب علمی کے اس دہ کا حال خود تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس سے ایک تو آپ

میری رنگی کے منصب و فرائض سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے۔ اور اس کے علاوہ اس سے یونیورسٹی کی بعض سبب تاحات کیوں کارآمد ہو
پیداوار ہو جائے گا۔

میرے سہارے۔ اسے میں کوئی فیصلہ ہوا۔ اس کا سمجھنا بہت آسان ہے۔ بات یہ ہوئی کہ جب تم نے ایف۔ اے
امتحان دیا تو چونکہ تم نے کام خوب کیا تو کہا تھا۔ اس نے ہم اس میں کچھ ماس ہی سمجھنے۔ بہر حال فیصلہ ہوئے۔ یونیورسٹی نے اس
نوٹس دیا کہ تم نے اسے اپنے انعام میں کیا۔ لیکن ریاضی کے شعبہ کی رت ہو کہ صرف اس مضمون کا امتحان ایک آدھ حصہ دے دے اور
دیے امتحان کو اچھا کیا وقت کا امتحان کہ جانا ہے۔ ستا یہ اس لئے کہ بغیر مندی اپنے ہمراہی مسافروں کے کہ کوئی اس سے
سفر کر رہے ہوں۔ نکل کر کسی کی سمجھ سمجھت ہے۔

اب جب کہ تم نے اسے میں داخل ہونے کے لئے تو ہمارے یہ سوچا کہ تم نے اسے میں داخل ہو لیں گے۔ اس طرح سے کیا پائنت کے
امتحان کے لئے نام لکھ کر دیا گیا۔ لیکن میں سب لوگوں نے یہی مشورہ دیا کہ تو ریاضی میں مت نہ جوب ہم نے اس کی وجہ پوچھی تو کہہ
دے ہیں کوئی مفصل جواب نہ دیا۔ لیکن جب پریسل ماسٹر نے بھی یہی مشورہ دیا تو ہمارے منہ ہو گئے۔ چنانچہ تم نے اسے میں ماسٹر صاحب
انگریزی تاریخ اور ان کی قرار دیا۔ ساتھ ساتھ ہم ریاضی کے امتحان کی بھی تیاری کرنے۔ یہ ہے کہ کیا تم نے اسے میں ماسٹر صاحب
سہے تھے اس طرح سے خصوصیات یہ پیدا ہوئی۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جنہیں یونیورسٹی کے امتحانات کا کافی تجربہ ہے
ہماری قوت مطالعہ و مشق ہو کہ اور خیالات میں پر کشش کی پیدا ہوئی۔ اگرچہ جہاں کی جہاں صرف میں مضامین پڑھتے تھے۔ تو جو وقت
میں فی الحال چلے مضمون کو دے رہا تھا۔ یہ بانٹ کر ان میں مضامین کو دیتا۔ آپ یقیناً ماسٹر صاحب سے بڑا فرق پڑ جاتا۔ اور غرض
کیا اگر میں وہ وقت تینوں کو بانٹ کر دیتا۔ بلکہ سب ماسٹر صاحب ان میں سے کسی ایک مضمون کے لئے وقت کر دیتے تو کم از کم اس
مضمون میں تو ضرور پاس ہو جاتا۔ لیکن موجودہ حالات میں تو وہی ہونا لازماً تھا جو ہوا۔ یعنی کہ میں کسی مضمون پر مباحثہ تو کر رہا تھا۔ کیا وقت
کے امتحان میں فریاس ہو گیا۔ لیکن بی۔ اے میں بے وقت تو انگریزی میں فیصلہ ہوا۔ وہ تو ہونا ہی تھا کیونکہ انگریزی ہماری مادری زبان نہیں۔ اس کے
علاوہ تاریخ اور فارسی میں بھی فیصلہ ہو گیا۔ اب آپ ہی سوچئے تاکہ جو وقت مجھے کیا وقت کے امتحان پر صرف کرنا پڑا۔ وہاں میں وہاں صرف
رہتا تھا۔ بلکہ اس کی بجائے۔ مگر غیرہ بات میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔

فانی میں کسی ایسے شخص کا فیصلہ ہونا جو ایک علم دوست خاندان سے تعلق رکھتا ہو لوگوں کے لئے اہم حیرت کا موجب ہوا۔
اور پچ پچھے تو ہمیں بھی اس پر شک نہ ہوتی۔ لیکن خیر اگلے سال یہ خدمت مہمل گئی۔ اور ہم فانی میں پاس ہو گئے اس کے اگلے
سال تاریخ میں پاس ہو گئے۔ اور اس سے اگلے سال انگریزی میں۔

اب فانی کے اندر سے ہمیں بی۔ اے کا سرٹیفکیٹ مل جانا چاہئے تھا۔ لیکن یونیورسٹی کی اس طفلانہ منہ کا کیا علاج کہ
تینوں مضمونوں میں بیک وقت پاس ہونا ضروری ہے۔ بعض مباحث ایسی ہیں کہ جب تک کیسوی نہ ہو۔ مطالعہ نہیں کر سکتیں۔ کیا ضروری
ہے کہ ان کے دماغ کو زبردستی ایک کچھڑی سا بنا دیا جائے۔ ہم نے ہر سال صرف ایک مضمون پر اپنی تمام تر توجہ دی اور اس میں وہ
کامیابی حاصل کی کہ باید و شاید۔ باقی دو مضمون ہم نے نہیں دیکھے۔ لیکن ہم نے یہ قرأت کر دیا کہ جس مضمون میں جب بھی پاس
ہو سکتے ہیں۔

اب تک تو دو دوسو نفوس میں فیمل ہوتے رہے تھے لیکن اس کے بعد ہم نے تندر کیا کہ جہاں تک ہر سال اپنے مطالعہ کو وسیع کریں گے۔ یونچر سٹی کے بیوہ ۱۰ اور بے سنی قواعد کو ہر اچانک مرضی سے مطابق منس بنا سکے تو اپنی سعادت پر ہی کچھ دروہیں۔ لیکن جتنا غور کیا۔ اسی نتیجے پر پہنچے کہ تین صغوفوں میں بیک وقت پاس ہونا فی الحقیقت مشکل ہے۔ پہلے درجہ پاس ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ پہلے سال انگریزی اور فارسی میں پاس ہوئے اور۔ سرے سال فارسی اور تالیف میں۔

جن جن مضامین میں ہم جیسے جیسے مل مرتے وہ اس شخص سے ظاہر ہیں۔

۱۱) انگریزی۔ تاریخ۔ فارسی۔

۱۲) انگریزی۔ تاریخ۔

۱۳) انگریزی۔ فارسی۔

۱۴) تاریخ۔ فارسی۔

گویا جن جن طریقوں سے ہر دو دو مضامین میں میں ہو سکے تھے وہ ہم نے سب پڑے کر دیے۔ اس کے بعد ہمارے لیے وہ مضامین میں فیمل ہونا ناممکن ہو گیا۔ اور ایک ایک صغوفہ میں میل کرنے کی ہادی آئی۔ چنانچہ اب ہم نے مندرجہ ذیل نکتے کے مطابق فیمل ہونا شروع کر دیا۔

۱۵) تاریخ میں فیمل۔

۱۶) انگریزی میں فیمل۔

اسی وقت اسمانی دے چکنے کے بعد جب ہم نے اپنے منجوں کو دن اپنے سلسلے رکھ کر غور کیا تو ثابت ہوا کہ غور کی رات ختم ہونے والی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ اب ہمارے فیمل ہونے کا صرف ایک ہی طریقہ باقی رہ گیا ہے۔ وہ یہ کہ فارسی میں فیمل ہو جائیں لیکن اس کے بعد تو پاس ہونا ناممکن ہے۔ ہر چند کہ یہ سامعہ از حد جائز ہو گا۔ لیکن اس میں یہ مصلحت تو ضرور مضرت ہے کہ اس سے ہمیں بیک قسم کا ٹیکا لگ جائیگا۔ میں ہی ایک کسر باقی رہ گئی ہے۔ اس سال فارسی میں فیمل ہونے کے بعد اگلے سال فارسی میں ہو جائیں گے چست پنے ساتویں دفعہ امتحان دینے کے بعد ہم بھابی سے فیمل ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں انتظار دراصل فیمل ہونے کا انتظار نہ تھا۔ بلکہ اس بات کا انتظار تھا کہ اس فیمل ہونے کے بعد ہم اگلے سال پیشہ کے لئے بی۔ اے ہو جائیں گے۔

ہر سال اسمانی کے بعد جب گھر آتا۔ تو والدین کو نتیجے کے لئے پہلے ہی سے تیار کر دینا۔ رفتہ رفتہ نہیں بلکہ ایک لمختہ اور فوراً رفتہ رفتہ تیار کرنے سے خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا ہے۔ اور پریشانی مفت میں طول کی جاتی ہے۔ ہمارا تادمہ یہ تھا کہ جاتے ہی کہہ دیا کرتے تھے کہ اس سال تو کم از کم پاس نہیں ہو سکتے۔ والدین کو اکثر یقینی نہ آتا۔ ایسے موقعوں پر طبیعت کو بڑی الجھن ہوتی ہے۔ سب سے اچھی طرح معلوم ہے۔ میں پرچوں پر کیا لکھ کر آیا ہوں۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہیں تو کئی کئی دفعہ فیمل ہونے کی حالت میں پہچان دیکھیں۔ تو میرا پاس ہونا ناممکن ہے۔ چاہتا ہوں کہ میرے تمام ہی خواہوں کو بھی اس بات کا یقین ہو جائے کہ وقت برا نہیں صرف ہر روز ہو۔ لیکن بھی خواہ ہی کہ میری تمام تشریحات کو معذرت نہ کر سکیں گے۔ آخری سالوں میں والد کو فوراً یقینی آجایا کرتا تھا۔ کیونکہ تجربے سے ان پر ثابت ہو چکا تھا کہ میرا غذاہ غلط نہیں ہوتا۔ لیکن اب وہ لکھ کر کے دگ ۳۳ میں بند صاحب۔ ابی کیا کہہ رہے ہو۔ ابی یہ

یہی کوئی بات ہے؟ ایسے نفوس سے ناک میں دم کر دیتے یہ حال اب کے گھر کھینچتے ہی ہم نے جو بے ہمتو اپنے خیال ہونے کی پیشین گوئی کر دی۔ مگر کس قدر سستی ہی کہ مسیحا آخری دن ہے۔ اگلے سال ایسی پیشین گوئی کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ ساتھ ہی جیل آئے کہ وہ داخل کا قہر پھر شروع کر چاہئے۔ اب تو کالج میں صرف ایک ہی سال باقی ہے۔ کیا ہے۔ اب بھی داخل میں رہنا مناسب۔ چنانچہ ہر گویا آزادی سے محروم رہے۔ گھر سے نکلے تو وہاں کے ڈرہلے میں۔ اور جب۔ ہوں گے ڈرہلے سے نکلے تو نہا۔ اپنا ایک ڈرہ بنانا پڑے گا۔ آزادی کا ایک سال۔ اور اب ایک سال۔ اور ہر آجرت موعود ہے۔

آخری روز رست کرنے سے پہلے میں نے تمام ضروری معائنہ پڑھی احتیاط سے چک کیا۔ جن پر خیالوں سے مجھے اب پھر بھی کافی حاصل تھا۔ ان کے سامنے رہا۔ بتائے تھیں۔ ان کے اندر ان کا اظہار کیا اور ان سے والد کو خط لکھا۔ اگلے سال رشکے کو ضرور تائب و تسلیم میں بیچ دیں۔ جس کا مایاب قاب کے والدین سے بھی اسی صورت کی عرضداشتیں بھیجی گئی۔ خود اعداد و شمار سے ثابت کیا کہ یہ روٹی سے جسے رشکے ان دنوں میں سے اکثر بے تسلیم بن گئے ہیں۔ سنہ میں۔ پھر پھر رشکے کا کوئی فیصلہ نہ تھا۔ انعام تو کبھی داخل سے باہر کیا ہی نہیں۔ میں جبران ہوں کہ یہ دلیل مجھے اس سے پیشتر کبھی کیوں نہ سوجھی تھی۔ کچھ نہ کہ یہ بہت ہی کارگر ثابت ہوئی۔ والد کا اٹھا۔ روم ہونے پر وہ خود غرض نہ رہا۔ بلکہ جو بلو ان کے دل سے شک۔ فریاد ہو گئے۔ گھر کی بیوی کبھی میں نہیں آتا کہ جس رشکے کو پڑھے کاتونی ہو۔ وہ داخل کی بجائے گھر پر کیوں نہیں پڑھ سکتا۔

میں نے جواب دیا کہ داخل میں ایک علی نقضا ہوتی ہے۔ جو از سلا اور از غلطوں کے گھر کے سوا اور کسی گھر میں دستیاب نہیں ہو سکتی۔ داخل میں جسے دیکھو ہر علوم میں غلط زان نظر آتا ہے۔ وہ جو اس کے کہ ہر داخل میں دودھ و تین تین سر رشکے رہتے ہیں۔ پھر بھی وہ خاموشی طاری ہوتی ہے کہ قبرستان معلوم ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ ہر ایک اپنے اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ شام کے وقت داخل کے صحن میں جا بجا طلباء علمی مباحثوں میں مشغول نظر آتے ہیں۔ علی الصبح ہر ایک طالب علم کتاب ہاتھ میں لئے داخل کے صحن میں ٹھٹھا نظر آتا ہے۔ کھانے کے کمرے میں۔ کمان روم میں۔ غسل خانوں میں۔ بڑا کدوں میں۔ ہر جگہ لوگ سلفے اور ریاضی اور تاریخ کی باتیں کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ادب انگریزی کا شوق ہے۔ وہ دن رات انہیں میں شک و شبہ کی طرح گفتگو کرنے کی مشق کرتے ہیں۔ ریاضی کے طلباء اپنے ہر ایک خیال کو الجبر سے میں نہ کرنے کی عادت ڈال لیتے ہیں۔ فارسی کے طلباء راجہوں میں تہا دل خیاں کر رہے ہیں۔ تاریخ کے دلدادہ۔

والد نے اجازت دے دی۔

اب ہمیں یہ انتظار کہ کب خیل ہوں اور کب اگلے سال کے لئے عزمی بھیجیں۔ اس دوران میں ہم نے ان تمام دوستوں سے خط و کتابت کی۔ جن کے متعلق یقینی تھا کہ اگلے سال پیران کی رفاقت نصیب ہوگی۔ اور انہیں بڑا شوق تھا کہ آئندہ سال ہمیشہ کے لئے گھر کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ کیونکہ ہم تعلیمی زندگی کا ایک وسیع تجربہ اپنے ساتھ لے داخل میں آ رہے ہیں۔ جس سے ہر طلباء کی نئی پود کو مفت مستفید فرمائیں گے۔ اپنے ذہن میں ہم نے داخل میں اپنی حیثیت ایک مادر مہربان کی سی سوچ لی۔ جس کے ارد گرد ناخوشی کار طلباء سرخی کے بچوں کی طرح چھا گئے پھر ہی گئے۔ پرنسٹنٹ صاحب کی بکری زمانے میں ہمارے ہم عصرت وہ جگہ تھے کہ ہمارا کعبہ ہوا تھا۔ آٹھ گئے۔ تو غلا۔ غلا۔ ہر اعات کی توقع اس سے رکھ گئے۔ اور غلا غلا

نواہے اپنے آپ کو مستحق کہیں گے۔ اٹھایا عرض ہے :۔
 اور یہ سب کچھ کہہ کر جینے کے مددگار بن گئے۔ لیکن نوح جب نوحہ اٹھا۔ رجم پائی ہو گئے۔
 ہم یہ تو جو ظلم ہوا اس پر ان کی وفات کا حقدار بن گئے کہ ان کو اسی آدمی کا ایک مستقل درمیر
 ہونے کو چاہیے۔

سویسے جو کل آنکھ میری کھلی

گیدڑ کی موت آتی ہے تو ستر کی طرف دوڑتا ہے۔ ہماری خوشنمت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالہ کر باتنگرجی بروچری سے برسیل تکرہ کبھی لالہ کر باتنگرجی اتھان کے دی قریب آتے جاتے ہیں۔ آپ مکر خیز ہیں۔ ذرا ہمیں بھی بوجھ دیا جائے؟
وہ حضرت بھی معذور ہوتا ہے۔ فغلوں کے بھوکے چمٹے تھے۔ دوسرے دن اچھے ہی الفوں نے ایسٹرا کا نام لے کر ہمارے دروازے پر ٹکا بازی شروع کر دی۔ کچھ دیر تک دوہم گئے کہ علیہ خواب ہے۔ ابھی سے کیا ٹکر۔ جاگیں گے تو لاجل پڑا نہیں گئے۔ لیکن یہ گورہ باری غم بہ طرز تیز ہوتی تھی۔ اور صاحب جب کمرے کی چڑی دیواریں لڑنے لگیں۔ صراحتی پر رکھا ہوا کلاس جلتے ٹپک کی طرح بجنے لگا۔ در دیوار پر پٹکا ہوا کلنڈر بند و طم کی طرح ہلنے لگا۔ تو بیداری کا قائل ہوتا ہیں پڑا۔ مگر اب دروازہ ہے کہ لگا سا کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ میں کیا میرے آباؤ اجداد کی روضیں اند میری قسمت خوابیدہ نکاسے جاگ اٹھی ہوگی۔ بہنیرا آغا زیں دیتا ہوں.....
”اچھا!..... اچھا!.....“ حقیقتاً یو!..... جاگ گیا ہوں..... بہت اچھا! فوا زیں ہے! آپ جناب ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ حدایا! کس آفت کا سامنا ہے؟ یہ سوتے کو جگا ہے ہی یا مرے کو چلا ہے ہیں! اور حضرت عیسیٰ بھی تو میں داہمی طور پر بلکی کی آواز میں مرقم؟ کد دیا کرتے ہوں گے۔ زندہ ہو گیا تو ہو گیا۔ منس تو صبح ڈر دیا۔ کوئی ٹرمسے کے نیچے لٹھ لے کے پڑھایا کرتے تھے؟ تو میں حقوزی داغا کرتے تھے؟ یہ تو ہم سے لعلہ کیسے ہو سکتا تھا کہ لٹھ کر دروازے کی چٹنی کھول دیتے؟ اینٹیر اس کے کہ بستر سے باہر نکلیں دلی کو جس قدر سمجھانا سمجھانا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ کچھ اہل ذوق ہی لگا سکتے ہیں سا خوار حسب لب بلیلا۔ ادا ان کو باہر سے مددنی نظر آئی تو طرفان تھا۔

اب جو ہم کھڑکی میں سے آسمان کو دیکھتے ہیں تو جناب رتار سے ہیں۔ کہ چمکنا رہے ہیں، سوچا آج پتہ چلائیں گے۔ یہ ستر ہو کس طرح سے نکلتا ہے۔ لیکن جب گھوم گھوم کر کھڑکی میں سے اور روشنائی میں سے چاروں طرف دیکھا اور بزرگوں سے برج کا بپ کی جتنی نشانیاں سنی تھیں۔ ان میں سے ایک بھی کہیں نظر نہ آئی تو فکر سا لگ گیا۔ کہ آج کہیں سودا گریں نہ ہو؟ کچھ بھی میں نہ آیا تو پڑوسی کو آغا ز دی لالہ کر باتنگرجی!..... لالہ کر باتنگرجی!

جواب آیا یہ ہوں۔

میں نے کہا۔ آج یہ کیا بات ہے۔ کچھ اندھیرا اندھیرا سا ہے؟

کھنے لگے: "تو امدہ کی تھی۔ بچے ہی سورہہ ٹھیک اُسے؟"
 تہی نے کہا: "مارس کر دھڑلہ کر گئے۔ چونک کر پوچھا۔ کیا کوئی نام سنے؟ تہی نے بے ہوشی سے
 کہنے لگے: "تہی..... تو..... نہیں..... کچھ سات..... سات..... سات..... منٹ کی تھی۔"
 میں نے کہا: "اُسے کچھ بتاؤ، خدا کی قسم، یہ تہی کیسے کہے۔ جس نے تجھ سے یہ کہا تھا۔ کہ میرا جگہ دینا۔ یا یہ کہا تھا۔ کہ سرے
 سے سونے ہی نہ دینا، تہی نے کہا: "کوئی شرافت ہے؟ میں تو نے کوئی یہ بے گناہ نہ کہہ سکتا ہے؟ تہی نے کہا: "مارس کر دھڑلہ کر گئے تو اس
 وقت داد و احسان کے منظر نظر نہ ہوتے، اُسے حق کہیں کے تہی نے کہا: "ہر اندہ وہ کہتے ہیں، اسیر زلمے ہیں۔ کوئی مذاق ہے؟"
 لا حول ولا قوۃ؟

دل تو چاہتا تھا کہ عدم نشہ و دوشدہ کو خیر باد کہ دوں۔ میں پھر خیال آیا کہ یہی نوع انسان کی اصلاح کا ٹھیکہ کوئی نہیں نے
 لے رکھا ہے۔ میں اپنے کام سے غرضی۔ لیپ بکھایا اور بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے۔
 اور پھر حسب معمول نہایت اطمینان کے ساتھ تجھے تو سب کی طرح اپنے دس بچے اٹھے۔ بارہ بچے زندہ دھوا اور چار بچے
 چپے پٹی کر ٹھنڈی سرنگ کی سیر کو نکل گئے۔

شام کو عاقل ہو کر سٹل میں وارد ہوئے۔ جوش شباب تو ہے ہی اس پر شام کا امان بگیزہ رفت۔ ہوا بھی نہایت لطیف تھی۔ طبیعت
 بھی ذرا چلی ہوئی تھی۔ ہم ذرا ترنگ میں گاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے کہ
 بلائیں زلف جابل کی اگر لینے تو ہم چلتے

کہ اتنے میں پڑی کی آواز آئی: "سُور؟"
 ہم اس وقت ذرا ٹھیک بجانے لگے تھے۔ ہنس نکلیاں دیں پر رُک گئیں اور کھن آواز کی طرف متوجہ ہو گئے۔ شام تھا۔ یہ ٹھپ
 گاہ ہے؟ (نور "آپ" پر)

میں نے کہا: "اجی میں کس قانون ہوں۔ لیکن خیر فرمائیے؟"
 بولے: "دو..... وہ نہیں..... میں ڈسٹرب ہوتا ہوں۔"
 میں صاحب۔ ہم میں جو بریقت کی مدح پیدا ہوئی تھی فوراً مٹ گئی۔ دل نے کہا: "اودہ کا بکا و افسانہ دیکھو! پٹھنہ دلے یوں
 پٹھتے ہیں؟ صاحب۔ خدا کے حضور میں گواہ کر دیا گا کہی کہ خدا کا نام بھی لب باتا نہ وہ مطالعہ شروع کرنے دے سکیں۔ ہماری مدد کر
 اودہ میں ہمت دے؟"

آمنہ پوچھ کر امدہ کو مضبوط کر کے میز کے سامنے بیٹھے۔ دانت پیچے لئے نکلتی کھول دی سائینیں چڑھائیں۔ لیکن کچھ
 کچھ میں نہ آیا کہ کوئی کیا؟ سلسلے شروع۔ مہز۔ نند۔ سبھی قسم کی کتابوں کا انبار لگا تھا۔ اب ان میں سے کوئی پڑھیں؟ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے
 کتابوں کو ترتیب سے میز پر لگادیں کہ باتا نہ وہ مطالعہ کی پہلی منزل بھی ہے۔

پہلی تقطیع کی کتابوں کو علیحدہ رکھ دیا۔ چھٹی تقطیع کی کتابوں کو سائز کے مطابق الگ قطار میں کھڑک دیا۔ ایک فوٹ میٹر
 پر ہر کتاب کے صفحوں کی تعداد لکھ کر صوب کو جمع کیا۔ پھر ہر اپریل تک کموں گئے۔ صفحوں کی تعداد کو دونوں کی تعداد پر تقسیم کیا۔ سائز پانچو

جواب: یا نہیں مخاطب کی کیا بھان جو چہرے پر ہر ہر سنے یا سنے۔ وہاں کہ حقرا سا پھٹتا ہے کہ صبح ہی کی بجائے کیوں نہ اٹھ بیٹھے۔ پس
کہ خواب کے طبی پہلو پر غور کیا تو ریا ایسے آپ کو طاعت کی سحر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کے اٹھنا تو طہرات ہے۔ اور یا پھر وہ
سات بجے کے قریب اٹھنا نہایت معقول ہو گا۔ محنت بھی تو کم رہے گی۔ اندام تن کی تیاری بھی باقاعدہ ہو گی۔ ہم خود اوجم خواب
پر تو ہم جتنی ہی کسوڑے اٹھا کر توجہ دی ہو جانا چاہئے۔ کھانا باہر ہی سے لیا آئے تھے رستہ میں، انہی کے
چلتے چلے خیال آیا کہ لالہ جی سے حکام کے لئے کمرہ ہی نہیں دیوں ہی اپنی تو سب ادوی کوئی ذرہ دست ہے وہ سب
چاہیں اٹھ سکتے ہیں۔ لیکن میری کیا ہر ہے؟ ڈرتے ڈرتے آواز دی تلاوتی آیا

انہوں نے پھر بھی مارا۔ "پس۔"

ہم اور بھی سہم گئے کہ لالہ جی کھانا اور سہم ہوئے ہیں۔ تنہا کے درخاست کو کو لالہ جی۔ میری آپ کو بڑی پیٹھ پٹی کی
میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ کل آؤ ذرا مجھے جینے میں جس وقت تھکوں.....؟

جواب: نادر۔

میں نے پھر کیا۔ جب وہ چھٹیں تو..... سنا آپ نے؟

لالہ جی!

کہ کتنی بھنی آواز نے جواب دیا۔ "سُنی۔" پھر بیکہ جگہ دنگا۔ قہری کہا پس خود اٹھا پس.....؟

پھر نے کیا؟ ب۔ ب۔ ب۔ بہت اچھا۔ یہ بات ہے؟

تو ب۔ خدا کسی کا محتاج نہ کرے۔

لالہ جی بہت شریف آدمی ہیں۔ اپنے وعدے کے مطابق دوسرے دن صبح چھ بجے انہوں نے دوا دے پر کچھ سنوں کی
بارش ترس کر دی۔ ان کا جگانا تو محض ایک سہا مٹھا۔ ہم خود ہی انتظار میں تھے کہ یہ خواب ختم ہونے تو بس جاگتے ہیں۔ وہ نہ ہونے
تو ہی خود ایک منٹ کے بعد اٹھیں کھولی دنیا۔ بہر صورت جیسا کہ میرا فرض تھا میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے اسے اس شکل
میں قبول کیا کہ گو کہ باری بند کر دی۔

اس کے بعد کے واقعات ذرا بحث طلب ہیں۔ اور ان کے متعلق روایات میں کمی قدر اختلاف ہے۔ بہر حال اس بات
کو تو مجھے یقین ہے احمد میں تم بھی کھا سکتا ہوں کہ انہیں میں نے کھول دی تھیں۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ ایک نیک اور سچے مسلمان کی طرح
کلمہ شہادت بھی پڑھا۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ انہوں نے سچے پشتر دیا ہے کہ خود پر ایک دھڑکھٹ بھی۔ پھر کا پتر نہیں۔ شاید لہان اور
سے تار دیا۔ شاید سراسر میں لپیٹ دیا۔ یا شاید کھانسا کہ خدا جانے غرا لیا۔ غیر یہ تو یقین امر ہے کہ دس بجے ہم بالکل جاگ رہے تھے۔
لیکن لالہ جی کے جگانے کے بعد اور دس بجے سے پشتر خدا جانے ہم بڑھے رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ میں ہمارا خیال ہے
چھ سو رہے تھے یا شاید سو رہے ہوں۔ بہر صورت یہ نفیست کا سطر ہے جس میں نہ آپ ماہر ہیں نہیں۔ کیا پتر۔ لالہ جی نے جگانا ہی
دس بجے بویا اس دن چھ دیں میں نے ہوں۔ خدا کے کاموں میں ہم آپ کی دھن دے سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے دل میں دل بھریر شبہ
رہا کہ قصور کچھ اپنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب شرافت ملاحظہ ہو کہ محض اس شبہ کی بنا پر صبح سے شام تک حیر کی طاعت مستندہ۔ اور اپنے

ہر جہاں ۔ دل آویز مہرِ جگر اور اسی درختِ سندھ کے درے اور کیت "سانو دی صورت تو رہی ہیں" کو جانی گئے ساتھ ہی شرم و حجاب میں ڈوب جائے

فیہ بہ یہ نہ کہ پہلے "موت" اور "آواز" اور "درد و اندس" و "ماہ" سامعِ فزائی کرتی ہے۔ اور پھر چار گھنٹے بعد گھنٹا ہا گھنٹاں و مارا کے ریتے رہتے ہیں وہی بھانا سرور کا کہہ دیتا ہے۔ اور اس حار گھنٹے کے عرصہ میں گزریں گے گریٹے —————
 بچپن کے اٹھ جانے۔ درد و آزاروں کے بندھنے۔ دنیاؤں کے بھاڑنے۔ کربسوں کے کھینٹے۔ کتابوں اور غنیمتوں کے کھنٹے۔
 گھنٹوں کے آوازوں کے آوازوں تو گویا بانی اللہ سے ملے ہیں۔ امداد نہ لے لیجئے کہ ان سازوں میں سُزنی کی کس نہ شہنائی ہے۔
 موت مجھ کو دکھ سانی دیتی ہے!
 جب طبعیت کو دکھت ہوں

ہر ایک کی حرکت بڑی باری مستوی ہونا پڑتا ہے۔ کہ جن کا سر رکھ بھاری خدا سے احتجاج (زیر لب) ہے، حقیقی حرکات و سکنات و حرکات و سکنات بھاری، اس ہلکے میں دماغ بھلائی کا کام کر سکتا ہے؟ اگرچہ یہ کچھ نہیں معلوم کہ اگر ایسے موقع پر دماغ بھلائی کا کام کرے یا تو کیا تیار کرے گا، بہ صورت کتوں کی یہ پہلے درجے کا ناقصاتی سر سے نزدیک ہمیشہ قابل فہم رہی ہے۔ مگر ان کا ایک فائدہ شہر کے ساتھ ہے، اگر کہہ دے کہ عالی جناب۔ سرگرم بند ہے۔ تو خدا کی قسم جو بغیر چون و چرا کے واپس لوٹ جائے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ جو نے کتوں کی درخواست پر کئی دینیں سرگرمی میں گزار دی ہیں۔ لیکن پوری مجلس کا یوں متغیر و متبدل طور پر سینہ زوری کرنا ایک کینہ حرکت ہے۔ (تاہم کتوں کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر ان کا کوئی بویہ عزیمت کا کرے میں موجود ہو تو یہ مضمون بلند آواز سے پڑھا جائے۔ کچھ کسی کی دلی شکایت معلوم نہیں)

خدا سے ہر قوم میں نیک افراد مل جاتا ہے۔ کتے اس کیتے سے متعلق ہیں۔ آپ نے خدا ترس کی تعریف کر دیکھا ہو گا۔ عمر اس کے جسم پر تیلی کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جب چاہتا ہے تو اس کی سبکی اور نرمی سے گویا بارگاہ کا احساس آنکھ نہیں اٹھا سکتا۔ دم اکڑ سکتا کے ساتھ گلی چلتی ہے۔ سرگرم کتے بچوں کی غور و فکر کے لیے قیامت جاتا ہے۔ اور آنکھیں بند کر دیتا ہے۔ شکل بالکل غلامی کی سی اور شجرہ و درختان کی سی ملتا ہے۔ کسی گاڑی والے نے سڑک بالکل بچا دیا۔ گاڑی کے مختلف حصوں کو کھینچا دیا۔ لوگوں سے کہلوا دیا۔ خود دس بارہ دفعہ آؤ گے دیں۔ تو آپ نے سرگرمی میں یہی پسند کر کے رخ پھرتا دکھوں کو کھولا۔ صورت جمالات کو ایک نظر دیکھا۔ اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کسی نے ایک پیادہ لگا دیا۔ تو آپ نے ثابت امینان کے ساتھ وہاں سے فٹ کر ایک گھر پرے جانے لگا۔ اور خیالات کے مسلے کو جس سے وہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہی سے پھر شروع کر دیا۔ کسی بالکل والے نے کھینچ کر بھاٹی۔ تو پھیلے بیٹھے ہی کچھ گئے کہ بالکل ہے۔ ایسی چھوٹی چیزوں کے لیے وہ رستہ چھوڑ دینا فیر کی کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔

رستہ کے وقت بھی گاتا اپنی خشک پتی سی دم کو تاجیبا مکان سرگرم پر پھیل کر رکھتا ہے اس سے صحت خدا کے برکات یہ بندوں کی آزمائش منقسم ہوتی ہے۔ جہاں آپ نے غلطی سے اس پر پاؤں رکھ دیا۔ انھوں نے غصہ غصہ کے لہجے میں آپ سے پرسش شروع کر دی۔ پچھا فیروں کو چھڑاتا ہے۔ نظر نہیں آتا۔ ہر سادہ لوگ یہاں سمجھتے ہیں۔ بس اس فیر کی بد دعا سے انھی وقت رشتہ شروع ہو جاتا ہے۔ بعد میں کئی راتوں تک یہی خواب نظر آتے رہتے ہیں۔ کہ بے شمار کتے ہانگوں سے پھلے پھلے ہیں اور جانے نہیں دیتے۔ آنکھ کھلتی ہے تو پاؤں حیران حالی کی آوازوں میں پھنسے جاتے ہیں۔

اگر خدا کے کچھ عرصے کے لیے اعلیٰ اتم کے جھونکنے اور کاٹنے کی طاقت عطا فرمائے تو جبری انتقام میرے پاس کافی مقدار میں ہے۔ رشتہ رشتہ سب کے علاقے کے لئے کوئی چیز نہیں جاتی۔ ایک شعر ہے۔

عزنی تو میںہ شیش ز غولٹے رتیاں آواز رنگاں کم رنگست درون گداز

یہ وہ خلافت نظرت شامی ہے جو ایشاک کے لیے ہوش ڈالتا ہے۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ بھونکتے بھونکتے کتے کا گانا نہیں گوتے۔ یہ جیسا سی۔ لیکن کون جانتا ہے کہ ایک بھونکتا بھونکتا کب بھونکنا بند کر دے اور کتنا شرم و حیا کر دے۔

اردو کی آخری کتاب

ماں کی مصیبت

ماں بچے کو گود میں لیے بیٹھی ہے۔ باپ انگوٹھا چوس رہا ہے۔ اردو دیکھو دیکھو زخمت ہوتا ہے۔ پھر حسب معمول آنکھیں کھولے پڑا ہے۔ سال محنت لعین بٹھا ہوں سے اس کے منہ کو ننگے ہی ہے۔ اور پار سے حسب ذیل باتیں یو جھپتی ہے۔

(۱) وہ دن کب آئے گا، جب تو مجھے میٹھی مائیں کرے گا؟

(۲) پڑا کب ہوگا، بفضلِ مکتوب۔

(۳) دولہا کب بنے گا۔ اور دلہن کب یہ کہہ لائے گا، اس میں شرمیلے کی ضرورت نہیں۔

(۴) ہم کب بڑھے ہوں گے؟

(۵) تو کب مکائے گا؟

(۶) آپ کب مکائے گا؟ اور ہمیں کب کھلانے کا؟ بقاعدہ ٹیم ٹیل باکر مانع کر دے۔

تجربہ سمجھاتا ہے اور کلنڈر کی مختلف تاریخوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، نو ماں کا دل باغ و بارخ و جنت ہے، جب نصاب ہونٹ

نہال کر باقی چہرے سے دُعا صورت بناتا ہے۔ تو بڑے عین ہو جاتی ہے۔ سامنے ہنگوڑا دکھاتا ہے۔ رٹلانا ہو تو انیم کھلا کر اس میں ٹٹا

دیتی ہے۔ راس کو اپنے ساتھ سلاتی ہے (باپ کے ساتھ دوسرا بیچر سوتا ہے، جاگ اٹھتا ہے تو جھٹ جھٹ پڑتی ہے۔ اور نکلے والوں سے

معافی مانگتی ہے۔ کچی تینید میں روئے لگتا ہے تو بے چاری مانسا کی ماری لگا جھلا کر دودھ کو ایک اور بدل دیتی ہے۔ صبح جب بچہ کی

آنکھ کھلتی ہے تو آپ بھی اٹھ بیٹھتے ہیں اس وقت نہیں بچے کا عمل ہوتا ہے۔ دن چڑھے مزدِ حلالی ہے۔ آنکھوں میں کاجل لگاتی ہے اور

جی کرنا کر کے کہتا ہے۔ کہ چاند سا کھنڈر اُٹھ آیا۔ واو واو۔

کھانا خود بخود پک رہا ہے

دیکھنا۔ بیوی آپ بھی پکا رہی ہے۔ ورنہ وہ اصل یہ کام میاں کا ہے، ہر چیز کی تیرینے سے رکھتی ہے۔ دھوئے دھوئے

یہ تو صدق پر پختہ ہیں۔ ناکارہ رون نہیں سکے۔ بہت سب نیچے اور مٹی کے برتن دھرے ہیں۔ کس میں دھل ہے کس میں آٹا۔ کس میں جو ہے۔
 چٹکن اور پالہ لڑکایا۔ سنے تازہ حب چاہے ہنس جلائے۔ حب چاہے یا دل کر جائے۔ آٹا نہ عار کھا ہے۔ چادرل پکے ہیں نیچے
 آٹا کر رکھیں۔ دھل چلے پر پڑھی ہے۔ غمناک سب مام پوچھ بے یلین پرچہ جیڑیں جو ہے۔ میل حب کا تہہ کجا۔ فاکر سنے رکھتی
 ہے۔ نیچے کھی نہیں رکھتی۔ عاصی کتہے آری نا اعلانی ہے۔ ہر روز دیں راکے تو میاں کے سامنے ہر زووں دلا جوں کا دھیر ملک جائے
 جانے جانے سے غار۔ نا ہونی ہے تو کبھی سبیل نے بخیر ہے۔ کبھی چروا کتے کھی ہے۔ کیون نہ ہو۔ مہمان گاہد محکم کی بدست بھاری ماتی
 نسیمیں۔ تاب۔ ہتھ پلوں لہسنے تو دھڑکے سے ملنے کر دانا پڑے۔

دھوبی آج کپڑے دھو رہا ہے!

بڑی محنت کرتا ہے۔ تمام کوسٹ چڑھتا ہے۔ دھوبکار بیٹا ہے کبھی کبھی بی پرہادی لادتا ہے اور کھات کھاتہ لینا ہے۔
 کبھی لائے یہ دھوٹا ہے کبھی دھوپیر۔ تاکہ کپڑوں دھوے کبھی کبھی نہ سکیں۔ جالڑا ہو تو سڑی۔ تاتی ہے۔ گری ہو تو دھوپ بدلتی ہے۔ صوب
 ہمارے سوکھ میں کام کرتا ہے۔ دودھ ہو سے کو آئی۔ اب تک پانی میں کھڑا ہے۔ اسے مزدور سر ہم ہو جلتے گا۔ درخت کے نیچے بیل
 بند جلسہ۔ تھانوی کے پاس کڑ بیٹا ہے۔ دیکھ کے سن یا مالک کلہری دھڑ رہی ہے۔ دھوبی انھیں سے اپنا ہی بدلتا ہے
 دکان دھوبن رفتی لاتی ہے۔ دھوبی کو بہانہ لے لیتا ہے پکڑا پڑے پر رکھ کر اس سے باتیں کرنے کا۔ کشتہ بھی دیکھ کر
 کای کھڑے کے سب دھوبن کو مانا لائے گی۔ دھوبی دبا سے نکلے گا۔ دیکھا دیا یا فیر غرا ہو جائے گا
 میاں دھوبی! اب کتا کبوں پال کھا ہے! صاحب کماوت کی وجہ سے اور پھر یہ تو ہمارا چوکیدار ہے۔ دیکھئے! امیروں کے
 کپڑے میدان میں پھینے پڑے ہیں۔ کیا جلال کوئی پاس تو آجائے جو لوگ ایک دن کپڑے سے جائیں پھر پاس نہیں لے جاسکتے میاں
 دھوبی! تمہارا کام بہت اچھا ہے۔ میل لچیل سے پاک صاف کرتے ہو۔ نگاہیں لگاتے ہو۔

میں ایک میاں ہوں

میں ایک میاں ہوں، صلیب و فرماؤں۔ اپنی سوی رشاً اپنی زندگی میں۔ ایک انت سے کاہن لکھا اصول زندگی ہوں اور پیش سے اس پر پڑ بند ہوں۔ صلیب و فرماؤں خیر کرے۔

یہ پھر بری اہل بیہوشی و دستار کی تمام عادات و خدائیں سے واقف ہیں جس کو بچہ رہے و میرے دوست جنہے بچہ کو عزیز ہیں تھے ہی راضی آیا کو بڑے کتے ہیں۔ یہ ہے حباب کی جن ادواؤں نے مجھے سمجھا کر رکھا ہے۔ انھیں یہ ہی اہل بیہوشی و دستار انسان کے لئے باعزت و کثرت گھنٹی ہے۔

آج کہیں یہ نہ کہہ سکیں کہ خدا کو اس سے کوئی ایسے آدمی ہیں جن کا ذہن معجزہ میں نہ کہا جاسکے۔ کچھ ایسے بندہ کے لفیل اور کچھ خالص کی صحبت کی بدولت سب کے سب ہی سفید پوش ہیں۔ لیکن اس بات کو کہہ کر کہ ان کی بدولت میرے گھر کے اس میں اس قدر خلل اٹھا رہا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔

میں گھر کا صاحب ہی کو بچھڑا۔ اچھے خدے بچھڑا آدمی ہیں۔ گو عکس ہنگامات میں ایک مقول ہمدے پر رہتا ہے۔ لیکن حکماء صاحب اس ایسی پاکیزہ پاؤں ہے کہ نام مسجد معلوم جوتے ہیں۔ جو وہ نہیں کھینچتے۔ غلطی و غلطی سے ان کو شوق نہیں جیب کتر سے ہونے کو ہی وہ نہیں کتر سے گئے۔ البتہ کبوتریالی کتھے ہیں۔ انہی سے جی ہلاتے ہیں۔ ہماری اہلیہ کی یہ کیفیت ہے کہ محلے کا کوئی مددگار جوئے میں قید ہو جائے تو اس کی ماں کے پاس ماتم پر کسی تک کو چلی جاتی ہیں۔ گلی و گلی سے کسی کی آنکھ بھٹ جائے تو مریم بیگم کو بچتی ہیں۔ کوئی جیب کتر اکبر اجائے تو گھنٹوں آشرم جاتی رہتی ہیں۔ لیکن وہ بزرگ جن کو دنیا بھر کی زبان مرزا صاحب مرزا صاحب کہنے لگتی ہے۔ ہمارے گھر میں ”مومن کو تو باز“ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ کبھی بھولے سے بچہ میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کسی چہل کو تے۔ کہہ رہے تھے کہ دیکھنے لگ جوں تو روشن آرا کو فوراً خیل ہو جاتا ہے کہ میں اب یہ بھوکو تو باز بننے لگا۔

اس کے بعد مرزا صاحب کی شان میں ایک قصیدہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہی میری جانب کر بڑے کبھی بچوں کی چھٹی بچوں میں۔ ایک ان جیب یہ واقعہ پیش کیا تو میں نے مصمم ارادہ کیا کہ اس مرزا کی موت کو کبھی اس نہ پہنچنے دوں گا۔ آخر گھر سے مقدم ہے۔ میاں بھری کے باہمی اخلاص کے مقابلے میں دوستوں کی خوشنودی کی چیز ہے؟ چنانچہ ہم غصے میں بھرے ہوئے مرزا صاحب کو لگے۔ درود

کھانا وقت پر کھا لیا کیجئے۔ اور دعاں وصل ہوئی جوامیں اور دعاں لٹاری کے نچلے خانے میں پڑے ہیں؟
اس کے بعد ہم دونوں خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھنے لگے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے
میرزا دل بھی جیاب ہونے لگا اور جب گاڑی روانہ ہوئی۔ تو میں دیر تک مہربان چلیٹ نام پر کھڑا رہا۔
آخر ہستہ ہستہ قدم اٹھاتا کتابوں کی دکان تک آیا۔ اور رسالوں کے ورق پٹ پٹ کر تصویریں دیکھتا رہا۔ ایک اخبار
خوینا۔ تہ کر کے حبیب میں ڈالا۔ اور عادت کے مطابق گھر کا ارادہ کر لیا۔

پھر خیال آیا کہ اب گھر جان ضروری نہیں رہا۔ اب جہاں میاں جاؤں۔ جاہوں تو گھنٹوں سیشن پر ہی ملتا رہوں۔ دل چاہتا
تھا طلبا باریاں کھاؤں
کتنے ہیں جب ازرقہ کے چشمیوں کو کسی تہذیب یا مہلک میں کھیر مومہ رکھا جاتا ہے تو گویا دو دوں کی تان و شوکت
سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن جب واپس جنگوں میں پہنچتے ہیں۔ تو خوشی کے مائے یغیہاں مائے یغیہاں کی کیفیت پرے دل
کی بھی ہو رہی تھی۔ پھر جیٹا ہوا پیشانی سے آواز اواز باہر نکلا۔ آزادی کے لمحے میں تلنگ والے کو بلا یا اور کو ذکر تلنگے میں سوار ہو گیا۔
سگریٹ سٹکایا۔ ہانگیں سیٹ پر پھیل دیں۔ اور کلب کو روانہ ہو گیا۔
رستے میں ایک بہت ضروری کام یاد آیا۔ تاکہ مڑ کر گھر کی طرف چلا جاؤں۔

”اجھڑا؟“
”مختصر؟“

”دیکھ مجام کو جا کے کہہ دو کہ کل گیارہ بجے آئے۔“

”بہت اچھا۔“

”گیارہ بجے سن لیا تاہا کہیں مذکر کی طرح پھر چھ بجے وارو نہ ہو جائے؟“

”بہت اچھا مختصر۔“

”اے اگر گیارہ بجے سے پہلے آئے تو دھچکے سے کہ باہر نکال دو۔“

میاں سے کلب پہنچے۔ آج تک کبھی دن کے دو بجے کلب نہ گیا تھا۔ اندہ داخل ہوا تو سنان۔ آدی کا ہم نشان تک نہیں۔
سب کمرے دیکھ ڈالے۔ میر ڈاکٹر، خالی۔ شعلہ کا کمرہ خالی۔ تاش کا کمرہ خالی۔ صرت کھانے کے کمرے میں ایک ملازم چھریاں تیز کر رہا تھا۔
”اس سے پوچھا کیوں بے سراج کوئی نہیں آیا؟“

”کہنے لگا۔ مختصر آپ مہلتے ہیں۔ اس وقت بھلا کون آتا ہے؟“

بہت مایوس ہوا۔ باہر نکل کر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں؟ اور کچھ نہ سوچا تو وہاں سے مرزا صاحب گھر پہنچا۔ معلوم ہوا

ابھی دفتر سے واپس نہیں آئے۔ دفتر پہنچا۔ دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ میں نے سب حلال بیان کیا۔ کہنے لگے۔

تم باہر کے کمرے میں ٹھہرو۔ تھوڑا سا کام رہ گیا ہے۔ میں ابھی جگنا کے تمہارے ساتھ چلتا ہوں شہلہ

کا پر دم گرم کیلے؟

یہ ہے: "تفسیر"

کے لئے: "ہیں مستعد کیا ہے۔ تو یہاں ہر شخص میں اہل آیا۔"

باہر کے مدرسے میں بدایہ چھپنے کی کڑی پڑی محنت۔ اس پر میٹرک کا امتحان کر کے نکلے اور جیتے اجارہ داروں کی طرح حاشا شروع کر دیا۔ مزید سے
 آؤنگ سب پڑھ دھو لڑائی عیار تک میں ایک گنہگار بنی تھا۔ پھر سے پڑھنا شروع کر دیا۔ سب اشتہار پڑھ ڈالے اور پھر سب اشتہار
 کو دوبارہ پڑھ ڈالا۔

آؤ کہو خدا ہیئت کرمبر کسی تلفظ : اے خاکے جہانیں میں نے دکھا۔ جہانی یہ جہانی۔ جہانی یہ جہانی۔ لیکن کہ جہانوں میں درد
میں نے دیکھا

اس کے بعد تاخیریں نہ ہونا شروع تھیں۔ لیکن اس سے بھی شک کیا۔

یہ سب بچے کی گفتگوں پر مبنی ہے۔

بہت شک آگئی تو دروازہ کھول کر مرزا سے کہا : "ہے یا رباب چلتا بھی نہ کر مجھے نظار ہی میں مار ڈالے گا مہرورد کو بھی۔"

دہر سے اٹھ کر کمرزائے گھر گئے۔ رات بھر بڑے لطف میں کئی کھانا کھایا اور وہاں سے دوستوں کو ساتھ لئے القینر گئے۔ رات کے اٹھ بجے گھر گئے۔ بچے پورے رات بھر اچھے لطف میں تھے کہ نیند نے بے ہوش کر دیا۔ صبح اٹھ کھانسی تو کمرے میں دھوپ لہریں مار رہی تھی۔ گھر میں کو دیکھا تو یونے گیارہ بجے تھے۔ باہر بڑھا کر میز پر سے ایک سکوٹ اٹھایا اور سلائیڈ لٹائی۔ یہی رٹھ دیا اور گھر آگئے۔

گیر: بچے امجد کرے میں داخل ہوا۔ کہنے لگا: "حضرت محمد آیا ہے۔"

جہن نے کہا: "سبیل ہلا لاؤ" یہ عیش و تنہ کے بعد نصیب ہوا کہ بستر میں لیٹے لیٹے سجدت جزا میں اطمینان سے اٹھنے اور نماز کو باہر جانے کے لئے تیار ہو۔ نے کئی کیفیت میں وہ شگفتگی نہ تھی۔ جس کی امید لگانے بیٹھے تھے۔ پہلے وقت الماری سے وصل نکالا۔ قیضہ جانے کیا خیال دل میں آیا۔ وہیں کڑی پر بیڑ کیا اور سو اٹھو کہ طرح اس بعد لگا کر کتاب الماری کو ایک ایسے صندوق کو تو سر دی رنگ کا ایک ریشمی دورہ نظر پڑا۔ باہر نکالا۔ جس کی عطر خوشبو دہی تھی بہت دیکھ اس پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ دل بھر آیا۔ مگر سونا معلوم ہونے لگا۔ جتنا دیکھتا ہے آپ کو سنبھالا۔ مگر آفسوٹیک ہی پڑے۔ آفسوٹوں کو گزرتا کہ یہ قیاس ہو گیا۔ اور یہ سچ رونے لگا۔ سب جوڑے باری باری نکال کر دیکھے۔ لیکن نامعلوم کی کیا یاد آیا کہ اور بھی ہے۔ زار ہو گیا۔

آخند نہ گیا۔ باہر نکلا اور سید صاحبہ کو گھونپید وہاں سے تار دیا کہ میں بہت ساداس چوں تم فوراً آجھاؤ!

مار دینے کے بعد دل کو کچھ امین بن جوا۔ یقینی تھا کہ روش کارا اب جس قدر عید ہو۔ مکے کا آجائے گی۔ اس سے کچھ ڈھائی بندہ
کئی اور دل پر سے جیسے آپ بوجھ ہٹ گیا۔

دوسرے دن دوپہر کو مرزا کے مکان پر تاش کا نوکہ گرم ہونا تھا۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مرزا کے والد سے کچھ لوگ ملے
تسے ہیں۔ اس نے تجویز فرمائی کہ یہاں سے کسی اور جگہ سرک ملے۔ ہلاکدان تو خالی تھا ہی۔ سب بیاہ لوگ وہیں جمع ہوئے۔ اچھ سے

نہ دیکھا کہ حق میں اگر مایوسی مملکت واقع ہوا تو قیامی خیر نہیں اور پانچ سو طرح سے متواتر پہنچے ہیں کہ میں تانا ٹانگ جائے۔
اب اس کے بعد کے واقعات کو کچھ مزید ہی بیان کر دیتے ہیں۔ شروع شروع میں تو تانہ و بانہ و اور بانہا بھر جوتا رہا۔ جو کھیل بھی کھدکایا۔ بہت مہنگی طریقے سے خواہ مخواہ اپنا کئے معائنہ اور متانت و سنجیدگی کے ساتھ۔ لیکن ایک دو گھنٹے کے بعد کچھ خوش طبعی شروع ہوئی۔ دیکھو لوگوں نے ایک دوسرے کے ہتھے دیکھنے شروع کر دیے۔ حالت میں اس کھیل میں اور ایک دو کلام کا پتہ اڑا نہیں اور ساتھ ہی قہقہے پر قہقہے اڑنے لگے۔ تب کھیل کے بعد۔ حالت بھی کو کوئی گھٹنا ہلا کر کا رہا ہے۔ کوئی فرش پر پڑا تو نیچے بیٹھ گیا۔ کوئی حقیقت کا ایک اور ہندو اقدار تو وہ لاکھوں دھند دھند رہا ہے۔ لیکن ناش بار بار ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد موصول ہوا شروع ہوا۔ ان خوش نصیبوں کے دوران میں ایک سوچے سے ایک سوچے کو دیکھ کر دیکھ کر آؤں میں ایک آدمی بادشاہ بن جاتا ہے۔
دوسرا وزیر ایکس کو قوال اور دوسرے کے دربار میں رہا ہے۔ سب کے لئے۔ وہاں کیا بات کی ہے؟ ایک بولا۔ پھر آج جو چور بنلاں کی حالت آجائے گی؟ دوسرے نے کہا یہ اور نہیں تو کہہ سکتا ہوں۔ یہ وہی کھیل ہے سلطانوں کے لئے ہیں سلطانوں کے؟
کھیل تہہ بہ تہہ بدقسمت ہے جو چور ہی گئے۔ طرح طرح کی سرائیں تجویز ہونے لگیں۔ کوئی کہے "نگہ ڈالو مجھے ہونے" جابے اور حوالہ کی بات سے محض فرید کے لئے؟ کوئی کہے "مندیہ حضور سب کے پاؤں نیچے اور ہر ایک سے درود چلنے لگے؟"
دوسرے نے کہا "نہیں سنا جب یہ پاؤں پر گھڑا ہو کہ ہلاک رہے۔ ہے؟ آؤں میں بدشاہ سلامت ہوئے۔ ہم کہہ دیتے ہیں کہ چور کو کاغذ کی ایک لمبوتری نوک دار لٹری میں لپیٹ کر لے آؤں اس کے برے پر یہی مل دی جائے اور برائی حالت میں جا کر مندر سے نکلے گی کلہ ہر کر لائے" سب نے لائے کیا دماغ اسے سوچنے لگا۔ کیا مر رہا ہے۔ وہاں وہاں؟

یہ عجیب مزے میں آئے ہوئے تھے۔ ہم نے کہہ "لو ہوا کیا واقعہ ہو چکی۔ کل کسی اور کی برائی آجائے گی؟ نہایت خندہ پیشانی سے ایسے جبر سے کوہنہش کیا نہیں ہنس کر وہ بے ہودہ سی ٹوپی پہنی۔ ایک ساتھی استغناء سے۔ قہقہہ اٹھائی اور نے کا دروازہ کھولا۔ کیا درجی خانے کو چلے گئے اور ہمارے پیچھے کرہ مقصود سے گونڈا رہا تھا۔

محن میں پہننے ہی تھے کہ باہر کا دروازہ کھلا۔ اور ایک برقعہ پوش خاتون اندر داخل ہوئی۔ منہ سے برقعہ اٹھا۔ تو دسی آرا! دم خندا۔ جو گیا۔ بدن پر ایک لڑکھائی جو گیا۔ زبان بند ہو گئی۔ سامنے وہ روشنی آرا میں لوگوں نے تارے کو چھایا تھا۔ کہ تم فوراً آجاؤ۔ میں بہت اُداس ہوں۔ اور اپنی یہ حالت کہ منہ پر سیاہی ملی ہے۔ سر پر وہ لمبوتری سی کاغذ کی ٹوپی پہنی ہوئی ہے اور ہاتھ میں سلیم اٹھا۔ نہ کہنے بلکہ اور مردانے سے قصور و تشویر پر آمادہ ہے

روح مجھ ہو گئی۔ اور نامہ جو اس نے جواب دے دیا۔ روشن آگاہی دیر تو یہی کہتی تھی۔ تحقیق تھی اور پھر کہنے لگی.... لیکن میں کیا بتاؤں کہ کیا کہنے لگی؟ اس کی آواز تو میرے کافور تک جیسے بیہوشی کے عالم میں پہنچ رہی تھی۔

اب تک آپ اتنا تو جان گئے ہوں گے کہ میں بذات خود از حد شریف و اتعہ پلہ سناں تک نہیں میں ہوں۔ مجھ سے بہتر یہ دنیا پیدا نہیں کر سکتی۔ میری کسٹھنہ ال میں سب کی ہی رائے ہے اور میرا اپنا ایمان بھی یہی ہے۔ لیکن وہ دوستوں نے مجھے سزا کا دیا ہے اس لئے میں نے قسم ادا کر لیا ہے کہ اب یا گھر میں رہوں گا یا کام پر جایا کروں گا۔ نہ کسی سے ملوں گا اور نہ کسی کو کہنے کے لئے دوں گا۔ سوائے ڈاکٹر یا جہنم کے۔ اور ان سے بھی نہایت احتیاطی باتیں کی کروں گا۔

منظوم ہے :

میں دان :

تسے جاؤ پئے ہاؤ :

تاجن ترکتس رو :

تہاگ ہاؤ :

میں اس سے زیوہ کماہ نہ کردن کہ آپ دیکھتے تو سو !

مرید پور کا پیر

اکثر لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ میں اپنے جن کا ذکر میں نہیں کرتا۔ بعض اس بات پر بھی حیران ہیں کہ میں اب کبھی اپنے وطن کو نہیں جانا۔ بسبب کبھی لوگ مجھ سے اس کی وجہ پوچھتے ہیں تو میں ہمیشہ بات ٹال دیتا ہوں۔ اس سے لوگوں کو طرح طرح کے شبہات ہونے لگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے وہاں اس پر ایک مقدمہ چل گیا تھا۔ اس کی وجہ سے روہت ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ وہاں کہیں ملازمت تھی۔ غرض کہ الامام لگا۔ بھرت کرتے ہی بنی۔ کوئی کہتا ہے والد اس کی بدعنوانیوں کی وجہ سے کمر میں نہیں گھسنے دیتے۔ مرید پور سمجھتے نہ آتے ہیں۔ آج میں ان سب غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے والا ہوں۔ خدا آپ پرستے والوں کو انصاف کی توفیق دے۔

فصل میرے بچپن سے شروع ہوتا ہے۔ میرا بچپن ابوں دیکھے میں عام بچپنوں سے مختلف نہیں میری تعلیم خوبیاں اس میں موجود ہیں اور اس کے علاوہ نئی پودے سے تعلق رکھنے کے باعث اس میں بعض خاص اوصاف نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ایک صفت تو اس میں ایسی ہے کہ آج تک ہمارے خاندان میں اس سنت کے ساتھ کبھی روٹنا نہ ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ مڑوں کی عورت کرتا ہے۔ اور میں تو اس کے نزدیک بس عورتوں کا ایک دیوتا ہوں۔ یہ خبط اس کے دماغ میں کیوں سمایا ہے، اس کی وجہ میں میں بتا سکتا ہوں کہ نہایت اعلیٰ سے اس نے خاندانوں میں بھی کبھی ایسا دیکھنے میں آجاتا ہے۔ میں نے سلسلہ سے تاسعد و دامادوں کے فرزندوں کو بعض وقت ہرگز کو اس قدر احترام کرتے دیکھا ہے کہ ان پر بیچ ذات کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔

ایک سال میں کانگریس کے جلسے میں چلو گیا۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کانگریس کا جلسہ میرے پاس چلا آیا۔ مطلب یہ کہ میرے گھر میں موجود تھا وہیں کانگریس والوں نے بھی پناہ لانا اجلاس منعقد کرنے کی مٹا دی۔ میں پہلے بھی اکثر بلکہ یہ اعلان کر چکا تھا۔ بعد اب بھی یہاں تک پہنچنے کے لئے کو تیار ہوں کہ میں میرا ذرا بھی تصور نہ تھا۔ بعض لوگوں کو یہ شک تھا کہ میں نے بعض ایسی تسکین خور کے لئے کانگریس کا جلسہ اپنے پاس ہی کرایا۔ لیکن یہ شخص حاسدوں کی بیانی ہے۔ بھانڈوں کو میں نے اکثر شہر میں بلوایا ہے۔ وہ ایک مرتبہ بعض عقیدہ مند کو بھی دعوت دی ہے۔ لیکن کانگریس کے مقابلے میں میرا رویہ ہمیشہ ایک گناہ شہر کا سا رہا ہے۔ میں اس سے زیادہ میں اس موضوع پر کچھ نہ کہوں گا۔

جب کانگریس کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا تو کوئی ایسا متقی ہوگا جو وہاں جانے سے گریز کرے نہ انہی تعطیلات اور فرصت کا وقت۔ چنانچہ میں نے شہر کی گلی کے عہد پر اس جلسے کی ایک ایک تقریر سنی۔ دن بھر تو جلسے میں رہتا۔ مات کو گرا کر

اسی دن کے فقیر سے عادت اپنے بھتیجے کو لکھ بھیجتا تاکہ سند ہے اور وقت ضرورت کام آئے
بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بھتیجے کو سب سے پہلے خط کو بے حد ادب و احترام کے ساتھ لکھوے۔ بھتیجے
بعض باتوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس اتفاقی تقریب سے پیشزدہ بات مدد و غوثی کو دینے سے خط کو خود پڑھتے۔ پھر دوستوں کو مٹاتے۔
پھر اخباروں کے ایجنٹ کی دکان پر غلامی لال لکھتے۔ ان کے حلقے میں اُس کو خوب بڑھا چڑھا کر دہراتے۔ پھر مقامی اخبار کے بے حد
مستامی ایڈیٹر کے حوالے کر دیتے۔ جو اسے بڑے اہتمام کے ساتھ چھپ دیتا۔ اس اخبار کا نام مرید پور گزٹ ہے۔ اس کا مکمل نام
کسی نے یاں موجود نہیں۔ دو پہلے تک جاری رہا۔ پھر بعض مالی مشکلات کی وجہ سے بند ہو گیا۔ ایڈیٹر احوب کا حلیہ عیب نابل ہے۔
نک لکھی۔ غلامی نہ نہ شعل سے جو حدید ہوتے ہیں۔ کسی صاحب کو ان پر یہ تصور ہو تو مرید پور کی خلافت کیسے تو اعلان
پہنچا دیں۔ اور عند اللہ جہیزوں میں کوئی صاحب ان کو ہرگز ہرگز کوئی چندہ نہ دیں۔ ورنہ خلافت انہیں ضرور نہ ہوگی۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اس اخبار نے میرے ان خطوط کے بل پر اپنا ایک کانگرس نہ لکھی نکال مارا جو انہی بڑی تعداد میں
چھپا کر اس کے اوراق اب تک بعض قیادیوں کی دکانوں پر نظر آتے ہیں۔ بہر حال مرید پور کے پچھلے پچھلے سیر کی تاریخ۔ انشاء وادی
میں اندامی اور جوتس تو می کی دکانوں میں یہی اجازت اور میرے علم کے بغیر لکھی نہ ہو۔ کاتو می لکھ کر قرار دیا گیا۔ ایک دو شاعروں نے
پورے غیب میں لکھیں جو وقتاً فوقتاً مرید پور گزٹ میں چھپتی رہیں۔

میں اپنی اس عزت افزائی سے محض بے خبر تھا۔ سچ ہے خدا جس کو چاہتا ہے۔ دست بکشتا ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میرے
اپنے بھتیجے کو محض چند خطوط لکھ کر اپنے ہم وطنوں کے دل میں اس قدر گھڑ گیا ہے۔ اور کسی کو یہ معلوم تھا کہ یہ معمولی سا انسان جو مرید پور چھپ
چاپ نہ نیا۔ لکھے بازار میں سے گزرتا ہے مرید پور میں پوچھا جاتا ہے۔ میں وہ خطوط لکھنے کے بعد کانگرس اور اس کے تمام مشغلات کو قطعاً
فراموش کر چکا تھا۔ مرید پور گزٹ میں مزید اونٹ۔ بھتیجے نے میری ہرگز کے وجہ کی وجہ سے کبھی پریل تذکرہ ات بھی نہ لکھی تھا کہ آپ
لیڈر ہو گئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ مجھ سے یوں کہتا تو ہر سون کو اس کی بات میری سمجھ میں نہ آتی۔ لیکن بہر حال مجھے کچھ تو معلوم ہوتا کہ میں ترقی
کر کے کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوں۔

کچھ عرصے بعد غوی کی نوابی کی وجہ سے ملک میں جا بجا جیلے نکل آئے جس کی کسی کو ایک نیز ایک کسی اور ایک گلخان قیسر آیا اسی
نے جیلے کا اعلان کر دیا۔ جلسوں کے اس موسم میں ایک دن مرید پور کی انجن فوجا ان ہند کی طرف سے میرے نام اس صفوں کا ایک خط
موصول ہوا کہ آپ کے شہر کے لوگ آپ کے دیار کے منتظر ہیں۔ ہر کہ دمر آپ کے روئے انور کو دیکھنے اور آپ کے پاکیزہ خیالات سے
مستفید ہونے کے لئے جیاب ہے۔ ساء ملک بھر کو آپ کی ذات بابرکات کی امداد ضرورت ہے۔ لیکن وطن کا حق سب سے زیادہ
ہے کہ یکدم

خاور وطن الاسنہی دریمکسان خوشتر

اسی طرح کی تین چار براہین قاطعہ کے بعد مجھ سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ آپ میرا آکر لوگوں کو ہندو مسلم اتحاد کی تلقین کریں۔
خداوند کریم کی عیادت کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ لیکن جب لکھنؤ سے دل سے اس پر غور کیا۔ تو فرقت رفتہ باشندہ کا یہ مرید پور کی
مردم شناسی کا قائل ہو گیا۔

آپ ہر طرف تذبذب کیسے ہو سب کی بددیہادی غلامی و غلامی کا سد پھر اسی درجہ بتلایا کہ اہل جہ ہر دیکھ اور مسلمانوں کا غلام ہے۔ انہوں نے انھیں کیسے کھنکھاتے اور تقریریں کر کے شہر پر ختم کر دیں گے۔

آپ تذبذب کیسے کریں اور وزیریاں

تو اسے گل پکاریں چلاؤں لئے ہوں

دس بارہ دن بھی طرح خود کر لینے کے بعد میں نے اس تقریر کا ایک خاکہ سا بنایا۔ اس کا ایک کاغذی نمونہ کر لیا۔ تاکہ جیسے میں اسے اپنے سامنے رکھ سکوں۔ وہ خاکہ کچھ اس طرح کا تھا۔

۱۔ تہیہ۔ اشعار صافی (جذبات اور درنگ آواز سے پڑھو)

۲۔ ہندوستان کی موجودہ حالت

(الف)۔ انداز

(ب)۔ مضامین

(ج)۔ قومی رہنماؤں کی خود غرضی۔

۳۔ اس کی وجہ۔

کیا غیر ملکی حکومت ہے؟ نہیں

کیا آب و ہوا ہے؟ نہیں

کیا مغربی تہذیب ہے؟ نہیں

تو یہ کیا ہے؟ (دقت) جس کے دور میں میں شکراتے ہوئے تمام مغربی جہل پر ایک نظر ڈالوں
دیکھیں گاؤں کے درجہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا فراق ہے (غروں کے لئے دقت) اس کا نقشہ کیسے پڑھنا۔ فسادات وغیرہ کا ذکر نہ کرنا
انگیزہ دکھانے کو۔

(اس کے بعد شاید چند فقرے بلند ہوں۔ ان کے لئے ڈراماٹک جاز)

(۵) خاتمہ۔ عام نصائح۔ خصوصاً اتحاد کی تلقین (شو)

(اس کے بعد انگارے افغان میں جا کر اپنی کمری پر بیٹھ جاؤ۔ اندھگوں کی داد کے حساب میں ایک ایک لمحے کے بعد غلامی کو صلہ دینے دیں)

اس خاکے کو تیار کر چکے کے بعد۔ جیسے کے وہ ایک ہندو ناس پر ایک نظروں آراہ۔ اور اپنے کے سامنے کھڑے ہو کر
بعض معرکہ آرائیوں کی مشق کر آؤ۔ اس کے بعد کی مسکراہٹ کی خاص مشق جو پہنچائی۔ کھڑے ہو کر دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں گھومنے
کی حالت میں تاکہ تقریر کے دوران میں ہر طرف سے سنا جائے۔ اور سب طرف سے سنا جائے۔ اس کا ایک ایک فقرہ سن لیں۔

نہیں چڑکا سفر آٹھ گھنٹے کا تھا۔ رستے میں سانگے کے اسٹیشن پر گاڑی بدلتی پڑتی تھی۔ لیکن ڈوبو، ان ہند کے صحن جو شیعہ امریکی
وہاں استقبال کرتے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہر پہنائے اور کچھ میل پیرہ کھانے کو دیا۔ سانگے سے سید پور گھاتان کے ساتھ ہم سیاسی

مجھے افسانہ بالکل منفرد ہے۔ اتنا محسوس ہوا کہ تقریر کا وقت میرا تو پہنچا ہے۔ اور مجھے اپنی نشست پر سے اٹھنا ہے۔ چنانچہ ایک معلوم طاقت کے زیر اثر اٹھا۔ کچھ لڑکھڑایا۔ لیکن پھر سنبھل گیا۔ میرا اذکار نہ پڑا۔ تھا۔ دل میں ایک شوق تھا۔ میں بیوی سے ذرا ہی دور سے تھا۔ اور فغروں کی گونج اسی گھر میں کے شوق کی طرح سنائی دے رہی تھی جو ڈرتے ہوئے انسان کے سر پر سے گزر رہی ہو۔ تقریر شروع نہ کی تھی۔ ہوتی ہے؛ لیکن وہ خود غرضی ہی ضرور بیان کرتی ہے اور کیا کہنا ہے؟ ایک کہانی بھی تھی۔ یہ جیسے افسانہ لکھ رہی تھی۔

میں نے دل میں سنا چاہا تھا۔ لوگ سب یہی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر دیں اور سہارے کے لئے میز کو پکڑ لیا۔ میرا دوسرا ہاتھ بھی کامپ۔ وہ بھی میں نے میز پر رکھ دیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہوا تھا جیسے میز بھاگنے کو ہے اور میں اُسے روکے ہوئے ہوں۔ میں نے آنکھیں کھولیں اور سکرانے کی کوشش کی۔ کلا خشک تھا۔ بعد مشکل میں نے یہ کہا کہ :-
پیارے ہم وطنو!

آوار خلافت قریب بہت ہی باریک اور سختی سے چلی۔ ایک دفعہ نہیں دے بیٹے۔ میں نے گلے کو صاف کیا۔ تو اور کچھ دیکھ نہیں پڑا۔ میں نے جی کو اکڑا کر کے اندر سے جوش شروع کیا۔ چھپچھپانے پر ایک لمبائی جو یوں ندر ڈالا تو آواز بہت ہی بلند نکل آئی۔ اس پر بہت لوگ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ جیسی تھی تو میں نے کہا :-

پیارے ہم وطنو!

اس کے بعد زلزلہ مچا اور ہر کچھ ہلاک ہوا۔

پیارے ہم وطنو!

پھر دوبارہ آیا کہ اس کے بعد کیا کہنا ہے۔ بیسیوں باتیں دماغ میں چکر لگا رہی تھیں۔ لیکن زبان نہ لگتی تھی۔
پیارے ہم وطنو!

اب کے لوگوں کی ہنسی سے میں بھٹکا گیا۔ اپنی فوج پر بڑا غصہ آیا۔ ارادہ کیا کہ اس دفعہ میری زبان سے ایک دھماکہ نکلے۔ تقریر شروع کر دوں تو پھر کوئی مشکل نہ رہے گی۔

پیارے ہم وطنو! بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی آب و ہوا خراب یعنی ایسی ہے۔ کہ

ہندوستان میں بہت سے نقص ہیں..... مجھے آپ! (وقفہ.....) نقص ہیں۔ لیکن یہ

بات یعنی سرحد کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ گویا چنداں صحیح نہیں! (وقفہ)

حواس متفرک ہو رہے تھے۔ مجھ میں نہ آتا تھا کہ اتنی تقریر کا سلسلہ کیا تھا۔ ایک لمبائی بیلوں کی کہانی یاد آئی اور راستہ کچھ صاف ہوتا دکھائی دیا۔

ہاں تو بات حاصل یہ ہے کہ ایک جگہ دو بیل اکٹھے رہتے تھے جو اوجھڑا آب و ہوا اور غیر ملکی

حکومت کے! (ذکر لا تقصیر)

میرا شکم بچ کر محسوس کیا کہ کلام کچھ بے ربط سا ہو رہا ہے۔ میں نے کہا چلو وہ کوئی کسے گھٹنے کی کہانی شروع کریں۔

مثلاً آپ فکریوں کے ایک نمٹے کو بیچے۔ عکسوں اور مختلف ہیں۔ دوسرے جے کہ ہندوستان میں اندلس بہت سے گویا چوکہ
کھڑے لوگ غریب ہیں۔ اس لئے گویا عکسوں کا کٹھا یعنی آپ کیلئے تاکہ اگر:

(جلد اور مدخل فہرست)

مضامین (اگر آپ نے عقل سے کام نہ لیا تو آپ کی قوم حق سے ہٹ جائے گی۔ بہت سے علماء ہیں جہاں شیعہ اور سنیوں کا.....

ایسے باہر نکالو جو بنیادیں سنستے)

شیخ سعدی نے کہہ دیا کہ

چو از توئے نئے بے نصیبی۔

(آواز آئی کیا کہتا ہے) سیر اس بات کو جانے دیجئے۔ ہر حال اس میں تو کسی کو سزا نہیں ہو سکتا کہ:

آمنہ بیبیل کے لڑی آہ و زاریاں تو مانے گل نیلا میں چاندوں نے دل

اس شعر نے روایتی حوالہ کو نیز کر دیا۔ ساتھ ہی لوگوں کا شور بھی بہت ریلوہ ہو گیا۔ چنانچہ میں بڑے جوش سے بولنے لگا۔

تو تو میں اس وقت بیدار کے آسمان پر چڑھی ہوئی ہیں۔ ان کی زندگیوں کو کون کسے سنا رہا ہے۔ اور ان

کا کھلم کھلا کر کیا کیا دیا دیا ہے۔ اور یہی ہیں لوگوں کا شور اور ہنسی اور بھی بوجھی گئی ہے آپ کے لیدوں کے کانوں

پر خود غصی کی جی بندھی ہوئی ہے۔ دنیا کی تاریخ اس بات کی مشاہدہ ہے کہ رنگ کے درخشاں تھے۔ ...

لیکن لوگوں کا غوغا اور تھقے اتنے بلند ہو گئے کہ میں اپنی آواز بھی نہ سنی سکتا تھا۔ اکثر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور

کھانچاڑ پھاڑ کر کہہ رہے تھے۔ میں سر سے پاؤں تک کانپ رہتا تھا۔ ہجوم میں سے کسی شخص نے جوتے کے پیسے قطارے کی طرف ہمت کر کے

سنگرت کی ایک خالی ڈبیا بھر پر پھینک دی۔ اس کے بعد چار پانچ کاغذ کی گولیاں میرے ارد گرد گھومتی پر گزری۔ لیکن میں نے اپنی تقریر کا سلسلہ

جاری رکھا۔

مضامین (اگر آپ نے عقل سے کام نہ لیا تو آپ کی قوم حق سے ہٹ جائے گی۔ بہت سے علماء ہیں جہاں شیعہ اور سنیوں کا.....

ایسے باہر نکالو جو بنیادیں سنستے)

کھانچاڑ پھاڑ کر کہہ رہے تھے۔ میں سر سے پاؤں تک کانپ رہتا تھا۔ ہجوم میں سے کسی شخص نے جوتے کے پیسے قطارے کی طرف ہمت کر کے

سنگرت کی ایک خالی ڈبیا بھر پر پھینک دی۔ اس کے بعد چار پانچ کاغذ کی گولیاں میرے ارد گرد گھومتی پر گزری۔ لیکن میں نے اپنی تقریر کا سلسلہ

جاری رکھا۔

مضامین (اگر آپ نے عقل سے کام نہ لیا تو آپ کی قوم حق سے ہٹ جائے گی۔ بہت سے علماء ہیں جہاں شیعہ اور سنیوں کا.....

ایسے باہر نکالو جو بنیادیں سنستے)

کھانچاڑ پھاڑ کر کہہ رہے تھے۔ میں سر سے پاؤں تک کانپ رہتا تھا۔ ہجوم میں سے کسی شخص نے جوتے کے پیسے قطارے کی طرف ہمت کر کے

سنگرت کی ایک خالی ڈبیا بھر پر پھینک دی۔ اس کے بعد چار پانچ کاغذ کی گولیاں میرے ارد گرد گھومتی پر گزری۔ لیکن میں نے اپنی تقریر کا سلسلہ

جاری رکھا۔

انجامِ بخیر

(منظر)

ایک تنگ و تنگ کمرہ جس میں بجز ایک پرانی سی میز اور ایک لٹہ برآمدہ کرسی کے اور کوئی فرنیچر نہیں۔
 زخمی پر ایک صوف چٹائی بکھی ہے۔ جس پر بے شمار کتابوں کا انبار لگا ہے۔ اس انبار سے جہاں جہاں کتابوں
 کی بیشمار نظر آتی ہیں وہاں ٹیکسٹ بک، ٹالسٹائی، دورڈیڈنڈ، وغیرہ مشاہیر کے نام دکھائی دے رہے ہوتے ہیں۔
 باہر کے پاس ہی کتے بھڑک رہے ہیں۔ قریب ہی ایک برات اتری ہوئی ہے۔ اُس کے بیٹکی آواز سنائی
 دے رہی ہے۔ جس کے بچانے والے وقت۔ دمر۔ کھانسی اور راسی سمیٹے ہوئے مگر ماضی میں مبتلا معلوم ہوتے
 ہیں۔ ڈھول بجانے والے کی صحت البتہ اچھی ہے۔

پطرس نامی ایک تاردار معتمد پر مقام کہہ رہا ہے۔ نوجوان ہے۔ لیکن چہرے پر گذشتہ زندگی کی بدولت غم و غصہ
 کھانا صرف کبیر کہیں باقی ہیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ چہرے سے ذہانت
 پسینہ بن کر ٹپک رہی ہے۔

سامنے طلی ہوئی ایک جھتری سے معلوم ہوتا ہے کہ جینے کی آفری تاہم یہ ہے۔
 باہر سے کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ پطرس اٹھ کر دروازہ کھول دیتا ہے۔ تین طالب علم نہایت اعلیٰ
 لباس زیب تن کئے اندر داخل ہوتے ہیں۔

پطرس: حضرت ائمہ تشریف لے آئے آپ دیکھتے ہیں کو میرے پاس صوف ایک کرسی ہے۔ لیکن جاہ و شہرت کا خیال بہت لمبی
 خیال ہے۔ علم بڑی نعمت ہے۔ لہذا اسے میرے ذمہ۔ اس انبار سے چند تحفہ لے کر آئے ہیں۔ انتخاب کر لو۔ اور ان کو ایک دوسرے
 کے اوپر چڑھ کر ان پر بیٹھا دو۔ علم ہی تم لوگوں کا اور مٹنا اور علم ہی تم لوگوں کا بچھونا چاہیئے۔

طالب علم: (تینوں مل کر) اسے خدا کے برگزیدہ بندے۔ اُسے ہماری محترم استاد ہم تمہارا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ علم ہی
 ہم لوگوں کا اور مٹنا اور علم ہی ہم لوگوں کا بچھونا چاہیئے۔

دکھائیوں کو جو ڈکرائیں پھیل جاتے ہیں،

پیرس :- کہو اے ہنس دستاں کے سپہ تو آج تو کو کرک سے علم کی خفگی یہ ہے دروازے تک کٹاں کٹاں سے آئی؛
پہلا طالب علم :- اے نیک ہنساں! ہم آج تیرے احساؤں کا بدلتا رہے آئے ہیں۔
دوسرا طالب علم :- اے فرشتے! ہم تیری فدا شدوں کا دیہہ ہیں اسے آئے ہیں۔
تیسرا طالب علم :- اے ہمسائے ہرمان! ہم تیری مہنتوں کا پھل تیرے اس لاسے ہیں۔

پیرس :- یہ نہ کہو! یہ نہ کہو! خود میری محنت ہی میری محنت کا پھل ہے۔ کالمائے مقررہ افغان کے ملکہ جو کچھ میں نے تم کو دیا ہے اس کا حادہ مجھے اس وقت وصول ہو گیا جب میں نے تمہاری آنکھوں میں ذکاوت خفگی دیکھی۔ آہ! ہم کی جنت ہو کہ تعلیم و تہذیب کیسا آسانی پیش ہے۔ تاہم تمہارے الفاظ سے یہ دل میں ایک عجیب حسرت کی جھلک ہے۔ بچہ پختہ کر دو اور بالکل تگمہ بڑا کر دو جو کچھ کتنا ہے تفصیل سے کہو۔

پہلا طالب علم :- (سرد و در دست بہتہ کھڑا ہو کر) اے عزتمند استاد! ہم علم کی بے جا دولت سے محروم تھے۔ اس کے مقدرہ ادائنات سے ہماری پیاس نہ بجھ سکتی تھی۔ ہمیں اور سول مردوں کے استحقاقات کی آزمائش کر رہی ہے۔ تو نے ہماری دیکھیری کی اللہ ہمارے تاریک حلقوں میں انہلا ہو گئی۔ عقدہ و معتمہ تو جاتا ہے۔ آج ہمیں کی آخری تائید ہے۔ ہم تیری خدمتوں کا حقیر صلہ پیش کرنے آئے ہیں۔ تیرے حال نہ تو برا اور تیری بزرگ نہ شفقت کی قیمت کوئی ادائیں کر سکتا۔ ہم انہماک و تشکر کے طور پر جو تم با یہ رقم ہم تیری خدمت میں پیش کریں، اسے قبول کر سکتے ہمارے احسانندی اس سے نہیں بڑھ کر ہے۔

پیرس :- تو ہمارے الفاظ سے ایک عجیب بیجاوی میرے جسم پر طاری ہو گئی ہے۔

(پہلے طالب علم کا اشارہ پاکر باقی دو طالب علم بھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ باہر ایندہ ایک محنت مند زور سے بکھنے لگتا ہے)
پہلا طالب علم :- (آگے بڑھ کر) اے ہمسائے ہرمان! کچھ حقیر کی خدمت قبول کر (بڑے ادب و احترام کے ساتھ اٹھنی پیش کرتا ہے)
دوسرا طالب علم :- (آگے بڑھ کر) اے فرشتے! یہ ہدیہ کو شرف قبولت بخش (اٹھنی پیش کرتا ہے)
تیسرا طالب علم :- (آگے بڑھ کر) اے نیک انسان! مجھ ناچیز انسان کو مقدرہ (اٹھنی پیش کرتا ہے)

پیرس :- (عجذبات سے بے تاب ہو کر وقت اکیر آواز سے) اے میرے فرزند و خداوند کی رحمت تم پر نازل ہو۔ تمہاری سعادتمندی اور فخری شناسی سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ تمہیں اس دنیا میں آرام اور آخرت میں نجات نصیب ہو اور خدا تمہارے سینوں کو علم کے نور سے منور رکھے (تینوں انشتیاں اٹھا کر نیزہ پر رکھ لیتا ہے)

طالب علم :- (تینوں مل کر) اوش کے برگزیدہ بندے ہم فخری سے سکروش ہو گئے۔ اب ہم اجازت چاہتے ہیں کہ گھر پر ہمارے والدین سے ملنے بیٹا بہ جوں گے۔

پیرس :- خدا تمہارا حامی و ناصر ہو اور تمہاری علم کی ریاس اللہ بھی برحق رہے۔

(طالب علم پہلے جاتے ہیں)

پطرس :- تمہاری جیڑ مسو دیکھ کر، باری تعالیٰ تیرا دل لاکھ لاکھ بار دھڑکے۔ تو نے مجھے اپنی پانچز محنت کے ثمر کے لئے بہتے دھنیں نکالتی ہیں۔ دیکھا تیری رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ لیکن ہماری غم مائیگی اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ یہ تیرا ہی فضل و کرم ہے کہ تو بڑے اپنے سے اور ان کو بھی رزق پہنچاتا ہے اور جو ملازم میری خدمت کرتا ہے، اس کا بھی فضل تو نے مجھ ہی کو بنا رکھا ہے۔ تیرا رحمت کی کوئی انتہا نہیں اور تیری بخشش ہمیشہ ہمیشہ جاری رہنے والی ہے۔

ایک میں ہر ایک پر ابرار کی رشتہ بھی جاتی ہے۔ سارے دوستوں کے پردوں کی پچھ پچھاہٹ مرنائی دیتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد پطرس سو سے بے انتہا ہوتا ہے اور ملازم کو آواز دیتا ہے:

پطرس :- سے خدا کے رہا نہ ہو اور جتنی بندے، ذرا بیاں فوٹا ہوا!

ملازم :- (باہر سے) اسے میرے خوش خصال آتا، میں کھانا پکا کر آؤں گا۔ کہ تعجب شیطان کو کام ہے۔

ایک طرحی دفعہ میں کے دونوں میں درشتوں کے سامنے پٹے سے مٹنے لپٹے جو گئے ہیں)

پطرس :- آہ! انتظار کی گھڑیاں کس قدر شیریں ہیں۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز کس خوش اسوئی سے جیڈ کی آواز کے ساتھ مل رہی ہے۔ (میسو دیکھ کر بڑبڑاتا ہے)

پھر اٹھ کر میز کے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ اٹھتا ہے یہ فقر پڑتی ہے۔ اُن کو فوراً ایک کتاب کے نیچے

چھپا دیتا ہے)

پطرس :- آہ! مجھے زبرد دوست سے نفرت ہے۔ خدا یا میرے دل کو دنا کے لہجے سے پاک رکھتو!

(ملازم اندھا ہوتا ہے)

پطرس :- اسے سزا۔ بیڑہ انسان! مجھے تجھ پر رحم آتا ہے کہ دنیا بھر کی ایک کرن بھی کبھی تیرے سینے میں داخل نہ ہوئی۔ تمام خداوند تمہارے لئے دیوار میں تمہاری سب برابر ہیں۔ تو جانتا ہے آج عیسائی کی آخری تاریخ ہے۔ تیری قنواہ کی ادا کیلی کا وقت سر پر آگیا۔ خوش ہو کہ آج تجھے اپنی مشقت کا صلہ مل جائے گا۔ یہ تین اصدیاں قبول کر۔ اور باقی سارا ہے انتظار رکھنے کے لئے کسی لطیفہ نہیں کا انتظار کر۔ دنیا امید پر قائم ہے، باور مایوسی کفر ہے۔

ملازم :- اٹھنا! زبرد دوست سے زمیں پر پھینک کر گھر سے باہر نکل جاتا ہے۔ جیڈ زبرد سے بچے لگتا ہے)

پطرس :- خدا یا کبیر کے گناہ سے ہم سب کو بچائے رکھ۔ اور ادا نہ لے جیتے کے لوگوں کا سامنا زبرد ہم سے دور رکھ۔

(پھر کام میں مشغول ہو جاتا ہے)

بارہوی نامے میں کچھ ۱۲ طے کی جلی جلی پڑ رہی ہے ایک طرحی دفتر میں کے دوران میں ڈھول

کے سامنے پلے سے چو گئے لپٹے جو گھٹیاں جیڈ بدستور بچ رہا ہے۔

ایک محنت ابرہہ رک پر جوڑوں کے ٹکڑے جانے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

(پھر ڈی ویر بعد کوئی شخص دروازے پر دستک دیتا ہے)

پطرس :- (کام پر سے مڑاٹھا کر) اسے شخص تو کوئی ہے!

ایک آواز :- (دباہر سے) ہنر میں عناصر کا غلام ہوں اسباب ہر دست کو دہروں کی عبادت پر توندناؤں۔ اور عرض حال کروں۔

پطرس :- (دلیلیا) میں اس آواز سے نا آشنا ہوں۔ لیکن مجھے سے یہ جاننا ہے کہ وہ کون سا شخص ہے۔ یہ خدا یا یہ کون ہے (بلند ہمارے) اندر آجائے۔

دعاوازہ کھتا ہے۔ اور آپ شخص لباس غنیمت پہنے اندر داخل ہوا ہے۔ کوہرے سے وقار بہت ہے۔

فلین نظری زمین و زمین اور ادب و احترام سے (تو باندھے ٹھہرا ہے)

پطرس :- آپ دیکھتے ہیں کہ میرے پاس ہر وقت ایک ہی کرسی ہے۔ میں ماہ و شمس کا حال بہت پر حال ہے علم ہی نصبت ہے۔ لہذا اے محترم اجنبی! اس انداز میں سے چند تحفہ کیا ہیں۔ انتخاب کیا ہے۔ اور ان کی ایک دوسرے کے اہرین کر لیا ہے۔

میتھاڑ۔ علم ہی ہم لوگوں کا ڈھنڈا۔ علم ہی ہم لوگوں کا بچہ ماہونا چاہئے۔

اجنبی :- اے برگزیدہ شخص! میں تیرے سامنے کھڑے رہنے ہی میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔

پطرس :- تمہیں کون سے علم کی تفصیلی میرے دروازے تک کتنا کتنا لے آئی؟

اجنبی :- اے ذی علم محترم! گو تم میری صورت سے۔ انہیں نہیں دیکھیں میں شعبہ تعلیم کا افسر امی ہوں اور شرمندہ ہوں کہ میں آج تک کبھی نیاز حاصل کرنے کے لئے حاضر نہ ہوا۔ میری اس کتابی اور غفلت کو اپنے علم و فضل کے صدقے سعادت کر دو۔

آبدیدہ ہو جانا ہے،

پطرس :- اے خدا! کیا یہ رب وہم ہے۔ کیا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں؟

اجنبی :- مجھے تعجب نہیں کہ تم میرے آنے کو وہم سمجھو۔ کیونکہ آج تک ہم نے تم جیسے نیک اور برگزیدہ انسان سے اس قدر

غفلت برتی کہ مجھے خود اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مجھ پر یقین کرو۔ میں فی الحقیقت یہاں ہی خدمت میں کھڑا

ہوں۔ اور تمہاری آنکھیں تمہیں ہرگز دھوکا نہیں دے رہیں۔ اے تریف اور غم زدہ انسان یقین نہ ہو تو میرے چکی

لے کر میرا امتحان کر دو۔

(پطرس اجنبی کے چکی لوتا ہے۔ اجنبی زور سے چکیا ہے)

پطرس :- ہاں اب مجھے کچھ کچھ یقین آگیا۔ لیکن حضور والا۔ آپ کا یہاں قدم رنجہ فرمانا میرے لئے اس قدر باعث فخر ہے کہ مجھے

ڈر ہے کہ میں دیوانہ ہو جاؤں۔

اجنبی :- ایسے الفاظ کہہ کر مجھے کانٹوں میں دھکیلو اور تیس ماہوں میں ایسی گزشتہ خطاؤں پر صبر نہاؤں۔

پطرس :- دہموت ہو کر مجھے اب کیا علم ہے؟

اجنبی :- میری اتنی مجال کہاں کہ میں آپ کو حکم دوں۔ البتہ ایک عرض ہے۔ اگر آپ مقرر کریں تو میں اپنے آپ کو دنیا کا رب کے

خوش نصیب انسان سمجھوں۔

پطرس: بس آپ فرمائیے۔ میں کس مذہب ہوں۔ مگر مجھے یقین نہیں کہ یہ عالم بیدار ہی ہے۔

(اجنبی: اہل کائنات ہے۔ پھر خدا تم مجھ بڑے بڑے صندوق اٹھا کر اندر داخل ہوتے ہیں اور اندر میں)

ہلکے کر بڑے اور سب کو زلزلہ بک کر چلے جاتے ہیں)

اجنبی: — (صندوقوں کے ڈھکنے کھول کر) میں بادشاہ سمیرا ہاں بڑا وہ دین۔ حاکم سے ہندو کا ڈرا پنہیت اہل چاندوں کے اپنا پ

بہ کائنات آپ کی خدمت میں آپ کے علم و فضل کی تدروانی کے علم پر سب حاضر ہوا ہوں۔ (اجنبی: اہل ہوتی آتا رہے۔

ان کو قبول کیجئے اور مجھے مایوس واپس نہ بھیجئے۔ وہ نہ ان سب کا دل ٹوٹ جائے گا۔

پطرس: — (صندوق تو کو دیکھ کر) سو نا! اسرفیاں! جو اہل ہوت بے کجے یعنی نہیں! آدرا یہ ہو گئی پڑھنے لگتا ہے)

اجنبی: — ان کو قبول کیجئے اور مجھے مایوس واپس نہ بھیجئے (انسو ٹپ ٹپ کرتے ہیں۔

گنا۔ آج سورج اٹھیا پل نہ لائیں۔

پطرس: — اسے اچھی باتیں کر رہے ہیں۔ خود تو انہیں کا دل ہے باطل و جہالت ہے۔ تجھے اپنے جذبات پر قابو نہیں۔ یہ

تیری کمزوری کی نشانی ہے۔ خدا تجھے تعزیت اور رحمت سے عین غصہ میں کہ تو خود تیرے آقا ہم سے اس قدر محبت

رکھتے ہیں۔ بس اب جا کر مجھے سے مطالبہ کہ وقت ہے۔ کل کلمہ میں اپنے کلموں سے ہیں چار پاسداریوں کو خواب

جہالت سے جگانا ہے۔

اجنبی: — سب کیاں بھرتے ہوئے، مجھے اجازت ہو تو میں بھی حاضر ہو کر آپ کے خیالات سے مستفید ہوں۔

پطرس: — خدا تمہارا حامی و ناصر ہو اور تمہارے علم کی پریاں اور بھی بڑھتی رہے۔

(اجنبی: رخصت ہو جاتا ہے۔ پطرس: صندوق کو کھول کر کھولنے والوں سے دیکھتا رہتا ہے

اور پھر ایک نفرت مسرت کی ایک چیخ مار کر گر پڑتا ہے اور مر جاتا ہے مگر اس میں ایک

پڑا امر لہو چھایا ہے اور فرشتوں کے پروں کی پٹھ پٹھ ہارٹ سنائی دیتی ہے۔ باہر

جینڈہ ستوننگ رہا ہے۔)

سینما کا عشق

سینما کا عشق، عزائم تو عجب ہوس خیز ہے۔ لیکن افسوس کہ اس مضمون سے آپ کی تمام توقعات مجرد ہوں گی کیونکہ مجھے تو اس مضمون میں کچھ دل کے طالع دکھانے مقصود ہیں۔

اس سے آپ پر نہ سمجھئے کہ مجھے فلموں سے دلچسپی نہیں۔ یا سینما کی موسیقی اور تاریکی میں جو انسان انگیزی ہے۔ میں اس کا خائل نہیں۔ میں تو سینما کے معاملے میں اٹالک ہو رہی سے بزرگوں کا موردِ عتاب رہ چکا ہوں۔ لیکن آج کل ہمارے دوست مرزا صاحب کی مہربانیوں کی طفیل سینما گویا میری ہیک دکھتی ہوئی رنگ بن کر رہ گیا ہے۔ جہاں اُس کا نام سن پاتا ہوں۔ بعض درد انگیز خطرات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جس سے رفتہ رفتہ میری نظرت ہنس بج میں بن گئی ہے۔

اول تو خدا کے فضل سے ہم سینما بھی وقت پر نہیں پہنچ سکتے۔ اس میں میری سستی کو ذرا دخل نہیں۔ یہ سب قصود ہمارے دوست مرزا صاحب کا ہے جو کہنے کو تو ہمارے دوست ہیں۔ لیکن غلط ہے۔ اوی کی دوستی سے جو جرفستان ہمیں پہنچے ہیں۔ کسی دشمن کے قبضہ شدت سے بھی باہر ہوں گے۔

جب سینما کا ارادہ ہو۔ ہفتہ بھر پیٹے سے اٹھیں نہ رہ سکتا ہوں کہ کیوں بھی مرزا اگلی جمعرات سینما چلو گے نا؟ میری مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ پیٹے سے تیار رہیں۔ اور اپنی تمام مصروفیتیں کچھ اس ڈھب سے ترتیب سے لیں کہ جمعرات کے دن ان کے کام میں ہر جرح واقع نہ ہو۔ لیکن وہ جواب میں عجب قدر ناشامسی سے فرماتے ہیں۔

”اے بھئی چلیں گے کیوں نہیں؟ کیا ہم انسان نہیں؟ ہمیں تفریح کی ضرورت نہیں ہوتی؟ اور پھر کبھی ہم نے تم سے آج تک ایسی بے مروتی بھی ہوتی ہے کہ تم نے چلنے کو کہا ہو اور ہم نے تمہارا ساتھ نہ دیا ہو؟“

ان کی تقریر میں کچھ کھسیا تاں ہو جاتا ہوں۔ کچھ یہ چپ رہتا ہوں۔ اور پھر دینی زبان سے کہتا ہوں۔

”بھئی! اب کے ہو سکا تو وقت پر پہنچیں گے۔ ٹھیک ہے نا؟“

میری بات عام طور پر نال دی جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کا ضمیر کچھ متوہدا سا بیدار ہو جاتا ہے۔ بغیر میں بھی بدلتا ہوں نہیں دیتا۔ صرف ان کو بات سمجھانے کے لئے انا کہہ دیتا ہوں۔

”کیوں بھی سینما آج کل کچھ شرمناک ہے نا؟“

مرزا صاحب جب معسورت کے انداز میں جواب دیتے ہیں: جی ہر میں معلوم نہیں؟
 میرا خیال ہے چچہ ہی نیلے شروع ہو سکے؟
 اب تیرے خیال کی کوئی سند نہیں؟
 نہیں بھے بقول ہے۔ چچہ کے شروع ہوتا ہے۔
 تمہیں چین ہے تو یہ انداز کیوں مفت میں جات ہے ہو؟
 اس کے بعد آپ ہی لکھیں گی کہ ہوں؟

تیر جب جمعرات کے دن جا۔ نیلے ہی ان کے مکان کو روانہ ہو جاتا ہوں۔ اس خیال سے کہ جلد ہی جلدی انہیں نہ
 کر کے وقت پر پہنچ جائیں۔ دولت خانے پر پہنچا ہوں تو آدمہ، آدہ، زلو، مردانے کے سب کمروں میں گھوم جاتا ہوں۔ ہر کمرے میں
 سے جھانکتا ہوں۔ ہر شگاف میں سے آوازیں دیتے ہوں۔ لیکن کبیر سے رسید نہیں ملتی۔ آخر تک اگر ان کے کمرے میں بیٹھا جاتا
 ہوں۔ وہیں دس بندہ حراست میں ہیں۔ دس بندہ وہ مٹل پسل سے بلا شگسہ میر پر تصویریں بناتا رہتا ہوں۔ بھر سگٹ
 لٹکا لیتا ہوں۔ سارے ہر ڈیوٹی میں نکل کر ادھر ادھر جھانکتا ہوں۔ وہاں بدستور بچہ کا علاوہ کچھ کر کے میں دایمیں آجاتا ہوں۔ اور
 اخبار پڑھا کر دیتا ہوں۔ سرکارم کے بعد مرزا صاحب کو ایک آواز دے لیتا ہوں۔ اس امید پر کہ شاید ساتھ کے کمرے میں
 باغین اور پکے کوسے میں مشرف لے آئے ہوں۔ سرے سے تھے تو ممکن ہے جاگ اٹھے ہوں یا نہا رہے تھے۔ تو شاید غسل خانے
 سے باہر نکل آئے ہوں۔ لیکن میری آواز مکان کی دستوں میں سے گونج کر واپس آ جاتی ہے۔ انوکھا ساٹھے یا پانچ نیچے کے قریب
 زمانے سے تشریف لاتے ہیں۔ میں اپنے کھوٹے ہوئے خون کو تاجوں میں لاکر نشانات اور اضاق کو بڑی مشکل سے مد نظر رکھ
 کر پوچھتا ہوں:-

”کیوں حضرت! آپ اندھ ہی تھے؟“

”ہاں اندھ ہی تھا۔“

”میری آواز آپ نے نہیں سنی؟“

”اچھا یہ تم تھے؟ میں سمجھا کوئی اور ہے؟“

”آکھیں بند کر کے سر کو پیچھے ڈال لیتا ہوں۔ اور دانت پس کر غصے کو بی جاتا ہوں۔ اور پھر کانپتے ہوئے ہونٹوں
 سے پوچھتا ہوں:-

”تو اچھا آپ چلیں گے یا نہیں؟“

”وہ کہاں؟“

”اسے بند خدا آج سینا نہیں جاتا؟“

”ہاں سینا، سینا، یہ کہہ کر وہ کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں (تھک ہے سینا میں بھی سوچ رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی بات نہ بد لگیا
 ہے جو مجھے یا مینہ آتی۔ اچھا ہوا تم نے یاد دلایا۔ در نہ مجھے رات بھر اٹھیں رہتی۔

تو چلو پھر اب چلیں

ہاں وہ تو چلیں ہی گئے۔ بس سوچ رہا تھا۔ آج دریا پر سے سہل لیتے۔ صبح اچلنے دھڑکی کہ سخت تیرے لایا ہے یا نہیں یاد
ای۔ عربیوں کا تو کوئی انتظام کرو؟

اگر تیرا دشمن ایک سنگین غوم رہتا تو ایسے موقع پر اسے ضرور سرور دہو جاتا۔ مگر کیا لوں اپنی جوانی پر جو دکھاتا ہوں۔
بے بس ہوتا ہوں۔ بہت ہی کمہار سگتا ہوں۔ کہ

مرزا جی بلاشبہ مجھ پر رحم کر دے میں مینا جیسے کو آیا۔ رن۔ دھیریوں کا انتظام کرنے سے آبا۔ بارش سے بدلتی ہوئی ہونے سے
نچ چکے ہیں۔ اور تم چوں کے توں نیسے ہو؟

مرزا صاحب بکرب مرزا پر تیرے کے ساتھ کوئی پرست آسٹے ہیں۔ گویا۔ خدا برکتا تھا جسے میں کا جھانجی تھی وہی مظلوم خواہش
آخیر پوری کر ہی دیں۔ چن کر یہ کہہ کر اشد تشرفیت سے حاشے میں کراہی کوسے پرتاؤں۔

مرزا صاحب کے کپڑے پہنے کا عمل اس قدر طویل ہے کہ اگر میرا اختیار تھا۔ ہذا تو نالوں کی زد سے وہیں بھی کپڑے اتارنے ہی نہ دیتا۔
آدھ گھنٹے کے بعد وہ کپڑے پہنے ہوئے تشرفیت لاتے ہیں۔ ایک بان میں اسے دوسرا لٹھیں۔ میں بھی اٹھ کھڑا ہوتا ہوں۔ دروازے پر
پہنچ کر کھڑے کر دیتا ہوں تو مرزا صاحب غائب۔ پھر اندر آ جاتا ہوں۔ مرزا صاحب کسی کونے میں کھڑے کھڑے کہہ کر رہے ہوتے ہیں۔
دار سے بھی چلے؟

پہل تو رہا ہوں یا۔ خواتین بھی کیا آفت ہے؟

اور یہ تم کو کیا رہے جو؟

پان کے لئے ذرا تبا کو لے رہا تھا؟

مامہ رستے مرزا صاحب پہل تھی فرماتے جاتے ہیں۔ جس پر دھم لے کے بعد اپنے آپ کو ان سے چار پانچ قدم آگے بٹا ہوتا۔
کچھ دیر ٹھہر جاتا ہوں۔ وہ ساتھ آسٹے ہیں تو پھر چلنا شروع کر دیتا ہوں پھر آگے نکل جاتا ہوں پھر ٹھہر جاتا ہوں۔ نرفیکہ کو چلا دینی بخیر رفتار
سے ہوں۔ لیکن پہنچتا ان کے ساتھ ہی ہوں۔

گھنٹے کے اندر داخل ہوتے ہیں تو اندر میرا گھپ۔ بہتیرا اکھیں جھپکتا ہوں۔ کچھ سبکی نہیں دیتا۔ اور اسے کوئی توازن دیتا
ہے۔ یہ دروازہ بند کر دیتی آیا اللہ اب دعاؤں کا۔ رستہ۔ کڑی۔ دیوار۔ آوی۔ کچھ بھی تو نظر نہیں آتا۔ ایک قدم بڑھتا ہوں تو سر
بالٹیوں سے جا کھاتا ہے جو آگ بجھانے کے لئے دیوار پر لگی رہتی ہیں۔ لٹھڑی دیر کے بعد تاریکی میں کچھ ٹھنڈے سے نقش دکھائی دیتے
گتے ہیں۔ جہاں ذرا تاریک تر سا حصہ دکھائی دے جاتے۔ وہاں بگھتا ہوں خالی کرسی ہوگی۔ غیہ۔ بشت ہو کر اس کا رخ کرتا ہوں۔ اس
کے پاؤں کو پھر اندر اس کے ٹخنوں کو ٹھکرا دیتی تھی۔ گھنٹوں سے دامن بچا۔ آغوا۔ کسی کی گود میں جا بیٹھا ہوں۔ وہاں سے نکال دیا جاتا ہوں۔
اندروں کے دھکوں کی مدد سے کسی خالی رسی تک جا پہنچتا ہوں۔ مرزا صاحب کھٹا ہوں۔ میں نہ بکتا تھا کہ جلدی چلو۔ خواہ مخاہ میں
ہم کو دھکا دیا۔ آگہا گھسیں کا۔ اس شگفتہ بیانی کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ساتھ کی کرسی پر جو حضرت بیٹھے۔ اور بھی کو میں غافل کہہ چکیں
وہ مرزا صاحب نہیں کوئی اور بزرگ ہیں۔

اب تہمت کی طرف متوجہ ہونا اور مجھے ان کو بخشش کرنا ہوں کہ نہ تو دوسرا ہے۔ اس کو کافی گیا ہے اسکاں تک پہنچ چکا ہے۔ یہ کہیں میں اس قدر آتا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت جو ہر دے پر مثل گیر نظر آتے ہیں ایک دوسرے کو چاہتے ہوں گے۔ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ ایک ہوا اسلئے کہ تو معاملہ بدلے کرتے ہیں میں اسلئے کہ کسی پہنچنے پہنچے عورت ایک دوسرے سے دوزخ آگ میں لیتے ہیں۔ جس کے دوزخ میں کہ اگر وہ میں سو فٹ فوٹ گز جاتا ہے۔ جب ان کو ان کو چھٹ لیتے ہیں۔ تو ہر مرد کچھ شرمیلا کرتے ہیں۔ اور اس میں کے بعد ہاتھ دوسرے سے نہیں ہٹاتے۔ بلکہ ہاتھ کو دیکھتے ہیں۔ اس کے ہتھ ہیں۔ میں جب ان کو کچھ ہاتھ دے دیتی کے ان دے لے کچھ میں سب کو تھکے لے ماسٹر نکل رہا ہوں۔ اور اپنا پیٹ پیٹنے کے آغاز سے بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں کھٹ خدی سے بھر اندکس آیا ہوں۔ اور ہم دونوں کی طرح بیٹھا ہوں۔ خورانی دیکھ۔ بعد ازاں کسی کی نشست پر کوئی چھڑا ہتھ ہمسرہ ہوتا ہے چنانچہ وہ وہیں طرف فضا دیکھنے ہو کر بائیں طرف کو جھک جاتے ہیں۔ میں مصیبت کا مارا دوسری طرف جھک جاتا ہوں۔ ایک لمحے کے بعد وہی چھڑا دوسری طرف ہمت کرتا جاتا ہے چنانچہ وہ دونوں چھڑے جتنے زیادہ لیتے ہیں غرضیکہ یہ بدل گئی ہوئی جاری رہتی ہے۔ وہ وہاں نہ میں بائیں۔ وہ بائیں تو میں۔ وہ ان کو کی معلوم کہ ادھیرے میں کی۔ میں کھیلنا جاتا ہے۔ دل میں چاہتا ہے کہ اگلے لمحے کا کھٹ لے گا ان کے اگلے جا بیٹوں اور کون کہ سب سے پیشاد وغیرہ تو اب تو کیسے فلم دیکھتا ہے۔

بچے سے مرزا صاحب کی آواز آتی ہے یا رقم سے نپدل نہیں میٹھا جاتا یا بچوں میں ہر کوئی غلامی سے ہر کوئی غلامی سے ہر کوئی غلامی سے۔

اس کے بعد غصے میں کہا انھیں بند کر لیتا ہوں۔ اور قبل عہدہ خودکشی۔ نہر عثمانی وغیرہ مصلحت پر غور کرنے لگا۔ ہمدرد
میں کہتا ہوں بیسی کی بیسی اس فلم کی سوسوسیں کھاتا ہوں کہ پھر کبھی نہ آؤں۔ اگر یہ ابھی تو اس کم بخت مرزا سے ذکر تک نہ کر دیا گا۔ پانچ
چھ گھنٹے پہلے سے عبادنگار کے درجے میں سب کے اگلے قطار میں بیٹھوں گا۔ تمام وقت اپنی نشست پر اچھلتا کودتا رہوں گا۔ بہت
بڑے سطرے عالی پرنس ہیں کہ آؤں گا۔ اپنے اوپر کوٹ کو دو چھ میوں پر بچھا کر لٹکا دوں گا۔ بہر حال مرزا کے پاس تک نہ پہنچوں گا۔
لیکن اس بکثرت دل کو کی کوں دلاکھ بننے پھر کسی اپنے غم کا اشتہار دیکھ پاتا ہوں تو سب سے پہلے مرزا کے ہن جاتا ہوں
اور گھٹکھ پھر دیں سے شروع ہوتی ہے۔ کہ کہہ دو میں مرزا اگلی جمعرات سیتا چلے گئے ؟

میل اور میں

میل روکیوں کے دماغ میں تھی۔ فیکو جو ۱۰۰ فوٹ کی پچ جو نیو رسی میں ایک ہی شعروں پر تھتے تھے۔ اس لئے اکثر پھروں میں باقی تھی۔ اس کے علاوہ ہم دوست بھی تھے۔ انی وٹس میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے تھے۔ تصویروں اور موسیقی بھی تھی۔ میں بھی ہوائی کا دھویدار۔ اکثر گیلریوں یا فوٹو گرافوں میں اسٹے جیا کرتے تھے۔ دونوں انگلیزی ادیب کے طالب علم ان کے متعلق باہم بحث مباحثے رہتے۔ ہم میں سے اگر ایک کوئی نئی کتاب یا مصنف میں منت کرتا تو دوسرے کو مزید اہم کر دیتا اور پھر دونوں مل کر اس پر نیچے بڑے ماحکمہ در کرتے۔

لیکن اس تمام بگ جتنی اہم ہوا بھی میں ایک غلطی منور تھی۔ ہر دونوں سے بیہوشی مددی میں پر مدش باقی تھی۔ عورت اور ت کے تامل تو ضرور تھے۔ تاہم پہلے خیالات میں اور بعض اوقات اسے دیکھتے ہیں ہم بھی نہ کبھی اس کی تندیب ضرور کرتے تھے۔ حالات کے ماتحت میل ایسی رعایات کو اپنا حق سمجھتی جو صرف مصنف نہایت ہی سکے ایک نہ کو ملنی چاہیں بلکہ بعض اہم اور بہت مانی کا رویہ اختیار کر لیتے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایک مرد ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہی ہے۔ خصوصاً مجھے ست نیا وہ تعلیمات دیتا تھا کہ میل و عطا امر مجھ سے بہت وسیع ہے۔ اس سے مراد سزاوارتہ کو۔ سزاوارتہ کی بھی کبھی محاسن میرے ایشیائی آباد اجداد کا خون جو ش مارتا اور دل مہدی تندیب سے باقی ہو کر مجھ سے کہتے کہ وہ اثرات اظہور قات لرون میل عورت مرد کی مسافات کا اظہار مبالغہ کے ساتھ کرتی تھی۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عورتوں کی رہبر اور مردوں کو شراشات لاد رہی تھیں۔

لیکن اس بات کو میں کبھی نہ مقرر انداز کرتا کہ میل ایک دن دس بارہ گت میں خریدتی۔ اور ہفتہ بھر کے بعد انہیں میرے کمرے میں جلی جاتی اور ساتھ ہی کہہ جاتی کہ میں انہیں پڑھ چکی ہوں۔ تم بھی پڑھ چکے۔ تو ان کے متعلق باتیں کریں گے۔ ادلی تو میرے لئے ایک ہفتہ میں دس بارہ گتیں خرید کر نا اچھا تھا۔ لیکن فرض کیجئے مردوں کی فوج رکھنے کے لئے رتوں کی کے ان سب کا پڑھ ڈالنا ممکن بھی ہوتا تو بھی ان میں وہ باتیں کتابیں فلسفے یا تنقید کی ضرور ایسی ہوتیں کہ ان کے سمجھنے کے انی ہو ضرور ملتا۔ ہوتا چنانچہ ہفتہ بھر کی جانفشانی کے بعد مجھے ایک عورت کے سامنے اس بات کا، عزت کرنا پڑا کہ میں اس بارہ گیا ہوں۔ جب تک وہ میرے کمرے میں بیٹھی رہتی ہیں کہ تمہیں اسامہ کو کس کی باتیں سننا رہتا اور وہ غناست

حالا اہل حق جوین اور پوچھا جو نہ کر تیں کرتی جب میں اس کے لئے دعا روزہ رکھوں یا اس کے شکر کے لئے جاسمعی جاتا ہوں
اپنی سب سے زیادہ کامیاب وہ کہ اس کے لئے خلیا کر دیتا تو وہ میری خدمت کو حق ضحانیت نہیں بلکہ حق استی کچھ کہ قبول کرتی۔

میں نے چھ جانے سے بعد مذمت بتدبیر طبع میں تبدیل ہو جاتی۔ جان یا دل کا ایسا سہل ہے۔ لیکن ان کی خاطر
نیک سے نیک انسان بھی ایک ذریعہ دفعہ تو ضرور اہل زور و اثر کے استقلال پر آتا ہے۔ اسے میری اخلاقی بات سمجھنے میں کمی ہے
میری جو ہو گئی۔ اعلیٰ دفعہ سب میں سے طاعات ہوتی تو جو کتابیں نے میں نے یہ بھی سمجھیں۔ لیکن میں نے اسے ذہنی شرمسار کر دی لیکن جو
پچھتاہٹ تھا۔ سنبھل سنبھل کر کتف۔ تعظیم۔ کے متعلق کوئی بات نہ سن سکا تھا۔ سرسری طور پر تنقید کرتا تھا وہ بھی جو شاید
اور دہائی کے بعد اپنی رائے کو بدلتا کر نیک دیتا تھا۔

کسی نادان کے متعلق میں نے کچھ سے پوچھا تو جواب میں نہایت لادانیہ نہ کہا۔
"ہاں، جی ہے لیکن کچھ ایسی باتیں ہیں جنہیں مصنف سے وہ جدید کا نقطہ نظر کے بعد نہ سکا۔ لیکن پھر بھی میں سمجھنے نہ سکیں۔
بڑی ہنسنے لگی۔ پوچھتے ہیں۔

تکصیر سے میل کی طرف دیکھتا گیا۔ لیکن اسے میری بات کا یہ بالکل معلوم نہ ہو سکی۔ "اے کے متعلق کیا تم کو نظر
"ہاں پڑھا تو ہے۔ لیکن ابھی تک میں یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ جو کچھ پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے وہ ایسے پر جا کر بھی باقی
ہے کیا نہیں؟ تاہم یہ خیال ہے؟

احساس طبع سے اپنی آواز کو قائم رہتی۔ اہل نگاہ بار بھی میل کے کندھوں پر ڈال دیتا۔
تنقید کی کتابوں کے بارے میں فرماتا۔

اس وقت پانچارہویں صدی کے نقادوں کا کچھ کہنا شروع ہوتا ہے۔ لیکن جو نئی ناسموم سائیں کہیں۔ بالکل ایک سا اور شعلی
کے متعلق اس کا رویہ دلچسپ ہے۔ بہت دلچسپ بہت دلچسپ؟

رفتہ رفتہ مجھے اس میں کیا حاصل ہو گیا۔ جب دعائیہ منافست کے ساتھ میں ناخواندہ کتابوں پر لکھنا کر سکتا تھا اس
پر میں خود حیران رہ جاتا تھا۔ اس سے جذبات کو ایک آسودگی نصیب ہوتی۔

اب میں میل سے نزدیک تھا۔ اسے بھی میرے علم و فضل کا معترف ہونا پڑا۔ وہاں ہفتہ میں دس کتابیں پڑھتی تھیں تو میں صرف
دو دن کے بعد ان سب کتابوں پر رٹے ذہنی کر سکتا تھا۔ اس کے سامنے مذمت کا کوئی موقع نہ تھا۔ میری مردانہ روح میں اس
احساس فتح مندی سے بالیدگی سی اٹھی تھی اب میں اس کے لئے کڑی غالی کرتا یا دیا سلامتی جلتا تو عظمت و ہمتی کے احساس کے
ساتھ جیسے ایک تجرہ کار تیز مند فوجی ایک نادان کمزور کی حفاظت کرنے لگا۔

صراط مستقیم چھپنے والے انسان میرے اس قریب کو نہ سہا رہی۔ تو نہ سہا رہی۔ لیکن میں کم از کم مردوں کے طبقے سے اس
کی دلوں میں چاہتا ہوں۔ خواتین میری اس حرکت کے لئے مجھ پر دوہری دہری تھیں جیسے لگی۔ کہ ایک تو میں نے سکھادی اہل جہالت
کے کام کیا اور دوسرے ایک حکومت کو دھوکا دیا۔ ان کی تسلی کے لئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ یقین مانجئے کئی دفعہ
تہنائی میں میں نے اپنے آپ کو برا بھلا کہا۔ بعض اوقات اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی احساس

مشکل ہو گیا کہ میں بغیر پڑھنے کی حکمت بتا رہا ہوں۔ میں تو یہ سب کتابیں پڑھ چکے کے بعد گفتگو کرتی ہے۔ تو بہر حال اس کو مجھ پر گفتگو تو ضرور حاصل ہے۔ میں اپنی کم علمی ظاہر نہیں کرنے دیتا۔ لیکن حقیقت تو یہی ہے کہ وہ تو یہ کتابیں نہیں پڑھتا۔ میری جماعت اس کے نزدیک نہ سمجھتی۔ میرے اپنے نزدیک تو مستقیم ہے اس خیال سے کہ میں ان کی تلمیح پر غصہ نہ ہو جاتا اور آپ ایک حد تک متغلبہ میں پھر حق پر نظر آنے لگا۔ پہلے تو میں کو صرف ذی علم سمجھتا تھا اب وہ اپنے تغلبے میں یا نیز کی اور راست بازی کی دہری بھی معلوم ہونے لگی۔

حالات کے دوران میں میرا دل زیادہ نرم ہو جاتا ہے۔ بخار کی حالت میں کوئی بازاری سارا ملل پڑھتے وقت بھی بعض اوقات میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ محنت یاب ہو کر مجھے اپنی اس کمزوری پر ہنسی آتی ہے۔ لیکن اس وقت اپنی کمزوری کا اس میں نہیں ہوتا۔ میری بد قسمتی کہ انہی دنوں مجھے ضیافت پر انفقہ ہونا پڑا تھا۔ بہت تکلیف دہ بھی نہ تھا تاہم جو کہ خیر زندگی کے تمام چھوٹے چھوٹے گناہ، کبیرہ گناہ کو نظر آنے لگے۔ میں کا خیال آیا تو ضمیر نے سخت طمانت کی اور میں بہت دیر تک سر پر پٹی ڈالتا رہا۔ شام کے وقت میں کچھ چھوٹے سے کرائی حیرت پر بھی۔ دعا پلائی۔ ملتے پہ ہاتھ رکھا میرے آنسو ٹپ گرنے لگے۔ میں نے کہا کہ میری آواز بھرائی ہوئی تھی، میں مجھے خدا کے لئے معاف کر دو۔ اس کے بعد میں نے اپنے گناہ، احترام کیا۔ اور اپنے آپ کو مزاد بیچنے کے لئے میں نے اپنی عمارت کی ہر ایک تفصیل بیان کر دی۔ ہر اس کتاب کا نام لیا جس پر میں نے بغیر پڑھنے کی طبیعت خاصہ تقریریں کی تھیں۔ میں نے کہا کہ میں پچھلے ہفتے جوتی کتابیں تم مجھے دے گئی تھیں۔ ان کے متعلق میں تم سے کتنی بحث کرتا ہوں۔ لیکن میں نے ان کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھا۔ میں نے کوئی نہ کوئی بات سنی ضرور کئی ہوگی جس سے یہ پوچھ کر پھر گئی ہوگا۔

میں نے کہا کہ: "تو ان تو میں نے پڑھا ہی نہ تھا۔ لیکن وہ تو کے متعلق یہ ج کچھ کہنا تھا۔ وہ سب میں کھٹ تھا؟"

میں نے کہا کہ: "پلاٹ کے متعلق میں نے یہ خیال نہ کیا کہ وہ اٹھایا ہے۔ یہ بھی تھیک تھا؟"

میں نے کہا کہ: "پلاٹ کے متعلق میں نے یہ خیال نہ کیا کہ وہ اٹھایا ہے۔ یہ بھی تھیک تھا؟"

میں نے کہا کہ: "پلاٹ کے متعلق میں نے یہ خیال نہ کیا کہ وہ اٹھایا ہے۔ یہ بھی تھیک تھا؟"

مجھ مراد وہ صورت دونوں کی برابری میں کوئی شک باقی نہ رہا۔

مرغوم کی یاد میں

ایک سو مرزا صاحب اور میں زندہ سے میں سنا تھا کہ کڑیاں ڈالے نہ پھاپ بیٹھے تھے۔ جب دوستی بہت بڑی ہو جائے۔ تو گھٹو کی چنداں مندوت باقی نہیں رہتی ہمدرد مست ایک دوسرے کی خاموشی کے بھی گھٹ اندوڑ ہو سکتے ہیں۔ یہی حالت ہماری تھی۔ ہم دونوں اپنے اپنے خیالات میں غرق تھے۔ مرزا صاحب تو خدا جانے کی سر پر رہے تھے۔ لیکن میں نے اپنے کی نام ساز کاری پر خود کو رد کیا تھا۔ خدا برہنہ پر غور سے غور سے مدد تھے کے بعد ایک موڑ لگا کر جاتی تھی۔ میری طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ میں جب کبھی کسی موڑ لگا کر دیکھوں۔ بے زبانی کی نام ساز کاری کا خیال مندوت سے گزرتا ہے اور میں کوئی ایسی ترکیب سوچنے لگتا ہوں جس سے دنیا کی تمام دولت سب انسانوں میں برابر تقسیم کی جا سکے۔ مگر میں بڑک پر بیدل جا رہا ہوں اور کوئی موڑ اس اداسے گزرتا ہے کہ گرد و خراب میرے پیچھے چڑھیں۔ میرے دل میں۔ میرے معاشقے اور میری تکی تک پہنچ جائے تو اس دن میں گھر آ کر علم کیما کی وہ کتاب نکال بیٹا ہوں جو میں نے ایتھنس سے ہی پڑھی تھی۔ اور اس فرض سے اس کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں کہ شاید ہم بننے کا کوئی نسخہ ہاتھ آجائے۔

میں کچھ دیر تک اس پر غور کرتا رہا۔ مرزا صاحب کے کچھ تو جہنم کی۔ آخر میں نے خاموشی کو توڑا اور مرزا سے مخاطب ہو کر بولا۔
 مرزا۔ ہم میں اور جو ہوں میں کیا فرق ہے؟
 مرزا صاحب بوسے۔ بلکہ کچھ ہو گا بھی نا آخر؟
 میں نے کہا۔ میں بتاؤں نہیں؟
 کہنے لگے۔ بروہ

میں نے کہا۔ کوئی فرق نہیں۔ سنئے ہو مرزا؟ کوئی فرق نہیں۔ ہم میں اور جو ہوں میں..... کم از کم مجھ میں اور جو ہوں میں کوئی فرق نہیں؟ ہاں ہاں میں جانتا ہوں۔ تم میں میخ نکالنے میں بڑے طاقتور کہہ دو گے۔ جیوان جگانی کرتے ہیں۔ تم جگانی نہیں کہتے۔ ان کی ڈم ہوتی ہے۔ تم جابجی دم نہیں۔ لیکن ان باتوں سے کیا ہوتا ہے؟ ان سے تو صرت یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے افضل ہیں۔ لیکن ایک بات میں میں اور وہ بالکل برابر ہیں۔ وہ بھی پیدل چلتے ہیں۔ یہ بھی پیدل چلتا ہوں۔ اس کا تمہارا سے پاس کیا جواب ہے؟
 جواب نہیں۔ کچھ ہے تو کہہ۔ میں چپ ہو جاؤں۔ تم کہہ نہیں کہہ سکتے۔ جب سے میں پیدا ہوا ہوں اس دن جسکے پیدل چلنے والوں پیدل۔ تم پیدل کے معنی نہیں جانتے۔ پیدل کے معنی ہیں سیدہ زمین پر اس طرح سے حرکت کرنا کہ دونوں پاؤں میں سے ایک ضرور زمین پر رہے۔

میں تمام ہر سب کو کھانے کا طریقہ میں دہا ہے کہ ایک پان زمین پر فساد ہو اور دوسرا اٹھنا ہوں۔ دوسرا کھانا ہوں میں اٹھنا ہوں۔ ایک آگے ایک پیچھے۔ ایک ایک آگے۔ سدا کی تھا طرح کی مذکی سے دماغ سے بے قابو نہیں رہتا۔ اس میں بے ہوش ہوتے ہیں۔ تھک جاتا ہے۔ آدمی گسے سے ہر جہاں جاتا ہے۔

مرزا صاحب میری اس تقریر کے دوران میں کہے اس نے پوان سے سکوت میں رہے کہ وہ سنوں میں بے پنداری پر دوسے کو دل چاہتا تھا۔ میں نے از حد حفاظت اور نفرت کے ساتھ نہ ہی طرف سے پھر لیا۔ یہاں حلیہ ہوتا تھا کہ مرزا کی سیری باتوں پر تعجب ہی نہیں آتا۔ گریا میں اپنی جھٹکا لبت دیاں کہ ہا میں وہ محض خیالی ہیں۔ یعنی میرا میدان چلنے سے حالات نہایت کرا تا ہی تو نہ ہی میں۔ یعنی میں کسی سواری کا مستحق ہی نہیں۔ میں نے دل میں کہا: اچھا مرزا یوں ہی سمی۔ دھو تو میں۔ آکر تا ہوں۔

میں نے اپنے دانت کی کڑے اور کڑے کے بار پر سے جھک کر اس کے ترس پہنچ گیا۔ مرزا نے بھی سر میری طرف ہونے میں سکھایا۔ لیکن میرے ہضم میں ڈبر ملا ہوا تھا۔ جب مرزا سننے کے لئے بالکل زیادہ ہو گیا۔ تو میں نے جا چا کر کہا۔

مرزا میں ایک موڑ کا خریدنے لگا ہوں؟

یہ کہہ کر میں بڑے استغنا کے ساتھ دوسری طرف دیکھنے لگا

مرزا بڑے کیا کیا تم نے کیا خریدنے لگے ہو؟

میں نے کہا: "میں نہیں تم نے۔ میں ایک موڑ کا خریدنے لگا ہوں۔ موڑ کا ایک ایسی گاڑی ہے جس کو جس لوگ موڑ کہتے ہیں۔ جس لوگ کہتے ہیں۔ لیکن جب کہ تم ذرا کہہ دیجی ہو اس لئے میں نے دونوں لفظ استعمال کر دیئے تاکہ انہیں سمجھنے میں کوئی وقت نہ آئے۔"

مرزا بڑے: "ہوں؟"

اب کے مرزا میں بے پروائی سے حرکت پینے لگا۔ بھروسے میں نے اویڑ کو پٹھانیں سبک دلا باقی میں نہ تک اس انداز سے لانا اور ہٹانا تھا کہ بڑے بڑے ایڑ اس پر رشک کریں۔

توڑی دیر کے بعد مرزا پھر بولے: "ہوں؟"

میں نے سوچا اثر ہو رہا ہے۔ مرزا صاحب پر غلبہ پڑ رہا ہے۔ میں چاہتا تھا مرزا کہ بولے: "ہاں۔ مجھے معلوم ہو کہ ان ملک میں کون سا ہوا ہے۔ لیکن مرزا نے پھر کہا: "ہوں؟"

میں نے کہا: "مرزا اچانک مجھے معلوم ہے کہ تم نے سکول اور کالج اور گھر پر دو تین زبانیں سیکھی ہیں۔ یاد اس کے علاوہ تین کو ایسے الفاظ بھی آتے ہیں جو کسی سکول اور کالج یا تفریق گھر سے میں نہیں بولے جاتے۔ میری اس وقت تمہارا کام "ہوں؟" سے آگے نہیں بڑھتا۔ تم جلتے ہو۔ مرزا اس وقت تمہاری جو ذہنی کیفیت ہے اس کو عربی زبان میں حد لکھتے ہیں۔"

مرزا صاحب کہنے لگے: "میں یہ بات تو نہیں۔ میں تو صرف خریدنے کے لفظ پر غور کر رہا تھا۔ تم نے کہا۔ میں ایک موڑ کا خریدنے لگا ہوں۔ تو میں اس سے بڑے خریدنا تو ایک ایسا فعل ہے کہ اس کے علاوہ دوسرے کی ضرورت نہ ہوتی ہے۔ وغیرہ کا بندوبست تو کوئی ہو جائے گا۔ لیکن وہ بے کار بندہ بہت کیلئے کہہ گئے؟"

یہ نکتہ مجھے بھی نہ سوجھا تھا۔ لیکن میں نے بہت نہاری۔ میں نے کہا: "میں اچھی کئی قیمتی اشیاء دیکھ سکتا ہوں؟"

مرزا اسے یہ کون کون بٹھائے؟

میں نے کہا: ایک آدمی اپنا سگوت گیس چڑھوں گا؟

مرزا اسے لے گیا۔ وہیں آئے تو یہ ہو گئے۔ اتنی ڈھالی تھی ہزار کا انتظام بھی اسی طرح ہو جا۔ نہ تو صبح بھر چٹک ہو جائیگا۔ اس کے بعد وہ وہی جو تھوڑے ہی عرصہ پہلے ہو گیا تھا۔ اس کے لئے روک دیا جائے۔ چن چن مڑے۔ یہ وہی جو کہ خوشی سے بات کہیں ڈھالی کو روک نہ پائیں تھے۔ بہت سوچا۔ تو اس نتیجے پر پہنچا کہ کوک چڑی کرتے ہیں۔ اس سے ایک لکڑی لٹکانا مرزا اسے یہ میں نہیں ایک ترکیب بتاؤں۔ ایک بائیسکل لے لوں۔ میں نے کہا: وہ وہی وہی تو میری جوں کا توں رہا۔

کھٹے لے راجست

میں نے جوابی ہو کر پوچھا: "مست؟ وہ کیسے؟"

کھٹے لے "مست" ہی کہو۔ آخر دوست سے قیمتیں بھی لیں کی شرافت ہے۔ اچھا تو احسان قبولی کرنا: کو ارادہ کرو تو

بات ہے؟

اچھے موقع پر چٹھس میں بہت ہوا میں مصحفہ نیچے کی سترت جراتی کی خوش دلی، اچھے ہوتے فراروں کی موسیقی، اور یہ کہ بڑے سبب تک دوسرے کے ساتھ لے ہوتے ہیں۔ چن چن میں یہ نہیں بننا۔ اور اس طرح ہنسنا کہ کھسلی ہوئی باہر چن چنوں جگہ اسل جگہ پر فائز نہ آئے۔ جب مجھے یہی ہو گیا کہ ایک کھٹ کوئی خوشخبری سننے سے دل کی حرکت بند ہو جائے۔ جو خطرہ ہوتا ہے اس کا محفوظ ہوں تو میں نے پوچھا: "کیسے؟"

مرزا اسے میرے پاس ایک بائیسکل پڑی ہے۔ تو لے لو؟

میں نے کہا: پھر کتنا پھر کتنا؟

کھٹے لے: "مجھے ایک بائیسکل میرے پاس ہے۔ جب میری جہت تو یہی ہے۔ تو لے لو؟"

یقیناً نہینے لے کر کھڑوں پانی پر کیا۔ شرم کے اسے نہیں سمجھتا۔ یہ ہو گیا۔ وہیں صدمہ میں ایسی بے غرضی اور ایسا رنجنا کھا دیکھنے میں تھا۔ یہ میں نے کڑی ہر کہ مرزا کے پاس کوئی بھجیوں نہ آیا کہ اپنی خدمات اور عزت کا اظہار کن الفاظ میں کروں۔

میں نے کہا: مرزا اب سے پہلے میں اس کتنا ہی اور خوشی اور سہلے ادنی کے لئے معافی مانگتا ہوں۔ جو ابھی ابھی میں نے تمہارے ساتھ کھڑوں میں دیکھی۔ دوسرے میں آج تمہارے سامنے ایک اوقات کرنا چاہتا ہوں اور تمہارے کتا ہوں کہ تم میری صاف گوئی کو دلو۔ اور مجھے اپنی رقم دلی کے صدمے معاف کر دو گے۔ میں ہمت تم کو اذ حد کلید۔ تمکب خود غرض اور عوارہ انسان بھناتا ہوں۔ دیکھو نا افسانہ۔ افسانہ سے غلط ہو ہی جاتی ہے لیکو کہ تم نے اپنی شرافت اور دوست پرستی کا ثبوت دیا ہے۔ بعد ازاں پرتابیت کر دیا ہے کہ میں کتنا کا بڑا ملت: تنگ خیال اور حقیر شخص ہوں مجھے معاف کر دو۔

میری آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ قریب تھا کہ میں مرزا کے ہاتھ کو دھرتا اور اپنے آنسوؤں کو چھپانے کے لئے اس کی کود میں سر دھک دیتا۔ لیکو مرزا صاحب کھٹے لے گئے۔

”ماہ! اس میں میری نیا مٹی کی ہوئی۔ میرے پاس اب بائیسکاڑے۔ چھینے بہ سار ہوا۔ ویسے تم سوار ہو گئے۔
میں نے کہا۔ ”مرزا سخت میں مڑوں گا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔“
مرزا کھٹکے گئے۔ ”میں بائیس بات سے میں ڈرتا تھا۔ تم حساب لائے سو دسی ماہ! اب لو کہ اس میں کرتے جاؤ نہ خدا کو! ہے۔
احسان! اس میں کوئی نہیں۔“

میں نے کہا۔ ”غیر لچ میں کسی تم کچل چکے۔ اس قیمت بتاؤ۔“
مرزا ہرے۔ ”قیمت کا ذکر نہ کرو! بجے کا نیوں میں کھینچتے سوار جس قیمت پر تم نے خریدی تھی وہ تو منہ زیدہ تھی اور
اب تو وہ اتنے کی رہی بھی نہیں۔“

میں نے یہ چھاپا۔ ”تم نے کتنے میں خریدی تھی؟“
”کھنے گئے۔ میں نے پورے دوسرے بیڑی لی تھی۔ عا! اس زمانے میں بائیسٹوں کا دراج ذرا کم تھا۔ اس لئے قیمتیں فرازا ہو گئیں
میں نے کہا۔ ”کیا بہت پرانی ہے؟“

”ہوئے۔ نہیں بائیس پرانی تھی کی ہوئی۔ میرا ماہ! اس یہ کالو آجائے۔“ تھا اور اسے کالو چھڑے اعلیٰ درجہ میں نہیں ہر نے لکھو
اتنا مزدور ہے کہ آج کل کی بائیسٹوں سے ذرا مختلف ہے۔ آج کل تو بائیسٹوں میں کی بنی ہیں۔ چھینے کو لکے سرخو۔ وہ سب سستی کچھ کو خرید لیتے
ہیں۔ پرانی بائیسٹوں کے ڈھانچے مضبوط ہو جاتے تھے۔“

”گوگرد! پسندو سوار ہے تو میں ہرگز نہیں دے سکتا۔ اتنے دھپے دھپے پاس کہاں سے آئے۔ غیر تو اس سے آدمی نہ ت
بھی نہیں دے سکتا۔“

مرزا کھٹکے گئے۔ ”تو میں تو سے پوری قیمت تھوڑی مانگتا ہوں۔ اول قیمت میں میں بیڑی بند۔ لیکن
میں نے نہ۔ ”مرزا قیمت تو تمہیں مینی پرست گی۔ اچھا تم میں کی کر د۔ میں تمہاری جیب میں لپڑ دھیس ڈال دیتا ہوں۔ تم گھر ج کے
گھر میں۔ اگر تمہیں منظور ہوئے تو کی بائیسٹوں بھیج دینا۔ ورنہ دھپے دھپے واپس کر دینا۔ اب۔ یہاں بیڑی کر میں تم سے سودا چھاؤں۔ یہ تو کچھ وہ ذرا
کی سی بات معلوم ہوتی ہے؟“

مرزا بولے۔ ”بھئی جیسے تمہارے مرضی میں تو اب بھی کہتا ہوں کہ قیمت درست جلسے دو۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم زمانہ گئے۔
میں انڈو کو اندک سے میں کہا۔ میں نے سچا۔ متول شدہ چیز کی کوک حاسر طور پر آجھی قیمت مینے ہیں۔ میں جب خبر لے کر مرزا سے
کہا تھا کہ مرزا میں تو آدمی قیمت بھی نہیں دے سکتا۔ تو مرزا اس پر معذرت نہ ہوا تھا۔ وہ بیڑی را تو بلکہ ہی کہتا تھا کہ تم مفت ہی لے لو۔ لیکن مفت
میں یہ کھسے ہوں۔ آخر بائیسٹوں ہے۔ ایک سوار ہے۔ منوں اور گھڑوں اور موٹروں اور ٹانگوں کے ذریعے میں شمار ہوتی ہے۔ کس کو کھرو
تو معلوم ہوا کہ بہت دودھ کل چھاپا۔ ”دھپے ہیں۔ چھاپا میں دھپے تو کچھ ٹھیک رقم نہیں۔ پینا میں پاس ہوں جیب بھی بات ہے۔
پکاس تو جو نہیں سکتے۔ سوار اگر پینا میں ہی دینے ہیں تو چھاپا میں ہی کیوں نہ دے دیں۔ جو۔ لکوں کے ذریعے میں صرف آتا ہے وہ قیمتیں کچھ زیادہ
مستول معلوم ہوتی ہیں۔ ہر ٹھیک ہے چھاپا میں دھپے دھپوں کا خدا کو نے مرزا قبول کر لے۔“

”ہر کیا بائیسوں روپے میں جو بند کر کے میں نے مرزا کی جیب میں لٹل بیٹا اور کہ۔ ”مرزا اس کو قیمت دے گھنا بیکو لکریک

جلدی جلدی جیسے پی۔ غسل خانے میں بیٹھ جوتس و فروس کے ساتھ غسل میں پہلی بان میں "گاتا رہا۔ اس کے بعد کھڑے ہوئے۔
ادھار کو حجب میں ڈالا اور کمرے سے باہر نکلا۔

کس بڑا کھسے میں آیا تو راکھ کے ساتھ جی ایک حجب و غریب سنیں لڑ پڑی بیٹھ۔ طرز یہی ان راکھ کی چیز ہے۔ نوکر سے
دربافت کیا یہ کہیں سے یہ کیا چیز ہے؟

نوکر بولا: حضور رب ہائیکل ہے؟

میں نے کہا: "ہائیکل؟ اس کی ہائیکل؟"

کہنے لگا: "مرزا صاحب نے سمجھائی ہے آپ نے؟"

میں نے کہا: "اور جو ہائیکل رات کو انہوں نے بھیجی تھی وہ کون تھی؟"

کہنے لگا: "یہی تھی؟"

میں نے کہا: "کیا کہا ہے۔ جو ہائیکل مرزا صاحب نے کہا رات کو بھیجی تھی۔ وہ ہائیکل میں ہے؟"

کہنے لگا: "جی ہاں؟"

میں نے کہا: "اچھا؟ اور پھر اسے دیکھنے لگا۔"

اس کو صاف کہوں نہیں کیا؟

حضور دو تین دفعہ صاف کیا ہے؟

"تو یہ سب کیوں ہے؟"

نوکر نے اس کا جواب دینا شاید مناسب نہ سمجھا۔

اور تیل دیا؟

"ہاں حضور لایا ہوں؟"

دیا؟

حضور وہ جو تیل مہینے کے چھیدہ ہوتے ہیں۔ وہ نہیں دیتے؟

کیا وجہ؟

حضور دھروں پر پیل اندر لنگ جلتا ہے۔ وہ سردی لگے ہیں۔ یہی وجہ دہانگے ہیں؟

دفعہ رفتہ میں اس چیز کے قریب آیا۔ میں کو میرا ڈکرا ہائیکل بتا رہا تھا۔ اس کے مختلف درجوں پر خود کیا۔ تو اسے ثابت ہو گیا کہ ہائیکل

ہے۔ لیکن مجھے ہیئت سے یہ صاف ظاہر تھا کہ کنگی اور رابرٹ اور چنڈ اور اسی طرح کی اور جدید ایجادات سے پہلے کی تھی ہوئی ہے۔ پیسے کو

گھما گھما کر وہ سردی تلاش کیا۔ جہاں کسی زمانے میں تیل دیا جاتا تھا۔ لیکن اب اس سردی میں سے کدورت و مسخرہ بند تھا۔ چنانچہ

نوکر بولا: حضور وہ تیل تو سب اُدھر اُدھر بہہ جاتا ہے۔ یہج میں تو جاتا ہی نہیں؟

میں نے کہا: "اچھا؟ اور پھر اوپر ہی ڈال دو۔ یہ بھی مفید ہوتا ہے؟"

[illegible]

اس قدر تیز رفتاری بائیسکل کی جن اناڑوں پر اس کو زوری چنانچہ اس میں ایک گھنٹہ دو تہ لپیٹیں واقع ہو گئیں۔ ایک نوڑی بیڈل ایک طرف نوڑ گئی جب کہ توجہ یہ ہوا کہ میں جو توساٹنے کو رہا تھا لیکن میرا تمام جسم داییں طرف کو مڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بائیں جانب کی گدنی وقعت چھ ایڑی کے قریب نیچے بیڈل کی پیمانہ جب بیڈل ہونے کے لئے ٹھہر گیا لیکن اوپر نیچے کو نہ تھی۔ تو میرے گھٹنے میری ٹخنوں میں تھپتھپانے جاتے تھے کہ چہری ہو کر ہار کر نکلی ہوئی تھی اور ساتھ ہی اگلے پیچے کی انٹیکسٹوں کی وجہ سے سر براہ جھکے کمر ہوا تھا۔

کڑی کا نیچا ہوتا از حد تکلیف و چنات ہوا۔ اس لئے میں نے مناسب ہو سکا کہ اس کو ٹیپ دونوں چنہ بنیں۔ نئے بائیں گل کو غصہ الیا اور نیچے اترا۔ بائیں گل کے ٹھکانے سے یہ گنت جیسے دنیا میں ایک افخ دشمنی ہوئی کہ۔ اب معلوم ہوا جیسے میں کسی ریل کے امیشن سے نکل کر بائیں گل کی ہوں۔ جیسا کہ میں سے اس کا زور لگا لگا۔ گندمی کر ادنیٰ کی کہ۔ کچھ امینٹل کو اسکا۔ کی اور وہ بہ سارا ہو گیا۔

[illegible]

ہیڈنل تو نیچا ہری گیا تھا۔ مٹھوڑی دیو کے بعد گندھی بھی پھر نئی ہو گئی۔ اور میر ہمدانی زمین کے قریب پہنچ گیا۔ ایک لڑکے نے

کہا: دیکھو، وہ بلیا کر رہے! دیا اس بونے نے نزدیک میں کوئی قرب رکھ دیا۔ یہ بونے نے ان کو یہ ہینڈل اور لکڑی کو انجیکٹ۔
 لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس سے ایک ایک بھر نچا ہوتا تھا۔ اس کے دوران یہ اس سے ہاتھ اور ہیرا ہوا برف کی
 جندی پر واقع ہوں۔ بہت ہی کم گئے۔ اور ان میں بھی نہیں سوچتا۔ بتا حاکم اب کے گوتی پتے میں کی یا اینٹوں، چنانچہ وہ بہتر نہایت
 بظاہر کو گوتی سے تھوڑے اوپر ہی رکھتا۔ لیکن اس سے ہینڈل پرانے اور بونے کا ہاتھ
 جب وہ ہینڈل گئے اور ہینڈل کی انٹارکٹک نے ایک ہاتھ کی انٹارکٹک کو تھوڑے دیر میں ستری سے پیچ کھسکا
 لیکن چاہئیں۔ چاہئے ہینڈل کو ایک دکان پر لے گیا۔
 ہینڈل کی کھڑکی سے ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ سب نے سہ۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔
 کہا، اس کی سرسٹ کو دیکھو؟

اس ستری کے بڑے۔ ہینڈل کی ہینڈل اس کے ہاتھ میں سے اس نے مختلف ہینڈل کو بڑی بے دردی کے ساتھ
 ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ اس نے لڑی تھوڑے سے سب حالات کو آواز لگا رہے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔
 پڑنے کی عزت کو لے کر رہے تھے؟

ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔
 کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔
 ستری کے لگا۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔
 ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔
 کہنے لگا: اگر قیاس میں ہی نہیں۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔
 ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔

ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔
 اور پیسے کتنے ہو گئے؟

کہنے لگا: ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔

ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔

ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔
 ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔

ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔

ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔
 ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔
 ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔ ہینڈل کو لے کر رہے تھے۔

برنے لگا۔ واہ، مرزا صاحب کے ورثے کے اس پر کالج آیا یا کرتے تھے۔ اور ان کا بھی کالج چھوڑے۔ جس کی بھی سیر ہو
 مری نے کہا: ہاں وہ تو ضیاع ہے۔ لیکن مرزا صاحب خود جب کالج میں پڑھتے تھے۔ تو ان کے پاس بھی تو یہ سائیکل تھی؟
 مری طبیعت پر کسی رکے مردہ سی ہو گئی۔ میں بائیسکل کو ساتھ لئے آہستہ آہستہ پیدل چل پڑا لیکن پیدل چلنا بھی مشکل تھا۔ اس
 بائیسکل کے چلنے میں ایسے ایسے پٹوں پر بند پڑتا تھا جو عام بائیسکل کے چلنے میں استعمال نہیں ہوتے۔ اس لئے ناگوں اور کدھوں اور
 کمر اور بازوؤں میں جا بجا درد ہو۔ ہاتھ۔ سر کا خیال رہ رہ کر آتا تھا لیکن میں ہر بار کوشش کر کے اسے دل سے ہٹا دیتا تھا۔ ورنہ میں بالکل
 ہو جاتا۔ اور جیوں کی حالت میں پل حرکت جیسے یہ سرزد ہوئی کہ مرزا کے مکان کے سامنے بازو میں ایک جلد منقہ کرتا۔ جس میں مرزا کے
 نگاری۔ ہے ایسا ہی دور و غابازی پر ایک طویل تقریر کرتا۔ کل ہی فوج افی ہو آئندہ آنے والی فوجوں کو مرزا کی ناپاک فطرت کا ذکر دے۔
 اور اس کے لئے ایک جہا جہا کر اس میں زندہ جل کر جاتا۔

میں نے بہتر سی کچا کہ جس طرح ہو سکے اب اس بائیسکل کو ادا کرنے والوں کو بیچ کر جو وصول ہو اسی پر مشرک کروں۔ جس
 دس پندرہ روپے کا مندرہ کسی۔ چالیس کے چالیس روپے تو فاضل نہ ہوں گے۔ راستے میں بائیسکل کی ایک دوکان آئی وہاں مشرک گیا۔
 دکاندار بڑھ کر میرے پاس آیا۔ کہیں میری زبان کو جیسے نقل لگ گیا تھا۔ مگر ہر کبھی کسی چیز کے بیچنے کی نوبت نہ آئی تھی لہذا
 یہ بھی مسموم نہیں کیا ایسے موقع پر کیا کہتے ہیں۔ آخر بڑے سوچ بچار اور بڑے تافی کے بعد منہ سے صرف اتنا نکلا کہ یہ بائیسکل ہے؟

دکاندار کہنے لگا: پھر؟

میں نے کہا: دیکھ؟

کہنے لگا: کیا مطلب؟

میں نے کہا: بیچتے ہیں؟

دکاندار نے لہجے ایسی نفرت سے دیکھا کہ مجھے عیسوی ہوا جو پرچوری کا شہر کر رہا ہے۔ پھر بائیسکل کو دیکھا۔ پھر لہجے دیکھا۔ پھر بائیسکل
 کو دیکھا۔ ایسا معلوم تھا کہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ آدمی کون سا ہے اور بائیسکل کونسی ہے۔ تو کاروبار بولا: کیا کریں گے آپ اس کو بیچ کر؟
 ایسے سوالوں کا خدا جانے کیا جواب ہوتا ہے۔ میں نے کہا: کیا تم یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ جو وہ پنے لہجے و سونی ہوں گے۔ ان کا
 معرفت کیا ہوگا؟

کہنے لگا: وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر کوئی اس کو سکر کرے گا کیا؟

میں نے کہا: اس پر چڑھے گا اور کیا کہے گا؟

کہنے لگا: اچھا! چڑھ گیا۔ پھر؟

میں نے کہا: پھر کیا؟ پھر چلے اور کیا؟

دکاندار بولا: اچھا! ہوں۔ خدا بخش ذرا یہاں آنا۔ یہ بائیسکل بچنے آئی ہے؟

جن حضرت کا اگم گراہی خدا بخش تھا۔ انھوں نے بائیسکل کو معدہ ہی سے یوں دیکھا جیسے بوسہ نکھڑے ہیں۔
 اس کے بعد وہ دونوں نے آپس میں مشورہ کیا تو میں وہ جن کا نام خدا بخش مینی تھا۔ میرے پاس آئے اس کے لئے گئے۔ تو آپ

پہنچنے پر میری

رہنے کا یہ تہوار اور کئی محض آپ سے ہم کلام ہونے کا عزم حاصل کرنے کے لئے ان ٹکڑے سے بہت بڑھ کر دیانتہ
تک کے الفاظ تو لیا میں کے آپ !

تکھے لڑاکا۔ زویا میں کئے آپ،

مرنے کے "تغیر جاؤ۔"

ہم نے "پیریو بتاؤں؟"

میں نے کہا: ہاں۔

پیر: گلہ پوری جی:

میں نے کہا: ”اب بتاؤ گے بھی یا یونہی ترساتے رہو گے؟“

کتنے لگاؤ، تہجد و پندوں کا اس کے:

میرا خون کھول اٹھا اور میرے ہاتھ پاؤں اور بوٹ جوتے کے ماتھے کو چھونے لگا۔ میرے کہا:-

اُصنعت و دف سے پرہیز پانے، اے نچلے طبقے کے انسان مجھائی نریں کی پروا نہیں۔ کب تو سن اپنی جیو۔ و گفنا۔

یہ کہ جو مرید نیا ہے اس کے لئے یہ قیامت تک سوئے کرکسٹاؤر کہ کریں ہائیکل پر سوار ہو گیا۔ اور وہی دوسرے

یا فراموشی سے بچنا

مستقل سے میں تدم ایسا جو کہ نہ نچے باب معلوم ہوا بیسی زبان ایک حکمت تحصیل کے محمد سے انقوت سامان میرے سر پر سے ہٹ کر

بچہ میں سے کڑی - انداز میں حرکتی عملوں نے ایک - برس سے - تقریباً اپنی جگہ پر لائی ہے۔ جو اسے قسطوں پر لائی

یہاں سے جبیں بدر گویا بڑی بدلت سے کہے اس بات کا تصور تھا تو ان پر راہ ہوا۔ اور وگرو کی دوک جی تھے ہیں میں سے اکوہ جس ہے تھے۔

فوجدار ایسی ہی ہوئے اپنی کامیابی و شہریت و شہریت میں نے اپنے کردار میں یہ غور کیا تو معلوم ہوا کہ سری بھیکشیاں کا

ب۔ دکر لڑنے کا جو ارادہ ہے، اس پر پانچ بیجا بات اور باقی باطل ہے۔ یہ سب زریں ہے۔ مگر نئے نئے فلسفے آپ کو سنا ہوا۔ جو پست ہے۔

اگر کوئی ایک باغ میں لٹایا۔ دوسرے باغ میں بقیہ جانوروں کو باغ میں لٹایا۔ اور چل کر باغ میں لٹایا۔ یہ شخص ایک انسان کی حرکت تھی۔ نہ نہ متروکہ ہوگا۔

اے ۶۰ ہر بے شک میرا کہ اس حالت میں اس کے ساتھ ملے پیدا۔

عجب میرے سب کچھ اٹھا کر چل دیا تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ یہ تم کا کر رہے ہو۔ کہاں سے بچے ہو، تمہارا دادا کہتا ہے وہ دور

بجے کا ہے کوئی مجھ سے نہ !

سب سوالوں کا جواب یہی ملے گا کہ فی العمل بہار سے حملہ و سب قوتیں یہ ہے ہیں۔ ہمارا پی۔ ایم۔ اے۔ پڑھتے

۲۔ اہل بیت دو۔ اس قسم کے بیہودہ لوگ ہر قوم و ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ آخر کو کیا محض ایک مادہ۔ جس دائیں بائیں

جاء.

لوگوں کے پاس اسے علم تھا، بخیر شافی دے رہے تھے۔ ایک اماراتی: ”بس حضرت فلاح کو دینیئے۔ ایک۔ دوسرے صاحب نے

موتی کے لئے یہ عینا درکار ہے۔ ایک والد اپنے بچہ کی انگوٹھ پر اسے ہاتھ سے نیروی دیا اشارہ کر کے کہنے لگے: دیکھو بیٹی یہ

سرکس کی بائیس کل بھرتی کے دونوں پختے ایک ایک ہوتے ہیں :

لیکن جو میٹا گیا۔ تختہ زین ویر کے ہر میں آبادی سے ۱۱۰۰۰ ہیں۔ اب میری رضا میں اس سے ۵۰۰ سہ پانی باقی تھی۔ یہ ۱۱۰۰۰ کی کمی کھڑی ہے
ایک کلکشن میں چوتھایں کلا۔ ہر مقام اب سب ہلا ہو گیا تھا۔ میری تیار کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ یہ جان پے۔ پل کے اوپر کھڑے ہو کر نہیں سنے۔ دونوں پہلو
تو ایک ایک کر کے اسے بے پرواہی کے ساتھ دیکھا میں پسینہ دینے سے کہانی ہر کچھ میں بڑھا اٹھا ہے ۱۱۰۰۰ پر تہہ کہ وہ اندر ہو گیا۔
رہت پٹھانوں کے گھر کیا۔ وہ بازار کلکتہ ہر مرزا بولے ۱۱۰۰۰ اور آبادی

میں نے کہا : آپ زیبا پر شریف دیکھئے۔ میں آپ مجھے نہاد۔ یہ وہ رنگ کے گھر میں۔ ان کے ہونے جیسے داخل نہ مکتا ہوں
باہر شریف لاسے قوم سے وہ انداز۔ انہی کے حدت میں نہ تھے کیا؟ انہوں نے بانیس کو کیا تو حدت ہی جو کو ۱۱۰۰۰ بہت بڑا پایا تو

ان کے

مرزا صاحب آپ ہی اس افذا سے شوق فرمایا کہجے۔ میں اب اس سے بے نیاز نہ چکا ہوں ؟
گھر پہنچ کر میں نے پھر غم پکھیاں کیا کہ اس کا آپ کا مطالعہ شریعہ لیا جو میں نے اس سے بے چہرہ ہی تھی۔

لاہور کا جغرافیہ

تہمید - نمید کے طور پر مہم اتنا معنی کرنا چاہتا ہوں کہ لاہور دیانت ہونے اب بہت عرصہ گزر چکا ہے۔ اس لیے دفائی و براہین سے اس کے وجود کو ثابت کیے کی ضرورت نہیں۔ یہ کہنے لی بھی اب ضرورت نہیں کہ کتے کو دانی سے بائیں گھسیٹے حتیٰ کہ بند و سنان کا ملک آب کے سامنے آکر ٹھہریے۔ بھر نکلن طولی البلد اور طول عرض البلد کے معام انقطاع پر لا سورا کام کش کیجئے۔ حلال عام کتب یہ قوم ہو دی لاہور کا محض وقوع ہے۔ اس ساری تحقیقات کو مختصر کر جامع الفاظ میں لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ لاہور لاہوری ہے۔ مگر اس پتے سے کہ لاہور نہیں لی سکتا۔ تو آپ کی تعلیم ناقص اور آپ کی دلالت غار ہے۔

محل وقوع - ایک دو غلط فہمیاں بہتہ ضرور رفع کرنا چاہتا ہوں۔ لاہور پنجاب میں واقع ہے۔ لیکن بجواب اب پنجاب نہیں رہا۔ اس ناکی دریائوں کی سرزمین میں اب صرف ساڑھے چار دریا بہتے ہیں۔ اور جو نصف دریا ہے۔ وہ خواب بننے کے قابل بھی نہیں رہا۔ اس کو اصطلاح میں راوی ضعیف کہتے ہیں۔ طے کا پتہ یہ ہے کہ تھر کے قریب دوپٹ بنے ہیں۔ ان کے نیچے ریت میں یہ دریا ٹپک رہا ہے۔ جسے کاشنل حوض سے بند ہے۔ اس لیے اب یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ تھر دریا کے دائیں گنا سے ہر واقع ہے یا بائیں گنا سے یہ۔

لاہور تک پہنچنے کے کئی رستے ہیں۔ لیکن دو ان میں سے بہت مشہور ہیں۔ ایک دینا اور سے آتا ہے اور دوسرا دلی سے۔ دسے ریشا کے حملہ آور پشاور کے رستے اور پٹی کے حملہ آور دلی کے رستے وارد ہوتے ہیں۔ اول ان کو اہل سینت کہلاتے ہیں۔ اور غزنوی اور غوری یہاں سے گزرتے ہیں۔ مٹو خانہ کراہی زبان کہلاتے ہیں۔ یہی نفیس کہتے ہیں۔ اور اس میں یہ طوائف کہتے ہیں۔

حد و دار لیم - کہتے ہیں کسی زمانے میں لاہور کا حد و دار بعد بھی ہوا کرتا تھا۔ لیکن طلبا کی سہولت کے لیے میرنیاہ نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔ اب لاہور کے چاروں طرف بھی لاہوری واقع ہے اور وزیر و وزیر واقع تر ہو رہا ہے۔ لاہری کا اندازہ ہے کہ دس بیس سال کے اندر لاہور ایک سو چارے کا نام ہو گا اس کا دار الخلافہ پنجاب ہو گا۔ یوں گھگھے کہ لاہور ایک جسم ہے جس کے سر سے یہ درم نہاد ہونا ہے۔ لیکن ہر درم نہاد فائدہ سے بھر رہا ہے۔ گویا یہ توسیع ایک عارضہ ہے جو اس کے جسم فلاحی ہے۔

آب و ہوا - لاہور کی آب و ہوا کے متعلق طرح طرح کی روایات مشہور ہیں۔ جو فقیر بنا سب کی سب غلط ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لاہور کے باشندوں نے حال ہی میں یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ لاہور شہر کی طرح میں بھی تھب و ہوا دی جائے۔ یہ نیپلی بڑی بحث و فیصل کے بعد اس تجربہ پر پہنچی کہ اس ترقی کے وہ میں جبکہ دنیا میں کئی ممالک کو ہر بعد مل رہا ہے اور لوگوں میں بیداری کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ اہل لاہور کی یہ خواہش ناممکن نہیں بلکہ ہمدانہ خود و خوشی کی مستحق ہے۔

بلکہ بد قسمتی سے کیمٹی کے پاس ہوا کی قلت تھی۔ اس لیے لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ غذا دھوا۔ کچے میس قندھالی شہر ہوا استعمال نہ کریں۔ بلکہ جاں ملک ہو سکے کفایت شعاری سے کام لیں۔ چنانچہ اب لاہور میں عام ضروریات کے لیے ہوا کی بجائے گود خاص خاص حالت میں دھواں استعمال کیا جاتا ہے۔ کیمٹی نے جا بجا دھوئیں اور گود کے نیشا کرنے کے لیے مرکز کھول دیے ہیں۔ مرکبات صحت تعمیر کیے جاتے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ اس سے نہایت تسلی بخش نتائج برآمد ہوں گے۔

ہورسانی آب کے لیے ایک سکیم عرصے سے کیمٹی کے زیر غور ہے۔ یہ سکیم فحاشی کے وقت سے ہی ایلی میسیت یہ ہے کہ فحاشی کے اپنے ہاتھ کے لیے ہونے اہم مسودات جس وقت جو چکے ہیں۔ اہم جو بانی ہیں۔ یہ مسودات وقت میں آرہی ہے اس لیے ملی ہے تحقیق و تدقیق میں چند ماہ اور لگ جائیں۔ عارضی طور پر پانی کا یہ انتظام کیا گیا ہے کہ کئی اہم ایش کے پانی کو حتیٰ الوسع شہر سے باہر نکلنے نہیں دیتے۔ اس میں کیمٹی کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ قندھالی میں ہر گھنٹے پانی ایک دریا ہو گا جس میں رفتہ رفتہ پھیلیں پیدا ہوں گی۔ اور ہر گھنٹے کے میٹ میں کیمٹی کی ایک انگوٹھی ہوگی جو کے کو قندھالی ہر اسے دھندہ بین کر آئے گا۔

فحاشی کے مسودات سے اس قدر ضرورت ثابت ہوئی ہے۔ کہ پانی پینا پانے کے لیے ضروری ہیں۔ چنانچہ کیمٹی نے روپے خرچ کئے جا بجا نقل کھا دیے ہیں۔ لی الحال ان میں پانیڈروجن اور آکسیجن بھری ہے۔ لیکن ماہرین کی رائے ہے کہ ایک دن یہ گیس ضرور مل کر پانی ہو جائیں گی۔ چنانچہ بعض بعض نلوں میں اب بھی ہندو قلعے اور آواز نکلتے ہیں۔ اہل شہر کو ہدایت کی کہ اپنے اپنے گھر کے نلوں کے نیچے رکھ چھوڑیں تاکہ میں وقت بہت تاخیر کی وجہ سے کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ شہر کے لوگ اس پر مت متا ہے ہیں۔

ذرائع آمد و رفت۔ جو سیاح لاہور قریف لانے کا ارادہ رکھتے ہوں ان کو یہاں کے ذرائع آمد و رفت پر بند ضروری باتیں ذہن نشین کرینی چاہئیں۔ تاکہ وہ یہاں کی سیاحت سے کا حق اثر پذیر ہو سکیں۔ جو سڑک بل کھاتی ہوئی بازاروں میں سے گزرتی ہے۔ تاریکی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ یہ وہی سڑک ہے جسے شیر شاہ سوری نے نابا تھا۔ یہ آثار قدیمہ میں ہوتی ہے۔ اور بے حد احترام کی فضاوں سے دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ اس میں کسی قسم کا روتہ بدل گوارا نہیں کیا جاتا۔ وہ قریب تاریکی کے خدقین میں کی توں موجود ہیں۔ جنھوں نے کئی سلسلوں کے تختے اٹھ دیے تھے۔ آج کل بھی کئی لوگوں کے تختے یہاں اٹھتے۔ عظمت رفتہ کی یاد دہکار انسان کو جہت سکھاتے ہیں۔

بعض لوگ زیادہ جہت پر کرنے کے لیے ان تختوں کے نیچے کہیں کہیں دوایا سپیٹے لگا بیٹھے ہیں۔ اور سامنے دوایا لگا کر ان میں ایک گھوٹا ٹانگہ دیتے ہیں۔ اصطلاح میں اس کو ٹانگہ کہتے ہیں۔ شوقین لوگ اس تختہ پر موسم بابر سندھ بیٹھے ہیں۔ میں سہولت ہو۔ اور بہت زیادہ عزت بگڑی جائے۔

اصل اور خالص گھڑے لاہور میں خوراک کے کام آتے ہیں۔ قصاہوں کی دکانوں پر انہی کا گوشت بکتا ہے اور کھا جاتا ہے۔ تاکہ ان میں ان کی بجائے بنا پیٹ کھوٹے استعمال کیے جاتے ہیں۔ بنا پیٹ کھوٹا شکل و صورت میں دھم دارتا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس گھڑے کی ساخت میں دھم زیادہ اور گھوٹا کم پایا جاتا ہے۔ حرکت کرتے وقت اپنی دھم کو دبا لیتا ہے۔

اس خط فنی سے اپنی رفتار میں ایک خلیہ امتداد یہ لکھتے تھے کہ ہر ایک گھبراہٹ کے گاہکوں کو اپنا نقش آپ فرشتہ کر جائے اور لکھتے تھے: ایک ہفت روزہ جو

قابل دید مقامات - لاہور میں قابل دید مقامات مشکل سے ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لاہور میں ہر وقت کی برو فی دیواریں دہری بنائی جاتی ہیں۔ ایسے ایسے اور چمکنے سے دیوار کھڑی کرتے ہیں۔ اور بعد اس پر اشتہاروں کو پستر کر دیا جاتا ہے۔ ہر روزات میں وہ رفتہ رفتہ جتنا جاتا ہے۔ شروع شروع میں چھوٹے سائز کے سہرا اور غیر معروف اشتہارات چمکائے جاتے ہیں۔ مثلاً آئی ہیرہ شاہ "یا" ایچ او رستہ مال۔ اس کے بعد ان اشتہاروں کی بادی دتی ہے جن کے مخاطب اہل علم اور محض نعم لوگ ہوتے ہیں مثلاً کریکریٹ اور بی ہاؤس یا سٹوڈنٹوں کے لیے نادر موقع، باکسنگ سہنہ کو خلق خدا غائب کیا۔ رفتہ رفتہ کھڑی چار دیواری ایک ٹنگن ڈائرکٹری کی صورت اختیار کر گیتی ہے۔ دروازے کے اوپر بوٹ پائش کا اشتہار ہے۔ دائیں جانب تازہ لٹھن لٹنے کا پتہ مندرج ہے۔ بائیں طرف حافظ کی گریوں کا بیان ہے۔ اس کی ایک کے اوپر انجمن خدام ملت کے جلسے کا رڈ نام چار ہے۔ اس کھڑکی پر کسی مشو لیڈ کے خانگی حالات، وضاحت بیان کیے گئے ہیں۔ جتنی دیوار پر سرکس کے تمام ناقدوں کی فہرست ہے اور اسٹبل کے دروازے پر مس فقہ جان کی تصویر اور ان کے علم کے حاسن لکھ رکھے ہیں۔ یہ اشتہارات بڑی سرعت سے بدلتے رہتے ہیں اور ہر ہفت روزہ اور ہر نئی دریافت یا ایجاد یا انقلاب عظیم کی سہولت چشم، زبان میں ہر ساکن چیز پر لپ دی جاتی ہے۔ اس لیے عمارتوں کی ظاہری صورت ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے۔ اور ان کے پچانے میں خود شہر کے لوگوں کو بہت وقت ہنسی آتی ہے۔

لیکن جب سے لاہور میں دستور رائج ہوا ہے۔ کہ بعض بعض اشتہاری کلمات پختہ سیاسی سے خود دیوار پر نقش کر دیے جاتے ہیں۔ یہ وقت بہت حد تک بے فحاشی ہے۔ ان دائمی اشتہاروں کی بدولت اب یہ حدت نہیں۔ بلکہ کوئی شخص ایسا ایسے کسی دوست کا مکان صرف اس لیے بھولی بھلے کہ پچھلے مرتبہ وہاں پر پائپوں کا اشتہار لگا تھا۔ اور کھٹے وقت وہاں آیا جان لاہور۔ نو تازہ اور سسے جوتوں کا مزدہ سنا جا رہا ہے۔ چنانچہ اب وہ وقت سے گما جا سکتا ہے۔ وہاں ہر وقت علی محمد علی و دہان سائز لکھا ہے۔ وہ انتہار انقلاب کا دفتر ہے۔ جملہ "بکلی پانی کا بڑا ہسپتال لکھا ہے۔ وہاں ڈاکٹر اقبال رہتے ہیں۔" نالغی کی نشانی "ایقار علی صاحب تاج کا مکان ہے۔ لکھتے ہوئی کریم" تالار بار باغ کو اور لکھنوی کا مجرب نسخہ "جہادیر کے منبرے کو جاتا ہے۔

صنعت و حرفت - اشتہاروں کے علاوہ لاہور کی سب سے بڑی صنعت رسالہ بازی اور سب سے بڑی حرفت لکھن ساری ہے۔ ہر سال ہر غیر معمولی خاص بند ہوتا ہے۔ اور عام غیر صرف خاص خاص موقعوں پر شائع کیے جاتے ہیں۔ عام فہر میں صرف ایڈیٹر کی تصویر اور خاص فہروں میں مس سلوچن اور مس کچن کی تصاویر بھی دی جاتی ہیں۔ اس سے ادب کو بہت ذوق نصیب ہوتا ہے۔ اور فن نقبہ ترقی کرتا ہے۔

لاہور کے ہر طبقہ افغان میں ایک انجمن موجود ہے۔ پریزیڈنٹ، اجمنہ، سکرٹری ہیں۔ اس لیے فی الحال صرف دو تین اصحاب ہی یہ ام فرض ادا کر رہے ہیں۔ چونکہ ان انجمنوں کے اغراض و مقاصد مختلف ہیں۔ اس لیے بسا اوقات ایک ہی صدر صبح کسی مذہبی کا فرض کا اشتہار کرتا ہے۔ ہر پر کو کسی سینما کی انجمن میں مس فقہ جان کا تعارف کرتا ہے۔ اور شام کو کسی کو کٹ فیم کے ڈرامے میں شامل ہوتا ہے۔ اس سے ان کا مسلح نظر دینے رہتا ہے۔ تقریر عام طور پر ایسا ہوتی ہے۔ جتنیوں موقعوں پر کام آسکتی ہے۔ چنانچہ ماسین کو بہت سہولت ہوتی ہے۔

پیداوار - لاہور کی سب سے مشہور پیداوار میان کے طبیب جو بہت کمزورت سے پاسے جلتے ہیں۔ اور ہزاروں کی

یہ مضامین بروقت دہلنے کی وجہ سے ترتیب سے پھرنے لگے ہیں۔ اس لیے بہرِ معذرت یہاں درج کیے جاتے ہیں

”غنیہ“ کے دیا چوں پر ایک نظر

نیازمندان لاهور

حال ہی میں تین عالمی صاحب کے مفہوم کا مجموعہ موسومہ برقیہ تسمیہ جدارہ جو کہن سے شائع ہوا ہے کتاب کے شروع میں پانچ باب لکھے ہیں یہ باب دیباچہ کاظمی صاحب کا اپنا کلمہ ہے باقی چار دیباچے پارہ دیگر شاہ روزگار نے لکھے ہیں۔

[illegible]

اگرچہ دیانتہ جی بتے کہ اس سے دو تئیں مرتب کی شان سخن و ادبی میں کوئی، مفاد و مناسبتیں چھوڑ کر ہی دیکھا جاتا ہے البتہ ثبوت الہی کے، اس ہم اصول پر روشنی و مدد پڑتی ہے کہ وہ سخن مختص، شدہ حسیب و سیرت متفقہ باشد۔ یہ شروع شروع میں شیخ سدا کی ازہم نے سنا ہے کہ ہم ہر حال نامہ بنی وقایع کے کثیر استعداد و ذکر کے چند فراموش فرزدی اور دنیا پر فریستہ است ہر حال اچانکہ مباحثہ کے بعض برگزیدہ بندوں میں سے ہیں وہ نہ حریت اس شرم و حیثیت شیخ سدا کی کہہ گئے ہیں ہم بیٹے انادامیں زیادہ قیقت زیادہ زور و زیادہ وضاحت کے ساتھ جان کئے والے ہیں

پہلا دریا پر تنگین کاغذی صاحب نے تعمیر خود کھسے لیکن اسے دیا پر نہیں گیا ۔ سسر آواز : کاتب عطا فرما ہے ۔ روسہ دیا پچکا مام ۔ اعلام : تیرے کو نامہ شتر چوتھے فام نام تعارف : دو پا پچوس کا نام : تقریب ہے ۔ (سارا ذاتی خیال یہ ہے کہ پچا تیر پر نہ کھولنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے اس طرح (موقوف نام نہ مل سکا ہوگا) یہ ثبات ، اطلاع کاتب میں جا بجا پائی جاتی ہے ۔ فہرست معین کو نہ جوت نکھا کیسے کتاب کا تفسیری عنوان " محمود کار شتر " وہی ہے ۔ انھوں میں نہیں آتا کہ حدیث کے پیشے یوں ہی (تو دھ کے پرانا تھا تو سننے کی جیسے : چہ و قرطاس : اور : غلے کے پتے : کی بجائے : سبیل : باکے : معلی : اور : حدیث کی جیسے : " خدا " : یہ : انھوں : نہ لکھ دیا : اگر محض القاف کی دہشت ناک کی سے مرعوب کرنا مقصود ہو تو پھر تاہوس کے بعد کسی اور کتاب کے لکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے ۔ انہی ارکان عنوانات میں یہ خوبی ہے کہ ہر ایک کے احاد سے کتب کی تاریخ منطقی ہے

توسیدی ہے۔

اس توہم شکن صاحب کے سروکار ۷۲۰ کر رہے تھے۔ چارویچوں میں اپنی تعریف کو دینے کے بعد کچھ تکین صاحب کی تسکین نعت دہنی تو نہیں نے خود غم اٹھایا شروع میں تو کچھ دیکر بندہ خائفہ کشتن کر رہا ہوں۔ لیکن اللہ کا مہ لینے کے بعد سنا اٹھا اور تین سونوں تک انا حق ہی سمجھنے چلے گئے۔ جاہاندار کن ۷۲۰ سال کا تھا دیکھا ہے ناگنا ناگنا کے سرخ کو کوئی وقت میں نہ سنے ۱۱۶۷ء میں میں نے یہ کبہ ۱۱۶۹ء میں میں نے یہ کیا۔ ۱۰۱۹ء میں میں نے معرفت قریہ اور رہا پر ۱۲۰۱ء اولی اللہ۔ دیان رسا کی نے معافین کے لئے دوسرے توہم کے نام میں ہم کر دیا۔ کے ملی کر فرماتے ہیں۔

”جن معافین کی زبان پر اکابر احباب کو اعتراف ہو گا کہ کچھ کچھ جرم میں نے مرتکب کی زبان
 اہل کمالہ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر ضرورتاً ان معافین میں زیادہ کوشش کی گئی ہے۔ جو
 میرا دباؤ کے سائل میں طبع ہوئے ہیں جن معافین میں حیدر آباد کی تمدن و معاشرت کا نقشہ
 کھینچنے کی کوشش کی گئی ہے۔“

یہ دیکر کوشش کے منشا پر ہم نے غصہ اس لئے کھینچ دیا ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ تکین صاحب کے کتنی دفعہ اور کس قوس صہنی سو
 کوشش کی ہے ساری جیل غالباً اسی کو سمجھتے ہیں۔ اگر تکین صاحب اسی طرح کی شخصیتی اردو کے ہر معر میں توہم کو بھی مشورہ دیں گے کہ۔ تراکت دکن
 تو کھینچ لیں۔ لیکن جس صاحب کی امانیت اس مذمت پہنچ چکی ہے کہ وہ اس طرح کی گل افشانی کے بعد بھی فراموش ہے۔
 ”میری اردو کی زبان اللہ ہے“ اور میں نے اردو کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔“

نصرت یہ بولتے تھے ہیں۔

”میں چاہتا تھا کہ غلطیوں کے عادات استعمال کر سکتا تھا۔“

اس تحریر میں اور اس قادر الکلامی کے باوجود نصرت ایک فقرے میں تقی کوشش بلکہ لادشیں کرنے کی نصرت پر آخریوں میں پڑی ہے؛

تکین صاحب نے اپنی کتاب میں کئی الفاظ استعمال کئے ہیں ان کے متعلق دیا ہے میں فرماتے ہیں،
 ”بعض احباب کا خیال تھا کہ آخر میں ایک ذہن کا ٹی جیسے گریں اس جلد کو کاٹنا

ہوں جنہیں نصرت ہوگی وہ کسی حیدر آبادی ہے پھر پھر میں گئے یا مجھ سے دیانت کر لیں گے۔“

اللہ شہد کہ آپ کو بھی خوش خاتی کا خیال آیا کیوں حضرت ایک کتاب کے چار چار دیا ہے بد خاتی نہیں؛ ہر دو باچے میں اپنی تعریف بلکہ بعض
 اوقات اپنی ڈاکڑی تک چھپو ادیانہ خاتی نہیں؛ ہر لٹ میں بار بار اپنی طوط اشاہ کو تادم ذاتی نہیں؛ لیکن جو الفاظ کسی نصرت میں دپائے جیسے ہوں
 ان کے صفی بنا دینا بدلتا ہے۔ کیا آپ کو کوئی ایسا دوست نہ ملا جو یہ کام بھی کر دیتا جہاں اتنے گونا گوں دہمقوں معافین کا نام لکھتے تھے دلاں و کمات کا ایک
 اہل معافین بھی برصا میتہ باقی رہی آپ کی خوش خاتی سوا اس کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو۔ اپنے کاتب کے متبرق فرماتے ہیں کہ دروز لوہیں ہیں مگر،

”عدہ جملہ ان میں اور سب سے تباہی پر نہ نہایت کم سوا میں جنہوں نے اپنے کی غلطیوں

کے عادات جملے کے جملے چھوڑ دیئے۔“

دل کی بکواس بھی نکالی تہا ہے چارے کاتب پر جسے عالم ہونے کا دھڑے دھڑے کے دھڑے یہ تو بتائیے کریہ راستے

کی نصیحتوں۔ جو آپ نے لکھا ہے کہ اب سب نے ملاکات کی یا آپ نے دینی لکھنے کے اصول کے مطابق لکھا: ملاکات صاحب کی کم سادگی کو آپ کیل
کہاں پیش کرتے پھر یہ لکے۔ کیا اولیٰ کے ترجمے میں "ایجنٹ" کو ہر جگہ "ایجنٹ" لکھنا بھی بڑی سہولت ہے؟ کم سادگی کو ایسی دقت میں
کمر بستہ لکھوں یا میں پانی جاتی ہوں۔

مولانا نیاز حق پوری کے "اعلام" سے متعلق ہم جہاں ہیں رکھا کیسے اور کیا کسی اہدقت کے لئے لکھا کیسے۔ تین مختلف سطحوں کے ائمہ انہوں
نے اپنی کم علمی پر نشان خیالی اور غلط نگاہ کی کئی مثالیں جمع کر دی ہیں کہ اس سے جبراً سمجھنے کی مثال اور میں مشکل سے مٹی ہے۔ دیکھئے ۲۲ فار
پیل ہوتا ہے۔

"فقرتہم" نہ تین کاظمی کے ان معانی کا مجموعہ ہے جو نکالات کے سلسلے میں انہوں نے
لکھے ہیں۔ چونکہ طریقات اور مزاحیات دونوں نکالات میں شامل کرتا ہوں اس لئے میرا مقصد
یہ ہے کہ دونوں کے معانی اس جہت میں لکھا آئے ہیں۔

نیاز صاحب خود ہی تائیں کہ ان معانی کا مجموعہ ہے جو نکالات کے سلسلے میں انہوں نے لکھے ہیں۔ مگر بھڑا فقہ ہے۔ سلسلے ۲۲
جس طرح سے انہوں نے استعمال کیا ہے انتہا ہے نہ ہر مایا کی دلیل ہے۔ ہم اصلاح کے ذریعہ نہیں لیکن ہر جگہ بغیر ہمیں دے سکے کہ چہ نقض
کو یوں لکھا جائے گا

"فقرتہم" نہ تین کاظمی کے نکاتی معانی کا مجموعہ ہے۔

اور یہ جو طریقات اور مزاحیات میں شامل لکھے ہیں بڑے بڑے جو ادب سے ہم حیوانات کے سرچڑے کی انہیں فرماتی ہے۔ اس پر میں ایک کہانی
یاد آئی، علم ریاضی کے ایک پروفیسر اپنی پامپر ناراض ہوئے۔ دل لکھتے تھے کہ ہمارا ہیکل جو کچھ بھی گائی میس کی حالت نہ تھی اس لئے انہیں ناامنی کے
لئے غمزدن الفاظ کا نام لیں، مگر ناٹاشا بھی لازم تھا چنانچہ بھنا کر کہے۔ "تم بڑی شلت متادی الاضلع ہو"۔ مسیحا ہی دیکھ کر رہ گئی۔
یہ حال نیاز صاحب کے اس فقرے کا ہے۔ جب انہوں نے نہایت زہنے سے کہہ دیا کہ میں الف ہے کہ جو میں شامل کرتا ہوں تو
کسی کی اب کیا حال کہ کچھ بڑے۔ نیاز صاحب نے اپنے داغ پر آج بھی نہ کہنے دی، وہ یہاں بھی داخل کا روک بھی پڑی خود ہی اصطلاحات گزریں۔ اس کے منہ پر
کو بھی پتہ نہیں کہ اندہ ہی پہنچے دیا اور جس میں جس کو ہی جام شامل کرتے ہے۔ اگلا فقرہ ملاحظہ ہو۔

۱۰۔ اکت پورپ کا کوئی شعر علم ایہ نہیں جس میں یہ مخصوص طرزِ تحریر (یعنی ہیرو) مقبول

ذہن، خصوصیت کے ساتھ تنقید، کہ اس کی تحلیل ہی نہیں ہو سکتی جب تک اس میں مخالفت کا گہرا

رنگ شامل نہ ہو۔

دیکھیں حضرت یہ ایسا کاد کوئی ایسا دل کے سلسلے میں کہ گئے؟ اگر علم کے مفاد استعمال نہ کیا صاحب نے فقہ نہیں کیا تو فقہ فلسفہ، ریاضی، علم حیات
علم نباتات، کیا خبرانیہ، طبیعیات، کبھی چیزیں شامل ہیں مضافاً نیاز صاحب کو ان علوم کی کوئی ایسی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں جو طریفوں اور
چٹکوں سے بھری پڑی ہیں؟ باقی رہی تنقید، نیاز صاحب کا ارشاد ہے کہ مخالفت کے بغیر اس کی تحلیل ہی ممکن ہے گویا اگر ایک بھی قابل قدر نقد ہم انہیں
ایسا بتا دیں جو طرائق سے علمی ہو تو ان کا یہ دعوے پرچ نہایت ہو جائے گا۔ چنانچہ نیاز صاحب کا فقرہ "اس وقت سے شروع ہوتا ہے اس لئے ہم صرف
دہرہ جہاز اور اختصار کی غرض سے صرف انگریزی کے نقادوں کو پیش نظر رکھیں گے ان میں سے لی آپس میں، اور حیات و ادب کے تین مختلف، لاطین

وہ پہنچ کر ڈاکٹر منٹ اور ہر کہ تعریف خاص ہر پرستہ مال بانی ہیں۔ اگر نیاز صاحب ان ہاں سے آتا ہیں تو وہ فراہمی کران میں سے کن مزاحیہ نگار سے بہ نسبت اپنی تعدادوں کی محنت مین نیاز صاحب کی مراد شاید سوشل تعدادوں سے ہے۔ ایک ہی دینے موجودہ سوسائٹی کی تنقید میں یہ سب کثرت میں کہ ملی ہیں۔ سلسلہ سے چند کو چھڑ کر باقی کسی میں طرافت لاکھ اکبا کا سارنگ بھی نہیں پایا ہوتا۔ دل و رشتہ مند جو دنیا کے عظیم رفقا سفروں میں سے ہے۔ اور جس نے موجودہ سوسائٹی پر کئی پہلوؤں سے سخت چینی کی ہے۔ مجھ سے بھی کئی مزاحیات میں قدم نہیں رکھتا۔ نیاز صاحب نے اپنی بڑی بات مز سے نکال دی اور یوں کہہ کر شہر عظم اور حقیقت کی تکلیف برداشت میں اپنی لنگ ہٹا دی تو وہ کن جہل کو، پناہ طلب بنا رہے تھے؟ ایسی باتیں تو دوستوں کی محبت میں کر لینی چاہیں۔ ان کو سپر وکلیم کہہ سکتے تھے۔ ہندوستان میں ان کی نشوونما مت کرنا ہاں کے چھتے میں ہاتھ والا لکھے۔

یہ نیاز صاحب کے مطالعے کا اصل تھا۔ اب ان کی آتش برعادی کا مکمل ملاحظہ ہو سکتے ہیں۔

”جب تکین کاغذی نے حال ہی میں اس رنگ کا قیادہ کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انکشاف بھی

حاجے رکھ اس صنف ادب (یعنی خرافات نگاری) پر بھی نکلنے کی توجہ تھی۔“

یہ آپ نے خوب لکھا۔ یاد رہے کہی کہ تکین صاحب بہرے نکلے ہیں جتنی فقرے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تکین صاحب ہر پر نکلنے میں دینی ہیومر پر تنقید و تبصرہ کتے ہیں۔ مقررہ بہر حال ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نیاز صاحب کے افکار میں کم سے کم غیر سوشل کر کے اصلاح دی جانے لگی ہوئی ہے۔

”اس صنف ادب کی بھی نکلنے کا جیت سکتے ہیں۔“

نہ کہ وہ۔ اس صنف ادب پر بھی نکلنے کی توجہ رکھتے ہیں۔ اس صنف ادب پر ”نکلنے کا جیت تو خالص نیاز صاحب کو ہی عطا فرمائی ہے چاہے دلتے ہیں۔“

”نکاحی مضامین کی سب سے بڑی خرابی محاللات اور تجزیہ جنابات کہلاتی ہے۔ سوانہ نون

کی اچھی اچھی مثالیں اس مجموعہ میں نظر آتی ہیں۔“

دوسرے نقشے میں ”روز“ کا الفا استعمال کتے ہیں اور پہلے فقرے میں ”اصلاحیہ“ سے بحث عقل و حریت کران پر لیا جیبت۔ نیاز صاحب کا قول ہے کہ ”جو کارور سے یہ مصلحات کہہ اسے سے کاروں میں پڑے جی ان کے خلاف اگر کوئی آواز کان میں آجاتی ہے تو تھوڑی دیر کے لئے سہاوت مشورہ ہوجاتا ہے۔ ہم نیاز صاحب کی خدمت میں درخواست کتے ہیں کہ وہ اپنی شیر خاوی کے ذمہ لکھوا کر لیں۔ پھر اس نذرے کو پڑھیں اور پھر یہی باتیں کہ ان کی سہاوت کو تشوین محسوس ہوتی ہے۔ ہر طرح سے غیرت معلوم ہوتی ہے، کیا یہاں غریب کی بھانے، غریبان اور ہے۔ کی بھانے ہیں۔“

”یہنا چاہئے؟“

لیکن اس بات کو جانے دیجئے۔ یہ زبان کا مسئلہ ہے۔ اس میں اُن اہل ذہن ہی کو اس میں نکلنے دیجئے جو صبح و شام اپنی زبان دانی کا دھول بھکتے تھے ہیں۔ فقرے کے مفہوم پر غور کیجئے۔ نیاز صاحب جنابات کا ایک مسئلہ بیان کتے ہیں، ادھال یہ ہے کہ مزید سچے کچے بیان کتے ہیں۔ کس بھول پن سے فرماتے ہیں کہ نکاحی مضامین کی بڑی خرابی محاللات اور تجزیہ کہلاتی ہے۔ ”وہ کہلاتی ہے“ کی بھی ایک ہی کہی یہ نہ بتایا کہ کون کہلتا ہے۔ پس کہہ دیا کہ کہلاتی ہے خود بھی ذمہ داری سے سکندش ہوگئے۔ اس زمانہ سے اثر بھی پیدا کر لیا کہ گویا ہم نے بڑے بڑے اہل الاس کے خیالات کا پکاڑو میں کر دیا ہے۔ اب ہم تم ان پڑھ لوگوں کے سامنے کس کس فلاسفر کا نام میں جہاں سے اتنا لاتی ہے کہ کہلاتی ہے (انہوں نے نیاز صاحب نے یہ نہ بتایا کہ نکاحی مضامین کی بڑی بڑی خوبیوں کی تفصیل انہوں نے کیے کرلی؟ نہ انہوں نے کوئی مثال پیش کی ہے نہ دلیل اہلیت اس حد تک

ہے کہ جگہ چلتے چلتے فنِ تنقید کی شاہراہ پر ایک تنگ سیل ہی آفتاب کھلے ہیں۔ اس لیے بروہانت کی تردید کی کسی طرح نہ ہے؛ البتہ اگر نیک صاحب
کبھی اس موضوع پر کوئی طیرہ مضمون لکھیں، اور اس میں اس دعوے کو بیجا ثابت کرسکیں تو ان شاء اللہ بیشہ و فرقت اس صاحبِ مدد کا
جلوسہ گاتاقام ان سے کھینچ دیتے ہیں کہ وہ اس قسم کا مضمون لکھنے سے پیشہ بسوں کی کتاب بروہانت پر خندہ یا میرٹھ کا حقوق مزید کسی سے بڑھ
سے کہ ان سے بہتر اس موضوع پر کم لوگوں نے لکھا ہے میرت سے کیا صاحب۔ یہ سب کے مضمون ہم کو بہتے ہوئے ہیں ان کتابوں سے ابھی تک
واقف نہیں۔ یہ کہنے میں نے عرض کر دیا کہ اگر انہوں نے ر. در. حقوق کا مطالعہ کیا جتنا ذمہ از کم ایسی سبکی پہلی باتیں نہ ہوتے۔ ہم ادب ہم جیسے کئی
اشقی ابھی حاسن کی بتائی جانہوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ تیار صاحب کا کتاب شہرت خف، اسناد پر تھیں، لیکن اس کو کس کس نہشتی کے نکلے میں
انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہے کہ ہم جن موضوع پر وہ تمنا لکھتے ہیں، ان کا بارہ استاد اللہ، ازاد و وسیع ہونا چاہیے۔ ان کے شوق ان پر داری
کے ساتھ ساتھ ان کا علم کی وسیع بہار بھی کھلا کر دے، اپنے سرت کی خونخواری کو اپنے فارغ علم تک ہی محدود رکھتے تو بہت بہتر ہوتا۔

تاثر مونا حسن، راجہ دی کے درویش کا تیرہ ہے۔ اس دیوانے میں مرثیہ ایک ہی خوبی ہے وہ یہ کہ مختصر ہے۔ ش. ۱۱ میں ممد و اصوات
کے ایک مہمات ہی سہی اور پیش پا قدمہ کے کردار کو جو بدلے دوسری بھی بن جاتے ہیں، اپنے معراج کے ساتھ لکھی گئی ہیں پھر لکھا کہ اس ایک دو تین چار
مزدے کر بیان کیا ہے اور سیدھی، دومی بات کو وہ اچھی لکھے کہ اشعار کی کوشش کے لئے حسن، اربہ دی مملووت بنایا ہے، ابھاس سکتے ہیں جو تیر
افد کیلئے وہ ہم انہیں کے الفاظ میں دہرائے دینے ہیں (۲۰) میں ت درخواست ہے کہ مندرجہ ذیل فقرے کو (زور سے پڑھیں)

”فرخ یہ ہے کہ ہر زبان اپنے مراتب تربیت میں مختلف فوٹیں رکھتی ہے اور اس کی تبدیلی کا نکتہ

عام تعلیم و تاملت، سیاسی یکجہ، ہندی مواعظ، اور دوزخ و بات چیت میں ایک دور سے

جہاں نظر آتی ہے۔ ان سب دولت کے بعد تیر پر توخواری کی قنات و ظرافت، ایک رعیت خاص

کا ہر کئی ہے جو ہر زبان میں تغیر طبع کے لئے مزید اور جزو و لا یتکسر می۔“

حسن صاحب علی گڑھ میں پروفیسر ادبیات میں، علی گڑھ میں نکتہ رس، قنات، زمین اور زبان دان معارف کی کمی نہیں۔ نہ سکتے ان میں سے کوئی صاحب
اس کا کافی زبان کا اردو میں ترجمہ کر کے ہیں اس کا مطلب سمجھا دیں۔ ان دونوں میں مرثیہ اور نحو کی کئی تعلیمات ہیں، کئی افاقہ کا، استقامت منوی، عبارات
نظم ہے لیکن اس کرگٹھ ان سے کیا فائدہ؟ تمکین صاحب حمزہ فرانسس کہ کیا وہ اس فقرے کا مفہوم سمجھتے ہیں، نہ کہ لکھتے ہیں تو کیا انہوں نے خود کی
کچھ لکھا تھا یا کسی جو کئی سے اس کے معنی پوچھے ہیں۔ کیا سلاست، شگفتگی اور مدانی کی کاہم سے بہت نہیں ہے کہ ادبیات کے پروفیسر ایسی زبان
لکھتے ہوں ہر حال حسن صاحب کی پروفیسریت کے سامنے ہر فرقہ اس زور سے رانے اس کے آجے کہ صاحب تربیت کہ باہر نکل جائے اور لفظوں
میں لگے پڑ جاتے ہیں۔ اسی آغاز کے ایک دوسرے نکتہ کہ پروفیسر صاحب نے دیباچے کا فائدہ ایک شعر پر لکھا ہے۔

ہے منظر تبسمہ تمسکین کا بھی

ایا غار صبی میں منت و ہدی

حسن صاحب پروفیسر ادبیات کے دیباچے میں مرثیہ ایک ہی خوبی ہے کہ فقرے اسی طرح حسن صاحب تکیہ حضرت داغ کے شعر میں مرثیہ
ایک ہی خوبی ہے کہ قطع سے نہیں کرتا وہ نہ کیا دیباچہ اور کیا شعر، کثر دامن، دل کی کشد کہ جانا نجات۔ حسن صاحب سے ہم ادب لکھا کہیں، مرثیہ
انہوں میں کرتے ہیں کہ اگر لادھی کا لفظ آنا ایسا ہی لادھی تھا تو لادھی تو لکھ لیا جوتا کہ اس ہے شعر کی حیثیت میں کوئی فرق نہ آتا۔

[illegible]

۴۴ روزی صاحب لایہ پوچھی سی بددلی کا آئینہ ہے جس کا انہماک انہوں نے اپنی لامردانی تقریر میں کیا تھا یا نہ صاحب کی طرف اشارہ ہی صاحب نے بھی خواہات نکار کی پرا نکار کا لہر کا اعہ کیا ہے۔ (مرستہ ہے۔)

خلیت قرہ جو پانچھ دسے کو اس موقع پر سہارے جہاں بیٹھنے کے لئے اس لادول نہ چا تھا مگر
 اعدا خلیت وہ جو عدسے سما ہنسی پیدا کرنے والی تحریر لکھتا چلا جائے اعدیہ نہ کیجے کہ میں خلیت
 تحریر لکھ رہا ہوں۔

[illegible]

افلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس فقرہ کو درج ذیل فقرہ سمجھ کر ایک قہر کا من یکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے اطلاق کی بہت بڑی آزمائش ہے
ظاہر موزنی صاحب بہت کچھ کو افسانہ پر داندی کا سب سے بڑا کمال سمجھتے ہیں چنانچہ اسی نے اپنے ادر حکیم صاحب اور سالک صاحب
کے حارج میں فرماتے ہیں۔

• ہم قمری تین لاکھ کی مضمون نگاری کے قائل ہوئے تو اسی لئے کہ انہیں جب دیکھی
کبھی نہ رہے ہیں اور پھر رہے ہیں۔

عزیز صاحب نے خود بھی رت سے یہی شیوہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ بھی اللہ چھوڑے میں اس سے حضرت مہیار الملک کی نظر، نقاب بہت مجروح ہو گئی ہے جب معنوں نگاری کا سراج بھی غرق کر لیا جائے کہ انسان رشتہ دہن میں معنوں کے ڈالے تو ذہن پر اور کسے کسے لگے اور ادھر کی لگے ربط باتیں کرنا مزہ ہی ہوتا ہے۔

رہنوی صاحب نے اس دیکھنے میں کوئی جگہ جذباتی کا شائبہ دیکھے لیکن جو نکلا انہیں لے دیا اور فریادانہ رنگ میں گھنے کی کوشش کی

ہے اس لئے ہم ایسی باتوں کو مان کر کہ ان سے روگردانہ نہ ہوں۔ انتہائی عجز و ذلت ایسی ہے کہ غفلت بھی اسے پہنے داس میں پناہ نہیں دے سکتا۔ انہوں نے سہا صاحب کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہے مددِ تہ قابلِ تفری ہے۔ کسی شخص کے جسمانی نقصان کی کسی اور ناگوار بھی ایک کلمہ کے سطر پر کسی منصب جگہ میں جا کر نہیں رہی بات ہے تو کہ آپ اندھوں اور کالوں اور لوگوں اور مسکروں کی بھی ہنسی، ٹرائس گئے اندھی غفلت نگاہی پر تفری گئے۔ یہ غفلت جہلا کی غفلت ہے۔ تفری کے لئے ہر بے شمار باتیں جسے اندھ نظر کرے وہ موجود ہیں، ان پر ہر چیز کی کچھ، فاضل الملیات کو حکم از حکم اعلیٰات سے واقف ہونا چاہئے۔

چونکہ یہ دیباچہ رموزی صاحب نے غفلت آمیز رنگ میں لکھا ہے اس لئے تکنیک صاحب کو خیال ہوا کہ ہم جہانوں کی کچھ دہ جائیں، جہاں جہاں رموزی صاحب نے کوئی مذاق کی بات کی وہیں آپ بھی نیچے ایک نوٹ دے کر دنیا کو یاد دلانے چلے گئے کہ اس ہنسی مذاق میں کہیں نہیں نہ بھول جائیے۔ مگر صاحب غفلت نگاہی، لیکن کتاب تو بہ حال ہمارے ہے۔ اور مذکور نے کہا:۔ میں اس سے کوئی بحث نہیں کرتا تکنیک صاحب نے اصرار یہاں نوازی کی صاحت ہے یا نہیں؟ آپ نے اس پر نوٹ چڑھایا کہ:۔ تقاضا صاحت نہیں دے مگر وہ آپ کو حیدر آباد دلاتا:۔ (سفر بیخ نوٹ لکھئے۔ اہم اہم) مگر صاحب نے کہا:۔ آپ شیر دانی کیوں پہنتے ہیں اور نوٹ سے کیوں نفرت ہے؟ آپ نے اور اصلی قلم سے جواب دیا کہ:۔ بنی کسی کو تپوں بھی سننا ہوں (اہم اہم) مگر صاحب نے کہا:۔ ان معنائیں کو حاصل کر کے دفتر کی آگ سے محفوظ ہو جیے۔ آپ نے نوٹ ایذا دیا کہ:۔ مسلمانوں کو حاصل کر دو (اہم اہم) مگر صاحب نے کہا:۔ اللہ انہیں منصب دار بن دے:۔ آپ نے بحث تصحیح کی کہ:۔ آپ کی دھڑ سے منصب تو سہلاب بھی ہے۔ وغیرہ احوال لوگ فوراً ترغیب ہو گئے۔ (سہا اللہ نیا ادبی پچھڑاں میں)۔

تقریب کے لکھنے والے مولوی عبدالغفور صاحب سیدی بھی تکنیک صاحب اور علامہ رموزی کی طرح جاگم ادبی میرا۔ اے۔ امیں دلتہ میں۔ ان میں صاحت انانیت باقی دیا مگر نویسوں کے مقابلے میں کم ہے لیکن کیا تیرا دعا کے علم میں یہ بھی ویسے کی جہاں جنگ میں۔ زہر قلم خود نمائی کی بہ نسبت دست نوازی میں زیادہ مروت کیا ہے تاہم ایک تکنیک صاحب کی غفلت:۔ ات کرے کے لئے دو کڑیوں کو ہر رٹ میں، مکتوب اور غلط، ہمارا ان رنگین رنگین ادایر سن کے قوال نقل کر کے ان مشاہیر کو مفت میں، سو کیا اللہ اپنے دست کربا ہت نیک نیتی کے ساتھ مغلطہ ایجنر بنا دیا، اعتبارات کے نقل کرنے میں سیدی صاحب کو خاص مہ حاصل ہے۔ فیض آرنڈ کا قول نقل کیا تو وہ لکھا (اللہ اس کے سنی بھی غلا سکے) اور رنگین کا قول نقل کیا تو وہ لکھا۔

جن ادبوی صاحب کی طرح سیدی صاحب کا مذاق شعری قابلِ ذکر ہے۔ غائب کا ایک مصرع نقل کیا کہ:۔ ہر اہلوس نے نصن پرستی شاعری کی:۔ تو نصن پرستی کو:۔ عشق پرستی بنا دیا، اس کے علاوہ تین شعروں کو ذہنیت کام بنایا ہے پہلا شعر یہ ہے۔

بڑا شائیں کیا کہتا تھی اس کو کہتے ہیں

ترشکھ تو پھر تھے جو ترشے تو خدا ٹھہرے

دوسرا مصرعہ تو غیر کچھ گندہ کے قابل ہے لیکن پہلے مصرعے میں جیسے پہلوں سے بھرتی کی گئی ہے دوسرا شعر غلط ہو۔

لہذا ایک طرح پر بھی نہیں رہتا

اسی کو اہل جہاں انقلاب کہتے ہیں

اگر سیدی صاحب کو کسی پائے کے اشعار یاد تھے اور دہرائے کا شوق ہے تو چند جہزلی شعری نوٹ میں کسی اور دیباچے میں لکھ گئے۔

ابھی سید کے بل ادا بھی سیاہ جوئے
اسی کو لوگ مروتاً خضاب کہتے ہیں !

تیسرا شہرت اچھا ہے احساس کے اچھا ہونے کی وجہ سے سیدی صاحب کچھ ایسے تذبذب میں پڑ گئے کہ انہوں نے اس کے نیچے جھٹھ تو سین میں اقبال کا نام لکھ دیا تاکہ پڑھنے والے سیدی صاحب کو اس سے بری انداز نہ سمجھیں۔

اس دیباچے کے پہلے شعر میں تینیں صاحب کے فادائی حالات بالاحسان بیان کئے گئے ہیں۔ ہم حکیم صاحب کے دروگوں کو صاحب کا بل احترام سمجھتے ہیں۔ ادا ان کی شان میں گزرتی کا ایک نفا بھی منہ سے زمان پرستہ سے کی شہادت۔ لیکن انہی کے احترام کی وجہ سے یہ کتنا مزہ کی گئے ہیں کہ اگر یہ حضرت صفت کر دیا جاتا تو سیر نہ تھا۔ آخر ادا کے گناہوں کی سزا آباد جہاد کیوں بھٹکتی ہے پھر اچھی بات بھی بے عمل کی جائے آری سلام ہوئی ہے حکیم صاحب آخر کہاں کے منہ سے بڑے معصفت ہیں انسان کی تحریات ایسی بھی کی گئیاں انگریز ہیں کہ پڑھنے والے ان کے فادائی حالت بالاحسان معلوم کرنے کے لئے بغیر دہو جائیں۔

دوسرے شعر میں سیدی صاحب نے ادا کے مزاحیہ نکال دلوں پر فرزاؤں وغیرہ کی ہے یا تنقید کرنے کی کوشش دوائی ہے سیدی صاحب کے پاس خیالات کی قیمت ہے اسی لئے بے پارہ کسی کی تعریف کرتے وقت بے دست دیا جھوٹے ہیں۔ تنقید کے تین چار نمونے غلط ہیں۔
(۱) اس فن کو ادا میں مستقل طور پر سب سے پہلے ششی سجاد حیدر نے اختیار کیا ادا حیدر سے ملے تھے۔

(۲) پورس نے لائٹ بیور لکھا ادا غیب لکھا۔

(۳) فرحت اللہ بیگ نے بھی لائٹ بیور لکھا شروع کیا ادا غیب لکھا۔

(۴) امتیاد علی تاج صاحب نے بھی "چاٹیکین" کا سلسلہ شروع کیا ادا غیب لکھنے لگے۔

اس کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ ادا کیا کہیں کہ حضرت آپ نے کبھی تنقید کا سلسلہ شروع کیا ادا غیب لکھا لیکن بلا جواس کم مائی کے دیا شاید اسی کم مائی کی وجہ سے معمولی سی بات کو بھی علانہ انداز میں بیان فرماتے ہیں مثلاً

"اردا ادبیات کا مطالعہ گہری نظر سے کیجئے کہ معلوم ہو گا کہ اس فن کو اردو میں مستقل طور پر پہلے ششی سجاد حیدر نے اختیار کیا۔"

اتنی دناسی بات کے معلوم کرنے کے لئے میں نے ہندوستان کا ہر بڑا حال لکھا کچھ واقعہ ہے۔ اردو ادبیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا "کوہ کنڈن و کاہ بکوند" کے مصداق ہے۔ پیشل سیدی صاحب ہی کو سبک ہو گیا ایک ادا جگر حق دوستی یوں ادا کیا ہے۔

"بہر حال میں خوش ہوں کہ آج ۵۵ چیزیں گذر گئیں جو ہر حیثیت سے کمال ہے۔"

ذکر حکیم صاحب کے مجھ کو مضامین کا ہے لیکن فقرہ وہ استعمال کیلئے جو اکثر غیر بھی اپنے صحیفوں کے متعلق استعمال کرتے ہوئے متاثر ہیں سیدی صاحب شاید لائل کے معنی نہیں جانتے انہوں نے اسے بھی "غیب" ادا عہدہ کی قسم کا ایک معمولی نفا سمجھ لیا ہے۔ آخر میں سیدی صاحب نے حکیم صاحب کے ساتھ صداقت پسند رکھنے والوں کے خلاف جن کی تعداد بڑوں ان کے بہت کافی ہو گئی ہے۔ بہت کچھ ادا لکھا ہے جو حکیم صاحب کے سامنے نام گیسے وقت نہیں نہ جاری ہوئے ہیں آج تک کوئی حکیم صاحب کے ساتھ ادا حیدر نہیں لکھے۔ انہوں نے اس لئے ہیں سیدی صاحب کے بعد ادا فرزداد میں بجز چھوٹے پن ادا سے ہضم کے ادا کچھ نظر نہیں آتا اگر ہیں سیدی صاحب سے پھر اپنا اتنا کہ ہے جو لوگ حکیم صاحب سے رشک

کہتے ہیں ان کی راقی حالت راقی تاج بنسوس ہے۔

فالتے پر کم نہایت واضح طور پر تاجین کے ذہن نشین لانا چاہتے ہیں کہ ہیں۔ ان یا پنج حضرات سے معاذ اللہ کوئی ذاتی عقار نہ رہا۔ غلو کیا معنی ہیں تو انسوس ہے کہ میں ملاقات تک لا شرف حاصل نہیں۔ لیکن جب یہ پاچوں سماں ایک ساتھ میدان آج ہیں اتنے میں ادا و جوی پی رنگ غرور و طعناؤں اور پچھ دوسوہ ساز و سامان کے معنی میں غرور کے ساتھ تاج اب اہ ذائقہ سلیم کو دعوت عبادت دیتے ہیں تو مرقع و باغ کا لڑن ہے کہ اس دعوت کا چا دے۔ ہماری اپنی رائے ان یا پنج اشرافہ زوں کی تعینات کے متعلق یہ ہے کہ بڑا بھی عقیدہ میرا اچھا بھی سمجھتے ہیں حب ہندوستان میں ادب و انشائیہ حالت ہے کہ ہر جگہ بڑے کی کچھت ہو سکتی ہے تو ہم ان پر کیوں معترض ہوں؟ لیکن جب یہ لوگ تنقید کرنے بیٹھے ہیں تو اسی ادب پائنگ باتیں اس لائق کے ساتھ لیتے ہیں کہ ان کی تخت کے جلسے میں چھید کر ان پاساں امار و دغرائوں کے ساتھ بیٹی کر رہے۔ لیکن صاحب سے ایک کتاب بھی تھی قرعہ مرثیہ احسانت اور شرافت کے ساتھ اسے بازار میں بیچ دیتے، بیچ کر اسے مستفید ہوتے غلام آرا کو نظر انداز کر دیتے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ کم از کم غلام ہی اکثر پڑے سکے لوگ سنگت کی تربیت دے کر تے لیکن انہوں نے کتاب کیا بھی ہے کتاب کا جو بس نکالا ہے ایک صاحب ذوق ان پر اور اس قسم کی سوتیلہ حرکات سے گریز و اجتناب دیا چاہیوں کی خدمت میں ہماری مودبانہ عرض ہے کہ شہرہ بقاء علم رکھیں۔ طوبہ یانی میں کہ بڑے تخیل پڑیں۔ غلام دی ہے میں کا انداز میرا صاحب مہمان ہے جسے بڑے دعوے کرنا ایک فتوہ ہم سے جو نکل چلا اسے نظر ثانی تک لا سنا چاہتا دیکھنا حیات کی شانیاں ہیں لیکن لائق ہے

”تم کہ دو گوں کو بیش کے لئے ادا ب لو گوں کو تھوڑے دوسرے کے لئے دھوکہ دے سکے ہو، لیکن سب لو گوں کو بیش کے لئے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔“

ہم جانتے ہیں کہ اس سے اس معنوں سے فہم کے ذریعہ بحث کو تکلیف بھی ہوگی، ادھر شرم بھی آئے گا، اگر شرم تکلیف پر غالب آئی تو ہم ان کے جواب سے محروم رہ جائیں گے اگر تکلیف شرم پر غالب آئی تو حیدر آباد، گلبرگ، پھول پال، علی گڑھ اور ٹھٹھوں میں۔ لایو تو قلم دان کی آواز میں طبع ہوں گی کہ ہمارے مضمون مشہور ہو جائیں گے کہ آئیں بائیں شائیں کرنے کی بجائے چپ رہنا بہتر ہے آگے پ خود سوچ لیجئے۔ ہماری طرف سے خواہ آپ سب حضرات کسی مرکزی مقام پر سرحد کر کوئی صاحب رتبہ کر لیجئے عوام الگ الگ بزرگ ذاتی لیجئے۔ ہم ہر طرح سے تیار ہیں۔ ہم تو بکلاپ سے ”جہان پریم“ کے متعلق ہیں۔

باقی رہا، ”فخر تہم“ یہ کتاب ایک قابل احترام بزرگ کی تعریف سے شروع ہوتی ہے ایک ایسے مضمون پر ختم ہوتی ہے جو بڑی ہی فصاحت سے پڑھے۔ اس مضمون میں لیکن صاحب نے اس کو کتنا ساری ذہنیت و مکارہ کیا ہے اس کے آثار نہ صرف ان کے باقی مضامین میں بلکہ ہندوستان کے اکثر عوامی نگاروں کی تحریرات میں پائے جاتے ہیں۔ ان پر تنقید لکھنا ان کے تعین کرنا اور نیا دہ پھیلنا ہے۔

انارکلی مخلص صفا اور ہم نیازمند

نیازمندان لاہور

جبر ۱۹۷۵ء کے رسالہ ساتی میں "انارکلی" ایک نوجوان کے عنوان سے "ایک شخص کے تصور سے" ایک مضمون چھپا ہے جو جو بے حد دلچسپ ہے۔ مضمون کا در ساڑھے اچھٹے صفحے ہے لیکن فی مربع میل کے سب سے زیادہ کی مقدار سبب کی بکری سے زیادہ نہیں جہاں تک بکری کا قصہ ہے مضمون کا صاحب ماسٹر میں گورنر کالج پڑھتے ہیں لیکن یہاں تک تفتہ کا تعلق ہے وسعت و بات پھر بھر سے بھی زیادہ نہیں اور پھر بھی یہاں جس میں وہ خود بخود اپنی سبک خیالی کے ادب مرسلے سے کام لیتے ہیں۔

تو پہلے بکری کیجیے کیونکہ مخلص صاحب نے اپنا دور تیر زیادہ تر اسی صنف ادب میں ہی ہے اپنی پرموت کیلک یا یہ معلوم ہوتا ہے کہ انارکلی پڑھے کے ساتھ ہی مخلص صاحب کو بدھشی کی شکایت لاحق ہوگئی۔ چنانچہ ان کی بے قرار روح صحت روح کی گریہ آواز میں نکلتی ہیں۔ لکھتے ہیں انارکلی پڑھ کر بڑی مایوسی ہوئی، انارکلی کی موت سے زیادہ خود کتب صاحب کی حالت پر ہوا آتا ہے وہ بیکسے باریک باد کے کسی اللہ بات کے تعلق میں۔ دل سے چاہتے ہیں کہ مخلص صاحب آئندہ اس سفاکی سے اور کھر کا خون نہ بہائیں تو برا اوصاف ہوگا۔ بلکہ بہتر تو یہی ہے کہ وہ تنہا ذمہ دار اور پھر سے کوئی واسطہ نہ رکھیں انارکلی کو، فطرتاً تو ان بھی بھاری بھر کم نہیں جو پڑھے لکھے تو وہ کار مسمومی، آفتیت کے آدمی کو ہی بھانستے یا اس پر مدد ڈال کے اور تعلق صاحب کو نصیحت کر سکتے ہیں۔ کہہ خدا اسے دیار برد کر دیں۔

جب ہم نے یہ اعلان پڑھے تو خیال آیا کہ ہر کسی دوست کو تاریخ میں کسی حکیم سے مشورہ کر کے مخلص صاحب کی ایک بڑا سا خطاب دے دیں تاکہ یہ واقعہ رنج نہ دہائے۔ ادا نہیں ہوتی کہیں کہ تندرہ برس وہ برس تک کے لئے اپنی اپنی افلاذ وراثت رکھیں مثلاً سرانا، سسٹیل میرٹھی مرحوم کی نفیس یا مولانا من نفا کی لامتناہی چیزیں ایسی چیزیں پڑھ لیا کریں کیونکہ ان کا نسخہ اس سے زیادہ ناقص نہیں ہو سکتا۔ جب تندرہ برس ہم باہمیں لگا کچھ کھڑا بہت پڑھیں گے تو پھر ٹیکڈی اور ٹیکڈی کی تنقید سے بھی شوق فرمائیں۔ فی الحال انہیں مولانا راشد بخیری کے نام ہی پڑھتے رہنا چاہیے کیونکہ وہ ایسے ہی خفیت و داغ کے لئے لکھتے ہیں۔

لیکن پھر خیال آیا کہ اس سے ہر چند بکریوں کی دل شکنی ہوگی اب تو اس رائے قابل زیاں کچی سکوں کا بکریوں میں داخل ہونے لگے ہیں اور مذکورہ کے ٹیکڈوں کا پھر ذکر نقد و تبصرہ کے میدان میں زندہ آزمائی کرنے لگے ہیں۔ واقعہ سے دیکھیں شاید کوئی کام کی بات کہنا سیکھنے میں تو انہیں زباں کی پت جملہ شروع ہو کر ختم بھی ہونے کو آئی اور زبان کہہ سکتے ہاتھتے ادب کی دم میں نسخہ بھی باندھ گئے لیکن شاید پھر بھی کسی ہر چند مضمون نگار کی دم میں کہیں کوئی چٹاپات نہ ہو اس خیال سے مضمون کو دوبارہ پڑھا تو معلوم ہوا کہ جہاں مخلص صاحب نے دس بارہ جگہ اپنی جہات اور جملاتی کا ثبوت

دیا ہے وہی جس میں جگہ اپنی محبت بھی مرہم خانی ہے اور یہی معلوم ہوا کہ ان دنوں اختر علم کی سب سے ختم جہالت سے بھی زیادہ دل چپ ہے۔ لیکن مخلص صاحب کی ان خصوصیات اور اس کے ان گھمراہ آسان کام نہیں ان کے مضمون میں خیالات کے سونے بھرے پڑے ہیں اور ان کے بھروسے پر ہے مونی پر نہیں۔ دراصل مونی کی جگہ ایک اور لفظ سہا ہا لیکن اسٹیشن اس لئے نہیں کیا کہ ”اب رہا“ کہیں کے معاملہ غلامیوں کو چن کر چاکر کرنے کے لئے اس مضمون کی بھولی بھلیاں میں کی ورنہ نگہ مناسبتاً ہے کہ یہ نروائیدہ جانی لینے نہ وہ ان کی حاصل صفت ہے۔ شاعر سے ہیں۔

”انارکلی“۔۔۔ لیکن ایک کا ایک مضمون ”بیلٹو“ ڈراما ہے۔ جسے فراسطی زبان میں یوں سمجھنا چاہیے کہ اس تعصب میر تاج صاحب آنکھوں کی بھی نہیں بلکہ مس ذاتی چہرہ صاف سے لگے۔

اب اس فقرے کوئی کیا کرے۔ اتنی نرمت کہاں کر دہی جا کر مخلص صاحب کے۔ انتظار کے علاوہ اس پر رشک دیں اور وہ جرم سے متحرک ہو جائیں اور تم اتنا بھیجیں کہ حضرت سب بیکٹو ڈراما دہی کا معاملہ ہے یا کھنڈا، ”بیلٹو“ اتفاقاً گو، بیلٹو ہی ہیں لیکن ان کی ذہنی تنقید اس اصطلاح سے محسن، نقد ہے اس اصطلاح کی جو تفسیر غیر اصطلاحی زبان میں مخلص صاحب نے ہم جاہوں کے فائدے کے لئے کر لی ہے اس سے بھی نہ کھلا کر رہا یا نہ کیا ہے کب ہوئی اور اس کا کوئی کون ہے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ مخلص صاحب نے شکار پر کے سفر کے دوران میں دہلی کے کھیل سے ڈرامہ پر کوئی کتاب لے کر پڑھ کر مٹی سے ان کی جہالت میں اس قدر غش کو ارا نہ فرما کر وہ اسے علم سمجھنے لگ گئے۔

عاقبت اسی کتاب مصنفہ لال کھجور کے مخلص صاحب پر یہ بھی ”خدا“ جوا کر۔

”انارکلی“ ادب کی بنیادی تعلیم معنی شاعری، نقاشی اور رقص کی انہی صفت کی حیثیت سے پیش ہوئی ہے بلکہ یہ سمجھنے کے اس صفت میں بھی کتاب نسبتاً ایک ایسی اہم شے یعنی طریقہ کی حامل ہے جسے انسان کی دکھاری زندگی کا نمونہ قرار دیتے ہیں۔

مطلب صحت آنے ہے۔ رانالی ایک ٹریڈی ہے لیکن یہ ظاہر کرنا بھی مقصود تھا کہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ جانتے ہیں۔ اور اس کے اندر علم کے شوق میں بات ایسی فرسودہ اور بے معنی کہی کہ عمارت کی ایک عورت کی بات نہ رہی۔ خواہی مضمون میں مخلص صاحب کے برے مریدانہ انداز میں حضرت آزاد و جرم کی ایک تحریر کا نمونہ پیش کیا ہے اور اسے خوب سراہا ہے ہم علامہ مخلص صاحب سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر ادب کی بنیادی تعلیم دی ہے جسے سہول سے مندرجہ بالا احساس میں یوں بگاڑ کر پیش کیا ہے تو وہ خود ہی ثابت ہیں کہ ان کی یہ تحریر کس صفت میں شامل ہے۔ خواہی مضمون نغمی کا سی پارہ دل، کس خالے میں واسطے کا، غائب کے اردو کے معنی، کو کیا قرار دیکھئے گا۔ آپ کی پڑھی ہوئی کتابوں میں سے یہی شاملیں کافی ہیں۔

اس کے چل کر اقرار کرتے ہیں کہ انارکلی کا فقرہ خود تاج صاحب کے قول کے مطابق ایک بے نیا دہیر ہے لیکن اعتراض فرماتے ہیں کہ مصنف ڈرامہ نے سرفہرست ہی میں انارکلی کا فقرہ ۱۹۹۶ء کا لکھا ہے جبکہ انارکلی کی عمر پچھپن سال تھی اور میر مہاتے ہیں کہ اگر جس نے جراتی میں بیرون پناہ کو نہ مارا وہ چھپن برس کی عمر میں انارکلی کو کیونکر مراد لکھتا ہے اس استدلال سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہی کہ فقرہ بے بنیاد ہے پھر معلوم مخلص صاحب تاج صاحب کی تائید کر رہے ہیں یا نہ دیکھئے؟

برسبیل نہ کرہ۔ ہندوستان کے تمام جہوں کو یہ بات نوٹ کر لینی چاہئے کہ ان کے سامنے کوئی چھپن برس کا شخص قتل کے ارادہ میں گرفتار ہو کر پیش ہو تو اس سے پہلی بات یہ پوچھیں کہ کیوں بے گناہ جراتی میں بیرون پناہ کو مارا تھا؟ اگر جواب نفی میں ہو تو اسے دہلی کر دیں۔

ان مثالوں سے میں قارئین کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مخلص صاحب کے مضمون کو سمجھنے کے لئے باتا کا علاوہ امر مرتب کے

ساتھ لکھا پڑا تھی مرقوں کی نئی ترکیب کرنی پڑی تھی پر انہوں نے نہ سرا و ترتیب نہ یاد پڑا۔ انہی مرقوں کے لئے جو تئیس سے پچھپن سو دس حصے صاحب نے بعد مہربانہ وصول ہوا کہ مخلص صاحب کو بہ قول ان کے نقشہ تین چیزوں سے جوتی ہے۔

۱۔ فراموشی، ۲۔ اگر کے متعلق میں نے پہلے بھی لکھا کہ وہ اب بھی کھلم کھلا کہا ہوں (مضون بعد قیاسی قسم کی حکمرانہ صفتیں حاصل ہے) ۳۔ اندر کی نکتہ کو آپ نے اس کی باطنیت میرت تہہ کی ہے۔

اس سے پہلے میں مخلص صاحب نے پھر اپنی پریشان خیال کے کئی ثبوت دئے ہیں۔ ایک حرفت یہ فرماتے ہیں کہ اگر بادشاہ کے نام کے ساتھ ہی جو تصور بندوبست کے پہلے پہل کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے، ۱۔ آپ کے اکبر کے نام سے باطن نہیں مٹی، جس کا مطلب ہم یہ سمجھ کر مخلص صاحب کے نزدیک ادا کرے گا کہ اگر اس کے اکر سے مختلف ہے اس کا جواب مقرر تو یہ ہم سمجھتا تھا کہ مذکورہ نہیں یا کوئی بھی انتہا پڑا اس بات کو مان لیتا ہے کہ کسی تاریخی شخصیت کو جس طرح چاہے میں کہ اس کا رد تاریخ کے مطابق نہ ہو تو آپ اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کو مصدق کی حیثیت سے کوئی دہر نہ ملتا پڑے گا۔ اس کی انتہا پر عازمی پر کوئی حرفت نہیں استقامت علم و ادب کی تاریخ میں اب کوئی نہیں اس بات کی میں گئی کہ ایک ہی تاریخی شخصیت مختلف انتہا پر ادا دئے تباہین اندازوں میں پیش کیا نہیں ان کی ادبی حیثیت کو، اس تہہ سے کوئی امر مذہبی نہیں کہ اصول ذرا سامنے کے بعد کچھ بھی کہے

پھر آپ فرماتے ہیں۔

۱۔ مذکورہ نگار کی تعریف ہی سے زور دیتی جاگتی بیتیاں پیدا کئے اور کبھی بھی کوئی بات ان میں خلعت قدرت نہ ہو۔ مخلص صاحب یہ دوسری بات سمجھنے کے ساتھ ہی بھول بھی گئے یہ قذوہ جو کسی سے سن پایا تھا ہوں کہ توں اپنے مضون میں کچھ دیکھیں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اس معیار پر ان کے کچھ ذکر کر کے کہہ دیتے اور ثابت کرتے کہ ان باتوں کو جو کہہ سکتے ہیں یا کہ وہ انسانی قدرت کے متعلق ہے اور جو حقائق کی امانت کے عہد میں نہیں پاسکتی۔ جب یہاں مخلص صاحب نے خود ہی بتیرہ احوال دئے تو ہم بھی ان کی جان بخشی کے دیکھتے ہیں اور دنیا کو شاید کھڑے ہیں کہ یہ باطل و جہان ہونے کے سببوں بتوں پر اتنے نہیں اٹھاتے۔

یہ ظاہر قدرت والی بات مخلص صاحب نے مخلص صاحب کا منہ کبھی بھی اصل مطلب ان کا وہی ہے کہ کا دیکھا اگر کبریت شاخا ہے اور ڈولے کا اگر ظالم اور سفاک سے بڑا کچھ نہیں۔ اس کے جواب میں ہم مخلص صاحب کی خدمت میں یہی مختصراً مشورہ پیش کرتے ہیں کہ وہ دس سال تک مخلص نامہ کی تفاوت دہلتے رہیں۔ مخلص صاحب اس کے بعد مٹے ہوئے نکات ان پر واضح ہو جائیں۔ اگر اسے پڑھ کر ان کی آنکھوں کے سامنے اکبر کی یہ تصویر نہیں کھینچ تو ایک عالی وقار علم دوست روشن داغ شہنشاہ جو ہر وقت ہندوستان کی عظمت کے غائب دیکھتا رہتا ہے اور جو ان خواہوں کی تعبیر کے لئے ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ ایک احوال میں جو اس شان دار عظمت کا دل ہی نہیں کمرور کی یا بے راہروی کے ذرا سامنے آکر بھی پا کر اس قدر سبقتاً و پریشان ہو جاتا ہے اور جہاں بانی کی اہم ذمہ داریوں کو اس دور محسوس کر سہ کہ اپنے پندار جلاہات لاغون کر لینے سے بھی نہیں جھپکاتا اور مخلص صاحب کی آنکھوں کے سامنے یہ تصویر نہیں کھینچ تو پھر آفتاب ماہ چمکنا۔ اگر اب بھی مخلص صاحب کو ڈولے کا اگر مخلص ایک ظالم اور سفاک بادشاہ معلوم ہوتا ہے تو سوائے اس کے ان کا کیا علاج ہے کہ کوئی نیکساں انسان اپنی زندگی ان کی اصلاح کے لئے وقف کر دے خواہ وہ کدورت حروفت یہ نیکساں اپنے ساتھ لے جائے کہ انہی اعمال بالیات اگر وہ لاذوق نہ ہو، استفادے کی قوت نہ ہو، احساسات میں بیداری نہ ہو، ادب میں مذہبیت نہ ہو تو مباحثات و امور کے متعلق کسی سرکاری کتاب میں چند فقرے پڑھ لینے سے تنقید کی قابلیت پیدا نہیں ہوتی۔

باقی اس قسم کے اعتراضات کہ مخلص نامہ کی ذہنی مغلز اعظم کو مصلحتیں ملتی ہیں۔ مغلز کثیر کی ذہنی سلیم کی مٹی پیدا کرائی ہے۔ حرفت

موتی لکھے کئے سارے سبیا کہتے ہیں بتقد سے ان کو کوئی پرکار نہیں ایسے اعتراضات دھرت اتر دے گی اور بتا دے گی کہ تم نے ان کو پتھر دیا ہے۔ اگر اس سیم کو نہایت معمولی انسان میں اگر آپ بلاشبہ کسی پیغمبر کا تقہ بھی لکھیں تو اس میں بھی یہ ذکر دروازے کا کھل شخص نے ان کو پتھر مار دے فلان نے ان سے یہ بدسلوکی کی۔ حتیٰ کہ بعض نے انہیں سولی پر لٹا دیا اور پھر بھی ان کا سمجھنا اڑا دے ہے پھر اگر آپ پر کوئی اعتراض کہے کہ آپ نے سارا اللہ فلان پیغمبر کی توہین کوئی قربانی کی ہے اس شخص کی دہانت کے منہ میں ایک پتھر دیکھنے کے سوا اور کیا کریں گے فیصلہ صاحب کی خدمت میں صرف یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ حضرت آپ ایک آدمہ کتاب الہی اور پڑھ لکھ پھر بتقد بخاری بھی کیجیے گا آپ کا بابہ کس نے دکھا ہے؟ میں اس نقادی میں بھی آپ کو کیا مزہ آئے گا کہ ہر شخص کے بعد آپ خود ہی موضوع بتقد جس عاقل۔

ایک بات پڑھ کر کہیں ہنسی بھی آئی اور دنا بھی آیا۔ فرماتے ہیں۔

میں اپنی توبہ کیا ہوں کہ، تاریکی کا ظاہر ہی حسن و بکھ کر بری امیدیں بندھی تھیں۔ سو تجا تھا کہ واقعی یہ نام نہان مغربی
نتان تو قبل کا ایک سہانا خواب تھا جس میں شاہن سلط کے سرور حضرت کے حسین مناظر اس طرح دکھائے گئے ہوں گے
کہ بہت محنت ہے، اگر بادشاہ سیر و شکار میں ہیں، سنگباری، ایلانی ٹھوسے اور ہزاروں فوج خدا کا لاڈلہ شکر رباب میں ہے
گیا جنگل میں مثل مہر ہے روایت سے نزل و جہر ذکر سے لگاؤ دیوان خانہ صاحبے بس کے سخن کے پیکر بیچ
(۴) گر کھلائی مستون پر آکاش دیا مات میں وہ دور روشنی پہنچاتا ہے . . . اچھا یہ جز تلج صاحب کی سکھ میں نہ
آئی تھی یا اس کا موقع نہ تھا تو برکی سلطنت کا حسین بازو وہی نورق سے السراج بیتے کب . . . کچھے کے دیکھے رہ جاتے
اگر اس کا اتہام بھی تاج صاحب کے بس کار تھا تو بہنِ فردوس کے بیان میں کم سے کم مینا بازار کی پیاری تصویر کھینچ کے یہ رنگ
ترکھادیا ہوتا کہ ملک تبر کے بادشاہ، اکبر اعظم نے اپنی خداداد طبیعت سے اس میں کیا نارت پیدا کی . . . سچی سچی کہ
بادشاہ امر کو سلطنت کا لار کن کہیں جاتا تھا۔ اور انہیں اس طرح شیعہ و شکر رکھتا تھا کہ ایک دوسرے کی ثلیت سے مرہ
ہٹھے . . . بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خود را مارا ہم کھٹک کھی جاتے۔ جہاں یہ صورت پیش آئی اور بادشاہ نے رشہ
ناظر کے دونوں گھروں کو ایک کیا ۔

اب تارین پر واضح ہو گیا کہ اگر شخص صاحبِ ثرواے کو سمجھنے کے کس حد تک اس میں تاجِ صاحبِ ثرواے اور انا کی کاٹھ مہے میں کراس
کیز کا حسرت تاکہ انجام کیونکر ہوا لیکن شخص صاحبِ کرب و افسوس، اہم کتابِ صاحبِ نمان کو چاہیں گزولانی ستون کیوں نہیں دیکھایہ۔ شخص صاحبِ کج و بد بھی
اس بات کی نامعنویت سے سوچ گئی جانچ و دلی دلی زبان میں فرماتے ہیں۔

۱۰ اچھا یہ چیز تاج صاحب کی سمجھ میں نہ آئی تھی یا اس کا موقع نہ تھا تو
 بخیر وہ بات یہی ہے کہ اس کا موقع نہ تھا۔ سمجھ میں تو آپ کی آگیا لیکن ہٹ آپ کی ویسی ہی قائم ہے یہ بھی کبھی جلسہ میں نہ اچھا یہ نہیں تو ذرا تنہی دکا
 دیا مہتمما۔ اچھا یہ نہیں تو زیادہ ادبی دکان یا مہتمما۔ اب اس بچے کا کیا علاج۔ مطلب مخلص صاحب کا یہ ہے کہ تاج صاحب انارکلی کا قلعہ آفتوڑی دیر کو
 بند کر دیتے اور مخلص صاحب کو ایک ایسا سین دکھا دیتے جس میں اگر امر کے ارکے (انکوں کے رشتے کا تے نظر کرتے۔ کوئی تاج صاحب سے پوچھتا کہ حضرت
 کیا فیصلہ درمستقل ہے تو تاج صاحب جواب میں کچھ نہ کہتے۔ انارکلی کا وہی لیکن اگر کی خوبیاں اس تفصیل سے دیکھا نہا بہر حال ثواب کا کام ہے۔ اگر ڈرامہ
 اسی اصول پر لکھا جائے کہ تاج صاحب کو چاہیے کہ گنگا ٹیشن میں ایک آدم سین غریب کا بھی دکھا دیں کہ اسے اس داستان بھی تو آزمائشی لکھ کر ملو

ہے اگر خدمت دہے تو کم از کم باری کا ذکر ہو جتنا چاہئے۔ کچھ نام پر حال اگر لاڈلہ دار تھا اور مقلدِ مخلص صاحب وہ "ہر گز زلفوں سے
میرے تھا آفرین ایک سین آں انڈیا مثل لاٹونس کا بھی دکھا دیا جائے حال ہی میں قائم کر لیا ہے تو ابھی چہرہ چانگ جائے گے۔ مخلص صاحب کو تاریکی
چہرہ کا وہ در بہت ہے لیکن ان کا مذاق اب بڑھ چکا ہے، آئے بڑھے جس پاد۔
وہی اور اعرض مخلص صاحب کا یہ ہے کہ آج صاحب کی آیت شاہد بہت کچھ ہے۔ علامت کے عہد پر آپ نے تاج صاحب کا ایک
نعرہ نقل کیا ہے۔

"ہر گز سہاگن ایک دوپہر غم کی ناز انا جسے ڈیرہ گھڑ کے قرب وقت ہو چکا ہے۔"

اور اعرض نے اسے اس فقرے میں بے ضرورت تغائی ہے فقرہ یوں جتنا چاہئے تھا۔

بہار کا موسم یہ پہر کا وقت ہے۔

دوپہر کے لفظ سے جو دھوپ کا سنا آئٹھوں کے ملنے آجاتا ہے اور غم کی ناز کے ذکر سے جو ایک مسلمان کو منہ کی ممد و نیت و عروت مٹا دیتا
ہے وہ آپ نے باطل ہی فقرہ ناز کیا اور وہ چیز جسے انگریزی میں *ATMOSPHERE* کہتے ہیں (جس کی کسی پر سے لٹکے ہوئے ہوتی ہے) دیکھ کر
شاید واضح طور پر سمجھ میں نہ آئیں) اس کی جوت سے قلم مخلص صاحب آپ نے داغ کے دروازے باطل بند کر رکھے ہیں۔
مگر جس نقب کا وہ بقول خود ابھار کے اٹھاتا چاہتے ہیں وہ یہ ہے۔

ستونوں اور محرابوں کے سایہ میں ہونے شروع ہو گئے۔

فرماتے ہیں؟ یہ ایک مکمل بات ہے کہ ان کے بعد سایہ دھنے وقت ہے اور غم کی ناز ایک جنگ سایہ میں ہونے پر ہی ہوتی ہے لیکن آپ کا جدید شاہد بتاتا ہے کہ
ناز غم کے بعد ڈیرہ گھڑ ہونے شروع ہوتے ہیں؟

سایہ دھنے اور سایے کے طویل ہونے میں فرق ہے وہ آپ کی کچھ میں نہیں آیا۔ جس ستون پر دھوپ پڑی ہے جب اس کا سایہ ستون کی
مبنی سے بھی بڑھ جائے تو اس کا سایہ کا طویل ہونا کہتے ہیں وہ آپ کے متعلق میں قدر شاہد آپ کا ثابت ہوتا ہے وہ انگریزوں کی منہ کرنے کے ادنیٰ کام نہ
آئے گا۔

وہ آئیں اعرض زبان کے متعلق ہے۔ اعرض اول تو ایسے فقرے پر ہے کہ "تم فیل ہو شیو؟" تو معاف کیا ہے حضور؟ دیگر وہ غیرہ۔
جو شخص اہل زبان ہو کبھی یہ نہ کہے کہ مخاطب کے نام کو فقرے کے آخر میں رکھ دینے سے فقرے کا توجہ کس جگہ بدل جاتا ہے اس کو کوئی غیر اہل زبان
بذرا جو قرین سہمیل کے فاسلے سے کیا سمجھائے اور کس طرح سمجھائے اہل زبان کو یہ کس طرح بتائے کہ اہل زبان ہونا اور با ست ہے
زبان دان ہونا اور بات ہے۔ اسے لاش کوئی تاہم الکلام مخلص لہذا ناز سے ان فقروں کو مخلص صاحب کے سامنے پڑھے اور مخلص صاحب کے چہرے کا
مطالعہ کرنا ہے اور جب آٹھ دس دھڑ پڑھنے کے بعد اسے مخلص صاحب کے چہرے پر اشارے کی کوئی جھلک نظر آئے تو ہمیں فوراً اطلاع دے تاکہ ہم
شکر کرنے کے دوصل پڑھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ پرائی وضع کے سندھو تانی کیلوں کے عادی ہیں وہ ان کی مصنوعی زبان اور مصنوعی طرزِ تحریر
سے اس قدر افسوس میں ہیں کہ اس قسم کی مٹی جاتی زبان انہیں تعلیم و تہذیب و ترقی معلوم ہوتی ہے۔ فیکٹ پیر نے بھی جب اس طرح کی بدلت کی تھی تو لوگ اس
پر اپنی ستر میں ہونے لگے اور ایک بہت بڑے نقاد نے اس کے متعلق یہ کہا تھا کہ چھری اور گھیل جیسے الفاظ کو ڈرا سے میں استعمال نہ کرنا چاہیے۔ اس
کے کہ لوگوں کو بخیر و بد واد۔ اور اسی صنعت کے بند آجنگ انکا لاکھ لاکھ پڑ گیا تھا اور ہر صنعت اس صنعت سے گزرتا تھا بہت کچھ تھا کہ مخلص صاحب

فصل صاحب ہمدردی اس سے واقف ہوتے تو جنت پہنچتے لیکن داس از گھا آکر دیکھ کر جاہل ہوا۔

”پتھر مٹی“ اللہ پھینکا آسمان۔ دھڑکے تعلق فصل صاحب نے موت آنا فرادیا کرتی ترکیبیں ہیں لیکن یہ نہ فریاد کیا ہے۔ کوئی اعتراض کرتے تو جواب کی تعلیم بھی گوارا کی جاتی تھی۔ احوال تو اتنا ہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ بڑے معذریہ کی ترکیبیں ہیں۔ اہل ان میں سے بعض شکار پتھر میں موت مندوں کے لئے نئی ہیں۔

دعا مندوں کے تعلق ارشاد ہوئے کہ ان کا مل استعمال غلام ہے آخر فصل صاحب اپنی حرکتوں پر اترتے۔ ہم بھی متوجہ تھے کہ اہل باطن کی بھی یہی تہذیب ہو۔ اس بار اس بار کی گہ مٹی۔ کا دوسرے۔ فائدہ نہ ہو جس کی بدولت یونانی کے کئی حضرات پناہ یں بن گئے ہیں۔ تاج صاحب کا فقر ہے: دنیا کی تو تاریکی انداز کی بجائے زمانہ خشک ہوئی جا رہی ہے۔ اور تہذیب تو ترقی نہیں کر سکتی۔ ”بولی شکریہ“ کے کہہ دے۔ فصل صاحب کہتے ہیں: ”جوتے منہ“ کا یہ عمل استعمال نہیں۔ ”ان“ پھولے منہ۔ چلیے۔

اگر فصل صاحب ذرا لاف کی حد تک گمان کی زحمت گوارا کر لیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ جوتے منہ کے معنی ہیں: گھبراہٹ سے اور ناشائستگی سے۔ ذرا سے لاہو فقر وادب نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا تو تیری تعریفیں کر رہی ہے اس کے اتنی ہی ترقی نہیں کہ کامیابی یا ناشائستگی کے طور پر رد بولی شکریہ کے کہہ دے۔

”پھولے منہ“ کے معنی ذرا لاف میں یوں لگتے ہیں: ”تو تیرے“ غور، خواب منہ سے، ابرو منہ بدلی کے ساتھ: ”تو میں“ تو تیرے“ نکالے اس سے مراد ہے کہ یہ جادو جس کو خطاب کئے کہا جاتا ہے اس کی تعریفی مراد تو ہے کہ گویا فصل صاحب لاہو فقر وادب کی باتیں موقوف پر لایا فقرہ کیوں نہیں کہتی جس سے انداز کی تعریف کا پہلو بھی نکلتا: ”یہاں تو منہ کا دوسرا منہ نہیں۔“

دوسرا اعتراض سچوں اور روزن۔ ”پر ہے“ ”سچ“ کے معنی ذرا لاف میں یہ لگتے ہیں: ”چھوٹی سیخ“ ”وہ ہے“ کی چھوٹی سیخ: ”سچوں اور روزن“ لکھنے سے مصنف کی مراد یہ ہے کہ ایسا روزن جس میں اس کے چھوٹی سیخیں لگی ہیں اس لکھنے کے استعمال سے روزن کے تعلق بھی اٹھانہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر بڑا تھا۔ اگر کسی بہت ہی چھوٹے روزن مثلاً کسی گڑا کے گھر کے روزن کا ذکر تو میں ہے وہاں سچ کی بجائے سلائی کا لفظ استعمال کیا جائے اس وقت فصل صاحب ذرا لاف لگنے کو سلائی سے آکر مراد لایا جاتا ہے۔ خدا کے لئے فصل صاحب کے کوئی دوست انہیں کھائیں

باقی الفاظ کے تعلق اٹھانا عرض ہے کہ آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ علی کے ایک مصنف شمس فیض الدین گڑے ہیں جو حال علیہ کی زبان لکھنے کے لئے مشہور تھے انہی کی ایک کتاب ہے ”بزم آخر“۔ پچھلے دنوں تو ایسا ہی اب چاندنی چوک کی کسی دکان سے مزدوں جائے گی۔ کبھی شام کو ایڈیٹر پارک سے ذرا غٹ پا کر دیر سے گزریئے تو ایک سفر فریستے جائیے اس میں آپ کو گلا جلی کر دیا اور گڑے کی گٹ اور اسی قسم کے کئی اور الفاظ کا جائز گئے جن پر آپ یوں جاہلہ مقرر ہوئے ہیں۔ جو الفاظ وہاں نہیں ان کے تعلق اور افضل کے ”میں“ اگری کا مطلقہ نہائیے ”میں“ مل جائیں گے جو منہ ڈرامہ لکھنے جیسا ہے۔ اسی مستند کتابوں کو دیکھ دیکھتا ہے۔ اسے کاش حلوگ تنقید لکھنے، لکھ کرے جیسے ہیں وہ بھی اتنی تعلیم گوارا کیا کریں۔

اب آپ کے پاس صرف ایک ہی جواب نہ گیلیے وہ یہ کہ ہم ذرا لاف کو مستثنائے ہیں بزم آخر کو اگر یہ واقعہ ہے تو فصل صاحب کو چاہئے پہلا اہل زبان آپس میں پٹ لیں جب خود ان کا بیان درست ہو جائے تو پھر باقی صوبوں میں بھی تبلیغ شروع کریں۔

تو وہ دن دیکھ کر دی کہ بدولت خانہ آئی

یہ تمام سب دوسرے اس تنقید کی تائید میں دیکھ لیا کہ اس تنقیدی مضمون میں انارکلی کے اہل معنویہ کو غلط صاحب کے سمجھا گیا ہے۔
 مضمون مضمون اور غلطی باتوں میں الجھنے سے غور انارکلی کے کیرکڑے مضمون پر نہ فرمایا جڑوں سے کی جان ہے اور جس کے اور ان تمام مباحثات و کوائف کی
 تنظیم کی گئی ہے۔ سزا کی تقسیم کے مضمون پر نہ ملاحظا، واقعات کے تناسب کے متعلق کچھ نہ فرمایا ڈیڑھ کی حقیقت کیفیات کے ذمہ دہ کے بارے میں
 ماحول میں رہے اور دو ڈیڑھ کی تاریخ کو پیش نہ فرمایا کہ انارکلی کا لہار کہاں تک رہی ٹلے کا مضمون ہے اور کہاں پرانی قیود کو لڑتا جو انظر
 آتا ہے اس بات پر بحث نہ کی۔ اگر یہ ڈیڑھ کی تاریخ پر دیکھا جائے تو کیا دقتیں پیش آئیں گی پیش نہ کیجے اس کو کہاں تک قبول کر سکتی ہے اور کہیں کسی
 اور ڈیڑھ کی سے متاثر نہ کیا۔ یہ نہ استاد کیلئے اور دو ڈیڑھ کی موجودہ حالت کیلئے اور اس میں انارکلی کس حد تک ترقی یا انحطاط کا موجب ہو گا کہ تو یہ
 کہا کہ بہت اچھی آدمی تھا۔ سایہ دوپہر کے بعد ہی ڈھلنے لگ جاتے ہیں اور بارے ان کو نہیں نکال دیتا ہے اور اپنے دھرم میں سمجھتا ہے
 ہوں گے کہ اس کے بعد اگر کسی نے ڈیڑھ کی تنقید کی ہے تو میں نے بھی ہے۔

اب ہفت ایک بات کا ذکر باقی رہ گیا ہے اور جو محسوس اس بات کو محسوس نہ کیا ہے بیان کرنا چاہتا ہوں اس لئے ڈیڑھ کے مضمون صاحب
 کے کہنے شاید نہ پڑے۔ تاج صاحب نے انارکلی کو جس صاحب اسمیں کے نام ڈیڑھ کیٹ کیا چٹائی صاحب نے اپنی عہد کاری سے اس ڈیڑھ
 کی مباحثہ کر دلی بخش تاج صاحب اور اس صاحب اسمیں یا تاج صاحب اور چٹائی صاحب کے باہمی مراسم مضمون صاحب کو مضمون بحث
 میں نہ مانے چاہئے تھے۔ مضمون صاحب اور مضمون صاحب کی قماش کے تقاضا کو اس کی اعتبار سے بھی جو نویسی کے درجے سے بالاتر تھے
 کی ترقی نصیب نہ ہوئی اور ابھی انہیں یہ محسوس نہیں ہوا کہ اس طرح کا واسو خانہ جڑا جو اپنی خود نقاد کے منظر پر کی دلیل مانتا ہے خصوصاً تو کیا
 کا ذکر انہیں اس بے تکلفی سے نہ فرما چکے جس سے شبہ ہے کہ یہ سب صاحب اسمیں کی بدقسمتی ہے کہ وہ اپنی انشا پردازی کی وجہ سے اس
 دوسرے میں شامیں میں اس اصطلاح مضمون صاحب بھی قدم رکھتے ہیں لیکن مضمون صاحب کو اس پر فخر نہ چاہئے اسے اپنے دم تربیت کے انشا
 کے ایک بیان نہ جان لینا چاہئے۔

مضمون صاحب کے مضمون کے ساتھ سالہ ساتی کے ایڈیٹر نے ایک نوٹ لکھ کر چارہ انگ عالم میں اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ
 مضمون نگار کی رائے سے ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور یوں کچھ لیا ہے کہ وہ تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے لیکن شاید مجھے
 تربیت یافتہ نوجوان کو اس امر کا احساس ہونا چاہئے کہ جس بد اخلاقی کی طرف ہم نے آخری پیرا گراف میں اشارہ کیا ہے اس کی اشاعت ایک
 دھماکا عالیہ کے سہوت کو نہ کرنی چاہئے تھی مضمون صاحب کی نقادانہ بد تقریروں سے ہم شاہ صاحب کو بری الذمہ سمجھنے کے لئے تیار ہیں۔
 لیکن مضمون صاحب کا ذاتی کلچر شاہ صاحب کے دامن پر چند ایسے بد مذاہمے چھوڑ گیا ہے جو بے تعلقی کا ایک نوٹ لکھ دینے سے نہیں حل ہوتے
 ہم اس مضمون کے کسی کھیانے سے جواب کے لئے چشم بہاہ میں خواہ وہ جواب مضمون صاحب نکھیں یا شاہ صاحب یا دونوں
 کے دوقلموں میں سے کسی ایک کے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ گناہ نام یا مدار استاد، شاگرد یا سہوار

بہصمت چٹائی کا وہ منظر ہے جس کا بصر نے انگریزی میں
تجربہ کیا تھا۔ یہاں اصل اور تجربہ دونوں پیش کیے جا رہے ہیں۔

ہیروئن

تالی بہرہ دو ہفتے پہنچتی ہے، ادنی تالی جاننے کے لئے بھی۔ بالخصوص کی ضرورت یزنی ہے اور عورت عام میں ان نامتوں سے ہمارا مطلب
ادب کے ہیرو اور ہیروئن سے ہے۔ ان کو ایسا ادب ملتا ہے جس میں ہیرو اور ہیروئن نہیں، اب اس کی جگہ ہے جیسے کسی نے کب نہا، اور یہ کہ تلخ کی مد
سے تالی سماوی، سواہی تالی کی آگنی مگر کتاؤن کی عدالت میں مورخ کا کہنی حرم، ملک اس کی سانی نہ ہو سکی اور اس سے وہیں یہ دست اور سر نہ جھٹتے
تو یقیناً یہ خلیفہ ستوبی رحلت میں پس جاتا
عوام کی توجہ حاصل کرنے کے لئے بدرجہا کو ڈانڈا لگی بھی کرنا پڑتا ہے، جبکہ اگر وہ اسے کھڑے کرے جو عادی یہ حالات زمانہ سے نہیں، تو
وہ بے کر دلی بھی نہ ہے گا۔ دیکھئے: عکرم تعیم اور مسجدوں سے لوگ کتنا کڑا لگتے ہیں۔

لہذا جب کسی کو کچھ کہنا ہو تو اسے فہم نہ رہنے دے، بلکہ اس کی ذہنی اور ذہنی بوجھنا شروع کر دیں۔ ہیرو اور ہیروئن کے ریلے کا زمانہ سوچے
سی ریٹیناں بھریں کہ لوگ ڈٹ پڑے، کچھ احساسات کو پھیلایا، کچھ جذبات کو ڈانڈا دیا اور مطلب حاصل ہو گیا۔ تب تعیم میں سب سے زیادہ اہمیت فہم
اس بات کو حاصل ہے کہ عورت میں شہسب زلن چاہئے کہ پچھ اس میں بھی ہڈی سے اور کڈی کی رعایاں پا کر متروک ہو جائیں۔ اب اس کی کچھ سچوں سے
کڑی سے کوادی حرم اس میں پیٹ کر دے، کچھ رنگ واہ دار کے نعل جوش کے ماموں اور بہرہ کا زمانہ کسوں اب تک کل کی بات نہ ہو، ہے
عظیم بگ چٹائی نے قرآن کی دوسرے پردے کو چمک کر اچھا پا کر سوائے سو روپوں کی حوتوں کے کچھ نہ ملے، لیکن شہر پر جری شے کو نہیں کھلا کر، اور کتنا ہر نے عقلوں پر
میاہ پرہ ڈال کر کھاب کو مار بھگایا، علامہ راشد یلزی اور پریم چند جی اگر ہیرو ہیروئن کے کندھوں کا سہارا نہ دیتے تو آج بھلے لوگوں کے دل دواغ کے مرن
بوسیدہ کت خانوں میں پڑے اور کچھ رہے ہوتے۔

”ادب اور زندگی“ ادب اور سماج، ادب اور تاریخ میں چولی دامن کا ساتھ ہے اگر انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے کی کوشش کی جائے
گی تو دونوں مٹ جائیں گے۔ دوسرے معنوں میں اگر ادب سے زندگی یعنی ہیرو اور ہیروئن کو الگ کر دیا جائے تو ایک مفادہ جائے گی۔
ہیرو سے زیادہ میں اس وقت ہیروئن کی حیثیت (جو ادب میں ہے) پر غور کرنا چاہتی ہوں۔ ہیروئن جام جم کی سی حیثیت رکھتی ہے
اس پر ایک نگاہ ڈال کر ہی ہم اس کے زمانے کی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی حالت کا اندازہ لگ سکتے ہیں۔ مظلوم زمانہ آزادی کی عورت کو دیکھ کر جو
اس زمانے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت جو قابل ذکر عورت تھی وہ نہایت منہا، تعلیم یافتہ اور دل چسپ طوائف تھی۔ سرشار کو بھلا

شریعت لطیفہ کی صورت کہہ لی ہوگی۔ اور یہ بھی سلطان قاضی کی۔ اس وقت شریعت پر جان کر میں پہلی منڈیا چاہے سے مراد یہی ہوں گی۔ سہری سہنے نے سہری
قد اس میں سے نکال کر لگ ہو انھن کی افریقہ میں سکون دل و داغ قاضی کو سننے جاتے تھے۔ یہ ضافت تھی بازاری اور گاہ بعد ہی تسم کی نہ تھی وہ باطل
نہیں نہ دلیل کی طرح تھی شریعت نہ انوں سے زیادہ حشر خفاق اور لطیف تھی ظاہر ہے کہ اہل علم کی حیثیت باطل ایک داغ عام کی سی تھی جو عام
کے ہند سے عام کی خوشامدی کے لئے قائم کیا جائے۔ ہر مرد کی اتنی حیثیت کہاں کہ خلیفہ بافتہ مصلحت پر ہی شان دار مکان میں بچوں سے نہی
اور عطر سے مٹی کی گھٹے سے اس کا جنابت آسان طلاق نکال کر میں دیوی دگی حرمہ نہ مل بڑھانے کے اور سہری ہندو توں کو بھی پورا کوئی
رہی اور ہندو میں طہرالت جو جذبات لطیف کی پالی پس کرنی رہی یہ بڑا کارنامہ تھا ثابت ہوا کہ میں نے غلطیاں ہیں۔

برائے دیر چندی آہنا کی قائل مدرسہ حسلی ہے۔ وقت اور بڑوں نظر آئے مگر اس کے ٹیپے میں سے وہ مل گئی بتائی بھی وہ مل گئی اٹلی اسی اس سے نفرت ہوئی تھی۔ یہاں آسحریت وہ بدوین پر جاسوسی تھی۔ حرم کا لانا ایک لے بھڑول چاہتے منہ پر اعداد سے بچتے تھی مصلیٰ نظروں کے کوئین میں بچے ہوئے تیرے سے کام وہ دن کی قاضی کرے۔ پڑھی بھی چاہے خاک نہ ہو مگر زنا وقتا تبہ ادا چاٹوں سے گانی سیل ہے۔ غرا کہ گدہ رہیں۔ لیکن اگر کسی شوخ شایہ بوی ہو جو سارے دکھ و دشمنوں میں اڑا دے تو بھڑول جت کی آدھوس مرے

مرد و عورت کے فطری سمجھنے کے لئے ہی پیدا ہوا ہے۔ اس کے لئے تو جب میں بھی، بنے کو ندرت ہو سکا۔ حضرت آدم نے بیٹے ہٹائے پہلی حیرت
 اس نئے کو نکال نکالا اور اپنے سر پر اور دنیا خود بھی ہیرا نہ دی جو نگاہ مجھ سے پہلے عاقل گئے۔ بیٹے کو اسے زیادہ دیر کے حال میں مستی
 اور وہ اتنی بڑھتی چلتے گی کہ بات کی حد ہوتی ہے دل کے ساتھ اس کے ساتھ وہ قوت، عقل اور ہی جو کہ اس میں سمجھی اور غش کی پامانی شروع کردی۔ راسخ کے ساتھ
 کی چھوٹو بند بن گئی جو بڑھ چلتے دھنوں کی جاسے۔ پھر ہی انڈی اور رسا ان کوٹ کی طرف۔ انک زرد بھی، یہاں تک کہ مرد و عورت کا سب سے پہلے پھر اس
 تہاں اور ان کے بعد عظیم ہو گیا اور شوکت تھا کہ وہ بھی جو چیز کو باقی دہنے سے، پھر بھی ممکن فطرتی ہی اور ذاتی اور ان کی بھی دیکھا رہے۔
 یہ یاد آتی ہے سب کے اس میں بننا اور نہ اتنا کہ پہل میں دور رہنے سے۔

[illegible]

نتیجہ یہ کہ جڑی جلدی یہ سرزدتِ دامن بن گئی۔ بہت سمجھایا، صحت و کھانا دیا کہ کسی جو دوسرا اور خود مختار عورتوں کا بڑا بہانہ انجام ہو سکے درم
کے بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ معتقین خاک میں مل جاتی ہیں۔ ساری دنیا جہنم میں ٹھوکتی ہے۔ دفتر میں کلک ہوا کے جاتے ہیں۔ ہسپتالوں میں ڈاکٹر روگ نکالتے
ہیں۔ اسکولوں میں اسٹرافاش ہو جاتے ہیں۔ اور والدین کو شمع ہایت دکھائی دے۔ اسکل میں بڑی کو کم از کم ایک بار ضرور جائزہ کیے کی ماں بتا دیتے ہیں۔ پھر
لکھا کچھ نہیں مرثِ عشق بادی سکھائی جاتی ہے۔ شرم دلائی۔ بیٹیوں اور بیویوں کی کھائی کھانے ہو۔ ڈوب نہیں رہے۔ یہ ماسٹر دیکھنے میں کھائی بیسے
چرخِ گمراہ ایک اپنے رت کا محزون اور فرکڑا ہے۔ اس وقت کی جو کھائی اٹھا کر دیکھنے میں استاد اور طالب کے پر سوز عشق اور عبرت ناک انجام سے پُر
نظر آئے گی۔

[illegible]

بکہ جو پہلی سے کہہ کر معافی کرانے پر تے جو سے ہیں گریہ اندھا نون دوبارہ لارادہ جو سے پہلے بڑی سخت مدد کا دل تھا چنانچہ باقی بقدر اس کی حمایت میں پہنچ پڑا پکار پکار کر اس نے دنیا کے اس زخم کو دکھایا تو ناسور بن کر نکلا ہوا تھا۔ وہ بہت بڑا زخم تھا جو اس بچہ کی حفاظت کو اٹھ کھڑا نہ تھا اس کی کئی۔ اس کے کلمہ آسکتی تھی۔ اسے ساما ص اور تمام لطافتیں اس ٹھیکائی اور قیصری میں نکال آئیں جس میں دیا جڑ کی غلطیوں مذہب پر جتنی تھیں۔ اگرچہ اس کی سچائی تھی تا قدری کی وجہ سے وہ لگتی تھی اور اسی کے کرم کی محتاج تھی شریف خدمت اس نوجوان کی زندگی سے۔ وہ تڑپتی تھی وہ اس کے پاس سے میں نہ کچھ جان سکا اور نہ اس نے جاننے کی کوشش کی۔ اس کی نظروں میں وہ ایک نمک ترس جو اس اور تینوں مخلوق میں کر رہی تھی جو بارہمیری نظروں کو کھٹا اور عین کو گھٹا دیکھتی ہے۔ تو محبت کرنا تک سمجھتی ہے۔ اور وہ کی حفاظت اپنی تو ہے۔ اس میں عام طوائف کسی لکڑی کھا تک جاؤ بیت کہاں، عام طوائف سے وہ طوائف مراد نہیں جڑے آدمیوں کی دوا میں چسکا کرتی ہے بلکہ شرف کی وہ لکڑی بھوکے کتبہ جو وہ بچنے کی ایک بچہ کرشمہ تھی سے جو ہر حیثیت کے انسان کو نظر آتی ہے اس کی زندگی وہ طوائف تھیں لکڑی کی چر نہیں بنی اصلاح کی محتاج ہے۔ اگر سارے ملک میں نالی مڑی ہے تو یہ اس بچہ کی نالی کا تقو۔ نہیں بلکہ مکان دار کا تقو ہے۔ اسے لکڑہ کہہ کر نہ مڑنے سے لکڑی دور نہیں ہو جاتے کی حد تک تھی اور سارا کھیتی اور محض دے تو اس کا تقو نہیں بلکہ اس نظام کا تقو ہے جو انسانیت کی اولیٰ بے قدری کرنا ہے۔ نئے یہ لکڑے طوائفوں کا کان لکڑے ایک ایک متعلق پہلے کا نہ کھول دیا۔ جس نے نازک مزاج لوگوں کی طبیعت ہمتوں پر بڑا اثر ڈالا مگر اس بچہ کے کا سودا نکال جانے سے دنیا کے کھولے سے ہٹ کر مٹ جانے کا امکان پیدا ہو گیا طوائف کسی بھی ذلیل اور ہاری دیا لے سہم کا ایک حصہ ہے سے مڑ کر نہیں بھینچا داسکتا لوگ اسے عزت نہیں دیتے۔ وہ جو دیا کے ہر دیکھا سے کا سہارا ہر کھوکے کا دسترخوان ہے۔ وہ بے شک عزت نہیں مگر اس سے بھی زیادہ لارادہ سہی ہے یہی وجہ ہے کہ آج کل کاوجان گستر سے زبا۔ وازاری ال کی بہتری کا خواہاں ہے وہ اس کی زندگی سے دور اور قریب ہے سے لیا عزم جو نصیم سواں نہیں جو رہی یا بوا میں بن یا ہی سوکھ ہی میں یا میان بیڑوں کی ناکس کا لے ڈال ہے میں اس کی جاسے دیا بھر بیوہ ہو جائے اور عورت بنے یا ہے۔ دیکھئے نا آپ کے کھلنے کی نالی خواب جو باقی ہے تو آپ میں چاہیے ہی اور آپ پر داکھی نہیں کرتے کہ اس سال ڈال کی وجہ سے دکن کے لارادہ سہی عہدہ بیچ نہ بے جاسے اس لئے اس سال تحریک کی بہار سے لوگ محروم رہ جائیں گے آپ کی جاسے محول خطیں یا یہ کھیں گرنالی عوامات ہوتی چاہئے۔

اب خواہ دیا جو وہ ادب کی ہر دن کو یا ایک عریاں اور مکرہ کے زمانے سے ہر دن کا رتہ دے دیا یہ زمانے کو نشیب و فراز کی ڈھالی سوئی ایڑ ہے جو تیر میں اپنی جگہ پگھلی۔

یہ تو ہماری ہیرس سرشار کی نادر ادا بھری نازنین۔ جسے دنیا میں سوائے کھنے چنے اور عیش کرنے کے کسی بات کی فکر نہیں۔ میں نے غلام کہا ایک بات کی بلکہ استہلاک ہے اور وہ عشق لارادہ کی۔ یہ لارادہ ہے ہمدرد ابی کا۔ پھر اس کے مقابلے میں پریم چند کی مظلوم عورت اور ناشادہ بھری کی کھلی ہوئی بھر۔ یہ زمانہ ہے اقتصاد کی کشمکش کا اور سدھا کار پھر لیجئے مزاج نگاروں کو۔ یہ نہیں گئے اور نہ لگے۔ چڑکی میں مگن نہ آئے جانا نہ چھے ہٹنا۔ پھر ایم سلم کی سادہ ہوئی لڑکی جسے سوائے مذی کے کناوے قتلے جانے ناول سے یہ کہ کی پیشیں بڑھانے اور بھڑوں کے ساتھ گیت گانے اور کوئی کام نہیں اس سحاب کی بے وقوف کاہل اور بے معرفت و شہرہ جو سوائے چوتیوں سے ڈر کہے ہوش ہو جانے کے اور کچھ نہیں آتا۔ جہاں حسن و عشق کو بناوٹ نے اترنا رکھا ہے۔ یہ زمانہ ہے عا حاک اور کھٹے کا۔ اور یہ کرشن کی زندہ خدمت، بیدی کی کاروباری ہر روز، فنڈ کی جیتی جاگتی سب کی جاتی پہچانی بے حیا رنڈی، عصمت کی بے مین منہ پھٹ اور بے شرم لڑکی، ستیا رنجی کی ہانہ ہر دن، مکر کی نعلینی میم صاحب۔ یہ زمانہ ہے زندہ رہنے کے لئے لارادہ کا، کچھ تحریر کرنے کے لئے جدوجہد کا، کچھ مٹانے کے لئے اور کچھ بنانے کے

سے دین دنیا کو چٹ کر دینے کا یہ کہہ کر جو وہ فنا سے ظاہر ہوا ہے۔

اب دیکھئے کہ ہماری آئندہ زندگی کی ہر دُن کس شان سے جلوہ افروز ہوتی ہے۔ خدا کے بند عورت ہی کی پرستش ادب میں کی جاتی ہے۔
یا شاید اس کا نمبر پیچھے آتا ہے۔ اچھرو دنیا کی دوسری طاقتوں کا۔ جہاں تک اندازہ لگایا جائے کہنے والی ہر دُن نہ تو ظالم ہوگی نہ مظلوم بلکہ صرف
ایک عورت ہوگی۔ دوسرا ہر سن دیر داں کے بھائے ادیب اسے عورت کا درجہ ہی بخشیں گے اور پھر تعمیر شروع ہوگی۔

(ایک بہت)

custom to re-marry should live in misery, if jealous husbands should chop off their wives' noses. It would matter little to him if all respectable women were widowed or if the whole of their tribe was wiped out. It is the drain in his own neighbourhood that he wants cleaned up. Whether the flowers in other people's gardens bloom or not is a matter of complete indifference to him, for in any case he has no access to such well-kept places. The heroine of present-day fiction may be an unclear outcaste. Nonetheless she has been shaped and moulded by the vicissitudes of life itself and it is good that she has at last caught the artist's eye.

Faked Romance

Well, such is the story of our heroine. We have seen her as Sarshar's alluring courtesan, who ate and drank and was merry without a care in the world, except the worries of love-making. That was in the age of grace and good living. Next, we met her as "Prem Chand's" obedient housewife and Raashid-ul-Khairi's pathetic, downtrodden widow. That was in the age of economic stress and social reform. Next came the humorists, full of fun and laughter, complacent and static. And then the period of drowsiness, in which the sadhu's young daughter of M. M. Aslam's stories wandered dreamily on the banks of brooks, singing among the butterflies and dallying with the passers-by, and Hijab's stupid, indolent and futile maidens swooned away at the sight of a mouse and lived in a world of faked beauty and faked romance. And now, in our own day, we see our heroine as the living woman in Krishna Chandra's stories, as the business like woman in Bedi, as the lively, impudicious, common harlot in Manto, as the restless, outspoken unblushing girl in Ismet, as the nomad in Satyarthi and as the philosophising mem-sahib in Askari — all pointing to the fact that ours is the age of conflict; of the struggle to live; to shape and to build, to destroy, in order to create; an age, in which everything between heaven and earth must be evaluated anew.

In fiction, woman is invested with a power greater than all other forces of nature, second only, if at all, to the Almighty. We must wait and see what role is assigned to her in the days to come. As far as one can peep into the future, the heroine of the coming age will be neither tyrant nor martyr, neither goddess nor hell-hag. She will be just a woman and writers will proclaim her as such. When that happens, the foundation of our fiction will have been well and truly laid.

had once borrowed her allurements and charm, she now adopted the submissive ways of the homely woman. So much so that unless she was the lowest of the low, it was difficult to recognise her as the prostitute. When the rebels at last sought her out, they were shocked to find her sunk so low that only the beggars, the coolies and the tonga-drivers knew where she lived. She was no longer the sweet little songstress of Sarshar's novels, but only a mangy and mean-looking cat rummaging about in the refuse heap. In the days gone-by, when man depended on her for his moments of supreme joy, how he had extolled her in prose and poetry, how fiction had paid homage to her charm and beauty! And how man had cast her aside now! Having installed a water pump in his house, he had let the wells of sweet water fall into disuse, till they were infested with reptiles and vermin. Panting with thirst, with his tongue hanging out of his mouth, he now returned in his desperation to the same wells.

Young Crusaders

Not only did he return, but he demanded that the municipality should clean them up and keep them in good repair. For, such a lot had to be done before the prostitute could once more become useful to him. So the rebels vehemently took up her cause and exposed this festering sore to the gaze of the world. Impecunious but spirited young men crusaded for her, for she, whom no one else seemed to want, could be a great source of comfort to them. They discovered all the beauties of the world in this wretched, down-and-out, fly-blow street-walker who lived in such filth and squalor because she was about the only kind of woman they could consort with. The respectable woman had so far receded from their life that they hardly knew anything about her and cared even less. To them she was just a snooty, selfish sham of a woman who was outraged at every offer of love and indignant at the suggestion of male protection. She lacked the squalid fascination of the harlot—not this time the demi-mondaine who scintillated in the highest social circles, but the hungry, street-bitch who tugged at every passer-by's leg and gave herself to every one for a handful of coppers. Her squalor, they argued, was not something to be shunned but a wrong to be redressed. If she had no morals or scruples, if she was filthy and disease-ridden, the fault was not hers but of the social system which permitted human beings to sink so low. The new writers, by dwelling on this theme, did a great deal of muck-raking which offended the fastidious, but they helped, nevertheless, by their frankness to lighten the burden of human misery. However disgusting the prostitute, she is after all part of our life and one cannot ignore her simply because she is unpleasant to contemplate. Because she is the common refuge of many frustrated and hungry men, because she is there for any one to have, the world denies her the status and dignity of woman. But she is even more useful than an ordinary woman. That is why the young crusader of to-day is more solicitous about her well-being than about the welfare of the woman-in-the-home whom he finds so aloof and remote. It is of no concern to him if women's education should not make much headway, if thousands of widows forbidden by

New Problem

In time, the supply outstripped the demand. There was a time when you had to go far to find a girl who had passed her school, now you found a whole crop of women graduates jostling with each other in the marriage market. This created a new problem. How could an educated woman marry any one who was not, at least, a civil servant? But Government unfortunately had forgotten to arrange that the number of its civil servants should keep pace with the number of educated women waiting to marry them. There was, therefore, a regular scramble for each eligible young man that appeared on the horizon and after he had been grabbed by the highest bidder, the rest of the crowd of women graduates returned to their perches and lay in wait for the next coming, up various jobs in the meantime.

In the world of men, on the other hand, although civil servants were few and far between, ill-paid school teachers and penniless doctors were rapidly growing in number. These unfortunate men had only two courses open to them: to marry some uncouth simpleton and be miserable for ever, or pine away, dreaming of a life of eternal bliss with this or that woman of education, refinement and charm. Some did both. They married as the fates ordained and at the same time continued to torture themselves with dreams of the ideal soul-mate. Most of them, of course, just fell in love with the chic young lady in the neighbourhood, who though utterly unapproachable was at least occasionally visible in the flesh.

So our world filled more and more with men and women whom nature had made for each other but whom the match-maker could not "suitably" pair off. It was a scene of poverty in plenty: warehouses full of cloth and the streets full of naked people, food overflowing into the gutter and people starving by the thousand, all the men imprisoned in one cage, all the women in the other and Mrs. Grundy standing guard in the middle. Young women languished and became faded old maids, young men became sex-obsessed brutes, and the pangs of hunger dehumanized both and warped their souls.

At last the pent-up forces found an outlet. These stresses and strains threw up a band of rebels, who set out to destroy, to uproot the old tree and plant a new one in its place, to demolish in order to build afresh. They first crossed swords with Mrs. Grundy. She would not be easily bound and gagged. But what finally defeated their efforts was the impassable economic barrier that stood between them and the women of their choice. Thwarted and frustrated, man once more returned to the courtesan's bosom.

But the great courtesan of the early days was now just a common harlot. Gone was her glamour, for during the reign of the domestic heroine, she had been robbed of all her glory, and poverty and neglect had put their hideous stamp on her face. Some had sought refuge in marriage, some still plied their trade in the gutter, others camouflaged themselves as respectable women. Years ago, the woman-in-the-home had thrown aside her veil to win back her man from the courtesan. The bankrupt courtesan now picked up this discarded symbol of modesty and tried to disguise herself in it. Just as the respectable woman

Unperturbed, the woman not only kept her hold, but set about tightening it, if she could. She discovered, for example, that her economic dependence on man was a bad crack in her armour which she must close up. She started in a small way, by taking in the neighbours' needlework, but very soon was found crawling about in every corner of the career market. The novelty of this role added to her charms. Let woman but appear in a new guise and even the husband would fall in love with her. She became a school-teacher and the old mullas gaped at her in wonder. She became a doctor and ancient apothecaries could hardly believe their eyes. She pleaded in law courts and men in the profession stammered and spluttered in her presence. The advent of the career woman was like a grand circus come to town: every one leaned out to watch and stare. Men shouted: "Look out, for there comes the New Woman", and fled in confusion. She advanced steadily and conquered new fields. The more she cut into men's wages, the more she captured their hearts.

This was too much of a good thing. This wage-earning heroine, physically fit and mentally alert, waylaid man like a brigand. So long as she was just saucy and pert and boisterous, she was rather delightful. Even if she was spoiled and moddlesome and difficult to shake off and somewhat of a nuisance, as long as she depended on man for her bread and butter, she was quite acceptable. Now and then, perhaps, she put out her claws but in the end she always made up for it by rubbing her soft body against his legs and putting him into good humour again. Vain and extravagant, she was nevertheless man's property, proud to live on his charity and willing to pamper him to earn her keep. For her, now, to fight man as his equal in the economic field and to cheat him of his last superiority over her was sheer highway robbery!

In fact, she became quite a terror and writers felt called upon to point out the error of her ways. They told her that independent women always came to grief; they were ravished, had illegitimate children, were seduced by clerks and doctors and school-teachers with whom they came into contact, were shunned and despised by society. They put husbands and fathers to shame for living on the earnings of their wives and daughters. They warned parents that in the schools and colleges, their daughters would learn nothing but lovemaking and would end up as unmarried mothers, for these weedy-looking school-masters were all gay Lotharios in disguise. Every other story written during this period is at pains to show how the school-girl and her teacher succumb to temptation, have a passionate affair and come to a pitiful end.

Deterred by this type of fiction, the heroine might have returned to her husband like a penitent who had learnt her lesson, but for some reason, just about this time women began to fetch higher salaries than men, which enabled our heroine to consolidate her newly acquired position. As education paid higher and higher dividends to women, it became less and less profitable to men.

Her success at first was partial, for though the courtesan had retreated, the field was held for a while by the Occidental and the Parsee, both of whom were regarded as "fashionable" types and had worked their way into many of our stories. But she, who had vanquished the courtesan, was not likely to be daunted by these. She knew, of course that as long as she stayed at home, there were dangers abroad that she was unable to avert. Confined to the four walls of the house, how could she dispel the loneliness that man would feel away from home? For, when on his jaunts, he rather fancied a woman in one hand as much as he fancied a walking-stick in the other. She was the tonic for domestic use only; how could she sustain him during his business hours, for example? True enough, as a temporary expedient, man did cast hungry looks on the typist girl or the manager's beautiful daughter, or found others to warm his blood. But the domestic heroines of such novels of the period as *Godari ka Lall*, *Rushanak Begum* and *Zorru Begum* kept up the fight and very much held their own against such pirates.

The role of the docile, homely woman does not, however, seem to have satisfied her for long; for, in the next phase of her career, we find her very much bolder than she had ever been before, archly flirting with her cousins, with her cousins' friends and with the neighbours. She was now transformed into the saucy, boisterous, unabashed, self-assertive female that we find, for example, in Azim Beg's stories. The fact that she was still very much the woman in-the home living in purdah, added piquancy to the situation and made her sportiveness even more devastating. Beside her fetching ways, the erstwhile charms of the courtesan appeared commonplace, and "Prem Chand's" submissive and goody-goody heroines, insipid and irritatingly inane and their humility almost contemptible. The docile heroine now gave place to a much more robust and hearty female. True, she was unlettered, with no claim to grace or refinement, but she was full of crude vitality and primitive fun. She slapped and kicked and punched and played practical jokes and was up to all sorts of pranks. To the man with the modest income, such a vivacious wife was a great source of joy, brightening up his little home and lending colour to his dreary existence. Life for him had, indeed, become heavenly.

Willing Victim

The male, it is true, is ever the willing victim of the female. After all it was he, who finding even Paradise desolate without her, made her out of his rib. How gladly he hands over the reins to her, be she courtesan or wife, and follows her around. The harder he is driven and the more he is pulled about and whipped, the happier he feels. But once in a while, the limit is reached and the woman turns. It was all very well for our domestic heroine to be the queen of his heart, but when she entwined herself round him and began to bully and dominate and tantalize him and stood guard over his every word and act, man was exasperated. The first groan was at last heard in "Patras," and, later, Azim Beg and Shaukat Thanvi and many others joined the chorus. Before long, our fiction was crowded with male characters like Chacha Chhakkan, Munshiji, Mirzaji, etc, all of whom raised their voice in protest against woman's tyranny.

all their days were household drudges. They were the unappetising housewives and dowdy matrons of all-work, from whom men turned to courtesans for heartease and pleasure. The mission of Sushar's days was not just a vulgar mercenary. She lived as graciously as any flooded lady, except that she was even more refined and possessed greater wit and charm and gaiety. She was the town-garden, maintained by public donations for the pleasure of the community. Not every one could afford a fine house, adorned by an accomplished and elegant wife, flower-decked and attar perfumed. So man adopted a convenient formula for both living—in the home, the wife to bear him children and to minister to his daily needs; in the street, the courtesan to appease the hunger of the soul. A most useful compromise, one that could thus accommodate both the domestic ideal and the romantic urge.

Jealous of the courtesan, the woman-in-the-home grew restive. When man was away from home seeking joy in the arms of the courtesan, she made eyes at the neighbours. Those husbands who had already found the public garden an expensive resort, promptly returned home, arguing that after all the little that belonged to you was better than the much that belonged to all. Having won the first round, the woman-in-the-home gained a new confidence and proceeded to fight the courtesan with her own weapons.

Woman Stoops to Conquer

She proceeded slowly and with caution. At first, she stooped to conquer and insinuated herself into man's affection by following the path of docility and self-abasement. In time, Sushar's imperious courtesan was vanquished by "Prem Chand's" homely woman, and henceforth this soft treading, feet-kissing, modestly-veiled, obsequious creature was found crawling shyly across the pages of fiction. Those who used to feast their senses on the riot of colour in the public park, were suddenly attracted by the modest little violet growing in their back garden. Surprised, and somewhat proud, to find it there, they began to tend it with gentle care and affection. The courtesan's sway was seriously challenged. Her blandishments were now found to be distasteful and her charms, which had once enslaved the hearts of men, were put down as mere tricks of the trade. The water-pump in the public square was contaminated, declared the male—and began to dig a well in his own courtyard. But every day, the well became deeper and deeper, till at last man lost his foot-hold and began to drown.

This stung the courtesan to exasperated fury. But her day of glory had passed. While she had been resting on her laurels, the modest, ingenuous, homely female had stolen a march over her by using weapons both old and new. On the ruins of the courtesan's world, the woman-in-the-home built her tower of victory and reigned supreme. Men who used to crush her under foot, now took up cudgels on her behalf. Chivalrously, they pilloried themselves and railed against their own kind for their past neglect of her. She watched this tournament with quiet confidence and took no sides. The docile believer in ahimsa fought no one, but just as Gandhiji exasperated the rulers by his acts of renunciation, she, with her downcast eyes and submissive ways, confounded the enemy from behind the veil.

"YOU clap with two hands, not with one," says the proverb. In literature, the two 'hands' are the hero and heroine of fiction. No doubt there is a type of literature which does without them. But that is like striking your hand against the sole of your foot—you make some noise which echoes within the pages of the book, but seldom travels beyond them to the common reader. Banish the hero and the heroine and most literature would be hard to swallow and would stick in the throat like dry bran.

Make a performing monkey and his mate dance to the rattle of a dugdugi and you collect a crowd. Preach and exhort and you lack an audience. People never take kindly to the mosque and the school. So when you have something to say, you lead forth the performing monkey and his mate on a string and rattle the dugdugi. You exhibit the tactics and exploits of the hero and the heroine and collect a crowd. You tickle the senses and seduce the emotions and thus achieve your end. In short, you employ the same stratagem as the wise instructor who wins over his pupil by pretending that what he is about to teach them is just another game, like kabaddi or tip-cat. Sugar-coat the bitterest pill and people will swallow it with delight.

Literature Wedded to Life

How else should the ancient *Mahabharata* and *Ramayana* be as fresh after all these centuries as though it all happened only the other day? Azim Beg Chughtai tried to abolish the purdah by quoting from the Quran and only drew the imprecations of the maulvis on his head. But in *Shahr-i-Bihar* and *Chal-tar* how easily was the veil rent with the help of his lively heroines! Were it not for their heroes and heroines, Raashid-ul-Khairi and "Prem Chand" would now be rotting on the musty shelves of libraries instead of living in the hearts of men. Literature is wedded to society, to history; in other words, to life. Part them asunder and they both wilt and die. Banish the hero and the heroine from literature and you banish life, leaving a void behind.

Of the two, I wish to talk of the heroine and of the social level at which our fiction found her from time to time. For, she is like Jamshed's wine-bowl in which the whole universe and all eternity were reflected. Fix our gaze on her and the entire economic, social and political panorama of her age unfolds before our eyes.

Look, for instance, at the heroines in *Fasana-i-Azad*. They leave you in no doubt that the woman who really mattered in that age was that embodiment of refinement and charm, the courtesan. This is only to be expected, for where could Sarshar have come across a respectable woman in those days, above all a respectable Muslim woman? Respectable women

THE HEROINE IN URDU FICTION

By
ISMET CHUGHTAI
Translated by
A. S. BOKHARI

As a writer of short stories in Urdu, Ismet Chughtai is well known for her studies of middle class life, her intimate knowledge of woman's mind and her pungent prose. This is one of her critical articles appearing in her latest collection "Ek Bat".

قدیم یونانی حکماء اور ان کے خیالات

(۱)

”مستقبل فلسفہ کی تاریخ کو عام طور پر حکماء کے ان گروہ سے نمونہ دیتے ہیں جو حقیقی صدی میں مسیح میں ایٹکے کو چمکے کے گناہ سے
یونانیوں کے باب۔ جوئے شریک علیہ میں بابو عا۔ یہ حکماء، یہ حکماء، یہ حکماء کے اسطے بہت کچھ سوچے رہے۔ وہ، کچھ عے کریر۔ بنا عالم کو ن دف
ہے۔ اس سبب رمی اور کونی رتی ہیں۔ انہی کے ساتھ نظریہ اور تحریر سے ساتھ تھوڑا سا سے۔ اس سے کہیں دور ہیں کے کوئی چہرہ
عدم مطلق سے جو وہیں نہیں آتی۔ اور انہی سے عدم مطلق ہی میں ملتی جاتی ہے۔ دنیا کی کوئی چیز بالکل اسیر کو متروک نہیں ہوتی اور نہ کبھی وہ بھی
اختتام ہی پہنچتی ہے۔ ہر ایک چیز بقدر کے لامتناہی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مگر ہرگز نہ ہر کبھی چرکا۔ یہ وہ ایک چیز ہے جو شخصیتوں میں
آ اور مختلف اشیاء اور اسامی میں جاتی ہے۔ وہ کوئی ایک سا وہ بنیادی ہے جو غیر تجربہ ہو کہ مختلف شخصیتوں میں رگڑا رہا ہے یہ ایک مشترکہ جس کو
حل کرنے پر تئید یونانی حکماء نے اپنی فکر بہت باندھی۔

سب سے پہلے افلاطون۔ نچانی کو کائنات کا مادہ میادین قرار دیا۔ اس کے بعد ابن ولسی بیڈر آیا اور اس نے کہا کہ مادہ میادین
ایک غیر محدود مادہ ہے۔ جس میں سے مختلف جسم بننے ہیں۔ ایسی کسی میادین نے اس کو اجزا بن جو ان میں اس میں عا۔ س پا کر آگ بن
جاتے ہیں یا جو حالات میں کھنڈے ہو کر پانی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں

سے ۴۰۰ سال پہلے ایونین نے تیار آدو کر افلاطون کو نارح کر دیا اور عا کے اس گروہ کو ابے مردہ یوم میں ہی غافل ہو
گیا۔ مگر انہی آیام میں میلاطیس سے کچھ خاصے پر شرا میں ایک فلسفہ سفر ہر تھوٹ میں نای موجود ہا جو میلاطیس کے طبعوں کو جانیں کجا جاتا تھا
ہر تھوٹ میں کو دنیا کی سب باتیں قابل نامت و اس میں معلوم ہوتی تھیں۔ اسی نے بعد میں وہ ”حکیم باکی“ کے نام سے مشہور ہو گیا جس طرح سے کہ
دی تھوٹ میں کو لوگ ”حکیم جاسک“ کے نام سے پکارتے تھے کیونکہ اس کے لئے زندگی کی سب باتیں درجہ فرحت و آسوا تھیں۔

ہر تھوٹ میں کے نزدیک کائنات کا مادہ بنیادی آگ ہے۔ وہ تو یہ کہنا تھا کہ عا کی قوت فکر بھی اسی آگ کا ایک حصہ ہے۔
جس سے سرعت سے شعلہ متغیر تار ہر تھوٹ ہے۔ وہ کسی طرح بھی خیال کی سرعت سے کم نہیں۔ وہ شعلے کا اخلاص و سواں بن جاتا خیال کی اس
بتدریجی اور بے نعلی کو ظاہر کرتا ہے جو تھوٹ کے نقشے کی حالت میں واقع ہوتی ہے۔

سکون کی سطح میں برتاؤ میں کی اہمیت، اس وجہ سے نہیں کہ اس نے بھی اور سبکی طرح کسی چیز کو کائنات کا مادہ بنیادی قرار دیا۔ جس میں کہ پائس نے بہت زور دیا ہے۔ خود سناہ تغیر ہے۔ تمام دنیا ایک جی برقی نہ کی عروج ہے جو ہر وقت اپنے اپنے سطح کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی رہتا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ ہم ایک ہی دریا میں دو دفعہ داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ کہ جس پانی میں بہ خلیک دفعہ پاؤں ڈالا۔ دوسری دفعہ پاؤں ڈالتے وقت وہ کہیں کا کہیں رہ جاتا ہے۔ اس کے کو مان لینے کے بعد فوراً یہ سوال پیدا ہو گیا کہ کیا ہم اسے تمام موصوبے سے ہیں، اجماعاً اس کی حالت برقرار رہتی رہتی ہے۔ تو جوابات ہم کسی چیز کے متعلق اس وقت مان لیتے ہیں۔ وہ ہم سے مزے سے کہتے ہیں کہ وہ جانتی ہے۔ کیونکہ وہ چیز بذات خود اس وقت تک بدل کر کچھ اور ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر تلافیس کے بعض متقدموں نے اسے لکھ کر نازک کر دیا تھا اس کے بدلے وہ اشاروں سے بات کرتے تھے کیونکہ کہنے وقت میں ایک جملہ نگہیں کو پہنچا ہے اتنے وقت میں اس کا تصور غلط ہو جاتا ہے۔ بعض متقدم تو یہاں تک کہتے تھے کہ ہر تلافیس کا یہ کہنا کمال نہیں کہ ہم کسی دریا میں دو دفعہ پاؤں نہیں ڈال سکتے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہم کسی دریا میں ایک دفعہ ہی داخل نہیں ہو سکتے۔

کی حالت میں نہیں جونا اور ہمارے پاؤں ڈالتے ڈالتے وہ بلا ہر ایک دریا ہر ایک دریا میں کہہ جاتا ہے اس سے گور جاتا ہے۔ ہر تلافیس کے متقدم تغیر کے مندرجہ بالا نتائج کو ترقی میں بائی ایک نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ترقی میں ہر تلافیس سے سوال ہم میں ہوا ہے۔ اور انٹالون اپنے کچھ کے نمائے میں اسی ترقی میں کا نشانگہ دیا۔ انٹالون کی پیدائش صبح سے ۴۴ سال پیش ہوئی۔ اس نے ادنیٰ عمر میں جو کچھ اپنے استاد سے اس جگہ تغیر کے متعلق سنا اس نے اسے اس بات کی ترقیب دلائی کہ وہ ایسی چیز کو نہ دیکھے جو اس کو دیکھتا ہو۔ جہاں جہاں جیسی حق ابد تک ایسی ہی ہے اور جس کی نسبت اگر انسان کوئی واقفیت حاصل کرے تو وہ واقفیت اور وہ علم ہمیشہ کے لئے درست اور کارآمد ہو۔ یہاں جو کہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہر تلافیس اور اس کے ہر مسئلہ تغیر کا اطلاق بعض محسوسات پر کہتے تھے کہ یہ محسوسات کے علاوہ وہ اور کچھ امور کی حقیقت یا وجود کے قائل ہی نہ تھے۔ اس لئے یہ نہ کہنا چاہئے کہ وہ ان معنوں میں تلافیس یا دیات تھے جن معنوں میں کہ آج کی دیات کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بات نہ صرف اتنی ہے کہ ان معنوں نے محسوسات اور غیر محسوسات کو وہاں خط تقاطع کی جگہ کیجنا ہی نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ وقت خیال، بھی ایسی طرح جگہ گھر سکتی ہے جس طرح مادہ اور مادہ بھی اپنے اندر توت خیال رکھتا ہے۔ انٹالون ہر لمحہ تک کسی غیر متغیر و غیر محسوس حقیقت کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ اور آخر میں اس نے منزل پر پہنچنے کے لئے یہ راہ اختیار کی جو ایفٹنر کے نام سے جگہ سقراط نے اس کو بتائی۔

دنیا میں بہت سی شاندار ہستیایں ایسی ہوئی ہیں۔ جنہوں نے اخلاق کے نئے درجے میں اپنی کوئی تحریر یا مکتوب یا تصنیف نہیں چھوڑی۔ ان کا حال ان کے ہمسازوں کی روایتوں سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ سقراط بھی انہی ہستیوں میں سے ایک تھا۔ اس کے حالات زیادہ تر یا تو ایسٹوفا ناس نامی شاعر کے ایک ڈرامے سے ملتے ہیں جس میں سقراط کا گفتگو اڑایا گیا ہے۔ اور جب سقراط پچاس برس کی عمر کا تھا۔ تو پہلے دفعہ وہ لڑکا ایفٹنر پر کھینچ لیا اور اس کے کچھ حالات نامہ جرنیل نیز فون کی اس تصنیف سے بھی کچھ ملتے ہیں جو سقراط کی موت کے بعد لکھی گئی اور یا انٹالون کے مشہور و معروف ”کالمات“ سے کچھ پہنچتا ہے۔ ایسٹوفا ناس نیز فون اور سقراط کی طرح انٹالون بھی ایفٹنر کا بااثر تھا۔ جرنی کی عمر ہی میں وہ سقراط کا شاگرد ہو گیا۔ بعد میں جب اس نے وہ ”کالمات“ لکھے جن کے اندر ڈرامے کی شکل میں اس کے اپنے استاد سقراط اور سقراط کے متبعین کے ساتھ مندرجہ ہیں تو اس نے سقراط کے فانی خیالات کے علاوہ وہ نتائج بھی انہی کے نام کے ساتھ منسوب کر دیئے ہیں۔ یہ وہ سقراط کے

تکے سے ہر ماسوں پر چل کر خود پہنچا تھا۔

اور سونائے اپنے ڈرامے میں تعامت سے اہل اقتدار کا مانند۔ ان کے مذاق کے لئے نے عقیدوں کی منسی ڈالتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ سونے خیالات اور یہ منطقی بحثیں ہر مذہب اور اخلاق کے لئے از غنوت رساں ہیں۔ مصلحت اس کے رہنمائی میں مقررہ کو ایک کامل رجسٹرا۔ صحتی مددگار۔ پیمائشی اور نفس کشی کا ایک جائزہ اور ان تمام لغو درے ہوئے خیالات کا حیرت منہ کی اور گھبراہٹوں کی مصلحت کا باعث بنیں ہر سکتے و جسمی بیان کرتا ہے۔ المذاطوں سے اپنے استاد کی جو تصویر کھینچی ہے اس کے معانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کی مختلف زبانوں کے خیالات کے ایک ہی شخصیت کو انی۔ و طر بقدر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس حاشی ترقی کے لئے اس میں اس پرست ہستی کے اندر ایک ایسی روحانی تربت نفی جو اس کے ہم جھڑپوں کے دونوں میں پرتی۔ کی طرح سرایت کر جاتی تھی۔ اس کی اصل وصحت۔ اگرچہ بین نہ تھی۔ لیکن اس میں وہ نقائص کستست تھی جو شکل و صورت کی عیاج نہیں۔ وہ ایقتر کے نوجوانوں کے دونوں کو اس کی طرقت کھینچے آتی تھی جو اس کی محبت میں جھٹنے کا سرتج حاصل ہوا۔

وہ جانتے تھے کہ سقراط کی گھنگھریل منطقی زحکو سے ہی سقراط منطقی باوہ کو نہ تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال جاگ رہا تھا کہ اس کو انعام ہوتا ہے۔ اور خدا نے اس کو ہدایت بنی نوع انسان کے اہم کام پر مقرر کیا ہے۔ یہ خیال اس کے حاشی نو ایک نئی قوت اور اس کی زبان کو ایک انوکھی طاعت بخشتا تھا۔ اس کی آزاد زندگی تمام بندتوں سے۔ اعلیٰ حق کی جس سے ایک دنیا دار پابند بنجیر ہوتا ہے۔ اس کی روش میں غضب کی مبالغہ اور اس کی عادت میں اعلیٰ درجے کا ضبط تھا۔ اس طرح اس نے عقائد کو بخیر کے نوجوانوں کے لئے غرض اخلاق سمجھاتا تھا۔ اپنے ڈرامے میں سقراط کی زندگی کا وہ درخشاں پہلوئے حیات بر گز میں بتا سکتا تھا جس میں نے حیات نے انطاطوں اور انطاطوں کی طرح اور سیکڑوں کو سقراط کا گردید کر رکھا تھا۔ ۳۹۹ قبل مسیح میں جب سقراط کی عمر ۷۰ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ اپنی حکومت نے اس پر دروازہ نام لگائے تھے کہ وہ نوجوانوں کے اخلاق کو خراب کر دینے کا باعث ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ اس نے اپنے ملک کے دیوتاؤں کو مانتے سے انکار کیا ہے۔ حکمرانوں کا یہ کہ وہ خود اپنے مانتوں سے نہ ہر کا پار پی کر پیشہ کے لئے اپنی غیر نفیس سستی کو مٹا دے۔ سقراط اگرچہ جانتا تو جہاں کہ قانون اس کو احداث دیتا تھا۔ اپنے جرم کے کچھ حصے کا اعتراف کر کے اپنی سزا میں تخفیف کر سکتا تھا۔ اگرچہ خود ناچار تھا۔ مگر اس کے پیروؤں میں سے اکثر اتنے متمول تھے جو اس کے لئے بڑے سے بڑا جرم ادا کر سکتے تھے اور صرف یہ نہیں بلکہ اگر وہ چاہتا تو اس کی ایک نمیش اور کی تمیل میں اس کے بے شمار دوست اس کو قید سے نکل لے جاتے اور وہ اپنی باقی ماندہ عمر اپنے وطن سے باہر آرام و آسائش میں گذارتا۔ مگر مرتے دم تک اس کو اپنی بے گناہی کا یقین رہا۔

قانون کی خدمت دہی کو وہ گناہ سمجھتا تھا۔ اور قید سے جاگ جانے کا اس نے دل میں کبھی خیال تک بھی نہ آیا جو انہم اس پر لگائے گئے ان میں پچائی صرف اتنی تھی کہ سقراط کو بعض ایسے گروہوں سے میل جول تھا جنہوں نے مذہب میں نئی نمیشیں اور بقیہ پیدا کیں۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس نے ذات خود مذہب کی علانیہ مخالفت کی ہو۔ اگرچہ اس کا کبھی کبھی العالم وغیرہ کے متعلق ذکر کرنا یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے عقیدوں کا چندان تاثر نہ تھا۔ سقراط کی تعلیم کا نوجوانوں پر اثر ہو کر ان میں راست روی اور ضبط نفس کا مادہ برپا ہو گیا۔ مطلق العنان زندگی کی بد نظریوں اور بد عنوانیوں سے کادہ کش ہو کر وہ اپنے استاد کے نقش قدم پر چلنے لگے۔ اور ان کی اور شیکو کاری کو اپنی زندگی کا مقصد اعظم سمجھ کر اسے ہمیشہ اپنے مد نظر رکھنے لگے۔ تخریب اخلاق کا شرعہ اس جہ سے پیدا ہوا کہ آیام جوانی میں سقراط کی دوستی چند ایسے انطام سے تھی جو بعد میں اپنی باخیز و کوتاہی کے لئے بدنام ہو گئے۔ سقراط اپنی حکومت کی کورڈوں سے پوری طرح آگاہ تھا۔ میری مرتے دم تک تافان کا پابند رہا اس کے مشورہ جانبداروں میں سے انطاطوں کو سپارڈائی حکومت کو ایقتر پر ترجیح دیتا تھا۔ اور نہ نوجوان ایقتر کو چھوڑ کر سپارڈائی فوج میں داخل ہو گیا۔ ہم اور بیان کر چکے ہیں کہ

ہر طرح کی تفسیر کی جو سزا غلطی کا بدلہ دے کہ حالت میں تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اگر ہر ایک چیز پر غور کرتی رہتی ہے تو علم کے کیا معنی ہ سکتے ہیں
اشکال کے تفسیر کی وجہ سے اس کا علم بھی ہر طرح تغیر ہوتا چلا ہے اور تغیر کا حاصل کرنا بے سود ہے۔ ان خیالات سے اس کے دل میں کسی ایسی چیز کی
موجود پیدا ہوئی جس کی حالت ابھی برآمد میں کا علم آئندہ کے لئے درست ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس طرح سے وہ سقراط کے بتائے ہوئے راستوں
پر چل کر اس علم صحیح پر پہنچا۔

سقراط اپنے میں قدر سقراطی کا نام نہ لکھا جانا تھا۔ ان دنوں میں سوسائٹی میں دانا یا حکم کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ دنیا
سقراط کو "سقراطی" کہتی تھی۔ مگر سقراط کے پیرو اس کو ان لوگوں کا دشمن خیال کرتے تھے جن کو "سقراطی" نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ لوگ
اپنی تعلیم سے اس بات کی انتہا کرتے تھے کہ نیکی اور بدی میں تیرہ تہ کی مقدار کو وہ اور بدی میں ہے۔ اس آئینہ کا انھیں بعض دیکھنے والے پر
ہے۔ جس نسل کو ایک حالت میں نیکی کہا جاتا ہے۔ وہی نسل بعض اور حالات کے باعث بدی ہی مانتا ہے۔ جس پر غور کرنے میں ایسے ہیوہ
خیالات سے راستہ مدد نہ دے گیوں کے عقیدے سے متزلزل ہو سکتے تھے۔ اور اخلاق انسانی ایسی کے بحثوں سے معرض نظر میں تھا۔ اس وقت
سقراط اس کے بڑا اور اس کی ایک نئی ادھیج انسانی سے کوئی کی رہنمائی کی۔ اس نے کہا "ہم تعلیم کرتے ہیں کہ ایک کام جو ایک حالت میں
فطرت پر ماسے۔ کسی اور حالت میں بڑا ہو۔ اور اس صورت میں ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ نفع دینا یا "ہم" سے ملتا رہا۔ اسان قروں سے
کم فائدہ پر غور ہوتا ہے کہ نیک و بد۔ کچھ معنی اور حقیقت ضرور رکھتے ہیں۔ مثلاً جب ہم کسی شخص کی دیانتداری جان کر ہیں تو نکلے سے کہ ہم کو
اس کی زندگی کا حال معلوم نہ ہو یا ہم حال سے ہو۔ ہر طرح و اخلاق نہ ہوں اور ہماری رائے اس کی دیانتداری کے متعلق قطع ہو۔ ہم نہیں گئے۔ ہر
خیال تھا کہ وہ دیانتدار ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ میں غلط رہیوں۔ مگر ہم یہ بھی نہیں گئے کہ ہم جانتے ہی نہ تھے کہ دیانتداری کیا چیز ہے۔ کیونکہ
ہم اگر دیانتدار ہی ہی سے واقف تھے تو ملایا صحیح رائے کہ ہر طرح قائم کر سکتے تھے۔ اس لئے سب سے مقدم۔ ہے کہ ان الفاظ سے ہی کو سقراط
میں موضوعات کو اجاڑا ہے۔ ہر طرح و اخلاق ہوں۔ ہر طرح و اخلاق ہوں اور وغیرہ۔ اور ہر ایک کی تعریف کر کے اس کے معنی کی توضیح کریں؟

سقراط کے ان خیالات نے کہ انصاف۔ بہادری وغیرہ وغیرہ حقائق ادبی ہیں اور ان کے معنی کی تحلیل اور تفسیر میں سے ہر کچھ
ہے۔ اخلاق کو اندر سے ہی متاثر ہوتا ہے۔ ہر طرح و اخلاق کے عقیدوں نے علم صحیح کے رُوح تاباں کے آگے شک و گمان کی ایک دھند سی
نقاب ڈال رکھی تھی۔ جس کو سقراط نے ایسے افواہ اور ایک سننا نہ کر دیا۔ یہ حقائق "سوسائٹ" کے اندر سے یاہر میں ہیں۔ دنیا کا احساس نہیں
اپنے حواس سے کہہ دیتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک ان معجزات میں سے کسی نہ کسی کی محمول ہوتی ہے۔ مگر اس موضوع کو بذات خود اور ایک
سے متعلق ہے۔ نہ کہ وہی ہے۔ سقراط ان باتوں سے اس نتیجے پر پہنچا کہ مادہ سوسائٹ کے علاوہ جس میں دنیا ہمیشہ متغیر و متغیر کی حالت میں
رہتی ہیں اور جہاں کسی چیز کا علم کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ایک اور دنیا حقائق۔ وہی کی جی ہے۔ اور ان حقائق کا علم بھی ان ہی کی صورت ادبی ہے۔ عالم
متغیر کی ہر ایک چیز کے ساتھ ایک حقیقت ادبی ملتی ہے۔ اور جو اسے ہر عام معنی کی کسی چیز کی نسبت دیتے ہیں۔ اس میں اس حقیقت ادبی کا علم صحیح
مضر ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ "فلان شخص دیانتدار ہے" تو اس فقرے میں اس بات کا اثر ہوتا ہے کہ ہمیں دیانتداری کی حقیقت کا علم ہے۔
سقراط نے اس بارے میں اپنے خیالات اخلاقیات کے ذریعے تک ہی محدود رکھے۔ مگر اندرون پر آسانی اس سے بہت آگے چلا
گیا۔ اور اس نے ان تغیر اور ادبی حقائق کا اطلاق ہر ایک چیز پر کیا۔ مثلاً یہ کہنا کہ خط و دب خط و دب کے مساوی ہے۔ مساوات کے علم کو تسلیم
کرنا ہے تو مساوات کو ایک ایسی حقیقت ادبی ہے۔ جس کا احساس حواس سے نہیں بلکہ اور ایک سے ہو سکتا ہے۔ "مساوات" بذات خود جو

میں کیا کہتے تھے۔ جس طرح قاطعاً اخلاطوں کے عقیدہ حقائق ابدی اور فیضانِ غرض کے عقیدہ اعداد میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح قاطعاً ان دونوں حکیموں کے عقیدہ روح میں بھی ہے۔ ملاحظہ کے مطابق درج ایک ایسا راستہ ہے جو حقائقِ باطنی خیراتی دیا (جس میں کہ روح اپنی عقل اور ادراک کے سبب چیزوں کو سمجھتی جا چکی ہے) اور غائی۔ تغیر پذیر۔ مادی دہانے و درمیانِ حادثہ ہے۔ حادثہ اپنی یعنی مفعولِ اندک و نیک کے عقیدات۔ حرکت اور انتقال سب روح کی بدولت ہیں۔ روح ہی تمام حرکت کا منبع ہے۔ —————

ایسی چیز ہے جو ذات خود حرکت کر سکتی ہے۔ اجماعِ عرف اسی حالت میں حرکت کر سکتی ہے۔ جب باطن کو کوئی دوسری چیز حرکت دے۔ یا جیسا کہ تمام جائزہ دہل کی کیفیت ہے) حوزہ ان کے اندر روح وجود جو جب روح کی سب سے بڑی فکر پر داری اُس کی وہ کیفیت نفسی ہے۔ جس کی بدولت وہ ہر ایک حقیقت ابدی کو سمجھتا ہے تو اخلاطوں اس کے سوا اور کسی نیچے پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کہ روح بھی ان حقائق کی طرح خیراتی ہے۔ افراد کو ان وفساد کے دائرے سے باہر نہیں جاسکتے اور ان کے لئے خیراتی ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر مذکورہ بات کا یہ سلسلہ اور روح جو اس انتقال لافانی کا سبب ہے دونوں ابدی ہیں۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس ابدی روح سے اخلاطوں کی مراد روح کا ثواب تھی نہ زید۔ مگر بزر کی روح۔ کیونکہ کسی ایک فرد کی روح تو خود اس فرد کی طرح موت اور زندگی کے سلسلے میں بدلتی رہتی ہے۔ اور نہ صرف حقائق ابدی کی نفیس ہے۔ بلکہ ان لوہم اور خواہشات کا صمد بھی ہے جو تبار سے مافیِ جسم کے ساتھ وابستہ ہیں۔ تو ہر کسی ایک فرد کی روح کہاں سے آئی ہے اور کہاں چلی جاتی ہے! اخلاطوں کے مقرر خدشات میں سے اس سوال کا جواب دھوڑھے کے لئے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اخلاطوں کے نزدیک نفس صرف اُن نفع کا نام ہے۔ جو غیر ہستیوں کے متعلق غور و فکر کرنے کے بعد مرتب ہوتے ہیں۔ اور اگر نفس سے کسی سوال کا جواب طلب کیا جاسکتا ہے تو صرف ایسے سوال کا جس کا متعلق اُن غیر متغیر ہستیوں سے ہو اور جس۔ یوں تو تغیر پذیر حقائق کی نسبت کوئی سوال اگر کئے جائیں تو ان کا جواب کہیں نہ کہیں سے ضرور مل سکتا ہے۔ مگر فلسفہ ان جوابات کے متعلق اپنے علم حقائق ابدی کے ساتھ مقابلہ کر کے صحت پر نہ تکیا کرتا ہے کہ وہ ٹھیک ہیں۔ یا غلط۔ اس لئے جہاں پر ہمیں کوئی ایسا موضوع یا پیشین گوئی ملے جس میں کسی چیز کے مافیٰ استغنی کے حالات سے آگاہ کر سکے۔ تو ایسی حالت میں ہمیں اپنے فہم کے موافق ایک افسانہ گھڑ لینا چاہئے جس کی کوئی بات علم حقائق ابدی کی مخالفت نہ کرے اور اس افسانے پر ہی گفتگو کرنی چاہئے۔ اخلاطوں کے مفادات میں کئی ایسے افسانے ہیں جن میں مختلف سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً دہانے سے پیدا ہونے والے تمدن کا آغاز کس طرح ہوا؟ افراد کی ادراک کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ بات درج یقیناً ہم پہنچ چکی ہے کہ اخلاطوں بحیثیت ایک معمولی افسانے کے ایک فرد کی روح کو بھی کسی حد تک ابدی ماریا ہے۔

اگرچہ وہ اپنی اس فانی رائے کو فلسفے میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب کسی مباحثے کے سوال کا صحیح حل کسی کے سامنے پہلی دفعہ پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس حل کے صحیح ہونے کو فوراً پہچان لیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ اس پر شک ہے۔ اخلاطوں کا خیال تھا کہ غلبہ بات اُس شخص کو کسی پیچھے جنم میں معلوم تھی۔ مگر وہ اسے بھولتا ہوا تھا۔ جب اُس کے سامنے وہ حل دیا گیا تو اُس کی یاد تازہ ہو گئی اور اُس نے فوراً صحت حل کو پہچان لیا۔ اس بات کے ٹکس اور ادب ہونے میں اخلاطوں کو کوئی شک نہ تھا۔ کہ ہر ایک روح جنم بدلتی رہتی ہے اور اس کے ہر ایک جنم کی نوعیت اُس کے پچھلے جنم کے اعمال پر منحصر ہوتی ہے۔ اسی طرح کا ایک عقیدہ، بعد مذہب کا بھی ایک دیکھی ہے۔ بعد مذہب یا پھر پندروں کو مختلف جنموں میں نیکیاں جمع کرنے کے بعد آدھا گوان سے رہائی اور اس زندگی کے رنج و کرب سے نجات کی امید دلاتا ہے۔ مگر اخلاطوں چونکہ بدولت کی طرح اس دنیا کی کو سراسر غلاب نہیں سمجھتا تھا۔ اس لئے اُس نے کبھی ایسی مکی کا خیال نہیں کیا۔

فیثا طور پر ان کے علاوہ افلاطون اپنے خیالات کے لئے ایک اور نئے کا ہی محزون تھا۔ اس نئے کو فرد ایلیاں لگاتا ہے اس کا باقی فرماندیس نامی ایک حکیم اٹلی کے حزب میں شہر ایلیا کا باشندہ تھا۔ افلاطون نے اس حکیم کا ذکر اپنے ایک کتاب میں کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سقراط کی برائی کی عمر میں اسے لے کے نئے ایلیٹز آیا تھا۔ ہر فلاسفی کے مسئلہ تفسیر کے سلسلے میں فرماندیس کے خیالات کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ہر فلاسفی کو اس دنیا میں ہرگز تغیر و حرکت کے نئے حرکت تھے اور فرماندیس اس کو محض نئے کا دھوکا سمجھتا تھا۔ وہ سب سے حرکت تغیر کے احکام کا تامل تھا۔ وہ لکھتا تھا اگر ہر دنیا غور و بریں میں ساما پڑا ہے تو کبھی کوئی چیز حرکت کرے تو ہر دوری ہے کہ اس مقام سے جہاں وہ چند فی کسی جیسے مقام میں جاسے جہاں پر اس کے چلنے سے پہلے کچھ رہا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نئے ثانی پر لگتی چیز پہلے موجود ہو تو وہ اس کو دھکیل کر وہاں سے باہر نکال دے اور خدا اس کی جگہ لے لے۔ مگر جب نئے کا سے کوئی حد لے گا جو نہ ہی نہیں تو حرکت کا نئے ہی نامی ہے۔ نئے فرماندیس کا یہ خیال تھا کہ اسی جیسے خلاصہ ناموجود فیہ می میٹ کے میں دعویٰ کی اسی کا ذکر کرنا یہ کہنا ہے کہ سبھی ہر مت میں شامل ہے جو نتیجے کے برابر مخلوق ہے۔ غیث کا عمل وقوع نمود میں آئے سے نکال کر کہتا ہے کہ ہر چیز کو تفسیر کے گز ہو۔ اسکی حقیقت فرماندیس نے یہیم نہیں کرتا بلکہ غیث کے اس کو کہنے کی جرأت دہائی کہ کسی قسم کی حرکت انتقال یا تغیر سب جا۔ لی انھوں کا قریب ہے۔ دراصل جو کچھ اس دنیا میں ہے وہ ایک غیر متغیر غیر متحرک ناقابل انحال حقیقت ہے جس کی وحیت ہر سمت اور ہر جگہ میں یکساں ہے اور جس کے وجود کی سادہ ناقصہ وحدت میں کہیں تقسیم حصص یا تغیراتی تغیر ممکن نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا کا جو تھوڑا نقشہ ہمارے حواس ہمارے سامنے پیش کرنے میں وہ اس کی رنگ و بوی سے بہت مختلف ہے۔ مگر ہمارے حواس جیسا کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اگر ہمیں دھوکا دینے میں جو علم ہمیں ہے کے درمیان حاصل ہوتا ہے اس کو ہمیشہ اپنے فہم و ادراک سے پرکھ لینا چاہئے۔ اور فرماندیس کے ادراک کا یہی فیصلہ تھا کہ حواس غلطی پر ہیں اور ہم قریب خوردہ ہیں۔

افلاطون جس کی فطرت و ذہنیست کی خواہشات کو یہ خیال کہ اس دنیا کو تغیر و گردش سے رہائی اور عمل سلوک و استغفار کبھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ بعد رہی سے پامال کر دیتا تھا۔ قدرتی طور پر فرماندیس کے ساتھ ہم خیالی پر قیام نہ تھا اور اس کے طبعیان حسیوں کے دوسرے ہر ایک حسیقت ابلی کو ال بد شمار محسوسات سے جن میں وہ مخلوط ہے اور جس میں گویا اس کا تکرار پایا جاتا ہے۔ وہی بہت ہے جو فرماندیس کی واحد اور ہر دور سالہ موجود حقیقت کی اس مخلوق اور سراپا قریب نظر نہ آیا ہے جس کی حواس میں غلطی کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ دنیا کا وحدت حقیقت کا مبلغ ہے اور افلاطون کثرت متعاقبات کا تامل۔ یعنی افلاطون کے خیال کے مطابق عالم حقائق ابلی اور عام محسوسات ابلی دونوں میں سے ہر ایک میں کثرت و تغیراتی ضرور ہے۔ علاوہ بریں افلاطون عام صوری کو باطل ہی موعوم نہ سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک عام صوری بہت و غیث کے درمیان ایک برزخ ہے۔ مگر اس کی شکل وہ نہیں جو میں محسوس ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے فرماندیس اس کو باطل مالی از حقیقت و عاری از وجود اور غیث محض تہال کرتا تھا۔

فرماندیس کا حرکت جیسے امر واقعہ سے انکار اس کے ہم عصروں کی اس کی کچھ کا پھر معلوم ہوتا تھا۔ اور وہ عام حرکت کو غلط قیاس سمجھتے تھے۔ فرماندیس کے ایک مشہور شاگرد زین نے اپنے آئند کے اس بظاہر غلط قیاس نظری کی حیثیت پر کئی چابی کی ہے۔ اس (بقول مترجمین) انھیں انفس حقیقت الامر میں حرکت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں قرینہ بھی دانگر زیادہ نہیں تو کم از کم فرماندیس کے حقیقت سے متنی غلطی تو اس معلوم ہوتی ہے۔ مثالی کے طور پر اگر ہم امر واقعہ کے نام کو جاننا از طبع جہاں پر غیث و غفار کے لئے مشہور تھا بلکہ کچھ کے ساتھ دور سے فیکہ کر دینا

ان کو اس بات کی شکایت تھی کہ، نقصان غنی ث سے اتنا کچھ کر سکے جہاں کیوں نہ بنایا کہ اس نظر و سن کی تقریحات بحیثیت ہر ایک کے متعلقات کہ نیز نہ مکرر ہوتی تھیں۔ اس مسئلے پر اس نے خود اپنا راز لٹا دیا وہ ان بیٹھ شخصوں میں تھا جو جانوروں کے اجسام کی ترکیب اور ان کے اعضا سے اور قواسم کی قابلیت کی ان کے مانتوں کے ساتھ مطابقت کو اس بات کی پہلی گھنٹے کر رہا کسی رشتہ فعلیت اور جرم صانع کا کام سمجھتا ہے۔ امداد عالم عام منور ہے۔

(۳)

افلاطون کو اپنے اُمام کے اس خیال کے ساتھ پورے طور پر اتفاق تھا کہ: باقاعدہ سمجھو ہے اور مختلف خفاقی بدل ایک نظام کے عناصر ہیں جس میں ہر ایک حقیقت کا قیام اُن قواعد پر مبنی ہے جو اس سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کے محسوس ادراک کی مشقی درجہ اس خیال سے ہو سکتی تھی کہ تمام اشیاء ایک آسمانی ترکیب اور روحانی نظام کے ماتحت ایسا اپنا کام کرتی ہیں۔

چونکہ کسی باقاعدہ سوسائٹی کے اعمال، افعال اور اس کے افراد کے فرائض کا مناسب جی جی مسموم ہو سکتا ہے جبکہ ان کا متعلقہ دماغ اس نظام عالم سے پوری طرح واقف ہو۔ اس سے انکشاف کے خیال میں کسی قوم یا جماعت کے حکام ہمیشہ ظالم و ستم ہوتے جائیں گے۔ انہی عظیم شاندار نعمت "جمہوریت" میں اُس نے تفصیل سے ساتھ بتایا ہے کہ کس صفت کے اُن "سرمست" کو کس قسم کی تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔

افلاطون اپنی موت (۳۴۷ قبل مسیح) کے بعد اپنے تئیں اپنا بزرگوارہ ایک کالج چھوڑ گیا۔ جو بہت عرصے تک علوم اور فلسفہ کے اُس کے بزرگوارہ فلسفہ میں جب شہرت و حیثیت نے اس کا ذریعہ آمدنی ضبط کر لیا۔ تو اس کالج کا خاتمہ ہو گیا۔ اُن وجوہات میں سے جنہوں نے اس واقع میں خود اس کے باقی افلاطون سے تعلیم حاصل کی۔ ایک اصطلاح میں بھی تھا جس نے بعد میں وہ شہرہ حاصل کی جو افلاطون کی شہرت سے کسی طرح کم نہ تھی۔

اگرچہ ایسا جاننا ہے کہ ہر شخص جبلی طور پر یا تو افلاطونی نقطہ خیال کا پوتا ہے یا اسطرطالیسی۔ ان دو رجحاناتی حکم کو ملحوظ رکھ کر اور اُن کے رجحان اور طریقہ فکر کی ذہنی قوت فکر کی دو متضاد اقسام کا ناسیہ دیکھا جاتا ہے۔ افلاطون کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے خیال کی بلند پروازی کی وجہ سے حقائق حیات کو ختم و گس کے مسلمات سے مالاخرہ سمجھتا تھا۔ اُس کا توسل عقل و فہم اس میدان میں جبر لائی کیا کرتا تھا۔ جو تجربے مناسبت سے اور جو اس کی حدود سے باہر ہے۔ اسطرطی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس کی طبیعت افلاطون کی طرح آواز نہ نہ تھی۔ وہ عرصہ حکمت میں چھوٹک چھوٹک کو قدم پر کھتا تھا۔ اور مشق کی زبردست ہمتوں اور تجربے کی مدد سے ایسے نتائج پر پہنچتا تھا جس کا ثابت مزاح سے کی بنا پر ممکن تھا۔ اگرچہ نظر غور دیکھا جائے تو وہ دونوں فلسفیوں کی تبدیلی رائے فکری ثابت ہوتی ہے۔ اکثر اذہانت فلسفے کا طالب علم یہ محسوس کرتا ہے کہ افلاطون پر منطقی تھا اور اسطرطی عقیدہ اور محتاط نہ تھا جس قدر اس کو سمجھا جاتا تھا۔

اسطرطی اپنا سن ۴۸۴ قبل مسیح۔ وراثت ۳۲۲ قبل مسیح۔ افلاطون کے کالج کا ایک مہربان مگر دل کی طرح خیال اور طرز تعلیم اُس کو پسند نہ آیا اور اُس نے اُس کالج کو چھوڑ کر خود ایک نئے کالج کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ وہ اپنے ساتھیوں سے اس طرح کنارہ کش ہو گیا تھا مگر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ وہ اپنی تصانیف میں فلسفیانہ بحث کو ہمیشہ ایک افلاطونی حیثیت سے شروع کرتا ہے اور آخر میں ان افلاطونی تصانیف پر محکمہ چینی کرتا ہے جن سے اُسے اتفاق نہ تھا۔ پڑھنے والے کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسطرطی افلاطون کی حیثیت مخالفت کو کر جاتا ہے

جس کی جہرہ سے کہ اسطو میں باقوں پر جس میں وہ اپنے خفا کا ہر خیال تھا بہت کم نمود دیتا ہے ۔

اسطو غلاطون کی طرح اس بات کو تسلیم کرتا تھا کہ کچھ علم صرف معائناتی ادبی کا علم ہے۔ جس کی ہستی کی آگاہی ہمیں ایسے ادراک سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جن کو محسوس کرنے سے ہمارے حواس ناظر ہیں۔ مگر وہ غلاطون کی طرح حقائق ادبی (دلائل) کو ان اشیاء (جو ہمارے حسی میں وہ منقسم یا منقول ہوتے ہیں۔ علیحدہ نہیں سمجھتا۔) غلاطون کو بھی ایسا اچھا نظر نہ رہا۔ اس نے جو اس کی ایک نوع کا تعلق اس عرض سے ظاہر کرے۔ جو اگرچہ اس نوع کی سب اشیاء میں پایا جاتا ہے۔ مگر ہر جہی ذات خود اس نوع کے کسی ایک فرد سے مجتہد سمجھا سکتا ہے۔ اس تعلق کو مشترک کا تعلق کہا جاسکتا ہے۔ مگر اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ایک حقیقت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو مختلف اشیا میں منقسم کیا گیا ہے۔ بڑی چیزوں کو بڑھتر ملا ہے اور چھوٹی چیزوں کو چھوٹا جس طرح مختلف جماعت کی مختلف اشیا میں ایک سائیاں کے نیچے اکٹھے ہیں۔ تو ہر ایک کی جماعت کے مطابق سائیاں کا تعلق دیا بہت حدت اس کے اوپر ہوگا۔ یا دوسرے پر اسے جس میں اس تعلق کو نقل کر سکتے ہیں۔ مگر یہ فرض کرنا بھی مشکلات سے خالی نہیں۔ اگر ہم دو اشخاص کے ایک ہی نوع کے دو افراد ہونے کو اس طرح سے تعبیر کر لے ہیں کہ وہ ایک ہی نوع کے دو تعلق ہیں تو ان دو افراد میں سے ہر ایک کی اس مفروضہ نوع سے ہر نوع کی تعبیر کے لئے ایک اور مفروضہ فرض کرنا پڑے گا۔ اسی طرح یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ شاید یہ کہنا سب سے بہتر ہوگا کہ ہر اس تعلق سے انسانی آگاہی ہر تہا کہ جزو کلی یا اصل و نقل کے تعلق سے ہمارے اس تعلق کو بیان کرنے کی قابلیت یا قابلیت اس بات کی دلیل نہیں کہ ہم اس تعلق کو زیادہ یا کم سمجھتے ہیں۔

کئی لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حقائق مشترک محسوس زائیدہ خیال اور ہمارے دہم و گمان کی پیدائش میں مگر اسطو کو اس بات سے انکار تھا۔ وہ ان کی ہستی کا با تعلق و مانع انسانی قائل تھا۔ مگر نہ علم طبیعی جن میں مادیات کے چند نوعی مشترک پر بحث کی جاتی ہے۔ وہ ہر ہم باور کے سوا کچھ نہیں دیتے۔ اسطو نے حقیقتات کی دو قسمیں کی ہے۔ حقیقتات ذاتی (مثلاً انسانیت وغیرہ) اور حقیقتات معنائی (مثلاً عظمت و نفوذ و حاکمیت وغیرہ)۔ حقیقتات معنائی حقیقتات ذاتی کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ اور حقیقتات ذاتی صرف کلام میں افراد موضوع سے علیحدہ شمار کی جاسکتی ہیں۔ ہر ایک فرد کی ایک مخصوص شکل (FORM) ہوتی ہے۔ انسان کی شکل کو دوسرے الفاظ میں "روح" کہا جاتا ہے۔ اس کا جسم جو تمام حاکمات و فاعلات کے لئے روح کا محتاج ہے۔ مدور سے بالکل متضاد ہے۔ اس کو "مادہ" مانگتے ہیں۔ جب بہت سی اشیاء ایک ہی نوع یا قسم کی ہوں تو کوئی تعبیر جو اس نوع کے ایک فرد کی نسبت قائم کی جاسکتا ہے اور جو مستقل وقعت رکھتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ اس نوع کے کسی اور فرد پر بھی صادق نہ آئے۔ ایسے تضاد کو "مکلیات" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اسطو کے مطابق صرف اس دنیا میں ہی بہت سی اشیاء ایک قسم کی ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی اشیاء کی ترکیب عناصر اور اجزاء خشک آب آتش باد سے ہے (ان چار چیزوں کو سب سے پہلے افعلا نظریں نے جو چھٹی صدی میں سسلی کا ایک ذی اقتدار فلاسفر تھا۔ عناصر قرار دیا۔ روایات کی رو سے اس فلاسفر نے اپنے آپ کو آتش نشان پھاڑا تھا کہ وہ نے میں پید کیا تھا مگر اس کے اس طرح ایک نام غائب ہوجانے سے وہ لوگوں میں دیر تا شمار کیا جاتا ہے۔ یہ عناصر اور اجزاء جو چار نوعی بنیادی عناصر ہیں۔ برودت۔ رطوبت۔ برودت سے پیدا ہوئے ہیں مختلف تناسب میں ترکیب پاک مختلف اجسام بن جاتے ہیں۔ مادہ عناصر کے باہمی تضاد کی وجہ سے وہ اجسام ہمیشہ جلتے بجرتے ہیں۔ یہی افراد کی تکثیر کی وجہ ہے۔ اور تسلسل افراد سے ہی نوع (مذکر فرد) بقا حاصل ہو سکتی ہے۔ کائنات کے بالائی طبقوں میں ہر ایک آسمانی جسم اس مرکب لئے کا نہیں۔ بلکہ ایک اصل عنصر خاص کا بنا ہوا ہے۔ اس لئے وہ کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی نوع کا ایک ہی فرد ہے۔ اس لئے اس کی بقا کے لئے اس کی

توجہ دے اور افراد کا مسلسل ضروری نہیں

[illegible]

ان اسیا کی حالت میں جو جراثیمی ہیں اور جو ایک حیرت انگیز صورت ہے۔ ایک دوسری قسم زمرہ میں مہدی پھرتی۔ یعنی ہے۔ اور سطح ان کے اندر لٹا کے اولیٰ ترین مدار کے کایہ اس امتحان کی صورت سے لٹا ہے۔ جس کی طرف اس سے لٹا کا۔ ان کے واسطے۔ حركات و اہتانات کی علت غائی بلحاظ اپنی جنس کے تکمیل حاصل کرتا ہے۔ بشریک وہ انسان کے لئے منفعت بر بنیاد است چون۔ ان کے واسطے علم کی حاجت نہیں اور وہی جس علت غائی۔ علت ضروری۔ علت غائی اور علت غائی۔ یوہات العلماہ منصفہ مخدغیات حدیث میں لکھا ہے۔ "علت کرہ ان۔ سبب نیہ گویند بر چہار قسم ہست۔ سبب و سبب داخل بود ماخاراج۔ اگر و دخی بود بالقوہ۔ آں را علت مادی گویند بر بنیاد دل چون نسبت جب با سیر۔ و اگر داخل بود با فضل۔ آں را علت مادی گویند۔ چون صورت سر یہ کہ مربع با سبب یا سبب۔ و اگر خارج بود دائر ان سبب موجد اوست۔ آں را علت غائی گویند۔ اگر ایجاد برائے نسبت آں را علت غائی گویند۔ چون سبب بر سر ہو۔ پس علت غائی در ظہور موجد از بہر علت اوست و در ذہن نہر فضل از بہر مقدم۔ علت غائی غایت و غمتانے جمیع عینہائے اربعہ است و بعد ازاں اطلاق علت غائی در انحال صحت حتی سبحانہ و اعلیٰ و اعلا و دہر و دیگر حق تعالیٰ در خلعت اشیا محتاج بغیر سے ہست۔ اگر سبب دقیق و کجیا جانے تو سوائے علت مادی کے باقی علت ثلاثہ شامل بر انطباق معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ بقدر اس کی حد تک علت سر پر بنیاد کی جاسکتا ہے جس میں مذکور کہ تخت کو ایک مخصوص شکل دینے کا باعث ہو۔ اور اس کی صنعت کا استعمال (علت غائی) بھی وہی ہے جس کا شکل کی ایک کلڑی کی جی ہوئی چیز کا ہو سکتا تھا۔ گویا علت غائی اور علت غائی علت ضروری کے دو شمارہ پیلو ہیں۔

یہ نظام ملل اربعہ پھر دسی بات ظاہر کرتا ہے کہ قلم غریبی اشیاء کو دنیا میں پہلے ہیں۔ اول ماہہ چراگیک مخصوص شکل یا کرایک مخصوص چیز ہی جاتا ہے۔ دوم صورت جس کی بدولت چراگیک چیز اپنا جنسی باغوسی نام اپنی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض اشیاء جو خود ایک خاص شکل و صورت

سرمحمد اقبال

وہ انسان جس نے اردو شاعری کو مردانہ پن بخشا

انسانوں کی حالت سے بہت نشان ایسا ملتا ہے کہ یہ وہ باطلت ہی سے جو وہم ہو گیا، وہ باطل ایسا ہے جو نہ کہ فلسفہ اور مذہب کے سرگرم و نابینا علم کے بھی ان لوگوں کے لئے جہیز ہے، نہ دنیا کی بات کے سبب اس کی لئے شاعری، نہ رسی سے قائم ہے، نہ حق میں وجود رکھتا ہے، نہ تبارک و تعالیٰ اس کا مقام بہت بلند کرتا، نہ انبیاء و رسولانی اور عربانی و یاسمیٰ اور خلفہ کے مانگے اس کا مقام اس سے بھی بلند تھا، اس کی ذلت سے جہاں میں اس سے ایک فصیح اللسان پتہ برآمد ہوا، کی تہذیب کا آب و مست و شام، حین تک کہ وہاں اور شاعری سے نہ اس قدر کہیں اور استعارے سے نہ کہتے اور منزلِ حضرت محمدؐ ہو گئی۔

نہم کہیں چاہیں سال گذرے جب اقبال کی تہذیب اندوختی کا نام ہو تو اس وقت اس اندوختی کے چھوٹے چھوٹے نمونے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ یہ نمونے ہمارے سامنے آتے ہیں کہ ہم ان سے سبق حاصل کر سکیں۔ یہ نمونے ہمارے سامنے آتے ہیں کہ ہم ان سے سبق حاصل کر سکیں۔ یہ نمونے ہمارے سامنے آتے ہیں کہ ہم ان سے سبق حاصل کر سکیں۔

لیکن مسلمانوں کے دل میں ایک نیا احساس گردش سے رہا تھا۔ وہ لوگوں کی ان یہ عزیمت و ترقی کے عقائد سے شریع ہو گئے تھے۔ ان میں جو زیادہ دلی اہم واقعہ ہے۔ اسے اس نے آرٹ اور پھر ڈسٹوٹیکا لازرمی انسان کے زیادہ اور بہتر غل میں سے ایک ہے اور اس کو اعلیٰ افسانہ نگاری اور مفقہ و مدعا سے سمجھ کر لے کر کشمکش کی گئی۔ چنانچہ قاضی ایسا غل کی غور و تدبیر سے تیار ہو کر منہور زمانہ ممدوح کا مصحف بن گیا جس نے خوابِ فحلت کے ستارے نے مسلمانوں کو اس طرح متعجب و متعجب کر دیا کہ کوئی ایک نظم اس سے پہلے اور اس کے بعد آیا اسکی۔ اپنی حالات میں انہوں نے، کسی فرد وہ ڈگری اپنی شاعری شروع کی تھی۔ محسوس کرنے لگا کہ اس کا دل مسلمانوں کے احیاء اور ان کی ترقی کے خواب سے مضطرب اور بے قرار ہے۔

ہندوستان ہمارا | اقبال کی ابتدا اُنی نظموں سے ہے جو اس برہمن کے ماتحت لکھی گئیں۔ اس نے دلو اور امن سے بے تاب دل اور اپنے وطن کے لئے جذباتِ محبت کا پتہ لگاتا ہے۔ س کی نظم "سج کہہ دل سے برہمن گڑبڑ نہ مانتے"

ابتداً فرقہ وارانہ اتحاد کی سب سے زیادہ پُر اثر اپیل ہے۔ جو کسی محب وطن کے فکرم سے دکل ہو۔ اور اس کا شہرہ آفاق گیت "ہندوستان سارا ہمارا ہے"

خیالی میں بہترین قوی گیت ہے جس پر کسی واقف نہیں ہو سکتا۔ اور جس سے بہرہ گیری کی شاید مدت مدید بننے کی امید نہیں ہو سکتی۔ لیکن مذہب اسلام کے محکمہ مطالعہ نے جو اقبال سے اپنی زندگی کے آخری ایام تک مسلسل جاری رکھا اس کے اہل خیال کو درست بحثی۔ دہن اور دل کی نسبت سے قوموں کا تصور اس کی نسبت کے نکلتا تھا۔ اپنی شاعری اور اپنی گفتگو میں وہ ہمیشہ لریپ کی مثال دے کر ان لوگوں کو ملکوں اور قوموں کے تنگ دائروں میں تفسیر کرنے کی پوری دہی ثابت کیا کرتا۔ یہ ایک ایسے تمدنی نسب العین کا قائل تھا جو ان لوگوں کو وطنی اور قوموں کے اختلافات کی سطح سے بلند کر دے۔ اور زندگی کو ایک منصف و مدعا بخشہ نظر کرنے کے نزدیک آٹ لایا۔ مقصد ہونا محض زندگی کے اصولی علت اسل ماہر و رائیٹنگ تھا۔ اسی قسم کی عمر گیری اور با مقصدیت انہیں نظر آتی اور اسلام میں۔ چند چہرے تفسیروں کی تعلیمات میں جن سے وہ بے دریغ اپنی شاعری میں استفادہ کرتا رہا۔

جس دور سے ہم ہندوستان میں گھر رہے ہیں۔ اگرچہ اس میں بڑے بڑے امکانات پوشیدہ ہیں تاہم اس میں **حجازی خیالی دنیا** ایک خاص طرح کی کیفیت موجود ہے۔ ہم میں شاید ہی کوئی فن لا ریا ہو جس کے سن میں گھر کے لئے اداسی

مصدر مریض کے موجود ہو۔ ہر وہ دروازہ خیالی دنیا کے آرزو سے ہیں۔ اور خواہ وہ دنیا میں خیالی ہوں یا حقیقی۔ ان کی ذاتی یا مکانی حدود ہی ان کے اندر ایک بے پناہ دلی کشی پیدا کرتی ہے۔ اقبال نے اس کام کے ابتدائی زمانے پر پُرشور نظر ڈالی۔ اس کی آرزو تھی کہ وہ اس عہد کے مسلمان کی سادگی، جذبہ محبت، ایمان اور غم و استقلال کو دوبارہ پیدا کر سکے۔ ایک عالمگیر تعلق کے لئے اس کی دلی خواہش انسان کی تقدیر میں اس کا درست ایمان، انسان کے ارتقا میں اس کا پختہ یقین کہ وہ مقصد کی بندیاں کو ذیل بہ منزل لے کر کامیاب کمال کی جڑوں پر بیج سکتا ہے۔ ان شرائط کے مطابق جو مسلم گھریلو میں پیدا ہونے کے سبب از اسلامی تعلیمات اس کے ذہن نشین ہو چکی تھیں۔ ان سب باتوں نے اس کی شاعری کو اسلامی رنگ دے دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں اس کے بعض قہدان اس سے چھین گئے۔

کسی شاعر کے کلام کی قدر اور اس کے اعتقاد کے باہمی تعلق کی بحث پرانی چیز ہے۔ اور میں اس کے تعلق یہاں کچھ ذکر نہیں گا۔ مگر میں شک نہیں کہ کچھ نہ کچھ ایسے لوگ ضرور ہونگے جو ہر بات اس لئے مٹن کی شاعری سے معلق انداز نہ مہل کر وہ اس کے مذہبی عقائد سے متعلق نہیں یا جو شکیبہ پر کلام محض، جس لئے پڑھنا اگر اراکریں کہ وہ اس کے شاہ پرستانہ خیالات کو پسند نہیں کرتے لیکن دوسرے لوگوں کے لئے جو کورج کے لفظوں میں کسی شاعر کے کلام کا مطالعہ کرتے وقت انکار کو عہد اسفل کر دیتے ہیں۔ اقبال رہتی دنیا تک مشرق کا سب سے زیادہ دلوں پر خیز شاعر رہے گا۔

اس کے بعض ہم وطنوں کی بد قسمتی ہے کہ اقبال کے بہترین کلام کا زیادہ حصہ فارسی میں ہے۔ اور اس کی **فارسی اور اردو** موت ایک طویل نظم اسرار خودی کا ترجمہ ہے۔ غیر نعلین لے گیا ہے، انگریزی زبان میں طے ہے۔ تاہم اس کا

ابتدائی کلام جو اردو میں ہے وہی اس کو ہندوستانی شاعروں میں ایک بلند مقام دینے کے لئے کافی ہے۔ لیکن خداداد اس نے اپنی نظمیں اردو میں نہیں بنوا دیں فارسی میں۔ اس کا اردو شاعری پر گہرا اور مسلسل اثر پڑا۔ یہاں پہلے اس کے طالع سے وہ بچا ہی تھا۔ اصل میں اقبال کشمیری اور ذات کا سپر و تھا۔ اسی لئے اس کے یو۔ پی کے نکتہ نہیں اس کو ہمیشہ یہ حقیقت ایسے لفظوں میں یاد دلاتے رہے جن میں انصاف کم اور غمی زیادہ ہوتی تھی اور اس کی شاعری کی زبان کو کمال باہر مہلنے کا طعنہ دیتے رہے۔ اور یہاں جو اس حقیقت کے کہ وہ فارغ اصغری فرزند تھا۔ جو اردو زبان کا مسلط بادشاہ مہلے۔ لیکن اس کی غیر معمولی قابلیت نے اس کے نکتہ چینیوں کو جلد ہی خاموش کر دیا۔ اور اس کی طرز شاعری کے بے شمار پہلو ملک کے طول و عرض میں پیدا ہو گئے۔ اگر افراد کے وسیع اثرات کا ذکر کرنا اندیشہ کی دہر تو اس ضمن میں تین سببوں کا نام لیا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے اپنے اپنے رنگ میں اردو ادب کو نئی اور متحد صورت بخشی ہے۔ جو ناظر غریب غلام نے زندہ ار کے ابتدائی ایام میں اس میں معنوں تک لکھ کے اردو مصافحت کو ایک ایسی زندہ دار اور لکلی زبان سے لالماں کیا جس سے وہ پہلے قطعاً ناقص تھا

نئی۔ مولا کا ابراہیم آواز دے اور دوشتر کو وہ شکرگت، فز و افق اور سیرینی بخشنی جس کا راز۔ "ہوں سے مرنی" بیان سے سٹالین کو کتے دقت ہلایا تھا لیکن پیٹھے سٹالین
 باپڑا اثر و غفلت کی نسبت شاعری کو کون کے دہوں میں دیا وہ میر یا اثر کجی ہے درستا مر زبان پر دیا وہ گہرے نقوش چھوڑے تھے ہیں۔ جدید اردو کے بلبلے دامری
 میں اقبال (اور اس طرح اس کا بیتی روحانیت) اگنی ملک سب سے مایاں اور دردست، اردو الی را ہے۔ چہاڑوں تکمیل اور اتفاقاً چہاڑوں دونوں استا۔ ابن
 فن سے کرکے یا اپنے فکر کے پیشہ استادوں سے سٹالین آج بھی اردو، تو راہ ستریری میں ان کی گونج سنانے سے رہی ہے۔

پطرس سے انگریزی معنی کا ترجمہ: مصرنی، یا صنیعین)

ویلن صاحب اور میں

قدیم زمانہ تیسری صدی مسیح کا ایسا ہی دار حلاوت ہے لیکن ہزاروں سالوں میں ہزاروں افراد کی زندگی پر راق ہے۔ لیکن یہی پہلوئی سے ایک نئی دنیا ہے۔ یہی وہ ہے جو اس دور ہے جس میں نیا نیا کو دورہ ہوں۔ وہاں کے گئے جگہ بہت حد تک تہذیب کے جزو تعبیر کی دست درازوں سے محفوظ ہیں۔ قدیم کی شان و شوکت کے علمبردار آسمان پر منعم اشیاء و رحمت لاکھوں کی تعداد میں اپنی مہذب خاصو میں ہیں کھڑے ہیں۔ یہی وہ ہے جسے قدرتی آبریزوں نے اپنے جھگڑے کو دہستہ پر رہے ہیں۔ وہاں کی باری سوزوں کو سوسے زیادہ نہیں۔ اس کے کشمکش حیات افنی کے وہ درجہ صاف عاجز ہے۔ اس دن میں بہت حد پر ہوتے ہیں۔ وہاں بہت کم دیکھتے ہیں آگے ہیں۔ شہدائی اند کو قانون عیش کی نیک آمیزشوں سے ہم سے اس کی پسند مارنے کے لیے کثرت اور یہ وہ مقامات ہیں جہاں سے رہ رہا بنا گیا ہے۔ اس کے لحاظ سے وہیں نیکی و نافرمانی ہے۔ اس سے بچنے والی چیزیں ہیں آتی ہیں جس سے حمد پر ترجیح دوں۔ اس سے بچاؤ میں یہ بہت ترکانوں کی کثرت ہے یہی نئی پختہ طبیعت کی خواہشات کے مانع ہے۔ لیکن اگر شہزادوں کے مورخ میں اس کے علاوہ ایک اور بھی صفت جس نے مجھے تختیاں ملی جاسے پر مجھ کر دینا۔

میں نے مجبوراً غلط استعمال کیا ہے۔ مگر میں یہ کہنا نہ چاہتا ہوں کہ جب مجھے کسی طرح ناکوار نہ تھا۔ وہ بھی صاحب جہاں کو ہر دوستانہ کن اتھوڑی کی طرف تھی اور دست کے علاوہ کسی اور نام سے پکارنا غلط ہی سمجھتا ہوں۔ مگر اگر ہم کو یہاں پانچ مہینے سے اور انہی کے قریب کی خواہشیں مجھے کثرت اور نشت کی تھیں اس لیے کہ۔ پانچ مہینے میں اس سے پانچ سال تک پانچ مہینے کے فاصلے پر ایک اور چھ مہینے سا پانچ مہینے سے جس میں ایک بڑی پختہ ہوئی۔ ہمارا لہجہ ہی اور ڈاک جگہ کی موجودگی نے اسے ہمدردی سی ایم پی دی ہے۔ ویلن صاحب اسی ہوئی میں رہتے تھے اور میں نے تھیں گی یہ خبر ہر مہینے کے پانچ مہینے ہوا تھا۔ تھیں گی کا زار و شکل پانچ مہینے کا فاصلہ پر مشتمل ہے جو ضروریات زندگی میں اس کی سکتی ہیں اور میں یہ وہاں ایک دور سے اس کے ساتھ ہوئی ہوئی مگر ایک مہینے کی طرف واقع تھیں اور وہاں اس سے شہید اس کو میری دست نہ رہتے۔ اس سے مراد یہ کہ وہاں کے ہر کوئی غلطیوں پر تھیں۔ مگر اس کے دوسری طرف اسی مہینے پر وہاں نے اور وہاں کے مقابل ہمارا میں سے ایک نچوڑی کی ایک فہمی پر دوسرے دور میں چھ مہینے کے بعد خواہ مخواہ میں کی کو تھیں گی۔ جس کی سرخ چھت اور ہمارے کے خوشنما پتھر کے ستون اپنی بلندی پرستہ کہ ہر وہاں اور ہیکار ڈاکھا نے جو حقارت کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ ہفتے کے دن وہاں کے قریب میں اس ہمارے میں بیٹھا تھا جو صاحب کے دفتر سے واپس آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ صبح سات بجے سے بارش بہت زور شور کی ہو

رہی تھی۔ امد میں اس کی روح ازلی کیفیت کا تاویکندہ باقیا۔ طلیعت سمیہ۔ پارسے اور پیچے عالمیں باہم ایک توانا میں مودت لکھے جاتے۔
 کے تلیم میں سے میں سامنے کی دم فوں و دریاہ روح تھا۔ جس کے ماکہ اس سیدیم بارش میں نم ہوا۔ در ستہ میں سے پیچے تھے۔ باورق کے مسلسل
 تر سے میوے مایع میں ایک عجیب جندہ بچھا گئی اور خواب بیدار وین میں سے اور اسیت نامی صلیقت پر زکرتا ہوا۔ وہ میں فی میں
 مسلمان۔ وہ انگریز میں ہندوستانی۔ ان کی رڈنی آنا اور خود مختار میں ہی میں ایک قوم میں مل کر لے بہ روزگار و مدد تو میں جہلنے والی
 ۔ نیامیہ ان لقی اور میں اور میں ہوا تھا کہ باوجود اس تدارک و اوقات کے ایک مہربان کو نہ بٹھائی ہے۔ یہ صامیہ نامی اتالیقی نے بھی ایک ہونے
 سے بہت کام میں روانہ۔ اے اپنی نسبت تو یقین سے کہ انھوں سے مجھے اسی بہت طریقہ سے سمجھ کر نہایت۔ میں نہ کہ میں اس اتالیقات
 ان کے متعین میرے صہ ہانہ میں مدت اسو رت کی مہار۔ یہی جاتی ہے۔ ان کی نسبت میں باہر میں اس ایک ہونے میں کہ سا کران
 مجھے شریعت میں کسی صفت لہ بدو میں سے ماکہ ان کی فائز و بلاش۔ یہ وہ کو سے میں جہد سال پرستوں میں کہ ان میں سے
 ملنے اس طرح سمجھتا ہوں جیسے ماکہ اسے اس کے ساتھ۔ اور یہی اس فائدہ۔ ماکہ جو جانا ہوں نیچے وہ اور میں یقین سے ہر سال کو
 فیصلہ ہے ہوں۔

پرسے جیالاب میں ایک پنشن میں کے کو ان۔ اسے لیا اور ہم سے وکھ کر میرے ہاں میں باقلم مگر نہ بچھ گیا۔
 مجھے گھوڑے کی ٹاپوں کا آواز نہ یہ ہم دیا اور کثرت جلد سے جلد میں نے انھوں سے مانگ علی کی مڈ۔ باورق دانہ پھونکا
 تر مرکب پر ایک سوار بارانی قوی دربار کی کوٹ میں چپ ہوا۔ ان کی برکتیا کی کاٹوف۔ باورق جب وہ میرا باورق تو اس کے سیاہ
 تلے پاؤں مجھے رکاوٹوں میں نظر نہ لگے معلوم ہوتا تھا کوئی۔ ان کے ہے۔ باورق میں میں رد تھا کہ میرے دربار اور ان کو اس کی کوٹ پر
 نام نہ رکھا میں ڈال لیا۔ اور ہماری وطن کی طرف چڑھنے لگا میں پہلے میرے دربار اس کی طرف رہ رہ کر ہوا۔

قریب آ کر اس نے مجھے ایک سوار یا میرے کا بڑا بندہ لایا وہ صاف لہر د تھا کہ باندہ۔ اس سے کوئی فیہا بہت ہے۔ ماکہ لاشہ
 دلیق صاحب کا تھا میں فوراً اسے لکھڑا ہوا اور اس کے کھڑے کھڑے اس سے جہد میں بعد میں۔ دینی صاحب کو لے لے تھے مگر یہ
 صہ نہ لایا تھا۔ میرے سے اسے ایک ہفتہ۔ یہ اور اس وقت میں اس کو لے لکھڑا اس کا ہونے کو کہ باورق
 باندہ علی

پرسے احمد:

سواری، پطرس بزرگ کو نوراً آسمان آجا ڈالا۔ اسے مانگ لکھڑا ہوا۔ یہ تو
 مجھ فالتو کا تو اس میرے کمر در کی چابی اور پیراچہ تو شہر پر بیٹے آؤ۔

نہد یا معلوم

پیراچہ، ڈاکو، ویشی

میں فوراً آمد لکھڑا اور جلدی جلدی اپنا لباس تبدیل کیا۔ تو نہ کھول کر اس میں سے چھ کا تو اس کے سامنے کے نیچے سے
 اپنا بھرا ہوا پٹنول لکھڑا کر جس کی جیب میں ڈال لیا۔ تو شہر میں روں کے دستے سے چھ م عذیبہ ڈاکو اس کے پیچے سے ویشی پر جب
 کے کر کے کی چابی (دلیق صاحب) اسے کر کے کی ایک چابی لے لے لے وے۔ یہی ہی کو یہ بعض اوقات جب پناہ میں رہتے

پہرے باندھ لگائے قریب جاتے اور شک کر آ رہی ضرورت محسوس کرتا تو ان کی غیر جانبداری میں ان کا کمرہ کھول کر وہاں بیٹھ جایا کرتا، سب چیزوں کو جیبوں میں ڈال کر احتیاطاً پھر پٹال کی اور بارانی کوٹ پہنتے پہنتے باہر نکلتے۔ نوکر کو خواجہ صاحب کے نام پر ایک دفعہ خاص مضمون لکھ کر دیکھ کر خدا جلنے میں کس وقت واپس آؤں۔ آپ چائے اور کھانے پر برا انتقاد نہ کریں! یہ سب کچھ کس کے گھونٹے پر سوار ہو سرپٹ باندھ لگا کر روانہ ہو گیا۔

تقریباً آدھ گھنٹے بعد اس چھوٹی سی سڑک پر تھیں پہنچ گئے۔ جہاں باندھ لگا ایک رویہ بازار، چوٹی، ڈاک ٹکٹ دھیرہ ایک مسلسل سافٹ جانے لگے۔ باندھ لگا کو باندھا لگا، غصا لگا کھاسا سہہ دانیں داتھ کو ایک ہندی کی چھٹی سی۔ دکان، اس کے ساتھ میٹھے دزدی، قرباب، تباکو، تھم، کافور، پنسل وغیرہ کا سٹور، پھر اس کے ساتھ ایک کھڑے اور پھر شاید ایک بننے کی دکان تھی جاسی تھادیں کچھ غائب پر تحصیل خوار، کچری اور سامنے ہاک بننے کی چھٹی سی چوکور درخت تھی۔

ہائیں داتھ کو باندھ لگی ہوئی بھوکے پیاسوں کے منہ اپنی آغوش شفقت کھولے بغیر کسی تنگ اور غور کے کھڑا تھا۔ باندھ لگی میں داخل ہوتے ہی میں نے جوئی کا رخ کیا۔ کھڑے کو اسٹبل میں پردہ کو کے سیدھا ۳۲ نمبر کرنے کی طرف گیا۔ دروازے کو دھکیلا مسکین دروازے کا تالا بند تھا۔ اب مجھے معلوم ہو اگر دلیٹی صاحب نے کہیں مجھے جاتی ساتھ لائے کو کھاتا۔ خیر دروازہ کھول کر میں اندر گیا۔ صبح پہلے جس چمر پر میری نظر پڑی وہ ایک سفید رنگ کا لڑکا تھا۔ جراثیمی کے اوپر طاق پر ایک پھونڈی کے مہار سے کھڑا تھا اور جس پر سرخ پنسل سے دلیٹی صاحب کے داتھ کے دو فقرے لکھے تھے۔

میرا پتر میجر سے پوچھ لو۔ یہ کارڈ جسلا دور؟

میں نے ان دو فقروں کو شاید چھ دفعہ پڑھا۔ جب سے دیاسٹائی کا بکس لٹھل کر ڈھلا دیا۔ اور دروازے کا تالا پھر بند کر کے میجر کے کمرے کی طرف آیا۔

میں نے بعد ہی سوچنے کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ لیکن میں تیزی سے میں نے اسے کھولا، ہرگز اس تیزی سے اسے بند نہ کر سکا۔ جہاں دلیٹی باندھ لگی ہوئی کا مالک اور میجر اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں بازو میز پر اور اس کا چہرہ اس کے بازوؤں میں چھپا ہوا تھا۔ میں جان دلیٹی کو دو تین سال سے جانتا تھا۔ کسی نامعلوم دھرم سے دلیٹی صاحب کو اس سے خاص امن تھا۔ جس کی بدولت مجھے جان دلیٹی سے ہزارہ دفعہ ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ میں اس سے جب ملا اسے مسکراتا ہوا پایا۔ جب اس نے مجھ سے بات کی مجھے ہنسنا کہی گا۔ آج اس کو اس قدر غم دیکھ کر مجھے بہت ترس سا آیا۔ میں نہایت آہستہ سے دروازہ بند کر کے آگے بڑھا۔ کمرے کے بیچ میں ایک چھٹی سی گولی میز تھی۔ اس پر اپنی ٹوپی اور بارانی کوٹ کو پھینک دیا اور نہایت نرم آواز میں پکارا "دلیٹی!"

دلیٹی نے میز پر سے اپنا سر اٹھایا اور اگر مجھے اس کے غمزدہ ہونے میں کوئی شک تھا تو وہ صوب رنج ہو گیا۔ اس کا چہرہ تبسم سے بالکل نا آشنا معلوم ہوتا تھا اور اس کے ہونٹ ایک دم طلب انداز میں ذمہ نیچے کو جھکے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا:۔

"دلیٹی صاحب ۱۲ نمبر کمرے میں ہیں۔"

میں سنے آگے بڑھ کر اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ دیتا اور پوچھتا۔

”دیکھ، آج اس قدر ٹھیک کیوں ہوا؟“

”کچھ دیر تو وہ خاموش رہا۔ پھر ادھر ادھر دھوکا کھانا۔“

”کچھ نہیں اپنے کاروبار کے متعلق بیٹھا سوچ رہا تھا؟“

اور سر اٹھا کر دیکھے معلوم ہوا کہ اس نے مجھے ٹال دیا ہے۔ میں نے اس سے کہا۔۔۔

”دیکھ، تمہیں یہ وہ دیکھو کہ مجھے بہت اموس ہو رہا ہے۔ نہ تم مجھے اس قابل میں سمجھو کہ ایسی تکلف مجھ سے بیاہ کر دو؟“

”شاید میرے غلاموں کے مذاق نے اس پر اثر کیا۔ ایک آدھ رات تک وہ کچھ نہ بولا۔ اور دایں ہاتھ کے ساتھ اپنے گوت کے ایک ہٹ سے غافلہ کھینچا۔ پھر سر اٹھا کر کہا۔۔۔“

”آپ مہربانی سے لیجئے نہیں؟“

”مجھ پر یقین رکھو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں کسی سے نہیں کہوں گا۔“

”ہوٹل میں ایک قتل ہوا ہے؟“

”قتل ایک کتبہ کس قتل؟“

میں حیران تھا کہ آج دو بجے سے جو بات ہو رہی ہے غیر معمولی وجوہات پر مشتمل ہے۔ فوق العادہ۔ پہلے دس من صوبہ کا پراسرار خط مجھ اس کا روپ وہ پراسرار تحریر اور اب یہ قتل کی خبر۔ جس نے میرے اپنے ٹوٹی اٹھا کر دونوں دھڑکوں میں پکڑ لیا۔ میرے دل میں پریشانی میری انگلیوں کی مضطرب حرکات سے ظاہر تھی۔ دیکھو کی آواز نے آخر کار مجھے اس طرف متوجہ کیا۔

”ماہرین برائوں نامی ایک شخص دو مہینے سے یہاں رہتا تھا۔ کل شام کو چار بجے ہوٹل میں جا پھرنے کے بعد وہ کمرہ نکلا اور کھانے کے وقت تک واپس نہ آیا۔ پھر بھی نہیں معلوم کہ وہ دایں کس وقت آیا۔ کیونکہ نہ تو اس نے اگر کھانا کھا اور نہ رات کے دس بجے تک اس کے کمرے میں کسی نے لپ ہی جیتے دیکھے۔ جیسا کہ عام دستور ہے صبح سات بجے وہ چائے پکارتا تھا۔ آج صبح حسب معمول نوکر اس کے کمرے میں چائے لے کر گیا تو دیکھا کہ خواب گاہ ارحہ بد نظمی اور بے ترتیبی کی حالت میں ہے۔ تمام چیزیں الٹ پلٹ پڑی ہیں اور برائوں اپنے بستر پر بغیر کسی اور حصے کے ڈیرہ تک گرنے پہنچے بغیر سویا پڑا ہے۔ وہ اسے جگہ سے نکلنے کی غرض سے نزدیک گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی دایں کچھ پر ایک بڑا سا

مہیب زخم ہے۔ اس کا رنگ بالکل زرد اور اس کی آنکھیں کھلی اور پھرتی ہوئی ہیں۔ ذرا فاصلہ تو کر پراس بات کا اکتشاف نہ ہوا کہ اس کے سامنے ایک دیا ہوا آدمی نہیں بلکہ ایک مرد مراد آدمی پڑا ہے۔ نوکر بھاگا ہوا میرے پاس آیا۔ اور ٹوٹے پھوٹے نعروں میں برائوں کی موت کی خبر سنائی۔

میں اس کے ساتھ بارہ زبردستی میں گیا اور حالات کو بعینہ عینے پایا۔ جب کہ اس نے مجھ سے بیان کیا تھا۔ سر اٹھا کر آب خیال فرمائیے کہ اس ناگوار ادا تو میری اور میرے ہوٹل کی نیک نامی پر کس قدر برا اثر پڑے گا۔ اس وقت میرے ہوٹل میں سو کے قریب آدمی رہتے ہیں مگر

اس وقت کے طشت ازام ہو جانے کے بعد آپ یقین رکھو کہ ایک شریف آدمی بھی یہاں قدم نہ رکھے گا۔ وہ کہاں رہیں؟ اس ہوٹل میں جہاں

تنگ و بڑھ قتل کر دیئے جاتے ہیں، جہاں مال کا نہیں جہاں کا خطرہ ہوتا ہے، وہیں کچھ ہوں ہی بد قسمت اور مجھے نہیں معلوم میری بد قسمتی کا کیا ناک

تک ہے گا۔ آپ کو علم ہو گا جب میں اور میرا بھائی بندہ وسان آئے تو پہلے پہل ہم نے بریلی میں مشہور کراہیہ سے ایک ہوٹل کو لاد لیا مگر وہ

آئندہ ڈیڑھ ماہ کے لئے
ایک چھوٹا دسک
۲۵ —————
۶ —————
۲۵ —————

نام پر پیور جروزجی کا نام و نوجوان رنگ دار روٹ یوں میں واقع، اس خواہش سے متعلق ہے۔
میں مسلمان مشرب شراب نوشی کی اصطلاحات سے واقف، میں سے پوچھ۔
اس پر ناؤسکی کا کیا مطلب؟

نہیں۔ ایک چھوٹا دسک کے معنی کا ایک چھوٹا بنگ۔ سب دیکھو۔ پورے بڑے کے نام اگرچہ اس میں اس سے تھیں مگر
چھپائی میں کسی قدر شراب پورے

اب کے بارہاؤں سے بات نہ کی جاتی ہوگی۔ نام سے بات نہ کی جائے گی۔ میں حیران تھا کہ کیا دیکھنی سانس کے لئے تھیں۔ اس
سے بڑھ کر میں بل ناموں کی چھپائی کے سے اہم مسئلے پر میری رائے اور رت تھی، اخیر میں نے بل کو دیکھ کر چھپائی دیکھ کر بہت غصہ کیا۔
باقی تحریر عام ہوں گی میں

بل نام کی برادری صاحب کرہ نمبر ۲۰ مابین ماہ جولائی
خوراک وغیرہ
کرایہ
۱۱۰ —————
۱۳۰ —————

سینئر فیروزجی کا بل میرے وائس میں تھا۔ اور ہوش کا بل بائیں ہاتھ میں۔ میں باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا کہ دیکھنی صاحب پورے
یہ دونوں مل بھی برادری کے اس کوٹ کی وجہ سے ملے ہیں جو وہ مل تمام کو پھینک کر باہر نکالتا۔ میں سوال جوابوں کو دیکھ
ہاں میں تھا وہ یہ تھا کہ میری خود کار کا خرچ ایک سو پچاس روپے ماہوار ہوتا ہے۔ برادری کا ایک سو سو روپے کیوں تھا۔ میرے دربار
کیا وہ معلوم ہوا کہ برادری شراب باس نہیں پیا کرتا تھا۔ نہ لکھنے پر نہ کسی اور وقت۔ اس سے وہ شراب کے میاں میں روپے جو برادری کے ہر سے
پر روک کر لے ہیں اس سے نہیں لے جاتے تھے۔

(میں نے دلی میں برادری صاحب مرحوم کو آفریں کہا کہ ایک نیکی کا کام تو کرتا تھا)۔ دیکھنی صاحب نے مسکرا کر کام پھر شروع کیا۔
اگر وہ شراب نہیں پیا کرتا تھا، جیسا کہ مذکور ہے تو دوسرا سوال یہ ہے کہ اس نے کل کیوں سینئر فیروزجی کی وہاں سے روک
کا ایک پیاک پیا؟

(افسوس برادری مرتے مرتے یہ گواہ کر ہی بیٹھا)

اب تم دیکھو۔ یہ شاور باج پورے روک کے ڈبے بڑے ہیں۔ ایک میں تو کچھ رنگا رہی۔ باقی سب خالی ہیں۔ اگر سب واپس
پر کاروں کا نام "سلطان" لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برادری کو "سلطان" سٹار پیسے کی عادت تھی۔ باوجود اس کے سینئر فیروزجی
کا بل کہ وہاں سے کل اس نے "پانا" سٹار روک کا ایک ڈیڑھ خریدا۔ یہ کیا تعجب کی بات نہیں کہ ایک شخص کی نسبت جو روک کے جو روک سے
جانتے ہیں وہ گواہی دیتے ہیں کہ اس کی زندگی نہایت سنجیدہ و متین اور اس کی عادت نہایت سادہ اور باقاعدہ تھی۔ اسی طرف کے وہ

معتدہ معمول سے اس قدر اخراجات کرے۔ کہ شراب نہ پیتا ہو تو اس دن شراب پی لے اور سکار جو وہ غالب برسوں سے پی رہا ہے۔ چھوڑ کر ایک اور قسم کے شامیہ تھپی سگاہ۔ کا ڈبر جوید سے۔ پھر وہ ڈبر بھی نو اس کرے جس کو نہیں ملتا۔ کیا اس نے وہ کسی دوسرے شخص کے لئے خرید رکھا، لیکن نہیں۔ انگوٹھی کے پاس سے مجھے یہ دو جملے ہونے لگا روں کے باقیانہ جھٹکتے ہیں۔ جن کا تباہی سلطانہ سکار کے تباہ کو سے بہت مختلف اور اعلیٰ ہے۔ اٹھاپا پندر سکار بھی بڑ۔ جو کلک میں خود سکار نہیں جیتا۔ اس لئے میری واقفیت اس بارے میں محدود ہے۔ تو کو گویا اس کرے میں دو پانچ سکار بنے گئے۔ لیکن بانی کو ڈبر غائب ہے۔ اب جیلو غرابا کا معاملہ کریں؟

یہ کہہ کر ہم دونوں خواب گاہ میں گئے۔ دلیپ صاحب نے براؤن کی لاش پر سے جاوڑا اٹھائی۔ براؤن ستر بکھڑے پس کی عرق ایک پتلا دُھوا قرینا چھ فٹ دو انچ تک آدمی تھا۔ اس کے جیسے سے بے انتہا شرافت جیگتی تھی اور تعجب ہونا تھا کہ ایسے آدمی کو کوئی کس طرح قتل کر سکتا ہے۔ ارد گرد کی سرسبز چمن درجہ پر ہم قیاس جیسے کوئی دو شخص ایک دوسرے سے کشمی لڑنے نہ سہیں۔

مینیو کے کچم کے علاوہ براؤن کا دایاں بازو بھی ٹوٹا ہوا ہے اور یہ دونوں میں معلوم جاتا ہے کسی کدہ زنی چیز سے آئی ہیں اس صوفی کدہ زنی چیز دونوں کوں میں کوئی نہیں۔ لیکن قابل غور ایک اور بات ہے۔ وہ سب کچھ نئی پر براؤن کا وہ کوٹ کھجولے۔ جسے وہ کھل پہن کر سیر کرنے گیا تھا۔ یہ کوٹ شاید درجہ بالکوندرہ پھٹا ہوا ہے۔ اب اگر یہ کوٹ اس شخص میں پھٹا ہے جس شخص کا تاجو براؤن کے لئے موت تھا تو کیا براؤن میں باوجود ایک مضبوط زخم اور ایک ٹوٹے ہوئے بازو کے اس قدر بہت تھی کہ وہ کوٹ اتار کر نہایت سلیقے سے کھوئی پر لٹکتا۔ پھر اس کی جگہ یہ ڈریسنگ گون پیدا جس کی ڈوری کی کانٹھ قلم غور کر د نہایت احتیاط سے دی ہوئی ہے عقل کتنی ہے کہ یہ سب کچھ براؤن کا کام نہیں۔ اس کے علاوہ براؤن کے مناسکے وقت پہننے کی ڈرنی جو کل شام ضرور اس کے سر پر تھی۔ یہاں کہیں نہیں مڑی؟

یہ کہہ کر دلیپ صاحب نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ میں بڑے اٹھناک سے ان کی باتیں سن رہا تھا اور ساتھ ہی بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا۔ فی الحقیقت اس قتل کے گرو ایک ایسی تاریکی مٹھاتی جس میں میرے تجسس دماغ کو کوئی راہ دکھائی نہ دیتی تھی۔ جب میں دلیپ کے قتل کا جو اس رہا تھا تو میرا دل قتل اور قاتل کی نسبت دلیپ کی معصوب کی طرف زیادہ متوجہ تھا۔ ادنا ب قتل مجھے ایسا اہم واقعہ معلوم ہوا تھا کہ میں دلیپ کی تکلیف کو بالکل بھولی گیا۔

دلیپ صاحب مجھے ساتھ لے کر خلسا خانے کے دروازے سے باہر نکلا۔ میں نے ان سے پوچھا۔

”میرے ہم چوروں کی طرح خلسا خانے کے دروازے سے کیوں آتے جلتے ہیں؟“

وہ بولے۔

”تو ہم نے جب تمہیں سارا حال سنایا تو اس نے تم سے یہ وعدہ نہیں دیا کہ تم کسی کو نہ کھو گے؟“

”کیا تھا؟“

”ہوئی میں تین چار آدمی ان کے سوا اور کسی کو اس علاقے کا حل نہیں۔ اور حتیٰ احواس کہ کشش کی جارہی ہے کہ جب تک تفتیش انکی خاص منجے پر نہ پہنچے اس کا ذکر نہ کیا جائے۔ جو لوگ صبح براؤن کی چالنے لے کر آیا تھا۔ اور جس نے سب سے پہلے اس ہوٹلی میں براؤن کو مڑا ہوا دیکھا اس کو دلیپ نے ضابطہ کو پر دے دے کہ چند دن تک اس معاملہ پر زبان بند رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ سب انسپکٹر صاحب بھی شریف آدمی تھے۔ انھوں نے بھی وعدہ کیا ہے کہ جب تک انھیں کسی خاص شخص کے مجرم ہونے کا پورا یقین نہ ہو جائے وہ کسی سے ذکر نہ کریں گے۔“

میں کھنے کو تھا کہ وہ فوٹ میری میز پر ہی گر کسی خیال سے چپ رہا۔ اور میرے کارٹوس نکال کر ان کے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ انھوں نے ایک ملک کر کے سب کو پستول میں بھر دیا۔ پستول بند کر کے میرے جیب میں ڈال لیا۔ اور مسکرا کر کھنے لگے۔

میرے کارٹوس ختم ہو گئے تھے۔ اس لیے میں نے انہیں ہانے کو کہا تھا۔ میں تیار ہی لاؤ تو سون فافرندہ ہوں؟
ان کا یہ بڑا ہر تعلقانی الحقیقت میں بے تعلقی تھا۔ لیکن مجھے کچھ عجب کراہٹ سی ہوئی۔ میں اس کے جواب میں خدا جانے کیا کہنا۔ لیکن انھوں نے مجھے اس کی ذہنت زدوی اور دفعتاً بوجھا۔

تو تھری براؤن کے متعلق کیا رائے ہے؟
میں تو سب سے پہلے سیموئیل فیروز جی کے بن کا معاملہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ خیال ہے میں میٹرو کے پاس جا کر کسی وضاحت سے پوچھ آؤں کہ یہ پانامہ کارڈ اور ایک جیوگرافکس کیس نے خرید لیا تھا؟

بہت خوب۔ بہت خوب۔ تم اب روز بروز غمند ہوتے جاتے ہو۔ اور چونکہ معلوم ہوتا ہے کہ میں تھیں تھیں میرا وہ خاص ملک حاصل ہے۔ اس لیے ساتھ ہی تحصیل سے رہ بھی پوچھتے۔ ان کے چارلس نے کل شام کے پانچ بجے مری جانے کے لئے گھر ٹاکرایہ پر لیا تھا؟
مجھے پھر کچھ گھبراہٹ سی ہوئی۔ لیکن پھر کچھ جواب بن ڈیڑھ گھنٹہ بنا ہو کر میں ڈاک بنگلہ سے باہر نکل آیا۔
پانچ منٹ کے بعد میں وہاں سے سرکوتا ہوا ڈاک بنگلے کے برآمدے میں داخل ہوا۔ ویٹن صاحب ٹیبلٹ تھیں رکھ گئے اور ایک منتظرانہ انداز میں کھڑے ہو گئے۔

میں نے نہایت بے تعلقی سے کہا۔ مکمل مورخہ۔ اہستہ کو شام کے پانچ بجے چارلس ویمو صاحب مری ہوئی کے مالک اور میرے
نے سیموئیل فیروز جی اینڈ براؤن کی دکان سے ایک ڈیڑھ پانامہ سگرا لاخیرہ اور ایک پیگ وٹلی کا پیلا تحصیل سے کل صبح کے سات بجے سے لے کر شام کے آٹھ بجے تک انھوں نے کوئی گھوڑا کرائے پر نہیں لیا۔ ہیل بات۔ سیموئیل فیروز جی کی زبانی اور دوسری بات گھوڑوں کے ٹھیکہ دار کی زبانی معلوم ہوئی۔ مگر اس بڑھنگ سے کہ انہیں شاید محسوس بھی نہیں ہوا کہ ان سے یہ باتیں کوئی پوچھ گیا ہے؟
یہ کہہ کر میں نے اپنے اٹھ پلوٹوں پر رکھ لئے اور نہایت بے پروائی سے دو تین قدم برآمدے کے پتھر کے فرش پر ٹپا۔ پھر رگڑ میں نے ویٹن صاحب کے کہا:-

”وہ سگرا، دن کے جلے ہوئے ٹکڑے جو اپنے براؤن کے کمرے میں سے اٹھائے تھے۔ وہ تو ذرا دکھائیے؟
انھوں نے فوراً میرے اشارہ کی تعمیل کی۔ میں نے امداد، کھانے کو اسے کھولا پھر ان چھ پانامہ سگرا، ہل میں سے جو میں سیموئیل دکان پر سے خرید کر لایا تھا، ایک سگرا لے کر اس کے تباکو کے پتے کو کھولا اور دونوں کا مقابلہ کیا۔ میرا نہایت لمبے میں ویٹن صاحب کے کہا
”آپ کا تیس ٹھیکہ تھا۔ یہ جلے ہوئے سگرا بے تک پانامہ سگرا ہیں؟“

انھوں نے جھجک کر کہا۔ ”آپ کی عینی نوازش؟“

”تو اب ہم مری چلوں گے نا؟“

جس طرح حضور وگو کریں؟

میں نے اختیار کھل کھلا کر ہنس دیا۔ وہ پانامہ سگرا سگرا کر ہم ڈاک بنگلے سے تحصیل کی طرف آئے۔ وہ گھوڑے

میں چیراں تھا کہ اس شخص نے اپنا دماغ کس قدر قابو میں رکھا ہے۔ مجھے ہرگز اس بات کی توقع نہ ہو سکتی تھی کہ چلہ گھٹنے براؤن کی اہمیت پر توجہ غور و خوض کرنے کے بعد وہ بالکل اس طرح لاتعلقی باتیں کرنے لگ جائیں گے۔ جیسے وہ اس سے محض بے خبر بچوں اور پھر اس وقت جب کہ کم از کم ہر دماغ خیالات کے عدم اظہار کی وجہ سے میٹن لائٹس میں سرخ میں مصروف تھا۔ وہ بیٹن صاحبہ میں میں نے بڑی خاموشیت دیکھی ہے

کو وہ ایک نکت اپنے خیالات کو بغیر کسی تکلیف کے ایک طرف سے دوسری طرف منتقل کر سکتے ہیں۔ وزیر اعظم انگلستان کے کیرکسٹو پوجن کو ختم کرنے
ایچ۔ وینٹ نیس کو سٹو کو وہ چین کی ریشم کی تجارت کے متعلق باتیں کیسے لگ جاتے ہیں۔ ہزار ہا آدمیوں کے ساتھ غایت احتیاط سے متواتر
لگنے لگے وہ اصصحت بہت پر ملک کے ایک مشہور اسپیکر کی دھواں دھار تقریر سنتے رہتے ہیں اور کچھ دال سے باہر نکلتے ہی سپدیانہ کی
آب دھواں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اور اگر اعظمی نشان مبار اور اپنے دلچسپ و مضمت اس شاندار افسانہ کو دیکھ کر خاموش رہتے۔
دلیق صاحب ای سے بالکل غافل، چپ چاپ گھونٹے پر پیلے ہمارے تھے۔

مری ہنسکوپ سے ہم دس بجے نکلے۔ دلیق صاحب برس کی جبوں میں ہاتھ ڈالے مگر ٹک کے سپیم کش لگا رہے تھے۔ میں نے سوال
کے مطابق اپنی گھڑی کو کوکنا شروع کیا۔ دلیق صاحب بولے:۔

”بہ بھی گھڑی کسے کا وقت ہے؟“

”میں سو نے سے پتہ گھڑی کو کوک دیا کرتا ہوں۔ دن کے وقت اور کاموں کی وجہ سے بہ کام بدل جاتا ہوں۔ اب خدا کے خواجہ
نور حسین وہن بہرے ٹائم پیر کو کوک رکھیں؟“

”تو تم ٹائم پیر اور کلنل کی گھڑی کو ایک ہی وقت کوک دیتے ہو؟“

”اس میں کیا فرق ہے بلکہ یہ تو اچھی بات ہے؟“

”میرا بھی یہی قاعدہ ہے اور — شاید — ہر ایک — — — — —“

اگر میرے حواس نے مجھے دھوکا نہیں دیا تو میرا خیال ہے کہ دلیق صاحب نے اتنا کہہ کر اگلا قدم ذرا آہستہ اٹھایا اور ایک لمحے کے لئے اس کے
مدیتے میں نمایاں تبدیلی ظاہر ہوئی۔ لیکن پھر وہ پہلے کی طرف لا آ یا۔ یہ طریقے میں چلنے لگے۔ آدھ منٹ کے بعد ایک معمولی فقرے کی صورت میں انھوں نے
مجھ پر ایک بگڑا دیا۔

”اگر تم ٹائم پیر اور کلنل کی گھڑی کو ایک ہی وقت کوک دیتے ہو، تو براؤن کل شام کے چار بج کر ۲۵ منٹ پر میرا ہے؟“

مجھے ہرگز یقین نہ آیا کہ میں نے ٹھیک کہہ دیا ہے۔ چونکہ کے میں نے پوچھا:۔

”کیا کہا آپ نے؟“

”میں نے کہا ہے کہ اگر تم دونوں گھڑیوں کو ایک ہی وقت کوک دیا کرتے ہو تو براؤن کل شام کے چار بج کر ۲۵ منٹ پر میرا ہے۔ اور چونکہ
چار بج کر ۲۵ منٹ پر وہ یقیناً ہوٹل کے باہر تھا۔ اس لئے اس کی موت اس کے کہے میں نہیں بلکہ باہر کہیں واقع ہوئی ہے۔ اس کے بعد اعلیٰ رات کے
وقت اس کی لاش اٹھا کر اس کے کہے میں لائی گئی۔ وہاں اس کا کوٹ اتار کر اسے ڈریسنگ گون پہنا دیا گیا اور بستر پر لٹا دیا گیا۔ اور پھر اس کی خواجہ
کی چیزوں کو وہ بہرہ برہم کر دیا گیا۔“

میں تجیر، استعجاب، استغمام اور اسی طرح کی عین میں چیزوں کا بھون مکتب ان کے چہرے کی طرف منکسے باندھنے والی آنکھوں سے
دیکھ رہا تھا اور مجھے یقین تھا کہ دلیق صاحب بالکل بالکل ہو گئے ہیں۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائے، مسکرت کو منہ سے نکال کر ہر اکی تاریکی میں

کھو اجمال و ناو۔ پوسے در۔

تیرب جس نے براؤن کے کوٹ کی لکڑی کی تواریں سمجھ لیں۔ ہی کے مل۔ ہرٹل کے علاوہ مجھے براؤن کی سبھی گھڑی بھی ملی تھی جو مجھے یاد ہے کھیا بیکر۔ دم۔ ڈسٹ پر گھڑی ہوئی تھی۔ میں نے کوڑا ہ جی سے بربان کا کٹ گھڑی اس نے تھوڑی کر اسے کوٹنے والا مر گیا ہے اب مجھے اس وقت پر نہ سوجھا کہ گھڑی کی بائی پھر کر دیکھیں براؤن کی نشست تھوڑی جس پر اس کا تانہ میں بھی تھوڑا سا تھا۔ اور اس کے ٹھکانے میں جو بھی میں نے یہ خیال کیا۔ لیکن اب مجھے یاد آیا ہے کہ شاید میں نے سوچا کہ میں نے اس سے پہلے ان چاروں ٹانگوں میں سے ہر ایک کے پیش آنے کا کام نہیں ہوا۔ اس لئے وہ تو اسی وقت تھوڑا ہے جس وقت اس کی کوٹ خراب ہوئی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ براؤن اپنے ٹانگوں کو — اور اگر وہ دونوں گھڑیوں کو اب بھی وقت کا کوک دنا جس سے تو وہ دونوں گھڑیوں کو — فرماؤں تھوڑے دیر بعد اس کے نوٹس کے کوک کو کھانا تھا جلی گھڑی جو چار بیکر کا دست پر گھڑی سے تو اس کا ٹھکانہ جانا اس کی کمسن نہ ایک ٹھکانہ سے چار براؤن کو اس سے دفعتاً اپنے ہاتھ کے ساتھ یقین کر لی تھی۔ کہ تم اور میں جو تباہ دست، فائدہ دہندہ کی بد کوٹے کا۔ عوسے میں کر سکتے۔ یہی دونوں بکڑیوں کو ایک ہی وقت کوٹ دینے ہیں تو براؤن جس جس کی زندگی کی ہر ایک کوٹ میں ہی ان امداد ہر ایک عادت قاعدہ اور معتد کر دہ تھی۔ کیا یہ عادت تھوڑی تھوڑی مہر کے وہ بھی دونوں گھڑیوں کو ایک ہی وقت کوک دیا کرتا تھا؟

جو جو وہ کہتے کہ براؤن کی موت کی ہر ایک نفس میں مجھ پر نکلا رہتی تھی۔ تک وہ باتوں کے متعلق میری سرے دل میں الجھ رہی تھی۔ وہی ہنسنے والی حالت میں بھی میری نظریں۔ وہ کہتے تھے۔

مستندہ فرزند بھی کا پس اور۔ دیا نامہ رنگاروں کے جسے ہونے باقی اندہ کوٹے صاب بتا رہے ہیں کہ چار میں دیکھ رہے ہیں براؤن کے کہے میں داخل ہوا ہے بلکہ وہ ان کو ان کے تہیں براہ کھٹنے تھوڑے دور گھڑیوں کے کہنے کے لئے کچھ وقت چاہتے۔ سب تو تم بغیر خوف دروید فرعون کو کو کہ براؤن کی نفس کو باہر سے اٹھا کر لائے والا چار اس دیکھ رہی تھا۔ اور براؤن کی تہیں لیا اس اور فرعون کے ہاتھ کی باغیہ کا دوسرا بھی ہے۔ ب۔ موت دوجا ہر محل طلب! خبر باقی ہے۔

اول۔ یہ کہ کیا ہمارے دیکھ رہے براؤن کی نفس کو باہر سے اٹھا کر کہے میں لایا۔ یا کہ قتل بھی ہی نے کیا ہے؟

دوم۔ یہ کہ اگر اس نے قتل نہیں کیا تو قاتل کون ہے؟

سوم۔ یہ کہ اس نے دیکھنے والوں کے دونوں میں بغیر خیال ڈھنسنے کی کوشش کیوں کہ براؤن کے کمرے میں چلا ہے؟

چہارم۔ یہ کہ سپر فرزند کی دکان کا کل براؤن کی جیب میں کتے چلا آیا؟

براؤن کا کمان کیا ہوگا؟ اغلباً اور حرا و سر کہیں جگہوں میں؟

مثالیہ۔ لیکن جہاں کہیں بھی وہ مارا گیا ہو وہاں اس کی موت کی ایک باؤگا۔ باقی ہے بشرطیکہ جنگلی جانوروں نے اسے وہاں

پہنچے دیا ہو۔

”وہ کیا؟“

”اس کی شام کے وقت پہنچنے کی ٹوٹی۔“

اس جبریت نگرانتا نے مجھے سندر تھیر کر دیا اور میں کر دوار کی صوب چڑی چل گیا۔ دہان صاحب جھجھوڑتے تھے میں بھی ان کے ساتھ۔ وہ چل جاتا تھا، آہو کا رو۔ ایسا جو چل کر دے۔ مجھے ہوا ٹھہرے اور کھینٹے اور۔

”یہی رسم دیکھ کر حیرت کا بول ہے۔ اس سے خیال میں ان کی طاقت مجھ سے ہے۔ ان کا دوست کا دوست ہو گیا؟“
اس وقت شہر۔ دوسرے اس بکے ہون گئے۔ ستر۔ اسیوں کی روشنی رات کی محیط نارنگی کے ساتھ ایک ناکا جی بڑھوڑ متا کر رہی تھی۔ سوشل کے کھوڑے۔ یہ کہیں کہیں کوئی نوکر بھی نہ ہو، انظر آقا تھا۔ ہم جو چل کی سڑکیوں پر چڑھے کے بعد سوشل کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے۔ وہ داروازہ کھڑا اور میز کے مست و زب دیکھتے تھے۔ اب اسے بھڑکا پتہ چوڑی۔ تو بعد میں جو بیخبر صاحب سناؤ کے کمرے میں ہیں۔ بیخبر کے دے داروازہ کھڑا کو جو اندر گئے۔ جو بس دیکھ کر ایک آرام کر رہی ہیں صاحبانہ۔ اہلخانہ سے مل گئی رہی۔ اور اس سے ایک چوڑی میز پر ایک حق خاکسراؤ۔ ایک کھڑی۔ اس کی عین پر رست صیغہ کی خواہشات کو دیکھنے لے لے پڑے تھے۔ صیغہ دیکھتے ہی چارلس اور کھڑا۔ جو مجھے اس کی شعل بھی حرج باز ہے۔ اس کے خط و دخل سات سارے تھے کہ وہ جان ویرا جانی ہے۔ یہ کھڑا اس کے تہہ اور جان ویرا کے تہہ میں رہیں آسمان کا فرق فنا۔ جان ویرا جب سنا کر اٹھا اس لے جو سے سے سات کوئی اور ایک تہہ بناتی تھی برقعہ اس کے چارلس کی مسکراہٹ میں اندھا بن۔ اور جبر کے دن خطاب تھے۔ چارلس کے سر کو مسخوری اور ناہل اعلیٰ انداز دیتے تھے۔

وہ دیکھتے ہیں کہنے لگا۔

”صاحبان! میں آئی۔ کے لئے کی کرنا ہو؟“

ولین صاحب نے مزیت سے پروا نہ کی۔

”ہوئیوں صوف رات گزرا نا چاہتے ہیں۔ اراقتیں دوسرے کے کمرے سے رکو تو نماز بہت دیر باج ہوگی؟“
”بہت خوب ہے۔“ یہ کہ کر چارلس نے ایک۔ ذکر کرنا کرنا۔ ان کو نمبر ۲۲۲۲۲۲۲۲ میں لے جاؤ۔ بیخبر ہم سے مخاطب ہو کر

کہنے لگا۔

”آپ کو کھانا تو نہیں چاہیئے؟“

ولین صاحب ہنسے۔

”میں صحت کا کافی دے دو ہا ہے بیچ دو؟“

ہر دو دن ۲۲ میں ملتی تھے کہ ذکر کرنا ایک طشت میں کافی کے دو پیالے دایا ولین صاحب نے اس سے کہا۔

”یہ کر میں بیچ دو؟“ یہ کہ کر ہم دو دن کافی پیئے تھے۔ میں نے پوچھا۔

”آپ بیخبر کو کیوں بلایا۔ چہ؟“

۱) خدا جانے مجھے خاطر خواہ جواب ملا یا نہ کہ اتنے میں دروازہ کھلا۔ چارلس ولیم انار داخل ہوا اور ہائے سانسے آکر ایک لمبی

کو می پراپنے دو دن ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ولیم صاحب نے ہنس کر کہا۔

”خیر صحت۔ ولیم۔ میں تمہارے بچل کی کافی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کم از کم ہاتھ گلی بچل میں اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ وہ ہر کا انتظام کی سپلوٹوں سے ناقص ہے۔ کل ہی وہاں ایک آدمی کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ دیکھ میں تو سوشل کی بدانتظامی کی نسبت ناقص

قتل کے الزام میں گرفتار ہے۔ رنج و غم میں زوال اور مدافعت اس در بدر علی ہے کہ قہر ایک بے کاد کو اپنے سامنے چاہی ہو چلے دیکھ دے
چارلس کا یہ اس تقریب کے ذرائع بتدیہ بدلتا آیا اور اس کے چہرے پر مختلف جذبات ظہور کرتے گئے۔ افسانہ، غصہ، اس
توجہ نرم دلی، دوست و افسوس سب باری باری اس کی آنکھوں میں سے جھٹکتے جھٹکتے چلے گئے۔ لیکن مباحثے اپنی تقریر اس دست
کی حب حبس پر اس کے کھاتے پر اور اس کے کندھوں کے پیچھے جتنے میں بہت دور راہی کے آٹا۔ نظر آئے۔
چارلس نے کھٹے ہو کر کہا۔

”یوہان، بڑا ہی مس نہ مائے گئے۔ آپ اچھا ہیں۔ رکھنے کو کچھ میں نے کیا بہت بڑا کیا اور میں اذیت شرم و مذمت کے ساتھ اس پر۔
اپنی ذلیل حرکت کا اعتراف کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن آپ کہہ نہیں دیتا ہوں کہ میں نے قتل نہیں کیا۔ افسانہ جس کبھی قتل نہیں کر سکتا۔
اگر میں نے اچھا کر میں نہ دے باس۔ اگر سارے حالات میں بہت دور ہو سہ۔ دوست ساتھ۔ یہ لکھتے جاہل کے؟
وہ جن صاحب نے میری (موت دیکھی) جس نے جیب میں سے نوٹ چھڑا دی جو میں متعلق تھی سے ساتھ لایا تھا (فغان کو پسند ہے اور دینے سے
اسے ان کا طعنے کہ جو چارلس کہتا ہے، لکھتا ہے۔

وہ قریب تو اس وقت بھی لفظ بلفظ دہرے دہرے اس کا بیان ہو رہا تھا کہ ابی سرور ہی ہے۔ اس کا مطلب موت تھی کہ وہ اس
جو کے دن باندھ گئی تھی۔ وہ کچھ سے پہلے کے بعد براؤن کی ٹان وہ بھی میرے لئے نظر آیا۔ وہ ایک چوٹی پر چڑھا تھا کہ سامنے
اس نے ایک ٹکڑی کو کھینچا۔ اس کے کھینچنے دیکھنے اس انگریز کا پاؤں پسند آیا اور وہ لڑکھٹا لڑکھٹا ہنسی سے سا۔ آخر نیچے جا پڑا۔ چارلس
بھاگتا تھا کہ اس کے پاس گیا۔ اور اسے زمین پر سے اٹھا۔ لیکن اس کو سر ایک بڑے پتھر کے ساتھ ٹکرائے کی وجہ سے اس کی لپٹی کو ایک ٹکڑی
آئی تھی۔ اور وہ مریض تھا۔ چارلس کو معلوم نہ تھا کہ یہ کون ہے۔ اس کا نام دفنان معلوم کرنے کی غرض سے اس نے اس کی جیبوں کی تلاشی لی ایک
جیب میں سے باندھ گئی ہوئی کا بل ملا۔ جسے چارلس کو معلوم ہوا کہ اس انگریز کا نام لی براؤن ہے۔ اور یہ باندھ گئی کے ۱۲ نمبر کرے میں رہتا ہے
پیلے تو اسے خیال ہوا کہ باندھ گئی میں ہمارا اس کی موت کی اطلاع دے۔ لیکن کچھ دیر سوچنے کے بعد اس کے دل میں ایک بڑا میل خیال آیا اور اس نے
اینا چلا ارادہ ترک کر دیا۔ باندھ گئی اگر اس نے پانا سرنگاروں کا ایک ڈیرہ اور وہ کسی کا ایک پیگ پیلا۔ اور میری ہوئی میں اگر بھائی کے نام جیٹ
پھر ڈگیا کہ جس برقی دایس جارا ہوں۔ لیکن خود ادھر وہ میرا ڈیڑوں میں رات کی تاریکی کا انتظار کرنا رہا۔ قریباً گیارہ بجے براؤن کی آمدش کو اٹھا کر
وہ ہوئی کی طرف لایا۔ اور موقع ہوا کہ بعض سمیت براؤن کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں براؤن کا کوٹ اما کر اسے ڈرائنگ گونڈا ہوا اور خواجہ گاہ
کی چیزیں الٹ پلٹ کر دیں۔ تاکہ معلوم ہو تو اس کی کہے میں ہو سہ۔ اور یہ سب باتیں اس نے بھائی کے حسد کے واسطے کہیں۔ اس کا مدد
باندھ گئی ہوئی کو بدنام کر کے کاٹھا۔ پھر وہ رات بھر براؤن کے کمرے میں ملا جہاں وہ سو رہا تھا لیکن اس نے ہی بہتر اس کے کہ باندھ گئی
کا کوئی آدمی جاگے وہ بیدار ہی مری ہو چکی دیا۔

میں ان کا سارا بیان لکھ چکی تو دیش صاحب نے کاغذ مجھ سے لے کر چارلس کے گھر کے کھمبے اور کہا کہ ان پر دستخط کر دو۔
کچھ دیر تو چارلس ساکن رہا۔ پھر تعلیم اٹھا کر دستخط کر دیے۔ اس کے بعد ہوئی کے دفتر کے ایک باہر کو بلا کر اسے تحریر کا مطلب بتائے بغیر
اس کے دستخط بھی بطور گواہ کے کر لئے گئے۔ پھر دیش صاحب نے ان کاغذوں کو لٹائے میں بند کر کے لٹائے کے اوپر
سے پتہ لکھ لایا۔

ہو گا کہ پوچھیں کہ اس مقدمے میں جو کوئی لی حاصل ہوئی ہے وہ سب آپ ہی کی بدولت ہے۔ آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں کہ میں تمام محکمہ کی طرف سے آپ کی بے خوفانہ مزاحمت کے لئے آپ کا شکریہ ادا کروں۔
مجھے یقین ہے کہ آپ کے حوالہ تفتیش کی تفصیل جاننا اور دلچسپی نہ ہوگی۔ اگر آپ ہیں اس سے آگاہی بخنیں تو سب حالت کو یوں جزل میں متاخر کو رہا جائے۔ امید ہے آپ میری اس درخواست کو قبول فرما کر مجھے فوراً سنبھالیں گے۔

آپ کا خاص
.....

میں نے اسی وقت اس کا جواب لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا۔

عاب عالی۔

سٹر پارک کی موت کے متعلق میں سے سوائے جی میں دیکھ کر بیان لکھنے کے اور یوں نہیں بنا۔ برص
انکشافات مجھے سے ایک درجہ اعلیٰ و مارخ کے خورد و خوراک کا منجر ہیں۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ کہنے کا حق حاصل
نہیں ہے۔

تمہارے بڑے دوست صاحب سے کس نفسی ہی کھینچ کر میں اور کیا لکھا۔

”چلے ہیں“

(گلستان - اکوڑہ - نومبر - دسمبر ۱۹۱۹ء)

کاغذی روپیہ

خواجہ علی احمد شہ کے بڑے سوداگر تھے۔ انھوں کا کاروبار چلتا تھا۔ لوگوں میں سرت کی بھروسے دیکھے جاتے تھے جو کچاں کی دیامت داری سے واقف تھا اور ہر شخص جانتا تھا کہ خواجہ علی احمد لوں کے سچے اور بات کے پلے میں۔

ایک دن انھوں نے اپنے ایک آدمی کو جوتے دانے کی دھون سے جوڑا زید سے بیچا۔ جوتے کی قیمت میں وہ پلے کچاں میں بجائے اس کے کہ جو خواجہ علی احمد اپنے ذکر کو میں روپیے دے کر بھیجتے انھوں نے دانے کو کچاں جوتے دے کے نام پر رقم بھیجی۔

میاں کریم خاں، مہربانی کر کے سارے آدمی کو میں روپیے کا ایک تونا دے دو ہمارا یہ دعو اپنے پاس سفال کے کچھ بھڑور جب تہہ داروں پا یہ رقم کے کم کیا ہمارے منشی کو دکھایا اور میں روپیے کے جانے پر رقم اگر تم کسی اور شخص کو دنیا بھر میں بے شک دے دو، جو دے پاس لائے گا میں اس کو میں روپیے دے دیں گے۔ رقم خواجہ علی احمد۔

دکان دانے جب رقم کے لیے خواجہ علی احمد کا دستکا دیکھا۔ تو اسے افسانہ ہو گیا۔ جوتا تھا کہ خواجہ صاحب کسے لئے آدمی نہیں اور پھر نائیپ کے آدمی ہیں۔ وہ پلے نہیں بھیجے تو نہ سہی۔ یہ رقم کیا راہوں سے کچھ ہے۔ جب چاہوں گا، رقم دے دوں گا اور وہ یہ سونے گا جتنا خواجہ اسے عزیز تامل کے جو تابیجی دیا۔

نمودہ دیوید کریم خاں دکان دار کے پاس مہماندہ ملانی آیا اور کہے لگا۔ "میاں کریم خاں، میرے قنادی طوطی بھیس روپیے نکلے ہیں، ادا کردہ تہہ دار بہت مہربانی ہوگی۔"

کریم خاں نے کہا: ابھی لو۔ بہ بائچ تو نقد لے لو۔ باقی میں روپیے کے خواجہ علی احمد سے میں یہ دیکھوں ان کا رقم کچھ جاؤ، تو میں جسے ان سے میں روپیے لے آؤں گا کیونکہ اس میں منجھا ہے کہ ہر شخص بہ رقم لائے گا اس کو میں روپیے دے دے جائیں گے۔

عبداللہ بھی خواجہ علی احمد کو اچھی طرح جانتا تھا۔ کیونکہ شہر بھر میں وہ صاحب کی ساتھ قائم تھی کہنے لگا: "نہم یہ رقم کچھ کی کہیں نہ دے دو میں ان سے میں روپیے لے آؤں گا کیونکہ اس میں منجھا ہے کہ ہر شخص بہ رقم لائے گا اس کو میں روپیے دے دے جائیں گے۔"

کریم خاں نے کہا: "یہ نہیں سہی۔ جتنا بچو عبداللہ ملانی لے میں روپیے کے جسے وہ رقم قبول کر لیا۔

کئی دنوں تک یہ رقم وہی ایب سے دوسرے کے ہاتھ میں پہنچ کر شہر بھر میں گھومتا رہا خواجہ علی احمد لوگوں کو اس قدر اعتبار تھا کہ ہر ایک اسی رقم کو میں روپیے کی بجائے لے لیتا قبول کر لیتا کیونکہ ہر ایک شخص جانتا تھا کہ جب چاہوں گا اسے خواجہ صاحب کے منشی کے پاس لے جاؤں گا اور وہ اس سے

میں دھپہ وصول کروں گا۔

موتے موتے یہ تو ایک ایسے شخص کے پاس پہنچ گیا جس کا بھائی کسی دوسرے شہر میں رہتا تھا۔ یہ شخص اپنے بھائی کو کسی آرڈر کے ذریعے جس پتے پر بھیجا تھا، قمار خانہ کے دواں سے اس دھپہ کو پس روپے کے عوض میں لینا قبول نہ کیا۔ چنانچہ وہ شخص سہ ماہی پر عملی اصول کو بھی پرہیزگار و قسطنطنیہ کو دیا۔ شفی نے میں روپے کن کن گن مئے اس نے روپے جا کر ڈاک خانہ دواں کو دئے اور انہوں نے آگے اس کے بھائی کو بھیج دئے۔

اس مثال سے یہ قمار خانہ اگر محض ایک کاغذ کا پرزہ کتنی مت شک روپے کا نام دیتا رہا، ایسا کیوں نہ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کاغذ کے نیچے ایک ایسے شخص کے دستخط تھے جس کی دیانت دہی پر سب کو بھروسہ تھا۔ وہ جس کی دولت کا سب کو مطمئن تھا۔ سب جانتے تھے کہ یہ شخص جب چاہے میں پائے اور اس کا ہے اور قتل کا اتنا پلٹا ہے کہ کبھی اسے انکار نہ کرے گا۔

اگر ایسے ہی ایک شخص کے نیچے ہم یا تم دستخط کو دیتے تو کوئی بھی اسے روپے کے بدلے میں قبول نہ کرتا۔ اصل تو یہیں جانتا ہی کون ہے اور جو جانتا بھی ہے وہ کہے گا کہ ان کا کیا پتہ آدھی نیک اور شریف اور دیانت دار بھی، لیکن خدا جانے ان کے پاس میں روپے میں بھی یا نہیں؟ کیا معلوم ہم مانگنے جائیں اور وہ ان کو ڈی بھی نہ دے۔

خواب علی احمد کا تو گویا ایک قسم کا نوٹ سرکاری نوٹ بھی باطل ہی ہو جاتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ان کے نیچے سرکاری طوط سے سرکاری خوشی کے ایک انصر کے دستخط ہوتے ہیں۔ اگر تم دس روپے کے نوٹ کو لے کر دیکھو تو اس پر اوپر حکومت پاکستان اور اس کے نیچے حکام ہوتا ہے کہ میں تیار کرتا ہوں کہ وہ اعلیٰ درجہ کا کوئی شخص ہو یا نہ ہو۔ اس عبارت کے نیچے سرکاری انصر کے دستخط ہوتے ہیں۔

خواب علی احمد کی تو معرفت ایک شہر کے لوگ جانتے تھے۔ حکومت پاکستان کو ملک کا سرکاری جانتا ہے۔ بلکہ ان لوگوں میں بھی اس کی سادہ قائم ہے اس لئے سرکاری نوٹ کو ہر شخص جانتا قبول کر لیتا ہے۔ اور کوئی قبول کیوں نہ کرے۔ لوگ جانتے ہیں کہ جب چاہیں خزانے میں جا کر اس کے روپے بننا سکتے ہیں خواب علی احمد کے رشتہ اور سرکاری نوٹ میں ایک فرق اور بھی ہے خواب علی احمد کا تو توڑ ڈاک خانہ دواں نے قبول نہ کیا تھا لیکن سرکاری نوٹ انہیں غرض ہی قبول کرنا پڑتا۔ سرکاری نوٹوں کو قانونی طور پر ملک کا سرکار دیا گیا ہے اور کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان کو روپے کے بدلے لینے سے انکار کرے۔ اگر تمہیں کسی شخص نے دس چاندی کے روپے قرض کئے تھے اور اب تم اس کو یہ قرضہ آوارنے کے لئے دس روپے کا نوٹ دیتے ہو تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تو چاندی کے روپے ہی لوں گا۔ اسے دس کا نوٹ غرض دینا پڑے گا۔

روپہ ایسا ماننا چاہئے کہ آسانی سے پاس رکھا جاسکے۔ چاندی کے سکوں میں یہ خوبی ایک حد تک باقی جاتی ہے۔ تاہم چاندی کے سکے مذنی ہوتے ہیں۔ انہی روپے کا وزن میرا ہو جاتا ہے تو جہاں پانچ سو روپے ایک ٹکڑے سے دوسری جگہ لے جاتا ہوں، وہاں اچھی خاصی دقت پیش آتی ہے۔

نوٹوں سے یہ دقت رفع ہو جاتی ہے۔ ہزاروں روپے کے نوٹ ایک جیب میں آسانی سے ڈالے جاسکتے ہیں۔ نوٹوں کے جاری کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

باجووان سب باتوں کے سبب شخص کے پاس بہت سارے روپے ہوں۔ اس کے لئے یہ تیل ہے کہ بہت سے نوٹ، کچھ روپے، چوتیان، دنیان، یہ سب کچھ اپنے پاس منجھال رکھے۔ ایک تو سمجھانے کی تعلیم، دوسرے چوری کا خطرہ، اس لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنا سب روپہ بنک میں رکھو اور۔ بنک میں روپہ امانت کے طور پر رہتا ہے روپے کا مالک جب چاہے اس کو نکالوا سکتا ہے یا جس کو چاہے اپنے جتنے کا پیروں دلی سکتا ہے کسی اور کو اپنے جتنے کا روپہ دلا سکتی ترکیب یہ ہے کہ اس کو چیک نکال کر دے دیا جائے۔

ہم یہاں چٹ کے منوں کو واضح طور پر بیان کرنا چاہتے ہیں۔ فریق کو عبد اللہ نے بنگ میں بہت سا سرمایہ جمع کر رکھا ہے۔ کریم خاں، اس سے دس روپے منگے آتا ہے۔ عبداللہ بجائے اس کے کہ کریم خاں کو دس روپے نقد دے۔ وہ دس روپے لایک لکھ دیتا ہے۔ چٹ کو یا ایک ستم کار تہ ہے جو عبداللہ کریم خاں کی معرفت اپنے بنگ کو بیچ رہا ہے۔ چٹ پر مفصل ذیل الفاظ لکھے جوتے ہیں۔

بنام نلال بنگ

کریم خاں کو بس روپے دے دو

راحم عبداللہ

کریم خاں کی بجائے عبداللہ اگر کسی نام سے دے جس کا نام لکھے گا اسی کو روپے ملے گے۔ اب سوال یہ ہے کہ کریم خاں دس روپوں کی جگہ یہ دس روپے لایک کیوں قبول کر لیتا ہے؟ اس لئے کہ اسے عبداللہ پر اعتبار ہے۔ وہ جانتا ہے کہ بنگ میں ہر روز عبداللہ سرمایہ جمع ہوگا۔ میں جب یہ بنگ لے جاؤں گا مجھے دیر ضرور مل جائے گا۔

اب فریق کو کریم خاں وہ چٹ لے کے عبداللہ کے بنگ میں لیا۔ در کہا کہ مجھے اس چٹ کا رویہ اور دورہ بنگ والوں نے عبد اللہ کا حساب دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہاں تو مل تین روپے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ چٹ ادا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ ادا کر دیں گے اور کریم خاں کا عبداللہ پر اعتبار بانی نہ رہے گا۔ لیکن اگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بنگ والے عبداللہ کو مانتے ہیں۔ رت سے اس کا حساب کھلا سہا ہے وہ کہتے ہیں بنگ میں کہ عبداللہ کے تین روپے ہیں۔ ٹر ملز نے اکال ہم بانی کے سات روپے اپنے پاس سے دے دیئے ہیں اور عبداللہ کی حاجت دیکھتے ہیں ہم یہ سات روپے پھر اس حصے میں گئے۔ لیکن عام طور پر ایسا کرنے کی لوبت ہی نہیں ہوتی۔ لوگوں کو اجتناب دیر بنگ میں ہوتا ہے اس کے اندھا ہی چٹ دیتے ہیں اور کریم خاں یا اسے پیش آتا ہے کہ بنگ چٹ ادا کرنے سے انکار کر دے۔

اگر کریم خاں نے خود بھی کسی بنگ میں حساب کھول رکھا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ عبداللہ کا چٹ لے کر خود عبداللہ کے بنگ میں جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح وہ اپنا روپیہ بنگ میں جمع ہونے کے لئے بھجواتا ہے اسی طرح یہ چٹ بھی بھجوا دے۔ اس کے بنگ والے خود ہی عبداللہ کے بنگ سے اس چٹ کا رویہ وصول کر لیں گے۔ یہ دس روپے کی رقم کریم خاں کے حساب میں جمع کر دی جائے گی۔ اور عبداللہ کے حساب میں خرچ کی آمد میں چڑھا دی جائے گی۔ اس طرح سے یہ سہولت جلی کہ عبداللہ اور کریم خاں دونوں کا رویہ اپنے اپنے بنگ میں محفوظ رہتا ہے نہ تو عبداللہ کو رویہ ادا کرتے وقت نہ کریم خاں کو وصول کرتے وقت نہ بنگ جانا پڑا اور رویہ ایک کے حساب میں سے نکل کر دوسرے کے حساب میں جمع بھی ہو گیا۔ یہ سب کچھ ایک چٹ کی بدولت ظہور میں آیا۔

یہاں ہم نے صرف کاغذی روپے کی دوسروں کا ذکر کیا ہے، ایک سرکاری نوٹ اور دوسرے چٹ، ان کے علاوہ اب بھی کاغذات ایسے ہیں جن کے ذریعے سے بڑی بڑی رقمیں یہاں سے دودھ داز ملکوں تک پہنچ جاتی ہیں۔

(بچوں کے لئے)

(خیابان اردو)

رونا رلانا

یہ امریہ اولیٰ تا دیکھ مقام پر تھکتے ہوئے مرد ایک ہنسوتا ہوا لڑکے اور عورت ایک ایسا صبا ہے جو اکثر دلی نکلنا ہے۔ ہنسوتے
صفت کی عورت جس نے اس نعرے میں سنا ہے وہ تھکی کی آمیزش کر رہی ہے اور چونکہ وہ خود دے اس لئے شاید عورتوں کو اس سے اکثر
اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر بہت چوڑا جا سکتا ہے۔

میرے ایک دوست کاٹا ہوا ہے کہ عورتوں کی باہمی گفتگو یا حلاوت میں عورت یا عورت کی فحش کا سفر زیادہ ہوتا ہے۔ عورت یہ کہہ کر ایسے
واقعات کے بیان کرنے میں عورتی غیر معمولی تفصیل اور اتنی آمیزش سے کام لیتی ہیں کہ ان کا گہرا تاثر تو ان کا منہ پر بند ہوتا
شکل ہے۔ ان سے وہ بھی بہت سوتیں۔ ایک ہی عورت کی جیسے کہ اپنی شامی میں سے زیادہ سے زیادہ ماحول کی تعداد سمجھنا وہ سمجھ کر لاتی ہیں اسی
خبر جب بھی اس سے سنا شروع کرتی ہیں ایک ایک تفصیل کا انداز کر دیتی ہیں اور ہر بار نئے سب سے اسوہاتی ہیں اور پھر یہی عورتی نہیں کہ
عورت یا عورت کسی قریبی عزیز کی طرف کوئی بڑی سی موہا، عازم، عام کے تھکان یا سہیلی کے سرال کو واقعہ ہو گئی میں روزمرہ آنے جانے والے کسی شخص کو دے
لاکھ بیاہم کوئی اتنی آرائی خبر ہو، کوئی افواہ جو غرض اس سہری کا حلقہ بہت وسیع ہے۔

تمہارے جہاں کا درد تمہارے دھڑکیں ہے۔

زہر تو یہ فکر عورت انگیز کہا نہیں کے بڑھنے کا شوق عورتوں کی کہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس بارے میں سبھی اقوام کا ایک ہی سادہ ہے۔ عر
ممالک میں بھی دلائے دای کیا ناں ہمیشہ پہلے طبقہ کی عورتوں میں بہت سہول ہوتی ہیں۔ گنجنا دے کے غم کا دوسرے کو پہن کتابوں کی قیمت اکثر عورتوں کی جیب سے
وصول ہوتی ہے۔ وہ بھی عورتوں کی فطرت کو سمجھتے ہیں۔ کیا کسی ہی ہر اس کام، سفر، غم والی ایک تصور ہے اور اس کی اشاعت یعنی ہے اور عورتوں کی
آنکھوں سے آنسو ٹپکنے کے لئے ایسے مصنفین طرح طرح کی فریبیں کرتے ہیں۔ کہ ایک پہل سے بچے کو سات آٹھ سال کی عمر میں ہی بیاہ دیتے ہیں اور بزرگ
پر توئی باتیں کر دیتے ہیں۔ کبھی کسی خیم کو ات کے بارے میں کہہ کر کسی کو کسی چوک میں بھوکا اور شکوہ کر دیتے ہیں اور جب رقت دانی ہو تو اسے سید بناتے
ہیں۔ یہ سب کافی نہ ہو تو اسے ایک، گھٹا ہوا دے دیتے ہیں کہ میری بڑی ماں مر رہی ہے، دے کے لئے پیسے نہیں، دے کے کام لکھ دیتے جاؤ، کبھی کن سکسٹر
حرب صورت نیک فطرت لڑکی کو چیل سی ساس کے لئے کر دیا۔ یا کسی بد فطرت خاں کے سپرد کر دیا اور کچھ میں نہ چلا تو سہیلی ان کی گردنیں ڈال دیا اور دہل ڈال
کی بھر اس نکال لی۔ پڑھنے والی میں کہ زائد دھار دہری میں اور بیاہ کر دیتی ہیں اور بیاہ کر دیتی ہیں۔

خود عورتوں کی مصیبتات اکثر چھپکوں میں چھپی ہوئی اور آنسوؤں میں چھپائی ہوئی ہوتی ہیں۔ پاکستان میں جو کتابیں عورتوں نے لکھیں، اکثر میں نزع،

بدھ بڑی سی خوشکھی زہرِ غم تشو ایک نہ ایک چہ ۱۲ سال باندھ دیا گیا دھن جا پاں کوئی کر دیا یا کھانا کھانے کی کتاب ہر قصبت ہے۔
 قریب محبت کیا ہے؟ ربات بات رحت ماتم کچھ جانا کیا معنی؟ بار بار سوچتا ہوں کہ اگر اس درخین قاعدے کیا تھا کہا؟ اس کے کہا کسی لیکن
 ہر کسی بات کیا ہے؟

کسی گھر میں موت واقع ہو جائے تو زندگی اور مردانے کا مقابلہ کیجئے۔ رہیں یا تم موت دکھائی دیتا ہے پیار سے گھر کے باہر بیٹھے ہیں۔ سر پہ
 لے چپ پاپہ۔ آنکھیں کچھ سرخ ہیں کبھی آنسو بھی ٹپک پڑتے ہیں کسی دیکھی آنکھ میں موت میں چہرے رطقتن۔ اس کی سی سی در قدم ڈھارتا ہے
 لٹکتے ہیں۔ ان کے لٹکانے کا آخر تو دور دور سے موت کے گم لاچرہ دیکھتے ہیں۔ جب کوئی کئی سال پہلے کوئی ڈوئی سے لڑا اندھائی سے قاتل کی کھینچا ہٹ میں از سر نو دیکھ
 اٹھتا ہے یہ ایک منت کوئی ہوائی بابا پر سے گر پڑے مرد تو دوسرے تیر سے دن کام میں شوق ہو جاتے ہیں لیکن عمو قاتل کے ہاں سین پر ایک طب قاتل
 ہو جاتی ہے۔ مگر یوں یہ مگر بیان طاق جاتی ہیں اور یوں پرچھیں باری طاق ہیں۔

کبھی پیار سی رجاتی ہیں تو پیار میں وہ وہ بیاباں سال کے قاتی ہیں بڑے لڑکے دم دھن میں دیکھیں جتنی دیر سہنے میں ہیں یا کی ہر زوٹ
 چمکتی ہیں۔ بے چارہ کہیں گلا موت کرنے کو بھی کھانے تو یہ سرتھیں تک لٹکتی ہیں۔ رگت کی ندی۔ بدن کی کڑی سانس کی بے قاعدگی۔ ہر منوں
 کی چٹکی ہر بات کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ حتیٰ کہ بیکار بھی پتی یہ نہ تھک حالت دیکھ کر جابجا ہار سنی آواز میں وہاں پڑتے ہیں جوں جوں ہار پس مرنے کی تعداد بڑھتی
 جاتی ہے موت قریب آتی جاتی ہے۔ لکھے یقین ہے کہ سبقت مرنے کو ہر سبقت کے پنجہ جلتے پر مرنے۔ موت ہو گا کہ قاتی تو پیار ہی کی اور توجہ کچھ بھی نہ لے

موت میں زہر دوسروں کے غم میں مرے لے کر دیتی ہیں۔ جگہ دوسروں کی آنکھ باری کھلے خود بھی سامان مہیا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتی
 ایک پلٹے پلٹنے کے بڑگ اپنی امید کے متعلق فریاد کرنے میں کہہ دیتی گھر دانی بھی اپنا حجاب نہیں رکھتیں۔ کو کوئی پادوسن آئے کہہ دے کہ۔ اے بڑا بھلا
 آج تمہارے چہرے پر موتی برس رہی ہے آج بھلا کر بول اٹھتی ہیں کہ یہ یہ یہ میں خاکہ میں آوری جاتی ہوں اور میرا چاہنے والوں کو ابھی میں بھی کئی
 لڑائی ہوں۔ اور کوئی آئے کہہ دے کہ اے ہے بیٹھے کیا ہو گیا۔ تو تو دن بھلی جاتی ہے۔ رجاتے کچھ کیا غم کھا گا؟ تو ابھی پادوسن کو فغانا کلامت
 ل جاتا تھا۔ بڑی غلط فہمی تھی۔ مگر کام ہر جگہ چھوڑ کر شام تک ان کو اپنے دھڑلے سننے جاتے تھے اور پچھے دتت وہ پانچ پانچ لڑکے قریب بھی لے جایا
 کرتی تھیں جن کی ادائیگی کے لئے بھی تقاضا نہ کیا جاتا تھا۔

اپنا ہر رحم دلائے کام میں جس کسی میں بھی پایا ملے۔ بہت ذلیل مرے ہیں لیکن عورتوں میں یا اس قدر ملے کہ خوش حال گھرانے کی
 بہ بیباں بھی گشتگو میں پاشنی پیدا کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی کچھ وضع کرتی ہیں اور موقع موقع پر ناکام دیتی ہیں۔

اس تقریر سے میرا مطلب ان بہنوں کا مذاق اڑانا نہیں جونی اوقات عمر گین یا مسبت زدہ ہیں۔ ان کی ہنسی اڑانا پڑے وہ جس کی شہادت
 ہے۔ جو خدا کے نصیب نہ کسی لاخوابی بات نہیں جو دوسرے کی خوشحالی کا سہارا بنے۔ موت یہ تباہ مستو ہے کہ زندگی کا بہت سا دکھ، غم، تھکن، اندھ بچھا
 سے۔ اور جو مستو ہے کسی مسبت زدہ شخص کے ساتھ سب سے بڑی سہادی یہ ہے کہ اس کاظم خدا کیا جائے کسی بیباں کی سب سے بڑی تباہ داری یہ ہے کہ اس کی
 طبیعت کو شکنجہ کوئے کارمان پیدا کیا جائے۔ غم کو برداشت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کو خدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ مسبت شخص کی یہی پہچان ہے۔
 اپنے دکھ کے تھکے گاہ بار بار کسی دوسرے شخص کو متاثر کرنے کی کوشش کرنا تو ایسا ہے آپ کو ذلیل کرنا ہے خود بھی سہنا۔ اور اوروں کو بھی سہنا۔ یہاں غم کا فانی
 سے زیادہ ہے اس کو کہلنے کی کوشش کر دینا اور خوش رہنا مانع اور صدمہ کی موت کی مٹائی ہے۔ غم نکال دینا کو میں موت آنا کھانا پاتا ہوں کہ وہ شخص اٹل نہ ہو
 پتی تو میرے بڑا ہمارا دل کو خوش کر دیتا ہے۔ اور وہ شخص خدا کے سامنے جواب دہ ہو گا چاہے وہ قلم سے ہزارا جوان، مصمم خوش مزاج عورتی اور مردوں کو رہتا
 ہے۔ اور ابھی اس طرح ہے کہ اس سے تو کیے نفس ہوتا ہے۔ کوئی دل میں انگ پیدا ہوتی ہے اور ہزارا بل انوس ہے وہ وہ شخص جو یہ سب کچھ کر کے
 کئی اچھے اچھے پنداری پرنا کرتا ہے۔

میلنہ برس رہا ہے

میلنہ برس ہمارے ہندو نسل کے ہر شخص کے لئے ایک نیا کی تار کی چھائی ہوئی ہے۔ صحت اور خوشی کے لئے اس کی تصویر کی طرح اپنی مہتری میں زیادہ سبز و زرد یا پیلا کی رنگت کی زیادہ صاف نگاہ ہے۔ چھل اور پردے۔ نغمہ اور نغمہ۔ رنگ اور سب شکلوں معلوم ہوتے ہیں۔ اسے سری گندوڑوں کی ملکہ میرادل اور اس ہے۔

بارش کی چھل میں سے فائنات کی دنیا کے موسم دکھائی دیتی ہے۔ جس کو دیکھ کر دل میں "کس اٹھ سکتی ہیں۔ مگر جہاں خواہش کا چور ہوا اسی دنیا کے باشندوں کے لئے مخصوص ہے۔ صحت چھلے ہیں۔ میں ان کو دیکھتا ہوں۔ اُن کے پتے ہل ہل کے پھٹے اور جلد چمک کے چمکتے ہیں۔ ان کی مہتری میں مجھے تیرا تیرا نظر آتا ہے۔ سبز لہلہاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں تو اٹھکیاں کر رہی ہے۔ پرندے کیسے ہیں۔ چھپ کے گاتے ہیں۔ میرے کانوں میں تیری آواز بڑتی ہے۔ میں یہ سب دیکھتا ہوں۔ سب کچھ سناتا ہوں اور ترستا ہوں۔ یہ تو بارش کے اس پار کی دنیا ہے۔

بھائی چمکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ اس دنیا کے کوئی پیغام آیا۔ لیکن وہ ٹرپ ٹرپ کے ترساتی ہے اور میں ترس ترس کے ترپتا ہوں۔ اس کو کہہ کر اپنا ایک نغمہ تیر میرے سینے تک پہنچا دے۔ اور اس کو میری حسرتوں میں بھا کر تھمک لے جائے۔ لیکن میری حسرتوں کی امید۔ "آج اپنی دنیا میں جہاں ہمیں مل رہی ہیں اور ناسے برسے ہیں۔ میری نصیب" آجائے درو کو سن سکتی ہے؟

پرندے چمکتے ہیں۔ میں چپ بیٹھا ہوا سنتا ہوں۔ میرے سینے میں بھی ایک نغمہ ہے۔ ان کو کہہ کر وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر میرے نغمے کی نعمت تیرے ہون کی طرح کاٹنا سکے۔ دل میں بھر جائے۔ میں اکیلا اس کی مسی کا تھل نہیں پر سکنا۔ وہ ایک شرا ہے۔ کہ جس میں ساقی تیرے ایک ایک گیند کے ٹکڑے چمکے۔ میرے دل میں خواہش ہو رہی ہے۔ اس بلبل کو بھیج دے کہ آئے کس جابائے اور تیرے پاس رہتی ہوئی جائے۔

میرے میرے مفروضہ اور تو بارش کے اس پار آجا۔ جہاں ہر دل اور میری نگہیں تیرے لئے خواہشوں اور آرزوؤں کی پانگیزگیاں لئے تیری راہ تک رہتی ہیں۔ اس پار آجا۔ مہتری اس کے کہ میں اپنے راز کو توڑ دوں اور اپنی تمام آرزوؤں کو ایک درہ انگیزہ کی صورت میں اپنے سینے سے نکال کر تیرے لئے ویسا ہی موسم بن جاؤں جس طرح تو آج میرے لئے ہے۔

پہلے

(دیکھناں۔ اپریل ۱۹۲۲ء)

مسئلہ تونیسیہ

ذیل میں پاکستان کے متعلق نمائندہ پروڈیوسر احمد شاہ بخاری کی اس تقریر کا متن درج کیا جا رہا ہے جو انہوں نے ۴ مارچ ۱۹۵۴ء کو حفاظتی کونسل میں نمائندہ کے مسئلے پر کی پروڈیوسر جرمس جوئس کے صدر بھی تھے۔ اس اجلاس کے مقررین کی فہرست میں ان کا نام پاکستانی وفد کے اراکین میں شامل تھا۔

تقریر شروع کر دی۔
 اس کے نمائندہ نے اس معاملے کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہیں میرے وفد نے انہیں اسی طور اور توہم سے متنبہ کر دیے۔ وہ سنی تھے۔
 نئے معلوم کر کے خوشی ہوئی تھی کہ فرانسیسی نمائندہ نے ایجنڈا منظور کرنے کے ضمن میں طاقینہ کی بحث کے متعلق سب سے پہلے تقریر کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی تاہم جب انہوں نے اس مسئلے کو ایجنڈے میں شامل کرنے کی مخالفت کی تو میری خوشی جبریت میں بدل گئی۔ حیرت اس لئے نہیں ہوئی تھی کہ فرانسیسی وفد اٹان سے اس قسم کے رویہ کی توقع نہ تھی۔ اس لئے ہونی کہ اصل مسئلے کو ایجنڈے میں شامل کرنے سے قیامت اختلاف کیا اور توہم پر ایسی کڑائی جو یہ سوال ایجنڈے پر آجائے کے بعد ہی کی جاسکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ نمائندہ نے طرز عمل پر ظاہر اس لئے اختیار کیا کہ کم از کم اسے واقعی یہ حاصل ہوئی ہو کہ اس کو محسوس ہوئی۔ جب واقعہ یہ ہے تو اس کا بہ کمال سارے لئے یقیناً حیرت کا موجب ہے کہ وہ ایجنڈے کی منظوری کے خلاف رائے دے۔ اس نامعجب یہ ہوا کہ اسے خود تقریر کے لئے موقع کی تلاش تھی اسے موقع مل بھی گیا اور اس سے فائدہ بھی اٹھایا گیا۔ گویا، نمائندہ اس طور پر چکا تھا۔ وہ دوسروں کو اس موقع سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ بلاشبہ دوسرے جو اس میں نے گرجے گرجے ہیں انہیں اس موقع سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس بحث میں حق لینے کا ٹھیک دیا ہی حق حاصل ہے مگر ان کے نمائندہ نے اپنے لئے حاصل کرنا مناسب جانتا لیکن یہ بات ایک حد تک ناراجیب دینا سب سے خود تو تقریر کر لی اور فرانس کا نقطہ نگاہ پیش کر دیا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ٹری تابیت سے پیش کیا۔ گویا اس نمائندہ کی حد تک۔ ایجنڈا منظور ہو چکا تھا پھر ایجنڈے کی منظوری کی مخالفت کر کے دوسرے دو دو اظہار رائے کا موقع دینے سے اختلاف کی کوشش ان کے حقوق پر چھاپا مارنا ہے جو اس ضمن سے حفاظتی کونسل کو تحریری درخواستیں بھیج چکے تھے۔

نمائندہ فرانس نے اپنی تقریر میں جس منطق کا سہارا لیا ہے اگر اس کی پروری کی جائے تو نہ محض یہی ضروری نہیں کہ ایجنڈا منظور کر لیا جائے بلکہ بھی مزید اسے کہ ان دس وفد سے کہا جائے کہ وہ فرانسیسی کونسل میں اپنی نشستیں سنبھالیں۔ اور فرانس کے ناویہ نگاہ کی مخالفت میں اپنا موقف پیش کریں۔ واضح ہے کہ یہ دو فرانسیسیوں سے متعلق رکھتے ہیں جو جمعیت اقوام متحدہ کی رکن ہیں اور اس معاملے کے متعلق حفاظتی کونسل سے

درخواست کر چکی ہیں۔

اس کا غائد و تائبہ قدم اور اس کے بڑا گیا معنی دس دھوئے حلقی کنکس کے ہم لپٹے ملا تب کے ساتھ جو اس کے دل اور غورن گور
رہا دل — غائدہ فرانس کے نزدیک فرانس گوار — بچے تھے ان میں سے وہ تمام جہد تھی بڑا وہی جن کی تردید اس کے حلق کے مطابق دہائی
کتنے موصوف نے زوت ان باتوں کا جواب دینے پر زور مضامین صرف کیا تھا انہیں بتان سے بھی تھیر گیا تھا جو فرانس میں نے گیارہ سالک پر
یہ الزام لگایا کہ انہیں نے حکومت فرانس کے خلاف بہتان آمیز بیان دیے۔ یہ بات ان کے غائدہ کے کی حیثیت سے اس الزام نامی کے خلاف
اجتہاد کرتا ہوں اور لکھتے ہیں کہ دوسرے دس دھوئی — اگر انہیں انہماک خیال کا موقع ملتا — اس نے کھٹ اجتہاد ہی کریں گے۔ نہ
مہاربا مصعب ہے نہ ارادہ اور درخواست کر ان کے غصیم ملک کو اس کی حکومت کو فی زور مار لپٹے سے جہاں طرازی کا ناز نہ باقی۔

فرانس کے غائدہ سے اپنی تقریر میں اتحد واضح اشارے کئے ہیں اور زور دیا ہے کہ اس نے کام لیا ہے۔ غائدہ نے کہا کہ ہم دس
گیارہ سالہ روح قوموں نے پس ڈی میلون کی دو قریب سو پے کے بیز معنی فی زور مار لوگوں کی باتیں سن میں۔ یہ ہم نے وہ قدم اٹھایا ہے ہرگز
اٹھا انہیں چاہئے تھا۔ لکھ اس بات پر غور ہے کہ موصوف نے اسی بات کہہ کر لکھ یہ بیان کرنے کا موقع دیا کہ ہم نے اس اور جو مبر حق سے کام
لیا۔ زور داری کے احساس کا کتنے مچا ثبوت دیا اور کتنے قائل وہ جذب سے یہ صادر اور غورن کی غورن حلقی کو نسل نے سلسلے سے ہیں۔

اب سادی دینا کو معلوم ہو چکا ہے کہ حکومت فرانس کے دوزیر — جیسے وزیر جنہیں اپنی وزارت کے زمانے میں حکومت فرانس کا اقتدار
بھی حاصل تھا — پیرس پہنچے حلقی کو نسل کے صدر کو ایک مکتوب بھیجا جس میں کو نسل کی زور فرانس کے بعض انکسوس تاک اور الم انجیز حالات کی طرف
مضمت کرائی اس خط کا کوئی تجرہ برا نہ ہوا۔ یہ مکتوب طویل و سہ تک اقوام متحدہ کے دفتر لائے میں پڑا۔ با مروج کی کریں نہ اسے پیرس کے پولیس
ڈی جیلو میں پھونکیں اور نہ نیلک کے اس ایوان میں جس میں بے شمار کھڑکیاں موجود ہیں اسے لوگوں کی نگاہوں تک پہنچا اس دن نعیم ہمارا جب
پیرس دھندلے درخواست کی کہ اس کی نقیض تمام دکان کے پاس بھیجی جائے۔

اگرچہ جس معلوم تھا کہ یہ مکتوب حلقی کو نسل کے صدر کو پہنچایا گیا تھا اور ہم یہ بھی جانتے تھے کہ کسی دہ میں فرانس نکل عام، غادات اگر گارڈ
اور توڑی ہلکدوائیوں کی جولا لکھنا ہمارا تھا — میں موت تشدد کے واقعات کا ذکر کم میں اور اس مرے ہی کو ان کے لئے زور دار نہیں ٹھہرا چاہتا
— اس سارے علم کے باوجود ہم صرف اس امید پر بے مبر تحمل سے انتظار کرتے رہے کہ حکومت فرانس خود دانش مندی سے کام لے گی موقع
کی برکت کا احساس کرے گی۔ ان لوگوں کے ساتھ خوش گوار سمجھنے کا بندوبست کرے گی جن کا شمار روئے زمین کے شریف ترین قوموں میں
ہوتا ہے۔

ہمارا انتظار بہت دیر تک جاری رہا۔ ہم نے آپس میں مشورے کئے۔ اس مسئلے پر بحث و تمییز جاری رکھی۔ ہم نے مختلف ذرائع کو
فریسی طور پر اور دستاورد انداز میں حکومت فرانس کا دھارہ ٹھٹھٹایا۔ لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ہمیں اس امر کا احساس تھا کہ یہ مسئلہ اتنا اہمیت کا
حال ہے۔ لیکن ایسا نہیں کہ نا جب جلد بازی سے کام ہیستے ہوئے حکومت فرانس کو پریشانی میں مبتلا کر دیا جائے بشرطیکہ اس کے آڈائیٹک ہوئے
اور ہمیں یہی امید تھی کہ اس کے ارادے نیک ہیں۔

کام احساس یہ تھا کہ اس معاملے کو جیل اسبل کے ماس پیرس کے آخری منتوں میں یا اس سے بھی پہلے پیش کر دیا جائے۔ لیکن زیادہ
دھاندلی مصائب کی رائے کو فیت حاصل ہوئی۔ ہم سے کہا گیا کہ حق سے کام لینا چاہئے۔ پندرہ ملکوں کے غائدہ کے ایک وفد کی شکل میں جیل اسبل

سے صدر مشرقیہ نرودکی خدمت میں حاضر ہوئے امدان سماعت عالی کو دفعتاً فرانس سے نرودکی رسالت سے حکومت فرانس سے کہا جائے کہ اہل توفیہ کی ایسی رسالت پر پہنچایا جائے جس کے صدر انسان تنگ آمد جنگ آمد کا مصداق بن جائے۔ اس عالم کا تقاضا یہ ہے۔ عساکر مخالفت کا تقاضا یہی ہے اور نرود کے دینیوں کو مستانہ تعلقات کا ہمہ کرنے کا تقاضا بھی اس کے ساتھ ہے۔

جنرل اسمبل کے صدر نے ہمارا پیغام پہنچا دینے کا وعدہ کر لیا۔ اور اسے لہرا لیا ہم انتظار کرنے سے ہیں ڈی سیلو کے برآمدوں میں سر اسٹارڈ ٹشٹ لگانے والے لوگ تفرانس کے وزیر نہ تھے بلکہ ہم تھے جو بھاگ دوڑ کر آئے تھے۔ ہم اس پیغام کے جواب یا اس خطے میں کسی اشارے کا منتظر کر رہے تھے۔ انکس کر نہ کرنی جواب لا اور نہ کوئی اشارہ ہوا۔

مزید انتظار کے بعد ہم ایک مرتبہ پھر جنرل اسمبل کے صدر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کہا کہ ہمارے جذبات حکومت فرانس تک ایسے ذرا ع سے پہنچا دے جائیں جنہیں وہ بہتر خیال فرمائیں۔ یہ بھی بتادیا کہ ہمارے لئے قدرتی اور معنوں کے کین مطابق طریق کار یہ تھا کہ ہم اپنے جذبات کا اظہار جنرل اسمبل کے اجلاس میں کرتے۔ لیکن اس اجلاس کے آخری ایام میں بھی اچھا معلوم نہ ہوا کہ اوام متحدہ کے کام میں مشکلات اور پیچیدگی پیدا کر دیں۔ صدر نے ہم سے پھر یہ وعدہ کیا کہ یہ پیغام حکومت فرانس تک پہنچایا جائے گا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ انہوں نے یہ وعدہ بھی بھرا کر دیا۔ لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

پھر ہمارے سامنے یہ سوال آیا کہ آیا ہیں یہ معاملہ جنرل اسمبل میں پیش کر دینا چاہئے، اس ضمن میں میں ایک بڑی رکاوٹ پیش آئی کیونکہ کچھ زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ انہی ممالک کو جن کے نام موجود شکایت نامے پر درج ہیں۔ انتہائی اہم انگیزہ فرانس ناک دانا نرود کی گھر بچے سے گورنا پڑا۔ ہمیں سے بعض نے مراکش کا مسئلہ جنرل اسمبل میں پیش کرنا چاہا تھا۔ عارضی ایجنڈے کی اس شق کو جنرل اسمبل کے روبرو زیر بحث آنا تھا۔ اس کمیٹی میں ان ممالک کو اکثریت حاصل نہ تھی جن کے نام اس دستاویز پر ثبت ہیں۔ جنرل اسمبل نے اس شق پر بحث کی اجازت نہ دی۔ یقیناً اس نے نکاح اس سوال پر بحث کی اجازت نہ دی کہ وہی جائے۔ اس وقت میں خوب معلوم تھا کہ فی الحال اس کا مطلب ایک فرامین عرصے کے لئے نکال دینا تھا کہ اس کا کچھ نہیں۔

پھر یہ معاملہ جنرل اسمبل کے ابتدائی اجلاس میں زیر بحث آیا اور اس پر متعدد نمائندوں نے بیکے بعد دیگرے اپنے شدید جذبات کا اظہار کیا۔ میں ہم اس سوال کو ایجنڈے پر لانے میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ ہم دل شکستہ ہو گئے۔ پھر کچھ مزید انتظار مناسب سمجھا۔ نرود کیارک پہنچے۔ آپس میں صلاح مترو کیا۔ ہم مرشد اخباروں میں تشویش انگیز خبریں پڑھتے رہے ہر روز صبح احوال کی فہمیں باہر آتے رہے۔ ہر روز کچھ توقع تھی کہ فرانس اہل توفیہ کے درمیان بہتر معاہدہ ہو جانے کی علامات ظاہر ہوں گی۔ ہم اہل توفیہ اور ہمہ بر فرانس کی سلامتی کے لئے دعا کرتے رہے لیکن خبریں بعد بروز بد سے بدتر ہوتی گئیں۔

اب ہم نے سہا کر جس اخبارات کی خبروں پر ہی کلاماً انحصار نہ کر لینا چاہئے اور غالباً بہتر ہو گا کہ اہل توفیہ میں سے چند اصحاب کے خیال کو بلایا جائے تاکہ ہم ان پر رجوع کر سکیں اور مسئلے کو حفاظتی کوئل میں لے جائے۔ قبل ذمہ دار وفد کی حیثیت میں یہ جان میں کہ ہم صحت حال کیا ہے یہی معلوم ہوا کہ اہل توفیہ کے خیال ایک آسنی راہ میں سخت اور ناقابل عبور مشکلات حائل ہیں۔ پھر چاکر توفیہ کے ذمہ دار ہمارے سے ان کے سفارتی پروانے سے راہداری واپس لے لئے گئے ہیں۔ اگر فرانس کا سناؤ اس بیان کی تردید کر سکے تو مجھے بے حد خوش ہوگی۔ بہر کیف یہ امر واقعہ ہے کہ گذارہ پروانہ راہداری کی مشکلات کے باعث خیال کر نہیں آسکتے تھے۔ عام اضطراب میں ہم نے کچھ اور لوگوں کو طرآنے کی بے انتہاسی کی۔ لیکن ان کے راستے میں بھی ہر طرح کی مشکلات حائل تھیں اس کے بعد ان جملہ اقوام کے عظیم دوستوں نے جن کے نام یہاں دئے گئے ہیں۔ ہیں بتایا کہ حکومت فرانس کو پارلیمانی بحران سے سا بھر پڑا ہوا ہے۔ اس لئے جب تک یہ بحران دور نہیں ہو جاتا۔ حکومت مذکورہ سے اس مسئلے میں کسی واضح اقدام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ہم کچھ زیادہ پر امید

فرائض کی حکمت و تفسیر کے لحاظ سے کہی ہے جس کے بارے میں فرانسیسیوں کا دعویٰ ہے۔ یہ یذیت جنرل پتھن کی نالی سے دی گئی ہے کہ اس کی آیت کا ہر ایک لفظ کو کس کس عرصہ اور قابلِ احترام بادشاہ کو ایسا جواب دینے کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ اس طریق سے جو معاملہ ملک کے متعلق تھا ان کی غیر کے ساتھ اور کسی غیر کی تسکین نہیں ہو سکتی۔

جب سے کہ ساتھ یہ دیو لوگ کی گئی تو انہوں نے جو یہ فرائض کے بعد کو بری تا دیکھا جس میں بتایا کہ فرانسیسی یہ یذیت جنرل نے موت کے ہم سے ان پر کسی طرح بادشاہ لائے۔ ساتھ ہی یہ یذیت جنرل کو اپنی جانے لایا مطالبہ کیا۔ اسی رات یہ یذیت جنرل نے آفریہ کے وزیر اعظم اور تین اور وزراء کو گرفتار کر لیا۔ ایک اور وزیر موجود تھا لیکن بڑھاپے اور بیماری کے باعث سے گرفتار نہ کیا گیا۔ یہ جواب دہ تھا کہ اس بڑھے اور بیمار ہونے یہ یذیت جنرل کو کھانے کے ترقی کر کے تاکہ میں تندرست رہوں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ۔ وہ سکھ۔ ان سب آفریہ کے جنوبی علاقے میں بیٹھ دیا گیا سیڑیوں یا سیڑیوں کا کنوں، صحافیوں، محاسبوں، وکیلوں اور دوسرے معززین کو جن کی سہا یاں پیشگوئیوں کے ساتھ تھیں گرفتار کر لیا گیا تھم ٹینٹ، اخبارات کو بند کر دیا گیا۔ تمام ہائی اسکول کے بچوں کو نقل چڑھا دئے گئے۔ اور اسٹیشن روانہ کر دیا گیا۔ ہر پاس ایسا مذہب نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ کس کس میں تندرست رہیں۔ ان کی سیم تھوڑا سا ہی تھا۔ یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ان مذہب کے جو بڑے بڑے کپتاقم کئے گئے تھے ان میں مقید پیشگوئیوں کی تعداد جزیرہ سے کیا کم ہوگی؟

اسی پر نہیں کیا گیا بلکہ ایسی فوجوں کے ساتھ مل کا محروم کر لیا۔ یہ یذیت جنرل ۵۰ کی عمر کو جب سے بڑے بڑے گیا تھا اس نذر اور میں کسی اور سے کہ جو رہنے کی اجازت نہ دی گئی۔ اس کے بعد یہ یذیت جنرل نے اعلان کیا کہ بڑے ایک دامن باری کرنے کی منظوری دے دی ہے جہاں تک ہیں معلوم ہے اس پر رہنے دے دیا نہیں کئے گئے۔

ہماری اطلاع کے مطابق آفریہ کے حکمران اور یذیت جنرل کی اس خفیہ طاقت میں جو کچھ ہوا وہ بڑے بڑے ہرگز نہیں گوارہ تھا۔ سینکڑوں جب یہ یذیت جنرل طاقت کے کسب پر آیا۔ اس نے موجود لوگوں سے جیتے ہوئے اور مقبرہ بناتے ہوئے کہا۔ اندر تو بڑے پیار محبت کی باتیں ہوتی رہیں۔ یہ ہم ناک اور کب انگریز تھوڑا سا بڑے شخص سے کیا گیا جس کے تمام ساتھی اس سے چھینے گئے تھے۔ اور جو آفریہ میں فرانسیسی حکام کے بھاری فوجی و باڈ کا مقصد بھر جاتا رہے کے لئے بالکل تیار رہ گیا تھا۔

موجودہ صحت حال کا یہ نقشہ ہے۔ فرائض نے اپنے ایک آزاد کار کو جس کا نام باکوش ہے نڈیا غلام بنا دیا۔ ہم یہ تو نہیں جانتے کہ وہ کتنی کمزور اور بیمار ہے۔ اگرچہ اس میں گولی کھانے کی اجازت دی جسے ڈکھن لاکر اسے اپنے ہمیر کی طاقت یا جیل میں اپنے مقید پیشگوئی کے جاتیوں کی طاقت کے ذریعہ آفریہ جہدہ جہدہ جہدہ تک کرنا پڑے گا۔ حالت یہ ہے کہ وہ حال اپنی کالین میں ایک بھی وزیر نہیں لے سکا۔ اور اگر وہ ہیں بتایا جا رہا ہے کہ فرائض کے حکام اصلاحات کی خوب صورت سکیموں اور آفریہ کو خود مختاری دینے کے منصوبوں کے ساتھ غفلت کر رہے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ ان سکیموں اور تجویزوں کے بارے میں گفتگو کس سے کریں گے؟ انہیں آفریات جیت کس سے کہنے؟ کیا انہیں گفتگو کریں گے کہ انہیں گفتگو کرنا ہے۔ اس کے دونوں جانب صحت فرانسیسی ہی میں یا پھر ان کی کٹھ پتلیاں ہیں؟ اگر ان کا مقصد کچھ کام کرنا ہے اگر مخالفہ صحت نہیں ہو گئے اور اگر وہ ان کے مخالفہ کوئی مقامیت کرنا چاہتے ہیں تو نہ صرف انسانیت کے نام پر بلکہ عام عقل و منطق کے نام بھی وہ مدد و مدد ملے گا۔ یہ کہ وہ بات جیت ان لوگوں سے کریں جو جیت کر کے جاز ہیں۔ ان لوگوں سے بات جیت کہنے لایا لایا جو خود فرانسیسیوں کے ان کٹھ پتلی کی طرح کام کر رہے ہیں؟

ہی وقت صحت حال یہ ہے لیکن فرائض کے نمائندہ مسئلے کا یہ کہ چند جتنے تیل تو حالات ایسے تھے جن پر حاکمی کو نسل و جہل اسلامی میں
و شاید کوئی وجہ از جوئی۔ اگرچہ صورت ہرگز نہیں اور حالات کی اتنی تفریحی ہے اب تفسیر میں امن خوش حالی شانانی اور دوستی کا دور
ہے۔ لیکن حالات ہی میں جو آپریشن کئے گئے ہیں، ہزاروں آدمیوں میں نہیں۔ پوری کامیابی میں ہے اور ٹیکٹ قریب کے تمام
لی میں ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کی عزت و حرمت نہ مرث اپنے ملک میں ہے بلکہ باہر بھی ہر جگہ انہیں دینی ہی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔
کیا یہی وہ خوش حالی اور شانانی کی صرح ہے جس کی زبیر فرائض کے نمائندہ مسئلے شانی ہے اور کہا ہے کہ میں اس صورت حال پر بحث
ہے؟

اس مسئلہ میں یہ میری پہلی دافت ہے۔ میں اسے غلط رکھوں گا۔ یہ سونے صدم ہے وقت کم ہے اور دوسرے مسئلہ میں بھی کچھ لینے کے خواہاں
ہے پھر اظہار خیال کرنے لائق محض وہ لکھا ہوں، مختصر طور پر یہ کہتا چاہتا ہوں کہ ساری اعلیٰ کے مطابق شاید ہم اس مسئلے کا جائزہ پر لانے
ت مثبت وقت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اگر ہمارا یہ اندازہ غلط ہے تو بڑے زیادہ خوشی کسی روز ہوگی۔ لیکن اب تک ہمارا خیال
تہ وہاں ہیں نہیں مل سکیں گے۔ ہمارے رفتار کو موسم ہے کہ یہاں وہاں نہ دینے کا مطلب ہی منفی وقت ہے اس کا یہ مطلب ہے
ابھی وہی مشرہ ہو گا جو اس سے قبل پیرس کے اجلاس میں مستحکم کرنا کہا تھا۔ لیکن کونسل میں یہ سوال کیا وہ ملکوں نے پس کیا ہے یہ تو ہم تک
ہر گز نہیں۔ اور انہیں غیر ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جو انہیں متحدہ کے رفقوں میں اپنی گہرے پھرتے ہوں۔ وہ اقوام متحدہ میں اقوام متحدہ
ہیں۔ انہیں اعتماد و یقین ہے کہ کسی ایک اور اہم ہے جس میں وہ دھڑلہ داراں کا شاکس کر سکتے ہیں۔ جن کے پاس اور کئی راہ نجات نہ ہو۔

کیا فرائض کی حکومت اس بات پر خوش ہوگی کہ اہل تفسیر اپنی تکالیف کے ذرائع کے لئے تحریکات چلاتے ہیں؟ وہ اس مقصد کے حصول کے
سے غیر ذمہ دارانہ طریقے اختیار کرنے نہیں۔ کیا کوئی اور تنظیم ایسی موجود ہے؟ اقوام متحدہ سے بہتر کام انجام دے سکتی ہے؟ فرائض کے
وانا چاہتے ہیں؟ میں یہ سوال تمام اہل فرانسیسیوں سے کر رہا ہوں جن میں میری تقریباً اجازت ہو رہی ہے۔ اگر تفسیر میں صحت حال
اس بحث نہیں ہو سکتی تو اقوام متحدہ کس مرتبہ کی دہا ہے۔ اگر معلوم و مقصورہ اقوام متحدہ کے ذمہ دار ممالک کی دساف سے۔ نمائندہ فرائض
نمائندہ مل کو خوب علم ہے کہ یہ ممالک چند ملکوں کو چھوڑ کر سارے ایشیہ سے عبارت ہیں۔ اپنی آواز یہاں نہیں دینا چاہتے۔ یہ چاہتے ہیں کہ
رجن سے جمع ہیں۔ علیٰ طور پر سارا ایشیا اقوام متحدہ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے اور یہ سب کہہ رہا کہ فرائض کو مزاحمت ہے۔ یہ بھی نہیں کہتا
ہاکی پرواز آزادی دے دیکھے۔ صرف یہ کہتے ہیں کہ انہیں اقوام اس سوال پر بحث کیجئے لیکن اگر اسلامی کونسل کے سات ارکان اس مسئلے کو زیر
کئے نہیں مل سکتے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ گیارہ قوموں سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم ہمیں کی راہ اور ہم تمہارے سوال پر بحث نہیں کریں گے
پر غور کئے ہی شدید احساسات رکھتے ہیں لیکن ہم اسے اپنے اپنے لئے دے رہے ہیں۔ تاکہ اپنی پروئے کار آجائے۔

ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے آگ لگی ہوئی دیکھی ہے۔ یہ آگ ہم سے خود نہیں لگائی۔ ہم نے شعلہ بجھانے دیئے ہیں اور ہم آگ بجھانے والے
ماریہ کہنے کے لئے ہیں کہ ذرا اس آگ کو بجھانے اور اسے بجھائے۔ اب آگ بجھانے والے کہتے ہیں کہ ہم تو اس طرف نگاہ بھی نہیں کریں گے
بصورت حال ہے۔ اس کے باوجود ہم اس سوال سے دل چسپی دیتے رہیں گے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ان مظلومان لڑن کا ہے جنہیں ہم اپنے بھائی
بن ممالک نے اس مکتوب پر دستخط کئے ہیں ان میں سے اکثر ماضی قریب تک خود اسی طرح محکوم و مجبور تھے۔ ابھی اتنا وقت نہیں گزرا کہ وہ
کی ان معیتوں کو قبول کئے ہوں جن کا تشریف دہ محکوم ہونے کے باعث بنے ہوئے تھے۔ بہر حال ہم اپنی تفسیر کی حالت زار کو فراموش نہیں

ہے۔ میری آرزو یہ ہے کہ اس موقع پر اپنے رفیق کے ساتھ خود حکومت فرانس کی رائے میں سے چند اقتدار میں کوئی یہ رائے اس کے لئے پر
کئی کو کسی کے لئے کیا جائے یا دیکھا جائے اور اس وقت دی گئی تھی جب آئندہ مصلحتاً زیر بحث نہ تھا۔ ستمبر ۱۹۶۱ء کو
رسل بزبان کے غلام یوکرین کی شکایت پر بحث کر رہی تھی۔ اس وقت شاہدہ فرانس نے تقریر دانی تھی یہ اس میں کا لیجسٹری میں پڑھوں گا جتنا
میں پڑھی (See Appendix) نے اس موقع پر کہا تھا۔

ایک معاملے کو انجمن کے پر لانے سے انکار کا طریقہ سخت اعلان رسا اور خطرناک ہے۔ جیڑیاں
پھینک دینے کے لئے اس سے وجہ ہو سکتی ہیں کہ ملاں شکایت کے لئے مناسب بنیاد موجود نہیں؟ کیا
اس کا مطلب یہ ہے کہ رسل عام سیاسی صورت حال کے متعلق قیاس میں ملکی بنیاد پر بنیاد صادر کر دے گی
ایا اگر ممکن ضرور ہے کہیں کے معلوم ہو سکے کہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کی شہادت سے پیش قدمی کو رسل کے
لئے اس قسم کا طریقہ اختیار کرنا ایک حد تک خطرناک ہے اس لئے کہ جب تک کہ رسل کے لئے
پر کھڑے عدل سے غور و خوض نہ کرے گی اسے شہادت کے بارے میں صبح ادا نہ ہو سکتا ہے کہ وہ
میں سے گا، اندیشہ ہے کہ ایسے معاملات میں رسل عام سیاسی مصلحت سے تاراج ہائے گی۔
اور ان مقامات پر انسان کا خیال نہ رکھ سکے گی۔ جو چین کو ہر مسئلے کے مسئلے میں ٹھوکر کھینچتا ہے

فرض ہوتا ہے کہ ایک ہے۔ وہ حفاظتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان میں سے ہے یعنی ان پانچ ارکان میں سے ایک ہے جنہوں نے
ام متحدہ کے پورے نظام کے نشو و نما میں حصہ لیا ہے انکے انکسائٹ مسائنات اور آزادانہ غور و بحث سے اس کی تفسیر ہو سکے لیکن آج اسی طرح
اسی ملک کے ایک سابقہ نمائندہ کے الفاظ میں عام سیاسی مصلحتوں سے تاراج ہو گیا ہے اور اس نے انکسائٹ کے وہ مقاصد میں نظر نہیں رکھے
خاص کے میں کہیں نظر نہ پڑا ہے۔

میں ملک میرے عزیز دوست نمائندہ فرانس اور اس بحث میں اس کی حکومت کی ممانعت کا تعلق ہے۔ یہ سب کچھ ہیں۔ لے اس سے زیادہ

ہو جائے۔

میں سے سلطنت متحدہ (بھائی) کے عزیز نمائندہ اور ایسے دوست سرگھڈا ان ٹیب (See Gladwyn Jebb)
جی اس سے بطور خاص اب اس ہمارے عزیز سرگھڈا ان جیب کی تقریر میں متحدہ خوش گوارا تھی۔ جن میں میں بھی ان کا شریک ہوں۔ ان میں تقریر کی
کے لئے محبت اور عزت بھی شامل ہے۔ لے لے لے لے کہ سلطنت متحدہ کے عزیز نمائندہ سے لے آج ہمارے اس مشترکہ محبوب کی بے حرمتی کر دی ہے
لے یہاں اس خط میں سے کچھ اقتباسات سنئے اس کے مطابق گیارہ ملکوں نے یہ معاہدہ حفاظتی کونسل کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور جب وہ اس
پر پہنچے جس میں حکومتوں نے کونسل سے درخواست کی تھی کہ موجودہ حالت کو ختم کرنے کی غرض سے وہ تمام ضروری تدبیریں مشترکہ مطابق اختیار
کے لئے اجلاس منعقد کیا جائے تو نمائندہ نے فرمایا کہ یہ جلد مبہم ہے دوسرے لفظوں میں ان کے نزدیک اس جملے کے متحدہ مفہم تھے۔ جن کی
صاف نہیں پرستانی لاحق ہوئی میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس مفہم کو بہترین طریق پر پیش کرنے کی شاید یہ صورت ہوگی کہ یہ گیارہ قومی حفاظتی کونسل
ذیل اور متوازن طریق پر وہ درخواست کرتی اور کونسل کو پورا موقع دیتیں کہ وہ اس مفہم کے مطابق کم یا زیادہ مباحثات کے نظام کے میں نمائندہ
کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس میں کوئی اجماع نہیں الایہ کہ ہم انگریزی زبان کی بے حرمتی پر کمر باندھ لیں۔

اسی معاملے کے متعلق آزادانہ بحث سے تو اس مقدمہ پر پُر اثر واقعہ امیری کچھ میں نہیں آتا کہ آج کی دہائی میں تو اس مقدمہ کا اہم کون سا واقعہ ہے۔
 مصلحت سے مقدمہ کے خاتمہ سے کے نزدیک اس مقدمہ کو اٹھانا سے پہلے اس کا کیا وہ تو اس اس پر پُر اثر آتا چاہتی ہیں ان سے پکارا جا رہا ہے جن
 طریقہ پر یہ رقوم کچھیں مقرر کی گئی ہیں اور جو سب امن و سکون کی زندگی بسر کریں ساتھ ساتھ اس کی عمارت کو نکالیں جس میں ہم بھی ہیں۔

سلطنت مقدمہ کے خاتمہ سے اس میں سخت مول کرنا دیکھنے کے خاتمہ سے اکی۔ بات جسے غرض اللہ یا اس سے گئی اور وہ
 یہ اگر گم نہ اپ کوئی قدم اٹھایا یا اس کے پر حقائق کو تسلیم میں بحث کی تو فیصلہ میں جو بات حقیقت اور یہ ہے وہ اس مقدمہ کو جانے گی۔

سوال یہ ہے کہ یہ بات حقیقت سے کس سے جو یہی سچے سچے جانتے ہیں کہ ایک لڑکی فرانس سے اور اس کی کن ہے جو بات حقیقت کر سکتا ہے
 نام ۱۹۱۱ وزارت میں ہیں اور اس کے عوامی وزارت کئی جو فیصلہ کوئی۔ یہ تمام قومی لیڈروں اور کارکنوں کو اس پر اسے ملے آدمی کو جس نے قومی مقام
 سے کر یا زیادہ مجددی کا اظہار کیا یا تو یہ کیا حال کو ٹھہری میں بند کر دیا گیا۔ اس وقت وسائل میں دفعت پر شدید پابندیاں ہیں۔ یہ فرانسیسی اس
 بات کس کے ساتھ معاملات پر بحث و تحقیق کر رہے ہیں کہ کوئی گفت و شنید سے جو حقائق کو تسلیم میں بحث کی وہ سے دوسرے پر یہ ہو جائے گی؟ بینک
 جزلی تو فیصلہ میں کون سا اور جو اس کا کام انجام دے رہے ہیں وہاں ہماری لپکٹ سے محض نظر میں یہ ہے کہ اس مقدمہ میں اس مسئلے پر
 بحث تو فیصلہ کے اندر ریڈیٹ جزلی کے کام کو تباہ کر دے گی اور اس میں آزاد آدمی حالت میں آزادانہ بحث اس کے لئے روایت بن جائے گی کہ اس
 ہی کو سچے ہیں کہ ان کی جیسے کام ہی کے دوسرے ہوگا جس میں روایت پیدا ہوگی کسی ایسے کام میں روایت کا امکان ہی نہیں۔ اس میں ہرگز نہیں سمجھ
 سکتا کہ اس مقدمہ میں کوئی بحث ہووے اس کی پر اس مسئلے پر آزادانہ کی۔

ہیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر گم نہ یہاں اس مسئلے پر بحث کی تو اس سے تو فیصلہ میں بے مصلحتی کی حوصلہ افزائی ہوگی بہت شروع ہی سے
 ہی جاری ہے یہ پہلو سب سے پہلے خاتمہ فرانس نے پیش کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ بعض دوسرے خاتمہ دل نے بھی غرض کے ساتھ غور محسوس کیا کہ اس کا
 الفاظ کسی نہ کسی طرح وہاں کے عوام کو مشتعل کر دیں گے۔

تو فیصلہ میں دوسرے کے لوگ ہیں۔ اوک وہاں کے اعلیٰ باشندے، دوسرے فرانسیسی۔ فرانسیسیوں نے ہزاروں نہیں وہاں انگریزی میں
 ان سے ساتھ ٹینک ہیں تو ہیں ہیں۔ اور ہر قسم کے آلات اس میں ہیں جن میں ایک لمحے پہلے ہی تو فیصلہ کے پاس نہ کوئی اس کو نہ ہے اور نہ کوئی حربہ کارماہ۔
 دیکھو اسے ان کا کسی کو مشتعل کسکے ہیں تو دوسرے فرانسیسی ہیں۔ وہی موثر طریقہ مشتعل ہوں گے۔ اب تو فیصلہ میں کیونکر اشتعال پیدا ہو سکتا ہے یہ
 بھی کھار ایک دم کھینک سکتے ہیں وقتاً فوقتاً شور مچاتے ہیں لیکن وہاں کی پوری فوجی قوت فرانسیسیوں کے قبضہ میں ہے۔ یہ نہیں اس وقت
 (بہن کارروائیوں سے باز رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان افعال کے مرتکب نہ ہوں جنہیں نظام سے تعبیر کیا جاوے۔ یہ ایسا انداز ہے جو خاتمہ فرانس
 کے قانون پر یقیناً گراں گزرے گا۔ تو فیصلہ میں ان کا حال اور کچھ نہیں معلوم البتہ ریڈیٹ جزلی سے تو اس کا نقشہ رہے کچھ نہ کچھ نہ جائے تاکہ دنیا کو اس کے
 کہ بات حقیقت از سر نو شروع ہو گئی ہے۔

سلطنت مقدمہ کے وفد کی طرف سے یہ بات سن کر کچھ بے حد تعجب ہوا۔ اس لئے کہ سلطنت مقدمہ کے سوا دنیا کا کوئی ملک نہیں ہے اس
 قسم کے حالات کا زیادہ سے زیادہ تجربہ ہو۔ اس وفد کو خوب معلوم ہے کہ پاک و مہد کی سرزمین میں برطانوی اقتدار کی دست کشی سے پیشتر قومی لیڈر
 کو بار بار جیلوں میں ڈالا گیا تھا اور ان کی حکومت مقامی معززین کے حکومتیں بنالی تھیں دیہی اصلاح ہے؟ فرانس نے تو فیصلہ میں اپنے پھروں کے لئے
 استعمال کی (زیادہ مسئلہ اور زیادہ مسئلہ عناصر سے کھڑے ہوئے لیکن ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی کھوڑا کارآمدات نہ ہوا۔ جب تک عوامی

خوابت سے اصرار میں رہا۔ اصلاحات کی کوئی قسط عینان و صلاحت سے کام لیا نہ ہوگی۔ کام کا ایک نیچے درج کی باہر سے رہا۔ تاریخ میں سید شاہ غلام احمد کے ساتھ ساتھ یہی صاحب کا کہ ان لوگوں سے بات چیت کر کے جنہیں ایک موقع پر حلیوں میں ملا لیا گیا۔ ان کے بعد ہی ایک "مندانہ" سلطنت کے "مندانہ" پائیدار امن و امان کی بنیاد پڑی۔ اس سے پہلے نہیں فرمے۔

کام میں اس وقت تک نہیں رہا جب تک سلطنت متحدہ نے ایک حالت مندانہ اور خیال سے کام نہ لیا۔ روز بروز وقت گزرا نہ رہا۔ کام میں درویش اپنے اردو درویش کے معنی دہا کر دیے کی کوشش کے بدلے سلطنت متحدہ و جات مندانہ اقامت سے اصل کام پر متوجہ ہو گئی۔ درویش کے حقیقی نمائندہ کے ساتھ بات چیت کر لی۔ درویش آئیں میں یہ درویش انہیں راضی برآمد و نہیں ہیں امید ہے کہ سلطنت متحدہ کے خدا کی حکومت فرانس کی مشورہ دیں گے جو اسی قریب کی تاریخ میں خود ان کے اپنے تجربے پر مبنی تھا۔

مندانہ سے معلوم ہوا کہ کوئی دو بچے "مندانہ" فرانس کے وزیر استوارات اور بھارت کے وزیر استوارات کے درمیان بات چیت ہوئی تھی۔ ۱۰۔ مندانہ گفتگو تو یہ تھا۔ اگر گلیڈسٹون کا بیان ہی سہی ہے تو یہ ہے جو کہ سلطنت کی حکومت کو یہ مطالبہ ہے میں شامل ہونے کے لیے دیا گیا۔ تو جبکہ انہیں ہے کہ ان دو مندانہ اصحاب کی نیکی سے کوئی اچھا تجربہ ہوا نہ ہو۔ اگر گلیڈسٹون جب نے انگریزی زبان پر قابل رشک و متوسل کام کیا۔ کتنے مجھے اپنے آپ کو کچھ ہے اور مجھے فرنگیوں سے نہیں۔ دی۔ اس طرح مجھے ملے باقی کا دم لڑنا۔ موصوت نے بتایا کہ بھارتی دولت مند کو میں کے ساتھ قابضی کی صورت انہیں۔ مجھے اور ہمارے ملک کو حاصل ہے بھارت بھارت کے سیاسی جانوروں کی گھاس ہے یہ تو قابضانہ درست ہے لیکن اگر بھارتی دست و پیر کو میں شرمندہ بھی موجود ہیں تو وہ میرے ملک میں نہیں پڑے جاتے۔

اب میں اس معاملے کی حالت متوجہ ہوتا ہوں۔ جو ہے۔ ایک مہم جوئے اور ادانہ گھاس ہے میں اس مسئلے کے متعلق ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا موقف جس میں ملک آزادانہ بحث و تحقیق کا ماحول ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ دنیا کو کوئی "مندانہ" ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی نیکی و مندانہ دیکھنا چاہیے کہ سکتا ہے۔ اس وقت تک امریکہ کی پالیسی ہر نام سے پاک رہی اور وہ درجہ دینا جنگ تھی۔ گذشتہ برسوں میں اس مسئلے کے متعلق آزادی کی فکر کے بدلے میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے جو کچھ کہا ان میں سے بعض معصوم کو دہرا ہے مجھے غرضی ہوئی ہے۔۔۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سے بہتر اصحاب کے جواب میں حرارت پیدا ہوئے گی۔ ان میں سے بعض جتنے بڑے روح افزاد ہیں۔۔۔ میں ان معصوم کو اس طرح سے یہاں پیش کروں گا تاکہ انہیں ہم سب کے آج اقامت متحدہ کے بڑے ارکان کی روش میں کتنا نمایاں نظر آجائے۔

کیا مجھے ۱۹۳۶ء کی موت اور کی اعزاز دی جائے گی جب سر سٹینٹینس (Mr. STETTINUS) نے روس کے خلاف

ایمان کی شکایت پر تہہ زیر تہہ کر دیا تھا۔

اگر ہم کونسل کے آئندہ اجلاس میں بحث کی غرض سے ایسے مسائل کو دیکھنے میں لائے پھر امنی ہوگی

تو میں سمجھتا ہوں اس طرح صورت حال ہمارے سامنے واضح ہو جائے گی۔ میں یہ حقیقت زیادہ

سے دیکھتا ہوں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حکومت کو یقین ہے کہ اقامت متحدہ کے

ارکان میں سے کوئی ملک شکایت لے کر آئے ہے تو یہاں اسے اپنی بات سنانے کا حق حاصل ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اسی نمائندہ نے فروری ۱۹۳۶ء میں یونان کے اندر برطانوی (ارج) کے مسئلے پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔

جب مختلف ملکوں کے درمیان یہ ممانعتیں پیدا ہوئیں تو بہتر یہ ہے کہ اپنے معاملات

فاس کونسل میں آئی

ابجی کے ایک اور معرذہ نامندے مرطمانسن (MR. JAMNISON) نے یوان کے ملاقات مجھ پر نواسیہ دیکر کہیں کی ضمانت پر ۴۰۰ میں بھٹ کرتے ہوئے کہا۔۔۔

اس نظام اخلاقی کونسل کی اسیس کے وقت سے میری حکومت کا مقصد جاریہ رہے گا اگر
اتفاق شدہ کا کوئی کن کن کتاب ہے ایسے حالات موجود ہیں جن سے اس اقامت کے لئے
خلاف ورشی ہے تو کونسل سے اتفاق حاصل ہونے کا موقع دینے سے انکار نہیں کیجیگی۔ میری
حکومت اس اصل دوست اور شریک ہے۔

۱۰۔ یکے کے اسی خاندان سے یعنی مرثیہ خاندان نے ۱۹۶۷ء میں یہ کہا۔

”میرا مقصد بھی بڑا اہم ہے کہ دنیا کے اسی تختے میں کوئی چل رہی ہے اور آدمی۔۔۔ سے جا رہے ہیں۔
 لہذا سفاطمی کو نیشنل کو اس پر توجہ حاصل ہے خواہ سادات کا تصور کچھ ہی ہو۔“ (انجمنہ کار اس بارے
 میں کچھ ہی فیصلہ کیا جاسے۔“

درس نے چکی سلوا کی کہ آزادی میں ممانعت کی تھی اور اس پر ملکی حکومت سے حمایت پیش کی گئی تھی۔ مسٹر وارن آسٹین —
(MR. WARREN AUSTIN) نے اس مسئلے میں تقریر کرتے ہوئے کہا —

جو مسئلہ سامنے ہے اس کے متعلق فیصلہ اصل معاملے کا فیصلہ ہوگا۔ اسے معاملے کے بارودِ غلیہ پر فیصلہ نہ سمجھا جائے گا۔ تجربہ ایک سہولت ہے۔ وہاں کہیں وہاں مباحثہ یہ کہ کوئی معاملہ بحث کے لئے ابھڑے پر رکھا جائے یا نہ رکھا جائے تو اس معاملے کی نوعیت پر مقررہ کر لینا چاہیے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ حقیقی کونسل کی اکثریت میں یہ وہ آتے ہیں یا نہیں؟ آتا ہے۔

سٹریشن نے مزید کہا۔—

سیاحانسی کزنس س ذمہ داری سے اعلاض یا اغراض کر سکتی ہے جو اس کے کن حوس پر ظال دی گئی ہے
 کہ ان تمام انزالات کی سماعت کرے، ان ذرہ سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حکومت اس امر
 کو اچھڑے رلاے کے حق میں دوٹو دے گی۔

میں وہ تمام اقتباسات پیش نہیں کر دوں گا جو اس وقت میرے سامنے ہیں۔ میں اپنے رفیقوں کو بتا دینے کا خواہاں نہیں۔ امریکا کی حکومت لازماً مافی میں اس مسئلے کی حمایت میں بڑی جہد اٹھائے گی اور حکم دے دی ہے۔ میں مٹریجیپ (MURJESSUP) کے بیانات میں سے بعض اقتباسات پھونٹا ہوں اور اس اقتباس پر آنا چاہوں جو میرے ذخیرے کا آخری اقتباس ہے۔ یہ مٹریجان آسٹن کے بیان سے اخذ ہے جو اس شکایت کے مسئلے میں دیا جاسکا کہ حکومت اسلام عالمی بین الاقوامی حالت کی تحریکات اور رد عمل کرنے میں ناکام رہی۔ سو سوٹ نے فرمایا۔

آقامتتہ اصول انسی ملک کے حاصل معاملات میں دخل دینے کا حق نہیں رکھتی۔ تاہم دخل دینے کا انکار اس وقت پیش نظر آسکتا ہے۔ جب ایجنڈا منظور کر لیا جائے اور اس پیش کردہ معاملے

ویدیو مشغول! اس وقت استانی مرگئی ہے آٹھ گھنٹے پہلے میں مشغول میں ۱۰۰ نہیں۔ عید ہے کہ بادل کے کسی وقت بھی ان کے ہاتھ آ جائیں گے۔ لیکن انہیں کہ جن چادر بکری کی وہ اسید بھٹے بیٹھے ہیں انہیں سرکاری! (انہوں نے تیرہ سال دیا ہے۔

فرانس کے ایب است وکٹاوغا بایہ کچھ بیٹھے ہیں کہ انہوں نے سندس ساتھ —۔ ان گیا وہ آٹھ سالے ساتھ جو اس ملک کو حفاظتی کونسل میں وائس —۔ شریک کی؟ کی نگاہ کی ہے اور انہیں جلد سے جلد چال چل جانی یا ہے وہ کئی وقت تک اور تھوڑا سا جاسے گا۔ یہاں سے شریک نہیں کھیل رہے اگر ایب ہکا آدم —۔ حکایت زنی مستحق سے بہت پہلے پیش کر دیتے اور فرانس کے سے بہت پیش کر کے کار تو نہ تھا کہ پہلے ہی آفریہ کے ساتھ بات چیت ہوئی کہ کچھ ہے یہ سادہ آٹھ سال شایہ پیش کر کے لائیں۔ اگر بڑی دلی ملک کی اپنی آئین سے لایہ ضمانت نکال کر پیش کر دیں تو وہ اپنے سرائیک کے کسی آدمی کو قبضے ذریعہ کر سکیں گے۔ وہ ہیں مدت دینے کی کوشش نہیں کر رہے۔ اگر دیا ہے تو نہیں اس سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔ وہ ہم سے شک نہیں کہ ہے۔ اور ہادی ان سے کوئی لڑائی نہیں۔ وہ ہر رنگ سے جگہ کہہ رہے ہیں اور انہوں نے واقعات کی وفادار سے سرگرمی نہ کرنا پڑ کر نے اور ہر کام دہی گئے۔

لہذا میں آفریہ کے فرانسیسی ادب است وکٹاوغا سے انتظار کرتا ہوں کہ وہ جلد میں یہ سادہ ساتھ شریک کیلئے ایب تیز چالیں چل کر ہیں ملتینے کی کوشش کا مرقہ نہیں۔ یہ ایسا سادہ نہیں کہ میری کے جیسے نیشن کے الفاظ میں: حیات تیز رفتاری سے زندگی بنانے سے مل رہا ہے گا۔ یہ سادہ نہیں۔ معاف کا شامنی ہے اس کا حقہ ٹھٹھے دل سے کرنا چاہئے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے دیر سے دوست ٹانڈہ اور کچھ کے الفاظ میں تمام کا اعداد اور جسم ہر سے کار لگے گا۔

ہم فرانس کے مذاکی مخالفت نہیں کر رہے ہیں کچھ دنوں کو خود فرانس کے ایب است وکٹاوغا کے مذاکی مخالفت میں سرگرمی میں ہیں۔ وہاں میں بھر فرانسیسی آباد کار کے مذاکی مخالفت میں معرفت میں۔ انہوں نے آفریہ میں سادہ وسیع وکٹاوغا حاصل کر لی ہیں اور پیرس کے سیاسی مسئلے ان کی حمایت میں صدر پر زور اور گرم جوش ہیں۔ فرانس میں بھی آزاد خیال لوگوں کا سا بادل ہے جس کی تیز رفتاری سے حل کو نہ تھوڑا۔ قرار دیا فرانس آزاد کی کی ظہیم نشان مذاکات کا حال ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ آفریہ کے ڈیڑھ لاکھ فرانسیسی آباد کار ان مذاکات کی دشمنی کو دیکھ کر کچھ کر سکیں گے اور تھوڑی دیر کے لئے ان روایات کو پس پشت ڈالنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں لیکن ہمیشہ کے لئے ایسا نہیں کر سکتے۔

لہذا اگر ہم چندہ فرانس —۔ اپنے چ حفاظتی کونسل کی رکن میں اور جنہیں اس سطح سے دوٹو دینے کا حق ہے اور وہ ہم چ حفاظتی کونسل سے ہر ہیں اور وکٹ کی مجاز نہیں —۔ ہم اس کام میں کام ہو چکے ہیں۔ بے پناہ میں جو کہ اٹھایا تھا۔ چھ آئیں ہیں شکست سے رہی ہیں۔ دنیا خود بخود اس راستے سے صحیح نتائج اٹھائے گی۔

سوال یہ ہے کہ اس غم ناک صورت حال کے عدا کی موجودہ صورت پر کیا صورت ہے؟ کیا کوئی ایسی چیز پائی ہے جس پر مل کر ہم ہمیشہ تمام متحدہ اپنی عزت ایک جگہ تک بچا سکیں؟ اگر حفاظتی کونسل اس مسئلے کو مزید دیکھنے پر توجہ نہیں دے گی تو یہ ہے کہ ہمیں نظر خطرہ کے مطابق کوئی چاند کار باقی نہیں رہے۔ صرف ایک چھوٹا سا کام شاید باقی ہے۔ میں چ حفاظتی کونسل مناسب کچھ قرار دینی ہو سکتی ہے۔

جن گیارہ توں نے یہ ملکر اٹھایا تھا انہوں نے وفد —۔ اس کے تحت درخواست کی تھی کہ حفاظتی کونسل اس مسئلے کو پیش کر کے کی افانٹ سے۔ وہ مرقہ جس کے پھر سے پراستائی درخواست پیش کی گئی تھی اس وقت تک نہیں آ سکتا۔ جب تک یہ معاملہ ایجنڈے پر نہ آجائے ہماری درخواست اس وقت مدد ہونے کی جب وکٹ لے جائیں گے۔

کھنکھاتی تھیں۔ جن کے ارمان کی تصدیق کیا گئی۔ ایک ڈیمیں پر مشتمل تھی اور سری فرانسیسیوں نے
 یٹین بن افسوں کی حیثیت کھنکھنیر کی سی تھی۔ ول ڈارنٹ ہائے ہم ڈیمیں کے ۱۶ سالے
 کوئی تھی تھی۔ غلامی اور اقتصاد فرانسیسیوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس سے کو ایک فرانسیسی انسر تمام
 اجلاسوں کی صحت کرتا تھا مگر ان ڈیمیں کے ہر حکم پر کسی فرانسیسی کے متنازعہ بھی غرضی تھے۔
 سب سے آخر میں اس نے کو بن فرانسیسیوں کے ہاتھ میں نام ملی اکیڈمی کے وہ جلدی اور
 دیوانی اتحاد کے بھی مگر بن ملاحظہ تھے :

۱۹۵۰ء کے عہد تک اس کے واقعات نے عالم نیچے پیدا کیے۔ فرانسیسی آباد کاروں کے سخت اور شہیدانہ کی عزت کے باوجود نئے فرانسیسی ریڈنٹ جنرل کو بات کی گئی کہ تین بڑی مصالحت جاری کر دی جائیں اور اگر ممکن ہو تو اس ایسے میں اپنی توفیق کی حمایت حاصل کیے۔ اول فرانڈت از سر نو ترتیب دی جائے۔ دوم سول سروس میں داخلے کی شرطیں تبدیل کی جائیں تاکہ اپنی توفیق بھی متحدہ قضاویں کے جائیں اور متنبہ و اتحادی قرضہ کی منہ سے۔ تیسری فرانسیسی آباد کار ترجیح دے سہے۔ سہم ہریانہ کی خودمختاری جاری کر دی جائے۔ اگست ۱۹۵۰ء میں ریڈنٹ جنرل نے حکمران کے مشورے کے بعد ایک ایسا قدم اٹھایا جس کی کوئی مثال پہلے موجود نہ تھی اس نے نئی فہادت کی ترکیب ۱۲ حصوں کیا جس میں پہلی مرتبہ فرانسیسیوں کی تصادمی اچھی گئی۔ اور اس کی مصالحت توفیقی وزیر اعظم ایک شینگ (M. Schuman) کے حوالے کی گئی۔ سات فرانسیسی اپنا مختلف پارٹیشن کے نمائندے تھے۔ صرف کیونسل اور قدیم دستہ پارٹی میں سے کوئی نمائندہ نہ لایا گیا۔ اس کے آخری نمائندہ کو بھی مشرق کی حکومت اچھی لگی۔ ہر حال نو دستہ پارٹی اس کا بیسز میں فہدت گذاری پر راضی ہو گئی۔

فروری ۱۹۵۱ء میں فرانسیسیوں اور فرانسیسیوں نے بھی رضامندی سے کئی تبدیلیاں کر لیں۔ ایک تبدیلی یہ بھی تھی کہ مذمت سے فیصلہ کر کے انہیں ملحق ملک پہنچانے سے پیشتر کسی فرانسیسی کی نفرت، اعتراض، تین مزدوری نہ ہوگی۔ اب فرانسیسی آباد کاروں کے حساب اس صورت حال پر خوش تھے۔ پھر سوال یہ کہ ۱۹۵۱ء میں فرما کی کہاں پیدا ہوئی؟ اس کا جواب مختصراً یہ ہے۔ ماضی قریب میں جو شکست پیدا ہوئی، ان کی اہل و اس میں سے کہ فرانسیسی پارتی نیز فرانسیسیوں کی بہت بڑی تعداد ان اصلاحات کو جس سے جلد کامل خود مختاری حاصل کرنے کی جگہ سمجھتی ہے اس کے برعکس فرانسیسی آباد کاروں کی رائے یہ ہے کہ ان حدود سے آگے پیش کر کے ایک قدم بھی نہ بڑھانا چاہیے۔

ذیراعظم ترقیہ نے ۳ مارچ ۱۹۵۱ء کو فرانسیسی میڈیٹرنٹ جہز کے نام ایک خط بھیجا۔ موجودہ ذرات اس وجہ سے بہت بے بس ہو کر جیہاد میں بے اطمینان رہتی ہیں۔ اس میں مسلسل مخالفت ہوتی ہے۔ ذرات کی ذرات اقیام اس قسم کے بازگاہ زیادہ دیر تک قتل نہیں ہو سکتا۔ خاص طور پر اس کے کامیابیوں سے یہ ذرات ترقیہ اور پس دونوں مقامات پر فرانسیسیوں کی تحریک اور اتحاد سرگرمیوں کا بہت ہی بڑی ہے ترقیہ اور پس میں فرانسیسی مخالفین کی اکثریت نیز فرانسیسی حکام کی دشمنی اسان سب کی کشش کو گفت و شنید نام کا جہاز ایک کھلے ہوئے ماز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ تمام ذرائع استعمال کئے گئے ہیں کی بنا پر حکومت ترقیہ اور اس کے تعاون کو ناممکن بنادیا منظور تھا۔ مثلاً اجتماعی طور پر کھینچنے سے کھینچنے کے خاص سیاسی نقطہ نگاہ سے قرار دیا پیش کی گئیں۔ ذیراعظم نے قرضوں کے سلسلے میں جو مطالبہ کیا تھا اسے منظور و معذومین کے سلسلے میں کر دیا گیا۔ ۱۲ اپریل ۱۹۵۱ء کو وزیر اعظم نے پھر ایک خط میڈیٹرنٹ جہز کے نام بھیجی میں ان تمام کامیابیوں کی نقلی کپی تھی جو ذرات سے پہلے اور اس کے بعد متبادل کی گئیں۔ اس میں بڑی مجلس کے فرانسیسی حصے کے استغنی بھی شامل تھے جو فرانسیسی حکومت اور پارلیمنٹ کے بھیجے ہوئے وفد کے مدبر پیش کئے

کئے۔ دہلاؤ کی کارروائیوں کا بھی ذکر تھا۔ غلط فہمی سے تاریخی حقائق کے مختلف انتظامی حکموں میں فرانسیسی کام کی سطح پر متعلقہ شخصیات کا ذکر بھی متروک کر دیا تھا۔ میں ان تازہ سبب اشاعت کا ذکر نہ کروں گا۔ جن کا کچھ ذاتی طور پر تجزیہ یہاں ان زندگی شوقیوں کو یہ دلائل کا جنہیں میں سربراہ میٹروپولیٹن کینے کیلئے کیا ہوں۔۔۔ البتہ میں آپ کی ذہنی ان چند خطاؤں واقعات کی طرف مزید منتقل کرنا چاہتا ہوں جن سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ اہل فرانسیسی کی طاقت بعض لوگوں کی غلط اندیشی سے صافست اور تیسرے میں فرانسیسی مفاد کے عجیب و غریب تصورات کس حد تک وسعت اختیار کر سکتے ہیں۔ تاہم اب بھی ہر چیز کا دائرہ محدود ہو سکتا ہے۔ کچھ وقت کے حالات موجود ہیں ریاست داماد اور خیر خواہانہ گفت و شنید کے دائرہ سے کچھ دہے ہیں۔ نیز مسائل لوگ جن پر غارت خشی کے بارے میں اور وہ باتوں کے باوجود گفت و شنید جاری رکھنے کے لیے تیار ہیں اگرچہ بار بار اس میں مداخلت ہوتی رہی۔ اس مداخلت کے ذمہ دار وہ چند لوگ تھے جنہیں سیاسی و انتظامی تعلق ہی میں غلط فہمی نظر آتا ہے۔

دوسرے نقطوں میں ۱۹۵۰ء کی روت ان فرانسیسیوں نے اپنا مکمل کردہ دی جن کی جنس فرانسیسی و ایجنٹ تھیں۔ فرانسیسی کی وزارت جو اس وقت سے بنائی گئی تھی کہ حکمران اور اہل فرانسیسی کی خود مختاری بحال کرنے کے لئے حکومت ورس سے گفت و شنید کے لئے مداخلت کے لئے خودمختار اقدامات اختیار کیا۔ فرانسیسی آباد کاروں کی سازشوں اور جالبہ جادہ عملوں نے وزارت کو اسے عمل بنایا۔ فرانسیسی ذریعوں کو مسلسل وقت کا نشانہ بننا پڑا۔ یاس دومیری کی یہ فیصلہ تھی جس میں فرانسیسی وزیر ۱۹۵۱ء کے آخری حصے میں فرانسیسی حکومت فرانس کو اس کے بعد دیکھا جانے لیا۔ فرانس کے وزیر خارجہ ۱۵ دسمبر ۱۹۵۱ء کو جواب دیا اس سے امیدیں آہستہ آہستہ بڑھ کر نکلا۔ اس جواب میں جلدی اصلاحات کی ذمہ داری کے سوا اور کوئی چیز تسلیم نہ کی گئی۔ باقی کچھ تصورات یہ تھا کہ فرانس نے فرانسیسی میں متذہب کے لئے جو کام کیا اس کی خوب تنقید کرانی کی گئی اور بتایا گیا کہ فرانسیسی میں فرانس نے کتنا کام کرنا۔ دیکھا ہے اس جواب نے اہل فرانسیسی کو دہرا بار اس کو دیا اور دنیا کے مختلف حصوں میں جو لوگ اس سے پہلے ان کے دلوں میں بھی شدہ خطرات پیدا ہوئے تھے۔

۱۹۵۱ء میں ایم۔ ایچ۔ سٹون (M. ROBERT STONMAN) نے کہا کہ فرانسیسی یونین کے تمام ملاکوں سے اسے ہر اہم منصب صوبہ اردو ہے۔ اس سے اہل فرانسیسی کے دل سرد ہو گئے۔ تاہم ۱۵ دسمبر ۱۹۵۱ء کے مکتوب میں یہ اعلان کر کے تاریخ کا رخ بدلنے کی کوشش کی گئی کہ یونین فرانسیسی موجودہ ادارے (گورنمنٹ) میں زیر پر غور و خوض سے غور نہیں لیکن اس کے نزدیک ہر ہائی ٹی کے حکومت میں فرانسیسی خاندان کے اجبراً کی مخالفت مرا سرتا رہے۔

اس بہت مشکل انداز سے اہل فرانسیسی کو دہرا بار اس سے اس خط سے بہت اظہار میں بیان ملے کیا جاسکتا ہے فرانسیسی وزیر اسلم نے حالات کی اس اچانک تبدیلی پر حیرت زدہ ہو کر صدر فرانس کو لکھا۔

• فرانسیسی فرانس کے مفادات کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا حکومت فرانسیسی نہ وہ ان مفادات کو تسلیم کرتی ہے بلکہ ان کی مخالفت کی ضمانت دینے کے لئے بھی تیار ہے۔ اور ایسا کرنے میں نے عہدے اور اہل فرانسیسی کے خیالات کی صحیح ترجمانی کر رہی ہے۔ لیکن ان مفادات کو خواہ وہ کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں۔ سیاسی حقوق کی صورت اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیا جاسکتی۔ جن کے تحت اہل فرانس کو فرانسیسی کے انتظامی اور مذہبی اداروں میں دخل دینے کا حق مل جائے۔۔۔۔۔ جہاں تک فرانس کی طرف سے الی امداد کا تعلق ہے اس کی پوری پوری وضاحت

دو ماہ بعد ہی سے کہ اس کی حیثیت قرعے کی ہے جس میں ۱۲ مل اور ۱۵۰ سو روپے واجب الادا ہیں، اور جس کے اخراجات سلاخ و جہت میں سلسلہ قرضہ زیر عنوان قرضہ قرضہ کے جاتے ہیں اس میں ٹک جیس کہ اس قرضے سے ملک اور تمام کو بحیثیت جبری ذمہ دہن پہنچا۔ اسے لیکن یہ بھی ملاحظہ ہے کہ اس امر سے جو مصلحتات سب سے زیادہ فتنہ حاصل کر رہے ہیں وہ نقدی ذخائر، نقل و حمل کے وسائل، سبکی وغیرہ کی تیاری کے لئے مراعات ہیں۔ ایسے ممالک میں قرضوں کا حصہ میں ملے یہ حصہ کے بارے میں خراب صورائعات کوئی سے یہ سمجھتے ہوئے ہزاروں کم ہونے کی دلیل تیسرے پہلو سے اس ممالک کے لاکھ بے انتہا چرچا کیا جاتا ہے لیکن قرضے کے آدھے وقت میں قرض کی جرمہ کی اسے آٹھیں بار کے غارتگری سے نال دیا جاتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ بھلا دیکھ لیا ہے؟ کیا قرضہ کو قرض قرض کا سہارے کے لئے دست نکلے گا تو کر دیا گیا ہے؟

اس لئے بد جو کہ ہوا اس کا کئے علم نہیں؟ قرضے کے پہلو، عزیز، محسنین دینا واجب اور قرضہ (HABIS BOURGEOIS) اندر برہے آدمی لیڈر جنس قرضے کے تمام عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۱۳ جنوری کو گرفتار کرنے کے شامات روضہ ہونے لگی ہیں برسانی گئیں جان دلاں کا لعلقان بنائے ہزاروں قرضوں کو دیکھ کر تمام کا تمام قرضہ دہریوں کو جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ یہ سب حال ہی کی باتیں ہیں۔

اسی سے ممالک کا محترمہ صاحبان نہ ہیں اس لئے یہی غرضی معنی یہ ہے کہ کس کس ملک کے لئے قرضہ قرض میں دہریوں کا جو اہتمام ہونا ہوئے ہیں ان پر کتنی ڈالی جائے۔

میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کو سامنے رکھ کر فرانس کے اس دور سے کہ وہ امن و قانون کا حال کرنا چاہتا ہے اس، فرانسی کر ملک کے کئی میں جانچنے جس نے ایک نظم کو لگا کر اس حرم کی پانچویں شہرت کے ساتھ۔ بیاہر دم چھٹنے کے باعث اس کی آنکھیں باہر نکل آئی ہیں۔ یہ وہ ہے جس کی بنا پر یہی حکومت قرضہ کی صورت حال کو محض ایک معمولی مقامی یا داخلی مسئلہ نہیں سمجھتی حکومت فرانس کا یہ کہنا کہ وہ اصلاحات کا نیا منصوبہ رائج کرنا چاہتی ہے اس سے دلوں میں یقین نہ آتا۔ اس لئے قرضہ کے ان تمام قرضہ لیڈروں کو جیل میں ڈال رکھا ہے جن سے اس قسم کے منصوبوں کے بارے میں بات چیت ہو سکتی ہے؟

قرضہ سے حال ہی میں جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں وہ بہت اضطراب انگیز ہیں۔ نیر، رگ، ہرلڈ ٹریویل "قرضہ کی لاجین" کے زیر عنوان ایسی ہی ایڈیٹریس کی یہ اطلاع شائع کرتے ہوئے کہ ۱۲ اپریل کو قرضہ میں ہی کا بینہ قائم ہو گئی تھی۔

اس کو بینہ کو کوئی قابل ذکر اختیار حاصل نہیں۔ فرانس کی حکومت سے اعلان اصلاحات کی حقارت قریب ہی قریب میں مٹائی گئی اس میں شریک ہونے والے بیان کیا کہ شمالی افریقہ کے زیر قضا ممالک قرضہ کے بارے میں نام مقرران کے بارے میں پر اس وقت تبصرے کے کوئی آثار موجود نہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے مجبور کر کے یہ کردار ادا کرنا چاہا ہے۔ فرانسیسی ریڈیو سنٹ جین ڈی ہائی ٹیک (JEAN DE HAUTELOUVE) نے مذاکرے خارجہ کا وعدہ سنجال لیا ہے۔ قرضہ میں گراپنے ملک کے دفاع سے بھی سرور کار نہ ہوگا۔ جس ہزار سے زیادہ فرانسیسی

فوجی حکمرانوں کی یہ سہولت کہ جس سے انہوں میں مخالفت عریضہ رہا، اس دستِ مہر کی کیا بات
 محمد علی - جتنا سارا ہے اتنے محمد امین و شامیہ باؤں کا گونا گونا ہونا پڑتا ہے (Mr
 — Baccouche) و غلبتِ نازی، غلبہِ نیکول کرسی، باؤن - - - - - راجن انکسائے
 قسیر لکھ تو یہ ہیں کہ ناب الکرب و غمختہ ہے، او بیٹے اس عہد و عہدِ ہر لکھنے ہیں
 پس لکھتے ہیں وہ لکھتے ہیں، اس کی موجود و غیبت کہ لکھتے ہیں کہ لکھتے ہیں، جسے میں جس
 کیا اور جس نے تو یہ میری کہ وہ لکھتے ہیں، اس کو جس - - - - - میں لکھتے ہیں، اس کی یہ لکھتے ہیں
 لکھتے ہیں -

میں سے حالت خفا ہے کہ نکست واپس چلا گیا ہے۔ خیر میں نے بڑا خطرہ لاسا ہے۔ ہاں، ہر ایسی بات میں صورت حال کو
مزید جاننا چاہی ہے میں قوم کے دیوانہ خود قریبی لوگوں کا نسب و موروث و تہذیب و سائنسوں پر ایمان ہی سے ہے جو کہ یہ اسلحہ کی طاقت کی کوتاہی
میں نے کئے مگر نظر رکھئے۔ استعمار کی طاقت کے لئے دانش مندی کا نام ماستر پیسہ ہے کہ اسے خود رکھیں، صاحب یہ ان کے علم و قوم کے ان طاقت
سے انہیں میں مسائل نہ جنہیں وہ جسے مقامات پر شاعر اور جوان مردانہ جب دیکھیں تو خود بھی دے گا۔

ایک شہر مارا جی، ساغی میں ایک مقالہ نگار نے لکھا ہے، "بڑی جرات سے" بات ہے کہ انگریزوں نے دست راستوں کے سامنے اور بارہویوں کے سامنے اپنے میں ہر قسم میں جو وقتاؤں کی طاقتوں میں سے سے زیادہ گواہ ہے۔ اب روزنامہ کی صنعت صنعت قائم کر چکے ہیں اور نگار کے قول کے مطابق ان کے دست و پائی سب سے بڑی آستہ، بی طاقت ہوا ہے اس کے لئے کہ گورنر افراد، قوم باریک ہے جو رہا ہیں جیسے ہوسے ہیں اور ان کے لئے غلط ہیں آباد ہیں جو جبر میں ریاست کے لئے مفید سے ڈیڑھ گنا ہے۔ دانش کے لئے ابھی بڑی قوت سے کہ وہ قوم و دانش میں کی جیسی اختیار کرے۔ استعماری نظام کی جگہ تمدن کا نظام رکھ کر اسے اور مفید ہو کر ہر حال وہ انگریزوں کے دست راستوں میں ہو گے اس طرح درامیوں میں جو وقتاؤں کی طاقتوں میں سے سے بڑی آستہ، بی طاقت ہوا ہے اس کے لئے کہ گورنر افراد، قوم باریک ہے جو رہا ہیں جیسے ہوسے ہیں اور ان کے لئے غلط ہیں آباد ہیں جو جبر میں ریاست کے لئے مفید سے ڈیڑھ گنا ہے۔ دانش کے لئے ابھی بڑی قوت سے کہ وہ قوم و دانش میں کی جیسی اختیار کرے۔ استعماری نظام کی جگہ تمدن کا نظام رکھ کر اسے اور مفید ہو کر ہر حال وہ انگریزوں کے دست راستوں میں ہو گے اس طرح درامیوں میں

یہ بات کتنی تو موجب شرم ہے اور نہ اسے خلعت قرار دینا چاہئے۔ اس لئے اگر اقوام متحدہ کے منشور کے کوئی مضمون اس کو مستعار بن جائے تو اسے اپنے لئے انہم کار اس سے زیادہ روشناس اور کوئی نہ ہوگی کہ اپنی اپنی زبانوں کو جوڑ لے جائیں۔ تمام اس دوست قوسوں کی وہی خواہش یہی ہے کہ یہ دست کش امن و حکم کے ساتھ ہماری ہوگی۔ اس میں ہم سے حکم اخلاقی یا جہلانی برادری کا موقع کسے کا۔ اور یقین میں ایسی خوشگوار یادیں۔ جی وہ جو میں کس حد سے باہر امن کو تقریب پہنچنے کی۔

اس مسئلے کا ایجنڈا ہے پر لانے کے سلسلے میں میرے وفد کے مقاصد یہ تھے۔۔۔

۱۔ خانیقی کنسل کے اثر دوسو سو کوڑیوں تک فروغ دینا اور یہ سب رعیتیں ان پر اس تصور کی پاداش میں مائل کی جا رہی ہیں کہ اس میں اپنے ملک اور اپنی قومی آزادی سے محبت ہے۔ اس مقصد کو ہمارے نزدیک سب پر تقدم حاصل ہے۔

۲۔ خانیقی کنسل کے اثر دوسو سو کوڑیوں تک اس قسطنطنیہ کو ختم کیا جائے جو فرانسیزیوں اور روسیوں کے درمیان اس سلسلہ تعلقات کو تیزی سے برباد کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ دوستانہ تعلقات قائم رہنے چاہئیں۔

۳۔ افریقہ، ایشیا میں عوام کے جذبات پر تسلط رکھ کر ریاستوں کے درمیان میں کر ایک کر کے نہایت زیادہ اور اور شریف قوم اور ایک صوبہ برقی
یورپی طاقت کے درمیان غریب و بدمعاشی ہے وہ یورپی طاقت جو عجیب و غریب آفریقہ اور اسی کے نام پر قوم کے نام پر بقصد و غرضت کے لئے آئے کوئی غلط
وجہ پیش نہیں کر سکتی بلکہ ان افریقہ و ایشیا کے جذبات کی برائیتوں کو جس سے طریقہ کی طرف سے غلطی ہو رہی ہے۔

آخر میں آنا اور بنانا چاہتا ہوں کہ میری حکومت اور میرے ملک کو فرانس کے ساتھ انتہائی محبت ہے اور وہ فرانس کی عظیم الشان آزادی
بندہ آزادیات کو صلعتہ احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پستان کے ایک مقام، روم، فنان - کے محلے ہیں۔ - میں سیاسی مسائل میں ہیں
فرانس کے ساتھ کتنے ہی اختلافات ہوں لیکن ہم فرانس کی انتہائی محبت کرتے ہیں اس لئے کہ وہی سے حریت، اعرف اور مساوات کے لئے پائیدار
آئے۔ یہ۔ جو فرانس کو آزاد و نیا میں اپنا راستہ دیکھنے کے لئے روئے ہیں۔ اور فرانس، پاکستان کے درمیان علاقے کو مستحکم کرنے کے لئے ایک دقیقہ سنی اعطاء
کھینچے۔

اگر ان اعلا اصول کا علم ہندو کھنے کی کوشش میں میں کاسہ آکر کھانے فرانس کے سر بالمعدے میں نے اپنے رفیقوں اور ساتر نامہ اور
کے سر و تحمل پر یہ وہ بڑا اسے قومیں صمیم قلب ہندو خواہ ہوں۔

ماڈل جنرل اسمبلی

دل میں پاکستان کے مستقل سامنے وہ سفیر احمد شاہ بخاری کی سن انتہائی تعزیر کا متن دیا جاتا ہے جو

انہوں نے بنامہ بھی نویارہ کی ماڈل جنرل اسمبلی سے پچیس برس بعد ۱۰ اپریل ۱۹۵۲ء کو دہرائی۔

جبلبہ سے ابستہ پہلے میں یہاں کی اجازت سے میں تدریساً سیکرٹری اسٹیٹ پر میسر ہوئی۔ سٹریم سٹڈیٹس اور مس ڈیٹھ ٹیچر
ماڈل سے شکر ادا کرتا ہوں جن کے من اعلان اور سامان وادی کے میل کے آج شام یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے جبکہ سے کھانا لکھے اقوام متحدہ کی اس
ماڈل اسمبلی سے مقررہ نمونوں کے طور پر خطاب کرنے سے قادیان محفل کے لئے کچھ پر صورت مل کے ہمام نے تحریر کی نسبت جاری کردی مجھے طور تھا یہ اجلاس
میں نے اپنے لئے ماڈل اسمبلی کا نام توڑ کر لیا ہے۔ یہ عام اقوام متحدہ کی اسمبلی کے نمونے پر تیار کر کے ٹی جی ڈی ایس پر مقررہ نمونے یا اقوام متحدہ
کی اسمبلی کے مشق یہ ترتیب قائم کر لی گئی ہے کہ وہ تدریس کا پے در پے عمل کر آپ کے نمونے کے مطابق بنائے گی۔ میںیں میں دیکھو کہ اقوام متحدہ میں
میں اور یقیناً وہ مقرر بھی جرات شام آپ سے خطاب ہے پے در پے عمل اور طریق کار کو آپ کے طور عمل کے سامنے پر دھانا پسند سے گا۔ میں یقین کیا تھا
کہ ایسا کرنے سے وہ نمایاں بھی اپنی زندگی سے اسے گا۔ رستہ میں بھی۔

میں یہ سچ کوئی نہیں کہتا کہ آپ لوگ اس اسمبلی میں جو سلیجے کر سکتے ہیں ان کا یہ کیا درجہ ہوگا؟ میں اسی مثال پر قائم رہتا ہوں
جو اقوام متحدہ میں پیش ہوتی ہے کہ میں ایک میں کوئی دیکھتا ہوں اور وہ یہ کہ آپ کو آپ میں احتیاط سے سے بھی سابقہ پڑے گا اور میں بہت کوئی بھی
کہتا ہوں کہ ان اختلافات کی بنا پر آپ بھی سمجھ اور شاید یہاں اوقات اپنے آپ کو شکست کے لئے دیکھتے ہیں جو ابھی میں نے پھر آپ کے سامنے باور
سوال آئے گا کہ باور غلیم مل سکتی ہے :

اختلافات کی کئی صدیوں میں ایک خط کے لئے فقط دو صورتوں پر زیادہ توجہ کر دیں گے۔ ان میں سے پہلے خطاب کی توسیع
مائل سہل ہے۔ ان کے اس پر زیادہ وقت صرف کرنا نہیں پڑے گا۔ یہ خواتین جن کی حیثیت کھسے میں کی نہیں اقوام متحدہ کے ایوانوں میں باور
ڈیٹھ میں۔ اور میں نے فرے اس میں میں باور جبکہ میں نے سے سرتق و معرب کی آوریٹش کیا جاتا ہے۔

L MACINTOSH L PEARSON L MR WILLIAM HENDERSON, L MISS
RUTH SCHACTER

کوہن اصول کران میں۔ علیٰ حق اس سنس رٹا پڑا۔ کسی کو تعلق ملک میں یہ تبلیغ کرنے کی مہلت نہیں کرانہ لوگوں سے فوجوں کی محنت زیادہ نہیں کرنا
دوسری کتاب ہے: گویا یہ باتیں سیم کرلی گئی ہیں۔ درحاشیہ کا مفروضہ: کہ روادری محسوس کرنا ہے۔ تاہم یہ صورت گئی ہیں۔ اور اسی حاشیہ سے یہ پیدائش
ہوتی۔ کج التہذیبی کالوں کی پس ماندہ ہے۔ خوفناک ہے۔ بیادریوں کا ماحول ہے۔ اسی وقت میں بتا ہے۔ اور وہ کہنے کے پکارا ہے۔ تاہم یہ پیش ہی
تعمیر کریاں ہے کہ اسے یہ اور صورت کے طور پر ہی جسے یہ وہی جذبہ ہے۔ جو اب تمام ملک یا دوسری پہلے نہیں دینے والے دولت مندوں میں گھڑا
گھا۔ وہ گھمے گئے کارہ قوم کے باقی افراد کو بھی دولت کی نگاہ سے رہے ہیں۔

مقبور کا دوسرا رخ ہے۔ سہ ماہی - ادا کو غرات تصور نہیں کرتے۔ ہم سے بنی لاف زبانی کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ اس کام
مصلحتوں کی عقل ہے کہ ہر شخص سے اس کے مقدّمہ کے مطابق لیا جائے اور ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے۔ لیکن جب زیادہ تر لیانہ
ممالک سے براہِ امداد ان ملکوں کو ملتی ہیں امداد مندی کے ساتھ قبول کی جاتی ہے۔ تو کئی دوسرے سال مل کر ملے ہوئے ہیں کیا اس قسم کی امداد سیاسی
مصلحت کی حامل تو نہیں ہے؟ کیا اس کے ساتھ شرارت و تہ و کی پابندیاں تو نہیں ہیں؟ اگر اس امداد کا مقصد وہ کیا ہے؟

یہ آخری سوال مستحکم ہے اعانت دیکھ کر میں خوش غمزن سے ذرا ہٹ کر اس حقیقت کی یاد دہانہ کر دیا کہ میں سے اکثر مالک جب استعماری اقتدار اور عیسائی سامراج کے منکمر تھے۔ آجوں کے منک عام مال میں کئے گئے اسباب سے بڑا ریہ دی گئے اب وہ دھڑی سے یہ کیفیت علی آئی ہے کہ تمام منشیں اور سرمہ کی حقیقتیں دیکھنے ان ملکوں میں دستور ہو گئی ہیں جس میں ترقی یافتہ کہا جاتا ہے کہ بڑے سے معلوم کر لیں کہ جب ملک کو ملی ملک عام مال میں کیا کرتا ہے اس وقت ملک وہ خود کشیل ہرگز نہیں ہو سکتا اس لئے اگر ہمارے ملک میں کوئی ایسی ترقیاتی سلیم مٹی سوتی ہے جس کا شمار عام اشیا کی زیادہ سے زیادہ پیداوار پر ہو تو اس کے متعلق شک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ آج ہیں اس امر کی فرہت ہے کہ ملک کے عام مال سے فائدہ اٹھانے کے لئے خود اس ملک میں صنعت رائج کی جائے۔ دوسری طرف میں جہاں جہاں ہر سے — مثال کے طور پر اقوام متحدہ ہی کہہ لیجئے — ملتی ہے اس سے ہمارے دلوں میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم اس ادا کو عام مال میں کرنے کی صلاحیت بڑھانے کے بجائے اپنی مصطفیٰ ترقی میں مرمت کریں گے تو دنیا میں اس میں کچھ نہ

لہذا جب یہ سوال سامنے آئے کہ دنیا کی اقتصادی سہادری اور کسے کا بہتر بن چل گیا ہے، تو میں سہارے ادب سے یاد دلاؤں گا کہ سب سے پہلے بین الاقوامی معاشرے کو ان ممالک کی امداد و جوہ کی بنا پر کرنی چاہیے۔ جو میں واضح کر چکا ہوں۔ اس کے بعد ان ممالک کو ایک دوسرے نکال کر دوسرے دور میں داخل کرنا لازم ہے جو ملک میدانوں سے زرعی دار کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان میں اور ایسے ملکوں میں جو کھاپ کی دریافت کے بعد صنعتی ترقی کے میدان میں سبقت سے چاہتے ہیں۔ انہی وسیع اہلیہ کی تعداد سے بہت ترقی کرنے اور زراعت کاری کے ذرائع میں تھا۔ سوال یہ نہیں کہ یہ ممالک جس کیفیت سے گذر رہے ہیں ان کو ترقی کی جائے۔ سوال یہ ہے ترقی کی دینا نے صنعتی ترقی، درشنی پیداوار کے لحاظ سے جو شکل اختیار کر چکی ہے۔ اس کی طرف صحیح رہنمائی کی جائے۔

ان میں چار معاملوں کے بارے میں اختلافات سمیٹ رہی تھیں کہ یہ اختلافات کبھی شاید اور کبھی کبھی ترمیم کے لیے ان ممالک میں بھی رہیں گے۔
 مبنی کے درمیان بنیادی اصولی اصول اتفاق رائے موجود ہے۔

ہم کسی ایسے آزاد و نڈر، حسن ظن پر مبنی کسی ایسے عقیدے، اللہ آزادی کے لئے کسی ایسے تصور سے ناقت نہیں جس کے لئے امریکہ کی مہبت کی مثال از حد قابل تہمتیوں نے جود جہد کی کہہ دیا اس لئے انہوں نے اپنی زندگیوں ختم کر دی ہوں۔ ہم اپنی امیدوں کے عمل اسی بنیاد

پیغامات

فليق غيب الحكم

عزت و حریت پر قائم رہنا۔ آخر سنی۔ مسلمان۔ مذہب و حریت و اخلاقی اہمیتوں کی سہ کرن اٹھنے، انسانی یکجہ نعرہ: ہاں پر جی مٹ گیا۔

! عہدِ پیکر و سب نے میر

برے بے نیکی: نیکی و برائی

ایسے باطل پرور لوگ کی ہر ایک ذہنی عمارت مبنی ہے جسے کہ وہ جیل: غفلت، حسرت، تپتے تپتے حیات: آوارہ داری، تیرت تیرت اس کا منہ اودھتا رہتا ہے۔

[illegible]

مذاہب کی نسبت مبالغے لڑل، اسوان، مانت لکھنے کی بجائے جو ان مذہبیت کہانیاں دھرموں پر مبنی تھیں، انہیں انہیں انہیں
 انگلیسوں کی مداخلت پر تنقید ان کے مذہب سے جو بہت سلسلہ حق و غلط کی چاشنی کے بغیر مرقی حق، اسی خصوصیت کے ان کو مذہب کہنا
 تھا۔ سبب بھی وہی ہیں، ایسے مذہبیتوں کے خلاف، بار بار آتے ہیں، زمین زمین اور کھیتی سلاخیوں کے لئے انسان کو قتل بھی پیدا کرتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ
 مذہب بھی تو انہیں دماغ بھی، ایسے چراغ جب کچھ جلتی توڑنے کی قوت کہ وہ جلتی ہے۔

ایک مدفن مانع تھا نہ مل
شہر میں ایک چاروغ تھا نہ مل

خفيظها الذمعي

حضرت امام علیؑ کا انتقال ہو گیا۔ خدیجہؓ میری بیوا بن گئی۔ میں اسی برس ۱۰ عہدِ نبویؐ میں ۶۱۰ھ میں پیدا ہوا تو میری شامانی پلوس بھاری سے ہوئی۔ پہلی ہی عمارت میں تم قلم توجاں شدی: میں کئی عہدِ ولیدِ سلطنت جگر کشورہ ۱۱۔ ہر سوسن اشیتہ صاحبِ عفت و تقویٰ، سیدِ اقدیس علی مرتجی، قلم توجاں سے پہلے ہی صاحبِ کجک میں بیٹھے کئی کئی ایک ہل میں تھی کہیں سے شکار و ہل جلتے مشغول رہا، اہلِ مملکت میں کئی شریف ہوئے۔ پھر فارسی کا تہیت کیا گیا۔ طغیور کوئی پڑائیس۔ بھری کوئی شیشی کی تیر کھڑے بن گئی۔ اب تاہم احمدیہ دلف اور پندرہ ہری چھانوہر کئی س: ہم اسباب میں شامل ہو گئے اور سب چاندن و صبر کھائے۔ تیس س: انجن کی شمع چڑس بجادی کی ل ذات تھی۔

شعر و سخن، ادب و فن اور نقد و خانہ کے ایسے نکات اور الحائف و الحائف و ذری کی زبان سے ظہور میں آتے جو ہم سب کے لیے بہت

پھر وہ یہ دیکھا کہ مہتمم سلطان کو دلی ہو گیا۔۔۔ موت بعد میں، مجاہد تک تیار ہوں چہ: خضر فیض اور سہت علی دلی ہی میں جمع ہوئے۔۔۔
 بیتہ کا بھی کہے ہیں کہ کبھی میرے ہاں ملے سکتا۔ حالت صاحب، مورے جاتے۔ صاحب جستانی اور سنی قسم کی قدم، بفرستے، دہرہ پر ملے۔
 راستہ بننے کے بعد بھادی پرانے کارو پیاروں دین و سب سے بڑی آئین میں شامل ہو گئی۔ دوستی کی مصلحت پر چراغ ہو گئی۔ امیر بھی دوا کہنے لگا اس نے
 صاحب کی کیا کیا کرے باطل ہو گا۔ اس سے سب سے محاسن پر جمع ہو جائے لیکن میں اس کی سنائی سنائی ہے مبالغہ تک اس دنیا کا تسلی سے ہے۔

”دستی اپنے لیے کام کر رہی ہیں

تارونا بھر گئے۔

لیکن اس سے میرا شہ تھما گئے ساتھ ڈٹنے والا نہیں۔ جہاں پیشہ حرکت تیار ہو چکا ہے اسے جہاں سے جہاں سے چھوڑ دیا جائے۔ اور میں بھی جہاں سے چھوڑ دیا جائے گا۔

خواجہ منظور حسین پرنس گورنمنٹ کالج لاہور

پد فیروز شاہ بھڑی کی وفات پر ان کے پہلے لاف کے سوا کسی اور سے کو بھی جس سے ان کا تعلق رہا، سو گوارہ لے کی اتنی وجہ نہیں کہ نہ پہلے دفعا کار میں سے کسی نے ان سے زیادہ اس لاف سے کچھ حاصل کیا نہ زیادہ فراخ دل کے ساتھ فائدہ پہنچایا۔ انہوں نے اس جگہ اکر میرج میں اپنی زندگی کے سب سے نیکہ مسرت بخش اور فیض رساں سال بسر کئے۔ یہی نادر گاہ ہے جہاں ان کی شخصیت نے پہلے پہل جلا جوند روینے والے اوصاف عیاں کئے اور ان عیالیات کو استعمال میں لانے پر غرضی کے شادمانے بجائے یہیں سے ان کی اثر آفرینیوں نے دور و نزدیک گندیں پھٹکیں اور تہذیب و دانش کی پیلائی کی سرزد و کشیش کیں۔ وہ ایک ستارہ اور بحر عالم تھے جو مشرق و مغرب کی حیات پر اور ادب کے نشوں سے سرشار تھے۔ ایک جوش آفرین ستارہ کی حیثیت سے ان کا پایہ بہت بلند تھا وہ تراشیدہ لطافت اور روشن فصاحت رکھنے والے ادیب اور مقرر تھے بات بات میں نکتے پیدا کرنے والوں کی طرح تیز کاٹ رکھنے والی طرائق کے مالک تھے انہیں جس چیز کو چھپا اس کی بیت بدل دی اور جس سے لے اس کی زنا ریزہ ترک دی تھیں وہ جس کا شوق

بھی نئی گذر گاہوں میں سے گیا۔ تازہ تازہ وقت حاصل کئے گئے، انہوں نے کئی نیاں دھاریاں کھینچ کر نکالیں، ان سے ان کے ہر گھر کے لیے ایک کوسرے کیا۔ میانوں میں مینا کی پیدائی یہاں تک کہ وہ کھانوں سے اچل پڑے۔ یہاں وہ بیاہشت کی جاس میں رہے، جتنے جتنے کھانے پینے کے ذوق رکھنے کی محبت میں تھے، ان کے نگاہ انداز رکھ لیتے تھے تو جتنے اور اوروں کو سناتے تھے ان کی بے پناہ شگفتگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (ترجمہ)

سید علی علیہ

پروفیسر احمد شاہ بخاری کے رفعت ہوجانے سے بہت سی چیزیں ان کے ساتھ حصہ ہو گئیں۔ مختلف مقامات کی صحبت کی وہ اعلا اقدار رخصت ہو گئے، و شرقی اور مغربی و مصلحتی کے نہایت بڑے اشراف سے پیامی ہو گئے۔ اسلوب حقیر رخصت ہو گیا جس میں مختلف زبانوں کی چہریاں تھیں، اس طرح جسکی تیس چھ شق کے رنگ کی تھیں۔ ان کے ساتھ دو بیارہ خطابت، غلبہ ادبیت، تین قرآن اور قرینہ کثافت ہیں، غصہ برائے کہ یہ شہر آج سے اب کبھی واپس نہ آئیں گے حقیقت یہ ہے کہ وہ ادبوں کا پتہ انداز اور سن نہیں کی ایک عجیب جہالت کے سب سے بڑے ترجمان تھے ان کے جملے کے بعد اگرچہ اس جماعت کے گنتی کے کچھ افراد باقی ہیں۔ لیکن اس جماعت کی وہ تازہ و خشن روح رخصت ہو گئی جس کی جوت سے اس جماعت کے ماسما فساد پیچھے پڑے ہلکے ہلکے گئے تھے۔

شائستگی اور بخاری ایک دوسرے کو کچھ اس طرح روم ہو گئے تھے کہ جس کو جب شائستگی کے سبق لکھ سچا تھا تو بخاری کو اس کا نظم بنتی بنا کر سچا تھا۔ انہیں نورت نے آگاہوں ملا تھیں سے ادا کیا تھا کہ اس میں بیعت تھے۔ کہ اس کے بعد پر کاٹا جاتا تھا۔ ادبیات کے دوسرے اور اس انتظام کی سنتی دینی پوری پوری تھی، انہوں نے ان کی تصویر تھی۔ انہوں نے ان کی تمام صلاحیتیں پانچ سو سالوں کے کام آئیں۔ کبھی یہ بھی تھا کہ کسی مسئلے کے مسئلے میں ایسی گرہ پیدا ہو گئی ہے کہ سچا ہے نہیں سچا ہے اور بخاری سے جو رجوع کیا گیا ہے تو انہوں نے پہلے سے کچھ نہیں ہی سمجھا ہے اور پھر ان کے غرض میں بند تھی سے لایا ہے کہ اس کو بھی چکیوں میں اڑا دیا ہے۔

ادب ادبیات کے مسئلے میں ان کی تعلیمات گنتی کے چند مسائل اور مشکلات پر مشتمل ہیں۔ لیکن ہر تئیس ایک کا نام ہے اور ہر مضمون ہندو کہ یہ گمان کرتا ہے کہ بخاری اس سے بہتر مضمون نہ ملے سکتا ہے۔ ہر ذریعہ گمان عقائد بتاتا ہے ہر دوسرا مضمون پہلے سے بلکہ کہ قبہ صحت میں ہے۔ جی اللہ اوصاف کے قطع نظر ان کے بائین کی یہ ادبوں کا موش کا سکہ ہے کہ موش کے ہنس دہے ہیں اور ہنسنے ہوئے سر سے ہیں شاید لوگوں کی بہت بڑی اکثریت کہ ان کی محبت کے بعد موصوم ہوا ہو گا کہ ان کی بخاری کتنی خوفناک شدید و طویل تھی اھل اپنے فرائض منصبی کا کتنا گہرا شعور رکھتے تھے کج تاثیر و عوم کی موت کا داغ تازہ تھا۔

ہم زبان چپ ہو گئے ہم دانت چپ ہو گئے
کیسے مقل آواز گہاں چپ ہو گئے

کتاب: جواز سید اسلامیت دہلی

ہماری کتابیں

(تصانیف شوکت تھانوی)

نسیلوفر۔ شوکت صاحب کا رفاہہ ترین ناول ہے۔ یہ ناول ہے جس کی
کے پتے لہجوں سے لکھا گیا ہے۔ یہ ۱۰۰۰۰۰ روپے کی کتاب ہے۔ اسے اب تک
نہیں بچھا تھا۔ یہ ۱۰۰۰۰۰ روپے کی کتاب ہے۔ اسے اب تک
نہیں بچھا تھا۔ یہ ۱۰۰۰۰۰ روپے کی کتاب ہے۔ اسے اب تک

قیمت - ۶/-

ہماری دوسری کتابیں			
۳/۸	شوکت تھانوی	مولا	
۶/-	"	نور الہ	
۳/-	"	خدا ترنا	
۳/-	"	سودیشی ریل	
۳/۸	"	گیتا	
۲/۰	"	سچ کو بچ	
۲/۲	"	سکول	
۳/۸	"	کارڈن	
۳/۸	"	مادرست	
۲/۸	"	بسم اللہ	
۲/-	"	نور نور	
۱/۸	قاصد کی دس سہ	۲/۸	معاہدہ شوکت
۲/-	غیرہ وغیرہ	۲/۸	غائب کے ڈرائے

ادارۃ - ہر ذریعہ - اُردو - لاہور

ہماری بلند پایہ کتابیں

دوڑن: — اس دور کے جن بہت کم شاعروں کو بعد پر کا سیاہی نصیب ہوئی ہے۔ ان میں قسطل کا نام قابلِ رشک حیثیت کا ملک ہے۔ محرم ہوتا ہے۔ مترنم اور سوز و غم کے زیدیم نقیہ ستانی کے لہو کے ساتھ گردش کرتے ہیں۔

قیمت - ۲۱/-

۵/-	عوا و نغمہ	نبی اعلیٰ
۱۰/-	"	حلقہ شہر
۷/۸	بگڑیہ آبادی	منطقہ طوکر
۲/-	سُمر	اھرا و حاتم ادرا
۴/۴	ابو سعید قریشی	منسٹر
۲/۸	عسدم	قول و فوار
۲/-	"	پہچ و خم
۲/-	مڑ	سرگدوں کے پیچھے
۲/-	احمد علی ماسی	آنکھیں
۲/-	"	بازار حیات
۲/۸	ڈاکٹر ناشر	عزیز مر کے نام
۵/-	عابد علی قادی	پیر بیضا
۲/۸	امام ابن قیوم	مسماست الہیہ
۲/-	مترجم اندریم ماسی	قوتی لطیف
۴/-	"	مضامین جمال الدین اعلیٰ
۲/۴	رشید اختر مددی	پندرہ اگست

ایک نگاری پر بے مثال کتاب مدبر فروش کے ایچکر کا مجموعہ۔ جس کی تری: محرم ہے۔ اس لیے کہ مدبر فروش نے ایک یہ نہیں سیکھا کہ وہ کسی کی خواہ خواہ تعریف کریں یا مادہ سودا میں جا بیٹیں یہ جو کچھ دیکھتے اور سمجھتے ہیں وہی کہتے

قیمت - ۳۱/-

ادارہ شروخ اردو لاہور

ہماری تنقیدی کتابیں

ایک تنقیدی حصہ بات مسلم جرتی سے رظاں اولی تاہ پانصد ۱۱۰۰ میں کی تمام
۱۰۰۰۔ یہ بھی لہذا صاحب ترقی کرہ ہے نہیں اپنے دینی اور دنیائی مسائل پر کتابیں ہیں

<p>ذاتی خیال کو بہت بڑا کرتا ہے ماتحتی نقد ہی۔ ان کی تمام کتابیں و ملکہ کا قیوداتی ہیں میں میں سرب اور ترقی تہذیب کا جو مذاق مناسب قرآن کو پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے قابل ذکر تمام ملاحظہ کا حالوں آیا۔ قیمت ۲۔</p>	<p>اردو و غزل گوئی</p>	<p>و ان کو پھر ہی ہفتادہ اشعار ہے اتنا ی رانٹا کو ہے راندازے 'ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ اردو نقد میں اس سے بہت کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ قیمت ۵۰۔</p>
<p>سید عابد علی فاضل ماہرستان۔ اس پر بڑا اثر ہوا اور اپنے شکل لگا دہیں۔ ان کی تنقید میں 'داعی نقادوں کی طرح تنقید اور یاد کوئی نہیں ہوتی۔ یہ بات بھی کہتے میں اس کے لئے مناسب ہفتادہ حوالہ دے میں یہی وجہ ہے کہ ان کے تنقیدی مضامین کی یہ کتاب مقبول ہو رہی ہے قیمت ۷۰۔</p>	<p>امعتاد</p>	<p>اگر آپ کو داستانوں سے دلچسپی ہے تو اس کتاب کا مطالعہ مزد کریں اس سے کو سید دقت و نظم نے ان کا ادبی مرتبہ سن کہنے میں بڑی جانفشانی سے کام لیا ہے اور یہی بتایا ہے ہر اردو 'فانکوں صحت پر پھر ہی ہوئی داستانوں میں کیا کچھ ہے۔ قیمت ۵۰۔</p>
<p>ایک روڈ انارکلی</p>	<p>ادارہ فریغ اردو لاهور</p>	

فتنہ ۴۴۸ ————— پرچہ نمبر ۱

ہفت روزہ - نصرت

پیکر اسطوحات و کجبا جمید

بست سے دو گوی ہندو اوروں نے نصرت کو اپنی اپنی منہ کے ہاتھ لگا ہے۔ امید ہے آپ بھی اس کو باقاعدہ مطالعہ کرنا اپنے لیے کئی لحاظ سے پسند کریں گے۔

ایک شاعر

نصرت واقعی بیا رہا ہے۔ نصرت نے جی اوروں کو پس منظر رکھ کر ہے۔ آج کی بیدار ہوئی کی منہ دہشت مٹی۔ مٹاؤں کے دلوں میں بہت زندگی کے لئے آرزو پیدا کرنا اور اپنے ملک و ملت کے مسائل میں نصرتی جذبات کے ساتھ خود جذبہ لیتا اور دوسروں کو قائل کرنا نصرت کا مصلح نعرہ ہے۔

ابو الاشرف حقیقہ جانا ندری

ایک مضمون

دو مصلحتی نشروں اور صلاحیتوں کی تکمیل کے لیے مکتبہ بیدار نے بے تمل خدمت کی ہے اور اب ہفت روزہ نصرت بھی ان خدمات کی ایک کڑی ہے جسے فزائش دیکھا جائے گا۔ نصرت نے اتنے عرصے سے جو عظیمی ترقی کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پیچھے ایک پیغام ہے اور اس میں ہیرت کی چمک ہے۔

صوبہ شرقی، عبدالرحمن جغتائی

ایک روزنامہ

نصرت میں باقاعدہ یہ کوشش نظر آتی ہے کہ ہماری زندگی کے جو مختلف اور متنوع پہلو ہیں ان کو سامنے لایا جائے اور یوں لوگوں میں ارد گرد کی زندگی میں اور خود اپنی زندگی میں دلچسپی لینے کا ذائقہ پیدا کیا جائے۔ اور یہی ایک ہفت روزہ دار کا صحیح تصور ہے۔

دعوتِ امنہ، آفاق، لاہور

بدل اشتواک

فی ستمارہ چہ آنے ————— ایک سال کے لئے سہ ماہی درود ہے ————— بچہ ماہ کے لئے اٹھ پئے

فاطمہ دہشت روزہ نصرت ————— ۶ ————— فتح محمد روڈ ————— لاہور



ایک آزاد ملک کے عوام اس آئینی
قانون میں چھپ چکے ہیں اور ان کے حقوق عام
رکھ کر، صرف سب سے زیادہ سزا کے
ان کے خلاف ملوث کو شرم کا اندازہ کیا جا
یگا۔ یہ سزا ان کے لیے ایک ایسی سزا ہے
جو ان کے لیے ایک ایسی سزا ہے جو ان کے
حقوق کے خلاف ہے۔ ان کے حقوق
حاصل ہونے کے لیے ان کے حقوق کے
دفاع میں ان کے حقوق کے لیے۔

Bata **بٹا**
دنیا بھر کے
بچے مسرت

۱۹۴۴ ن ۷ پ ۵۸۶۱
۲۹۰۰۲

یہ کتاب اس تاریخ کو جو سب سے آخر میں
نت ۵ کتب خانہ سے مستعار لی گئی تھی اگر
اس کتاب کو میعاد مقررہ پر واپس نہیں کیا گیا تو
دو پیسے روز کے حساب سے ہرجانہ وصول کیا جائیگا۔

6 DEC 1971

